حبیب الفتاویٰ

افاضات

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی بھاگلپوری علیہ رحمۃ الباری

ترتیب وتبویب

مولانا عبد المنان کلیمی بہاری

ترجمہ وتصحیح

سیف خالد اشرفی بھاگلپوری

شبیر برادرز

شبیر برادرز

فتاویٰ جامعہ نعیمیہ مرادآباد، سیریز ۱

معروف بہ

حبیب الفتاویٰ

افاضات

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی بھاگلپوری رحمۃ الباری علیہ

صدر المدرسین وشیخ الحدیث ومہتمم جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی

ترتیب وتبویب

مولانا عبد المنان کلیمی بہاری

ترجمہ وتصحیح

سیف خالد اشرفی بھاگلپوری

شبیر برادرز

۴۰۔ اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ۞ لاہور

اظہار تشکر

حبیب الفتاویٰ کی فراہمی میں معاونت پر ہم محترم جناب غلام اویس قرنی قادری رضوی ناظم اعلیٰ **ادارہ معارف نعمانیہ** و **رضوی فائونڈیشن پاکستان** کے مشکور ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں مزید خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) بجاہ نبی الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نام کتاب : حبیب الفتاویٰ

مصنف : علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ

مرتب : مولانا عبدالمنان کلیمی

ترجمہ وتصحیح : سیف خالد اشرفی

کمپوزنگ : سیّد طفیل - اکرم فہید عرف زینی - محمد ابراہیم ترکی سنبھلی

سن طباعت باراوّل : ۲۰۰۵ء

تعداد : ۶۰۰

مطبع : اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

طابع : ملک شبیر حسین

قیمت :

ملنے کے پتے

☆ **ادارہ پیغام القرآن** زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور

☆ **مکتبہ اشرفیہ** مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

☆ **ضیاء القرآن پبلی کیشنز** لاہور/کراچی

☆ **مکتبہ غوثیہ ہول سیل** سبزی منڈی کراچی

☆ **احمد بک کارپوریشن** کمیٹی چوک راولپنڈی

☆ **مکتبہ ضیائیہ** بوہڑ بازار راولپنڈی

☆ **اقراء بک سیلر** امین پور بازار فیصل آباد

Hazrat Allama Maulana Mufti
Mohammed
Akhtar Raza Khan Qadri Azhari
President: All India Sunni Jamiatul Ulema
Head Mufti: Central Darul Ifta - Bareilly.
82, Raza Nagar, Saudagran, Bareilly Sharif
U P 243003, (INDIA)- Tel. 0581- 2472166, 2458543

Ref No ____________ حوالہ

Date: ____________ تاریخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رضوی فاؤنڈیشن کا قیام

مسلک حق اہل سنت و جماعت کی وساطت سے دین کی ترویج و اشاعت اور عوام اہل سنت کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہنا ہر سنی مسلمان کے لئے اشد ضروری ہے۔ لہٰذا ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے جو کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی تعلیمات کی روشنی میں مذکورہ منشور پر عمل پیرا ہوں۔ اس سلسلے میں لاہور (پاکستان) سے میرے محب، عزیزم غلام اویس قرنی قادری رضوی سلمہٗ اور ان کے رفقاء نے "رضوی فاؤنڈیشن" کے نام سے ایک تنظیم کے قیام کی خواہش کی ہے۔

لہٰذا آج مورخہ ۲۶ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ/ ۷ راپریل ۲۰۰۵ء بروز جمعرات عرس اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مبارک موقع پر میں "رضوی فاؤنڈیشن" کے قیام کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور کی ترویج و اشاعت کا کام بھی اسی "رضوی فاؤنڈیشن" کے زیر انتظام کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ کریم "رضوی فاؤنڈیشن" کے کارکنان اور وابستگان کو مقاصد حسنہ میں کامیابی و ترقی عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے فروغ اور اس پر ہمیشہ کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ خدمت دین لے۔ آمین بجاہ نبی الرؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم

(فقیر محمد اختر رضا خاں قادری ازہری غفرلہٗ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحسین منی وانا من الحسین

شاہ است حسین رضی اللہ عنہ

ابو حمزہ مولانا ظفر جبار چشتی اشرفی

حیاتِ عمدۃ المحققین رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۹۱۷ء وفات ۱۹۷۵ء

مولانا محمد شاہد رضا نعیمی اشرفی

خاندانی پس منظر

عمدۃ المحققین حضرت شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی قدس سرہ العزیز کا تعلق ایک دینی و علمی خانوادہ سے تھا۔ میں نے آپ کے خاندان کے اکثر افراد کو شکل و صورت کے اعتبار سے دین دار اور باعمل دیکھا ہے۔ مثلاً آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبد الجبار صاحب نعیمی اشرفی (۱۹۰۸ء-۱۹۹۲ء)، آپ کے دوسرے بھائی مولوی محمد عثمان صاحب اشرفی مرحوم، آپ کے ماموں رحمت علی صاحب مرحوم، آپ کے چچازاد بھائی حضرت علامہ مفتی محمد شاہجہاں صاحب قادری رضوی (پ۔ ۱۹۲۴ء)، آپ کے پھوپھی زاد بھائی حافظ محمد معظم صاحب اشرفی مرحوم ــــــ ان تمام لوگوں کو لباس، شکل و صورت اور کردار و عمل کے اعتبار سے پابند شریعت پایا۔ علوم دینیہ کے اعتبار سے بھی آپ کے خاندان میں متعدد حضرات کو عالمِ دین، حافظِ قرآن، طب یونانی کا ماہر دیکھ کر یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عمدۃ المحققین کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا۔

آپ کے والد ماجد شیخ نور محمد مرحوم (وفات ۱۹۴۵ء) ایک منکسر المزاج، نیک سیرت، علماءِ دین کی صحبت میں بیٹھنے والے، تاجر پیشہ شخص تھے۔ اُن کے آباء واجداد مغلیہ دورِ حکومت میں بیرون ہند سے ــــــ ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور غالباً او پر چھٹی پشت میں بھاگلپور میں ــــــ محلہ میل چک میں آکر آباد ہو گئے۔ جہاں آج بھی خاندان کے ایک بزرگ اور صاحبِ کرامت شخصیت حضرت محمد شاہ گدا علیہ الرحمۃ کا مزارِ پاک موجود ہے۔ حضرت محمد شاہ گدا علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے یا پوتے کا نام محمد مدار بخش تھا۔ اُن کے بیٹے کا نام محمد حیات بخش تھا۔ محمد حیات بخش کے صاحب زادے کا نام حکیم علی حسن تھا۔ آپ حکیم چھوٹے میاں کے نام سے مشہور تھے۔ فتحپور میں آپ کی شادی ہوئی۔ اور اس طرح میل چک سے خاندان کے افراد فتحپور میں آکر آباد ہو گئے۔ شیخ نور محمد حکیم علی حسن مرحوم کے بھتیجے تھے۔

فتحپور

صوبہ بہار کے دار السلطنت پٹنہ سے، ۲۱۳ کلومیٹر کے فاصلہ پر جانب مشرق بھاگلپور شہر واقع ہے۔ فتحپور، بھاگلپور سے جانب مشرق ۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ یہاں صدیوں سے مسلمان آباد ہیں۔ عام طور پر یہاں کے مسلمان دین دار اور علماء و مشائخ سے بیحد عقیدت رکھتے ہیں۔ اِس گاؤں میں، ارادت مندوں اور دین داروں کے اخلاص کے باعث ــــــ ماضی قریب کے اکابر علماء اور مشائخ تشریف لا چکے ہیں۔ اہل فتحپور کو مندرجہ

ذیل حضراتِ علماء ومشائخِ کبار کی زیارت کی سعادت مل چکی ہے۔

(۱) شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین، اشرفی میاں علیہ الرحمۃ
(۲) عالم ربانی حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ
(۳) صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب اشرفی علیہ الرحمۃ
(۴) صدر الشریعۃ حضرت علامہ امجد علی صاحب قادری رضوی علیہ الرحمۃ
(۵) حضرت مولانا سید محمد فاخر صاحب الہ آبادی علیہ الرحمۃ
(۶) حضرت مولانا قطب الدین صاحب برہمچاری علیہ الرحمۃ
(۷) ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین صاحب فاضل بہاری، رضوی علیہ الرحمۃ
(۸) مخدوم الملت حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ
(۹) شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب قادری علیہ الرحمۃ
(۱۰) تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ
(۱۱) حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ
(۱۲) تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ
(۱۳) سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفےٰ صاحب قادری مارہروی علیہ الرحمۃ
(۱۴) مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمان صاحب علیہ الرحمۃ
(۱۵) صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب اشرفی علیہ الرحمۃ
(۱۶) امین شریعت حضرت علامہ مفتی سید رفاقت حسین صاحب اشرفی کانپوری علیہ الرحمۃ
(۱۷) مخدوم المشائخ حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ

ولادت

حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمۃ کی ولادت فتحپور میں ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ ولادت کے تقریباً پانچ سال بعد ۱۹۲۳ء میں آپ کی والدہ ماجدہ داغ مفارقت دے گئیں۔ جس کے باعث آپ کو بچپن ہی میں دشوار حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

ابتدائی تعلیم

اردو کی ابتدائی تعلیم فتحپور کے ایک مقامی استاذ مولوی لیاقت حسین سے حاصل کی۔ قرآن پاک، فتحپور کی مسجد کے

امام حافظ عبد الوحید صاحب علیہ الرحمۃ (وفات ۵ فروری ۱۹۸۲ء) سے پڑھا۔ کچھ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا عبد الجبار صاحب سے بھی حاصل کی۔

مدرسہ اشرفیہ نظامیہ فتحپور

یہ مدرسہ اس علاقہ کا ایک تاریخی ادارہ ہے۔ بہت سے علماء نے یہاں دینی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کا قیام ۱۹۰۷ء میں عمل میں آیا۔ اسکی بنیاد کچھوچھہ شریف کے برگزیدہ ولی کامل، عارف ربانی حضرت مولانا سید احمد اشرف اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۴۷ھ) نے اپنے باکرامت ہاتھوں سے رکھی تھی۔

حضرت عمدۃ المحققین نے غالباً ۱۹۲۸ء میں اس ادارہ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۳۷ء کے آخر تک یہاں شرح جامی کے ابتدائی اسباق تک کی تعلیم، اپنے ولی نعمت، محسن و مربی حضرت علامہ مولانا عظیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔

حضرت مولانا عظیم بخش رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۸۸ء ـــــ ۱۹۴۴ء)

استاذ العلماء حضرت مولانا عظیم بخش صاحب علیہ الرحمۃ ابن مولوی مولا بخش مرحوم محلہ شکر اللہ چک بھاگلپور میں ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں تعلیم حاصل فرمائی۔ پھر مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں حضرت مولانا فرخند علی علیہ الرحمۃ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔ اسی ادارہ سے فراغت ہوئی۔ آپ کو حضرت مولنا عبد الکافی علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت وخلافت حاصل ہوا۔ ابتداءً بدھوا چک ضلع صاحب گنج میں ایک مدرسہ قائم فرما کر درس و تدریس کا آغاز فرمایا۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک آپ اسی ادارہ میں رہے۔ پھر ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ) کی ایماء پر آپ مدرسہ اشرفیہ نظامیہ فتحپور میں ــــــ صدر مدرس بن کر تشریف لائے۔ ۱۹۳۸ء تک آپ نے اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ہزاروں تشنگانِ علوم دینیہ کو اپنے چشمۂ علم سے سیراب فرمایا۔ آپ کا وصال ۲ رشعبان ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ رجولائی ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ شکر اللہ چک میں آپ کا مزار پاک مرجع خاص وعام ہے۔ درس و تدریس کے علاوہ ــــــ آپ نے غیر مقلدین، دیوبندی وقادیانی فتنوں کا بھرپور مقابلہ فرمایا۔ متعدد مناظرے کئے۔ اور بے دینوں کو شکست فاش دی۔ آپ کے صاحبزادے محترم ماسٹر ابو سعید صاحب نے راقم السطور کی موجودگی میں حضرت موصوف کی کرامات کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ ایک برن پور۔ بردوان (مغربی بنگال) میں غیر مقلدین سے مناظرہ کیلئے حضرت مولانا

ـ آپ کا آبائی وطن موضع گوری ضلع اعظم گڈھ ہے۔ پوری زندگی فتحپور میں گذاری۔ سینکڑوں لوگوں کو قرآن پڑھایا۔ میں نے بھی ان سے ہی قرآن پڑھا ہے۔ انتہائی نورانی صورت کے حامل بزرگ تھے۔ ۹۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے وطن میں مدفون ہیں۔

عظیم بخش علیہ الرحمۃ تشریف لے گئے۔ اُن کو یعنی غیر مقلدین کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ بوکھلا کر رات میں آپ پر تیزاب پھینکا گیا۔ جسم کا کپڑا تو جل گیا لیکن جسم بلکل محفوظ رہا۔ یوں ہی ۱۹۳۸ء میں بھاگلپور میں خون ریز ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ غیر مسلموں نے تلوار سے حملہ کیا۔ چار ضرب آپ کی پُشت پر پڑی۔ لیکن جسم پر لگتے ہی تلوار کی دھار کا رُخ مُڑ جاتا تھا۔

حضرت عمدۃ المحققین کی حضرت مولانا عظیم بخش سے عقیدت

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ مرادآباد میں گاہ بگاہ اساتذہ یا طلباء کے سامنے یا بھاگلپور میں اپنے شاگردوں کی یا احباب کی محفل میں ــــ حضرت مولانا عظیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے تو اُن کی شفقت و محبت کا ذکر الفاظ سے زیادہ آنسوؤں کی روشنائی سے ہوتا۔ بایں ہمہ جاہ و جلال کہ، جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے شیخ الحدیث تھے، سینکڑوں علماء کے جید استاذ تھے اور ملک کے چند صاحب طرز و تحقیق مفتیوں میں شمار تھا ــــ جب اپنے آقائے نعمت کا ذکرِ محبت چھیڑتے تو ایک چھوٹے بچہ کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مرادآباد سے بھاگلپور آئے ہوں اور اپنے آقائے نعمت کے مزار شریف پر شکر اللہ چک حاضری نہ دی ہو یا حضرت علیہ الرحمۃ کے شاہزادۂ عالی مرتبت، مولانا شمس الضحیٰ صاحب سے نیازمندانہ ملاقات نہ کی ہو۔ اِن موقعوں پر مجھے بھی ہمیشہ ساتھ لے جاتے۔ گویا استاذ گرامی اور اُن کے متعلقین سے اپنی عقیدت و نیازمندی کا بھی مجھے "شاہد" بنانا چاہتے تھے۔

فتحپور سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد آمد

حضرت عمدۃ المحققین، فتحپور کے مدرسہ اشرفیہ نظامیہ سے، جامعہ نعیمیہ مرادآباد کیوں آئے ــــ اِس کا ایک واقعہ، برادر عزیز ڈاکٹر راشد ضیاء سلمہ نے اپنے مضمون میں ــــ بڑے تاثراتی انداز میں ذکر کیا ہے۔ اِس واقعہ کے دوراوی ہنوز موجود ہیں۔ عم مکرم حضرت مولانا مفتی محمد شاہجہاں صاحب رضوی مدظلہ العالی اور فتحپور کے ایک معزز بزرگ جناب محمد عزیز صاحب قبلہ اشرفی (پ ۲۱ رفروری ۱۹۲۷ء) حضرت مولانا شاہجہاں صاحب مدظلہ کے قول کے مطابق ــــ حضرت عمدۃ المحققین نے مرادآباد کا پہلا تعلیمی سفر ۲۱ رشوال المکرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۵ ردسمبر ۱۹۳۷ء کو فرمایا۔ جامعہ نعیمیہ کے داخلہ کے رجسٹر میں، داخلہ کے اندراج کی تاریخ ۲۸ رشوال المکرم ۱۳۵۶ھ (یکم جنوری ۱۹۳۸ء) لکھی گئی ہے۔ داخلہ نمبر ۴۴۰ ہے۔

جامعہ نعیمیہ میں تعلیم

فتحپور سے جامعہ نعیمیہ آنے کے بعد شرح جامی اور بعد کے درجات کی درسِ نظامی کی تمام کتابوں کی تعلیم

آپ نے مندرجہ ذیل اساتذۂ کرام سے حاصل کیں۔

(۱) صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۱۸۸۲ء ـــــ ۱۹۴۸ء)

(۲) تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۳ء ـــــ ۱۹۶۶ء)

(۳) اجمل العلماء حضرت مولانا مفتی شاہ محمد اجمل صاحب قادری سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت صدر الافاضل اور حضرت تاج العلماء کے سفرِ حج (۱۹۳۸ء) کے موقع پر آپ نے جامعہ نعیمیہ میں تدریسی خدمات انجام دی تھیں)

(۴) امام المعقولات حضرت علامہ مولانا حافظ وصی احمد صاحب بہرامی رحمۃ اللہ علیہ

(۵) استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا شاہ محمد یونس صاحب نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۱ء ـــــ ۱۹۷۳ء)

صدر الافاضل سے والہانہ عقیدت

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی عظیم شخصیت کا آپ پر انتہائی گہرا اثر مرتب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، "میرے حضرت" کہکر اپنے محسن مُربی کے نام کا وظیفہ پڑھنا ـــــ صبح وشام اُن کا معمول تھا۔ روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر ـــــ مزار صدر الافاضل پر ـــــ تاحیات میں نے اُنہیں فاتحہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ تمام طلباء کو بھی اِس کی سخت تاکید فرماتے۔ بعض انتظامی امور میں اختلاف رائے کے باوجود ـــــ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے شاہزادوں کا ایک وفادار خادم کی طرح احترام بجالاتے۔ خاندانِ صدر الافاضل کا بچہ بھی سامنے آجاتا تو آداب واکرام کا اظہار کرتے۔ میں نے محلہ چوکی حسن خاں (مرادآباد) میں حضرت کے مکان، حضرت کی مسجد اور درودیوار کو بھی عقیدت ومحبت سے دیکھتے ہوئے ـــــ اُنہیں بارہا دیکھا ہے۔ صدر الافاضل کی بارگاہ سے "وفاداری بشرط استواری" کا مخلصانہ رشتہ ـــــ موت کے بعد بھی ختم نہیں ہوا۔ وہ آج بھی نعیمی چمن کی گویا دربانی کررہے ہیں۔

میں نے ماتھے کی آنکھوں سے حضرت صدر الافاضل کو نہیں دیکھا ہے۔ لیکن اُن کے تلامذہ میں اجلۂ علماء کرام کی زیارت کی ہے۔ معدودے چند حضرات کے علاوہ ـــــ میں نے نعیمی علماء ومشائخ میں ـــــ سادگی، تواضع اور خود اعتمادی کے جواہر ثلاثہ کو اوجِ کمال پر محسوس کیا ہے۔ اِس لئے میرا حسنِ خیال یہ کہتا ہے کہ خورشید اخلاق واوصاف کی یہ کرنیں آفتابِ علم وفضل حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے ہی اُن کے تلامذہ کو میسر آئی ہوں گی۔ والد ماجد قدس سرہٗ میں بھی یہ تینوں اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور کم از کم اِس باب میں وہ حضرت صدر الافاضل کی تصویر تھے۔

دیگر اساتذۂ کرام کے ساتھ بھی اُن کا رشتۂ احترام وعقیدت بڑا مستحکم تھا۔ جامعہ نعیمیہ میں تقریباً بیس سال کا عرصہ اُنھوں نے اِس طرح گذارا کہ خود شیخ الحدیث اور صدر المدرسین رہے اور اُن کے شفیق استاذ ـــــ پیکر علم و عمل حضرت مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمۃ ـــــ مہتمم اور مدرس رہے۔ محکمۂ اہتمام وانصرام کی ـــــ مدرسین کے ساتھ چشمک کی روایات بڑی عام ہیں۔ لیکن جامعہ نعیمیہ میں ـــــ چشم عالم نے یہ منفرد نظارہ برسوں دیکھا جب استاذ اور شاگرد ـــــ مہتمم اور صدر مدرس کے تعلق کو احترام، شرافت، اخلاص، نیازمندی اور ایثار کے ساتھ خونِ جگر دیکر ـــــ چمنستانِ نعیمی کی آبیاری کرتے رہے۔

جامعہ نعیمیہ میں دستار بندی

١٩٤٠ء (١٣٦٠ھ) میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد جامعہ نعیمیہ میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔ اس موقع پر مندرجہ ذیل علماء کرام ومشائخ عظام تشرف فرما تھے۔

(١) ملک العلماء حضرت علامہ مولانا ظفر الدین صاحب بہاری علیہ الرحمۃ
(٢) مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ
(٣) مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ
(٤) تاجدار اہل سنت حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ
(٥) حضرت مولانا احمد حسین صاحب اشرفی سنبھلی علیہ الرحمۃ
(٦) حضرت مولانا عبد المجید صاحب آنولوی علیہ الرحمۃ (پیدائش۔١٩١٨ء)

حضرت مولانا قاری منیر الدین صاحب نعیمی ١٩٣٨ء سے ١٩٤١ء تک جامعہ نعیمیہ میں، آپ کے ہم سبق ساتھی رہے ہیں۔ جولائی ١٩٩١ء میں ـــــ چھوٹے بھائی عزیزم معارف رضا نے کٹوریہ (بھاگلپور) اُن کے دولت کدہ پر حاضر ہوکر ـــــ اُن سے بہت سی مفید معلومات حاصل کیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ حضرت والد ماجد قدس سرہ نے مشکوٰۃ شریف اور تفسیر جلالین وغیرہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمۃ سے، مختصر المعانی اور حسامی وغیرہ حضرت مولانا وصی احمد سہسرامی علیہ الرحمۃ سے اور بخاری شریف کے علاوہ صحاح ستہ حضرت مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ سے پڑھی تھیں۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے بخاری شریف، تفسیر بیضاوی شریف، قاضی مبارک، حمد اللہ، صدرا، شمس بازغہ، شرح عقائد، خیالی جیسی کتابوں کا درس حاصل کیا تھا۔

جامعہ نعیمیہ میں تدریس کا آغاز

فراغت کے بعد ہی حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے آپ کا تقرر بحیثیت مدرس کے فرمادیا۔ ابتدائی تنخواہ ٥؍

روپے ماہانہ مقرر ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں اضافہ کے بعد آپ کی تنخواہ ۳۵ روپے ماہوار تھی۔ ابتداءً میزان سے کافیہ تک کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ شرح جامی کی جماعت کے طلباء کو تکرار بھی کراتے۔

ساتھ ہی ساتھ جامعہ نعیمیہ کے مطبخ کا اہتمام بھی کچھ عرصہ تک آپ کرتے رہے۔ نیز حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے دوسرے صاحبزادے، حضرت مولانا سید اختصاص الدین احمد نعیمی علیہ الرحمۃ کے مکتبہ نعیمیہ کے منیجر کے طور پر بھی آپ نے کام کیا۔

پھر رفتہ رفتہ تدریسی تجربات نے وہ نکھار پیدا کیا کہ شرح جامی اور اوپر کی کتابیں پڑھانے لگے۔ اور حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی غیر موجودگی میں ـــــ اُن کے اسباق پڑھانے کی سعادت بھی آپ کو حاصل ہوگئی۔

شیخ الحدیث اور مفتی کے عہدہ پر خدمات کا آغاز

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۱ء میں پاکستان کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ کے تشریف لے جانے کے معاً بعد ـــــ شیخ الحدیث اور مفتی کے منصب پر آپ کا تقرر عمل میں آیا۔
حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے ۱۹۴۸ء میں انتقال کے بعد ـــ حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ نے ۱۹۵۱ء تک جامعہ نعیمیہ میں شیخ الحدیث کے مسند کو زینت عطا فرمائی۔ جامعہ کے دار الافتاء کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔

حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمۃ نے تقریباً ۲۴ سال تک بحیثیت شیخ الحدیث ـــــ جامعہ میں بخاری شریف کا درس دیا۔ اور ہندو پاک کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک سے آنے والے سوالات کا ـــ جامعہ کے دار الافتاء سے جواب تحریر فرما کر ـــ فتاویٰ کا عظیم فقہی اور علمی ذخیرہ مرتب فرمایا۔

جامعہ نعیمیہ کے صدر مدرس کے عہدہ پر تقرر

یوں تو آپ حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ کے کراچی ہجرت فرمانے کے بعد سے صدر مدرس کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے لیکن اس عہدہ پر آپ کا باضابطہ تقرر ۱۹۵۴ء میں اُس وقت ہوا جب حضور مفتی اعظم ہند اور حضور محدث اعظم ہند علیہما الرحمۃ کی سرپرستی میں جامعہ نعیمیہ کی انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس طرح تقریباً ۲۱ سال تک آپ بحیثیت صدر مدرس جامعہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۴ء سے ہی آپ جامعہ کے نائب مہتمم بھی رہے۔ صدر مدرس کی حیثیت سے آپ نے نظم وضبط، اصولوں پر عمل درآمد۔ وقت کی پابندی، مدرسین سے اشتراک عمل، طلباء کی دینی و علمی ضروریات، ادارہ کے فروغ وقار، جیسے اہم امور میں ایک بے مثال روایت قائم فرمائی۔

اَسباق کے لئے وقت کی پابندی کا یہ حال تھا کہ جامعہ میں آپ کا پہلا سبق، بخاری شریف کا ہوتا تھا۔ گاہ بگاہ گھر میں ناشتہ میں دیر ہو جاتی تو بغیر ناشتہ کئے درسگاہ میں تشریف لے جاتے اور وقت پر سبق شروع فرمادیتے۔ بارہا ایسا

بھی ہوا کہ گھر پر ناشتہ کے بعد چائے کی پیالی ہاتھ میں ہوتی اور سبق کا وقت ہو جاتا تو پیالی ہاتھ میں لئے ہوئے درسگاہ میں آبیٹھتے۔ بخاری شریف کو باضابطہ ختم کرنے کے لئے ـــــ ہر سال تین ماہ تک ـــــ عشاء کے بعد رضا کارانہ طور پر ـــــ بخاری شریف پڑھاتے۔

اسباق کی پابندی اور تعلیم کے اوقات میں درسگاہ میں موجودگی کا اتنا اہتمام ہوتا کہ بسا اوقات ـــــ ایسے پروگرام بھی ترک فرمادیتے جس میں کوئی ذاتی فائدہ وابستہ ہوتا۔ دعوتوں میں شرکت سے معذرت کر لیتے۔ انتہائی اہم دینی ضرورتوں کے علاوہ ایسے جلسوں میں بھی شرکت نہ کرتے جس سے طلباء کا تعلیمی نقصان ہوتا ہو۔ سبق کے دوران کوئی شخص ملنے آجاتا تو سلام کے بعد اُسے انتظار کرنے کہتے اور سبق کے ختم ہونے پر ملاقات فرماتے۔ کبھی کبھی میں ـــــ اپنی یا گھر کی کسی ضرورت سے درسگاہ میں جا کر کھڑا ہو جاتا تو جب تک درس کی متعلقہ بات مکمل نہ ہوتی، میری طرف توجہ بھی نہ فرماتے۔

چند مشہور ہم سبق اور دوست علماء کرام

آپ کے ساتھ جامعہ نعیمیہ میں جن حضرات نے دورۂ حدیث کی جماعت میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور سند حدیث حاصل کی اُن میں:۔

(۱) ضیاء الامت مفسر قرآن حضرت پیر جسٹس محمد کرم شاہ ازہری علیہ الرحمۃ (بانی دار العلوم غوثیہ، سرگودھا، پاکستان)

(۲) استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور (پاکستان) علیہ الرحمۃ

(۳) حضرت مولانا ریاض الحسن صاحب سنبھلی علیہ الرحمۃ

(۴) حضرت مولانا قاری منیر الدین صاحب نعیمی

کے اسماء گرامی بہت اہم ہیں۔ ان میں سے اول الذکر دو حضرات نے پاکستان میں دینی۔ مذہبی، علمی و سیاسی اعتبار سے تاریخی خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی علیہ الرحمۃ حضرت والد ماجد قدس سرہ کی حیات میں متعدد بار مراد آباد تشریف لاتے رہے۔ میں نے خود دیکھا کہ دونوں حضرات میں بیحد بے تکلفی اور دوستی تھی۔ دورانِ گفتگو علمی مسائل پر بھی تبادلۂ خیال فرماتے۔ ایک دوسرے کی رائے سے اختلاف بھی کرتے اور دلائل کا مطالبہ و تبادلہ بھی ہوتا۔ لطیف مزاح بھی گفتگو میں شامل ہوتا۔

کچھ دیگر علماء کرام ایسے ہیں جو دورۂ حدیث میں حضرت عمدۃ المحققین کے ساتھ نہیں شریک تھے۔ مگر طالب علمی کے دور کا کچھ حصہ جامعہ نعیمیہ میں ساتھ گذرا ہوگا۔ جسکی وجہ سے اُن کے ساتھ بھی بڑے پُر تپاک اور گرم جوشی والے تعلقات تھے۔ ملاقات یا تذکرہ کے انداز سے بے تکلفی اور دوستی عیاں ہوتی تھی۔ اُن میں مندرجہ ذیل علماء کرام کا نام میرے ذہن میں ہنوز تازہ ہے۔

(۱) مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب علیہ الرحمۃ (کچھوچھ شریف)
(۲) حضرت مولانا سید شفیع الدین صاحب علیہ الرحمۃ (جونپور)
(۳) حضرت مولانا مخدوم غلام معین الدین صاحب علیہ الرحمۃ (لاہور)
(۴) حضرت مولانا شاہ محمد جیلانی صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ (لندن)
(خلف اکبر حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ)
(۵) حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی مدظلہ العالی (کراچی)

نوٹ:۔ میں نے بریکٹ میں جن شہروں کا نام لکھا ہے وہاں یہ حضرات مقیم یا مدفون ہیں۔

تدریس کا انداز

میں نے حضرت عمدۃ المحققین سے صرف شرح جامی پڑھی ہے۔ اس لئے اُن کے تدریس کے فن پر میری رائے کے بجائے انہی کے اُن تلامذہ کے تاثرات کو فوقیت حاصل ہے۔ جنھوں نے اُن کی درسگاہ میں رہ کر علوم وفنون کی بلندیوں کی سیر کی ہے۔ بہر حال میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ وہ سبق کو آسان اور دلچسپ بنانے کا فن جانتے تھے۔ سبق پڑھاتے وقت ـــــ طلباء کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے وہ سوالات، اشعار، لطائف اور الفاظ کے انتخاب کا بھرپور اور متوازن طریقہ پر استعمال کرتے تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل کو ـــــ ذہن میں بآسانی اُتار دینے کا ہُنر اُنہیں معلوم تھا۔ مثالوں کے ذریعہ وہ گھنٹوں کی پیچیدہ بحث کو آناً فاناً اِس طرح دماغ میں اُتار دیتے تھے کہ طلباء متحیّر ہو جاتے۔ بعض ذہین طلباء ـــــ منطق وفلسفہ کی آخری کتابوں کو پڑھتے ہوئے ـــــ دیر تک سوال وجواب میں مصروف رہتے۔ لیکن شاذ ونادر ہی میں نے اُنہیں ناراض ہوتے دیکھا۔ جودھپور (راجستھان) کے ایک انتہائی ذہین طالب علم مولانا مختار الحسن دانش (جامعہ نعیمیہ سے فراغت کے بعد ـــــ عالمِ جوانی میں موصوف انتقال کر گئے) مرحوم ـــــ منطق وفلسفہ کی معرکۃ الآراء کتابیں حضرت عمدۃ المحققین سے پڑھتے تھے۔ بلا مبالغہ ـــــ بعض اوقات ایک ایک گھنٹہ وہ مصروفِ بحث رہتے۔ لیکن میں نے ہمیشہ والد صاحب قدس سرہ کو اطمینان وتحمل سے اُنہیں پڑھاتے ہوئے خود دیکھا ہے۔

بخاری شریف، شرح عقائد نسفی، ھدیہ سعیدیہ اور سراجی بڑے ذوق سے پڑھاتے۔ بخاری شریف کے درس میں ـــــ ایمان کی بحث شرح وبسط کے ساتھ پڑھاتے۔ شرح عقائد پڑھاتے ہوئے ''امکانِ کذب'' کی بحث معرکۃ الآرا ہوتی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''سبحان السبوح'' پڑھ کر طلباء کو سناتے اور درس کے دوران محویت کا یہ عالم ہوتا کہ بعض اوقات جوش میں ـــــ پڑھاتے پڑھاتے، کتاب لیکر کھڑے ہو جاتے۔ اور بلند آواز میں ''میرے اعلیٰ حضرت'' ''میرے اعلیٰ حضرت'' کے نعروں کی تکرار فرماتے۔ وہ یقیناً ابلاغ وتفہیم کی دنیا کے

امامِ وقت تھے۔

شرف بیعت

حضرت عمدۃ المحققین ـــــ مخدوم المشائخ رہبر شریعت وطریقت، حضرت علامہ مولانا مفتی سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی، زیب سجادہ، آستانہ اشرفیہ، سرکارِ کلاں علیہ الرحمۃ کچھوچھہ مقدسہ (۱۹۱۴ء ـــــ ۱۹۹۶ء) کے مرید تھے۔ میں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ شیخ المشائخ مجددِ سلسلۂ اشرفیہ اعلیٰ حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ ـــــ وصال سے قبل بیمار ہوئے تو ملک کے کونے کونے سے نیازمندوں کا ہجوم کچھوچھہ شریف پہونچکر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو رہا تھا۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ بھی اپنے چند احباب وعلماء کے ساتھ اُنہیں دنوں ـــــ کچھوچھہ شریف حاضر ہوئے۔ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہونچ کر بیعت ہونے کی آرزو کا اظہار کیا۔ لیکن حضرت نے آپ کو حکم دیا کہ تم میرے پوتے وولی عہد سے مرید ہو جاؤ۔ یوں ـــــ آپ نے حضرت مخدوم المشائخ علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر سلسلۂ اشرفیہ چشتیہ میں بیعت کی۔ اور پوری زندگی ـــــ اپنے پیر ومرشد کے نورِ نظر بن کر رہے۔ آپ کو سلسلۂ اشرفیہ کے تمام مشائخ وعلماء سے بیحد عقیدت تھی۔ خانوادۂ اشرفیہ سے جتنے بزرگ مراد آباد تشریف لاتے۔ آپ کے مہمان ہوتے۔ میزبانی اور نیازمندی کو آپ اپنا فرض سمجھتے۔ آپ کے دور میں ـــــ خانوادۂ عالیہ کے شاہزادگان جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے رہے۔ آپ اِن کی تعظیم وتکریم میں پیش پیش ہوتے اور امتیازی سلوک فرماتے۔ حضرت مولانا سید قطب الدین اشرف مدظلہ۔ حضرت علامہ مولانا سید شاہ اظہار اشرف صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ سرکارِ کلاں کچھوچھہ شریف، حضرت غازیٔ ملت علامہ سید محمد ہاشمی میاں صاحب مدظلہ، حضرت علامہ سید محمد اشرف صاحب کلیم جائسی مدظلہ، حضرت مولانا سید انوار اشرف صاحب مدظلہ ـــــ جامعہ نعیمیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ اِن تمام شاہزادگان عالی مرتبت کو ـــــ والد صاجد قدس سرہ نے اپنی عقیدت ومحبت کا مرکز ومحور جانا اور تعلیم وتدریس کے ساتھ ـــــ اِن سب کو اپنی نیازمندی سے بھی سرفراز فرمایا۔

جب کچھوچھہ شریف حاضر ہوتے تو عجیب کیفیت ہوتی۔ ایسا لگتا کہ جامعہ نعیمیہ کے دار الحدیث کا امیر ـــــ بارگاہ اشرف کا فقیر بن کر ـــــ محو استغراق ہے۔ اپنے پیرو مرشد کے حضور ـــــ میں نے ہمیشہ اُنہیں دوزانو باادب بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ اگرچہ آپ کی آواز بلند تھی۔ جامعہ میں گرج دار آواز لگاتے تو کونے کونے میں آواز پہونچ جاتی۔ لیکن حضرت مخدوم المشائخ علیہ الرحمۃ کی مجلس میں ہمیشہ آواز پست رہتی۔ بلکہ زیادہ تر خاموشی طاری ہوتی۔ نگاہوں کو جھکا کر بیٹھتے۔ جامعہ نعیمیہ میں اپنے پیرومرشد کے قیام کے دوران ـــــ تعلیم وتدریس کے علاوہ ـــــ دیگر تمام مصروفیات کو ترک کر دیتے۔ اُن کے ساتھ شہر میں ہر جگہ ساتھ جاتے۔ قرب وجوار کے پروگرام میں بھی ایک خادم

کی حیثیت سے ہمراہ ہوتے۔ جب حضرت سرکارِ کلاں علیہ الرحمۃ ـــــ مراد آباد سے بذریعہ ٹرین ـــ کسی اور جگہ کیلئے روانہ ہوتے تو رخصت کرنے کے لئے، ریلوے اسٹیشن پر حاضر ہوتے۔ دست بوسی وقدم بوسی کرتے۔

حضرت عمدۃ المحققین کی اپنے پیر ومرشد سے آخری ملاقات ـــــ کچھوچھہ مقدسہ میں بڑے جذباتی اور والہانہ انداز میں ہوئی تھی۔ اتفاق سے میں وہاں موجود تھا اور اُس منظر کی یادیں ـــ ذہن میں ہنوز موجود ہیں۔ محرم ۱۳۹۵ھ میں عرس مخدومی کے موقع پر آپ کچھوچھہ شریف حاضر ہوئے۔ عرس کی تقریبات کے دوران خانقاہ اشرفیہ سرکارِ کلاں میں قیام کیا۔ ۲۹ / محرم الحرام کو حضرت سجادہ نشین علیہ الرحمۃ کے ساتھ کچھوچھہ شریف آئے۔ مختار المساجد کے دائیں جانب اُس مکان میں آپ کا قیام تھا جو حضرت مخدوم المشائخ علیہ الرحمۃ نے اپنے تیسرے صاحبزادہ ـــ مخدومی سید علی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ کو دیا ہے۔ ایک صفر ۱۳۹۵ء کو مراد آباد واپسی کا پروگرام تھا۔ ناشتہ کے بعد ـــ حضرت مخدوم المشائخ علیہ الرحمۃ ـــــ والد ماجد قدس سرہ کی قیامگاہ پر تشریف لائے۔ آپ نے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی۔ ادباً کھڑے ہوگئے۔ حضرت پیر ومرشد علیہ الرحمۃ بھی کھڑے ہوگئے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ والد ماجد ـــــ حضرت سے بغل گیر ہوگئے۔ اور بآواز بلند رونے لگے۔ حضرت کے چہرۂ انور کو ـــــ اشکبار آنکھوں سے ـــــ حسرت کے ساتھ چند منٹ تک دیکھتے رہے۔ میں قریب کھڑا اِس منظر کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ برسوں میں نے اِن دونوں حضرات کو ملتے، رخصت ہوتے یا رخصت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کبھی والد ماجد کو حضرت سرکارِ کلاں سے ـــــ اس طرح بغل گیر ہوتے ہوئے یا لپٹ کر ـــ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ یہ راز تو مجھ پر ـــ والد ماجد کی وفات کے بعد کھلا کہ وہ اِس دارِ فانی میں ـــــ آخری بار اپنے پیر و مرشد سے مل کر اس لئے زار و قطار رو رہے تھے کہ اُن سے آخری ملاقات تھی اور چہرۂ مرشد کی زیبائی کا آخری دیدار تھا۔

اخلاق وسیرت

جیسا کہ میں نے گذشتہ اوراق میں لکھا ہے کہ حضرت عمدۃ المحققین کو فتحپور، بھاگلپور اور مراد آباد کے مدارس میں اُس دور کے انتہائی باکمال اور باعمل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع ملا۔ اِن مدارس میں مروجہ علوم کے ساتھ پاکانِ امت کی صحبت بھی اُنہیں ملی۔ جہاں اُن کے سیرت وکردار کی تعمیر ہوئی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اِن خارجی مدارس کے علاوہ اپنے ضمیر و وجدان کے داخلی مدرسہ میں بھی رب کریم نے اُن کی سیرت و شخصیت کی تعمیر فرمائی۔ اِس دبستان تربیت میں اُنھوں نے تواضع، نظم وضبط، توکل، حق گوئی، احترام آدمیت، سوز وساز جیسے عناصرِ اخلاق کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی شخصیت کو جاذبِ نظر بنایا۔

(۱) تواضع وسادگی

آپ کی پوری زندگی تواضع وسادگی کا پیکرتھی۔طرز زندگی،لباس،اکل وشرب،نشست وبرخاست،گفتار ورفتار سے یہ عیاں ہوتا تھا کہ عجز وانکسار گویا آپ کی سرشت ہے۔گھر کے کام کیلئے آپ کسی کو کچھ کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔اپنے کام خودکرتے۔گھر کے لئے خوردونوش کی چیزیں خریدنے کے لئے خود بازار جاتے۔جامعہ نعیمیہ میں طلباء اور مدرسین کے سامنے خودصفائی کا کام کرتے۔صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے مزاراقدس پرخود جاروب کشی کرتے۔ بارہا یہ کام مجھ سے بھی کراتے۔اخراجات میں کفایت شعاری ہمیشہ پیش نظر رہتی۔زیادہ دورنہ جانا ہوتا تو پیدل چلنے کو ترجیح دیتے۔

(۲)شفقت ومحبت

مزاج میں بیحد شفقت تھی۔گھر میں سب پرشفقت ومحبت فرماتے۔خودمعمولی کپڑے پہنتے۔اہل وعیال کو ہمیشہ گنجائش کے مطابق اچھے کپڑے پہناتے۔ ہرطرح کے موسمی پھل خرید کرلاتے اور ہم لوگوں کو کھلا کر بیحد مسرور ہوتے۔عیدین کے موقع پرشفقت ومحبت عروج پر ہوتی۔ جملہ اعزاء واقرباء کے ساتھ بھی وقت ملاقات حسنِ سلوک فرماتے۔

جامعہ نعیمیہ کے طلباء کی نگرانی،تربیت اور سرپرستی ہمیشہ ایک شفیق استاذ کی طرح فرمائی۔کوئی بیمار ہوجاتا تو بے قرار ہوجاتے۔علاج وتیمارداری کا خودانتظام کرتے۔طلباء کی اخلاقی تربیت میں بیحد دلچسپی لیتے۔بے راہ روی کو ابتدائً نظرانداز کرتے لیکن پھرسختی اورتاکید کرتے۔طلباء کی کوئی شہری توہین کرتا تو ہرگز برداشت نہ کرتے۔جامعہ کے معاونین کو ہمیشہ نصیحت فرماتے کہ یہ طلباء ـــــ قدروعزت کے مستحق ہیں۔طلباء کے کھانے پینے کی فکرترجیحی طور پر رہتی۔ایک بارجامعہ کے کام سے الہ آباد جارہے تھے۔ہفتوں پہلے سے ـــــ طلباء کے خوردونوش کے انتظامات میں لگ گئے روانگی سے ایک دن قبل ـــــ سینئر طلباء کومخاطب کرکے ـــــ بار باراس جملہ کی تکرار فرمائی ـــــ ’’کوئی بھوکا نہ رہے کوئی پیاسا نہ رہے‘‘۔

جب طلباء شعبان میں سالانہ تعطیل کے موقع پرگھرجاتے ـــــ تواُن کواپنے پاس بٹھاکرٹرین کے اوقات،سفر کی تفصیلات،سامان کی حفاظت کی تاکید کے بارے میں سمجھاتے۔

فارغ التحصیل ہونے والے علماء اورتلامذہ کو ـــــ جب رخصت کرتے تورو پڑتے۔گلے مل کرشفقت ومحبت سے رخصت فرماتے۔اُن کو آئندہ زندگی کیلئے پندونصیحت فرماتے۔اُن میں لائق حضرات کوکسی ادارہ میں بھیجنے کی کوشش فرماتے اورخط وکتابت کے ذریعہ اُن سے رابطہ برقرار رکھتے تھے۔

(۳) احباب واعزاء سے تعلقات

اپنے بچپن کے احباب اور اپنے اہل خاندان سے تعلقات کو برقرار رکھنے میں بڑے نظم وضبط کا اظہار فرماتے۔ بھاگلپور میں مولوی عزیز الدین صاحب اشرفی مرحوم (ابراہیم پور) مولوی محمد عزیر صاحب اشرفی (فتحپور) مولوی محفوظ علی صاحب اشرفی (خنجر پور) مولوی مبین الدین صاحب مرحوم (فتحپور) مولوی اسلام الدین صاحب (فتحپور ۹ بچپن کے ساتھیوں اور مدرسہ اشرفیہ کے دور کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ ہمیشہ اِن تمام حضرات سے انتہائی خوش گوار تعلقات قائم رہے۔ طنز ومزاح، ظرافت وبے تکلفی سے ملاقات کی مجلسوں کو ــــ اِن دوستوں کے تعاون سے بیحد دلچسپ بنالیتے تھے۔ اپنے وطن کے تمام اعزاء اور پڑوسیوں سے تعلقات کا تسلسل کبھی آپ نے ٹوٹنے نہ دیا۔ جس نوعیت کا ربط جس کے ساتھ رکھا ہمیشہ اُسی نوعیت کو برقرار رکھا۔ اپنے منصب وجاہ کی بلندی کو ــــ اِن معاملات میں کبھی حائل نہ ہونے دیا۔

مرادآباد سے وطن آتے تو احباب، اہل خاندان اور پڑوسیوں نیز شرفاء ومحسنین سے ملاقات کے پروگرام کا ایک نظام الاوقات مرتب فرماتے۔ اور لسٹ تیار کر کے ہر روز ــــ کچھ وقت اِس کام کیلئے بھی مختص فرمادیتے اور اپنا فرضِ محبت سمجھ کر ــــ گھر گھر جاتے۔ خیریت دریافت کرتے۔ بیماریوں کی عیادت کرتے۔ انتقال کر جانے والوں کیلئے تعزیت پیش کرتے۔

(۴) نظم وضبط

زندگی کے معمولات اور اپنی ذاتی ضرورت کی اشیاء سے لیکر تمام چھوٹے بڑے کاموں میں ــــ حد درجہ کا نظم و ضبط ــــ اُنہوں نے گویا خود پر لازم کرلیا تھا۔ ہر چیز کیلئے اُن کے کمرہ میں، درسگاہ میں، سامان کے بکسوں میں، بستر پر، نشستگاہ میں ــــ ایک جگہ مقرر تھی۔ کتابوں کا بہت بڑا ذاتی ذخیرہ تھا۔ سینکڑوں کتابیں اُن کے کمرے میں تھیں۔ لیکن ہر کتاب کی جگہ مقرر تھی۔ بعض اوقات کسی طالب علم کو کمرہ میں بھیج کر کوئی کتاب منگوانی ہوتی ــــ تو اُس کی مقررہ جگہ کی تفصیل اُسے بتا کر ــــ فوراً درسگاہ میں کتاب منگوالیتے۔ اُن کی غیر موجودگی میں اگر کسی نے قلم اُٹھا کر ذراسی جگہ بھی تبدیل کردی ہوتی تو درسگاہ یا کمرہ میں پہونچتے ہی پوچھتے کہ قلم کس نے استعمال کیا تھا؟ یہ اُن کے نظم و ضبط کی روزمرہ کی مثالیں ہیں۔ ورنہ وہ اپنی اِس ''خوبی'' کو زندگی کے تمام امور میں نافذ کر کے ــــ جیتے رہے اور اِس ڈسپلن کو اُنھوں نے اپنی فطرت کا حصہ بنالیا تھا۔

(۵) عشقِ رسول ﷺ

حضرت عمدۃ المحققین، عشقِ رسول سے سرشار تھے۔ مدینہ طیبہ جانے کی حسرت بڑے والہانہ انداز میں بیان کرتے تھے۔ قدرت نے اُنہیں زیارت حرمین شریفین کا موقع عطا نہ فرمایا۔ لیکن وہ پوری زندگی اس آرزو کو سینہ میں لیکر زندہ رہے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ جب طلباء نعت پاک پڑھتے تو اُن پر رقت طاری ہو جاتی۔ وجد کی سی کیفیت ہوتی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمۃ، صدرالافاضل علیہ الرحمۃ اور حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی نعتیں اہتمام سے سُنتے۔ حضرت بیکل بلرام پوری مدظلہ، محترم اجمل سلطانپوری سے بھی نعتیں سُن کر بیحد داد دیتے۔ تحسین و آفریں کرتے ہوئے بعض اوقات بے ساختگی میں کھو جاتے۔

(۶) ذوقِ شعر و شاعری

ابتداء آپ کو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا۔ اختر تخلص فرماتے تھے۔ نعتوں اور غزلوں کی دو قلمی بیاض موجود تھی۔ بعد میں جامعہ کے تدریسی و انتظامی مشاغل کے باعث شعر و شاعری تقریباً متروک ہو گئی تھی۔ لیکن اسباق کے دوران بڑے برمحل اشعار پڑھنے کا ذوق آخر عمر تک موجود تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی دونوں قلمی بیاضیں پارسل کے محکمہ کی غیر ذمہ داری سے تلف ہو گئیں۔ آپ کے انتقال کے بعد، جب میں نے اہلِ خاندان کو مراد آباد سے بھاگلپور جا کر دوبارہ آباد کرایا تو اُس وقت بہت سا سامان بذریعہ ریلوے پارسل بھی بھاگلپور روانہ کیا۔ بدقسمتی سے کتابوں کا ایک بڑا پیکٹ بھی اس میں شامل تھا۔ جس میں آپکے شعری وجدان اور درد و سوز میں ڈوبی ہوئی نعتوں و غزلوں کی یہ بیاض بھی شامل تھی۔ نیز حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کے انتقال پر ہند و بیرونِ ہند سے سینکڑوں علماء و مشائخ نے جو تعزیتی خطوط بھیجے تھے وہ بھی اِسی پارسل میں تھے۔ یہ پارسل ـــــ آج تک بھاگلپور نہیں پہنچ سکا۔ ریلوے حکام کی رپورٹ کے مطابق مغل سرائے میں گم ہو گیا۔ آج بھی مجھے اِس کا صدمہ ہے۔ اور تا زندگی رہے گا۔

اکابرین اہل سنت سے عقیدت

جامعہ نعیمیہ میں اکابرین اہلِ سنت کی تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر یا عرسِ صدرالافاضل کے موقع پر علماء کرام اور مشائخ عظام کا عظیم اجتماع ہوتا تھا۔ یوں بھی مراد آباد اور قرب و جوار کے کسی دینی پروگرام میں جب اکابرین اہل سنت تشریف لاتے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پر فاتحہ خوانی کیلئے یا جامعہ نعیمیہ کو دیکھنے کیلئے ـــــ ضرور جامعہ میں رونق افروز ہوتے تھے۔ میں نے بھی جامعہ میں اپنے بیس سالہ قیام کے دوران ـــــ ہندوستان کے تقریباً تمام جید اساتذہ، علماء، مقررین اور مشائخ کی زیارت کا شرف حاصل

کیا۔ اُن کی دست بوسی اور میزبانی اور مجالس وصحبت میں حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ مجھے اِس پر بجا طور پر فخر ہے۔ اِس طرح میں نے ایک طویل عرصہ تک خود مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت والد ماجد قدس سرہ تمام اکابر علماء اہل سنت اور مشائخ طریقت سے بیحد عقیدت رکھتے تھے۔ اُن کا احترام اور اُن کی تعظیم بجا لاتے تھے۔ طریقت کا تعصب اُن کے قریب سے بھی نہ گذرا تھا۔

ہر سال طلباء کی ایک کثیر جماعت اور اساتذہ کا وفد لیکر ـــــــ عرسِ اعلیٰ حضرت میں شرکت کیلئے بریلی شریف جاتے۔ انتقال سے تقریباً تین ماہ پہلے آنکھوں کا موتیا بند کا آپریشن ہوا تھا۔ اُسی دوران تاجدار اہل سنت، شاہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی علالت کی اطلاع ملی۔ ڈاکٹروں نے سفر سے منع کیا ہوا تھا۔ اِسکے باوجود ـــــــ حضرت مولانا مفتی محمد ایوب خان صاحب نعیمی رضوی صدر المدرسین جامعہ نعیمیہ مرادآباد کو ہمراہ لے کر بریلی شریف ٹرین سے تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضری دی۔ راقم السطور ساتھ تھا۔ بڑی جذباتی ملاقات تھی۔ دیر تک حضرت مفتی اعظم ہند کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے رہے۔ دعاؤں کی التجا کرتے رہے۔ سسکتے رہے۔

حضرت مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت ومحبت کا سلوک ایسا تھا جو کسی مریدِ خاص کا ہوتا ہے۔ ارادت ونیاز مندی قابلِ دید ہوتی تھی۔ اِسی طرح تمام بزرگوں سے عجز ونیاز کا رشتہ تھا۔ حضرت سید العلماء مارہروی، حضرت صدر العلماء میرٹھی، حضرت مفتی اعظم کانپور، حضور مجاہد ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی دست بوسی کرتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

(۸) حق گوئی وبے باکی

حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمۃ کو رب تعالیٰ نے حق گوئی اور حق گوئی کیلئے درکار بے باکی سے نوازا تھا۔ وہ زبردست قوتِ ارادی کے مالک تھے۔ اپنے عقیدہ اور نقطۂ نظر کے اظہار میں کبھی اور کہیں آپ نے مداہنت سے کام نہیں لیا۔ مسائلِ شرعیہ کے بیان میں ـــــ بڑی جرأت واستقامت سے کام لیتے۔ خوشامد اور تملّق سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

(۹) توکل

قناعت اور توکل آپ کے رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ کبھی حصولِ دولت کیلئے کسی کے پیچھے نہیں بھاگے۔ جامعہ نعیمیہ کے دینی سربراہ کی حیثیت سے، آپ نے اپنے منصب کو کبھی ـــــــ دنیا کمانے اور بنانے کے لئے استعمال نہیں کیا۔ آپ کے پیرومرشد علیہ الرحمۃ نے اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا۔ چاہتے تو اپنے قریبی شاگردوں کو بیعت کرکے یا اپنے مخصوص تلامذہ کے حلقۂ اثر میں ـــــــ ارادت مندوں کا ایک مضبوط حلقہ بنا سکتے تھے۔ لیکن

قناعت اور توکل نے اِس جانب نہ آنے دیا۔بعض شاگردوں نے مرید ہونے کی خواہش بھی ظاہر کی تو اُنہیں اپنے پیر و مرشد کے قدموں تک پہونچا کر ـــــ پیچھے ہٹ گئے۔بعض اوقات مالی مفادات کے جائز اور معقول مواقع بھی ملے تو صرفِ نظر کرلیا کرتے تھے۔مرادآباد جیسے تجارتی شہر میں تقریباً ۲۷ رسال مقیم رہے۔بڑے بڑے تاجروں سے تعارف تھا۔چاہتے تو اِس طویل عرصہ میں کوئی کاروبار شروع کرلیتے۔لیکن طبیعت جیسے اِس طرف مائل ہی نہیں ہوتی تھی۔کوئی تعویذ لینے آتا اور نذر پیش کرتا تو ناراض ہوجاتے۔اہلِ سنت کے کئی بڑے اداروں سے اچھی تنخواہ کی پیش کش کی گئی لیکن نعیمی دربار کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جانے کا ـــــ جذبۂ قناعت نے ـــــ خیال بھی پیدا نہ ہونے دیا۔

(۱۰) پیکرِ عمل

علم کے ساتھ عمل کا بھی پیکر بننا آسان نہیں ہے۔لیکن آپ بڑے باعمل،صوم وصلوٰۃ کے پابند،حدودِ شرعیہ کی سختی سے حفاظت کرنے والے،سوز وساز سے معمور قلب کے حامل انسان تھے۔ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے،نوافل و مستحبات کی بھی پابندی کرتے تھے۔لباس اور وضع قطع سے پتہ چل جاتا تھا کہ آپ علم وعمل کے شہنشاہ ہیں۔مسنون دعاؤں کا پابندی سے ورد فرماتے تھے۔اعمال صالحہ پر خود کاربند تھے اور طلباء کو بھی برابر اسکی نصیحت فرماتے تھے۔سحر خیزی آپ کا معمول تھی۔میں نے بچپن میں دیکھا کہ جس وقت ہمیں نماز فجر کے لئے اٹھایا جاتا ـــــ آپ صبح کی سیر کرکے واپس آجاتے۔جامعہ میں ـــــ نماز فجر سے ایک گھنٹہ قبل بیدار ہوجاتے۔آہِ سحر گاہی سے فارغ ہوکر تمام طلباء کو جگاتے۔نام لے لے کر سب کو پکارتے اور باجماعت نماز فجر کی سخت تاکید فرماتے تھے۔اُنہیں معلوم تھا کہ:۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

دینی و ملّی خدمات

جامعہ نعیمیہ کی تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود آپنے وسیع پیانہ پر مسلمانانِ ہند اور ملت اسلامیہ کی صلاح وفلاح کیلئے جاری منصوبوں یا مجوزہ مقاصد کیلئے،اپنی استطاعت کے مطابق ـــــ خدمات پیش کیں۔آپ بنارس سُنی کانفرنس (منعقدہ ۱۹۴۶) میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی معیت میں شریک ہوئے۔وہاں بحیثیت رضا کار ـــــ آپنے خدمات انجام دیں۔دہلی میں منعقدہ اوقاف کانفرنس (۱۹۶۰ء) میں آپ جامعہ کے طلباء اور مرادآباد شہر کے نوجوانوں پر مشتمل ـــــ رضا کاروں کی ایک بہت بڑی جماعت کو لیکر شریک ہوئے۔اور کانفرنس کے انتظامات،مہمانوں کے قیام وطعام میں بھرپور تعاون پیش کیا۔مجھے یاد ہے کہ اِس تاریخی کانفرنس کے انعقاد سے قبل حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۵ء ـــــ ۲۰۰۲ء) جامعہ تشریف لائے۔والد ماجد قدس سرہ سے ملاقات کی اور فرمانے لگے کہ بریلی شریف سے دہلی کی سمت چلا جائے تو جامعہ نعیمیہ ـــــ اہل سنت کا

اِس وقت آخری قلعہ ہے۔ ہمیں اِس ادارہ سے ـــــ اوقاف کانفرنس کیلئے ـــــ مجاہدین کی ضرورت پیش آئے گی۔ دہلی میں ہمارے پاس سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں ہے۔ حضرت والد ماجد نے علامہ سے فرمایا ـــ یہ صدرالا فاضل علیہ الرحمۃ کا قائم کیا ہوا دینی وملی مرکز ہے ـــــ آپ کانفرنس کی تیاری شروع فرمائیں ہم ... رضا کاروں کی تازہ دم فوج لیکر آپ کا بھر پور تعاون کریں گے۔ کانفرنس سے قبل ـــــ شہر اور قرب وجوار کا دورہ فرما کر انہوں نے اہل سنت میں بیداری پیدا کی اور افرادی قوت اور مالی معاونت کیلئے ماحول تیار کیا۔ اور کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔

آپ نے کانپور کی مشہور زمانہ سنّی کانفرنس اور سیوان کانفرنس میں بھی شرکت فرمائی اور ملت کی شیرازہ بندی اور اہل سنت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کی جانے والی کوششوں میں قدم قدم پر شریک رہے۔

مرادآباد اور قرب وجوار میں آپ کے تلامذہ نے یا دیگر علماء نے بہت سے مدارس ومکاتب آپ کی حوصلہ افزائی، سرپرستی اور تحریک پر قائم کئے۔ اِن اداروں نے مقامی طور پر مسلمانوں میں قرآن اور علوم دینیہ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کو عام کرنے کا ٹھوس کارنامہ انجام دیا اور آج بھی یہ ادارے موجود ہیں اور مؤثر طور پر تبلیغِ دین میں مصروف ہیں پھر آپ کے ارشد تلامذہ ملک و بیرون ملک بے مثال اسلامی خدمات میں مصروف ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے اداروں میں ـــــ آپ کے شاگرد علماء تدریس کا فریضہ انجام دے چکے ہیں، یاد رہے ہیں۔ مثلاً دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد، دارالعلوم اجمل العلوم سنبھل، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، دارالعلوم جامعہ اسلامیہ روناہی ضلع فیض آباد۔ دارالعلوم فیض الرسول براؤن شریف، جامع اشرف کچھوچھہ شریف، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دارالعلوم اہل سنت جبل پور جیسے ملک کے مایۂ ناز اداروں میں مسند تدریس وافتاء پر برسوں یا برسوں سے آپکے تلامذہ دینی علمی خدمات میں مصروف رہے ہیں یا آج بھی مصروف کار ہیں۔ اِسی طرح ہندوستان کی بہت سی تاریخی مساجد میں آپکے تلامذہ نے برسوں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے ہیں اور دین کی خدمت ـــــ کی ہے۔ آپ کے متعدد شاگرد ماریشش، ساؤتھ افریقہ۔ ہالینڈ وبرطانیہ میں اشاعتِ دین میں مصروف ہیں۔ اور نعیمی وحبیبی فیضان کا چشمۂ رشد وہدایت جاری وساری ہے جب تک آپ زندہ رہے پوری پابندی سے محلہ چوکی حسن خان مرادآباد کی مسجد میں یکم محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک روزانہ مجالس میں بعد نمازِ فجر خطاب فرماتے رہے۔ عاشورہ کے دن تقریباً چار گھنٹہ تک مسلسل تقریر فرماتے اور اہلِ بیت اطہار کے فضائل اور واقعاتِ کربلا کا تفصیلی بیان ہوتا۔ پورے شہر سے سامعین کا ہجوم ہوتا۔ بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ حضرت صدرالا فاضل علیہ الرحمۃ نے یہ پروگرام شروع فرمایا تھا۔

گاہ بگاہ اپنے شاگردوں کی دعوت پر ملک کے مختلف حصوں کا بھی دورہ فرماتے تھے۔ خاص طور پر راجستھان اور پنجاب کا دورہ زندگی کے آخری چند سالوں میں پابندی سے فرماتے رہے۔

اِس طرح تدریس، اِفتاء، تربیت، کانفرنسوں، تبلیغی دوروں، قیامِ مدارس، تقاریر اور تلامذہ کی ممتاز جماعت جیسے وسائل وذرائع سے آپ نے پوری زندگی ملت اسلامیہ اور اہل سنت و جماعت کی بے مثال خدمت فرمائی۔

فتویٰ نویسی

حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمۃ نے اِس میدان میں کیا نقوش چھوڑے ہیں۔ اِسکا فیصلہ تو اہل علم اور صاحب الرائے حضراتِ علماء ہی فرما سکتے ہیں۔ میں یہ ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرتِ موصوف کے فتاویٰ کی اشاعت سے ـــــ حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت کی اشاعت کا پہلا باضابطہ کام شروع ہورہا ہے۔ حضرت صدرالافاضل کے فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ پاکستان سے کچھ عرصہ قبل شائع ہوا تھا لیکن اُس سے نعیمی طرزِ فکر اور فقہی دبستان کی مکمل عکاسی نہیں ہوتی۔ والد ماجد قدس سرہ نے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ سے فنِ افتاء میں براہِ راست اکتسابِ فیض کیا تھا۔ پھر حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے انتہائی معتمد شاگرد حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی تھی گویا یہ تربیت بھی بالواسطہ، حضرت صدرالافاضل کا ہی فقہی و علمی فیض تھا۔ اِس لئے میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر میں پہلی بار فتاویٰ کے اِس مجموعہ کی اشاعت سے ـــــ فنِ فتویٰ نویسی کے میدان میں تحقیقی کام کرنے والوں کو ایک مرتب اور مدوّن مواد ملے گا جس سے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے فقہی اسلوب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ کی فتویٰ نویسی کی اہمیت کا اندازہ میں صرف اس اَمر سے لگا رہا ہوں کہ اُنہوں نے ایک ایسے دور میں جامعہ کے دارالافتاء کی ذمہ داری سنبھالی جب ـــــ قرب وجوار میں ملک کے جیّد، نامور، عظیم اور بزرگ فقہاء کرام کی مسند آراستہ تھی۔ سنبھل میں حضرت اجمل العلماء مفتی شاہ محمد اجمل صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعرفان کا آفتاب چمک رہا تھا۔ بریلی شریف میں، اہل سنت کے مرکزی دارالافتاء میں حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی فقہی بصیرت کا خورشید تاباں اوجِ فیض پر تھا۔ اِس کے باوجود ـــــ ملک وبیرون ملک سے استفتاء آرہے تھے اور نعیمی دارالافتاء میں سوالات لیکر لوگ جوق در جوق رُجوع ہورہے تھے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے اکابرین کی موجودگی میں ہی ـــــ اُنہوں نے ایک منفرد، صاحبِ تحقیق مفتی کا درجہ حاصل کرلیا تھا۔

اِس باب میں حضرت عمدۃ المحققین کی ایک ممتاز خوبی یہ ہے کہ آپ نے اپنے دارالافتاء میں بیٹھ کر صرف فتویٰ ہی نہیں دِیئے بلکہ آنے والے وقت کے لئے ایسے مفتیوں کو تیار فرمایا جو آج خود مرجع بنکر مسندِ افتاء کو زینت بخش رہے ہیں اور قوم وملت کو ہدایت کی روشنی عطا کررہے ہیں۔ اِس ضمن میں مندرجہ ذیل اسماء گرامی کا تذکرہ ضروری ہے۔

(۱) حضرت مولانا مفتی عبدالجلیل صاحب نعیمی رضوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۳۴ء ـــ ۱۹۸۹ء)
بانی مدرسہ اسلامیہ نوریہ، پچھی، ضلع مدھوبنی (بہار)

(۲) حضرت مولانا مفتی عبدالجلیل صاحب نعیمی اشرفی، شیخ الحدیث، جامعہ صوفیہ (درگاہ کچھوچھہ شریف)

(۳) حضرت مولانا مفتی ایوب خان صاحب نعیمی رضوی، صدر مدرس و مفتی (جامعہ نعیمیہ مراد آباد)

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد زین الدین صاحب نعیمی اشرفی

مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے جامعہ نعیمیہ کے دارالافتاء میں حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمہ کی نگرانی میں فتاویٰ نویسی اور رجسٹر پر نقلِ فتاویٰ کا کام انجام دیا ہے۔ فتاویٰ کے رجسٹروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ والد ماجد قدس سرہ کے مفتی کے عہدہ پر تقرر کے بعد ـــــ سب سے پہلے آپ کی نگرانی میں یہ کام ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک حضرت مولانا قاری علی حسن صاحب نعیمی اشرفی بستوی نے شروع کیا۔ اُس کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۵ء تک حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اشرفی (اسلام آباد ضلع بھاگلپور) نے یہ خدمت انجام دی۔ بعد کے ادوار میں مندرجہ ذیل علماء کرام کے اسماء مجھے یاد ہیں۔

(۱) حضرت مولانا معین الدین صاحب نعیمی (بانی مدرسہ حنفیہ کشن گنج)

(۲) حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب ظاہر نعیمی (پورنیہ)

(۳) حضرت مولانا حافظ صلاح الدین صاحب نعیمی رضوی (بانی مدرسہ رحیمیہ خنجر پور، بھاگلپور)

(۴) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نعیمی اشرفی (استاذ دارالعلوم شاہ عالم، احمد آباد)

(۵) حضرت مولانا محبوب عالم صاحب نعیمی اشرفی (استاذ مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم، برھانپور)

(۶) حضرت مولانا محمد معراج صاحب اشرفی (اگر پور بھاگلپور)

(۷) حضرت مولانا مطیع الرحمان صاحب (پورنیہ)

(۸) حضرت مولانا اسرار الحق صاحب نعیمی اشرفی (مقیم سعودی عرب)

(۹) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نعیمی رضوی (مقیم ہالینڈ)

(۱۰) سیف خالد اشرفی بھاگلپوری (۱۹۷۵ء کے چند فتاویٰ کے نقل کی سعادت حاصل ہوئی۔

یقیناً کچھ اور بھی علماء ہیں جنھوں نے جامعہ نعیمیہ کے دارالافتاء میں والد ماجد قدس سرہ کے دور میں خدمات انجام دی ہیں۔ افسوس کہ اُن کے نام یاد نہیں آرہے ہیں۔ میں ایسے تمام نعیمی بزرگوں سے معذرت خواہ ہوں۔ اگر اِس طرح کے نام بعد میں مجھے ملیں گے تو آئندہ اشاعت میں ـــــ اپنے مضمون میں اُن کی شمولیت میرے لئے مسرت اور اطمینان کا باعث ہوگی۔

علالت کا آغاز

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا الحاج شاہ محمد یونس صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ کا وصال ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ اُس کے بعد والد ماجد قدس سرہ کو جامعہ کے مہتمم کا عہدہ بھی مکمل طور پر سنبھالنا پڑا۔ اُنہیں غالباً ۱۹۷۳ء کے بعد اپنی تنہائی کا بھی شدید احساس ہوگیا تھا۔ لیکن جامعہ کی خدمت کے نشہ میں وہ ہنوز سرشار تھے۔ تنِ تنہا مہتمم، صدر مدرس اور شیخ الحدیث و مفتی کے فرائض انجام دینا ـــــ کارِ سہل نہ تھا۔ اعصابی تناؤ اور فرائض کے انبار کے نتیجہ میں ہائی بلڈ پریشر کا مرض ہوگیا۔ تنفس کی شکایت چند سالوں سے موجود تھی۔ پھر گردہ کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ لیکن مراد آباد کے مشہور طبیب حکیم محمد ارشد صاحب زید مجدہ کے علاج سے اِس مرض سے مکمل افاقہ ہوگیا۔

انتقال سے ایک سال قبل کلیر شریف حاضری کے لئے گئے۔ مولانا حسن رضا جائسی ہمراہ تھے۔ وہیں دل کا پہلا دورہ پڑا۔ مولانا حسن رضا کسی طرح میرٹھ لائے۔ حضرت صدر العلماء علامہ مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے ادارہ مدرسہ اسلامی عربی اندر کوٹ میرٹھ میں چند دنوں قیام رہا۔ حضرت صدر العلماء نے حسب دستور بڑی شفقت و محبت فرمائی۔ قدرے طبیعت سنبھلی تو پھر مراد آباد آئے۔ تقریباً دو ہفتہ کے بعد ـــــ رفتہ رفتہ اپنی ذمہ داریوں کو پھر ادا کرنے کے قابل ہوگئے۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ طبیعت مضمحل رہتی تھی۔ جاہ و جلال، کاموں کے انبار پر سوار ہو کر اُنہیں ختم کرنے کی دُھن، فرائض کو سُرعت کے ساتھ ادا کردینے کی لگن دھیمی پڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ معمولات میں بھی فرق آنے لگا تھا۔ پھر بھی بڑی زبردست قوت ارادی ـــــ قدرت نے ودیعت فرمائی تھی۔ جسمانی کمزوری کے آگے وہ ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے۔ اسی دوران آنکھ کا موتیا بند کا آپریشن بھی ہوا۔ اور جامعہ کے تمام امور کو وہ چلاتے بھی رہے۔

انتقال سے تقریباً پانچ ماہ پہلے شام کا وقت تھا۔ بعد عصر جامعہ کے صحن میں وہ اپنی چارپائی پر رونق افروز تھے۔ میں بھی پائینتی میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے بعض سوالات کے بڑے مدلّل و مفصل جواب دار الافتاء سے دیئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اُن فتاویٰ کو ـــــ چھوٹے رسائل کی شکل میں شائع کرانے کا اہتمام کروں۔ اگر فتاویٰ کے نقول کے پُرانے رجسٹر مجھے دیدیں تو یہ کام شروع کردوں۔ بیحد خوش ہوئے ـــــ میرے ارادہ کو سراہا اور دوسرے دن ـــــ آخری رجسٹر کے علاوہ (جس پر نقل کا کام چل رہا تھا) فتاویٰ کے تمام رجسٹر مجھے اپنے ہاتھوں سے عنایت فرمائے۔ اور فرمایا ـــــ یہ اچھا کام ہے ضرور کرو۔ اُن کے یہ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں اور اکثر میں خود سے شرمندہ ہوتا ہوں کہ اِس ''اچھے کام'' کو اُن کے وصال کے ۲۸ رسال بعد بھی مکمل نہ کرسکا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ رب کریم مجھے اُن کے فتاویٰ کی مکمل اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اسی علالت کے دوران وہ بریلی شریف اور کچھوچھہ شریف بھی گئے۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مخدوم المشائخ سرکار کلاں رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ غوث العالم حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ (۷۱۲ھ ـــــ ۸۳۲ھ) کے آستانہ پر حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علامہ مولانا شاہ احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ (۱۸۵۶ء ـــــ ۱۹۲۱ء) کے مزار پر بھی فاتحہ خوانی کی۔ ۱۱ رمئی ۱۹۷۵ء بروز اتوار ـــــ معمول کے مطابق درسگاہ میں اسباق پڑھائے ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر دوپہر کا کھانا تناول فرما کر معمول کے مطابق قیلولہ کیلئے اپنے کمرہ میں آرام فرما ہوئے۔ تقریباً ۳ بجے دوپہر ـــــ والدہ ماجدہ مدظلہا نے مجھے آواز دی۔ میں برابر کے کمرہ میں لیٹا ہوا تھا۔ دوڑ کر ـــــ پہونچا تو دیکھا کہ والد ماجد پسینہ سے شرابور ہیں فرمایا ـــــ بائیں ہاتھ میں شدید درد ہو رہا ہے۔ سخت پیاس لگ رہی ہے۔ آپ کو فنٹا (FANTA) کا مشروب بیحد پسند تھا۔ میں نے عرض کیا ـــــ ابا! ـــــ فنٹا لاؤں۔ بڑی دھیمی آواز میں ''ہاں'' فرمایا۔ دیوان بازار چوک پر دوڑتا ہوا گیا۔ برف میں دبا ہوا مشروب لا کر پیش کیا۔ پیتے ہی اُنہیں فرحت محسوس ہونے لگی اور تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد طبیعت قدرے بہتر ہوگئی۔ اُس وقت تو میں کچھ نہ سمجھ سکا لیکن بعد کے حالات نے بتایا کہ یہ دل کا دورہ ہی تھا۔ جو آگے جا کر، چند دنوں بعد ـــــ جان لیوا ثابت ہوا۔ عصر سے ذرا پہلے ـــــ گھر کے چھوٹے سے آنگن میں بستر لگایا گیا۔ آپ لیٹے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پان کھایا۔ اُس دن پان کھانے سے ہونٹوں پر اتنی تیز اور شدید سرخی آئی کہ میں نے اور والدہ ماجدہ نے آپس میں اظہارِ تعجب کیا۔ آج تک آپ کے ہونٹوں پر ایسی سُرخی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ آخری پان تھا اور آخری سُرخی تھی۔

عصر کے بعد اچانک کھانسی شروع ہوگئی جو رُکنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ عشاء تک جب کھانسی نہ رُکی تو آپ کے مُعالجِ خصوصی جناب محترم حکیم محمد ارشد صاحب کو بلایا گیا۔ وہ فوراً آگئے بستر کے قریب حکیم صاحب کے بیٹھنے کی کُرسی رکھی گئی۔ وہ جیسے ہی بیٹھے کُرسی کے پائے اچانک ٹوٹ گئے۔ حکیم صاحب گرتے گرتے بچے۔ اِس حادثہ سے بھی ماتھا ٹھنکا اور تردّد و غم کی جیسے ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ اُن کی دوا کھلائی گئی۔ لیکن کھانسی رات بھر جاری رہی۔ ۱۲ رمئی کی صبح کو تھوک میں خون کی آمیزش دیکھی گئی۔ والدہ، چھوٹے بھائی بہن ـــــ بے اختیار رونے لگے۔ بڑی مشکل سے آنسوؤں کو ضبط کرتا ہوا گھر کے باہر آیا۔ مراد آباد کے مشہور ڈاکٹر جناب فہیم احمد خان کو بُلایا گیا۔ معائنہ کے بعد اُنہوں نے کہا کہ دل کا سخت دورہ پڑا ہے۔ مراد آباد کے سب سے بڑے ماہرِ امراضِ قلب ڈاکٹر مَن چندا کو بلایا جائے۔ ڈاکٹر مَن چند آئے۔ علاج شروع کیا گیا۔ لیکن

؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والا معاملہ تھا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ لیٹے رہیں۔ کسی سے بات نہ کریں۔ دوائیں اور رقیق غذا بھی ٹیوب یا

انجیکشن کے ذریعہ دی جا رہی تھی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھنا چاہتے تھے۔ بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی زندگی کو بچانے کی لالچ میں ـــــ ہم اُنہیں منع کر دیتے تھے۔ ۱۶رمئی سے نقاہت میں بیحد اضافہ ہو گیا۔ بھاگلپور اعزاء کو ٹیلیگرام سے مطلع کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ کچھوچھہ مقدسہ اطلاع دی گئی۔ شہر اور قرب وجوار سے مزاج پرسی کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ۱۸رمئی کی صبح کو ـــــ والدہ ماجدہ اور چھوٹی بہن عزیزہ فاخرہ سلمہا کو بُلایا ـــــ فرمانے لگے ـــــ لوگ دور و نزدیک سے آ رہے ہیں پان، چائے بسکٹ کا انتظام ہونا چاہئے۔ جو حضرات باہر سے تشریف لا رہے ہیں اُن کی خدمت اور میزبانی میں کوتاہی نہ کی جائے۔ میرے بکس میں جامعہ کی رقوم بھی ہیں اور طلباء کی امانتیں بھی ہیں۔ امانتوں کی حفاظت ہونا چاہئے۔ میری یادداشت کے مطابق ـــــ والدہ ماجدہ سے اور چھوٹی بہن سے جو قرآن کی حافظہ بھی ہیں، آپ کی یہ آخری گفتگو تھی۔ اُنھوں نے اپنے گھر والوں کیلئے کوئی نصیحت اُس وقت نہیں فرمائی۔ سفر آخرت سے پہلے مہمانوں کے اکرام، جامعہ کی امانت اور طلباء کی امانتوں کا خیال ہی اُن کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ ۱۹رمئی کو کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ کئی بار جیسے غشی طاری ہو گئی ہو۔

۲۰رمئی منگل کو نماز فجر کے بعد ـــــ استاذی حضرت مولانا مفتی ایوب خان صاحب مدظلہ العالی اور جامعہ کے کچھ طلباء بستر کے قریب آ کے بیٹھ گئے۔ رُک رُک کر نیند یا غشی سے بیدار ہو جاتے اور مختصر گفتگو فرماتے۔ دورانِ گفتگو فرمانے لگے ـــــ بیحد دھوپ ہے۔ حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمۃ ـــــ چھتری لگائے ہوئے آ رہے ہیں۔ لگتا ہے ـــــ جیسے عالمِ ارواح سے یہ دونوں حضرات ـــــ اپنے وفادار شاگرد اور جامعہ نعیمیہ کے خادم کو لینے کیلئے آئے ہوں گے اور والدِ ماجد قدس سرہ کو اِس کی جھلک قدرت نے دکھادی ہو گی۔

دوپہر کے وقت ـــــ خاموشی طاری تھی۔ ساکت جسم بستر پر تھا۔ آنکھیں بھی بند تھیں۔ سانس چل رہی تھی۔ میں نے کان کے قریب آ کر عرض کیا ـــــ ابا! شہد لاؤں۔ سر کو جنبش دیکر "ہاں" فرمایا۔ ایک چمچہ شہد میں نے منھ میں ڈالا۔ یہ آخری رزقِ دنیا تھا جو اپنے ہاتھوں سے میں نے اُنہیں کھلایا۔

تقریباً چار بجے ـــــ فیضانِ مخدومی کا ابر کرم بن کر حضرت سیدی و مخدومی شیخ طریقت مولانا سید اظہار اشرف صاحب اشرفی جیلانی (سجادہ نشین کچھوچھہ شریف) علالت کی اطلاع پا کر ـــــ اپنے پروگراموں کو منسوخ فرما کر اچانک مرادآباد تشریف لے آئے۔ سامان رکھ کر، آپ نے وضو کیا، نماز ادا کی ـــــ اور پھر والد ماجد قدس سرہ کے سرہانے آ کر بیٹھ گئے۔ خانوادۂ اشرفیہ کے وظائف اور دعاؤں کا ورد فرماتے رہے اور تقریباً انتقال کے وقت تک والد ماجد علیہ الرحمۃ کے قریب ہی رونق افروز رہے۔

نماز مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل ـــــ میں نے اگربتی جلوادی اور مولانا اسرار الحق اشرفی سے کہا کہ مسلسل درود و سلام کا ورد شروع کر دیا جائے۔ آہستہ آہستہ سانس اُکھڑ رہی تھی۔ نبض ڈوب رہی تھی۔ عین مغرب کے وقت ـــــ

جامعہ کی مسجد میں اذان دی جارہی تھی کہ حضرت عمدۃ المحققین کی روحِ اقدس پرواز کرگئی۔ اِنّـا لِلّٰـہِ وَاِنّـا اِلَیـہِ راجِعُون. اُدھر ۲۰ رمئی (مطابق ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ روز سہ شنبہ) کو آسمان کا سورج ڈوبا۔ اِدھر نعیمی آسمان کا سورج بھی غروب ہوگیا۔ جامعہ میں ہی نہیں ــــ پورے شہر میں کہرام مچ گیا۔ آپ کا جسدِ خاکی ــــ رات بھر ــــ جامعہ کے صحن میں ــــ آپ کی درسگاہ کے باہر، چبوترہ پر رکھا رہا ــــ ہزاروں لوگ زیارت کیلئے آتے رہے۔ اپنے، غیر بھی مغموم تھے۔ جامعہ کے درودیوار سوگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ۲۱ رمئی بدھ کو تجہیز و تکفین کی تیاری شروع ہوئی۔ حضرت مولانا محمد یامین صاحب نعیمی اشرفی (مہتمم جامعہ نعیمیہ) اور حضرت مولانا محمد رفیق احمد صاحب نعیمی بھوجپوری (مبلغ جامعہ نعیمیہ) اور دیگر تلامذہ نے غسل دیا۔ کفن پہنایا۔ عمامہ باندھا۔ جنازہ شہر میں دیوان بازار، کاٹھ دروازہ، تحصیل اسکول، چوکی حسن خان کے محلوں سے گذرا۔ مسلم وغیر مسلم بازار میں دورویہ کھڑے تھے۔ سب نے دکانیں بند کردی تھیں۔ دوبارہ جنازہ جامعہ کے وسیع صحن میں لایا گیا۔ حضرت مولانا سید اظہار اشرف صاحب مدظلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تقریباً دن کے ۱۱ بجکر ۳۰ منٹ ــــ پر شہر کے خصوصاً محلہ چوکی حسن خان کے عقیدت مندوں کے اصرار پر آپ کو جامعہ نعیمیہ کے حدود میں ــــ مین گیٹ کے پاس دفن کیا گیا۔ قبر میں مندرجہ ذیل حضرات نے اُتارا:۔

(۱) حضرت مولانا آلِ حسن صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حضرت مولانا ریاض الحسن صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) حضرت مولانا غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت مولانا حافظ ایوب خان صاحب مدظلہ العالی

دورانِ علالت جن حضرات نے رات و دن خدمت کی اور حقِ محبت و نیازمندی ادا کیا اُن میں درج ذیل حضرات کا تذکرہ ضروری ہے۔

(۱) مولانا اسرار الحق اشرفی (بھاگلپور)
(۲) مولانا سیف خالد اشرفی (ماچھی پور، بھاگلپور)
(۳) مولانا رفیق احمد صاحب نعیمی (بھوجپور، مرادآباد)
(۴) مولانا نورالحسن صاحب نعیمی (سیتاپور، مرادآباد)
(۵) حاجی شبراتی صاحب (مرادآباد)

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے مخدوم زادہ حافظ محمد ازھر صاحب نعیمی جون ۱۹۸۸ء میں ــــ بین الاقوامی منہاج القرآن کانفرنس (منعقدہ ۱۹ رجون ۱۹۸۸ء) میں شرکت کیلئے لندن

تشریف لائے تھے خادم نے ملاقات کی۔ باتوں باتوں میں والد ماجد قدس سرہ کا ذکر نکل آیا تو فرمانے لگے کہ ۲۰ رمئی ۱۹۷۵ء کو کراچی میں اپنے مکان میں —— رات کو خواب دیکھا کہ جامعہ نعیمیہ میں بالکل اندھیرا ہوگیا ہے۔ جس طرف جاتا ہوں مہیب تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ بعد میں جب حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمۃ کی رحلت کی خبر ملی تو خواب کی تعبیر معلوم ہوئی۔

حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کی رحلت سے صرف اُن کی اولاد ہی یتیم نہیں ہوئی۔ اُن کے سینکڑوں تلامذہ، نیازمند اور متعلقین بھی یتیم ہوگئے۔ وہ قبر میں روپوش ہوگئے لیکن اُنکی یاد زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔

تمہاری یاد آئے گی تمہاری جستجو ہوگی تمہارے تذکرے ہوں گے تمہاری گفتگو ہوگی

آپ کے مشہور وممتاز تلامذہ

(۱) شیخِ اعظم حضرت علامہ مولانا سید اظہار اشرف صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانۂ اشرفیہ سرکار کلاں (کچھوچھہ شریف)

(۲) زینت القراء حضرت مولانا قاری علی حسن صاحب اشرفی (بستی)

(۳) حضرت مولانا محمد یونس صاحب اشرفی شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول (براؤں شریف)

(۴) حضرت مولانا محمد طریق اللہ صاحب شاھدی رشیدی علیہ الرحمۃ، سابق شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)

(۵) حضرت مولانا محمد مقصود علی صاحب نعیمی سابق صدر مدرس مدرسہ اشرف العلوم (فتحپور، بھاگلپور)

(۶) حضرت مولانا قاری احمد حسین صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (سنبھل، ضلع مرادآباد)

(۷) حضرت مولانا قمر الدین صاحب مجیبی قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ بانی دار العلوم قادریہ معینیہ (کلکتہ)

(۸) حضرت مولانا عبد العزیز صاحب اشرفی مدظلہ بانی مدرسہ حبیب العلوم سمنانیہ (اسلام آباد ضلع بانکا، بہار)

(۹) حضرت مولانا حکیم صبغت اللہ صاحب نعیمی (پیلی بھیت)

(۱۰) حضرت مولانا مفتی عبد الجلیل صاحب رضوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ اسلامیہ نوریہ (پچھی ضلع مدھوبنی)

(۱۱) حضرت مولانا مفتی حافظ محمد ایوب خان صاحب رضوی مدظلہ، صدر مدرس ومفتی وشیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)

(۱۲) حضرت مولانا معین الدین صاحب مدظلہ، بانی دار العلوم حنفیہ (کشن گنج، بہار)

(۱۳) حضرت مولانا قاری راحت حسین خان صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ (چھپرا، بہار)

(۱۴) حضرت مولانا عبد الشکور صاحب اشرفی مدرس دار العلوم شاہ عالم (احمد آباد)

(۱۵) حضرت مولانا مفتی محمد زین الدین صاحب اشرفی سابق شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز (الہ آباد)

(۱۶) حضرت مولانا حافظ جمال الدین صاحب مجیبی قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ سابق خطیب وامام جامع مسجد ناخدا (کلکتہ)

(۱۷) حضرت مولانا مفتی عبد الجلیل صاحب اشرفی شیخ الحدیث جامعہ صوفیہ (کچھوچھہ شریف)
(۱۸) حضرت علامہ مولانا محمد ہاشم صاحب اشرفی استاذ جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)
(۱۹) حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب اشرفی سابق خطیب وامام جامع مسجد (احمدآباد)
(۲۰) حضرت مولانا حافظ صلاح الدین صاحب رضوی بانی مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ (خنجرپور، بھاگلپور)
(۲۱) حضرت مولانا محمد بدر الدجیٰ صاحب اشرفی (مغربی دیناجپور، مغربی بنگال)
(۲۲) حضرت مولانا محمد یامین صاحب اشرفی مہتمم جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)
(۲۳) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب (بھوجپور، مرادآباد)
(۲۴) حضرت مولانا حافظ عبد الجلیل صاحب رضوی (بھاگلپور)
(۲۵) حضرت مولانا حافظ سہیل احمد صاحب رضوی رحمۃ اللہ علیہ سابق مدرس، دار العلوم امجدیہ (ناگپور)
(۲۶) حضرت مولانا محمد فیض الرحمٰن صاحب اشرفی شیخ الحدیث مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم (ماچھی پور بھاگلپور)
(۲۷) حضرت مولانا خواجہ شمس العالم صاحب (رحمٰن پور تکیہ شریف، پورنیہ)
(۲۸) حضرت مولانا رفیق احمد صاحب نعیمی مبلغ جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)
(۲۹) حضرت مولانا خلیل الرحمان صاحب نعیمی استاذ جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)
(۳۰) حضرت مولانا مختار الحسن صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ (جودھپور)
(۳۱) حضرت مولانا سید شاہ ذکی الدین احمد صاحب کبیری، خانقاہ کبیریہ (سہسرام)
(۳۲) حضرت مولانا ممتاز احمد صاحب نعیمی استاذ جامعہ نعیمیہ (مرادآباد)
(۳۳) حضرت مولانا سید شاہد علی صاحب (بہیڑی ضلع بریلی)
(۳۴) حضرت مولانا محمد معراج صاحب اشرفی (اگرپور، بھاگلپور)
(۳۵) حضرت مولانا سید رضوان الدین احمد صاحب نعیمی (مرادآباد)
(۳۶) حضرت مولانا منظور عالم صاحب اشرفی استاذ مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم (ماچھی پور، بھاگلپور)
(۳۷) حضرت مولانا شمیم الدین صاحب اشرفی (اسلام آباد ضلع بانکا)
(۳۸) حضرت علامہ مولانا سید محمد اشرف صاحب کلیم اشرفی جیلانی ولی عہد، آستانہ اشرفیہ (جائس، رائے بریلی)
(۳۹) حضرت مولانا محبوب عالم صاحب اشرفی شیخ الحدیث مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم (برہان پور)
(۴۰) حضرت مولانا قاری ابوالفتح صاحب اشرفی بانی جامعہ اسلامیہ حنفیہ (ہنومان گڑھ، ضلع گنگانگر، راجستھان)
(۴۱) حضرت مولانا وصی احمد صاحب وسیم قادری استاذ الجامعۃ الاسلامیہ (روناہی، ضلع فیض آباد)

(۴۲) حضرت مولانا رئیس اشرف صاحب اشرفی (مرادآباد)

(۴۳) حضرت مولانا کتاب الدین صاحب (مغربی دیناج پور، بنگال)

(۴۴) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رضوی مدرسہ منظرِ اسلام التفات گنج (ضلع امبیڈکرنگر)

(۴۵) حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رضوی (مقیم ڈربن، ساؤتھ افریقہ)

(۴۶) حضرت مولانا سید احمد صاحب اشرفی جیلانی (جائس، ضلع رائے بریلی)

(۴۷) حضرت مولانا سیف خالد صاحب اشرفی شعبۂ تالیف وترجمہ وتحقیق جامع اشرف (کچھوچھہ شریف)

(۴۸) حضرت مولانا مقبول احمد صاحب نعیمی صدر مدرس مدرسہ درگاہ شاہ بلاقی رحمۃ اللہ علیہ (مرادآباد)

(۴۹) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رضوی (ڈین ہاگ، ہالینڈ)

(۵۰) حضرت مولانا دل محمد صاحب رضوی (راجن، ضلع پونچھ کشمیر)

(۵۱) حضرت مولانا اختصاص الدین صاحب اجملی مہتمم دارالعلوم اجمل العلوم (سنبھل، ضلع مرادآباد)

(۵۲) حضرت مولانا سیّد انوار اشرف صاحب اشرفی جیلانی شہزادۂ سرکارِ کلاں علیہ الرحمۃ (کچھوچھہ شریف)

(۵۳) حضرت مولانا محمد اسلم صاحب نعیمی اشرفی (سکھاری، ضلع صاحب گنج)

(۵۴) حضرت مولانا ارشاد صاحب نعیمی پرنسپل مدرسہ اشرفیہ نظامیہ (فتحپور، بھاگلپور)

(۵۵) حضرت مولانا مفتی دل محمد صاحب رضوی (راجوری، کشمیر)

(۵۶) حضرت مولانا غلام صمدانی عرف نسیم احمد اشرفی بھاگلپوری (حیدرآباد)

(۵۷) محمد شاہد رضا اشرفی (لندن، برطانیہ)

اولاد امجاد

حضرت عمدۃ المحققین نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ جس سے ایک صاحبزادی اور راقم السطور تولد ہوئے۔ دوسری شادی، پہلی اہلیہ کے انتقال کے تقریباً ۷ سال بعد ۱۹۵۶ء میں ہوئی جس سے چار صاحب زادے اور چھ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ ایک صاحب زادی کا ولادت کے چند دنوں بعد انتقال ہو گیا۔ بقیہ تمام صاحب زادیاں بقید حیات ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ دمِ تحریر ——— دو صاحبزادیوں کے شوہروں کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ بیوگی کی زندگی گذار رہی ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔

چار دیگر صاحب زادگان کے نام یہ ہیں

(۱) ڈاکٹر محمد راشد ضیاء اشرفی ایم، اے، پی ایچ، ڈی (لندن میں مقیم ہیں)

(۲) محمد فاروق رضا اشرفی ایم، اے (وطن میں گھر پر رہتے ہیں، تجارت کرتے ہیں)

(۳) محمد اشرف ضیاء اشرفی　(دھلی میں مقیم ہیں اور "ھمدرد" کے ادارہ میں کمپیوٹر کے شعبہ میں ملازم ہیں)
(۴) مولانا حافظ محمد معارف رضا اشرفی　(حیدر آباد دکن میں زیر تعلیم ہیں)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

جیسا کہ میں نے اس سے قبل ذکر کیا ہے۔ حضرت والد ماجد کے انتقال کو ۲۸ سال کا طویل عرصہ ہوگیا اور اب تک آپ کے فتاویٰ کی اشاعت کا کام نہ ہوسکا۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں حضرت کے انتقال کے بعد اچانک ایک بڑے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری میرے دوشِ ناتواں پر آگئی۔ آلامِ روزگار نے کئی سال تک گھیرے رکھا۔ فروری ۱۹۷۸ء میں حضرت شیخ الاسلام علامہ سیّد مدنی میاں صاحب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی توجہات وکرم نوازی سے برطانیہ کا تبلیغی سفر ہوا اور پھر آب ودانہ اور مقدر نے برطانیہ ہی میں مستقل قیام کا سامان فراہم کردیا۔ معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا ہوا تو پھر فتاویٰ کی اِشاعت کا خیال دوبارہ ذہن میں تازہ ہوگیا۔ علماء احباب کے مشورہ پر اس عظیم کام کیلئے حضرت مولانا مفتی عبدالجلیل صاحب نعیمی اشرفی سے رابطہ کیا گیا۔ آپ اس وقت جامع اشرف کچھوچھہ شریف میں شیخ الحدیث اور مفتی کے منصب پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ فتاویٰ کے تمام رجسٹر میں نے حضرت موصوف کے سپرد کردیئے۔ آپ نے اس کام کو کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ ماہ وسال گذرتے گئے اور آپ کی گوناگوں مصروفیات نے آپ کو اس کام کے شروع کرنے تک کا موقع نہ دیا۔

۱۹۸۷ء میں کسی جلسہ میں شرکت کیلئے ہالینڈ جانا ہوا۔ وہاں حضرت علامہ بدر القادری صاحب مصباحی مدظلہ ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی (ڈین ہاگ) سے دورانِ گفتگو اِس کا ذکر آیا۔ علامہ مصباحی چوں کہ خود تحریر وتصنیف کے میدان کے شہسوار ہیں۔ اِس لئے میں نے اُن سے ذکر کیا کہ آپ کی نظر میں اس کام کیلئے کسی مناسب شخصیت کا نام ہو تو براہِ کرم میری رہنمائی فرمائیں۔ اُنہیں کی وساطت سے حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب کلیمی زید مجدہ صدر مدرس جامعہ اکرم العلوم، مراد آباد سے بات ہوئی اور جنوری ۱۹۸۸ء میں ــــــ فتاویٰ کے تمام رجسٹر اُن کے سپرد کرکے اِس کام کی گذارش کی۔ نومبر ۱۹۹۰ء میں علامہ کلیمی صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے جلد اول کی ترتیب مکمل فرمائی۔ دسمبر ۱۹۹۰ء سے کتابت کا آغاز ہوا اور پھر کتابت بھی الحمد للہ مکمل ہوگئی۔ کتابت کے بعد مسودہ مراد آباد ہی میں پڑا رہا۔ اسکی اشاعت وطباعت کیلئے کیا انتظام کیا جائے اس مسئلہ پر کوئی حتمی فیصلہ میں نہ کرپایا۔ چند احباب کا مشورہ تھا کہ خود آزادانہ طور پر طباعت کرائی جائے۔ دیگر احباب کی رائے تھی کہ کسی اشاعتی ادارہ کے زیرِ اہتمام یہ کام ہونا چاہئے۔ بالآخر ــــــ غالباً ۱۹۹۸ء میں میں نے اپنے انتہائی مخلص اور کرم فرما ــــــ

عزیز محترم مولانا سیف خالد صاحب اشرفی سے اِس بارے میں گفتگو کی۔ اُن دنوں وہ ''شیخ الاسلام اکیڈمی'' قائم کر کے مختلف کتابوں کی اشاعت کا کام کر رہے تھے۔ والد ماجد قدس سرہ کے فتاویٰ کی جلد اول کا کتابت شدہ مسودہ ــــ میری گذارش پر ــــ حضرت مولانا کلیمی سے ــــ مولانا سیف خالد نے لیکر ــــ طباعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن جب مئی ۲۰۰۰ء میں ــــ میں انڈیا گیا تو اُنہوں نے بتایا کہ مسودہ میں کتابت کی غلطیاں ہیں۔ بعض غلطیاں رجسٹر سے نقل کرتے وقت ہوئی ہیں اور بعض غلطیاں ایسی ہیں جو دارالافتاء جامعہ نعیمیہ میں نقل کرنے والوں سے ہوئی ہیں۔ نیز کتابت پرانی ہو چکی ہے۔ معیاری طباعت نہ ہو پائے گی۔ خیر خواہ بزرگوں اور احباب کے مشورہ پر پھر یہ بات طے پائی کہ دوبارہ کمپیوٹر پر کتابت کا کام ہونا چاہئے۔ اِس کی پوری ذمہ داری مولانا سیف خالد صاحب نے لے لی اور اب تقریباً دو سال دس ماہ کے بعد اُنہوں نے بڑی لگن اور جانفشانی سے اپنی نگرانی میں تصحیح، نئی کتابت، ترتیب کی تجدید، مسائل کی فہرست سازی، عربی عبارات کے ترجمہ، حوالہ جات کے تقابل وغیرہ کا انتہائی اہم کام مکمل کر کے ــــ جلد اول کو طباعت کیلئے تیار کیا ہے اور حضرت مولانا محمد یامین صاحب نعیمی اشرفی مدظلہ مکتبہ نعیمیہ، دہلی سے ــــ بڑے اہتمام کے ساتھ اِسکی اشاعت وطباعت کا کام کر رہے ہیں۔

حضرت عمدۃ المحققین علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ کے مجموعہ کی جلد ثانی کی ترتیب اولین کا کام بھی حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب کلیمی مدظلہ نے کر دیا تھا۔ اب اُنہیں کی ترتیب کو بنیاد کر ــــ مسودہ کی ترتیب ثانی اور جملہ متعلقات کا ذمہ مولانا سیف خالد صاحب اشرفی نے لے لیا ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں تاکہ جلد ثانی کی اشاعت بھی جلد از جلد ہو جائے۔

ہدیۂ تشکر

فتاویٰ کی اشاعت وطباعت، ترتیب وکتابت اور تصحیح وتزئین کے اِس مشکل اور طویل کام کو مکمل کرنا ــــ ممکن نہ ہوتا اگر بزرگوں اور احباب ومتعلقین کا تعاون نہ ملا ہوتا۔ میں اُن تمام اکابرین ملت، مشائخ کرام اور بزرگوں کا شکر گزار ہوں جنکے تاثرات ومشاہدات ــــ مضامین کی شکل میں شریک اشاعت ہیں۔ مجھ حقیر کی گزارش پر عالی منزلت حضرات نے وقت نکال کر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بڑا قیمتی اور معلومات آفریں ہے۔

میں مفکر ملت حضرت علامہ بدر القادری صاحب مصباحی ڈائرکٹر اسلامک اکاڈمی، ڈین ہاگ (ہالینڈ) کا بھی مشکور ہوں کہ اُنہوں نے حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب کلیمی زید مجدہ سے رابطہ کا اہتمام فرمایا۔ نیز حضرت مفتی عبد المنان صاحب کلیمی کا تہِ دِل سے ممنون ہوں کہ اُنہوں نے ترتیب اولین اور اپنی نگرانی میں پہلی کتابت کا بھی ذمہ لیا اور اِسے پورا کیا۔ عزیز مکرم مولانا سیف خالد صاحب اشرفی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ مختلف النوع پریشانیوں اور ذاتی مصروفیات کے باوجود اُنہوں نے ایثار وقربانی سے کام لیکر جلد اول کو

طباعت کے قابل بنایا۔

عزیزی اکرم فہیمد زیدی سلمہ ـــــ جو میرے بھانجے ہیں ـــــ کا بھی شکرگزار ہوں کہ اُنہوں نے تقریباً ۲۰۰ صفحات کمپیوٹر کمپوزنگ کا کام بڑی محنت اور توجہ سے کیا۔

استاذی ومکرمی حضرت علامہ مولانا غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۰۲ء) کا بھی شکرگزار ہوں کہ سال گذشتہ اُن سے فون پر گفتگو ہوئی تو حضرت قدس سرہ نے بیحد مفید مشوروں سے نوازا۔ ربّ کریم اُن کی قبر پر تا قیامت رحمتوں کا نزول فرمائے اور اُنہیں جوارِ قدس میں جگہ نصیب فرمائے آمین۔

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب اشرفی پورنوی ـــــ (روحانی فاؤنڈیشن ـــــ دہلی) کا بھی شکرگزار ہوں کہ اُنہوں نے متعدد بار ـــــ اِس کام میں اپنے تعاون سے نوازا۔

اپنے چھوٹے بھائیوں ـــــ ڈاکٹر محمد راشد ضیاء، محمد اشرف ضیاء اختر، مولانا حافظ معارف رضا انور ـــــ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اِن تینوں نے ـــــ کتابت وطباعت اور معلومات کی فراہمی کیلئے ہمیشہ تعاون کیا۔ دست وبازو بن کر حبیب الفتاویٰ کی اشاعت کیلئے جو ممکن تھا وہ کرتے رہے۔ مکرم ومحترم جناب محمد عزیز صاحب اشرفی (فتحپور) عزیز محترم مولانا جمال الرافع صاحب اشرفی (فتحپور)، حضرت مولانا حافظ قاری صلاح الدین صاحب نعیمی رضوی (خنجرپور)، حضرت مولانا حافظ عبدالجلیل صاحب نعیمی قادری (خنجرپور) کا بھی مشکور ہوں کہ اِن حضرات نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور تقاضا کرتے رہے تا کہ اِس کام میں مجھ سے مزید غفلت نہ ہو۔

میرے اس مضمون کیلئے انتہائی اہم اور بنیادی معلومات کی فراہمی میں ـــــ مندرجہ ذیل حضرات نے کرم فرما کر تعاون فرمایا۔

(۱) عم مکرم حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ، بھاگلپور (متوفی ـــــ ۳ رمئی ۱۹۹۲ء)
(۲) حضرت مولانا حکیم سید قطب الدین اشرف صاحب اشرفی جیلانی مدظلہ (کچھوچھہ شریف)
(۳) عم مکرم حضرت مولانا مفتی محمد شاہ جہاں صاحب رضوی مدظلہ العالی (فتحپور)
(۴) حضرت مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ کراچی (پاکستان)
(۵) محترم محمد نعیم صاحب رضوی آفس سکریٹری، ورلڈ اسلامک مشن کراچی (پاکستان)
(۶) مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز صاحب نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور (پاکستان)
(۷) حضرت مولانا ریاض الحسن صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ سنبھلی ضلع مرادآباد
(۸) حضرت مولانا فخرالدین صاحب رضوی مدرسہ اسلامیہ نوریہ، پچھی ضلع مدھوبنی

اِن میں سے جن حضرات کا وصال ہو چکا ہے۔ رب کریم اُن کو درجات عالیہ عطا فرمائے اُن کی قبروں میں رحمت

الٰہی کا تا قیامت نزول ہوتا رہے آمین۔ثم آمین۔ جو حضرات بقید حیات ہیں، میں اُن کا صمیم قلب سے شکر گزار رہوں۔

آخر میں مکتبہ نعیمیہ کے بانی حضرت مولانا محمد یامین صاحب اشرفی مدظلہ کا اور اُن کے صاحبزادے ضیاء اشرف صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جو بڑی محنت اور توجہ سے طباعت کا انتظام واہتمام فرما رہے ہیں۔

محمد شاہد رضا نعیمی اشرفی

لندن، برطانیہ

۱۳ر ستمبر ۲۰۰۳ مطابق ۱۶ر رجب ۱۴۲۴ھ

میرے والد گرامی

رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد راشد ضیاء اشرفی ایم، اے، پی ایچ، ڈی

جب میں اُن کی شفقتوں سے محروم ہوا، بہت کم عمر تھا۔ شاید سن وشعور کی اُس منزل میں جب ایک بچہ طفولیت اور شعور کے دوراہے پر کھڑا ہوتا ہے۔ باوجودیکہ اس حادثہ کو تقریباً تیس سال گزر گئے، آج بھی مجھے ۲۰ رمئی ۱۹۷۵ء کی جامعہ نعیمیہ مراد آباد (ہندوستان) کی وہ شام جب جب یاد آتی ہے جس دن میرے والد گرامی ہمیں ہمیشہ کیلئے داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ مجھے سب کچھ بالکل واضح اور صاف دکھائی دیتا ہے، گویا یہ کل ہی پیش آنے والا واقعہ ہو، مگر دوسری طرف جذبات اور احساسات کی دنیا بڑی دھندلی اور مبہم سی محسوس ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں اداس اور مغموم تھا، چونکہ سب اداس تھے۔ میں بری طرح رو رہا تھا، کیونکہ میرے کانوں نے میری والدہ اور میرے بڑے بھائی بہنوں کی آہ وبکا کی دلخراش آوازیں سنی تھیں۔ میں بھی بہت پریشان تھا، چونکہ سبھی کے چہروں پر پریشاں حالی کے واضح نشان دیکھے جاسکتے تھے۔ جو چیز مجھے پتہ نہ تھی وہ یہ کہ "موت" ایک ایسی مفارقت کا نام ہے جو ابدی ہوتی ہے، کوئی چلا جاتا ہے تو پھر کبھی واپس نہیں آتا ہے۔ شاید یہی سب ہو رہا ہو کہ موسمِ گرما کی وہ بھیانک شام جب میرے والد گرامی کا جسد خاکی اُن کی اس پلنگ پر، جس پر وہ ہمیشہ آرام فرماتے تھے، جامعہ کے وسیع صحن کے اُس مرکزی چبوترے پر (جو آج بھی ان کی درسگاہ کے سامنے اسی طرح موجود ہے، جیسے کبھی پہلے ہوا کرتا تھا) محوِ استراحت تھا۔ ان کی پلنگ کے ایک طرف برف کی سلیاں رکھی تھیں اور ایک تیز رفتار پنکھا اپنی پوری رفتار سے مستقل چل رہا تھا۔ لوگوں کا ایک ہجوم ساری رات ان کی پلنگ کے اردگرد متحرک رہا۔ ان میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جنہیں پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مسلم، غیر مسلم انتہائی خموش اور بے پناہ احترام کے ساتھ انہیں خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ اُس روز بعض مقامی سکھ اور ہندوؤں کو دیکھ کر کم از کم مجھے کوئی حیرت نہ تھی، کیونکہ وہ اُن کے پاس بعض امور پر مشوروں اور ملاقاتوں کیلئے یوں بھی آیا کرتے تھے۔ میں نے بھی کئی بار، دوسروں کی طرح اُن کی چارپائی کے اردگرد چکر لگائے، لیکن میرا مقصد ان سے مختلف تھا۔ میں اس امید میں تھا کہ شاید میرے والد کسی وقت اپنی آنکھیں کھولیں تو میں اُن سے پوچھ سکوں کہ ابا آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ جب جب میں اُن کے بہت قریب ہوا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے اپنے پاس محسوس کر کے مسکرانے لگے ہوں۔ میری امیدوں کے چراغ روشن ہونے سے پہلے ہی گل ہوجاتے۔ نہ تو انہوں نے ایک بار اپنی آنکھیں کھولیں اور نہ ہی کوئی بات کی، میں سوچتا رہا کہ شاید وہ بہت گہری نیند میں ہیں۔

رات کے کسی حصے میں کسی نے ہم سب سے کھانے کیلئے پوچھا لیکن بھوک جیسے کوسوں دور چلی گئی تھی۔ ساری

رات آنکھیں متحیر ہو کر دیکھتی رہیں آخر یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ صبح ہوئی تو عالم مختلف تھا۔ صاف شفاف، زرد چلچلاتی ہوئی دھوپ اور انسانوں کا جمِ غفیر۔ اِن تمام چہروں میں جو چہرہ سب سے نمایاں اور سب سے چمکدار تھا، وہ وہی چہرہ تھا جس کی زیارت کیلئے آج سارا شہر جامعہ کے صحن میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ کب انہیں غسل دیا گیا اور کیسے ان کی آخری آرام گاہ تیار کی گئی، مجھے کچھ علم نہیں، ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ انہیں اُن کے عام معمول کے مطابق سفید عمامہ باندھا گیا تھا، جس کی وجہ سے اُن کا وہی عالمانہ وقار اور وہی تر و تازہ نورانی چہرہ، جسے دیکھ کر ہماری ہر صبح منور ہو اُٹھتی تھی، اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ لوگوں کی آنکھوں کو اس طرح ٹھنڈک بہم پہنچا رہا تھا جیسے شدید برفیلی ہوا سے لوگوں کی آنکھوں میں خود بخود پانی بھر آتا ہے۔ ہر وہ شخص جو انہیں دیکھتا، اس کی آنکھیں اشکبار ہو اٹھتیں۔ جب انہیں اُن کی آخری آرام گاہ میں اتار دیا گیا تو میں نے اپنے آپ کو ان کی لحد کے بالکل پاس موجود پایا۔ میں وہاں اتنے لوگوں کو عبور کر کے کیسے پہنچا، مجھے کچھ یاد نہیں۔ اُن کے چہرۂ مبارک کی وہ آخری جھلک آج تقریباً تیس سال بعد بھی میری نگاہوں میں جوں کی توں محفوظ ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ آئندہ بھی میری آنکھوں سے کبھی محو نہ ہو سکے گی۔ سبحان اللہ، کیسی وجاہت تھی اُن کے چہرے پر۔ دل ہمیشہ یہی چاہتا رہا کہ کاش میں انہیں کچھ دیر اور دیکھ سکتا۔

اُن کی تدفین کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے ایک شدید طوفان تھا جو اب تھم سا گیا تھا۔ ہر طرف موت کا سناٹا۔ مکمل سکوت!۔ گزشتہ شام، نمازِ مغرب کا وہ وقت جب انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ کس قدر کہرام تھا، قیامت کی سی ہلچل، ہر طرف شور و غل، سسکیاں، ہچکیاں۔ اور آج کی صبح۔ گویا ساری دنیا خموش ہو گئی ہو۔ لوگ خاصی بڑی تعداد میں اب بھی موجود تھے، مگر ساکت و خاموش!

اگلے دو تین دنوں تک دور دراز کے بہت سے اعزہ و اقرباء، خصوصاً عم مکرم مولانا عبد الجبار صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، ماموں عالی جناب ابوسعید صاحب پیش کار، محترم جناب ابووصی اور ابومسیح صاحبان، چچا حافظ محمد معظم صاحب مرحوم اور بطورِ خاص ہماری بہت ہی مشفقہ نانی مرحومہ و مغفورہ جو مخدومہ والدہ صاحبہ کیلئے اس آڑے اور نازک وقت میں ایک غیر معمولی ذریعہ صبر و ضبط ثابت ہوئیں، یہ سب لوگ تشریف لا چکے تھے۔ علاوہ ازیں ملک کے مختلف گوشوں اور علاقوں سے والد گرامی علیہ الرحمہ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد بھی مراد آباد پہنچ چکی تھی۔

آپ ۱۳ر مئی ۱۹۷۵ء سے ۲۰ر مئی ۱۹۷۵ء تک پورا ایک ہفتہ بستر مرض پر رہے۔ یکے بعد دیگرے، مختلف امراض آناً فاناً حملہ آور ہوئے جن سے آخر وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ جس روز شام کو آپ کی روح قفسِ عنصری سے محوِ پرواز ہوئی، اُس روز صبح کو میرا آٹھویں جماعت کے امتحانات کا نتیجہ برآمد ہوا تھا۔ والد گرامی کی ناسازیٔ طبع کے سبب اسکول جانے کو جی بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ بادلِ ناخواستہ گیا۔ میں امتیازی نمبروں سے پاس ہوا تھا۔ گھر آتے ہی میں، والد گرامی کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا اور انہیں اپنا ریزلٹ (Result) دکھانے کی اپنی سی کوشش کرنے لگا۔ میری آواز

پر انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں لبوں کو جنبش بھی ہوئی جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں، مگر کچھ نہ کہہ سکے۔ لیکن ان کی آنکھوں میں خوشی کی چمک اور لبوں کی دلنواز مسکراہٹ نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو اُن کی زبان ادا نہ کر سکی۔

والد گرامی کے تعلق سے یوں تو بے شمار واقعات اور بہت سی باتیں ... حافظے میں محفوظ ہیں، لیکن چند واقعات وحادثات ایسے ہیں جن سے اُن کی مثالی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے۔

پہلے واقعہ میں ایک صاحب کسی ضرورت سے ایک نقش لینے کیلئے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب نقش لیکر جانے لگے تو اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر مصافحہ میں والد صاحب کو دینا چاہا۔ والد صاحب نے ان سے ہاتھ بچاتے ہوئے کہا کہ میں تعویذات بیچتا نہیں ہوں۔ یہاں یہ کام صرف خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت کیا جاتا ہے۔ اگر آپ مُصر ہیں کہ کچھ دیکر ہی جائیں تو بہتر ہوگا کہ جو کچھ میں نے دیا ہے اسے واپس کر دیجئے۔ وہ صاحب کافی شرمندہ ہوئے اور اظہار تشکر کے ساتھ معذرت طلب کر کے رخصت ہو گئے۔

اسی طرح ایک شخص طلاق کے سلسلے میں آپ کی فقہی رائے دریافت کرنے آیا۔ اس کے بیانات کی روشنی میں والد گرامی نے اسے بتایا کہ تمہاری بیوی کو طلاق قطعی واقع ہو چکی ہے۔ اتنا کہہ کر والد صاحب اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ وہ شخص کچھ دیر یوں ہی بیٹھا رہا پھر اُس نے دریافت کیا "کیا آپ نے جو کچھ فرمایا، واقعی ایسا ہی ہے"۔ والد صاحب نے پھر اس کو بڑی محبت وشفقت سے وہی جواب مرحمت فرمایا، جو پہلے دیا تھا۔ وہ سائل اس کے بعد بھی بڑے صبر وتحمل کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جب سارے لوگ چلے گئے تو ڈھیر ساری ہمت وجرأت اکٹھا کر کے کچھ یوں عرض گزار ہوا کہ مفتی صاحب میں تو بڑی مشکل میں گھر گیا ہوں، میری بیوی میرے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ دیکھئے کوئی گنجائش نکل سکتی تو بڑا بہتر ہوتا۔ اتنا سنتے ہی، جیسے والد گرامی کا پیمانۂ صبر وضبط لبریز ہو گیا ہو۔ نسبتاً بلند آواز میں فرمانے لگے، ارے بھائی کیا شریعت میرے گھر کی کھیتی ہے کہ میں اس میں گنجائش نکال لوں۔ تمہیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہی میری آخری رائے ہے۔ بیچنے اور خریدے جانے والے فتوے کسی اور دوکان میں ملتے ہوں گے، وہاں جاؤ اور ہاں، آئندہ میرے پاس کبھی اس نیت سے نہ آنا اور گنجائش نکالنے کی بات میرے سامنے کبھی نہ دہرانا۔

مادیت سے اُن کی طبیعت ہمیشہ بیزار رہی۔ ایک عجیب سی بے رغبتی جسے دینی اصلاح میں غنیٰ، تَوَکُّلُ عَلَی اللّٰہ اور قناعت کہتے ہیں، ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ رمضان کے بعد عید الفطر اور پھر عید قرباں کے موقع پر جامعہ کو خطیر امدادی رقوم موصول ہوتیں۔ آپ یہ ساری رقوم خود شمار فرماتے اور عموماً یہ کام پوشیدگی کے ساتھ گھر کے اندر کرتے۔ طریق کار یہ ہوتا کہ نوٹوں کی گڈیاں بائیں پاؤں تلے رکھتے اور پھر انہیں گنتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر میری والدہ ماجدہ نے حصولِ دولت میں ان کی عدم دلچسپی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ کاش یہ پیسے جنہیں آپ گن رہے ہیں، آپ کے اپنے ہوتے۔ آج تک آپ کا نہ کوئی ذاتی گھر ہے، نہ کوئی بچت اور نہ ہی کوئی سرمایہ۔

اگر آپ اچانک گزر گئے تو ان بچوں کا کیا بنے گا؟ جواباً ہنستے ہوئے کہنے لگے۔ آپ ذرا غور فرمائیے یہ پیسے کہاں ہیں؟ ان کی مناسب جگہ بھی یہی ہے۔ میں انہیں سر کا تاج بنانا نہیں چاہتا۔ میں چاہوں تو بے شمار پیسہ اکٹھا کر سکتا ہوں لیکن مجھے اپنی اصل ضروریات سے زیادہ دولت عزیز نہیں۔ پھر ہم سب بھائیوں کے نام لیکر فرمانے لگے۔ میرا اور آپ کا اصل سرمایہ یہ ہیں۔

محبت میں پکارنے کیلئے آپ نے ہم سب کے عجیب وغریب نام رکھے ہوئے تھے۔ بارہ افراد پر مشتمل، ایک بڑا خاندان۔ لیکن بحمد اللہ مشکل ترین وقتوں میں بھی ہم میں سے کسی نے کھانے پینے کے معاملے میں کوئی تنگی محسوس نہیں کی۔ عسرت میں فراوانی تھی۔ یقیناً یہ سب ان کے اخلاص کی برکت، اور ان کی دیانت وامانت اور صداقت کا اجر تھا۔ فرماتے، دیکھو اختتامِ ماہ تک میرا بٹوا خالی نہیں ہوتا۔ تنگی حالات کے باوجود مہمانوں کی ضیافت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ صبح کو ناشتے کے وقت، مختلف مرحلوں میں عمر کے لحاظ سے جو سب سے چھوٹا ہوتا، ان کے ساتھ بیٹھتا اور وہ بڑی محبت وشفقت کے ساتھ اپنے دستِ بابرکت سے اُسے کھلاتے۔

اپنی خوش لباسی اور جامہ زیبی کے سلسلے میں وہ اپنی ایک مخصوص پسند کے مالک تھے۔ لوہے کے ایک بڑے صندوق میں ایک طرف جاڑوں کے کپڑے، دوسری طرف گرمیوں کے اور درمیان میں معتدل موسم کے ملابس بڑے اہتمام سے رکھتے۔ تمام کپڑے صاف دھلے ہوئے، استری شدہ اور اگر کلف اور چونٹ کی ضرورت ہوتی تو وہ بھی ضرور ہوتی۔ سردیوں کیلئے اونی کرتا، اونی پائجامہ، اونی ٹوپی، عموماً ایک ہی کپڑے کی ہوتی۔ چند ہی جوڑے مگر بڑی خوش سلیقگی سے رکھے ہوتے۔ گرمیوں میں ململ اور چکن بہت عزیز تھی۔ صدری، شیروانی، عمامہ اور عبا بھی استعمال کرتے تھے اور اس بات کا خاص خیال فرماتے کہ لباس حسبِ موقع ہو۔ شلوار اور کرتے کے علاوہ آپ نے کبھی کوئی دوسرا لباس زیب تن نہیں فرمایا۔ کاندھے یا سر پر بڑا رومال رکھنا بھی معمولات میں داخل تھا اور باہر نکلتے وقت چھتری ہمیشہ ساتھ رہتی۔

انتہائی منظم زندگی! ہر روز علی الصباح پہلے خود اٹھتے پھر ضروریات سے فارغ ہو کر دوسروں کو جگاتے۔ مسواک ہر وضو میں استعمال فرماتے۔ پانوں کا بھی شوق تھا۔ مخصوص ڈبیہ اور بٹوا ہمیشہ ساتھ رہتا۔ سفر میں ٹائم ٹیبل، ٹارچ، چھتری، وضو کا مخصوص لوٹا، جانماز اور ایک ناشتہ دان.......... ایک مخصوص کنڈیا میں ہوتا۔ اسٹیشن وقت پر پہنچ جاتے۔ ہر مرحلے پر سامانوں کی تحریر کردہ فہرست سے سامانوں کا تقابل کرتے رہتے۔ انگریزی زبان سے ناواقفیت کے باوجود چشم زدن میں ٹرینوں کے کنکشنز اور ان کے اوقات دیکھ کر ان لوگوں کو بھی متحیر اور ششدر کر دیتے جنہیں انگریزی زبان پر پوری گرفت ہوتی۔ اسی طرح مختلف مقامات کے ناموں کی انگریزی اسپیلنگ پر ایسی دسترس اور ایسا عبور حاصل تھا جیسے یہ بھی انہوں نے علم کے ایک مکمل شعبے کے طور پر سیکھا ہو۔ شہر مراد آباد کا سارا نقشہ ان کی نگاہوں

کے سامنے اس طرح موجود ہوتا کہ جسے چاہتے اسے اس شخص کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دیتے جہاں اسے بھیجنا چاہتے ہوں۔

رشتہ داروں سے حسنِ سلوک اور صلۂ رحمی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی اپنے وطنِ عزیز بھاگل پور تشریف لے جاتے۔ ہر چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کے یہاں پانچ ہی منٹ کیلئے سہی، ضرور تشریف لے جاتے۔ ان کے اس معمول کو یاد کر کے ہمارے بہت سے رشتہ داروں کی آنکھیں آج بھی نم ہو جاتی ہیں اور وہ والد گرامی کی کمی شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے کسی بھی اپنے رشتہ دار کو شکایت کا یہ موقع کبھی نہیں دیا کہ مفتی صاحب وطن آئے اور ہم سے نہیں ملے۔

اب تک کی معروضات کو سمیٹتے ہوئے، والد گرامی کی مثالی شخصیت کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ محض ایک عظیم عالم ہی نہیں تھے بلکہ جو علمِ کثیر اللہ رب العزت نے ان کو ودیعت فرمایا تھا اور جس کی تعلیم وہ دوسروں کو دیا کرتے تھے، اُس پر خود بھی سختی سے عمل پیرا تھے، چونکہ اِن تعلیمات پر ان کا مکمل ایمان وایقان تھا۔ اقوال و افعال کے تضاد کا کوئی خانہ ان کے یہاں موجود نہ تھا۔ ایسے ہی عظیم اور جلیل القدر افراد کے بارے میں کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ،

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بچپن اور خاندانی حالات پر ایک سرسری نظر

اِن معلومات کے وسائل و ذرائع خاندان ہی کے تین باوثوق افراد ہیں جن میں پہلی شخصیت، والد بزرگوار علیہ الرحمہ کے برادرِ اکبر حضرت مولانا عبد الجبار صاحب نعیمی علیہ الرحمہ متوفی ۳ مئی ۱۹۹۲ء ہیں۔ آپ صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی، بانی دار العلوم جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی تفسیر قرآن ''خزائن العرفان'' کے چند پاروں کے کاتب بھی ہیں۔ اس عظیم کام کیلئے اپنے اِنتخاب کے بارے میں انہوں نے متعدد بار مجھے یہ بات بتائی کہ اِس سلسلے میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے اعلیٰ جماعتوں کے کئی پرانے اور باصلاحیت طلباء کو طلب فرمایا اور یہ غیر معمولی ذمہ داری سپرد کرنے سے پہلے اِن میں سے دو لوگوں کے انتخاب کیلئے ایک غیر رسمی امتحان کا اعلان فرمایا۔ یہ امتحان جہاں علوم القرآن، خصوصاً علمِ تفسیر سے متعلق تھا، وہاں بعض مشکل الفاظ کی صحیح ہجے بھی معیارِ کامیابی میں شامل تھی، مثلاً بنو قریظہ، بنو قینقاع وغیرہ۔ عم محترم کے انتخابِ خاص کا سبب ان ضروری علوم کی معلومات کے علاوہ جن کا ذکر سطورِ بالا میں ہو چکا ہے، اِن الفاظ کی صحیح ہجے بھی تھا۔

اِن معلومات کی دوسری کڑی میرے والد گرامی کے چچا زاد بھائی جناب محمد عثمان صاحب مرحوم ہیں جو بچپن میں

ایک عرصے تک میرے والد گرامی کے مربی بھی رہے۔ اِن کا انتقال حضرت مولانا عبدالجبار صاحب نعیمی علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال سے ذرا قبل ہوا تھا۔

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اس سلسلے کی آخری کڑی میرے والد گرامی کے ایک اور عم زاد حضرت مولانا مفتی محمد شاہ جہاں صاحب قبلہ رضوی فتح پوری ہیں، جو تادم تحریر بقیدِ حیات ہیں۔ اِن کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اشرفیہ فتح پوری میں عظیم المرتبت استاذ مولانا محمد عظیم بخش رحمۃ اللہ (شکر اللہ چک بھاگل پور) کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ آپ والد گرامی علیہ الرحمہ کے بھی اولین استاذ تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شاہ جہاں صاحب رضوی مدظلہ شہر بریلی کی مشہور و معروف درسگاہ، مدرسہ منظر اسلام سے فراغت کے بعد تقریباً سات سال تک جس پور ضلع نینی تال کی مرکزی دینی درسگاہ مدرسہ بدرُ العلوم میں بحیثیت صدر المدرسین دینی خدمات سرانجام دیتے رہے ۳۵ سال تک اس خدمت پر مامور رہنے کے بعد ۱۹۸۵ء میں اس عہدے سے باعزت سبکدوش ہوئے۔ شہر بھاگلپور اور اس کے گرد و نواح میں آج بھی آپ کی شخصیت سب سے بڑے عالم دین کی حیثیت سے مسلم و مقبول ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب کبھی عم محترم کا، مدرسہ بدر العلوم کی دستار فضیلت کے جلسوں میں آنا ہوتا تو وہ مراد آباد ضرور تشریف لاتے اور والد گرامی علیہ الرحمہ سے ملاقات کئے بغیر نہ جاتے۔ والد گرامی بھی بڑی گرم جوشی سے اُن کا استقبال فرماتے اور اتنی ہی محبت و شفقت سے انہیں رخصت بھی کرتے۔

اب ذیل کی سطور میں والد گرامی کے حوالے سے وہ معلومات درج کی جاتی ہیں جو ان مذکورہ بالا شخصیات کے توسط سے حاصل کی جاسکی ہیں، جن کا ذکرِ جمیل ابھی اوپر ہوا ہے۔

والد گرامی حسب و نسب کے اعتبار سے شیخ صدیقی تھے اور آپ کا شجرۂ نسب کسی نہ کسی طرح شہر بھاگل پور کے محلے میل چک کے ایک ولی کامل شاہ گدا علی رحمۃ اللہ سے بھی جا ملتا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات کا علم نہیں، ممکن ہے بعد میں کسی اور موقع سے ضروری تحقیق کے بعد مزید معلومات حاصل ہوسکیں۔

ہمارے دادا کا نام نور محمد تھا۔ ان کا انتقال ۵ رمضان المبارک کو ہوا، کس سَن میں، مجھے علم نہیں، تاریخ یقیناً یہی تھی چونکہ ہر سال رمضان المبارک کی اس تاریخ پر والد گرامی افطار کا مخصوص اہتمام فرماتے اور ان کیلئے دعائے مغفرت کی ایک تقریب کے بعد تمام لوگوں کی روزہ کشائی کراتے۔ پردادا مرحوم اگرچہ متمول تھے اور تقریباً دوسو گائیں بیک وقت ان کی ملکیت میں ہوتیں، مگر دادا مرحوم کے مالی حالات اتنے اچھے نہ تھے۔ ان کے انتقال کے وقت والد گرامی کی عمر یہی کوئی پانچ چھ برس رہی ہوگی۔ غربت کا دور دورہ تھا، دادی جنیہ کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا چنانچہ والد گرامی کے ایک ماموں، جن کا نام رحمت علی تھا اور جو بھاگل پور شہر کے مضافات میں گنگا ندی کو عبور کر کے ایک چھوٹے سے گاؤں نوگچھیہ کے رہنے والے اور علاقے کے زمیندار بھی تھے، والد گرامی کو اپنے ساتھ نوگچھیہ لے گئے۔

دیہی زندگی کے اثرات والد صاحب کی شخصیت پر تیزی سے اثر انداز ہونے لگے، مقامی زبان بولنے کے علاوہ ان کا لباس بھی وہیں کا سا ہو گیا اور اکثر انہیں بھینسوں کو چرانے کو بھی بھیج دیا جاتا۔ اِن تمام باتوں کے باوصف اس ماحول سے وہ بالکل مانوس نہیں ہو سکے بلکہ اجنبیت کے احساسات کے زیرِ اثر عموماً تنہا اور خاموش رہنا اِن کی فطرت کا ایک حصہ بن گیا۔ اِن کے اندر آنے والی ان تبدیلیوں کو بعض رشتہ داروں نے شدت سے محسوس کیا۔ چنانچہ مایوسی اور بے چارگی کے اس عالم میں والد گرامی کی حقیقی خالہ، جو اُن کے عم زاد جناب محمد عثمان صاحب مرحوم کی والدہ بھی تھیں، اُنہیں اپنے ساتھ شہر کٹیہار لے آئیں۔ وہاں آپ محمد عثمان صاحب کی گھڑیوں کی خرید فروخت اور تصلیح و مرمت کی دوکان میں بحیثیت گھڑی ساز تربیت پانے لگے اور جلد ہی اس ہنر میں باکمال بھی ہو گئے۔

اب والد گرامی مکمل طور پر سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔ وہاں ایک دن ماجرا کچھ یوں ہوا کہ چچا عثمان مرحوم اور باقی دوسرے کاریگر اپنی اپنی ضروریات سے باہر چلے گئے اور دوکان کی مکمل ذمہ داری والد صاحب کو یہ کہہ کر دیدی گئی کہ ابھی تھوڑی دیر میں ایک شخص آئے گا، یہ اس کی گھڑی ہے، مرمت کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اتنی اجرت لیکر اسے یہ گھڑی دے دینا۔ چنانچہ جب وہ شخص آیا تو والد گرامی نے اسے بتایا کہ آپ کی گھڑی دُرست ہو چکی ہے اور اتنی اجرت دے کر گھڑی لے جائیں۔ یہ رقم گھڑی کے مالک کے تخمینہ سے کہیں زیادہ تھی۔ چنانچہ اس نے دریافت کیا کہ اتنے پیسے کس بات کے ہوئے؟ اس گھڑی میں کیا کام ہوا ہے؟ کیا کوئی پرزہ وغیرہ بھی تبدیل ہوا ہے؟ والد گرامی نے بتایا کہ گھڑی تو میں نے ہی ٹھیک کی ہے۔ کوئی خاص کام نہیں ہوا، صرف صفائی کر کے گھڑیوں کا مخصوص تیل ڈالدیا گیا اور گھڑی نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ آخر میں وہ شخص اپنے اندازے سے اتنے کام کی جو مناسب اجرت ہوتی تھی، دے کر اور اپنی گھڑی لے کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد، جب دوسرے لوگ واپس آئے تو والد گرامی نے انہیں سارا قصہ بتا دیا۔ ایک کاریگر بول پڑا کہ اگر وہ شخص تم سے اس قدر بحث و مباحثہ کرنے ہی لگا تھا تو تم بھی اسے بتا دیتے کہ یہ کام ہوا ہے، وہ کام ہوا ہے اور دو ایک پرزے بھی تبدیل کئے گئے ہیں مگر اس سے پیسے تو کم نہ لیتے۔ والد گرامی نے فیصلہ کُن انداز میں کہا کہ اگر یہ کام مجھے جھوٹ بولنے کی ترغیب دیتا ہے تو آج سے میں نے یہ کام ترک کر دینا ہے۔ اتنا کہہ کر اُسی وقت (چچا محمد عثمان مرحوم کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے) بوریہ بستر سمیٹ کر فتح پور روانہ ہو گئے۔

یہاں آکر ایک اور عم محترم جناب سید حسین مرحوم (مولانا مفتی محمد شاہ جہاں صاحب رضوی مدظلہٗ کے والد) کے یہاں قیام فرمایا۔ آپ نے والد گرامی کو مدرسہ اشرفیہ میں داخل کر دیا۔ یہاں والد گرامی تعلیمی مصروفیات کے علاوہ دوسرے اوقات میں گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے اور بقیہ اوقات میں حصولِ علم کیلئے وقف رہتے۔ خودشناسی یقیناً ان کی طبیعت کا حصہ تھی، چنانچہ اپنے ذاتی اور ضروری اخراجات کیلئے چھوٹے موٹے کام کی تلاش میں بھی سرگرداں رہتے۔ دوسری طرف، اب آپ اس لائق ہو چکے تھے کہ پڑھنے کے علاوہ پڑھا بھی سکتے تھے۔ جن مقامی لوگوں نے والد

گرامی کے حصولِ علم کے ذوق وشوق کے اولین مرحلے میں ان کی درسی استعداد اور اعلیٰ لیاقت کا اندازہ لگالیا تھا، ان میں مولوی مبین الدین مرحوم پیش پیش تھے۔ نتیجۃً، والد گرامی ان کے یہاں بچوں کو پڑھانے لگے۔

ان تمام باتوں سے بالاتر یہ کہ اپنی ذہانت وفطانت اور حصولِ علم سے گہری دلچسپی کے سبب آپ نے جلد ہی اپنے استاذ گرامی مولانا عظیم بخش مرحوم (تلمیذ مولانا فرخند علی سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ) کے نورِ نظر بن گئے۔ والد گرامی کی سادگیٔ طبع، کسرِ نفسی اور اطاعت شعاری نے اپنے لئے اپنے استاذ کے دل میں مزید اُنس پیدا کرلیا اور عالم یہ ہوا کہ آپ اُنہیں اپنے ساتھ کھانوں میں شریک کرنے لگے اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ "تلمیذِ خاص" شمار کئے جانے لگے۔ والد گرامی نے آپ کی خدمت میں زانوئے ادب طے کرکے شرح جامی تک کی کتابوں کی تکمیل فرمائی اور کبھی کسی دوسرے آستانے کا سنگِ در بننے کا خیال بھی دل میں نہ گزرا۔ گلی نظر جہاں مرکوز ہوئی (وہ بھی اولین استاذ کی خواہش کا احترام بجالانے کی خاطر) وہ ایسی تھی کہ گویا جس پر ان کا سارا قصۂ زندگی تمام ہوا۔

ہوایوں کہ روٗسائے ابراہیم پور کے اصرار پر کسی جلسہ میں صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ بھاگل پور تشریف لائے۔ اس سفر میں وہ ادارہ جس کا سنگِ بنیاد آپ کے روحانی اور علمی پیشوا، ولیِ کامل حضرت مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی نور اللہ مرقدہ نے رکھا تھا، مدرسہ اشرفیہ فتح پور میں جلوہ افروز ہوئے تو عالمانہ وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ دیر کیلئے مولانا عظیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ خاص میں بھی مسند افروز ہوئے چہرے پر ہونہاری کے آثار نمایاں ہیں۔ اس کا نام کیا ہے؟ بتایا گیا "محمد حبیب اللہ" پھر والد گرامی کو پاس بلاکر بٹھایا اور انتہائی شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا۔ "واقعی تم اللہ کے حبیب ہو"۔ پھر مولوی عظیم بخش علیہ الرحمہ کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا "یہ بچہ مجھے دیدو" استاذِ گرامی نے جواباً کہا، "کیوں نہیں"۔ بزرگوں کا یہ مکالمہ والد صاحب کے حق میں اللہ کی جانب سے نوشتۂ تقدیر تھا آپ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ والرضوان کے ہمراہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد تشریف لے آئے اور اس طرح اُس سفر کا آغاز ہوا جواب یومُ المعاد تک جاری رہے گا۔

آپ رحلت فرماکر بھی اس ادارے کی چہار دیواری سے نہ نکل سکے۔ اب یہی ادارہ اور اُس کی حدیں اُن کی آخری آرام گاہ ہیں۔ یہیں آکر وہ "محمد حبیب اللہ" سے "عمدۃ المحققین مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی" بن گئے۔ اپنے آخری مشفق استاذ کی چوکھٹ ایسی عزیز ہوئی کہ ایک مرتبہ آپ کے تلامذہ مولانا محمد نظام الدین اشرفی مرحوم، امام جامع مسجد، احمد آباد اور مولانا محمد عبد الشکور اشرفی استاذ دار العلوم شاہ عالم احمد آباد نے بہت اصرار کے ساتھ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تنخواہ کی پیش کش پر اُنہیں احمد آباد بلانا چاہا تاکہ والد گرامی کے مالی حالات بہتر ہوسکیں لیکن والد گرامی نے یہ فیصلہ صادر فرماتے ہوئے کہ "مجھے میرے استاذ عالی مرتبت نے اس ادارے کی خدمت

پر مامور فرمایا تھا، اب وہی مجھے نکالیں گے تو کہیں اور جاؤں گا، ورنہ نہیں' دراصل یہ تجویز اس بات کی غمازی تھی کہ بس اب موت ہی مجھے اس ادارے سے جدا کر سکے گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُن کی موت بھی یہ کارنامہ انجام نہ دے سکی۔ والد گرامی اب بھی اپنے استاذ گرامی کے لگائے ہوئے چمن کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ وہ اب بھی اس ادارے کے نگراں ہیں جن سے ان کا تعلق جسم و جاں کا تھا۔ میرے خیال میں یہ ان کے اپنے معلم و مربی سے عشق صادق کی ایک بے مثال اور روشن ترین دلیل ہے۔

محمد راشد ضیاء نعیمی حال، لندن (برطانیہ)

86 Nield Road, Hayes, Middlesex UB3 ISH (UK)

Tel: 00447939 090274

علماء کرام و مشائخ عظام کے

تاثرات

(۱)

سراج السالکین مخدوم المشائخ حضرت مولانا الحاج ابوالمسعود سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی

قدس سرہ النورانی

سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں، کچھوچھہ مقدسہ، ضلع فیض آباد، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ المختار

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ اعز ارشد مولانا مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ کے فتووں کے مجموعہ کی ترتیب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جو "حبیب الفتاویٰ" کے نام سے منظر عام پر جلد ہی آنے والا ہے۔ مفتی حبیب اللہ صاحب کا شمار اکابرین علمائے اہلسنت میں ہوتا ہے۔ وہ ایک متبحر عالم، عظیم القدر فقیہہ اور صاحب فکر و نظر محقق تھے۔ انہوں نے دینی تعلیم حضرت صدر الافاضل مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اور انہیں کی آغوش تربیت میں رہ کر تفقہہ فی الدین کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ فراغت علمی کے بعد وہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں مسند افتاء کو تا حیات رونق بخشتے رہے۔ درس و تدریس کے فرائض کے ساتھ وہ اپنا قیمتی وقت ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے مسائل کے شرعی جوابات دینے پر بھی صرف کرنے کے خوگر تھے۔ فقہی جزئیات پر انکی نظر وسیع بھی تھی اور گہری بھی ------ ان کے فتاویٰ کتاب و سنت اور اقوال ائمہ سے مدلل رہتے تھے۔ وہ اپنی مجلسی گفتگو میں بھی اپنی معیاری سطح سے نیچے اترنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ احتیاط، دیانت و راستی اور فکر و تدبر کا باہمی اختلاط ہی ان کے فقیہانہ مزاج کا نشان جلی ہے۔ وہ بلا شبہہ ۲۰/۲۱ سال سے زیادہ فتویٰ نگاری کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور ایسا عہد پایا تھا جبکہ نئے نئے سوالات سر اٹھانے لگے تھے۔ زبان و تہذیب کی آویزش و آمیزش کا نظارہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے کیا۔ ملت اسلامیہ کی سماجی زندگی کی زبون حالی کو قریب سے محسوس کیا اور شاید یہی وجہ رہی ہو کہ شریعت مطہرہ کے وقار و اعتماد کی بحالی کی خاطر ان کا قلم ہمیشہ ملت کی پاسبانی و رہنمائی کرتا رہا! ایسے

فاضل جلیل اور فقیہہ العصر کی تحریروں کی جلد سے جلد طباعت واشاعت آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ "حبیب الفتاویٰ" کی اشاعت سے خواص وعوام دونوں حتی المقدور نور وحرارت حاصل کریں گے۔ آخر میں عزیزی مولانا شاہد رضا صاحب نعیمی اشرفی کے لئے دعا گو ہوں کہ انھوں نے "حبیب الفتاویٰ" کی ترتیب و تہذیب، نیز طباعت واشاعت سے اگر ایک طرف اپنے والد گرامی کی یادوں کو تازہ رکھا ہے تو دوسری طرف ملت اسلامیہ پر غیر معمولی احسان بھی کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ ان کے بازؤں کو قوت عطا کرے اور "حبیب الفتاویٰ" کو مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنائے (آمین)۔ دعا گو

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین
کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد
۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۹ر مئی ۱۹۸۸ء یوم دوشنبہ مبارکہ

(۲)

نور دیدۂ غوث الثقلین شیخ اعظم حضرت مولانا الحاج شاہ سید اظہار اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ حسنیہ سرکارِ کلاں کچھوچھہ شریف

آزاد ہندوستان کی تاریخ میں جن معدودے چند علماء نے احیاءِ علوم اسلامی کے محاذ پر پورے اخلاص، تندہی و استقلال کے ساتھ کام کیا اور تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ان میں علامۂ اجل، فاضلِ اکمل عمدۃ المحققین حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ سرِ فہرست ہیں۔

واقف کار لوگ جانتے ہیں کہ بانی جامعہ نعیمیہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ السامی کی اچانک رحلت (۱۹۴۸ء) اور مملکتِ پاکستان بننے کے بعد ہی ان کے جانشینِ مطلق تاج العلماء علامہ مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ نعیمیہ) کے کراچی ہجرت کر جانے کے بعد جامعہ کو تعلیمی وانتظامی دونوں محاذ پر انتہائی صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ صدر الافاضل کے مسندِ علم کے وقار کا معاملہ تھا۔ نگاہیں ایسی جامع الصفات شخصیت کی تلاش میں سرگرداں تھیں جسکے اندر اس مسندِ رفیع پر بیٹھنے کی اہلیت ہو۔ ہم افتخار وابتہاج کی پوری توانائیوں کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس مسندِ عالی وقار پر اربابِ فکر ودانش کے مکمل اتفاقِ رائے سے جس تیس سالہ جوان کو بٹھایا گیا وہ کوئی اور نہیں تھا بلکہ وہ ہمارے ممدوح اور سرمایۂ افتخارِ خانوادۂ اشرفیہ حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی ہی تھے۔ ربع صدی

سے زیادہ عرصہ تک آپ اس مسندِ علم کے مسند نشیں رہے اور پورے آن بان کے ساتھ فیضانِ صدر الافاضل لٹاتے رہے۔ الحمد للہ اس وقت بھی جید علماء وفقہاء کی ایک تعداد ان سے علمی استفادہ کرنے والوں میں ہمارے درمیان موجود ہے۔ خود اس فقیرِ اشرفی کو بھی حضرت مفتی صاحب قبلہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ساتھ ہی جامعہ نعیمیہ میں ایک عرصہ تک انکے زیرِ نگرانی تدریسی خدمت بھی انجام دی ہے۔

مجھے حضرتِ ممدوح کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بلا شک وشبہ انکی شخصیت کا ہر گوشہ شفاف وتابناک محسوس کیا۔ علم وآگہی کی چلتی پھرتی تصویر، اخلاقِ فاضلہ کا پیکرِ مجسم، جلالِ علم وجمالِ خُلق کا حسین سنگم، اخلاص ووفا کا زندہ نشان اور حلم وانکسار میں اسلاف کی یادگار تھے۔

جہاں تک ان کے تفقہ اور فتویٰ نویسی کی خصوصیات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ انہوں نے فتویٰ نویسی کی تربیت صدر الافاضل اور تاج العلماء علیہما الرحمۃ کی درسگاہ سے حاصل کی اور کم وبیش دس برس تک ان حضرات کی نگرانی میں فتویٰ لکھتے رہے۔ وہ اس قدر اعلیٰ درجہ کا ذوقِ مطالعہ کتبِ دینیہ رکھتے تھے کہ گویا کتب بینی انکی غذا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ انتہائی مضبوط قوتِ حافظہ کے بھی حامل تھے۔ معقولات ومنقولات پر گہری اور محققانہ نظر کے ساتھ ساتھ جملہ متونِ فقہیہ نیز شروح وحواشی پر انکی نظر بڑی وسیع اور گہری تھی۔ جو مفتی ان خصوصیات کا حامل ہوگا، اس کا فتویٰ ''خصوصیات'' سے تہی دامن ہو یہ بات قطعاً غیر معقول اور غیر فطری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حبیب الفتاویٰ کا مطالعہ اہلِ ذوق کی نظر کو بالیدگی عطا کریگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

میں عزیزِ گرامی قدر مولانا شاہد رضا سلمہٗ کو اس عظیم اور بیش بہا علمی سرمایہ کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں اور بعد کی جلدوں کی اشاعت کیلئے نیک خواہشات رکھتا ہوں۔ نیز دعاء گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ حضور مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے فیضان کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور جملہ مسلمانانِ اہلِ سنت سے عموماً اور وابستگانِ سلسلۂ اشرفیہ سے خصوصاً اپیل کرتا ہوں کہ ''حبیب الفتاویٰ'' جلدِ اول اور اسکے بعد آنے والی جلدوں کو ضرور حاصل کریں اور اسکے مطالعہ سے بصارت وبصیرت کو جلا بخشیں۔ والسلام دعاء گو

سید اظہار اشرف
سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ حسنیہ
کچھوچھہ شریف ضلع امبیڈکر نگر

(۴)

رئیس المحققین شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

کچھوچھہ شریف' ضلع فیض آباد' یوپی' (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاج الفقہاء، نبراس العلماء حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی محدث بہاری قدس سرہ العزیز کی میں نے بار بار زیارت کی ہے۔ جامعہ نعیمیہ کی دانش گاہ میں بھی اور کچھوچھہ شریف کی روحانی فضاؤں میں بھی ـــــ بعض مسائل کے تعلق سے ان سے علمی استفادہ بھی کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب بہت ہی جاذب قلب ونظر اور پرشکوہ شخصیت اور باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ خلوص و محبت کا مجسمہ، اخلاق و مروت کی چلتی پھرتی تصویر، کمال سیرت و جمال صورت کا پیکرِ جمیل، منکسر المزاج اور سرزمین ھند میں صدرالافاضل قدس سرہ کی درسگاہ علم وفضل سے بھرپور اکتساب فیض کرنے والے بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف تھے۔ ان کی عظمت و برتری کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ آپ اجلہ علماء کرام کی متفقہ رائے سے حضرت صدرالافاضل جیسی عبقری شخصیت کے سجادۂ علم وفضل پر بیٹھنے کے لائق قرار دئے گئے اور پھر جب سے جامعہ نعیمیہ سے وابستہ ہوئے تاحیات باوقار انداز سے حق جانشینی ادا فرماتے رہے۔ اب تو یہ کہنا بھی سچ ہوگیا ہے کہ ہمارے ممدوح قدس سرہ کا پیکر خاکی دارالعلوم جامعہ نعیمیہ ہی کی مٹی سے بنایا گیا۔ جامعہ نے اپنے اس فرزند ارجمند اور دنیائے علم وفن کے بطل جلیل کو اپنی دانش گاہ کے دائرے سے باہر نہیں ہونے دیا بلکہ صدرالافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس امانت گراں مایہ کو اپنے سینے میں چھپا رکھا ہے۔ کیا ہی سچ فرمایا ہے فاضل جلیل علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی نے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ، حضرت صدرالافاضل کے ان تلامذہ میں سے تھے جو آگے چل کر یگانۂ روزگار محدث ومفتی ثابت ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی صرف نقل اقوال ہی تک محدود نہ تھی بلکہ وہ ایک زبردست فقیہانہ مزاج رکھنے والے تھے۔ ان کا ہر فیصلہ اور ان کی ہر تحریر علی وجہ البصیرۃ ہوا کرتی تھی۔ بعض مسائل میں اپنے عہد کے اجلہ علماء کرام کے آراء وخیالات سے ان کا اختلاف کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ جو کچھ فرماتے تھے وہ ان کی اپنی تحقیق ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے کو اندھی تقلید سے ہمیشہ دور رکھا۔ اور پھر تاحیات اپنی رائے پر قائم رہنے سے ان کی بے پناہ اصابت فکر، قوت فیصلہ اور استحکام رائے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے فقیہانہ اسلوب بیان، محققانہ طرز نگارش، اور متکلمانہ انداز تحریر کو کماحقہ سمجھنے کے لئے شعور وآگہی کی کامل بیداری کے ساتھ حبیب الفتاویٰ کا مطالعہ کافی ہوگا۔ اب جب کہ مشک ہمارے ہاتھ میں آہی گیا ہے تو اس کی خوشبوئے دل آویز کے سمجھنے کے لئے کسی عطار کی شہادت کی ضرورت ہی کیا رہ گئی ہے۔

میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ حضرت ممدوح کے خلف الرشید پیکرِ سعادت عزیز القدر مولانا شاہد رضا اشرفی نعیمی سلمہ کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس عظیم سرمایۂ علمی کی طباعت واشاعت کرا کے ایک طرف اگر حضرت مفتی صاحب کے علمی جواہر پاروں کی حفاظت فرمائی تو دوسری طرف ہم سب کے لئے مستقل طور پر حضرت قبلہ کی بارگاہ علمی کے فیوض وبرکات حاصل کرنے -- بلفظ دیگر -- خود مفتی صاحب کی مجالست وہم نشینی کے مواقع فراہم کردئے۔ آخر میں اتنا اور بھی عرض کرتا چلوں کہ اگرچہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا خانوادۂ اشرفیہ سے کوئی نسبی تعلق نہ تھا لیکن آپ کی ذات کو اس خانوادۂ ذی شان سے ارادت وخلافت اور روحانیت وسعادت کا ایسا مضبوط رشتہ تھا کہ اگر میں حضور آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "سلمان منا اهل البيت" سے ہدایت حاصل کرتے ہوئے "حبيب الله منا اهل البيت" کہہ دوں تو اسمیں ذرہ برابر مبالغہ نہ ہوگا اور پھر اس بنیاد پر یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ تاج الفقہاء حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب محدث بہاری قدس سرہ دنیائے سنیت اور کائنات علم وفضل کے لئے جو کچھ تھے وہ تو تھے ہی --- خود ہمارے خانوادۂ اشرفیہ کے لئے بھی سرمایۂ افتخار تھے۔

مولیٰ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی قبر انور پر اپنے انوار وبرکات کی بارش فرماتا رہے اور ان کے روحانی فیوض وبرکات سے ہمیں محروم نہ رکھے۔ آمين يا مجيب السائلين بحق طٰهٰ و يٰسين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و صحبه اجمعين. والسلام

دعا گو

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

۵؍مئی ۱۹۸۸ء

(۴)

فقیہ عصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق صدر شعبۂ افتاء، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لوليه والصلوٰة والسلام علىٰ حبيبه و علىٰ آله و صحبه!

صاحب فتویٰ فقیہِ دوراں علامہ مفتی محدث حبیب اللہ صاحب بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ ہماری جماعت کے ایک ممتاز فقیہ اور محدث تھے۔ انہوں نے ہمارے عظیم مرکز جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں مدۃ العمر دیگر علوم وفنون کے ساتھ درس حدیث بھی دیا اور فتاویٰ لکھے۔ ساتھ ہی ساتھ جامعہ نعیمیہ کے داخلی اور خارجی نظم وضبط کو اس طرح سرانجام دیا کہ

جامعہ نعیمیہ کے مردہ جسم میں نئی جان آ گئی۔ جامعہ نعیمیہ سند الا واخر بقیۃ الاوائل فخر الاماثل صدر الافاضل استاذ العلماء سید المفسرین حضرت علامہ محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ العزیز کی زندہ یادگار ہے۔ جو حضرت کے عہد مبارک میں عوام وخواص کے لئے مرجع عقیدت تھی جس نے ہزاروں علماء پیدا کئے جن میں مدرسین بھی تھے، مصنفین بھی تھے، مناظرین بھی تھے، مفتی بھی تھے، محدثین بھی تھے۔ مگر حضرت کے وصال کے بعد ان کی یہ زندہ یادگار موت وزیست کی کشمکش میں مبتلاء ہو گئی تھی۔ یہ حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ صاحب اور جناب مولانا محمد یونس صاحب کی استقامت اور ہمت مردانہ اور جہد مسلسل ہی کا ثمرہ ہے کہ آج بھی جامعہ نعیمیہ موجودہ آن بان کے ساتھ باقی ہے۔ حضرت مفتی صاحب موصوف ایک عظیم متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کے مجسمہ تھے۔ اکابر کا اعزاز واکرام اماثل کی عزت وتکریم سب کے سکھ درد میں شرکت مہمان نوازی وغیرہ اخلاق کریمانہ کے پیکر تھے۔ متواضع منکسر المزاج ایسے تھے کہ باں جلالت شان میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ طلبہ کی فوج ہوتے ہوئے جامعہ میں خود جھاڑو دے رہے ہیں۔ فضل وکمال کے گنجینہ گراں مایہ مگر سادگی ایسی نہ جبانہ قبانہ شیروانی نہ چغا۔ کرتا پائجامہ پر صدری پہنے ہوئے بڑے سے بڑے جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ نمائش نام ونمود کی ہوا تک بھی نہیں لگی تھی۔ اس سادگی کے ساتھ ساتھ فضل وکمال کا عالم یہ تھا کہ درس نظامی کے تمام علوم وفنون کو اس طرح پڑھاتے تھے۔ جیسے اس کے اسپشلسٹ ہوں مگر آپ کا رجحان طبع زیادہ تر حدیث وفقہ کی جانب تھا۔ اور بات بھی یہی ہے کہ جملہ علوم وفنون خادم ہیں تفسیر، حدیث، فقہ مخدوم آپ کا دورۂ حدیث اپنے عہد میں مثالی دورۂ حدیث تھا۔ آپ کا درس بخاری مشہور ومعروف تھا۔ تمام احادیث پر اس طرح کلام فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی بول رہے ہیں۔ ایک حنفی عالم کے لئے بخاری شریف پڑھانا کتنا مشکل کام ہے۔ وہ ہر واقف کار جانتا ہے۔ لیکن آپ اس طرح پڑھاتے تھے۔ جیسے بخاری فقہ حنفی کی کوئی کتاب ہو۔

ان سب گوناگوں مصروفیات کے باوجود ملک کے طول وعرض بلکہ بیرون ملک سے آئے ہوئے مسائل کے جوابات نہایت تحقیق کے ساتھ مدلل طور پر لکھتے تھے۔

بعض علماء دشمن یہ کہدیا کرتے ہیں کہ فتویٰ لکھنا کوئی اہم کام نہیں۔ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے ایسے لوگوں کا علاج صرف یہ ہے کہ انہیں دارالافتاء میں بیٹھا دیا جائے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ فتویٰ نویسی کتنا آسان کام ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ نویسی جتنا مشکل کل تھا، اتنا ہی آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا، نئے واقعات کا رونما ہونا بند نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ فقہائے کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے قبل از وقت آئندہ رونما ہونے والے ہزاروں ممکن الوقوع جزئیات کے احکام بیان فرمادئے ہیں مگر اس کے باوجود لاکھوں ایسے حوادث ہیں جو واقع ہوں گے اور

ان کے بارے میں کسی بھی کتاب میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں۔ ایسے حوادث کے بارے میں حکم شرعی کا استخراج جوئے شیر لانے سے کم نہیں مگر یہ کہ اللہ عزوجل کی صریح تائید دستگیری فرمائے۔ یہیں مفتی غیر سفتی سے ممتاز ہوتا ہے۔ پھر اب دارالافتاء دارالفقہ نہیں رہا بلکہ دینی معلومات عامہ کا محکمہ ہوگیا۔ کسی بھی دارالافتاء میں جا کر دیکھئے مسائل فقہ وکلام کے علاوہ تصوف، تاریخ، جغرافیہ، حتی کہ منطقی سوالات بھی آتے ہیں اور اب تو یہ رواج عام پڑگیا ہے کہ کسی مقرر نے تقریر میں کوئی حدیث پڑھی کوئی واقعہ بیان کیا، مقرر صاحب تو پورے اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ ان سے کسی صاحب نے نہ سند مانگی نہ حوالہ مگر دارالافتاء میں سوال پہنچ گیا کہ فلاں مقرر نے یہ حدیث پڑھی تھی یہ واقعہ بیان کیا تھا، کس کتاب میں ہے۔ باب، صفحہ، مطبع کے ساتھ حوالہ دیجئے، یہ کتنا مشکل کام ہے اہل علم ہی جانتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فتویٰ نویسی جیسا مشکل اور ذمہ داری کا کام کوئی بھی نہیں۔ مقرر خاص خاص موضوع پر تیاری کر کے تقریر تیار کر لیتا ہے۔ مدرس اپنے ذمہ کی کتابوں کا وہ حصہ جو اسے دوسرے دن پڑھانا ہے مطالعہ کر کے اپنی تیاری کر لیتا ہے، مصنف اپنے پسندیدہ موضوع پر اس کے متعلق مواد فراہم کر کے لکھ لیتا ہے، لیکن دارالافتاء سے سوال کرنے وا۔ لے کسی موضوع کا پابند نہیں، نہ کسی فن کا پابند ہے نہ کسی کتاب کا پابند ہے۔ اس کو تو جو ضرورت ہوئی اس کے مطابق سوال کرتا ہے، خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا فقہ کے یا تفسیر کے یا حدیث کے یا تاریخ کے یا جغرافیہ کے۔

ان سب تفصیلات سے ظاہر ہوگیا کہ فتویٰ نویسی کتنا اہم اور مشکل کام ہے۔ حضرت مفتی صاحب موصوف کی خداداد صلاحیت ہی کا ثمرہ ہے کہ وہ جامعہ نعیمیہ جیسے عظیم مرکزی ادارے کے خارجی داخلی نظم کے ساتھ ساتھ اہم اور معرکتہ الآراء کما حقہ تدریس کے باوجود بے شمار فتویٰ لکھا۔ میں مجموعۂ فتاویٰ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوا ہوں۔ مگر حضرت ممدوح کے بہت سے فتاویٰ کے مطالعہ سے سعادت اندوز ہوا ہوں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اس میدان کے بھی شہسوار ہیں۔ ان کے مجموعۂ فتویٰ کی اشاعت یقیناً دین کی بہت بڑی خدمت ہے اور عوام وخواص کے لئے نفع بخش۔ میری دعاء ہے کہ مولیٰ عزوجل اس کے مرتب اور شائع کنندہ کو دارین میں اجر عظیم فرمائے۔ آمین۔

محمد شریف الحق امجدی
اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی
۲۲ر شوال ۱۴۰۸ھ بمطابق ۸ر جون ۱۹۸۸ء

(۵)

رئیس الاتقیاء حضرت مولانا محمد طریق اللہ صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد
استاذ گرامی کا ذکر جمیل

حضرت استاذی مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا جامعہ نعیمیہ میں داخلہ یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ آپ نے جامعہ میں حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ، تاج العلماء مولانا محمد عمر صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ سید وصی احمد صاحب سہرامی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا الحاج محمد یونس صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی علیہ الرحمۃ سے تعلیم حاصل کی۔ فارسی کی کچھ آخر کی کتابیں مولانا قاضی محمد حسین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ (استاذ شعبۂ فارسی جامعہ نعیمیہ) سے پڑھی تھیں۔

فتویٰ نویسی کی مشق اور تربیت، حضرت استاذی تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر صاحب نعیمی سے ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۰ء تک حاصل کی۔ بعد میں عہدۂ مفتی پر مستقل طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی فراغت اور دستار بندی شعبان ۱۹۴۲ء میں علیٰ اختلاف الروایتین ہوئی۔ فراغت کے بعد ہی آپ جامعہ میں مدرس مقرر ہو گئے۔ چونکہ مفتی صاحب کا تقرر — حضرت صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا۔ اِس لئے اُن کو ابتداء ہی میں — شرح جامی سے اوپر کی کتابیں پڑھانے کے لئے دی گئیں۔ تا کہ حضرت صدر الافاضل کو اپنے شاگردوں کی تدریسی صلاحیتوں کی تکمیل پر اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابیں بھی — اُن کی

نوٹ: یہ مضمون استاذ گرامی منزلت حضرت مولانا طریق اللہ صاحب نعیمی شاہدی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد نے فقیر کی درخواست پر — ۱۶ر نومبر ۱۹۸۸ء کو قلم بند فرمایا تھا۔ پورا مضمون میرے پاس موجود ہے۔ افسوس کہ اُن کی حیات میں فتاویٰ کی اشاعت نہ ہو سکی اور یہ مضمون بھی شائع نہ ہو سکا۔ رب کریم اُن کی قبرِ انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین وہ جامعہ میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے براہِ راست اکتسابِ فیض کرنے والے آخری فرد تھے۔ گونا گوں حالات اور نشیب و فراز کے باوجود حضرت موصوف بھی زندگی بھر جامعہ سے وابستہ رہے اور جامعہ کی خدمت کرتے ہوئے ہی اِس دنیا سے رخصت ہوئے۔

محمد شاہد رضا نعیمی۔ لندن

۹ر ستمبر ۲۰۰۳ء

غیر موجودگی میں مفتی صاحب ہی پڑھاتے تھے۔ نیز فخر ملت مولانا نذیر الاکرم صاحب نعیمی (علیہ الرحمۃ) نے بھی مفتی صاحب سے ملاّ جلال وغیرہ منطق کی بڑی بڑی کتابیں پڑھی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب باضابطہ ۱۹۵۴ء سے صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور مفتی وشیخ الحدیث کے منصب پر — حضرت استاذی تاج العلماء علیہ الرحمۃ کے پاکستان جانے کے بعد ۱۹۵۱ء ہی سے فائز تھے۔

قبلہ استاذی مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تدریس کا انداز بڑا محققانہ تھا۔ طلباء کے اشکال کا تشفی بخش جواب دیتے تھے۔ درس نظامی کے ہر ایک فن کی تمام کتابوں کے پڑھانے کا بھرپور تجربہ رکھتے تھے۔ شرح جامی اور اوپر کی درس نظامی کی کتابوں کا بارہا درس دے چکے تھے۔ اس لئے تمام کتابوں پر عبور حاصل تھا۔ علم کلام یعنی کتب عقائد، ردّ وہابیہ، فقہ اور علم حدیث سے زیادہ دلچسپی تھی۔ شرح عقائد نسفی میں امکانِ کذب کے مسئلہ کو کتب معتبرہ کے حوالہ جات سے سمجھانے میں تین ماہ کا عرصہ لگا دیتے تھے۔ جب تک طلباء کو اطمینان بخش جواب نہ دیتے آگے نہیں پڑھاتے تھے۔ کتب بینی میں وسیع النظر تھے۔ مدرسی کے ابتدائی زمانہ سے ۱۹۶۰ء تک — کوئی کتاب مطالعہ کے بغیر آپ نے نہیں پڑھائی۔ رات کو برابر مطالعہ فرماتے تھے۔ بعد میں کثرتِ مشاغل کی وجہ سے مطالعہ کا تسلسل باقی نہیں رہا تھا۔ مفتی صاحب کی شان تحقیق مؤید بالاساتذہ تھی۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں — میرے طالب علمی کے زمانہ میں — مسامرہ کی ایک عبارت پر مجھ کو اشکال ہوا حضرت مفتی صاحب نے جواب دیا مگر مجھ کو تشفی نہ ہوئی۔ حضرت تاج العلماء مولانا محمد عمر صاحب کی خدمت میں اس اِشکال کو پیش کیا۔ اُنہوں نے بھی مفتی صاحب کی طرح عبارت کی توضیح فرمائی۔ پھر بھی مجھ کو کماحقہٗ تشفی نہ ہوئی اور میں نے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہو کر کتاب مذکور کی عبارتِ مذکورہ کو پیش کیا۔ حضرت صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبارت کا بعینہٖ وہی مطلب بیان فرمایا جو مفتی صاحب قدس سرہ العزیز نے بیان فرمایا تھا۔ اِس سے مجھے مفتی صاحب کی شانِ تحقیق معلوم ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی (لاھور، پاکستان) تمام ساتھیوں میں اونچا علمی مقام رکھتے تھے اور یہی دونوں حضرات سالانہ امتحان میں اعلیٰ درجہ سے کامیاب ہوئے تھے۔ جس کی بناء پر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مفتی محمد حسین صاحب نعیمی کو حزب الاحناف (لاہور) کے لئے منتخب کر کے بھیجا اور استاذی مفتی صاحب کا تقرر جامعہ نعیمیہ مراد آباد کیلئے فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب زمانہ طالب علمی میں اپنی تعلیم،

جامعہ کے مطبخ کی خدمت نیز حضرت مولانا اختصاص الدین صاحب نعیمی (چھوٹے مولانا میاں صاحب) علیہ الرحمۃ کے کتب خانہ کا کام بھی کرتے تھے۔ فتویٰ نویسی کے باب میں مفتی صاحب بڑے محتاط تھے۔ کسی استفتاء کا جواب بلا دلیل اور کتب معتبرہ کے حوالہ کے بغیر نہیں دیتے تھے۔ نیز جوابات مختصر الفاظ میں دیتے تھے کہ سائلین کے لئے اطمینان بخش ہو۔ آپ کے فتاوی ــــ خیر الکلام ماقلّ ودلّ ــــ کے مصداق ہوتے تھے۔

جامعہ نعیمیہ کے تمام طلباء کی تعلیم و تربیت کسی امتیاز کے بغیر کرتے تھے۔ مقامی، بیرونی، وطنی، غیر وطنی کا کوئی امتیاز ــــ اُنھوں نے نہیں فرمایا۔ تمام طلباء کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا ایک جیسا سلوک فرماتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کو تمام اکابرین ملت اسلامیہ سے عقیدت و محبت تھی۔ خواہ اُن کا تعلق کسی بھی سلسلہ سے ہو۔ حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت محدث اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ اِن دونوں اکابرین کے تمام احکامات کی تعمیل پر فخر محسوس کرتے تھے۔ جب کبھی ان دونوں حضرات میں سے کوئی بزرگ جامعہ تشریف لاتے تو مفتی صاحب ان کی خدمت پر کمربستہ ہو جاتے۔

جب ۱۹۵۰ء کے بعد حضرت استاذی تاج العلماء مولانا محمد عمر صاحب نعیمی کراچی تشریف لے گئے اور جامعہ نعیمیہ انتظامی بحران کا شکار ہوا تب مراد آباد شہر کے وہ حضرات جنہیں جامعہ سے عقیدت تھی ــــ جامعہ کے حالِ زار کو دیکھ کر جامعہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کو ــــــــ بلایا گیا۔ اِن دونوں اکابرین کی بے پناہ کوششوں کے نتیجہ میں ــــ جامعہ نعیمیہ کے جملہ نظم و نسق کیلئے انتظامیہ کمیٹی غالباً ۱۹۵۳ء میں تشکیل دی گئی۔ کمیٹی کے کل ارکان کی تعداد ۲۷ تھی۔ جسکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ	سرپرست
(۲) حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ	سرپرست
(۳) حضرت مولانا ظفر الدین صاحب	صدر
(۴) حضرت مولانا اختصاص الدین صاحب	نائب صدر
(۵) حضرت استاذی مولانا محمد یونس صاحب	مہتمم
(۶) حضرت مفتی محمد حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	نائب مہتمم

(۷) شہر مراد آباد کے ۱۲۱ افراد ممبران کمیٹی

ابتدا میں حضرت استاذی مولانا محمد یونس صاحب قدس سرہ عہدۂ اہتمام قبول کرنے سے انکار فرما رہے تھے اسپر حضرت محدث اعظم ہند نے فرمایا کہ اگر آپ جیسے حضرات اِس عہدہ کو نہیں سنبھالیں گے تو کیا ہم حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لائیں؟ یہ سُن کر حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا یونس صاحب سے عرض کیا کہ حضور آپ عہدۂ اہتمام کو قبول فرمالیں اور سارا کام میں انجام دونگا۔ تب حضرت مولانا یونس صاحب نے عہدۂ اہتمام کو قبول فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب نے انعقاد کمیٹی کی صبح سے لیکر تادم وصال یعنی مئی ۱۹۷۵ء تک جامعہ کی ایسی بلند ہمتی، تندہی، دیانتداری اور عقیدت مندی کے ساتھ خدمت انجام دی کہ ہم اس کی مثال بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ خانہ داری کے اعتبار سے تنگ دستی اور غربت کی زندگی گذار رہے تھے قلیل تنخواہ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا۔ مصارف خانہ داری، بچوں کی تعلیم، بیماروں کا علاج اور مہمان نوازی وغیرہ، جیسی ضرورتیں تھیں۔ ادھر مصروفیت کا یہ عالم کہ کتب بینی، تدریس، افتاء، گاہ بگاہ تقریری پروگرام طلباء کے قیام وطعام کا انتظام، جامعہ کے حساب، آمد خرچ کا ذمہ، کمیٹی کے ممبران سے رابطہ، معاونین جامعہ سے تعلقات کو برقرار رکھنا، باہر سے آنے والے مہمانوں کی خدمت و دیکھ بھال، خود اپنے گھر کا سودا سلف لانا اور پھر بسا اوقات اُن کی اپنی علالت و بیماری۔ گویا ذمہ داریوں کا ہجوم تھا۔ اِس کے باوجود جامعہ کی بے مثال خدمت انجام دیکر مثال قائم کردی۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو جہانِ اخروی کی نعمتیں عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

(۶)

عالم نبیل حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نعیمی اشرفی بانی وصدر مدرس مدرسہ حبیب العلوم سمنانیہ اسلام آباد بھاگلپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ صاحب اشرفی نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فتحپور ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے۔ زمانہ

نوٹ: - حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اشرفی مدظلہ ۱۹۲۶ء میں موضع اسلام آباد (بھاگلپور۔ بہار) میں پیدا ہوئے ۱۹۵۰ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ لیکر ۱۹۵۴ء (۱۳۷۵ھ) میں جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

طفولیت ہی سے مشیتِ ایزدی نے اُنہیں ذہین، ذکی اور ہونہار بنایا تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت فتحپور کی مسجد کے امام صاحب کی نگرانی میں ہوئی۔ بعد ازاں مدرسہ اشرفیہ نظامیہ، فتحپور میں، حضرت علامہ مولانا مفتی عظیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سایۂ عاطفت میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ بچپن ہی میں مفتی صاحب کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ گویا وہ دُرِ یتیم ہو گئے تھے۔ لیکن ربِّ کریم نے اُن کو استادِ باکمال ولی کامل حضرت علامہ مفتی مولانا عظیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آغوشِ تعلیم و تربیت میں رکھنے کا انتظام فرمایا۔ جہاں اُنہیں شفقت و رحمت اور محبت و اعانت کی دولت میسّر آئی۔ شرح جامی کے ابتدائی اسباق کے بعد آپ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل ہوئے۔

حضرت علامہ عظیم بخش علیہ الرحمۃ نے مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں تعلیم حاصل فرمائی۔ اس لئے اپنے اکثر شاگردوں کو متوسطات تک پڑھانے کے بعد ـــــــ اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے مدرسہ خیریہ ہی بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت مولانا ساجد اللہ صاحب، حضرت مولانا شمس الضحیٰ صاحب (آپ حضرت مولانا عظیم بخش صاحب علیہ الرحمۃ کے جانشین اور صاحبزادے ہیں) اور حضرت مولانا محمد شرف الدین صاحب علیہ الرحمۃ کو آپ نے مدرسہ خیریہ ہی میں بھیجا۔

لیکن اپنے اس معمول کے برخلاف آپ نے ـــــــ مفتی صاحب کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ غالباً حضرت مولانا عظیم بخش صاحب کی نظرِ فراست یہ ملاحظہ فرما رہی تھی کہ جس طرح مفتی صاحب ہمارے آخری اساتذہ میں محبوب نظر ہیں اِسی طرح یہ مراد آباد جا کر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے آخری شاگردوں میں اُن کے حبیب بن جائیں۔

حضرت مولانا محمد معز صاحب نعیمی کا بیان ہے کہ اُن کی فراغت کے بعد ہی مفتی صاحب ۱۹۳۸ء میں مراد آباد

ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ جامعہ نعیمیہ میں قیام کے دوران ـــــــ فتویٰ نویسی کی تربیت بھی آپ نے والد ماجد علیہ الرحمۃ کی نگرانی و سرپرستی میں حاصل کی۔ فتاویٰ کے رجسٹروں میں ـــــــ بہت سے سوالات و جوابات کے نقل کرنے کا کام بھی آپ نے کیا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں آپ نے اسلام آباد میں مدرسہ حبیب العلوم سنانیہ قائم فرمایا۔ اس ادارہ کا سنگ بنیاد حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی (کچھوچھہ شریف) نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا تھا۔ اس ادارہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے بہت سے علماء ـــــــ ہندوستان کے مختلف حصوں میں ـــــــ دینی خدمات میں مصروف ہیں۔

حضرت والد ماجد قدس سرہٗ العزیز کے بہت شاگردوں نے ملک کے مختلف حصوں میں دینی ادارے قائم کئے ہیں۔ جو تبلیغ دین کا اور اشاعتِ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب اشرفی قبلہ ـــ کا امتیاز یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے استاذ گرامی علیہ الرحمۃ کے نام پر ادارہ کا نام ''حبیب العلوم'' رکھا ہے۔ میرے علم میں اس نام اور نسبت کے حوالہ سے یہ واحد ادارہ ہے رب کریم اس ادارہ کو اشرفی نعیمی اور حبیبی فیضان کا چشمۂ رحمت بنائے اور حضرت مولانا موصوف مدظلہ کو تادیر اس کی سرپرستی کیلئے عمرِ طویل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
(شاہد رضا نعیمی ۲۸؍اگست ۲۰۰۳ء)

آئے اُس وقت حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا مفتی حکیم نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان بانی جامعہ نعیمیہ مراد آباد ــــــ خود شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ــــــ اسی جامعہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ــــــ درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مفتی صاحب نے ان دونوں اساتذۂ کرام سے بھی تعلیم حاصل کی۔ لیکن صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی خصوصی نظرِ کرم نے مفتی صاحب کو علومِ نقلیہ وعقلیہ کا شہنشاہ بنا دیا۔

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے مفتی صاحب کو اپنے خصوصی پیار ومحبت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کی نگاہِ ولایت گویا دیکھ رہی تھی کہ آگے چل کر چمنستانِ نعیمی کی آبیاری اِس حبیب شاگرد سے ہوگی۔ اور درس وتدریس کے علاوہ جامعہ نعیمیہ کے انتظامی امور کی نگرانی بھی اِسی شاگردِ رشید کے حصّہ میں آئے گی اور حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد ــــــ یہ حقیقت مراد آباد شہر کے سنی عوام پر آشکارا ہوگئی کہ اگرچہ حضرت صدر الافاضل کی روحِ پاک جامعہ کے باغ وبہار میں کارفرما ہے۔ لیکن مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے وسیلہ سے صدر الافاضل کی روحانیت ــــــ جامعہ نعیمیہ کی ترقی میں کارفرما ہے۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی زیارت، علمی صحبت اور شاگردی کا شرف مجھے ۱۹۵۰ء میں ــــــ جامعہ نعیمیہ آنے کے بعد میسر آیا ــــــ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز تھے۔ اور مفتی صاحب تفسیر، حدیث، علم کلام علم بیان، فلسفہ، منطق اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ ناچیز کا مشاہدہ ہے کہ کتابوں کی تعلیم وتدریس میں مفتی صاحب کو ملکہ اور یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ علم کلام میں آپ کو بیحد دلچسپی تھی۔ شرح عقائد نسفی آپ بڑے انہماک سے پڑھاتے تھے۔ افہام وتفہیم کا انداز ایسا نادر تھا کہ طلباء کو عبارات مغلقہ کے سمجھنے میں بھی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ سبق پڑھانے کا انداز اتنا واضح ہوتا کہ طلباء کو اعتراضات وسوالات کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ کتب بینی کی وسعت اور مسائل کثیرہ کی یادداشت ایسی تھی کہ ہم عصر علماء کرام سے جو مسئلہ حل نہ ہوتا یا حدیث کی سند وحجت معلوم نہ ہوتی تو مفتی صاحب علیہ الرحمۃ سے رجوع کرتے تھے اور اطمینانِ کلی حاصل کرتے تھے۔

مفتی صاحب نے فتویٰ نویسی کی تربیت حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے زیر سایہ حاصل کی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی نظرِ عنایت کے باعث مختصر سے عرصہ میں ہی اُن کو مدلل ومحقق فتویٰ نویسی کی ایسی صلاحیت حاصل ہوگئی کہ آگے چل کر شاہزادۂ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے، مفتی صاحب کو ''عمدۃ المحققین'' کے لقب سے نوازا۔ جامعہ نعیمیہ میں قیام کے دوران، مسلسل دو سال تک ــــــ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے حکم پر، ناچیز آپ کے فتاویٰ کی نقل، رجسٹر پر کرتا رہا۔ اور فتویٰ نویسی کی تربیت بھی حاصل کرتا رہا۔ مجھ سے قبل مولانا معین الدین صاحب (کشن گنج) فتویٰ نقل کرتے تھے۔ فتوی نویسی میں، حضرت مفتی صاحب خاص توجہ کے ساتھ مدلل، جامع ومانع جواب مرحمت فرماتے۔ اکثر فقہ کی بڑی بڑی کتابوں سے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتاویٰ

سے اور اُن کے دیگر رسائل سے حوالہ جات اور دلائل اخذ فرماتے تھے۔

طلباء کے ساتھ حسنِ سلوک اور شفقت و محبت مثالی تھی۔ ہر طالب علم یہ خیال کرتا کہ ہم سب سے زیادہ قریب ہیں۔ غریب الوطن طلباء کی نگرانی و سرپرستی ایک شفیق و مہربان والد کی طرح فرماتے تھے۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ طلباء آپ کی عنایات اور کرم فرمائی کو دیکھ کر ـــــ گرویدہ ہو جاتے تھے اور مفتی صاحب کی خدمت کرنا ـــــ باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ میں خود مفتی صاحب کی بے پایاں عنایات کو دیکھ کر آپ کا خادمِ خاص ہو گیا تھا۔ ہر جمعرات کو نماز عشاء پڑھانے کے بعد ـــــ محلہ مغلپورہ کی خواجہ مصطفیٰ والی مسجد سے، حضرت کے سر میں تیل مالش کرنے آتا۔ رات بارہ ایک بجے مسجد واپس ہوتا۔ ایک عرصہ تک میرا یہ معمول رہا۔ حضرت کی قمیض، کرتے وغیرہ میں اگر رفو اور مرمت کی ضرورت ہوتی تو یہ کام بھی میرے ذمہ ہی ہوتا تھا۔

منت منہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی　　　منت شناس کہ آں درخدمت بداشتت

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ فی الحقیقت ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا'' کی تفسیر اور ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' کی تصویر تھے۔ اپنے زمانہ کے مشائخ کرام اور اکابر عظام سے بیحد الفت و محبت فرماتے تھے۔ تعظیم و تکریم اور خدمت گذاری کا ـــــ رب کریم نے اُنہیں ذوقِ سلیم عطا فرمایا تھا۔ میں نے خود بارہا دیکھا کہ جب حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ رحمۃ اللہ علیہ کا جامعہ میں ورودِ مسعود ہوتا تو خادمانہ انداز ہوتا۔ اہتمام سے تعظیم و تکریم فرماتے۔ اور اِسی سعادت مندی کی وجہ سے اِن بزرگوں کی پاک نگاہوں میں آپ محبوب تھے۔ ساداتِ کرام خصوصاً کچھوچھہ شریف کے شاہزادگان سے والہانہ عقیدت تھی۔ میرے قیام جامعہ کے دور میں حضرت علامہ مولانا سید اظہار اشرف صاحب مدظلہ العالی جامعہ نعیمیہ میں حصولِ تعلیم کے لئے تشریف لائے۔ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ دورانِ تعلیم بھی حضرت موصوف کی تعظیم و تکریم بکمالِ ادب فرماتے تھے۔

آپ نے جامعہ نعیمیہ کی بے لوث خدمت کا حق ادا کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں مفتی صاحب کی تنخواہ سوا سو روپے خشک تھی۔ میری موجودگی میں حضرت ملک العلماء علامہ مولانا ظفر الدین صاحب رضوی بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے نام خط بھیجا کہ آپ ہمارے ادارہ میں آ جائیں۔ ڈھائی سو روپے تنخواہ طعام کے ساتھ دی جائے گی۔ بعد میں ایک بار احمد آباد سے، دار العلوم شاہ عالم کے ناظم اعلیٰ الحاج سلیمان ابراہیم مرحوم کا خط آیا کہ آپ احمد آباد تشریف لائیں تین سو روپے تنخواہ مع قیام و طعام دی جائے گی۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ حضور اگر جامعہ نعیمیہ کی کمیٹی تنخواہ میں اضافہ نہ کرے تو جامعہ کو چھوڑ دیں آپ جہاں تشریف لے جائیں گے ہم سب طلباء بھی ساتھ چلیں گے ـــــ استاذِ محترم علیہ الرحمۃ نے درد بھری آواز میں ارشاد فرمایا ـــــ عزیزم! حضرت صدر الافاضل علیہ

الرحمۃ نے انتہائی شفقت سے مجھے تعلیم و تربیت دیگر اِس لائق بنایا ہے۔ تا قیامت میں اپنے مخدوم و محسن علیہ الرحمۃ کے احسانات کا مرہونِ منت رہوں گا۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کا روحانی فیض اور رب کریم کا فضل ہے کہ تھوڑی سی تنخواہ میں بحُسنِ وخوبی گذارا ہو جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا جامعہ نعیمیہ کے ساتھ یہ اخلاص تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ رب کریم اُن کے دینی ایثار اور اسلامی قربانیوں کو قبول فرمائے اور اُن کے روحانی درجات کو بلند فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین

(۷)

فضیلۃ الاستاذ حضرت العلام مولانا محمد یونس نعیمی اشرفی

شیخ الحدیث مرکزی دار العلوم اہلسنت فیض الرسول، براؤں شریف 'بستی' یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امـا بـعـد خاکسار کے لئے یہ امر باعث مسرت وانبساط ہے کہ جہاں اپنی درسگاہ میں ولی نعمت استاذ گرامی رئیس العلماء حضرت علامہ مولانا حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمہ والرضوان مفتی و شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد کا تذکرہ باللسان از روئے تحدیث نعمت کیا کرتا تھا۔ آج ان کا ذکر خیر بالقلم کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جس کے باعث شہزادۂ رئیس العلماء مولانا شاہد رضا صاحب نعیمی ہیں جو اپنے والد گرامی حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلمی فتاویٰ کو جو سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں "حبیب الفتاویٰ" کے نام سے عنقریب شائع کرا رہے ہیں۔ بے ریب یہ کام قابل توصیف ہے۔ اس سے قوم وملت کو اگر ایک طرف حضرت علیہ الرحمہ کے تبرکات سے استفادہ کا موقعہ ملے گا تو دوسری جانب ان کی روح پرفتوح کے لئے فرحت وسرور کا سامان نیز صدقہ جاریہ ہوگا۔ پروردگار عالم اس خدمت کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں مولانا شاہد رضا صاحب نعیمی کو بلند حوصلہ عطا فرمائے، نیز شرف قبولیت سے نوازے۔ مولانا مفتی عبد المنان صاحب کلیمی لائق مبارک باد ہیں جنہوں نے میرے استاذ محترم کے فتاویٰ جو ابتک مختلف دفتروں میں منتشر تھے۔ ترتیب وتبویب کے کار عظیم کو اپنے ذمہ لے کر شہزادہ رئیس العلماء علیہ الرحمہ کے بار کو کافی حد تک ہلکا کیا ہے۔ **فجزاہ اللہ تبارک و تعالیٰ.**

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اذا رأیتم المادحین فاحثوا فی وجوھم التراب** ۔ یعنی جب تم مدح کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر دھول ڈالدو۔ حدیث شریف کے ظاہر معنی کے لحاظ سے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسروں کی مدح کرے لیکن اس کے برعکس اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے بندوں کی مدح فرمانا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی مدح میں ارشاد خداوندی ہے **اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا نِعْمَ**

الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔ ہم نے ان کو صابر پایا۔ وہ کیا ہی اچھے بندے ہیں اپنے رب کی طرف کامل طور پر مائل ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفیع میں یوں ارشاد ہوا انک لعلیٰ خلق عظیم اے محبوب اس میں شک نہیں کہ تم خلق عظیم کے مالک ہو۔ دوسری جگہ فرمایا حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ جو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کھلی ہوئی نعت پاک ہے۔ مسلمانوں کی اس طرح مدح فرمائی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ -- یہ آیتیں صاف بتا رہی ہیں جب خالق ارض وسماء جل وعلا اپنے بندوں کی تعریف کر رہا ہے، اگر مخلوق آپس میں ایک دوسرے کی توصیف بیان کرے تو ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، نیز احادیث کریمہ بھی ایسی مروی ہیں جن سے باہم مدح وثناء کا جواز ثابت ہے۔ سیدنا عباس، سیدنا حسان، سیدنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سرکار لبد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی مگر ان کے چہروں پر مٹی نہیں ڈالی۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین کی تعریف فرمائی۔ بظاہر قرآن وحدیث بلکہ خود حدیثوں کے درمیان تعارض نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تضاد نہیں۔ جس حدیث سے عدم جواز کا پہلو نکلتا ہے اس سے باطل وجھوٹ مدح مراد ہے یعنی ممدوح میں وہ خوبی نہ ہو جو اس کے لئے بیان کی جائے۔ رہے ایسے مکارم ومحاسن جو کسی شخص میں موجود ہوں اور اس پر تعریف وتوصیف کی جائے تو بے قیل وقال جائز ومستحسن ہے۔

کتاب وسنت کے دائرے میں جو افراد مستحق مدح وثناء ہیں، ان میں استاذ گرامی مفتی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نمایاں طور پر نظر آئیں گے۔

حلیہ مبارک:- مناسب قد، گندم گوں، خوبرو، خنداں جبیں، مسکراتا چہرہ، موتیوں جیسے دانت مزید برآں تبسم فرماتے ہوئے لوگوں سے ملنا دلکشی میں نمایاں فرق کا سبب بنتا۔

اخلاق:- خوش خلق، حلیم بردبار، منکسر المزاج، کریم، طلبہ پر نہایت مشفقانہ برتاؤ، عالم باعمل، متبع سنت، عمامہ پوشی عادت، جبکہ فی زمانہ قریب تبرک ہے۔ تقریباً چالیس سال جامعہ چھوڑنے ہو گئے مگر حضرت علیہ الرحمہ کی مسکراتی ہوئی صورت، حجرۂ مبارکہ سے درسگاہ میں آنے کی کیفیت، وقت تدریس تفہیم وتکلم کا انداز، دوران اسباق ضحک وتبسم کا منظر نگاہوں میں اب تک موجود ہے۔ کریم ورحیم استاذ کے سایہ عاطفت میں طالبعلمی کا کیف آور زمانہ قلب میں عجیب تاثر پیدا کرتا ہے۔ افسوس اب وہ مناظر کبھی دیکھنے میں نہ آئینگے۔

ادب وتواضع:- استاذ محترم حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان استاذ گرامی حضرت مولانا مولوی محمد یونس صاحب نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہتمم جامعہ نعیمیہ، یہ دونوں بزرگ حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے استاذ ہیں۔ زمانۂ دراز تک ساتھ ہی درس دیتے رہے، مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ ادب واحترام میں کوئی فرق آنے دیا ہو۔ ایسا ہوتا ہے کہ شاگرد جب استاذ کے ہمراہ تدریسی کام شروع کرتا ہے تو

اسکا طور وطریقہ بدل جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ کا وہ سلوک باقی نہیں رہ جاتا۔ بسا اوقات تو اس طرح پیش آتا ہے کہ ہمعصری ظاہر ہونے لگتی ہے۔ لیکن مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کا دستور ہی الگ تھا۔ مجال ہے کہ کبھی ذرہ برابر ادب وتعظیم میں کوتاہی سرزد ہوئی ہو۔ یہی ادب واحترام کا ثمرہ تھا کہ حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر صاحب قبلہ نعیمی علیہ الرحمۃ نے افتاء کا عظیم منصب تفویض فرمایا۔ آپ زمانہ دراز تک فتویٰ نویسی کی خدمت، تدریسی فرائض کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

منصب افتاء:- جب حضرت تاج العلماء علیہ الرحمۃ پاکستان ہجرت کر گئے تو شیخ الحدیث کی جگہ خالی ہوگئی۔ حضرت علامہ محمد یونس نعیمی علیہ الرحمۃ مہتمم جامعہ استاذ رئیس العلماء نے بجائے خود شیخ الحدیث کا اعلیٰ عہدہ اپنے شاگرد رشید حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عنایت فرمایا۔ اس سے تین باتیں سامنے آتی ہیں۔ **اول:** تو مہتمم صاحب علیہ الرحمۃ کی خاکساری وعدم تفوق کا ثبوت۔ **دوم:** شاگرد کے ساتھ غایت درجہ کی محبت اور علمی کمالات پر اعتماد۔ **سوم:** حضرت علامہ حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا انتہائی ادب واطاعت شعاری وتبحر علمی و پاکدامنی۔ یہ ایسا نادر واقعہ ہے جس کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ عہدوں کیلئے جنگ و جدال کی نوبت آجاتی ہے۔

فراغت:- حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی تکمیل علوم دینیہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں ہوئی۔ حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل امام اہلسنت مولانا مولوی حافظ قاری حکیم سید نعیم الدین صاحب اشرفی مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بعد فراغت جامعہ میں تدریسی خدمات تفویض فرمادی۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کم وبیش اکتیس سال درس وتدریس وافتاء کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ملک کے طول وعرض سے آنے والے سوالات کے جوابات لکھنا، وہ بھی تدریسی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے، بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جسے کبھی ان ذمہ داریوں سے سابقہ پڑا ہو۔ آپ کے فتاوے کی مہر پر یہ عبارت کندہ تھی۔

ہمیں کافی بود نام ونشانم — تصدق بر حبیب اللہ روانم

طریقہ تفہیم:- شیخ الحدیث حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب قبلہ قدس سرہ تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ، علم کلام وعلم معانی پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ انہیں درس نظامیہ کی تمام کتب متداولہ کے پڑھانے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ طلبہ حضرت کے طریقۂ تعلیم سے مطمئن تھے اور کوئی نہ کوئی کتاب حضرت کے یہاں رکھوانے کے لئے کوشاں رہا کرتے تھے۔ یہ چیز ایک کامیاب مدرس ہونے کی بین دلیل ہے۔

پڑھانے کا دستور یہ تھا کہ عبارت خوانی کے بعد اولاً گذشتہ سبق کو موجودہ سبق سے ربط پیدا کرنے کے لئے دہراتے پھر اس کے بعد ہونے والے سبق کے ماحصل کو بیان فرماتے۔ پھر ارشاد ہوتا کہ تقریر کردہ مطالب ومفاہیم کو

کتاب سے ملالو۔ ترجمۂ عبارت لفظی و بامحاورہ حسب ضرورت فرماتے اس سے آپ کے بالالتزام مطالعہ، قوت حافظہ، دماغ کے اخاذ ہونے کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ مشکل مسئلہ کو خود سمجھ لینا ایسا دشوار نہیں جیسا کہ طلبہ کے ذہن میں مفہوم کا اتارنا ہوتا ہے۔

علمی کمالات:- حضرت علیہ الرحمۃ کے کمالات علمیہ کا صحیح ادراک مجھ جیسے ناچیز کے فہم سے باہر ہے۔ **انما یعرف ذالفضل ذووہ.** صاحب فضل کو اصحاب فضل ہی جانتے ہیں۔

البتہ میرے نزدیک رئیس العلماء علیہ الرحمۃ کے علمی و عملی فضائل ومحاسن کے لئے صدرالافاضل فخرالاماثل استاذ العلماء امام اہلسنت حضرت مولانا مولوی حافظ قاری حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز بانئ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کا جامعہ میں خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمانا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ صدرالافاضل جامع مفاخر ومکارم تھے آپ کا ملقب بلقب صدرالافاضل ہونا دلیل ہے۔ یہ لقب نہ تو خود اختیار کردہ ہے نہ کسی شاگرد کی طرف سے استعمال شدہ ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مقتدائے اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدرالافاضل جیسے اعلیٰ وارفع لقب سے یاد فرمایا۔ پھر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کو صدرالافاضل فرمائیں اور وہ اس کا اہل نہ ہو بعید از قیاس ودیانت ہے۔ ہر ذی عقل اس بات پر متفق ہوگا کہ صدرالافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی عبقری شخصیت نے اپنے سعادتمند شاگرد میں وہ خوبیاں ضرور دیکھی ہونگی جو ایک مفتی ومدرس کے اندر ہونی چاہئیں۔ قوم وملت کا ہمدرد ومفکر، دین ومذہب کا تسلیم شدہ نباض، قرآن کریم کا مفسر، منقولات ومعقولات کا جامع بے مثل معلم وحکیم، عالمگیر وسحر بیان خطیب، عوام وخواص کا مرجع شبیہ غوث اعظم عارف باللہ مرشد برحق شاہ علی حسین صاحب قبلہ اشرفی کچھوچھوی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خلیفہ اپنے کسی شاگرد کو اس کے علمی وعملی ظاہری ومعنوی کمالات کو بغیر پرکھے مسند افتاء وتدریس، تعلیم وتربیت سپرد فرمائے، مقتضائے عقل کے خلاف ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جس گہوارۂ علم سے ہزاروں علماء سند فراغت لے کر ملک وبیرون ملک پھیلے ہوں ان میں صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی نظر انتخاب حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف مرکوز ہونا یقیناً آپ کے تبحر علمی، تزکیہ نفس، تقویٰ وطہارت، مروت وعدالت پر دلیل واضح ہے۔

مقبولیت عامہ :- استاذ محترم حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کا وصال جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں ہوا۔ آخری آرام گاہ احاطۂ جامعہ پہلوئے مسجد مزار صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے قریب ہے۔ بعض لوگوں کی رائے تھی کہ عام قبرستان میں مزار شریف بنایا جائے مگر اہل مراد آباد خاص کر محلہ چوکی حسن خاں والوں نے اس رائے کی تردید کی اور بضد ہو کر مذکورہ بالا جگہ کا انتخاب کیا اس سے شہر والوں کی حضرت علیہ الرحمۃ سے قلبی لگاؤ اور ادب واحترام کا واضح

ثبوت ملتا ہے۔ منعم حقیقی عز جلالہ حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل مفتی حبیب اللہ علیہ الرحمۃ کو اپنا حبیب بنائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ التحیۃ و التسلیم۔

محمد یونس نعیمی اشرفی

شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف، ضلع بستی

(۸)

جلالۃ العلم حضرت علامہ مفتی محمد عبد الجلیل نعیمی اشرفی

شیخ الحدیث دار العلوم اہلسنت جبلپور، مدھیہ پردیش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استاذ مکرم عمدۃ المحققین علامہ مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی قدس سرہ کا نام نامی سب سے پہلے مولانا محمد قمر الدین صاحب پورنوی کی زبانی سنا۔ وہ ہم لوگوں کے سامنے آپ کا ذکر کرتے تھے کہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے اندر حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی ایک جید عالم ہیں۔ تدریس میں بڑی مہارت رکھتے ہیں اور اسلوب بڑا محققانہ ہے، رہنے والے بھی پڑوسی ضلع بھاگلپور کے ہیں۔

ادھر مجھے خود بھی تڑپ تھی کہ دینی علوم کے حصول کے لئے کسی ایسے ادارہ میں داخلہ لوں جہاں ماہر مدرسین ہوں اور ذوق علم کی مکمل سیری کے مواقع میسر آئیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے علم وفضل کے متعلق سن سن کر متاثر ہو ہی چکا تھا۔ اس لئے میں نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس مقصد کے لئے غالباً شوال ۱۳۷۱ھ میں مرادآباد پہونچ گیا۔ پہونچتے ہی معلوم ہوا کہ جامعہ نعیمیہ کے شیخ الحدیث و مہتمم تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ کچھ ہی دنوں پیشتر کراچی پاکستان ہجرت کر گئے۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد استاذنا المعظم شہنشاہ فکر ونظر حضرت مولٰنا محمد یونس صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ جامعہ نعیمیہ کے شیخ الحدیث و مہتمم بنائے گئے۔ چندروز وہ اس منصب پر برقرار رہے، مگر ایک دن کیا دل میں خیال آیا کہ اٹھے اور اپنے شاگرد رشید مفتی محمد حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی درسگاہ میں لاکر بٹھا دیا اور فرمایا ''آج سے تم شیخ الحدیث ہو، بلا شبہ تمہارے اندر اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کی اہلیت ہے''۔ حضرت مفتی صاحب نے اسے اپنے لئے خلاف ادب تصور کیا مگر ''الامر فوق الادب'' کے مطابق سر تسلیم خم کردیا۔ اقتدار پرستی اور ہوس، جاہ ومنصب کے اس زمانے میں اس طرح کی فیاضی اور کمال شفقت کے مظاہر کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ تاہم انہوں نے اپنی تنخواہ شیخ

الحدیث ہونے کے باوجود اپنے استاذ سے کم ہی رکھنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہمارا تعلیمی سلسلہ شروع ہوگیا، اس وقت درجات عربیہ میں صرف تین مدرسین تھے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کے علاوہ حضرت مولینا محمد یونس صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولینا محمد طریق اللہ صاحب نعیمی مدظلہ العالی موجودہ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت مولینا وصی احمد سہسرامی علیہ الرحمۃ، مولینا آل حسن صاحب سنبھلی اور مولینا حکمت اللہ صاحب امروہی نے بھی ہمارے آٹھ سال دور طالب علمی کے دوران جامعہ نعیمیہ میں تدریس کا کام کیا ہے۔ مگر ان میں کوئی بھی مستقل نہیں رہے۔ بالاستقلال سال چھ مہینے سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ اول الذکر حضرت مولینا سہسرامی صاحب تو حضرت صدرالافاضل قدس سرہ کے زمانے ہی سے وہاں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ جذب وحال کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ان کے لئے چھوٹ تھی کہ جب چاہیں تشریف لائیں، پڑھائیں، اور جب چاہیں چلے جائیں۔ ہماری معقولات کی اہم کتابیں آپ ہی کی بارگاہ علم میں شروع ہوئی تھیں۔ مگر حضرت اچانک چلے گئے۔ غالباً پھر دوبارہ تشریف نہیں لائے۔ قدس اللہ سرہ ونفعنا ببرکاتہ۔

مذکورۃ الصدر یہی تین اساتذہ درس نظامی کے نصاب کی جملہ کتب کی تدریس کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ اور فرائض منصبی باحسن وجوہ انجام دے رہے تھے۔ ایک مدرس کے پاس آٹھ سے لے کر نو کتابیں تدریس کے لئے تھیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے ذمہ فتاویٰ کا کام علیحدہ تھا۔ حساب کتاب اور بہت سارے امور، اس کے علاوہ سر پر تھے۔ درحقیقت وہ تین آدمی کا کام تنہا انجام دے رہے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ بیک وقت دو ادارے کے مہتمم ہیں، کاموں کا انبار ہے مگر ہر کام سلیقے سے انجام پا رہا ہے۔ حضرت مولینا طریق اللہ صاحب نئے نئے فارغ ہوئے ہیں۔ ذہین اور محنتی طلبہ کو پڑھانے کے لئے اتنی کتابوں کی تیاری بھی کرنا ہے، کھانا پکانے کی مصیبت بھی سر پر ہے اور بھی دیگر کام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو، کوئی انسان اتنا کام نہیں کرسکتا۔

میں نے جامعہ نعیمیہ کے اندر کافیہ سے اپنی تعلیم شروع کی اور دورۂ حدیث پر اس سلسلہ کا اختتام ہوگیا۔ درج ذیل کتابیں میں نے حضرت مفتی صاحب قبلہ سے پڑھی۔ **نحو**، شرح جامی، **صرف**، فصول اکبری، **منطق**، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک، **فلسفہ**، شرح ہدایۃ الحکمۃ خیرآبادی، میبذی، صدرا، شمس بازغہ، **تفسیر**، بیضاوی شریف، **حدیث**، بخاری شریف، اور صحاح ستہ کی دیگر کتب، **اصول فقہ**، توضیح، مسلم الثبوت، **کلام**، شرح عقائد نسفی، **مناظرہ**، مناظرہ رشیدیہ، **فرائض**، سراجی۔

استاذ مکرم حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ کا انداز تدریس بڑا ہی محققانہ ہوتا تھا۔ میں نے

جملہ فنون مروجہ فی المدارس النظامیہ کی بیشتر اہم کتابیں آپ ہی سے پڑھی اور یہ امر (تحقیقی اسلوب) خصوصی طور پر میں نے انکے طریقہ تدریس میں ملاحظہ کیا۔ آپ زیر تدریس ہر اہم کتاب کا گہرا مطالعہ کرتے اور مکمل تیاری کے بعد پڑھاتے تھے۔ عبارت کا مفہوم آئینہ کی طرح واضح رہتا، پھر اعتراض وارد کر کے اس کا جواب دیتے۔ اور اگر مصنف سے کہیں تسامح واقع ہوا ہے تو اس کی نشاندہی کر کے دلائل کی روشنی میں اسے واضح کرتے۔ ایسے مقامات پر اکثر بیشتر طلبہ کو دلائل زبانی بتانے پر ہی اکتفانہ کرتے، بلکہ متعلقہ کتب بھی لا کر دکھاتے۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی وسعت معلومات اور فن پر ید طولیٰ حاصل رہنے کا اندازہ ذوق مطالعہ کے حامل ہر طالب علم کو ہوتا تھا۔ چونکہ مجھے مطالعہ کا بہت اچھا ذوق وشوق تھا۔ شروح وحواشی چاٹ کر جاتا تھا بلکہ بعض شروح ذاتی طور پر خرید کر پڑھتا تھا، اس لئے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت نے کن کن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور کہاں سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔

جامعہ نعیمیہ کے اندر آٹھ سالہ عہد طالبعلمی کے دوران دو مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض مقتدر علماء کرام اور ماہرین درسیات کی شہرت سے متاثر ہو کر علم کا شوق بے پایاں لئے ہوئے ان حضرات کی بارگاہ میں بھی حاضر ہوا اور استفادہ کیا، مگر مکمل آسودگی نہیں ہوئی اور واپس جامعہ نعیمیہ ہی آنا پڑا۔ کیونکہ تحقیق وتدقیق مسائل کا جو اعلیٰ معیار مفتی حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی درسگاہ میں محسوس کرتا تھا وہ دوسرے مقام پر نظر نہیں آیا۔ شرح عقائد نسفی کے اندر ''خلف وعید'' کے مسئلہ پر بالالتزام ایک ماہ تک تقریر فرماتے۔ بخاری شریف میں کتاب التیمم تک پہونچتے پہونچتے نصف سال گذر جاتا۔ یہ تقریریں نہایت قیمتی اور مفید معلومات پر مشتمل ہوتیں اور خوب خوب داد تحقیق دیتے۔

فنون کی خصوصاً منطق کی بعض کتابیں حضرت مولینا وصی احمد سہرامی علیہ الرحمۃ کے پاس ہو رہی تھی، وہ اچانک چلے گئے۔ ہم لوگوں نے ان کتابوں کی تدریس کے متبادل انتظامات کے لئے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ سے درخواست کی، آپ نے فرمایا، دیکھ رہے ہو میری مصروفیت۔ ۹؍ کتابیں پڑھاتا ہوں، فتویٰ کا کام الگ، اسکے علاوہ ادارہ کی دیگر ذمہ داریاں ہیں، بتاؤ میں کیا کرسکتا ہوں۔ ہم لوگوں نے عرض کیا ''پڑھنا تو بہر حال ہے''۔ جب حضرت نے ہم لوگوں کا بے پناہ ذوق وشوق دیکھا تو فرمایا، ٹھیک ہے ہمارے پاس آجاؤ۔ چنانچہ آپ ہی نے منطق وفلسفہ کی تمام معرکۃ الآراء کتابیں ہم لوگوں کو پڑھائیں۔ اور اس طرح پڑھائی کہ محنتی سے محنتی اور ذہین سے ذہین طالب علم کی ساری تشنگی دور کر دی۔ یہ امر نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ اگر چہ کہ آپ کو معقولات پڑھانے کے اتفاقات کم ہی ہوتے تھے، مگر اس کے باوجود وہی محققانہ انداز، وہی دقت نظر، وہی باریک بینی، جیسے کہ یہ اسلوب تدریس ان کی فطرت ثانیہ بن گئی ہو۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ حضرت کی درسگاہ میں ملاحسن پڑھ رہے تھے، اسی اثناء میں خطیب مشرق علامہ

مشتاق احمد صاحب نظامی مدظلہ العالی جامعہ نعیمیہ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب سے مصافحہ کر کے درسگاہ ہی میں بیٹھ گئے۔ حقیقت علم کی بحث تھی۔ آپ عبارت ''والحق انه من اجلی البدیهیات'' پر تقریر فرمارہے تھے۔ علامہ نظامی صاحب نے بڑے مؤدبانہ انداز میں مسئلہ زیر بحث پر ایک وضاحت چاہی۔ ہم لوگوں کو نظامی صاحب کا اس طرح طلبہ کے سامنے سوال کرنا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوا، چونکہ وہ خود فاضل آدمی ہیں ممکن تھا کہ جواب میں دقت پیش آتی، بہر کیف حضرت استاذ مکرم نے نہایت اطمینان اور عمدگی کے ساتھ علامہ نظامی کے سوال کا جواب مرحمت فرمایا اور ہم لوگوں نے دیکھا کہ علامہ نہایت مسرور اور مطمئن ہیں۔ کچھ اسی طرح کے تبادلۂ خیالات کا اثر تھا کہ علامہ نظامی استاذ مکرم عمدۃ المحققین، رئیس المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ کو ان افاضلِ عالی مرتبت میں شمار کرتے تھے۔ جن کے علم و فضل سے وہ حد درجہ متاثر تھے۔

استاذ مکرم کا علمی و تحقیقی مقام اکابرین علماء کے نزدیک مسلم تھا۔ حضور محدث اعظم ہند، حضور مفتی اعظم ہند، صدر العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی صاحب قدست اسرارہم جیسے عباقرۂ روزگار آپ کی علمی و تحقیقی اعلیٰ مقامی کا اعتراف کرتے تھے۔ اور انہیں حد درجہ آپ پر اعتماد بھی تھا۔ کسی نے ''عمدۃ المحققین'' کہا اور کسی نے ''فقیہہ عصر'' کا لقب دیا۔

علم فقہ سے آپ کو خصوصی شغف تھا اور فتویٰ نویسی محبوب مشغلہ --- افتاء کے اندر بھی تحقیق کا جلال و جمال شباب پر ہوتا۔ خلاقِ عالم جل وعلا نے بہت مضبوط قوت حافظہ آپ کو عطا فرمایا تھا۔ بے شمار جزئیات زبانی یاد رکھتے۔ اس فن میں بھی آپ منفرد مقام کے حامل تھے۔ جس کا اعتراف اکثر و بیشتر معاصر علماء کرام کرتے رہتے ہیں۔

تقریباً ربع صدی تک آپ نے فتاویٰ لکھا۔ کئی ضخیم رجسٹروں میں اس کا مکمل ریکارڈ محفوظ ہے اور الحمدللہ آپ کے فاضل صاحبزادے حضرت علامہ شاہد رضا صاحب نعیمی اشرفی نے اسکی ترتیب کا کام شروع کرادیا ہے۔ یہ فتاویٰ کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے قیمتی سرمایہ ہیں، تحقیق و تدقیق کا گلدستہ ہیں، اہل علم کی آنکھیں یقیناً ان کے مطالعہ سے ٹھنڈی ہونگی۔

میں نے فتویٰ نویسی کی مشق بھی حضرت ہی کے زیر نگرانی کی۔ میرے فتاویٰ کے ریکارڈ میں ایسے کئی فتاویٰ اب بھی موجود ہیں، جن پر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے تصدیق فرمائی اور دستخط ثبت کیا۔ اس وقت ملک کے اندر کئی ممتاز مفتیان کرام آپ کے تربیت یافتہ ہیں۔ فتویٰ کے سلسلہ میں آپ باذوق و باشعور طلبہ سے کام لیتے تھے۔ حوالہ نکلواتے، بعض آسان فتاوے ان سے لکھواتے اور نظر ثانی کر کے ان پر تصدیقی دستخط ثبت فرماتے۔

ان کی شفقت و محبت کا کیا ذکر کیا جائے، وہ تو سراپا شفقت تھے، پیکر محبت تھے، ان کے اس وصف کی مثال اس زمانے میں کہاں مل سکتی ہے۔ حضرت صدر الافاضل تاج العلماء اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب نعیمی علیہم الرحمۃ نے انہیں صرف کتاب ہی کا درس نہیں دیا تھا، بلکہ قلب کی بھی تطہیر کی تھی اور اسے شفقت و محبت کا گنجینہ بنادیا تھا۔ جامعہ نعیمیہ

سے ایسی محبت کی اور اسکو سنوارنے اور نکھارنے میں ایسا منہمک ہوئے کہ فنا ہو کر رہ گئے۔ وہ جامعہ نعیمیہ کو صدر الافاضل کا چمن کہتے تھے اور اپنے کو اسکا مالی۔۔۔ بچوں کے ساتھ مل کر درو دیوار صاف کرتے اور صحن میں جھاڑو لگاتے تھے۔
شاگردوں کے ساتھ شفقت و محبت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ ان کی ترقی دیکھ کر اتنا خوش ہوتے کہ پھولے نہیں سماتے، ہمیشہ "آپ" سے خطاب کرتے۔ فراغت کے بعد اپنے تلامذہ کو مناسب جگہ اور صلاحیت کے مطابق کام سے لگادینے میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے۔ چنانچہ حضرت کی حیات تک میں جہاں کہیں رہا، آپ ہی کا مقرر کیا ہوا تھا۔ انکی شفقتوں نے کتنے ذروں کو آفتاب بنایا اور مجھ پر جو حضرت کے احسانات ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت استاذ کرم کے روحانی فیوض و برکات کو عام و تام کرے، ان کے مشن کو زندہ رکھے جس چمن کو انہوں نے خونِ جگر سے سینچا، وہ ہمیشہ سدا بہار رہے۔ اور ان کی اولاد امجاد کو ہر حال میں خوش و خرم اور ان کے راستے پر گامزن رکھے۔ آمین!

محمد عبد الجلیل النعیمی الاشرفی
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ شبلی گنج، حیدر آباد، مورخہ ١٣ اکتوبر ١٩٨٨ء

(٩)

سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی حافظ محمد ایوب خاں صاحب نعیمی

صدر مدرس دار العلوم جامعہ نعیمیہ مراد آباد یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتاء سے متعلق اسلاف و اساتین ملت کے ارشادات ایسے عظیم الخطر ہیں کہ جن سے اسمیں قدم رکھنا آسان نہیں ہر ممکن اس سے احتراز لازم ہے۔ مگر ارباب علم وتقوی کیلئے مجبوری کی صورت میں لازم ہو جاتا ہے کہ خلق کی رہنمائی کیلئے اس راہ میں قدم رکھیں۔ حضرت علامہ نووی نے شرح مہذب میں تحریر فرمایا روینا عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی قال ادرکت عشرین و مائة من الانصار ،من اصحاب رسول ﷺ یسأل احد هم عن المسئلة فیر دها هذا الی هذا حتی ترجع الی الاول و عن عطاء بن السائب التابعی ادرکت قوما یسأل احدهم عن الشیٔ فیتکلم و هو یرعد. حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں لو لا الخوف من اللہ تعالٰی ان یضیع العلم ما افتیت. میری خاموشی سے علم کے ضائع ہونے پر اللہ تعالی کا خوف نہ ہوتا تو میں فتوی نہ دیتا۔ علماء کرام نے فرمایا کہ جہاں مفتی کیلئے ضروری ھے کہ اصول وفروع پر اسکی نگاہ ہو وہاں یہ بھی لازم ھے کہ دیندار

لباس تقویٰ سے آراستہ ہو۔

ان حقائق کی روشنی میں مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی تامل نہیں کہ میرے انتہائی شفیق کرم فرما استاذ عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمۃ جو علوم وفنون کے بحر زخار تقوٰی وورع کے شہسوار تھے مذکورہ اوصاف کے حامل اور اپنے تلامذہ کو ان راہوں پر چلانے والے تھے جو تدریس و افتاء کے شرائط و آداب ہیں۔ اور یہ سب فیضان تھا انکی نگاہ التفات کا جن کو دنیا سالک راہ شریعت عارف جادۂ طریقت واصل راز حقیقت معقولات ومنقولات کے سمندر صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ العزیز بانی جامعہ نعیمیہ کے نام سے جانتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ چمنستان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جامعہ نعیمیہ کو حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے خون سے سینچا جس سے ہزاروں پھول کھل کر مشام عالم کو معطر کرتے رہے۔ ان میں سے استاذ گرامی حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ والرضوان کی ذات گرامی بھی ہے جنکی خوشبو سے سالہ سال عالم مشموم ہوتا رہا۔ ''حبیب الفتاویٰ'' انہی خوشبوؤں کا مجموعہ ہے جو آج منظر عام پر لایا جارہا ہے۔ ۱۹۵۶ء سے ہی میں ان فتاویٰ کے نقل پر مامور تھا اور ۱۹۵۸ء میں فراغت کے بعد تدریس وفتویٰ نویسی اور نقل فتاویٰ کیلئے مجھے مقرر کیا گیا اور حضرت کے وصال ۱۹۷۵ء تک انکی خدمت سے فیضیاب ہوتا رہا۔ حضرت بارہا فرماتے کہ فتویٰ کتب اصول وظاہر الروایہ مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر کے قول متفق علیہ پر ہونا لازم ہے۔ اختلاف کی صورت میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا قول مختار مفتی بہ پھر قول ابو یوسف وقول امام محمد وقول زفر وحسن علیہم الرحمۃ پر علی الترتیب فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اصول میں جواب نہ ملے تو نوادر پھر فتاویٰ وواقعات کی طرف رجوع کریں۔ نیز فرمایا کہ افتاء کیلئے جزئیات پر نگاہ ضروری ہے۔ چنانچہ ہمیشہ ہدایت فرماتے کہ اوقات تدریس کے علاوہ زیادہ تر وقت اسی میں صرف کریں۔ فرماتے کہ فتویٰ کی زبان آسان اور دلائل سے آراستہ ہونی چاہئے۔ حوالہ جات میں کتابوں کے نام کے ساتھ مطبع اور صفحہ تحریر کردینا چاہئے تاکہ دیکھنے والوں کو سہولت ہو۔ یہ ساری خوبیاں ''حبیب الفتاویٰ'' کے اندر موجود ہیں۔

دعاء ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ اسکو شرف قبول ورضا سے بہرہ ور فرمائے اور حضرت کو بارگاہ قدس میں بلند مقام حاصل ہو اور اہل اسلام کو اس سے استفادہ کا موقعہ عنایت فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و التسلیم۔

فقیر محمد ایوب نعیمی غفرلہ

خادم جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۲۰۰۲ء

(۱۰)

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مولانا محمد ہاشم صاحب اشرفی

شیخ المعقولات، جامعہ نعیمیہ، مراد آباد، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قابل ترین اساتذۂ کرام جب اخلاص وایثار کا پیکر ہوتے ہیں تو انکے فیضان تعلیم وتربیت کا عالم کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اسکے برخلاف جہاں ان خدمات میں دنیاوی اغراض ومقاصد کی شمولیت ہو جاتی ہے وہاں علمی صلاحیتیں انحطاط پذیر ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ عمدۃ المحققین زبدۃ المتکلمین فقیہ العصر استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد انہیں مایہ افتخار اور عبقری شخصیات میں سے ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے جنہوں نے بے لوث خدمت دین متین کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا اور بحمد اللہ تعالیٰ حیات کے آخری لمحہ تک اسی موقف پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو بے شمار گوناگوں کمالات کے زیور سے آراستہ فرمایا تھا اور ہمہ جہت خوبیوں کا مالک بنایا تھا۔

اسلوب تدریس میں امتیازی شان:- عام مدرسین کا انداز درس یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک متعین مقدار میں طالب علم نے عبارت پڑھی بعدہ استاذ نے اسی عبارت کا ایک جملہ اپنی زبان سے دہرایا پھر اس کا ترجمہ کیا پھر اسکا مطلب بیان کیا اسی طرح پھر دوسرے جملہ کا ترجمہ کیا اور مطلب ومقصد کی تقریر کی۔ الغرض پورا سبق اسی طرز بیان کے ساتھ پڑھا دیا مگر حضرت ممدوح کا طریق تفہیم کچھ نرالا ہی تھا۔ آپ ترجمہ کرنے سے پہلے پورے سبق کی ایک اجمالی تقریر اس طرح فرمادیا کرتے تھے کہ پورے سبق کا خلاصہ اور عبارت کے مطلب کی وضاحت بھی ہو جاتی تھی اور جملوں کے مفاہیم کا باہمی ربط بھی ذہن نشین ہو جاتا تھا، حتی کہ عبارت میں جو مشکل اور نادر الفاظ ہوتے انکا ترجمہ بھی قبل از وقت سمجھ میں آجاتا تھا۔ اس کے بعد جب شروع سے ترجمہ ومطلب اور ماله و ما علیه بیان فرماتے تو ایسا لگتا کہ یہ سبق ہمارا آج کا نہیں بلکہ پہلے کا پڑھا ہوا ہے۔

علوم و فنون کی همه جهتی:- عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آپکے میلان طبع اور ذوق نظر کو فقہ اور حدیث اور دیگر منقولات سے زیادہ وابستگی تھی۔ مگر میرے خیال میں ایسا سوچنا حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی علمی وسعتوں تک ذہن وفکر کی رسائی نہ ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ میں نے ایک مدت دراز تک حضرت کی بارگاہ میں زانوئے ادب طئے کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اپنے علوم وفنون کی ہمہ جہتی اور رفعتوں کے پیش نظر منقولات کے ساتھ ساتھ معقولات میں بھی یکتائے روزگار شخصیت کے حامل تھے۔ اس سلسلہ میں، میں فنِ منطق کی مشہور و معروف اور مایۂ ناز کتاب ''ملاحسن'' کے سبق کا ایک واقعہ بطور نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور وہ یہ

ہوا۔ اور یہ شک یقین میں بدل گیا کہ نقل فتاویٰ کے بعد نقل کا اصل سے مقابلہ نہیں کیا گیا ہے۔ ان احساسات نے طباعت کے کام کو ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا اور وطن واپس آکر نئے پروگرام کے مطابق اضافی کام کی تکمیل میں لگ گیا۔ اور چھ ماہ سے زائد عرصہ کی محنت اور مدت صرف ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے کتاب پریس میں جانے کیلئے تیار ہو سکی۔ آخر الأمر تمام تر دشواریوں اور رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے دیر سویر "حبیب الفتاویٰ" جلد اول اس خوبصورت شکل میں اہل ذوق تک پہونچانے میں ہم کامیاب ہو ہی گئے۔ فلله الشكر الجزيل والثناء الجميل

حبیب الفتاویٰ جلد اول سات سو سے زاید فتاویٰ پر مشتمل ہے جو درج ذیل کتب پر منقسم ہے۔ (۱) کتاب العقائد (۲) کتاب الطہارۃ (۳) کتاب الصلوٰۃ (۴) کتاب الصوم (۵) کتاب الزکاۃ (۶) کتاب الحج۔ موجودہ فتاویٰ ذخیرہ حبیب الفتاویٰ کا نصف سے بھی کم ہے۔ "حبیب الفتاویٰ" جلد دوم کے عنوان سے اسے شائع کرنے کی تیاری شروع ہو چکی ہے۔ ہر کتاب کے تحت مختلف النوع چھوٹے بڑے فتاوے ہیں۔ جس کتاب کے تحت ضرورت ہوئی ہے ابواب وفصول بھی قائم کیے گئے ہیں۔ فہرست کی تیاری میں بھی بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے اور تفصیلی فہرست بنائی گئی ہے۔ صفحہ نمبر کے ساتھ مسئلہ نمبر بھی ڈال دیا گیا ہے تاکہ مسائل کی تلاش میں کوئی دشواری نہ ہو۔

جہاں تک حبیب الفتاویٰ کی علمی قدر و قیمت اور مجموعہ ہائے فتاویٰ کے درمیان اس کے مقام کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں کسی تفصیل کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ پچھلے صفحات میں متعدد جید علماء کرام کے آراء و تاثرات آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ علمی دنیا کے اساطین نے حضرت مصنف قدس سرہ کی جلالت علمی کا کس قدر واضح لب ولہجہ میں اعتراف کیا ہے اور کتنے شاندار الفاظ میں ان کی علمی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اور آنے والے صفحات میں جب آپ بنفس نفیس فتاویٰ کا مطالعہ کرینگے تو ان تاثرات کی صداقت کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا۔ آپ یہ بھی محسوس کرینگے کہ ان سے استفتاء کرنے والوں میں ایسے حضرات بھی ہیں جو خود مسند درس و افتاء کے صدر نشین تھے اور ہیں۔

خود راقم الحروف کو حضرت قدس سرہ سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ شوال ۱۳۹۴ھ تا ربیع الاول ۱۳۹۵ھ تقریباً چھ ماہ "شرح جامی" کا درس میں نے ان سے لیا۔ یہیں پتہ چلا کہ "مدرس" کی تدریس اور "محقق" کی تدریس کے مابین کیا فرق ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کتاب کے الفاظ و عبارات کی صرف شرح، توضیح نہیں فرمارہے ہیں بلکہ مصنف کتاب کی غلطیوں اور تسامحات کی نشاندہی بھی فرماتے چلے جارہے ہیں۔ درجنوں مقامات پر علامہ جامی سے اختلاف رائے ظاہر فرمایا اور اسے دلائل سے مزین و مضبوط کرنے کیلئے اسی وقت کتابیں لا لا کر کھول کر دکھارہے ہیں۔ علم نحو کے اندر تبحر، ژرف نگاہی اور فکر و نظر کی گہرائی کا یہ عالم دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ علم فقہ و حدیث، جو ان کا اوڑھنا بچھونا تھا کے اندر تعمق کا کیا عالم ہوگا۔

حبیب الفتاویٰ جلد اول میں کئی موضوعات پر تفصیلی فتاوے ہیں۔ جیسے (۱) اقامت میں کب کھڑا ہونا چاہئے۔

(۲) حضور کی نماز جنازہ (۳) میت کو چار پائی پر رکھ کر نماز پڑھانا، اس مسئلہ پر ایک شبہ کا جواب (۴) بعد نماز فرض ذکر بالجہر، (۵) مصرف چرم قربانی (۶) حیلہ شرعیہ برائے حج فرض وغیرہ۔ ان مسائل پر حکم شرعی ظاہر کرنے میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے جو داد تحقیق دی ہے وہ ہر صاحب ذوق کیلئے ایک نعمت بے بہا ہے اور تفقہ فی الدین میں ان کے مقام بلند کا واضح ثبوت بھی۔

واضح رہے کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ کے اصول فتویٰ نویسی میں سے ایک یہ تھا کہ وہ ہر جواب کو اِس عبارت سے شروع کرتے تھے الجواب: **بعون الملک الوهاب بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلی علی حبيبه الكريم** چنانچہ انکے رجسٹر فتاویٰ میں بھی ہر ایک فتویٰ مندرجہ بالا عبارت سے شروع ہے۔ جناب کلیمی صاحب نے بھی اپنے مبیضہ میں اس عبارت کو ہر فتویٰ سے پہلے لانے کا التزام کیا ہے۔ لیکن اب جبکہ سارے فتوے کتابی شکل میں آ گئے، میں نے اس عبارت کو ہر ایک فتویٰ کے شروع میں لانے کے التزام کو ضروری نہیں سمجھا۔ بلکہ جواب نمبر ا ہی کے اوپر پوری عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ اسکا مقصد کتاب کی ضخامت کو ممکن حد تک کم رکھنا ہے۔

کتاب کو ہر قسم کی مطبعی خامی سے پاک کرنے کیلئے حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ حوالہ جات کے ترجمہ میں پوری عرق ریزی کی گئی ہے کہ ترجمہ صحیح، سلیس اور عام فہم ہو ـــ بایں ہمہ ترجمہ کے اندر اگر کسی صاحب علم کو کہیں کوئی خامی یا غلطی نظر آئے تو اس کا تنہا ذمہ دار سیف خالد اشرفی ہے۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بعض حوالوں کا ترجمہ انہوں نے خود بھی کیا ہے۔ ایسے تمام مقامات پر ترجمہ لفظ ''یعنی'' سے شروع ہوا ہے۔ ان کے ترجمے کے اکثر مقامات پر میں نے ترجمے کے اخیر میں قوسین کے اندر لفظ (منہ) لکھ دیا ہے۔

اخیر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا میں اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے کتاب کو اس دیدہ زیب شکل میں منظر عام پر لانے میں کسی بھی طرح تعاون کیا۔ خصوصاً استاذنا الجلیل المفتی عبد الجلیل النعیمی الاشرفی (جامعہ صوفیہ درگاہ کچھوچھہ شریف) وفضیلۃ الاستاذ العلامۃ المفتی محمد ایوب النعیمی (جامعہ نعیمیہ مراد آباد) وفضیلۃ الشیخ الاستاذ محمد فیض الرحمٰن الاشرفی (مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم ماچھی پور بھاگلپور) والعلامۃ الفاضل المفتی محمد معین الدین الاشرفی السنبھلی۔ (دار الافتاء آستانہ محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف) ان حضرات نے ترجمہ کے عمل میں بہترین رہنمائی کی اور مشکل مقامات کے حل میں مدد فرمائی۔ نیز اخونا الفاضل المفتی محمد معین الدین الاشرفی الماچھی پوری بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنکا قیمتی تعاون شامل حال رہا۔ ساتھ ہی برادر محترم مبلغ اسلام حضرت مولانا قمر احمد اشرفی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جن کے قائم کردہ دار العلوم محمدیہ حیدر آباد میں رہکر ترجمہ وتصحیح کے کام کا بڑا حصہ مکمل ہوا۔ نیز انہوں نے مفید مشوروں سے نوازا۔

اخیر میں ہم تمام فیض یافتگانِ معارف حبیبی اور حاملانِ ذوقِ مطالعۂ آثارِ علمی کی طرف سے حضرت مصنف قدس سرہٗ کے خلفِ اکبر و جانشین مبلغِ اسلام حضرۃ العلام مولانا شاہد رضا صاحب نعیمی اشرفی مقیم لندن (برطانیہ) بہترین شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ۱۵ سال قبل ہی اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اس مہتم بالشان کام میں کسی بھی طرح کی مالی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور زرِ کثیر صرف کر کے اپنے والدِ ماجد قدس سرہٗ کے آثارِ علمیہ اور افاضاتِ فقہیہ کو شائع کر کے تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا اور ہم سب پر احسانِ عظیم فرمایا۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے، انکے علم و عمل و عمر میں برکتیں عطا فرمائے، اُنکی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہے اور انکے اہل و عیال، بھائی بہن و جملہ متعلقین سدا خوش رہیں۔ آمین یارب العالمین

دعاء جو

سیف خالد اشرفی

شعبۂ تالیف و ترجمہ و تحقیق جامع اشرف خانقاہِ اشرفیہ حسنیہ سرکارِ کلاں

کچھوچھہ شریف ضلع امبیڈکر نگر یوپی

فہرست

مسئلہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
	کتاب العقائد	
	عقائد متعلقہ باری تعالیٰ عز اسمہ	
۱	تمام صفات الٰہیہ ازلی، ابدی، واجب وقدیم ہیں	۳
۲	خلاق عالم، عالم کے پیدا کرنے میں کسی مبدأ کا محتاج نہیں	۴
۳ تا ۴	خُلف وعدا ور خُلف وعید	۵
۵تا۶	بارگاہ الوہیت کا گستاخ کافر و مرتد ہے	۵
۷	وجود باری تعالیٰ	۶
۸	امکان کذب باری تعالیٰ	۶
۹	اللہ تعالیٰ اعضاء و جوارح سے پاک ومنزہ ہے	۸
۱۰	تصرف خالق وتصرف مخلوق	۹
۱۰ (الف)	دنیا میں دیدار الٰہی	۱۲
	عقائد متعلقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	
۱۱	پیغمبر آخر الزماں کے مثل دوسرا نبی نہیں ہوسکتا، محالات تحت قدرت نہیں	۱۴
۱۲	پیغمبروں کی تعداد کے بارے میں اسلامی عقیدہ	۱۷
۱۳	کیا انبیاء کرام کو ضغطہ قبر ہوتا ہے؟	۱۹
۱۴	رسول کو عالم الغیب کہنا جائز ہے یا نہیں؟	۲۰
۱۵	عالم غیب اور عالم الغیب میں فرق	۲۰
۱۶	علم غیب کلی حضور کو تھا یا نہیں	۲۰
۱۷	عقیدہ علم غیب کی حیثیت	۲۲

۱۸	رسول ﷺ بعطائے الٰہی مختار کل ہیں	۲۳
۱۹	حدیث "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" کی بحث	۲۵
۲۰	ایک حدیث کی سند	۲۹
۲۱	رسول ﷺ سے اگر کسی کلمہ کا صدور تواضعاً ہوا تو اس کو دلیل بنانا جہالت ہے	۳۵
۲۲	نورانیت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء	۳۶
۲۳	اسلام کو عروج پر پہونچانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور بعطائے الٰہی اس کے حبیب ومطلوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں	۳۷
۲۴	کفر لزومی وکفر التزامی کی توضیح	۴۰
۲۵	جہالت میں بھی شان رسالت میں نازیبا کلمہ کا استعمال کفر ہے	۴۴
	متفرق عقائد	
۲۶	بعض ایمان شکن اشعار کا حکم	۴۴
۲۷	اقرار کفر خود کفر ہے	۴۵
۲۸	کسی مسلمان کو مشرک وکافر کہنے کا حکم	۴۶
۲۹	کسی مسلمان کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے	۴۶
۳۰	معظمات دین کی توہین کفر ہے	۴۷
۳۱	علماء اسلام کے فتویٰ کے مطلقاً انکار کرنے والے کا حکم	۴۷
۳۲	یزید کے کفر واسلام اور اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں اسلامی موقف	۴۸
۳۳	کسی امتی کے فعل کو نبی کے فعل سے کوئی نسبت ومماثلت نہیں	۵۰
۳۴	مورتی پوجا اور اس کی تعظیم اور حجر اسود کو چھونے اور بوسہ دینے میں فرق	۵۰
۳۵	مستند تو قرآن بھی نہیں، "ایسا کہنا صریح کفر ہے، صحابہ کو برا بھلا کہنے والا گمراہ ہے	۵۱
۳۶	تقدیر کا مسئلہ	۵۳
۳۷	مومن کو مومن اور کافر کو کافر کہنا حال ووصف موجود کی بنیاد پر ہے	۵۳
۳۸	کسی کو برا بھلا نہیں کہنا چاہئے، اس قسم کے جملے صلح کلی والوں کے ہیں	۵۶

۳۹	مسئلہ تناسخ (آواگون)	۵۸
۴۰	مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے؟	۶۱
۴۱	کاہن کی تصدیق کفر ہے	۶۶
	کتاب الطھارۃ	
	باب الوضوء	
۴۲	آیت کریمہ یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ میں وارجلکم کا معنی پاؤں دھونا ہے نہ کہ پاؤں کا مسح کرنا؟	۷۰
۴۳	تارک سنت اور منکر سنت کا حکم؟	۷۲
۴۴	غسل کے وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ برہنہ نہانے کا حکم	۷۲
۴۵	داخلِ نماز اور خارجِ نماز قہقہہ مار کر ہنسنے کا حکم	۷۳
۴۶تا۴۷	قطرۂ پیشاب آنے کا شبہ ہو؟	۷۳
۴۸	وضو کے لئے کسی مخصوص برتن کی قید نہیں	۷۴
۴۹	سیلان منی ومذی کے مرض کی حالت میں اگر سو کر اٹھنے کے بعد منی ومذی میں امتیاز دشوار ہو تو کیا کرے؟	۷۵
۵۰	غسل و پیشاب و پاخانہ کے وقت باتیں کرنا منع ہے۔ غسل خانہ میں پیشاب و پاخانہ کرنے والے کا حکم	۷۷
۵۱	جمعہ کو غسل کرنا سنت ہے	۷۷
۵۲	میت کو غسل دینے والے پر غسل فرض نہیں ہوتا ہے؟	۷۷
۵۳	عورت بچے کے خوف سے غسل کے بجائے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟	۷۸
	باب المسح	
۵۴	اگر اعضائے وضو کے رگڑ کر دھونے یا پانی پہونچانے سے تکلیف اور مرض میں اضافہ ہوتا ہے تو کیا کرے؟	۷۸
۵۵	عارضہ بول میں مبتلا شخص کا حکم	۷۹

۵۶تا۵۸	صرف ڈھیلے سے استنجا کافی ہے یا نہیں؟	۷۹
	معذور کا بیان	
۵۹	عصر سے عشاء تک ریاح کی شکایت رہتی ہے ایسا شخص معذور ہے یا نہیں؟	۸۰
۶۰	قطرۂ پیشاب کے ساتھ دھات آنے کا بھی عارضہ ہے	۸۲
۶۱	حالت نماز میں قطرۂ پیشاب آجاتا ہے	۸۴
	مسواک کا بیان	
۶۲تا۶۳	مسواک کیسا ہونا چاہئے؟	۸۶
	پانی کا بیان	
۶۴	استنجاء کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا کیسا ہے؟	۸۸
۶۵	پرندہ پانی میں پھولا پھٹا ہوا ملا، پانی کا حکم؟	۸۸
۶۶	کنویں میں کتا مردہ پایا گیا، پھولا پھٹا نہیں تھا؟	۸۸
۶۷	گوبر مٹی سے لیپی ہوئی دیوار سے مٹی کنویں میں گری، پانی کا حکم؟	۸۹
۶۸	انسان کے جوٹھے کا حکم	۹۰
۶۹	کافر کے جوٹھے کا حکم	۹۱
۷۰	نہانے والے کے بدن کا دھون کنویں میں گرا، پانی کا حکم؟	۹۲
۷۱	کنویں میں چھپکلی گر کر پھول گئی؟	۹۲
۷۲	ایک غیر معروف روایت کے متعلق سوال	۹۳
۷۳	چوہے کے جوٹھا کا حکم۔ اس کی مینگنی کھانے کی چیز میں نکلی؟	۹۳
۷۴	افواہ عام کی بنیاد پر پاک وحلال چیز ناپاک نہیں ہوگی	۹۴
۷۵	گوبر سے لیپے فرش پر بالٹی رکھا گیا پھر اسے کنویں میں ڈالدیا گیا، پانی کا حکم؟	۹۴
۷۶	شک کی بنیاد پر کسی چیز کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا	۹۸
۷۷	آبدست والے لوٹے سے پانی پینا کیسا ہے؟	۹۸

نمبر	عنوان	صفحہ
۷۸	ناپاکی دور کرنے کی جگہ میں کلمۂ طیبہ پڑھنا منع ہے	۹۹
	کتاب الصلاۃ	
۷۹	نماز قبول ہوئی یا نہیں یہ کوئی مفتی نہیں بتا سکتا	۱۰۱
۸۰	نماز کے واسطے مسجد میں آنے کے لئے کہنے پر جواباً کہا ''میں نہیں پڑھتا تم کون ہو'' ؟	۱۰۱
۸۱	جہری وسری نمازوں کی حکمت ؟	۱۰۲
۸۲	فرض فجر وعصر کے بعد نماز پڑھنے کا حکم	۱۰۲
۸۳	نماز جنازہ زوال کے وقت میں پڑھنا کیسا ہے ؟	۱۰۲
۸۴	نماز اول وقت میں مستحب ہے یا درمیان وقت میں ؟	۱۰۳
۸۵تا۸۶	طلوع آفتاب کے کتنی دیر بعد نماز ادا کر سکتے ہیں ؟	۱۰۴
۸۷	فجر کی فرض سے پہلے سنت نہ پڑھ سکا، اب کب پڑھے ؟	۱۰۵
۸۸	رمضان المبارک میں اول وقت میں نماز فجر پڑھنا کیسا ہے ؟	۱۰۵
۸۹	جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے وہاں نماز روزہ کیسے ادا کیا جائے ؟	۱۰۵
	باب الاذان و الاقامة	
۹۰	وقت نماز آنے کے بعد جو اذان کہی جائے وہی معتبر ہے۔	۱۰۶
۹۱	طلوع صبح صادق سے پہلے اذان کہی تو وہ کافی نہیں ؟	۱۰۶
۹۲تا۹۳	اذان واقامت کے وقت شھادتین میں انگوٹھا چومنا کیسا ہے ؟	۱۰۶
۹۴تا۹۵	فاسق کی اذان کا حکم	۱۰۸
۹۶	اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا کیسا ہے ؟	۱۱۰
۹۷	داخل مسجد اذان کا حکم	۱۱۲
۹۸	ایک شخص کو دو مسجد میں ایک ہی وقت کی اذان دینا کیسا ہے ؟	۱۱۲
۹۹تا۱۰۰	دعاء بعد اذان	۱۱۲
۱۰۱	اذان سے قبل نمازیوں کے واسطے نقارہ بجانا ؟	۱۱۳

۱۰۲	غلط اذان کا عتاب کس پر ہوگا؟	۱۱۳
۱۰۳ تا ۱۰۶	تکبیر بیٹھ کر سنے یا کھڑے ہوکر؟	۱۱۴
۱۰۷	جو اذان کہے اسے ہی تکبیر و اقامت کا حق ہے	۱۳۶
۱۰۸	تکبیر کہنے کے لئے ایسا شخص کھڑا ہو جو امامت کے قابل ہے	۱۳۶
۱۰۹	اقامت دائیں جانب ہو یا بائیں جانب	۱۳۷
۱۱۰	مؤذن اقامت کس صف میں کہے؟	۱۳۷
۱۱۱	مؤذن جائے اقامت پر مصلی بچھا سکتا ہے	۱۳۸
	تثویب کا بیان	
۱۱۲ تا ۱۱۴	بعض نمازوں میں جماعت سے پہلے صلوٰۃ پڑھنا کیسا ہے؟	۱۳۸
	باب شرائط الصلوٰۃ	
۱۱۵	نیت نماز میں آج کے دن کی تعیین ضروری ہے یا نہیں؟	۱۴۳
۱۱۶ تا ۱۱۷	نیت میں سنت رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟	۱۴۶
۱۱۸	امام امامت قوم کی نیت کرے	۱۴۷
۱۱۹	نماز جمعہ کی نیت کا طریقہ	۱۴۷
۱۲۰	امام نے نیت میں کہا ''امام اس قوم کا اقتداء کرتا ہوں اگلے اماموں کی''	۱۴۸
۱۲۱	قعدہ اخیرہ میں بعد التحیات وضو ٹوٹ گیا، نماز نہیں ہوئی	۱۴۸
۱۲۲	نماز کے اخیر میں سلام پھیرنے کا مقصود کیا ہے؟	۱۴۹
۱۲۳	ٹوپی کی موجودگی میں رومال یا تولیہ سے سر باندھنا خلاف ادب ہے	۱۴۹
۱۲۴	سترہ کے لئے جو لکڑی لگائی جائے اس کی اونچائی کم از کم ایک ہاتھ اور موٹائی ایک انگلی ہو	۱۵۰
۱۲۵	جماعت میں اس وقت شامل ہوا جب امام قرأت شروع کر چکا تھا تو کیا کرے؟	۱۵۰
۱۲۶	نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور سورۃ یا آیتیں ملانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانا بھول جائے تو کیا کرے؟	۱۵۱
۱۲۷	سنت یہ ہے کہ منفرد بھی سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ربنا و لک الحمد کہے	۱۵۱

۱۲۸	سنت، نفل، وتر کی ہر رکعت میں سورۃ یا آیتوں کا ملانا واجب ہے	۱۵۲
۱۲۹	نماز میں شہادت کے وقت انگشت شہادت سے اشارہ کے بعد کل انگلیوں کو کھول کر رخ بقبلہ کردے۔اس مسئلہ پر ایک اشکال کا جواب	۱۵۲
۱۳۰	حالت نماز میں پاؤں کیسے رکھا جائے؟	۱۵۴
۱۳۱	درمختار کی ایک عبارت پر شبہ کا جواب	۱۵۵
۱۳۲	جس چٹائی اور مصلیٰ میں الٹے سیدھے کا فرق ظاہر ہوا سے الٹا کسی حال میں نہ بچھایا جائے	۱۵۵
۱۳۳تا۱۳۵	امام کے پیچھے سورہ فاتحہ، زور سے آمین کہنا اور رفع یدین کرنا کیسا ہے؟	۱۵۵
	فصل الذکر و الدعاء	
۱۳۶تا۱۳۸	نماز کے بعد کلمۂ طیبہ بآواز بلند پڑھنا مسنون ہے	۱۶۲
۱۳۹تا۱۴۱	سلام پھیرنے کے بعد امام کے لئے دائیں جانب منہ کر کے بیٹھنا افضل ہے	۱۷۳
۱۴۲تا۱۴۳	ہر نماز کے بعد دعاء وذکر مسنون ہے	۱۷۵
۱۴۴	مولوی حبیب الرحمٰن مفتی مدرسہ حیات العلوم مرادآباد کے ایک فتویٰ کا پوسٹ مارٹم	۱۷۶
	مصافحہ بعد نماز	
۱۴۵تا۱۴۷	بعد نماز مصافحہ کرنا کیسا ہے؟	۱۸۰
	باب القراءۃ	
۱۴۸	سورتوں کا ترتیب سے پڑھنا واجب ہے	۱۸۴
۱۴۹	دو رکعت میں ایک آیت کا پڑھنا کیسا ہے؟	۱۸۶
۱۵۰تا۱۵۷	**مخرج ضاد کا بیان**	۱۸۶
۱۵۸تا۱۵۹	قرأت کے دوران کوئی کلمہ سہواً چھوٹ جائے تو اس کی دو صورتیں؟ پہلی رکعت میں سورۃ قریش، دوسری میں سورۃ کوثر پڑھا؟	۲۰۰
۱۶۰	قرأت کے دوران بیچ میں ایک آیت یا ایک لفظ چھوٹ گیا	۲۰۱
۱۶۱	ناس کی جگہ ''نس'' پڑھا نماز نہیں ہوئی؟	۲۰۱

۱۶۲	زیر وزبر کے فرق سے معنیٰ میں تغیر مفسد صلوٰۃ بھی ہوسکتا ہے	۲۰۱
۱۶۳تا۱۶۴	مقتدی کا لقمہ نماز پر اثر انداز نہیں، خواہ امام لقمہ لے یا نہ لے، یا غلط لقمہ دے	۲۰۲
۱۶۵	امام عشاء کی تیسری رکعت میں بیٹھ گیا۔ لقمہ دینے پر کھڑا ہوا، نماز ہوئی یا نہیں؟	۲۰۲
۱۶۶	امام کو لقمہ کس طرح دیا جائے؟	۲۰۳
۱۶۷	غیر مقتدی کا لقمہ مفسد نماز ہے	۲۰۴
	امامت کا بیان	
۱۶۸	امام کے تقرر کا شرعی حق کسے ہے، جمعہ وعیدین میں سلطان کا قائم مقام کون ہوگا؟	۲۰۴
۱۶۹	کیا حق امامت موروثی ہوسکتا ہے۔ والدین کے نافرمان کی امامت کیسی ہے؟	۲۰۶
۱۷۰تا۱۷۱	عام مسلمانوں کا مقرر کیا ہوا امام ہی اگر وہ شرعی نقص سے مبرا ہے، امامت کا مستحق ہے	۲۰۸
۱۷۲	مستقل امام اگر صرف پنجگانہ کے لئے ہے تو عیدین کی امامت دوسرا کرسکتا ہے، ورنہ نہیں	۲۱۰
۱۷۳	سیاسی جماعت کے رکن کو احوط یہی ہے کہ امام نہ بنایا جائے	۲۱۱
۱۷۴	دنیاوی امور میں کسی کا ساتھ دینے اور کسی کا ساتھ نہ دینے والا امام شرعاً مجرم نہیں	۲۱۱
۱۷۵تا۱۷۷	امام کیسا ہونا چاہئے؟	۲۱۲
۱۷۸	ایک شخص مسائل سے واقف، قرأت صحیح نہیں۔ دوسرا قرأت میں نسبتاً اچھا، مسائل سے واقفیت نہیں رکھتا امامت کون کرے؟	۲۱۵
۱۷۹	خفیف العقل کی امامت؟	۲۱۵
۱۸۰تا۱۸۱	پندرہ سال کا لڑکا شرعاً بالغ ہے	۲۱۶
۱۸۲	ڈاکٹر وحکیم کے پیچھے نماز	۲۱۷
۱۸۳	مقررہ غیر عالم امام عالم دین کی موجودگی میں نماز پڑھا سکتا ہے	۲۱۷
۱۸۴	نماز جمعہ وعیدین وکسوف میں امامت کا مستحق کون ہے؟	۲۱۷
۱۸۵تا۱۸۷	امام پر وقت کی پابندی لازمی، اتفاقاً دس پانچ منٹ دیر ہونے پر نمازی کو سکوت ہی کرنا چاہئے۔ مؤذن کے علاوہ امام کو کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ چلئے نماز شروع کیجئے	۲۱۹
۱۸۸	امام کی بیوی پردہ کا اہتمام نہیں کرتی	۲۲۲

۱۸۹	ھجڑا، مخنث، نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں؟	۲۲۲
	اوصاف الامام	
۱۹۰	اس حالت میں نماز پڑھنا یا پڑھانا کہ کہنی کھلی رہ جائے	۲۲۳
۱۹۱	قوالی سننے والے کے پیچھے نماز کا حکم	۲۲۴
۱۹۲	امام امامت پر اجرت لے یا نہ لے ہر حال میں اسکی امامت جائز؟	۲۲۴
۱۹۳	محض بہتان سے امامت متاثر نہیں ہوتی	۲۲۵
۱۹۴	لاعلمی کی غلطی سے امامت میں کوئی خلل نہیں	۲۲۶
۱۹۵	کسی نماز کی سنت وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھی تو اس کا اعتبار نہیں؟	۲۲۶
۱۹۶	گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے، گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں	۲۲۷
۱۹۷	دنیاوی لحاظ سے شریف و رذیل خاندان کا ہونا استحقاق امامت میں اثر انداز نہیں	۲۲۷
۱۹۸	اگر امام ضرورت مند ہے تو صدقہ زکوٰۃ و فطرہ و چرم قربانی وغیرہ اسے دینا افضل ہے	۲۲۸
۱۹۹	امام کا مرتبہ کیا ہے؟	۲۲۹
۲۰۰	امام واجب التعظیم ہے اس پر ظلم اور اسکی توہین کرنے والا سخت گناہ گار ہے	۲۲۹
۲۰۱	عالم دین کی اقتداء میں نماز کی قبولیت کی سرکار دو عالم علیہ السلام نے بشارت دی ہے	۲۳۰
۲۰۲	تلفظ درست کرنے کی کوشش کے باوجود اگر درست نہ ہو تو ایسے کی امامت صحیح ہے	۲۳۱
۲۰۳	ضعیف العمر ہے سینہ سیدھا نہیں ہوتا، نیز طالب علم کی امامت	۲۳۱
۲۰۴	امام صاحب نے ایک مرتبہ بدرجہ مجبوری غلاظت ہاتھ سے پھینک دیا، ان کی امامت؟	۲۳۲
۲۰۵	غیر مختون امام کے پیچھے نماز جائز، مگر خلاف اولیٰ	۲۳۲
۲۰۶	ذاتی اختلاف کی بنیاد پر امام کو برا کہنا سراسر ظلم ہے	۲۳۲
۲۰۷	سوا روپیہ کہہ کر ایک روپیہ میں بیچنا شرعاً جھوٹ نہیں	۲۳۳
۲۰۸	اگر امام کی آمدنی نفقہ اہل وعیال کے لئے کافی نہیں تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے	۲۳۳
۲۰۹	کافر کو ووٹ دینے والے کے پیچھے نماز بغیر کراہت جائز ہے	۲۳۴
۲۱۰تا۲۱۱	انگریزی بال اور کالر لگوانے والے امام کی امامت مکروہ نہیں، زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہوگی	۲۳۴

۲۱۲	اتباع شریعت ہر مکلف پر لازم ہے	۲۳۵
۲۱۳	غیر مسلم، بدمذہب کے ساتھ دوستی کرنا شرعاً منع ہے۔	۲۳۵
۲۱۴	زید نے کہا "میں اپنی لڑکی بکر کے لڑکے کے ساتھ کر چکا، عقد کی تاریخ بعد عید اضحی مقرر ہوگی"۔ بعد میں نکاح سے انکار کیا، کیا یہ جملہ اقرار شرعی ہے؟	۲۳۶
۲۱۵	قاضی نے کسی عورت کا بعد تحقیقات شرعی نکاح پڑھایا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ لڑکی کسی کی منکوحہ تھی۔ اس صورت میں قاضی شرعاً مجرم نہیں۔ اس کی امامت صحیح و درست ہے؟	۲۳۷
۲۱۶	گوٹے کا بار ہو یا بیل بوٹے یا پھول، اگر اس کی چوڑائی چار انگل سے زیادہ ہو تو اس کا پہننا مکروہ تحریمی، اس کو پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا مکروہ	۲۳۷
۲۱۷	سقایہ میں جلنے والی لکڑی کا کوئلہ امام یا اہل محلہ اپنے کام میں لا سکتے ہیں؟	۲۳۸
۲۱۸	طلاق مغلظہ کے بعد مرد و عورت کا باہم بات چیت کرنا حرام اور ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ	۲۳۸
۲۱۹	نکاح حرام سے لڑکا پیدا ہوا، اس کے عقیقے کی کھال لینے والے کے پیچھے نماز مکروہ نہیں، تلاوت قرآن پر معاوضہ مقرر کرنا گناہ، اگر بطور خدمت کچھ دیں تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، وعدہ خلاف امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی	۲۳۹
۲۲۰	چشمہ لگا کر نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہے، امام کا قریشی ہونا ضروری نہیں، گلے کا بٹن کھلا رکھنا مکروہ تنزیہی	۲۴۰
۲۲۱	درود شریف، نعت خوانی اور ذکر خیر کا سلسلہ جماعت و نماز سے فراغت کے بعد شروع کیا جائے۔ بعد میں آکر نماز پڑھنے والوں کا لحاظ ضروری نہیں۔	۲۴۰
۲۲۲	ریڈیو کی خبر سے چاند کا ثبوت صحیح جاننے والا قابل امامت نہیں	۲۴۱
۲۲۳	غیر شادی شدہ کی امامت میں کوئی حرج نہیں	۲۴۱
۲۲۴	نماز کی ترکیب سکھانے کے لئے تصویر سازی حرام و بدعت، اسے جائز بتانے والے کے پیچھے نماز مکروہ	۲۴۲
۲۲۵	غلط فتویٰ بتانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے اجتناب کیا جائے	۲۴۲
۲۲۶	مقتدی کے آمین بالجہر کہنے سے امام یا مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی	۲۴۳
۲۲۷	ختم قرآن کے بعد ایک حافظ کا دوسرے حافظ پر قرآن غلط پڑھنے کا الزام	۲۴۳

۲۲۸	دعائے قنوت کی جگہ سورہ اخلاص پڑھنے والا امامت سے الگ رہے، یہی بہتر ہے	۲۴۴
۲۲۹	مقتدی پر ال پر امام نیچے	۲۴۴
۲۳۰ تا ۲۵۱	امامة المبتدع (اہل بدعت کی امامت)	
	دیوبندی، اہل حدیث وغیرہ امام کے پیچھے سنی کا نماز پڑھنا کیسا ہے؟	۲۴۷
	سنی امام کو سابق بدمذہب امام سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں	۲۴۸
	بدعقیدہ کے ساتھ کھانے پینے، میل جول، صحبت کی عادت رکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی	۲۴۹
۲۵۲ تا ۲۵۹	امامة المشتبه (مشتبہ شخص کی امامت)	۲۵۹
۲۶۰ تا ۳۲۲	امامة الفاسق	۲۶۷
۳۲۳ تا ۳۳۰	امامة مقطوع اللحية (ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت)	۳۱۵
۳۳۱ تا ۳۳۴	امامة الشخص المكروه (ناپسندیدہ شخص کی امامت)	۳۲۳
۳۳۵ تا ۳۳۹	امامة المعذور (معذور شخص کی امامت)	۳۲۷
۳۴۰ تا ۳۴۲	امامة الاعمىٰ (نابینا کی امامت)	۳۳۰
۳۴۳	امامة ولد الزنا (ولدالزنا کی امامت)	۳۳۴
	باب الجماعة (جماعت کا بیان)	
۳۴۴ تا ۳۴۵	تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں نماز پڑھنے میں ۲۷ درجہ زیادہ ثواب ہے۔ کوئی شخص نیک کام نہ کرنے کی قسم کھالے تو وہ کام کر کے قسم کا کفارہ ادا کرے	۳۳۵
۳۴۶	ایک شخص نے بیوی کو صف اول میں کھڑا کر کے عید اضحیٰ کی نماز پڑھائی، لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟	۳۳۶
۳۴۷	رکوع میں شریک ہو جانے سے تکبیر اولیٰ کی فضیلت مل جاتی ہے	۳۳۸
۳۴۸	ایک امام اور ایک مقتدی مل کر نماز پڑھیں تو اسے نماز باجماعت کہا جائے گا	۳۳۸
۳۴۹	نابالغ کی جماعت ہونے کے بعد بالغ کی جماعت مسجد میں اسی جگہ اقامت وتکبیر کے ساتھ پڑھی جائے گی، نابالغ کی جماعت کا اعتبار نہیں ہوگا	۳۳۸

	جماعت ثانیہ	
۳۵۰	شارع عام پر واقع مسجد میں اذان واقامت سے جماعت ثانیہ کرسکتے ہیں	۳۳۹
۳۵۱تا۳۵۳	جماعت ثانیہ کیسے کیا جائے؟	۳۳۹
۳۵۴تا۳۵۵	وہابی کی جماعت کے بعد سنی مقام سابق پر جماعت قائم کرسکتے ہیں	۳۴۲
۳۵۶	اگر جماعت ثانیہ انتشار کا سبب بن جائے تو اس کے جواز کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا	۳۴۳
	مکروهات الجماعة	
۳۵۷	امام محراب سے کتنی دوری پر کھڑا ہو	۳۴۴
۳۵۸تا۳۶۰	امام کا تنہا والان یا والان کے چھجے کے اوپر تنہا کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا باہر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔	۳۴۵
۳۶۱تا۳۶۲	کیا جذام برص کے مریض کو مسجد میں آنے سے روکا جاسکتا ہے؟	۳۵۴
۳۶۳	اگلی صف میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مقتدی اکیلا پچھلی صف میں رہ گیا، نماز بلاکراہت ہوگئی	۳۵۵
۳۶۴تا۳۶۵	**مسبوق کا بیان**	۳۵۵
۳۶۶	امام رکوع میں تھا، کیا مقتدی بغیر ہاتھ باندھے رکوع میں جاسکتا ہے؟	۳۵۶
	صف بندی	
۳۶۷تا۳۶۸	صف اول میں جگہ ہوتے ہوئے صف ثانی میں کھڑا نہیں ہونا چاہئے خواہ رکعت کے جانے کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو	۳۵۶
۳۶۹	جماعت میں اس وقت شامل ہوا جب امام سجدۂ سہو کرنے کے بعد قعدہ میں بیٹھا ہے	۳۵۸
	ترتیب صفوف	
۳۷۰	صفوں کے سیدھا کرنے میں کن اعضاء کا اعتبار ہے؟	۳۵۹
۳۷۱تا۳۷۲	اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہے تو مردوں کے ہی صف میں کھڑا ہوگا	۳۶۰
۳۷۳	نمازی کے سامنے سے کتنی دوری پر گذر سکتے ہیں؟	۳۶۱
۳۷۴	صفوں کا سیدھا کرنا سنت مؤکدہ ہے	۳۶۲
۳۷۵	امام کے پیچھے، دائیں اور بائیں کیسے شخصوں کو کھڑا ہونا چاہئے؟	۳۶۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷۶	صفیں سیدھی اقامت وتکبیر سے قبل، یا بعد یا کہتے وقت کرایا جائے؟ رسول ﷺ کا طریق عمل کیا تھا؟	۳۶۴
۳۷۷	ہجڑے، عنین یا جس نے خود آلہ تناسل جدا کرالیا ہو، کیا مردوں کی صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں؟	۳۶۶
	باب الاستخلاف	
۳۷۸	امام پر غشی طاری ہوجائے، یا نیند آجائے، یا فوت ہوجائے تو مقتدی اپنی نماز کس طرح پوری کریں؟	۳۶۷
	مفسدات الصلوٰۃ	
۳۷۹	دونوں ہاتھوں سے بار بار کھجانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے	۳۶۷
۳۸۰	عید اضحیٰ کی نماز میں امام رکوع چھوڑ کر سجدہ کرلیا۔ لقمہ دینے پر سجدہ سے اٹھ کر رکوع کرکے سجدہ سہو کے ساتھ نماز ادا کی نماز ہوگئی	۳۶۷
۳۸۱	حالت نماز میں کسی رکن میں اردو کے الفاظ زبان سے نکالنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے	۳۶۸
۳۸۲	کوٹ پتلون پہن کر نماز ہوجاتی ہے، البتہ خلاف مستحب ہے	۳۶۸
	باب مکروہات الصلوٰۃ	
۳۸۳	قبروں پر مساجد بنانے والوں پر رسول اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔ البتہ اگر وہاں کچھ جگہ ہے جہاں قبر نہیں ہے، نہ گندگی ہے، اور وہ جگہ نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کرلی گئی ہے تو نماز بلا کراہت جائز ہے	۳۶۸
۳۸۴ تا ۳۸۵	مسجد کے حجرہ میں قبر ہے اس حجرہ کو مسجد میں شامل کرنے کا ارادہ ہے	۳۷۴
۳۸۶	ایسا سلا ہوا کپڑا جس میں ہاتھ کہنیوں سمیت کھلا ہو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟	۳۷۵
۳۸۷	احرام پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا کیسا ہے؟	۳۷۶
۳۸۸	غصب شدہ اراضی پر بنی مسجد میں نماز مکروہ تحریمی؟	۳۷۸
۳۸۹	عمل کثیر وعمل قلیل کا حکم	۳۷۹
۳۹۰	کرتے کی آستین کو کہنی کے اوپر یا نیچے رکھنا نماز میں کوئی قباحت لاتا ہے یا نہیں؟	۳۷۹
۳۹۱ تا ۳۹۲	قمیص، کرتے، کوٹ وغیرہ کے بٹن کھلے رکھنا مکروہ تنزیہی؟	۳۸۰
۳۹۳	غصب کئے ہوئے کپڑے میں نماز مکروہ	۳۸۰

۳۹۴	نیت کے بعد امام کے دونوں ہاتھ چادر کے اندر چھپ گئے نماز ہوگئی	۳۸۰
۳۹۵	اعتجار کسے کہتے ہیں، اسکا حکم؟	۳۸۱
۳۹۶	عمامہ اس طرح باندھا جائے کہ ٹوپی چھپ جائے	۳۸۳
۳۹۷ تا ۳۹۸	عمامہ نہ باندھ کر نماز پڑھانا زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہوگا؟	۳۸۳
	لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا حکم	
۳۹۹ تا ۴۰۷	اس موضوع پر مختلف فتاویٰ اور اکابر علماء اہلسنت کے آراء	۳۸۴
	چین کا استعمال	
۴۰۸ تا ۴۱۱	دھات کی چین گھڑی کا حکم	۳۹۸
	نوافل کا بیان	
۴۱۲	ہر نفل کا کھڑے ہوکر پڑھنا باعث زیادتی ثواب ہے	۴۰۵
۴۱۳	وتر کے بعد کی دو رکعت نفل محض اتباع سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارادہ سے بیٹھ کر بیٹھنا افضل	۴۰۶
۴۱۴	بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیفیت	۴۰۷
	صلوٰۃ التہجد	
۴۱۵	رمضان کے علاوہ مہینوں میں نفل نماز یا تہجد باجماعت تداعی و مواظبت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے	۴۰۷
۴۱۶	تہجد کے بعد سونا نہ گناہ نہ منع	۴۰۸
۴۱۷	بسلسلۂ نماز اشراق	۴۰۹
	نماز تراویح کا بیان	
۴۱۸	تراویح کی بیس رکعتوں کو ایک ہی نیت سے پڑھ لیا	۴۱۱
۴۱۹	تراویح میں ہر چھوٹی بڑی سورۃ کا پڑھنا جائز ہے	۴۱۱
۴۲۰	تراویح میں ایک بار ختم کلام پاک سنت ہے، اس کا ترک گناہ ہے	۴۱۲
۴۲۱	تراویح میں تیسواں پارہ کا آخری رکوع پڑھ رہا تھا اس میں کچھ آیتیں رہ گئیں	۴۱۳
۴۲۲	بہر حال و بہر صورت سورۃ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا افضل و اولیٰ	۴۱۳

۴۲۳	تراویح میں دو ختم یا تین ختم بلا شبہ افضل ہے	۴۱۴
۴۲۴	تراویح کی نیت میں وقت کا نام لینا ضروری نہیں، کوئی بعد عشاء کا لفظ کہہ دے تو حرج بھی نہیں	۴۱۵
۴۲۵ تا ۴۲۶	ختم تراویح کے دن آخری رکعت میں والناس کے بعد الم تا مفلحون یا پورا پہلا رکوع پڑھنا کتب دینیہ میں منقول ہے	۴۱۵
	وتر کا بیان	
۴۲۷	اگر فرض جماعت سے نہ پڑھی تو وتر جماعت سے نہ پڑھے	۴۱۹
۴۲۸	وتر میں دعائے قنوت کے لئے رفع یدین پر صحابہ کا عمل ہے	۴۱۹
۴۲۹	وتر کی نماز میں منفرد رمضان یا غیر رمضان میں جہر کر سکتا ہے یا نہیں؟	۴۲۱
۴۳۰	جس نے عشاء کا فرض با جماعت نہیں پڑھا وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، اس مسئلہ پر مولوی حیات سنبھلی کے غلط فتویٰ پر تنبیہ	۴۲۱
۴۳۱	اگر دوسری جگہ سے فرض جماعت سے اور تراویح تنہا یا با جماعت پڑھ کر آیا ہے تو وتر کی جماعت میں شریک ہونا بہتر ہے، ورنہ نہیں	۴۲۳
	قنوت نازلہ	
۴۳۲ تا ۴۳۴	قنوت نازلہ کا حکم	۴۲۴
	سجدہ سہو کا بیان	
۴۳۵ تا ۴۳۷	سجدہ سہو کے لزوم کی صورتیں کیا ہیں؟	۴۲۷
۴۳۸	تراویح میں دوسری رکعت میں اگر قعود نہیں کیا نماز فاسد ہوگئی؟ اگر کسی فعل سے سجدۂ سہو واجب نہیں تھا، مگر غلطی سے واجب سمجھ کر کرلیا؟	۴۲۹
۴۳۹ تا ۴۴۰	امام کو صرف لقمہ دینے سے سجدۂ سہو واجب نہیں	۴۲۹
۴۴۱	تین آیتیں پڑھ لینے کے بعد اگر بھولتے ہی رکوع میں چلا گیا، نماز ہوگئی	۴۳۰
۴۴۲	دوسری رکعت میں امام کھڑا ہوگیا۔ لقمہ دینے سے خواہ بیٹھا یا نہ بیٹھا، دونوں صورتوں میں نماز ہوگئی	۴۳۰
۴۴۳	سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، سجدۂ سہو کر لیا نماز ہوگئی	۴۳۰

	قضاء نمازوں کا بیان	
۴۴۳تا۴۴۵	صاحب ترتیب پر قضاء ادا کرنے کیلئے جماعت چھوڑ دینا لازم ہے	۴۳۱
۴۴۶	صاحب ترتیب وہ ہے جس پر پانچ نمازوں کی یا اس سے کم کی قضاء واجب ہے	۴۳۱
۴۴۷	جو سنت فجر قبل فجر نہ پڑھ سکا، وہ وقت مکروہ ختم ہونے پر ادا کرے	۴۳۱
۴۴۸	فرض وسنت فجر دونوں کی قضاء کی روایت معتبرہ آئی ہے	۴۳۲
۴۴۹	عشاء قضاء ہوگئی پہلے قضاء پڑھیں یا فجر کی ادا پڑھیں؟	۴۳۲
	مسافر کی نماز کا بیان	
۴۵۰	مسافر سفر پر نکلنے والا کب شرعی مسافر کہلائے گا	۴۳۳
۴۵۱	مقیم ہونے اور نماز پوری پڑھنے کے شرائط	۴۳۳
۴۵۲	حالت سفر میں قصر ہی پڑھے گا، خواہ پندرہ دن سے زیادہ کی اقامت کی نیت سے سفر پر روانہ ہوا	۴۳۴
	باب احکام المسجد	
۴۵۳	مسجد میں سوال حرام اور دینا مکروہ وممنوع	۴۳۵
۴۵۴	آداب دخول مسجد	۴۳۵
۴۵۵	بارش کی دعاء کے لئے شہر کی کسی ایسی مسجد کو خالی نہ کیا جائے، جس میں نماز جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے۔ نماز جمعہ عیدگاہ میں بھی ہوسکتی ہے	۴۳۵
۴۵۶	مسجد کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں، جہری عبادت کی جگہ سری عبادت میں حرج نہیں، مگر یہ کہ ایسی جہری عبادت جس کے جہر کا سننا فرض وواجب یا سنت مؤکدہ ہو	۴۳۶
۴۵۷	مسجد میں دنیا کی بات کرنے سے عبادت کا ثواب ضائع ہوجاتا ہے	۴۳۶
۴۵۸	تبلیغی جماعت دراصل تضلیلی جماعت ہے	۴۳۶
۴۵۹تا۴۶۲	غیر معتکف کے لئے مسجد میں کھانا، پینا، سونا اور روزہ افطار منع	۴۴۰
۴۶۳	مسجد سے متصل رہنے والوں پر ضروری ہے کہ وہ تلاوت بھی اتنی پست آواز سے کرے کہ مسجد میں نمازیوں کی نماز میں تشویش نہ ہو	۴۴۲

۴۶۴	مسجد کے حجرہ کے سامنے تعمیر شدہ دالان یا صحن کے مسجد یا خارج مسجد ہونے میں اس کے بانی اول کا اعتبار ہے	۴۴۳
۴۶۵	رات کو بیٹھ کر مسجد کی روشنی میں تلاوت وغیرہ کا حکم	۴۴۳
۴۶۶ تا ۴۶۷	مسجد میں کپڑا وغیرہ رکھ کر اپنے کام میں مشغول ہو جانے سے وہ جگہ مخصوص نہیں ہوتی	۴۴۵
۴۶۸	مسجد کا شخصی ملکیت بنانا غلط و باطل ہے	۴۴۶
۴۶۹	مسجد میں بعد نماز تقریر و وعظ سے اگر فتنہ برپا ہو رہا ہو تو اس کا بند کر دینا ہی بہتر ہے	۴۴۶
۴۷۰	اگر چھینٹوں سے مسجد کا کوئی حصہ محفوظ نہ رہ سکتا ہو تو خارج مسجد بھی کپڑے وغیرہ نہ دھوئے جائیں	۴۴۷
۴۷۱	مسجد میں تختی وغیرہ لگانے سے متعلق دارالعلوم دیوبند کے ایک فتویٰ کے سقم کی تفصیل اور صحیح جواب	۴۴۷
۴۷۲	مسجد کے آنچک پر قبضہ کر کے اس پر اپنی عمارت تعمیر کر لینا شدید گناہ ہے	۴۴۹
۴۷۳	خارج مسجد میں نماز کا حکم	۴۴۹
۴۷۴	اگر غیر مقلد مسجد میں آکر فتنہ نہ پھیلاتے ہوں تو ان کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے	۴۴۹
۴۷۵	اپنی خانگی یا دنیاوی معاملات کی بات مسجد میں کرنا سخت منع	۴۵۰
۴۷۶	توسیع مسجد کے لئے نہایت پاک وصاف زمین کی ضرورت ہے	۴۵۰
۴۷۷	ایسے اکھاڑے قائم کرنا جہاں لنگوٹ باندھ کر لوگ ورزش کرتے ہیں حرام ہے، چہ جائیکہ حدود مسجد میں ایسے اکھاڑے قائم کیا جائے، یہ تو اشد حرام ہوگا	۴۵۱
۴۷۸	مسجد میں کھانا پکا کر شب قدر وغیرہ میں نمازیوں کو کھلانا کیسا ہے	۴۵۴
۴۷۹	مسجد کے کسی حصے میں حقہ وغیرہ نہ پیا جائے	۴۵۴
۴۸۰	مسجد میں کمال ادب وخشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہونا چاہئے، بہتر یہ ہے کہ سر پر ٹوپی ہو	۴۵۴
۴۸۱	غیر مسلم کا پیسہ یا مشکوک پیسہ مسجد میں نہ لگایا جائے	۴۵۵
۴۸۲	حدیث کی کتاب نیچے ہو اور قریب میں کوئی چارپائی پر بیٹھا ہو، یہ عمل نامحمود ہے	۴۵۵
۴۸۳	ایک افتادہ قطعہ آراضی ہے، کسی زمانہ میں اس پر نماز ادا ہوتی تھی۔ وہاں مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟	۴۵۶
۴۸۴	ایک شخص کہتا ہے مصلی ہمارا ہے، کیا اس دعویٰ سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے؟	۴۵۶
۴۸۵ تا ۴۸۶	ایک مسجد کے سامان کو قیمتہً یا ہدیتہً دے سکتے ہیں یا نہیں؟	۴۵۷

نمبر	عنوان	صفحہ
۴۸۷	مسجد کے کام کیلئے ریت خریدی گئی، کیا اسے کسی شرط پر دوسری مسجد کو دیا جا سکتا ہے؟	۴۵۸
۴۸۸	مسجد کی رقم اس کے مصارف ضروریہ کے علاوہ دوسرے امور میں خرچ نہیں کی جا سکتی، مسجد کی رقم سے تیار کی ہوئی چیز عاریۃً نہیں دی جا سکتی	۴۵۸
۴۸۹	قبر کو مسجد کے صحن میں شامل کر کے، نماز پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟	۴۵۹
۴۹۰	عیدگاہ کو مسجد بنالیا، کیا اب مسجد کے حکم میں آ جائے گا؟	۴۵۹
۴۹۱	جو مسجد لوجہ اللہ نہ بنائی گئی وہ مسجد ضرار ہے	۴۶۰
۴۹۲	تعمیر مسجد کے لئے جبراً مال جمع کرنے والے سخت گناہ گار ہیں	۴۶۱
۴۹۳	ناجائز پیسے سے مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی ہے	۴۶۲
۴۹۴	توسیع مسجد کے لئے مکانات و دکانات موقوفہ کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم	۴۶۲
۴۹۵تا۴۹۶	مسجد کی جس قدر جگہ نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر لی گئی، اس کی چھت پر یا نیچے حجرہ یا دکان یا مدرسہ وغیرہ بنانا ممنوع	۴۶۳
۴۹۷	کافر و مرتد نے مسجد بنوائی، اس میں نماز کا حکم ان کا پیسہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟	۴۶۴
۴۹۸	جب بانی مسجد کی اجازت سے عام لوگوں نے نماز باجماعت ادا کر لی تو وہ مسجد وقف ہوگئی	۴۶۵
۴۹۹	مسجد کی ایسی تعمیر جدید جو قبر کے احترام کو متاثر کر رہی ہو، ناجائز و حرام	۴۶۸
۵۰۰	مسجد کے صحن میں چھت بنوانا جائز ہے	۴۶۸
۵۰۱	مسجد کی آمدنی کے لئے تعمیر ہونے والے مکان میں کافر اگر مالی تعاون دے تو لینا جائز، اسے تعمیر مسجد کے لئے لینا نہیں کہا جائے گا	۴۶۸
۵۰۲	کسی رافضی کا پیسہ اہل سنت کی مسجد کی تعمیر میں نہ لگایا جائے	۴۶۹
۵۰۳	مسجد کو ڈھا دینے والا بخت نصر، اور ابرہہ کا دوست، فاسق معلن اور حرام کار ہے	۴۶۹
۵۰۴	مسجد بیت کیا ہوتی ہے؟	۴۷۰
۵۰۵	مہاجن سے سود پر رقم لے کر مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا عندالشرع کیسا ہے؟	۴۷۱
۵۰۶	صحن مسجد میں واقع حوض قدیم جو صدقہ جاریہ ہے توسیع کے مقصد سے اسے بند کرنے کے بجائے مناسب ترمیم کے ذریعہ صفوں کی رکاوٹ دور کی جائے	۴۷۲

صفحہ	مسائل	نمبر
۴۷۲	تعمیر مسجد وعیدگاہ میں حلال کمائی کا ہی پیسہ خرچ کیا جائے ،حکومت کی دی ہوئی قبرستان کی خالی زمین پرعیدگاہ بنا سکتے ہیں	۵۰۷
۴۷۴	نمازی کی سہولت کے لئے مسجد کا جدید دروازہ کھول دینے کے بعد اسے بند کرنا نمازیوں کو مسجد میں آنے سے روکنے کے مترادف ہوگا ،ایسا کرنا جائز نہیں	۵۰۸
۴۷۴	محراب کا بیچوں بیچ بنانا ہی سنت قدیمہ ہے	۵۰۹
۴۷۵	مسجد کی توسیع میں قبریں حائل ہورہی ہیں، کیا صورت ہوگی؟	۵۱۰
۴۷۵	قبروں پر مساجد بنانے والوں پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے	۵۱۱
۴۷۶	مسجد کے صحن کے کسی کروٹ یا گوشہ میں مسجد کی آمدنی کے واسطے کوئی دوکان نہیں بنا سکتے	۵۱۲
۴۷۶	مسجد کے لئے نئی خریدی ہوئی زمین اگر نماز کی جگہ کی توسیع کے لئے ہے تو اس میں ناؤن ایریا کی جانب سے فرش لگوانا جائز نہیں ،اس فرش پر نماز مکروہ تحریمی	۵۱۳
۴۷۷	مسجد کی خریدی ہوئی زمین میں بیت الخلاء وغیرہ ضروریات متعلقہ مسجد کی تعمیر کرسکتے ہیں	۵۱۴
۴۷۷	مسجد کے لئے ممبر کا ہونا شرط میں داخل نہیں	۵۱۵
۴۷۷	ایسی جگہ مسجد نہ بنائی جائے جو خطرہ کی جگہ ہو یا دریا میں کٹ جائے کا اندیشہ ہو	۵۱۶
	باب الجمعة (جمعہ کا بیان)	
۴۷۸	نماز جمعہ کن لوگوں پر واجب نہیں اور کیوں؟	۵۱۷
۴۷۹	گاؤں والا جمعہ کے دن شہر آیا اور اسی دن واپسی کا ارادہ ہے تو اس پر جمعہ فرض نہیں، پڑھ لے تو ماجور ہوگا۔	۵۱۸
۴۷۹	کالج میں پڑھنے کے باعث جمعہ کی نماز قضاء کردینا جائز نہیں	۵۱۹
۴۷۹	شہر کی جامع مسجد سے پہلے شہر یا فنائے شہر کی کسی بھی مسجد میں جمعہ ہوسکتا ہے	۵۲۰
۴۸۰	صحت جمعہ وعیدین کے لئے جماعت شرط ہے اور جماعت میں مقتدیوں کی تعداد علاوہ امام کے تین ہونا چاہئے	۵۲۱
۴۸۱	نماز جمعہ کے بعد نعت خوانی وصلوٰۃ وسلام امر مستحسن ہے	۵۲۲
	دیہات میں نماز جمعہ	
۴۸۲	ظہر احتیاطی کے متعلق فقہاء کرام کا موقف اور اختلاف رائے	۵۲۳

۵۲۴ تا ۵۳۰	گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں، جمعہ پڑھ لینے کے بعد فرض ظہر ضرور پڑھے۔ جہاں پہلے سے جمعہ قائم ہے وہاں بخوف فتنہ روکا نہ جائے	۴۸۶
۵۳۱	جمعہ کے بعد چار رکعت دیہات میں بنیت فرض اور شہر میں بنیت سنت پڑھی جائے	۵۰۲
۵۳۲	دیہات میں جمعہ کے بعد چار رکعت فرض ظہر ضرور پڑھی جائے	۵۰۲
	خطبہ جمعہ وعیدین	
۵۳۳ تا ۵۳۶	عربی کے سوا کسی زبان میں خطبہ کا پڑھنا یا خطبہ میں غیر عربی کا کوئی جملہ استعمال کرنا خواہ وہ قرآن وحدیث کا ترجمہ ہو یا اور کوئی وعظ ونصیحت کا جملہ ہو خلاف سنت متوارثہ ہے	۵۰۲
۵۳۷	وقت خطبہ جمعہ ہلکی دو رکعت پڑھ کر خطبہ سننے کے سلسلہ میں مسلم شریف کی ایک حدیث سے وارد ہونے والے شبہ کا جواب	۵۰۷
۵۳۸	جمعہ میں اردو خطبہ کس وقت پڑھا جائے؟	۵۰۸
۵۳۹	درمیان خطبہ اوراد ووظائف اور درود شریف زور سے یا آہستہ پڑھنا درست نہیں	۵۰۹
۵۴۰	خطبہ کے وقت سنتیں ہرگز ہرگز نہ پڑھے	۵۰۹
۵۴۱	جمعہ میں دو خطبوں کا پڑھنا سنت متوارثہ ہے	۵۰۹
۵۴۲	جمعہ کے دن اگر عید ہو جائے تو بعد عید، عید کا خطبہ اور قبل جمعہ، جمعہ کا خطبہ پڑھا جائے گا	۵۱۰
۵۴۳	خطبہ کی اذان اور امام کے کھڑے ہونے کے بعد عربی خطبہ میں، خطبے کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھا جائے	۵۱۰
	مسئلہ اذان ثانی	
۵۴۴ تا ۵۵۰	جمعہ کی اذان ثانی ہو یا اور کوئی اذان مسجد کی کسی ایسی جگہ میں دینا جس کو بانی وواقف مسجد نے نماز پڑھنے کے لئے معین کی ہو، مکروہ ہے	۵۱۱
۵۵۱ تا ۵۵۷	حضرت مصنف کی تحقیق میں بعد اذان ثانی دعا مانگنا مستحب ہے، جواب اذان کے کلمات حاضرین بھی چپکے چپکے ہی پڑھیں، اشہد ان محمد رسول اللہ پر انگوٹھے بھی چوم سکتے ہیں	۵۱۶
	باب العیدین (عیدین کا بیان)	
۵۵۸	عیدین کی نماز شہر وفنائے شہر کی چھوٹی بڑی ہر مسجد میں ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ کو جانا بھی حدیث سے ثابت ہے	۵۲۱

نمبر	عنوان	صفحہ
۵۵۹	عیدین کی نماز میں اگر قصداً بعد تکبیر تحریمہ دو تکبیریں ہی کہہ کر قرأت شروع کر دی نماز مکروہ تحریمی۔ سہواً کی صورت میں سجدۂ سہو لازم، عیدین کی نماز کا طریقہ	۵۲۲
۵۶۰	عید کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، کسی گاؤں میں عیدین کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کہیں قدیم سے ہوتی آرہی ہے تو روکا نہ جائے	۵۲۵
۵۶۱	شہر کی عیدگاہ میں جمعہ کی نماز ہو یا نماز پنجگانہ ہر نماز کا پڑھنا شرعاً درست ہے	۵۲۵
۵۶۲	نمازیوں میں پہلے مردوں کی صف پھر بچوں کی، عیدین میں امراء یا دیگر لوگ اپنے بچوں کو اگلی صف میں نہ کھڑا کریں	۵۲۶
۵۶۳	عورتوں پر عید کی نماز واجب نہیں، بلکہ بعض مرد بھی اس حکم میں داخل ہیں	۵۲۶
۵۶۴	امام تعداد مصلیان کے بڑھنے کی غرض سے نماز کو کچھ مؤخر کر سکتا ہے، کسی شخص خاص (غیر فسادی) کے لئے تاخیر نہ کرے	۵۲۶
۵۶۵ تا ۵۶۶	جمعہ وعیدین کی نماز شہر وفنائے شہر کی کسی بھی مسجد، عیدگاہ، مدرسہ یا خانقاہ، کوئی بڑا مکان، اسکول، کالج کے گراؤنڈ، میدان یا پارک میں ہوسکتی ہے	۵۲۶
۵۶۷	مصر اور فنائے مصر کی تعریف۔ قریہ کبیرہ کسے کہتے ہیں، جمعہ کا خطبہ فرض ہے، عیدین کا خطبہ مسنون۔ بقیہ شرائط وجوب وادا وصحت جمعہ وعیدین کے ایک ہیں	۵۲۸
۵۶۸	عیدین کی نماز سے پہلے کسی مخصوص الفاظ سے نداء کرنا جائز ہے	۵۳۰
۵۶۹	عیدین میں جس کی ایک رکعت چھوٹ گئی وہ کس طرح نماز ادا کرے؟	۵۳۱
۵۷۰	عید اضحی کے دن نماز سے قبل کھانے پینے سے رکا رہنا مستحب ہے۔ جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ پہلی ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک حجامت نہ بنوائے	۵۳۲
۵۷۱	عید اضحی کی نماز کے رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بجائے تکبیر تشریق پڑھنا مفسد صلوٰۃ تو نہیں، مگر ترک سنت مؤکدہ کی وجہ سے گناہ ہے	۵۳۳
۵۷۲	دیہات میں قربانی قبل نماز یا بعد نماز	۵۳۴

۵۷۳	**باب العقیقه**	۵۳۵
	باب الجنازة (جنازہ کا بیان)	
۵۷۴	مردے کو غسل دینے سے نہ صابن نجس ہوتا ہے نہ صابن دانی	۵۳۷
۵۷۵	پانچ سال کی لڑکی کو کوئی بھی غسل دے سکتا ہے؟	۵۳۷
۵۷۶	دس سال کی لڑکی کو مرد نے غسل دیا، حکم شرع؟	۵۳۷
۵۷۷تا۵۸۱	بعد موت شوہر و بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو دیکھ سکتا ہے۔ بیوی عدت میں ہو تو شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، بوقت مجبوری غسل کے بجائے تیمم کرادے	۵۳۸
۵۸۲	کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا؟	۵۴۲
۵۸۳	جوان عورت میت کو غسل دینے کے ارادے سے گھر سے باہر نہ نکلے۔ جو اناج خیرات کے ارادے سے قبرستان کو لے جایا جاتا ہے، اسے مزدوری میں شامل نہیں کرنا چاہئے	۵۴۲
۵۸۴	میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں ہوتا	۵۴۳
۵۸۵	غسل میت کے لئے نیت فرض و واجب نہیں، نابینا اگر طریقہ غسل سے واقف ہے تو کسی کی مدد سے غسل دے دے تو حرج نہیں	۵۴۳
۵۸۶	میت کے قریب قرآن پڑھنا کیسا ہے؟	۵۴۳
۵۸۷	میت کو غسل کے بعد سرمہ لگانا فعل عبث ہے	۵۴۵
	نماز جنازہ کا بیان	
۵۸۸تا۵۸۹	بدعقیدہ کی نماز جنازہ کا حکم	۵۴۵
۵۹۰	جوتے پہن کر نماز جنازہ نہ ادا کرے	۵۴۶
۵۹۱	نماز جنازہ کی نیت اردو میں	۵۴۷
۵۹۲	فرض نماز کے بعد کی سنتیں ادا کر کے ہی نماز جنازہ پڑھے	۵۴۷
۵۹۳	نماز جنازہ کے ارکان	۵۴۷
۵۹۴	میت کی چارپائی کو بالشت بھر دھسانے کا قول مبنی بر جہالت ہے۔ نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟ نماز جنازہ کی صفوں کے درمیان فصل و بعد کی کوئی مقدار شرعاً معین نہیں	۵۴۸

نمبر	عنوان	صفحہ
۵۹۵	مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے	۵۴۹
۵۹۶	قبرستان میں نماز جنازہ کا حکم، مرد و عورت دونوں کی نماز جنازہ میں امام سینے کے مقابل ہی کھڑا ہو؟	۵۵۰
۵۹۷	نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اس کا منکر کافر ہے	۵۵۲
۵۹۸	بے اجازت ولی نماز جنازہ امام پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟	۵۵۴
۵۹۹ تا ۶۰۰	نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا جائز ہے	۵۵۵
۶۰۱	ولد الزنا کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی	۵۵۶
۶۰۲ تا ۶۰۳	خواہ کتنا ہی بڑا گناہ گار ہو، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی۔ امام و مقتدی دونوں دعائے میت پڑھیں، بہتر یہ ہے کہ نماز والی درود شریف پڑھے۔ اوقات مکروہہ میں دفن میت بلا شبہ جائز ہے	۵۵۷
۶۰۴	میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے پر وارد ایک شبہ اور اس کا تفصیلی جواب	۵۵۸
۶۰۵ تا ۶۰۶	جذامی کو غسل دیا جائیگا، نماز پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائیگا	۵۷۳
۶۰۷	بعد اذان قبل جماعت نماز جنازہ ہو سکتی ہے، مسجد میں آنے والے نمازی بغیر باجماعت نماز پڑھے جنازہ کے ساتھ قبرستان کو نہ جائیں۔ جنازہ کے لئے کئے گئے وضو سے فرض نماز پڑھ سکتے ہیں؟	۵۷۴
۶۰۸	نماز جنازہ پڑھنے کے معاملہ میں بچہ اپنے والدین کے عقیدہ کا تابع ہوگا	۵۷۵
۶۰۹	چند افراد مرد و عورت نابالغ لڑکا لڑکی سب کی نماز جنازہ ایک ساتھ ہو سکتی ہے؟	۵۷۵
۶۱۰ تا ۶۱۱	جنازہ کو جب اٹھا کر لے چلیں تو سر آگے ہو اور پاؤں پیچھے	۵۷۵
۶۱۲	نابالغ بچوں کے کفن کی بندشیں بھی کھول دی جائیں؟	۵۷۶
۶۱۳	قبر میں شجرہ رکھنا مندوب و مستحسن ہے	۵۷۶
۶۱۴	مردے کو قبر میں تہبند پہن کر اتاریں یا پائجامہ پہن کر؟	۵۷۷
۶۱۵	کسی بھی عمر کا بچہ ہو اسے قبرستان ہی میں دفن کیا جائے گا، جنگل میں دفن کرنا جہالت کی بات ہے	۵۷۸
۶۱۶	ہجڑا اگر مسلمان ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟	۵۷۸
۶۱۷	برص والے کو بھی تندرستوں کی طرح قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟	۵۷۹
۶۱۸	نابالغ بچوں سے بھی نکیرین سوال کرتے ہیں، انہیں فرشتے جواب سکھا دیتے ہیں	۵۷۹

	اذان قبر	
۶۱۹ تا ۶۲۰	قبر پر اذان دینا کیسا ہے؟	۵۷۹
۶۲۱	میت کے دفن کے بعد قبر کے قریب اذان دینا جائز ہے	۵۸۳
۶۲۲	جنازہ اگر وقت مکروہہ میں آجائے تو اسی وقت نماز پڑھ لی جائے، لیکن وقت مکروہہ سے پہلے آجائے اور وقت مکروہہ میں ادا کی جائے، یہ مکروہ ہے	۵۸۳
	احکام قبر	
۶۲۳	عوام کے خواب شریعت میں معتبر نہیں	۵۸۴
۶۲۴	قبر مومن کو محفوظ رکھتے ہوئے قبر کی جگہ کو کام میں لانا جائز و درست ہے	۵۸۵
۶۲۵	تعمیر مزار، تحویل میت	۵۸۵
۶۲۶	قبر کی مٹی اٹھانا اس کی اہانت ہے، ایسا شخص سخت گناہ گار، موجب غضب جبار ہے	۵۸۷
۶۲۷	کسی کے قبرستان میں مالک کی اجازت کے بغیر مردے دفن کرنا ناجائز و حرام ہے، قبر پر چلنا گناہ	۵۸۷
۶۲۸	بعد دفن چھ ماہ بعد قبر پر ہل چلانے کی کوئی حدیث نہیں؟	۵۹۱
۶۲۹	متعلق بہ دفن در قبرستان صحن مسجد	۵۹۲
۶۳۰	زید اپنی ملکیت والے قبرستان کی گھیرا بندی کر سکتا ہے، کسی کو روکنے کا حق نہیں	۵۹۲
۶۳۱	جو قبرستان قبروں سے بھرا ہوا اس میں مسجد یا مکان بنانا جائز نہیں	۵۹۳
۶۳۲	بغیر میت قبر کا بنانا ناجائز و ممنوع --- اصل جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کا بنانا درست نہیں	۵۹۳
۵۳۳	اگر قبرستان گھاس کا ایسا جنگل بن جائے کہ دفن و زیارت میں پریشانی ہو تو بہتر یہ ہے کہ اسے کاٹ کر بیچ دیا جائے اور اس کا پیسہ قبرستان کے کام میں لایا جائے	۵۹۳
۶۳۴	فتویٰ متعلق بہ تنازعہ اراضی قبرستان و مسجد	۵۹۵
۶۳۵	حضور کی نماز جنازہ ---اس موضوع پر طویل تحقیقی فتویٰ ملاحظہ فرمائیں	۵۹۵
	کتاب الصوم	
۶۳۶	روزہ رکھنے کی حکمت	۶۱۱

نمبر	عنوان	صفحہ
۶۳۷ تا ۶۳۹	حالت روزہ میں انجکشن لگانے کا حکم	۶۱۱
	مکروہات روزہ	
۶۴۰	تھوک و کھنکار نگل جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۶۱۵
۶۴۱ تا ۶۴۲	برش و پیسٹ سے دانت صاف کرنے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا	۶۱۶
۶۴۳	افطار و سحری کے لئے مسجد کے منذنہ کو چھوڑ کر گاؤں کی کسی بھی جگہ سے اذان دی جاسکتی ہے	۶۱۶
۶۴۴	بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکنے کی وجہ کر اس پر قضاء ہے،، کفارہ نہیں	۶۱۷
۶۴۵	افضل یہ ہے کہ دسویں محرم کے ساتھ نویں یا گیارہویں کو بھی روزہ رکھے	۶۱۷
۶۴۶ تا ۶۵۸	**مسئلہ رویت ھلال**	۶۱۸
	کتاب الزکاۃ (زکوٰۃ کا بیان)	
۶۵۹	پراویڈنٹ فنڈ (Provident Fund) پر زمانہ ملازمت میں زکوٰۃ واجب نہیں	۶۳۴
۶۶۰	ہر سال زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے	۶۳۴
۶۶۱	بیوی کا دین مہر وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے	۶۳۵
۶۶۲	فرضیت زکاۃ کیلئے مال پر قبضہ ضروری ہے	۶۳۶
۶۶۳	امانت دار مالک کی اجازت سے رقم خرچ کرسکتا ہے، مگر اس کی زکوٰۃ اصل مالک ہی ادا کرے گا	۶۳۶
۴۶۴	کتاب مرآۃ الواعظین کے مصنف کی غلطی	۶۳۷
۶۶۵	سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے، کس طرح نکالی جائے؟	۶۳۷
۶۶۶	مدیون مفلس کو دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ	۶۳۸
۶۶۷	سونا چاندی ہے، نقد رقم نہیں ہے، مقروض بھی ہے، کیا وہ صاحب نصاب ہے؟	۶۳۹
۶۶۸	نابالغ پر صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ فرض نہیں	۶۳۹
۶۶۹	قرض لینے والا منکر ہوگیا۔ پانچ سال بعد رقم واپس کرتا ہے، زکوٰۃ کب سے ادا کرے؟ زیورات زمین میں دفن کردیا تھا، ایک سال بعد تلاش کیا نہیں ملا، دس سال بعد مل گیا۔ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟	۶۴۱

۶۷۰	تین بھائیوں نے بہنوں کی شادی کے لئے اپنی کمائی سے کچھ رقم بچا کر جمع کی، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟	۶۴۲
۶۷۱	مشترکہ طور پر مال نصاب کو پہونچتا ہے، انفرادی طور پر نہیں پہونچتا ہے، تو کیا زکوٰۃ فرض ہے؟	۶۴۲
۶۷۲	سونے چاندی میں چاندی کی قیمت کے اعتبار سے اگر صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ فرض ہے	۶۴۲
۶۷۳	زید نے بطور امانت کسی کو کچھ رقم دی اور اسے کاروبار میں لگانے کی بھی اجازت دے دی۔ اگر وہ اس کی زکوٰۃ کی رقم اس سے لیتا ہے تو اصل رقم میں مجرا و محسوب ہوگی، منافع کا حقدار نہیں ہوگا	۶۴۳
	عشر کا بیان	
۶۷۴ تا ۶۷۵	ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری؟	۶۴۳
۶۷۶	عشر کی حقیقت، عشر واجب ہے یا فرض؟ باغات اور ترکاریوں میں عشر کس طرح نکالا جائے؟	۶۴۶
۶۷۷	جس زمین کا خراجی ہونا کسی طرح معلوم نہ ہو سکے تو اس میں عشر ہی دینا ہوگا	۶۴۸
۶۷۸	کالی ہو یا سفید ہر قسم کی روئی میں عشر نکالنا واجب ہے	۶۴۸
	مصارف زکوٰۃ وعشر	
۶۷۹	اہلسنت کے مدارس کے علاوہ کسی فرقہ اسلام کے مدارس کی امداد و اعانت ناجائز و حرام ہے	۶۴۸
۶۸۰ تا ۶۸۲	ہر مسکین مستحق زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ وفطرہ کی رقم مسجد میں نہیں لگائی جا سکتی	۶۴۹
۶۸۳	جو مالدار باپ کا بیٹا ہے کیا وہ فطرہ زکوٰۃ کا مال کھا سکتا ہے؟	۶۵۰
۶۸۴	انجمن اسلام میں زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ کی رقم جمع کرنا کیسا ہے؟ کیا اسے بیت المال کہنا درست ہوگا؟	۶۵۰
۶۸۵	زکوٰۃ کی مد کا روپیہ تبلیغ کے کام پر خرچ نہیں کیا جا سکتا	۶۵۱
۶۸۶	قرض لینے والا قرض ادا نہ کر سکا، قرض دینے والا اسے بشکل زکوٰۃ چھوڑنا چاہتا ہے، کیا زکوٰۃ ادا ہوگی؟	۶۵۱
۶۸۷	عشر کی رقم نہر کی مرمت میں خرچ نہیں کی جا سکتی	۶۵۲
۶۸۸	صاحب نصاب ہونا کیسے معلوم کیا جائے؟	۶۵۲
	صدقہ فطر	
۶۸۹	فطرہ کی مقدار میں جو اناج اور پھل مقرر کئے گئے ہیں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی	۶۵۲

۶۹۰	صاع کی تحقیق	۶۵۳
۶۹۱	صاع کا وزن ۲۷۰ تولہ ہے	۶۵۹
	حیلہ شرعیہ	
۶۹۲ تا ۶۹۵	جب زمین مدرسہ و مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی تو نیچے مدرسہ اوپر مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں حیلہ شرعیہ کے بغیر مدرسہ و درگاہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتے۔ حیلہ شرعیہ کا طریقہ	۶۵۹
۶۹۶	زکوٰۃ کے فنڈ سے قبرستان کی چہار دیواری نہیں کرائی جا سکتی	۶۶۵
۶۹۷	درس عالیہ اور درس نظامیہ کے مدارس میں چندہ دینا	۶۶۵
۶۹۸	صدقات نافلہ سادات کرام کو دے سکتے ہیں	۶۶۶
۶۹۹	صدقات نافلہ میں دینے کے لئے کسی چیز کی تعیین شرط نہیں	۶۶۷
۷۰۰	فتاویٰ رضویہ میں کہیں نہیں کہ قربانی کی کھال مثل زکوٰۃ و فطرہ وغیرہا صدقات واجبہ ہیں	۶۶۷
۷۰۱	چرم قربانی میں تملیک مثل زکوٰۃ کی کوئی ضرورت نہیں۔ علماء دیوبند کا اس سلسلہ میں موقف بے دلیل	۶۶۹
۷۰۲	مصرف چرم قربانی پر ایک محققانہ فتویٰ	۶۶۹
۷۰۳	چرم قربانی دینی مدارس کے علاوہ دنیوی مدارس میں دینا کیسا ہے؟	۶۸۵
	کتاب الحج (حج کا بیان)	
۷۰۴	آئندہ کی آمدنی کی امید پر کوئی شخص مستطیع نہیں ہوگا اور اس پر حج فرض نہیں ہوگا	۶۸۷
۷۰۵	ایک شخص صرف ان روپوں کی زکوٰۃ نکالنا چاہتا ہے جو حج میں خرچ ہونگے، کیا اس کا یہ عمل صحیح ہے؟	۶۸۷
۷۰۶ تا ۷۰۷	جس مستطیع شخص پر حج فرض ہے پہلے وہ اپنا حج فرض ادا کرے، پہلے والدین کو حج کرانا لازم نہیں	۶۸۷
۷۰۸	ایک متعین منافع طے کر کے کسی کو تجارت کے لئے پیسے دینا اور نقصان سے کوئی تعلق نہ رکھنا ناجائز ہے، ایسی رقم سے ہرگز ہرگز حج نہ کرے	۶۸۸
۷۰۹ تا ۷۱۱	بغیر محرم سفر حج کرنا جائز نہیں، اگر محرم نہ ہو تو اس پر حج واجب ہی نہیں ہوتا	۶۸۹

	حج بدل	
۷۱۲	ایسے شخص کو حج بدل کے لئے بھیجنا جائز و درست ہے جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، لیکن افضل و اولیٰ یہ ہے کہ جو حج فرض ادا کر چکا ہو اس کو بھیجا جائے	۶۹۲
۷۱۳	عورت کی طرف سے مرد اور مرد کی طرف سے عورت حج بدل کر سکتی ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت حج نہ کرے	۶۹۲
۷۱۴	حج بدل فرض کے لئے شرط یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اس کے وطن و منزل سے سفر شروع کرے	۶۹۳
	حج نفل	
۷۱۵ تا ۷۱۶	سفر حج کے اخراجات میں جزوی مدد بھائی دینے کو تیار ہے، بال بچوں کے اخراجات کا بھی بھائی متکفل ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں سفر حج جائز ہے	۶۹۳
۷۱۷	دس عمرہ کیا، دو مرتبہ حجامت کرایا باقی میں بغیر حجامت احرام کھول دیا؟	۶۹۴
۷۱۸	بڑے جانور کے قربانی کے حصے سے متعلق	۶۹۸
	حیلۂ شرعیہ برائے حج فرض	
۷۱۹	بعض بیوہ عورتیں حج کے ارادے سے بمبئی پہونچ جاتی ہیں، وہاں علم ہوتا ہے تنہا سفر حج درست نہیں، پھر وہاں کسی ہمراہی کے ساتھ نکاح کر لیتی ہیں، کیا اس نکاح کی حیثیت متعہ یا نکاح موقت کی ہے، اس مسئلہ پر شاندار تحقیق	۶۹۹

فتویٰ مبارکہ

صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد نعیم الدین قادری اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان

بانی جامعہ نعیمیہ مراد آباد، یوپی

(استاذ مکرم مصنف ''حبیب الفتاویٰ'' علیہ الرحمۃ)

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین علمائے حنفیہ کرام کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں۔ یعنی بعض صاحب کہتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ مطلقا جائز نہیں۔ یہ کہنا انکا صحیح ہے یا غلط۔ ہمارے اطراف کے دیہات میں بہت سے ایسے گاؤں ہیں جسمیں نمازی مکلف اسقدر ہیں کہ اگر وہ سب آئیں تو مسجد میں نہ سمائیں۔ ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔ قدیم سے ان گاؤں میں جمعہ ہوتا تھا۔ منع کرنیوالے و چھوڑنے والے کا کیا حکم ہے (۲) جس گاؤں میں دو تین مسجدیں نہ ہوں ایک ہی ہو اور اسمیں اتنے نمازی مکلف ہوں کہ مسجد بھر جائے اور لوگ بچ رہیں تو اسمیں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کس کے قول سے۔ زید شرح وقایہ و در مختار کا حوالہ دیکر جائز کہتا ہے (عبارت شرح وقایہ) شرط لادائها مصر هو موضع اذا اجتمع اهله فی اکبر مساجده اهله مصیر (عبارت در مختار) یشترط لصحتها المصر و هو مالا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها (و نیز در مختار میں) و نصه و علیه فتوی اکثر الفقهاء قال علیه العلامة الشامی قال ابو شجاع هذا احسن ما قیل فیه و علیه مشی فی الوقایة و متن المختار و شرحه وقایة فی متن الدرر علی القول الاخیر وایده صدر الشریعة هو صحیح. زید کا یہ حوالہ دیکر جائز کہنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا!

الجواب: مصر بلاشبہ جمعہ کے شرائط صحت میں سے ہے۔ الدر المختار میں ہے۔

و یشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر.

اور مصر کی تعریف میں بہت اقوال ہیں۔ منجملہ انکے وہ قول بھی ہے جسکو زید نے نقل کیا۔ گو اس نے نقل عبارت میں احتیاط نہ کی۔ در مختار میں زید کی نقل کردہ عبارت کے بعد ہی موجود ہے۔

و ظاهر المذهب انه کل موضع له امیر و قاض یقدر علی اقامة الحدود.

یعنی ظاہر مذہب یہ ہے کہ مصر ہر وہ موضع ہے جسکے لئے ایسا امیر و قاضی ہو جو اقامت حدود پر قدرت رکھے یہی ظاہر روایت ہے، یہی امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، اسی کو ائمہ نے اصح فرمایا۔

بحر میں ہے۔

و فی حدالمصر اقوال کثیرة اختاروا منها قولین احد هما ما فی المختصر ثانیهما

ما عز وہ لا بی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سکک و اسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه او علم غیره و الناس یرجعون الیه فی الحوادث قال فی البدائع و هو الاصح۔

اور وہ روایت جو زید نے نقل کی اس کے مقابل غیر معتبر ہے۔ حتی کہ اسکی بناء پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی مصر نہیں رہتے۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ میں فرماتے ہیں۔

والفصل فی ذالک ان مکة والمدینة مصر ان تقام بهما الجمعة من زمنه علیه الصلوة والسلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احد هما فهو مصر فکل تفسیر لا یصدق علی احد هما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتاخرین کصاحب المختار و الوقایة وغیر هما و هو ما لواجتمع اهله فی اکبر مساجده لا یسعهم فانه منقوض بهما اذ مسجد کل منهما یسع اهله و زیادة ولم یعلم ان مکة والمدینة فی زمن النبی علیه السلام و اصحابه کان اکبر مما هی الان ولا ان مسجد هما کان اصغر مما هو الان فلا یعتبر هذا التعریف۔

اب معلوم ہوگیا کہ وقایہ کی تعریف جو زید نے نقل کی، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پر بھی صادق نہیں آتی۔ لہذا وہ معتبر نہیں۔ تو روایت ظاہرہ معتمدہ کے بموجب ان دیہات میں جمعہ صحیح نہ ہوگا جہاں ظالم ومظلوم کے انصاف پر قدرت رکھنے والا حاکم موجود نہ ہو، لیکن احتیاط یہ ہے کہ اگر ایسے دیہات میں جمعہ پڑھا جاتا ہو تو وہاں ظہر ضرور پڑھی جائے۔ کافی میں ہے۔

ثم فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة کو قوع الشک فی المصر او غیره و اقامة اهله الجمعة ینبغی ان یصلی بعد الجمعة اربع رکعات وینوی بهاالظهر حتی لو لم یقع الجمعة موقعها یخرج عن عهدة فرض الوقت بیقین۔

علامہ ابن عابدین منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں فرماتے ہیں۔

والا حتیاط فی القریٰ ان یصلی السنة اربعاثم الجمعة ثم ینوی اربعا سنة الجمعة ثم یصلی الظهر ثم رکعتین سنة الوقت فهذا هو الصحیح المختار ا۔

یعنی دیہات میں احتیاط یہ ہے کہ چار سنتیں پڑھے، پھر جمعہ، پھر چار سنت، بہ نیت سنت جمعہ، پھر ظہر، پھر دو رکعت سنت بہ نیت وقت۔ یہی صحیح مختار ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

کتبه العبد المعتصم بحبل اللّٰه المتین محمد نعیم الدین المرادآبادی غفرله۔

نوٹ: یہ فتویٰ مبارکہ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کے رجسٹر فتاویٰ میں دستیاب ہوا۔ اس قیمتی سرمایہ کی حفاظت، افادۂ عام نیز حصول برکت کے مقصد سے اسے شائع کیا جارہا ہے۔ (سیف خالد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب العقائد (عقائد کا بیان)

عقائد متعلقہ باری تعالیٰ عز اسمہ

مسئلہ ۱: کیا جس ہمیشہ سے اللہ ہے اس ہی ہمیشہ سے اللہ خود اپنی ذات کو اور سب ہی صفاتوں کو اور ازل کو اور ابد کو جانتا ہے اور جس ہمیشہ اللہ رہے گا اس ہمیشہ ان سب کو جانتا ہی رہے گا۔

مسئولہ عبدالہادی محلہ کٹھرہ پورنجابت بر مکان محمد قاسم شہر مراد آباد یوپی مورخہ ۱۱ دسمبر ۵۳ء

الجواب: بعون الملک الوهاب بسم الله الرحمن الرحیم نحمده و نصلی علی حبیبه الکریم اہل سنت و جماعت کے یہاں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی صفت علم بھی ہے۔ اسکی تمام صفتیں ازلی ابدی ہیں وہ اپنے علم قدیم و واجب سے شی علم ہے۔ ہمیشہ عالم رہا اور عالم رہیگا وہ اپنی اس صفت ازلیہ علم سے تمام مخلوقات و کائنات علویات و سفلیات اول و آخر، باطن و ظاہر، سر و جہر، بر و بحر، جواہر و اعراض، افعال و اعمال، اقوال و احوال، مشاہدات و مغیبات، جزئیات و کلیات، موجودات و معدومات، ممکنات و واجبات، جائزات و مستحیلات، ذوات و صفات غرض ہر چیز و ہر شی کو بروجہ کمال و بر طریق احاطہ جانتا ہے اور جانتا رہا اور جانتا رہے گا۔ حتی کہ وہ اپنے علم ازلی ابدی غیر متناہی ذاتی سے اپنی ذات اور صفات کو بھی جانتا ہے بلکہ صفت علم کو بھی جانتا ہے اسکے علم سے کوئی ذرہ مخفی نہیں۔ قال اللہ تعالی ﴿وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [البقرہ: ۲۹] (وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے)۔ و قال عز اسمہ ﴿يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ [الحاقۃ: ۱۸] (اس دن تم لوگ پیش کئے جاؤ گے نہ چھپ سکے گی تم میں سے کوئی چھپنی والی ہستی) (معارف القرآن)۔ و قال عز و علا ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ [الملک: ۱۴] (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا فرمایا اور وہی باریک بیں خبردار ہے) (معارف)۔ و قال جل شانہ ﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الانعام: ۵۹] (اور اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں نہیں بتا تا مگر وہی اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں اور نہ تر اور نہ خشک مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے) (معارف)۔ و قال تبارک و صفہ ﴿وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ [الانعام: ۶۰] (وہ ایسا ہے کہ وفات دیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو تم دن میں کما چکے ہو۔ پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ پوری کر دی جائے میعاد مقرر) (معارف)۔ و قال تقدس برھانہ ﴿اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرہ: ۳۰] (بے شک میں جانتا ہوں جو تم کچھ نہیں جانتے)۔ و قال تعظم سلطانہ ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل:٦٥] (کہہ دو کہ نہیں بتا سکتا کوئی آسمان والا اور زمین والا غیب کو مگر اللہ)۔شرح فقہ اکبر ص ۱۸ میں ہے۔

(والعلم) ای من الصفات الذاتية و هی صفة ازلية تنكشف المعلومات عند تعلقها بها، فالله تعالیٰ عالم بجميع الموجودات لا يعزب عن علمه مثقال ذرة فی العلويات والسفليات وانه تعالیٰ يعلم الجهر والسر وما يكون اخفیٰ منه من المغيبات بل احاط بكل شيی علما من الجزئيات والكليات والموجودات والمعدومات والممكنات والمستحيلات وهو بكل شيی عليم من الذوات والصفات بعلم قديم لم يزل موصوفا به علی وجه الكمال لا يعلم حادث حاصل فی ذاته بالقبول والانفعال والتغير والانتقال تعالی الله عن ذلک شانه و تعظم عما نهاک برهانه. صفات ذاتیہ میں سے ایک صفت علم ہے۔ یہ ایک صفت ازلیہ ہے جس سے معلومات منکشف ہو جاتے ہیں، جب ان کا تعلق اس صفت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا جاننے والا ہے۔ اس کے دائرۂ علم سے ایک ذرہ برابر کوئی چیز باہر نہیں۔ ان چیزوں کا تعلق خواہ علویات سے ہو یا سفلیات سے۔ اللہ تعالیٰ کھلے اور چھپے کو جانتا ہے نیز امور غیب میں سے جو اس سے بھی اخفیٰ ہے اس کا بھی عالم ہے۔ بلکہ تمام جزئیات وکلیات، موجودات ومعدومات، ممکنات و محالات کے علم کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ جملہ ذوات وصفات کو اپنے علم قدیم سے جانتا ہے۔ کمال کے انتہائی درجہ پر اس صفت سے موصوف ہے۔ قبول وانفعال اور تغیر وانتقال کا لاحق ہونا اس کی ذات میں محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے برتر ہے اور اس کا برہان اس سے عظیم ہے۔ والله سبحانه و تعالی اعلم.

مسئلہ ۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عالم کا مبدا کیا ہے اور کس مقولہ سے ہے اور کس محقق کا کیا مذہب ہے؟

مسئولہ محمد بدرالدجیٰ اشرفی خادم مدرسہ اشرفیہ نعیمیہ چوراچوک پوسٹ تینور ضلع مغربی دیناجپور

الجواب: حضرت رب العزت جل وعلا تبارک وتعالیٰ قادر مطلق اور خلاق عالم ہے۔ وہ عالم کے پیدا کرنے میں کسی مبدأ کا محتاج نہیں۔ اس نے عناصر واجسام واعراض سب کو اپنے حکم اور امر تکوینی سے پیدا فرمایا۔ کوئی مادہ کوئی عنصر نہ تھا، نہ کوئی صورت تھی۔ بغیر ان اسباب ومبادی کے اس نے عالم کو پیدا فرما دیا۔ قال الله تبارک تعالیٰ ﴿اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [یٰس: ۸۲] (اس کا یہی کام ہے کہ جب چاہا کسی چاہے کو تو حکم دے اسے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے)۔ و ورد فی الحديث كان الله ولم يكن معه شئی. (حدیث میں وارد ہوا کہ اللہ ہی تھا اور اس کے سوا کوئی چیز نہیں تھی) اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے۔ مطلق عالم کیلئے کسی مقولہ خاص سے ہونیکا حکم نہیں دیا جا سکتا اسلئے کہ اقسام عالم میں اعیان وجواہر اور اجزاء لا تتجزأ اور اعراض (باختلاف اقوال) بھی داخل ہیں۔

اسلئے مطلق عالم پر کسی خاص عقولہ سے ہونے کا حکم لگانا درست نہ ہوگا۔ فلاسفہ نے عالم میں سے اجسام کیلئے ہیولیٰ اور صورت کو مبدا قرار دیا ہے لیکن یہ اسلامی نظریہ کے اعتبار سے باطل محض ہے۔ اسلئے کہ ہیولیٰ اور صورت کے مبادی کی تعیین سے فلاسفہ قاصر ہیں۔ اسی طرح اعراض کے مبادی کا تعین بھی فلاسفہ سے نہ ہو سکا۔ ھذا ما عندی و اللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔

مسئلہ ۳: خلف وعید کی کیا تعریف ہے؟ اہل سنت و جماعت کے نزدیک خلف جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ......، ۲۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۷ر نومبر ۱۹۶۲ء

الجواب: کسی فعل قبیح کے ارتکاب پر مستحق عتاب و عقاب قرار دینا وعید ہے اور ایسے افعال کے مرتکب پر از راہ کرم و بخشش اور عفو و رحمت عتاب نہ فرمانا بلکہ درگزر فرمانا خلف وعید ہے۔ خلف وعید باری تعالیٰ کیلئے محال ہے۔ بعض علماء اہلسنت اشاعرہ نے اسکو حق تعالیٰ کیلئے جائز قرار دیا ہے۔ و اللہ سبحانہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ٤: خلف وعد باری تعالیٰ اور خلف وعید باری تعالیٰ کا کیا مطلب ہے؟

مسئولہ......، ۹ر اگست ۱۹۶۲ء

الجواب: صورت اُولیٰ میں اکرام و انعام کا نہ عطا فرمانا خلف وعد ہے اور صورت ثانیہ میں عقاب نہ فرمانا خلف وعید ہے۔ جمہور علماء و فقہاء اہلسنت کے نزدیک خلف وعد اور خلف وعید باری تعالیٰ کے لئے دونوں محال ہیں۔ اور بعض علمائے اہل سنت اشاعرہ صرف خلف وعید کو حق تعالیٰ کے لئے جائز قرار دیتے ہیں۔ و اللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امام کے بارے جو دوران گفتگو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیدیا، اب خدا کے پاس کیا گھنٹہ رکھا ہے۔ (نعوذ باللّٰہ) واضح رہے کہ عوام کے نزدیک گھنٹہ کہہ کر ایک قبیح معنی کی طرف اشارہ مراد لیا جاتا ہے؟

مسئولہ عبد الستار متولی، مسجد کھپیان اتواری، ناگپور، ۲۵ر ستمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: امام مذکور کا یہ کہنا اللہ تعالیٰ نے سب کچھ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دیا۔ اب خدا کے پاس کیا گھنٹہ رکھا ہے۔ کفر صریح اور حضرت حق رب العزت جل وعلا کی کھلی ہوئی توہین ہے اور شان باری تعالیٰ کی سخت ترین تنقیص ہے۔ امام مذکور اس کلمہ کے کہنے ہی سے کافر و مرتد ہو گیا۔ اس کی امامت جائز نہیں۔ ایسے امام کو منصب امامت سے فوراً بلا تاخیر علحدہ کر دیا جائے۔ چونکہ امامت کی پہلی شرط اسلام ہے۔ کافر کی امامت کسی طرح جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی مطبوعہ کلکتہ ص ۳۶۳ میں ہے۔

> یکفر اذاوصف اللّٰہ تعالی بمالایلیق به اوتسخرباسم من اسمائه اوبامرِمن او امره اوانکروعده ووعیده اوجعل له شریکا اوولدااوزوجة اونسبه الی الجهل اوالعجزا اوالنقص۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ایسی صفت سے متصف کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں، تو اس کی تکفیر کی جائے گی، یا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام یا اس کے کسی حکم کا مذاق بنایا، یا اس کے وعدہ وعید کا انکار کیا، یا

اس کے لیے کوئی شریک یا اولاد یا بیوی ٹھہرایا یا اس کی طرف جہل یا نقص یا عجز کی نسبت کی تو ان سب صورتوں میں تکفیر کا حکم لگایا جائے گا۔

نور الایضاح مصری ص ۱۷۳ میں ہے۔

وشروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الاسلام. صحت مند مردوں کے لیے امامت کی صحت کی شرط چھ ہے، جن میں پہلی شرط اسلام ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے۔

وھوشرط عام فلاتصح امامة منکرالبعث اوخلافة الصدیق اوصحبته اویسب الشخین اوینکرالشفاعة اونحوذالک ممن یظهرالاسلام مع ظهور صفته المکفرة له. یہ عام شرط ہے، لہٰذا جو بعث بعد الموت کا یا خلافت صدیق کا یا ان کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت صدیق وفاروق کو برا بھلا کہے، یا شفاعت کا انکار کرے، ان سب کی امامت صحیح نہیں۔ یہ ایک طرف اسلام ظاہر کرتے ہیں، دوسری طرف ایسی صفت بھی ظاہر کرتے ہیں جو اسے کافر بنا رہی ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ٦: ایک شخص حضرت رب العزت جل جلالہ کو جھوٹا، فریبی، مکار، دھوکا دینے والا کہتا ہے۔ ایسا شخص مرتد ہے یا نہیں۔ اگر مرتد ہے تو اسکے اقارب اعزاء کو اس سے کیا سلوک کرنا چاہئے۔ اسکے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا اس سے بولنا اسکو کھلانا پلانا پہنانا اور اسکی اس قسم کی امداد واعانت جائز ہے یا نہیں؟

سئولہ محمد منصور الحق اشرفی، فتحپور، سبور، بھاگل پور

الجواب: وہ مرتد ہے اور خارج از اسلام۔ اس سے متارکت وترک تعلقات ضروری ہے اور اسکے ساتھ اختلاط ومیل جول ونشست برخاست ومواکلت ومجالست سخت ممنوع اور اشد حرام۔ وقال اللہ تعالی ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾[المائدہ: ۵۱] (تم میں جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے)۔ واللہ تعالی عالم.

مسئلہ ۷: اللہ تعالیٰ کا وجود ہے یا نہیں؟ قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہونے پر عمل نہ کریں۔ ان کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم، قصبہ رتن پور کلاں، بلاری، مراداباد، ۹ر جولائی ۱۹۷۴ء

الجواب: حق تعالیٰ موجود بوجود حقیقی اصلی ہے قرآن کریم وحدیث شریف کے مسائل مختلف اقسام ودرجات کے ہیں۔ بعض پر عمل نہ کرنا یا بعض کا انکار کرنا کفر ہے اور بعض پر عمل نہ کرنا فسق وگناہ ہے۔ بعض پر عمل نہ کرنا خلاف سنت ہے۔ اور بعض پر عمل نہ کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ جملہ احکام ومسائل کا حکم یکساں نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ پر۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (نعوذ باللہ)؟

مسئولہ احقر سلطان محمد، محلہ کسرول، کوچہ درزیاں، مرادآباد، ۲۸ر محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

الجواب: اہل سنت وجماعت کا محکم ایمان اور پختہ عقیدہ ہے کہ خداوند قدوس ہر عیب سے پاک ومنزہ ہے۔ بعض فرقہ ضالہ کا عقیدہ ہے کہ خدا جھوٹ بولنے پر قادر ہے (معاذ اللہ) ہمارا عقیدہ راسخہ ہے کہ وہ سبحان وقدوس نہ کبھی جھوٹ بولا، نہ بولتا ہے، نہ بولے گا، نہ بول سکتا ہے۔ نہ جھوٹ بولنے پر اسے قدرت ہے۔ چونکہ جھوٹ اسکے لئے محال بالذات ہے جس سے صفت قدرت قدیمہ کا تعلق ہوہی نہیں سکتا ہے۔ وہابیہ دیابنہ وغیر مقلدین فرقہ ضالہ معتزلہ کی پیروی کر کے خدا وند قدوس کو جھوٹ پر قادر مانتے ہیں۔ تفصیلی طور بر مسئلہ سبحان السبوح اور رسالہ عجالۃ الراکب اور الصمصام القاصف میں درج ہے۔ یہاں پر مختصر سا حوالہ درج ہے۔ جھوٹ کسی دین وملت میں جائز نہیں ہے اسکی نسبت اپنی طرف کئے جانے کو کوئی ذلیل سے ذلیل تر انسان بھی مناسب نہیں جانتا پھر اس حضرت قدوس قدیر کی جانب ایسے قبیح کی نسبت کسی طرح درست و جائز نہیں ہوسکتی۔ مسامرہ شرح مسایرہ مصری جلد ثانی ص ۶۰ میں ہے۔

لا خلاف بین الاشعر یۃ وغیر ھم فی ان کل ما نقص فی حق العباد فالباری تعالیٰ منزہ عنہ و ھو محال علیہ تعالیٰ والکذب و صف نقص فی حق العباد. اشعریہ وغیرہم کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہروہ امر جو بندوں کے حق میں عیب ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے۔ اور یہ اس کے لئے محال ہے۔ اور کذب بھی وصف عیب میں سے ہے۔

اسی کے ص ۶۵ میں ہے۔

لا یوصف اللہ تعالیٰ بالقدرۃ علی الظلم والسفہ والکذب لان المحال لا یدخل تحت القدرۃ. اللہ تعالیٰ کو ظلم، بیوقوفی اور کذب پر قدرت سے متصف نہیں کیا جاسکتا کیونکہ محال تحت قدرت ہی نہیں۔

اسی کے ص ۲۳۹ میں ہے۔

یستحیل علیہ سبحانہ سمات النقص کالجھل والکذب بل یستحیل علیہ کل صفۃ لا کمال فیھا ولا نقص لان کلا من صفات الالہ صفۃ کمال. اللہ تعالیٰ ہر صفت نقص کے شائبہ سے پاک ہے۔ جیسے جہالت اور کذب، بلکہ اس کی ذات پر ہروہ صفت بھی محال ہے، جس میں نہ کمال ہے، نہ نقص۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام صفات، صفات کمال ہی ہیں۔

شرح عقائد جلالی میں ہے۔

ولا یصح علیہ الحرکۃ والانتقال ولاالجھل ولا الکذب ملخصا. حرکت وانتقال نیز جہالت وکذب پر قدرت سے اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا صحیح نہیں۔

اسی کے ص ۳۴ میں ہے۔

متصف بجمیع صفات الکمال منزہ من جمیع سمات النقص نقل عن ابن تیمیۃ فی بعض تصانیفہ ان ھذہ المقدمۃ مما اجمع علیہ العقلاء کافۃ. اللہ ہر صفت کمال سے متصف،

تمام قسم کے شائبہ نقص سے پاک۔ ابن تیمیہ سے منقول ہے۔ ان کی بعض تصانیف میں ہے کہ یہ ایسا مقدمہ ہے جس پر تمام عقلاء کا اجماع ہے۔

شرح مواقف ص ۶۰۴ میں ہے۔

و اما امتناع الكذب عليه عندنا لثلثة اوجه الاول انه نقص والنقص على الله تعالىٰ محال اجماعاً الثانى انه لو اتصف بالكذب لكان كذبه قديما فيلزم ان يمتنع عليه الصدق. والثالث و عليه الاعتماد لصحته ولدلالته على الصدق فى الكلام النفسى واللفظى معا خبر النبى عليه السلام بكونه صادقا فى كلامه كله و ذالک يعلم بالضرورة من الدين بل نقول تواتر عن الا نبياء كونه تعالى صادقا. ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا محال ہونا تین وجہ سے ہے۔ (۱) یہ نقص وعیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر ہر نقص وعیب محال وناممکن ہے۔ اجماعی طور پر (۲) اگر اللہ تعالیٰ کو کذب سے متصف کیا جائے تو اس کا کذب قدیم ہوگا۔ اس صورت لازم یہ آئے گا کہ صدق اس پر محال ہو جائے۔ (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام کلام میں صادق ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کا دین سے ہونا بداہۃً معلوم ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا انبیاء کرام سے تواتراً منقول ہے۔ اسی پر اعتماد ہے۔ کیونکہ ایک ساتھ کلام نفسی اور لفظی میں صدق پر اس کی دلالت صحیح ہے۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۹: اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت اور اجزاء یعنی ہاتھ، پیر، منہ وغیرہ ثابت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ثابت کرے اور کہے کہ کون کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہاتھ، پیر اور شکل وصورت نہیں ہے تو شریعت مطہرہ ایسے شخص پر کیا فتویٰ دیتی ہے۔

مسئولہ...... بدرالدین رضوی، دولت پوری، مالدہ، ۱۵ ر نومبر ۱۹۷۳ء

الجواب: اہل سنت و جماعت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ جسم وشکل وصورت اور ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان منہ سارے اعضاء وجوارح سے پاک ومنزہ ہے۔ جو ان میں سے کسی چیز کو بروجہ جسم وتشبیہ ثابت کریگا وہ فرقہ مجسمہ میں داخل ہو جائیگا۔ اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہو جائے گا۔ بلکہ کافر مرتد ہو جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد ثانی ص ۲۶۳ میں ہے۔

يكفر اذا وصف الله بما لا يليق به . اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں اس کی تکفیر کی جائے گی۔

اسی میں ہے۔

و فى التخيير ما جاء فى القرآن من اليد والوجه لله تعالى و ليس بجارحة هل يجوز اطلاق هذه الا شياء بالفارسية قال بعض المشائخ رحمهم الله تعالىٰ يجوز اذالم يعتقد

الجوارح و قال أكثرهم لا يصح و عليه الاعتماد كذا فى التتار خانية. تخبیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن پاک کے اندر **ید** اور **وجہ** کا لفظ استعمال ہوا ہے نہ کہ جارحہ۔ کیا ان اشیاء کا اطلاق فارسی زبان میں جائز ہے۔ بعض مشائخ نے کہا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان الفاظ سے جوارح کا اعتقاد نہ رکھے۔ لیکن اکثر مشائخ کا قول یہ ہے کہ ان کا اطلاق صحیح نہیں۔ اسی پر اعتماد ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ تتارخانیہ میں ہے۔

شرح فقہ اکبر کانپوری ص ۲۰۰ میں ہے۔

و كذا من قال بانه سبحانه جسم وله مكان و يمر عليه زمان و نحو ذالك كافر حيث لم يثبت له حقيقة الايمان. اسی طرح جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اس کے لئے مکان ہے اس پر زمانہ گذرتا ہے وغیرہ، وغیرہ وہ کافر ہے۔ **والله تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۰: کسی مخلوق کو خداوند قدوس جیسا تصرف ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر چہ عطائی کیوں نہ ہو۔ امید کہ جواب مدلل تحریر فرمادیں مین نوازش ہوگی۔

مسئولہ.......

الجواب: من جميع الوجوه اللہ رب العزت جیسا تصرف کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں بلکہ محال و ممتنع ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار و تصرف ذاتی و قدیم و واجب ہے اور مخلوق کا تصرف عطائی و حادث و ممکن ہے۔ مخلوق کے کسی تصرف کو ذاتی و قدیم و واجب اعتقاد کرنا کفر ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا اثبات کسی مخلوق کے لئے وحدانیت فی الصفات کے منافی اور **اشراک فی الصفة** ہے جس طرح حق تعالیٰ اپنی ذات مین بے مثال و یکتا ہے اسمیں اسکا کوئی شریک نہیں اسی طرح وہ اپنے صفات میں بھی منفرد و تنہا ہے۔ ان صفات میں بھی اسکا کوئی شریک نہیں اور ذاتی و عطائی کا فرق ہوتے ہوئے مخلوق کے تصرف کو اللہ تعالیٰ کے تصرف جیسا خیال کرنا ہی باطل ہے۔ ذاتی و عطائی کا فرق ہونے کے باعث تکفیر بھی نہیں کی جاسکتی، اسلئے کہ فرقہ معتزلہ نے بندوں کو انکے افعال اختیاریہ کا خالق کہا مگر خالقیت میں فرق کیا۔ اس تفریق کی بناء پر مذہب صحیح و راجح میں انکی تکفیر نہیں کی گئی۔ یہ فرقہ باطلہ کا بہتان و افتراء ہے کہ اہلسنت و جماعت کے افراد حضرات رسل و انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے اللہ تعالیٰ کے جیسا تصرف مانتے ہیں اور ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی مومن کا ایسا عقیدہ نہیں، کسی مومن کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنی بھی بغیر تحقیق جائز نہیں پھر ایسے عقیدۂ کفریہ کی نسبت کیونکر جائز ہوگی۔ عقائد نسفی میں ہے۔

وله صفات از لية قائمة بذاته اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی ہیں، قائم بذاتہ ہیں۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔

فان اوصافه من العلم والقدرة و غير ذالك اجل و اعلیٰ مما فى المخلوقات بحيث لامناسبة ... فى البداية ان العلم عنا موجود و عرض و علم محدث و جائز ... د و يتجدد فى كل زمان فلو اثبتنا العلم صفة لله تعالى لكان موجودا و صفة قديمة

و واجب الوجود و دائما من الازل الی الابد فلا یماثل علم الخلق بوجه من الوجوه.
کیونکہ اس کے اوصاف جیسے علم اور قدرت وغیرہ مخلوقات کے اوصاف سے بہت اعلیٰ و برتر ہیں۔ ان کے درمیان کسی طرح کی مناسبت ہی نہیں۔ البدایہ میں کہا۔ ''ہمارا علم موجود عرض ہے، حادث و جائز الوجود ہے، ہمہ وقت متجدد ہوتا رہتا ہے، لہٰذا اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لئے علم کو صفت ثابت کرینگے تو وہ موجود قدیم و واجب الوجود اور دائمی، ازل سے ابد تک ہوگا''۔ لہٰذا مخلوق کے علم سے کسی طرح مماثلت نہیں ہو سکتی۔

شرح فقہ اکبر میں ہے۔

و صفاته کلها ای و نعوت الباری جمیعها واقعة فی الا زل بخلاف صفات المخلوقین ای لا تشابه نعو تهم و ان وقع الا شتراک الاسمی فی صفات الحق و نعت الخلق من العلم والقدرة والرؤیة والکلام والسمع و نحوه. اللہ تعالیٰ کے جملہ صفات ازلی ہیں۔ بخلاف صفات مخلوقات کے --- یعنی خالق و مخلوق کی صفات میں کوئی مشابہت ہی نہیں۔ اگر چہ کہ علم، قدرت، رویت، کلام اور صفت سمع وغیرہ میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے صفات میں اشتراک اسمی پایا جاتا ہے۔

کفایۃ العوام میں ہے۔

لیس لا حد صفة تشبه صفة من صفاته تعالی. کسی مخلوق میں ایسی صفت نہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت سے مشابہت رکھے۔

تحقیق المقام علی کفایۃ العوام میں ہے۔

اشار بذلک الی انه لا یضر مجرد الموافقه فی التسمیة کَان یکون بغیر الله تعالی قدرة و ارادة و انما الـذی یضران یکون لا حد صفة تشبه صفته تعالی بان یکون له قدرة موثرة فی الممکنات او ارادة غیر معارضة او علم محیط بالا شیاء او نحو ذالک. اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ محض نام میں موافقت سے کوئی نقصان نہیں۔ اس طرح کہ اللہ کے غیر کے لئے بھی قدرت و ارادہ ہے۔ نقصان تو اس صورت میں ہے کہ کسی کے لئے ایسی صفت مانی جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفت سے مشابہت رکھے۔ بایں طور کہ اس کے لئے ممکنات میں موثر قدرت ہو۔ اس کے لئے نہ ٹالا جانے والا ارادہ ہو۔ یا اشیاء کا علم محیط ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

کفایۃ العوام میں ہے۔

و معنی وحدته تعالی فی الافعال انه لیس لا حد من المخلوقات فعل لا نه تعالی الخالق لا فعال المخلوقات من الانبیاء والملٰئکة وغیر هما و اماما یقع من موت شخص او ایذائه عند اعتراضه مثلا علی ولی من الاولیاء فهو بخلق الله تعالی یخلقه عند غضب الولی علی هذا المعترض. وحدت فی الافعال کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی مخلوق کے اختیار میں کوئی فعل ہی

نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے افعال کا خالق ہے، خواہ انبیاء ہوں یا فرشتے وغیرہما۔ جہاں تک اس موت یا ایذاء کا تعلق ہے جو کسی ولی پر اعتراض کے وبال میں کسی کو لاحق ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے خلق سے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس شخص کو موت دیتا ہے یا اسے ایذاء پہنچتی ہے، جب یہ ولی اس معترض پر غضب فرماتے ہیں۔

تحقیق المقام علی کفایۃ العوام میں ہے۔

(قوله انه ليس لا حد من المخلوقات فعل) اى لا اختيار يا ولا اضطراريا خلا فا للمعتزلة حيث قالوا بخلق العبد لفعله الاختيارى كما سياتى و بالغ مشائخ ما وراء النهر فى تضليلهم حتى جعلوا المجوس اسعد حالا منهم لا نهم انما اثبتوا شريكا واحدا وهم قد اثبتوا شركاء لا تحصىٰ لكن التحقيق انهم لا يكفرون بذلک كما قا ل سعد الدين لا نهم لم يجعلوا خالقية العبد كخالقية الله تعالى لا فتقاره الى الاسباب والو سائط بخلافه تعالى. ان کا قول (کسی مخلوق کے اختیار میں کوئی فعل نہیں) یعنی نہ تو اختیاری اور نہ اضطراری۔ اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا خالق ہے...... مشائخ ماوراء النہر نے ان کی تضلیل میں مبالغہ کیا، یہاں تک کہ مجوسیوں کو ان سے بہتر حالت میں قرار دے دیا، کیونکہ انہوں نے ایک ہی شریک ٹھہرایا اور ان لوگوں نے بے شمار شرکاء ٹھہرائے۔ کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرات اس بنیاد پر معتزلہ کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ سعد الدین نے کہا۔ کیونکہ انہوں نے بندے کی خالقیت کو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے مثل نہیں قرار دیا۔ وجہ یہ ہے کہ بندہ اسباب و وسائط کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ ان کا محتاج نہیں۔

حاشیہ بیجوری علی متن السنوسیہ میں ہے۔

و وحدانيته فى الصفات و معنا ها عدم ثبوت صفته لغيره كصفته تعالى كان يكون لغيره قدرة كقدرته تعالى و اما ان يكون لغيره قدرة لا كقدرته تعالى فلا يضر. ملخصا. وحدانیت فی الصفات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے مثل کسی کی صفت ثابت نہ کیا جائے۔ جیسے کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرح قدرت ماننا۔ اور اگر کسی غیر کے لئے قدرت مانا، لیکن یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرح نہیں تو کوئی نقصان نہیں۔

بدء الامالی میں ہے۔

الحاصل ان توحيد اهل الايمان تصديق بالجنان و اقرار باللسان على انه تعالى احد فى ذاته واحد فى صفاته و خالق لمصنو عاته. خلاصہ یہ ہے کہ اہل ایمان کی توحید یہ ہے کہ دل سے تصدیق کی جائے اور زبان سے اقرار کیا جائے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، اپنی صفات میں واحد ہے اور اپنی مصنوعات کا خالق ہے۔

اسی میں ہے۔

ثم صفات الذات الحیاة والعلم والقدرة والارادة والکلام والسمع والبصر قدیمة بالا جماع. پھر صفات ذاتیہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سننا، دیکھنا سب بالاجماع قدیم ہیں۔

اسی میں ہے۔

فا لمعنی ان جمیع صفاته صمدیة از لیة ابدیة. معنیٰ یہ ہے کہ اس کے تمام صفات صمدی، ازلی اور ابدی ہیں۔

اسی میں ہے۔

والمعنی نحن معشر اهل السنة نسمی الله تعالی شیئا الا انه لیس کسائرالاشیاء ذاة وصفة. مطلب یہ ہے کہ ہم سنی لوگ اللہ تعالیٰ کو شئ سے موسوم کرتے ہیں، لیکن وہ دیگر اشیاء کی طرح نہیں ہے۔ نہ ذات کے لحاظ سے، نہ صفت کے اعتبار سے۔

اسی میں ہے۔

لان حقیقته تعالی مخالفة لسائر الحقائق و الذوات کما ان صفاته مخالفة لسائر الصفات. کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت تمام حقائق اور ذوات سے الگ ہے۔ اسی طرح اس کی صفات تمام صفات کی مخالف ہے۔

احیاء العلوم وشرح فقہ اکبر اور تحفۃ الاعالی میں ہے۔

لا یجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق ولا یجوز ان یرمی مسلم بفسق و کفر من غیر تحقیق. ملخصا. کسی مسلمان کی طرف بغیر تحقیق گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ بغیر تحقیق کسی مسلمان پر فسق وکفر کا الزام لگایا جائے۔ **واللہ سبحانہ وتعالی اعلم.**

مسئلہ ۱۰ (الف): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے خدا کو بذاتہ دیکھا ہے؟ ایسے شخص کے متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے۔ واضح طور پر جواب حق سے مطمئن فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

مسئولہ محمد حسین خان قادری رضوی، کنٹوفر لین کلکتہ ۱۴، ۸ر جمادی الاولی ۱۹۸۱ء

الجواب: جو شخص یہ کہتا پھرتا ہے کہ "میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے خدا کو بذاتہ دیکھا ہے" یہ شخص غایت درجہ کا گمراہ وبد دین اور ضال ومضل ہے، جس کو ایک جماعت فقہاء و متکلمین نے کافر بھی فرمایا ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کی رویت بصریہ دنیا میں جناب سید انبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، حتیٰ کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دنیا میں اس سے اس طرح منع کر دیا کہ اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ شرح فقہ اکبر کانپوری ص ۱۴۹ میں ہے۔

واما من ادعیٰ هذه المعنی لنفسه من غیرتاویل فی المبنی فهو فی اعتقاد فاسد وزعم کاسد وفی حضیض ضلا له وتضلیل وفی مطعن وبیل بعید عن سواء السبیل فقد قال صاحب التعرف وهو کتاب لم یصنف مثله فی التصوف اطبق المشائخ کلهم علی تضلیل من قال ذالک، وتکذیب من ادّعاه هنالک وصنفوا فی ذالک کتباورسائل منهم ابوسعید الخزا روجنید وصرحوابان من قال ذلک المقال لم یعرف اللّٰه الملک المتعال واقرّه الشیخ علاء الدین القونوی فی شرحه. جس نے اپنے لیے دیدارِ خداوندی کا دعویٰ کیااور یہ بات صراحت کے ساتھ کہی اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑی اس کا یہ اعتقاد فاسد اور دعویٰ غلط ہے، وہ گمراہی کی پستی میں ہے اور دوسرے کو گمراہ کرتا ہے۔ بدترین لعنت کا مستحق ہے۔ صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ صاحب "التعرف" نے کہا (یہ تصوف کی بے مثال کتاب ہے) تمام مشائخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ایسا کہنے والا گمراہ اور جھوٹا ہے۔ اس موضوع پر ان حضرات نے کتب ورسائل تصنیف کیے۔ ان میں ابوسعید خزار اور جنید ہیں ان حضرات نے یہ تصریح کی کہ جو ایسا دعویٰ کرے گا، اسے اللہ کی رحمت کی ہوا بھی نہیں لگے گی، شیخ علاء الدین قونوی نے اپنی شرح میں اس کا اقرار کیا۔

اسی کے ص ۱۵۰ میں ہے

والحاصل ان الامة قد اتفقت علی انه تعالیٰ لایراه احد فی الدنیا بعینه، ولم یتنازعوا فی ذالک الالنبینا صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم حال عروجه علی ماصرح به فی شرح عقیدة الطحاوی. خلاصہ یہ کہ امت نے اس بات پر اتفاق کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں اپنی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ انہوں نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔

اسی میں ہے۔

وقدقال ابن الصلاح وابوشامة انه لایصدق مدعی الرویة فی الدنیا حال الیقظة فانها شیٔ منع منه کلیم اللّٰه موسیٰ واختلف فی حصول هذا المرام لنبینا صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فی ذالک المقام کیف یسمع لمن لم یصل الیٰ مقامهما وقال الکواشی فی تفسیر سورة النجم ومعتقد رویة اللّٰه تعالیٰ هنا بالعین لغیرمحمد صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم غیرمسلم وقال الأردُ بِیْلِیُ فی کتابه الانوار ولوقال انی اری اللّٰه تعالیٰ عیانا فی الدنیا اویکلمنی شفاها کفرانتهیٰ۔ ابن الصلاح اور ابوشامہ نے کہا "دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا دعویٰ کرنے والے کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس سے موسیٰ کلیم اللہ کو منع کیا گیا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شرف سے مشرف ہونے کے سلسلہ میں اختلاف

ہے، جبکہ آپ اس مقام رفیع پر فائز تھے۔ لہٰذا کسی کا یہ دعویٰ کیسے سنا جائے گا، جسے اس مقام کی ہوا بھی نہیں لگی، جس مقام پر یہ دونوں حضرات تھے۔ کواشی نے سورۂ نجم کی تفسیر میں کہا ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی رویت کا اعتقاد رکھنے والے کسی شخص کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اردبیلی نے اپنی کتاب ''الانوار'' میں کہا ''اگر کسی نے کہا میں اللہ تعالیٰ کو دنیا میں آنکھ سے دیکھتا ہوں یا وہ مجھ سے بات کرتا ہے، تو وہ جھوٹا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

عقائد متعلقہ انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام

مسئلہ ۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل کوئی دوسرا نبی و رسول نہیں ہوسکتا۔ اس پر بکر کہتا ہے کہ ایسا کہنے سے اللہ تعالیٰ کا عجز ظاہر ہوگا اللہ تعالیٰ چاہے تو محمد ﷺ جیسے صدہا نبی و رسول پیدا کر دے اسکی قدرت بہت بڑی ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح و درست یا بکر کا۔ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

مسئولہ بذریعہ نور محمد صاحب برائے محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

الجواب: حضور رحمۃ للعالمین افضل المرسلین خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا مثل و ہمسر اور شریک جملہ صفات کمالیہ کوئی دوسرا نبی اور رسول نہیں ہوسکتا محال و ممتنع ہے۔ اس لئے کہ اللہ رب العزت جل وعلا تبارک وتعالیٰ نے بہت سے صفات فاضلہ حضور سرور انبیاء علیہ التحیہ والثناء کے بیان فرمائے۔ ان میں وصف خاتم النبیین بھی ہے۔ اگر کوئی دوسرا رسول و نبی جملہ صفات میں حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل و ہمسر مانا جائے۔ تو لازم آئے گا کہ وہ رسول و نبی وصف ختم نبوت میں بھی مماثل سرور کائنات فخر موجودات ہوگا۔ اس تقدیر پر کلام خداوندی میں جو خاتم النبیین کا لفظ حضور کی صفت میں وارد ہے۔ اسکا ابطال و کذب لازم آئے گا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا کذب شرعاً و عقلاً محال و ممتنع بالذات ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب: ۴۰] (نہیں ہیں محمد کسی کے بھی باپ تم مردوں سے لیکن اللہ کے رسول اور سارے نبیوں میں پچھلے زمانہ والے) (معارف) و قال تعالیٰ ﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ [النساء: ۸۷] (اور کون زیادہ سچا بات کا ہوگا اللہ سے) (معارف) و قال تعالیٰ ﴿فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ﴾ [البقرہ: ۸۰] (تو اب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ اپنے عہد کو) (معارف) و قال عز ثناء ہ ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [الانعام: ۱۱۶] (اور کامل ہے تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف کوئی نہیں ہے بدل دینے والا اس کی بات کا اور وہ سننے والا علم والا ہے) (معارف) و قال جل جلالہ ﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ [النساء: ۱۲۲] (اور کون بولی کا اللہ سے زیادہ سچا ہے) (معارف) و قال عز اسمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.﴾ [آل عمران: ۹] (بیشک اللہ نہیں کرتا خلاف وعدہ) (معارف)۔ شرح مواقف میں ہے۔

انه تعالی یمتنع علیه الکذب اتفاقا . اللہ تعالیٰ پر کذب محال ہے۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔
مسامرہ شرح مسایرہ میں ہے۔

لا خلاف بین الاشعریة وغیرهم فی ان کل ما کان وصف نقص فی حق العباد فالباری تعالی منزه عنه و هو محال علیه تعالیٰ والکذب و صف نقص فی حق العباد. اشعریہ اور دیگر حضرات کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہروہ امر جو بندوں کے حق میں وصف نقص ہے، اللہ جل شانہ اس سے پاک ومنزہ ہے اور وہ اس پر محال ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے۔

اسی میں ہے۔

لا یصح فرضه (ای فرض الکذب) فی حق ذی القدرة الکاملة الغنی مطلقا سبحانه فقد تم کو نه وصف نقص بالنسبة الی جناب قدسه تعالی فهو مستحیل فی حقه عزوجل . وہ ذات جو صاحبِ قدرت کاملہ اور بے نیاز ہے اس ذات کے حق میں کذب یعنی جھوٹ کا فرض کرنا بھی مطلقا صحیح نہیں، کیونکہ جنابِ حضرت باری تعالیٰ کے حق میں جب جھوٹ کا صفت عیب ہونا ثابت ہو گیا تو یہ اس کے حق میں یقیناً محال ہوگا۔

جب حضور سید انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ہمسر نبی و رسول ہونا محال وممتنع ہوا تو محالات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہیں۔اسلئے کہ محالات میں مقدور بننے کی صلاحیت ہی نہیں نہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی خلل ونقصان ہے تا کہ عجز رب العزت عزاسمہ لازم آئے۔عجز تو جب لازم آتا کہ جسمیں مقدور بننے کی صلاحیت ہوتی اور وہ قدرت سے خارج ہوتی۔ممکن جو مقدور بننے کی صلاحیت رکھے اس سے قدرت کی نفی عجز ہے۔محال سے قدرت کی نفی عجز ہی نہیں۔امام ابوعبداللہ محمد سنوسی اپنے رسالۂ عقائد میں اللہ تعالیٰ کے صفات کے بیان میں فرماتے ہیں۔

وهی القدرة والارادة المتعلقان لجمیع الممکنات. وہ قدرت اور ارادہ ہے جو تمام ممکنات سے متعلق ہے۔

علامہ ابراہیم بیجوری اسکی شرح میں فرماتے ہیں۔

ای الا مورالتی یجوز و جودها وعد مها بحیث یستوی الیها نسبة الوجود والعدم فهی من قبیل الممکن بالا مکان الخاص. یعنی وہ امور جن کا وجود وعدم دونوں جائز ہے۔بایں طور کہ اسکی طرف وجود وعدم دونوں کی نسبت برابر ہے۔یہ ممکن بالامکان الخاص کے قبیل سے ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

وانمالم یصح ارادة الامکان العام هنا لدخول الواجبات فی الممکنات حینئذ مع ان کلا من القدرة والارادة لا یتعلق بها کما لا یتعلق بالمستحیلات ولا یلزم من عدم تعلق

القدرة بهما عجز لا نهما ليسا من وظيفتها ولا نها لو تعلقت بهما لزم الفساد اذ يلزم عليه تعلقها باعدام الذات العلية وبسلب الوهية عنها و نحو ذلک و بهذا يعلم سقوط قول بعض المبتدعة ان الله تعالیٰ قادر ان يتخذ ولدا اذلو لم يقدر عليه لكان عاجزا.

یہاں امکان عام کا مراد لینا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس وقت واجبات ممکنات میں داخل ہو جائینگے۔ باوجودیکہ قدرت وارادہ میں سے ہر ایک اس واجبات سے تعلق نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مستحیلات سے تعلق نہیں رکھتا۔ قدرت کا ان دونوں سے تعلق نہ رکھنے سے عجز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ دونوں (واجبات ومحالات) قدرت کے متعلقات سے نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ اگر قدرت ان دونوں سے تعلق رکھے تو فساد لازم آئے گا۔ کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ اس قدرت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات برتر کے اعدام (معدوم کردینا) سے بھی ہو اور اس ذات سے سلب الوہیت سے بھی ہو۔ وغیرہ ذلک۔ اسی سے بعض بدعتیوں کے قول کا بطلان بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ بیٹا بنائے ورنہ عاجز ہوگا۔

کفایۃ العوام فی علم الکلام مصنفہ شیخ وامام محمد فضائی علیہ الرحمہ میں ہے۔

والقدرة والارادة صفتان قائمتان بذاته تعالى موجودتان لو كشف عنا الحجاب لرايناهما ولا تعلق لهما الا بالممكن فلا يتعلقان بالمستحيل كالشريک تنزه الله تعالى عنه ولا بالواجب كذاته تعالىٰ و صفاته و من الجهل قول من قال ان الله تعالى قادر ان يتخذ ولدا لانه لا تعلق للقدرة بالمستحيل و اتخاذ الولد مستحيل ولا يقال انه اذالم يكن قادر اعلى اتخاذالولد كان عاجزا لا نا نقول انما يلزم العجز لو كان المستحيل من وظيفة القدرة ولم تتعلق به مع انه ليس من وظيفتها الا الممكن . قدرت وارادہ دوصفات ہیں، ذات خداوندی کے ساتھ قائم ہیں، موجود ہیں۔ اگر ہماری آنکھوں سے حجاب کو ہٹالیا جائے تو ہم ان دونوں کو دیکھ لیں۔ ان دونوں کا تعلق ممکن ہی سے ہے۔ لہٰذا یہ محالات سے متعلق نہیں ہونگے۔ جیسے شریک باری تعالیٰ -اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ اور نہ ان کا تعلق واجب سے ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات۔ کہنے والے کا یہ قول جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ بیٹا بنائے۔ کیونکہ قدرت کا تعلق تو محالات سے ہے ہی نہیں اور حال یہ ہے کہ لڑکا بنانا محال ہے۔ اور نہ یہ کہا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ بیٹا بنانے پر قادر نہیں ہوگا تو عاجز ہوگا۔ کیونکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ عجز تو اسی صورت میں لازم آئے گا کہ محالات قدرت کے وظیفے میں سے ہو۔ پھر یہ وظیفہ اس محال سے تعلق نہ رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت کا وظیفہ تو صرف ممکن ہے۔

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل وہمسر حضور کی جملہ صفات کمالیہ میں شریک برابر محال ہے اور محال قدرت الٰہیہ کے تحت میں نہ آئیں اور قدرت خداوندی کا تعلق محال سے نہ ہو تو یہ عجز نہیں اسکو عجز بتانا بعض فرقہ مبتدعہ ضالہ اور جہال کا مذہب ہے۔ لہٰذا زید کا قول بالکل حق اور مطابق شرع ہے اور بکر

کا قول و استدلال محض غلط و باطل اور جہل و نادانی ہے اگر بکر کا یہ استدلال صحیح و درست مان لیا جائے تو لازم آئیگا کہ حضرت حق تعالی اپنی ذات پاک کے فنا کر دینے اور اپنی قدرت کے فنا کر دینے پر بھی قادر ہے ورنہ باستدلال بکر اللہ تعالی کا عجز ظاہر ہوگا۔ کیا بکر اسکا قائل ہوگا؟ پھر تو خداوند قدس کی خدائی اور اسکی قدرت ہی ہو ... نگی۔ و هذا قبيح جدا و لا يقول به عاقل فضلا عن فاضل. ﴿إِنَّ اللهَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اور ﴿وَ هُوَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ قرآن کریم کی ان آیات میں کل شیی سے ممکن ہی مراد ہے اور واجب و ممتنع خارج ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے۔

﴿وَ هُوَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ و منه اثابة الصادق و تعذيب الكاذب و خص العقل ذاته فليس عليها بقادر. وہ ہر شئی پر قادر ہے۔ اسی میں سے سچے کو ثواب دینا اور جھوٹے کو عذاب دینا ہے عقل نے کل شئی کے عموم سے ذات باری کو نکال دیا، لہٰذا اس پر قادر نہیں۔

اسکے حاشیہ جمل میں ہے۔

(قوله و خص العقل ذاته الخ) اشار الى ان الله تعالى و ان دخل فى قوله كل شيى فانه شيى لا كالا شياء فقد خص العقل ذاته فليس عليها بقادر اى لان القدرة انما تتعلق با لممكنات لا بالواجبات ولا بالمستحيلات فالمراد بشيى كل موجود يمكن ايجاده ان کا قول (عقل نے ذات باری کو عموم شئی سے نکال دیا) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چہ کہ قول کل شئی میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ شئی تو ہے، مگر اشیاء کی طرح نہیں۔ لہٰذا عقل سلیم نے ذات باری تعالیٰ کو نکال دیا۔ تو وہ اس پر قادر نہیں۔ کیونکہ قدرت کا تعلق تو ممکنات ہی سے ہوگا نہ کہ واجبات سے اور نہ محالات سے۔ ممکن سے مراد ہر وہ موجود ہے جو ممکن الایجاد ہو۔

خود وہابیہ کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد صاحب اپنی کتاب الشہاب الثاقب مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ص ۹۲ میں لکھتے ہیں۔

خداوند اکرم جملہ عیوب سے منزہ اور پاک ہے اس کا کاذب ہونا مستحیل بالذات ہے اور کوئی کلام باری عز وجل کا کذب اور جھوٹ نہیں ہوگا اور نہ ممکن الوقوع ہے۔ کذب کا شائبہ بھی اسکے کلام میں پایا جانا محال ہے۔

اب وہابیہ بتائیں کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مثل دوسرا نبی اگر خاتم النبیین ہوگا تو کلام الٰہی میں جو خاتم النبیین وارد ہے اس کا کذب و بطلان لازم آئیگا یا نہیں۔ هذا ما عندى و الله سبحانه و تعالى اعلم.

مسئلہ ۱۲: یہ جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر گزرے ہیں، کہاں تک صحیح ہے اور ان کے اسماء گرامی کیا کیا ہیں اور کس کتاب میں مذکور ہیں؟

مسئولہ شاہ عبدالخالق پاکستان

الجواب: متعدد احادیث میں وارد ہوا کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے انکی تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار ہے ان حضرات علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعداد کا تذکرہ امام احمد و ابن ابی شیبہ و اسحاق بن راھویہ و ابو یعلی و بزار و طبرانی وغیرہم نے اپنی مسانید و مصنفات و معاجم وغیرہا میں بروایت

ابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ کیا ہے یہ حوالے شرح فقہ اکبر و مسامرہ شرح مسائرہ میں درج ہیں۔ان احادیث کی صحت میں بھی محدثین کرام کو کلام ہے۔اگر ان احادیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی یہ حدیثیں اخبار واحدہ ہی میں داخل اور مفید ظن ہیں اور جو امر اخبار واحدہ اور ظن سے ثابت ہو تو خصوصا جبکہ تعداد کی روایت میں بھی اختلاف ہو تو باب عقائد میں اس کا اعتبار نہیں۔لہٰذا حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعداد کے متعلق جتنی حدیثیں وارد ہیں ان پر اعتقاد رکھنے اور جزم و یقین کر لینے کو ہمارے علماء متکلمین و محدثین کرام نے غیر مناسب بتایا ہے اور منع فرمایا ہے۔اسلئے کوئی شخص ان دونوں تعدادوں پر یا اور کسی تعداد پر یقین و اعتقاد ہرگز نہ رکھے۔ہوسکتا ہے کہ انکی تعداد اس سے زیادہ ہو یا کم ہو، بلکہ ہر مکلف یہ اعتقاد رکھے کہ جتنے انبیاء و رسل علیہم الصلوات والتسلیمات حق تعالی کی جانب سے آئے وہ نبی و رسول تھے۔حق سبحانہ وتعالی کے برگزیدہ بندے تھے۔ان سب کے اسماء گرامی کا تذکرہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔بعض کے اسماء گرامی قرآن کریم میں اور بعض کے احادیث و آثار و اخبار و کتب تاریخ میں مذکور ہیں، لیکن کل کے نام معلوم نہیں۔ شرح عقائد نسفیہ کانپوری ص ۱۰۱ میں ہے۔

و قدروی بیان عدد هم فی بعض الاحادیث علی ما روی ان النبی علیه السلام سئل عن عدد الانبیاء فقال مائة الف واربعة و عشرون الفا وفی روایة مائتا الف واربعة و عشرون الفا والاولی ان لا یقتصر علی عدد فی التسمیة فقد قال الله تعالی ﴿مِنۡهُمۡ مَنۡ قَصَصۡنَا عَلَیۡکَ وَ مِنۡهُمۡ مَن لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡکَ﴾ ولا یو من فی ذکر العدد ان ید خل فیهم من لیس منهم ان ذکر عدد اکثر من عدد هم او یخرج منهم من هو فیهم ان ذکرا قل من عدد هم یعنی ان خبر الواحد علی تقدیرا شتما له علی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لا یفید الاالظن ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادات خصوصا اذا اشتمل علی اختلاف روایة. بعض احادیث میں ان کی تعداد کے بیان کی روایت آئی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انبیاء کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا۔آپ نے جواب دیا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔دوسری میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے۔مناسب یہ ہے کہ کسی متعین تعداد پر اقتصار نہ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔"ان میں سے کچھ حضرات کا آپ سے ہم نے واقعہ بیان کیا اور کچھ کا نہیں بیان کیا۔کسی مخصوص تعداد پر ایمان نہ لایا جائے۔کہیں ان میں وہ بھی نہ داخل ہو جائیں جو نبیوں میں سے نہیں۔اگر ان کی تعداد سے زیادہ کا ذکر کر دیا گیا۔یا کچھ نبی ہونے کے باوجود ان میں سے نکل جائیں اگر ان کی تعداد سے کم کا ذکر ہوا۔مطلب یہ ہے کہ خبر واحد اگر اصول فقہ میں مذکور جملہ شرائط پر مشتمل بھی ہے تو بھی ظن ہی کا فائدہ دے سکتی ہے۔اور باب اعتقادات میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔خصوصاً جب کہ ایک دوسرے سے مختلف روایتوں پر مشتمل ہو۔

مسامرہ شرح مسائرہ جلد ثانی مصری ص ۷۸ میں ہے۔

و اما المبعوثون فالایمان بهم واجب من ثبت شرعا تعیینه منهم وجب الایمان بعینه و من لم یثبت تعیینه کفی الایمان به اجمالا و لا ینبغی فی الایمان بالا نبیاء القطع بحصر هم فی عدد اذلم یرد بحصر هم دلیل قطعی لان الحدیث الواردفی ذلک ای فی عدد هم خبر واحد لم یقترن بما یفید القطع. رسولوں پر ایمان واجب ہے۔ان میں نام کے ساتھ جن کا ذکر شرعا ثابت، ان پر علی سبیل التعیین ایمان واجب ہے اور جن کا ذکر متعینہ طور پر ثابت نہیں۔ان پر اجمالاً ایمان واجب ہے۔انبیاء کی کسی قطعی تعداد پر ایمان لانا مناسب نہیں۔اس لئے کہ ان کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی دلیل قطعی نہیں۔کیونکہ ان کی تعداد کے سلسلہ میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ خبر واحد ہیں۔جزم و یقین کا فائدہ نہیں دیتیں۔واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۱۳: کیا انبیائے کرام کو ضغطۂ قبر ہوتا ہے؟

مسئولہ محمد واصل غوثی نعیمی

الجواب: حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ضغطۂ قبر سے محفوظ ہیں قیاساً بھی اور روایۃً بھی چونکہ حضور پر نور سرور انبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے جسم پاک سے مس کیا ہوا پیراہن مبارک فاطمہ بنت اسد کی بر میں بچھا دیا اس سبب سے وہ ضغطۂ قبر سے محفوظ رہیں۔پھر جب وہ جسم اطہر سراپا مطہر خود زمین قبر سے ملصق ہو تو بطریق اولی وہ جسم پاک ضغطۂ قبر سے محفوظ رہیگا۔روی هذا الحدیث عمرو بن شیبة فی کتاب المدینة والحافظ ابو نعیم کذا فی مختصر تذکرة القرطبی و شرح الصدور.

اور عامۂ کتب کلام وعقائد میں اس سے سکوت بھی اسی طرف مشیر ہے ورنہ مومنین صالحین وصبیان کیلئے جسطرح ضغطۂ قبر کی تصریح ہے حضرات انبیاء کے لئے بھی تصریح ہوتی اور جب مومنین بعض صورتوں میں ضغطۂ قبر سے محفوظ رہتے ہیں تو انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم کا منصب بہت ارفع واعلی ہے وہ بطریق اولی اس سے محفوظ رہینگے۔شرح الصدور مصری ص ۴۶ میں ہے۔

قال الحکیم الترمذی سبب هذه الضغطة انه ما من احد الا و قد الم بخطیئة ما وان کان صالحا فجعلت هذه الضغطة جزاء له ثم تدرکه الرحمة و کذلک ضغطة سعد بن معاذ فی التقصیر من البول قال و اما الانبیاء فلا نعلم ان لهم فی القبور ضمة (ای ضغطة) ولا سوالا لعصمتهم. حکیم ترمذی نے کہا۔اس ضغطہ کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس سے کوئی نہ کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔خواہ وہ صالحین میں سے کیوں نہ ہو۔لہذا یہ تنگی اس گناہ کی سزا ہوگئی۔پھر رحمت خداوندی اس سے قریب ہو جاتی ہے۔یہی سبب ہے کہ سعد بن معاذ کو تنگئ قبر کا سامنا ہوا کیونکہ پیشاب کے معاملہ میں وہ احتیاط نہیں کرتے تھے۔کہا۔جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کا تعلق ہے تو ان کیلئے تنگئ قبر کا ہونا معلوم نہیں اور نہ ان سے سوال ہوگا، کیونکہ وہ معصوم ہیں۔واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۱۴: سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا کہ نہیں اور انکو عالم الغیب کہنا شرعاً جائز ہے یا ممنوع؟

مسئولہ حافظ محمد نظیر خان غازی پور کیراف منا گریڈیہوی، گدی محلہ، پوسٹ گریڈیھہ، ضلع ہزاری باغ، بہار

الجواب: جناب مکی تاجدار مدنی سرکار واقف غیوب و اسرار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ الابرار واصحابہ الاخیار کو بعطاء رب العالمین جل جلالہ ماکان و ما یکون لوح محفوظ عرش وکرسی و جنت و نار حشر و نشر اور تمام کلیات وجزئیات کا علم غیب تھا۔ لیکن لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنے کو آنحضور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر علمائے اہلسنت وجماعت نے منع فرمایا ہے چونکہ اس لفظ کا اطلاق رب العزت جل مجدہ کیساتھ خاص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵: (۱): عالم غیب اور عالم الغیب میں کیا فرق ہے؟ (۲): ایمان کی جزوی وکلی تعریف کیا ہے؟

مسئولہ......۹ر اگست ۱۹۶۲ء

الجواب: (۱): عالم غیب نکرہ ہے اور عالم الغیب معرفہ۔ عالم غیب کا اطلاق واستعمال علماء اہلسنت وجماعت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے جائز قرار دیا ہے اور عالم الغیب کے اطلاق واستعمال کو بر ذات سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام منع فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): جزئی اور کلی سے مراد اگر اجمالی اور تفصیلی ہے تو ایمان اجمالی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسکو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے اور وہ ضروریات دین سے ہو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا اور اسکا زبان سے اقرار کرنا اجمالی طور پر۔ اور ایمان تفصیلی یہ ہے کہ ہر چیز کی تفصیلی طور پر اور انفرادی طریقے سے تصدیق قلبی کی جائے اور زبان سے اس کا قرار کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو علم غیب کلی تھا یا نہیں اگر تھا تو اسکے لئے کون سی نص قطعی ہے؟

مسئولہ محمد ادریس در بھنگوی متعلم شاہی مدرسہ مراد آباد

الجواب: مطلق علم غیب عطائی رسول اکرم نور مجسم ﷺ کا مسئلہ قبیل اعتقاد سے ہے اسکے لئے نصوص قطعیہ موجود ہیں۔ رب عزوجل فرماتا ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.﴾ [آل عمران: ۱۷۹] (اور نہیں ہے اللہ کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے) (معارف)۔ اور فرماتا ہے۔ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ.﴾ [الجن: ۲۷] (اور وہ غیب کا جاننے والا ہے تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو مگر جسے چن لیا رسول سے) (معارف)۔ اور فرماتا ہے۔ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ.﴾ [تکویر: ۲۴] (اور نہیں ہیں وہ غیب بتانے میں بخیل) (معارف)۔ اور فرماتا ہے۔ ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا.﴾ [النساء: ۱۱۳] (اور سکھا دیا سب کچھ جو نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے)۔ اور فرماتا ہے۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ.﴾ [یوسف: ۱۰۲]

(یہ غیب کی باتیں ہیں جن کی وحی فرماتے ہیں ہم تمہاری طرف حالانکہ تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ ایک رائے ہوئے تھے اپنے معاملہ میں اور ترکیب ڈالتیں)(معارف)۔ اور فرماتا ہے۔ ﴿ ذٰلِکَ مِنْ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَیُّهُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ. ﴾ [آل عمران: ۴۴] (یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو اور نہ تھے تم ان کے پاس جب وہ قلمیں پھینکتے تھے کہ کون کفیل ہو مریم کا اور نہ تھے تم ان کے پاس جب وہ جھگڑتے ہیں) اور فرماتا ہے۔ ﴿ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهَاۤ اِلَیۡکَ ﴾ [ہود: ۴۹] (یہ غیب کی خبریں جو وحی فرماتے ہیں ہم تم تک)۔

مسلمانوں کو فرماتا ہے یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شئے کا اصلا علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیونکر ممکن۔ رہا علم غیب کا ایسا علم عطائی کہ ابتدائے آفرینش عالم سے لیکر تا قیام قیامت جتنی چیزیں ہو چکیں اور ہو رہی ہیں اور ہونے والی ہیں ان تمام امور کا ایسا تفصیلی علم کہ کوئی چیز کوئی ذرہ مخفی نہ رہے اور سب ظاہر و آشکار ہو اور تمام کلیات اور جزئیات کا علم ہو اور سب روشن و ہویدا ہو ایسے علم غیب کلی کا نبی مکرم رحمت عالم ﷺ کے لئے ثابت کرنا فضائل مصطفےٰ احمد مجتبےٰ علیہ التحیۃ والثنا میں سے ہے اس کے لئے نصوص قطعیہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ صحیح احادیث سے بھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن میں اسکے لئے بھی نصوص قطعیہ پیش کر دیتا ہوں وہ یہ ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿ وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ. ﴾ [النحل: ۸۹] (اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت رحمت و بشارت)۔ و قال اللہ تعالیٰ ﴿ مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَلٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَتَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ. ﴾ [یوسف: ۱۱۱] (قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شی کا صاف صاف جدا جدا بیان)۔ و قال اللہ تعالیٰ ﴿ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ. ﴾ [الانعام: ۳۸] (ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی)۔

جب قرآن مجید ہر شئے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل اور اہلسنت کے مذہب میں شی ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطہ میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتاب لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرورۃ یہ بیانات محیط اسکے مکتوبات کو بھی شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿ وَکُلُّ صَغِیۡرٍ وَّکَبِیۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ. ﴾ [القمر: ۵۳] (اور ہر چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے)۔ و قال اللہ تعالیٰ ﴿ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ. ﴾ [یٰس: ۱۲] (ہر شئے ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرمادی ہے)۔ و قال اللہ تعالیٰ ﴿ وَلَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ. ﴾ [الانعام: ۵۹] (کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے)۔

ان آیات بینات میں لفظ کل شیی اور من شیی موجود ہے۔ اصول میں مبرھن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہ ہوا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے لہٰذا قرآن کریم میں

ساری کائنات جملہ موجودات ابتدائے آفرینش عالم سے لیکر تا قیام قیامت ہر چیز حتیٰ کہ لوح محفوظ کی بھی تمام اشیاء کا مکتوبہ روشن اور واضح بیان ہے اور یہ قرآن کریم ہی سے پوچھئے کہ ان تمام امور مذکورہ کا علم اللہ رب العزت نے کسے عنایت فرمایا۔
قال الله تعالیٰ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ.﴾ [الرحمٰن: ۱، ۲، ۳] (حضرت رحمٰن جل وعلا نے قرآن کریم کی تعلیم فرمائی)۔ انسان کامل و مکمل جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کو پیدا کر کے انکو جملہ ماکان و ما یکون کے بیان کی تعلیم فرمائی اس آیت کی تفسیر میں تفسیر معالم التنزیل میں یوں ہے۔

قال ابن کیسان خَلَقَ الْاِنْسَانَ یعنی محمدا صلی الله تعالی علیه وسلم و عَلَّمَهُ الْبَيَانَ.
یعنی بیان ما کان و ما یکون ابن کیسان نے کہا. خَلَقَ الْاِنْسَانَ میں انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور عَلَّمَهُ الْبَيَانَ میں بیان سے مراد ما کان و ما یکون کا بیان ہے۔

تو بالیقین جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جملہ اشیاء تمام کائنات ماکان و ما یکون کے غیب داں ہوئے۔
ان دلائل کے بعد بھی اگر دیوبندی صاحبان کی تسلی نہ ہو تو میں علمائے دیوبند کے ایک بڑے عالم بانئ مدرسہ دیوبند و مدرسہ شاہی مراد آباد مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تحریر پیش کرتا ہوں تا کہ مخالفین پر حجت ہو اور وہ اپنے پیشوا کی تحریر کو مان ہی لیں۔ تحذیر الناس مصنفہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی صفحہ ۸ میں ہے۔

اور بشہادت آیۂ ﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْکَ الْکِتٰبَ تِبْيَانًا لِّکُلِّ شَيْءٍ﴾ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی۔
اور اگر علوم انبیاء متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تِبْيَانًا لِّکُلِّ شَيْءٍ ہونا غلط ہو جاتا بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لئے ایسی ہی کتاب جامع چاہئے تھی تا کہ علو مراتب نبوت جو لازم علو مراتب علمی ہے چنانچہ معروض ہو چکا میسر آئی۔

اسی کے صفحہ ۴ میں ہے۔

ادھر رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد عُلِّمتُ علمَ الاولین و الآخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر۔ شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور۔ لیکن وہ سب علوم رسول اللہ ﷺ میں مجتمع ہیں۔

مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی ان دونوں تحریروں سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن تمام علوم کا جامع ہے اور اللہ کے محبوب واقف اسرار و غیوب ﷺ اسکے عالم اور جامع العلوم نیز اولین و آخرین کا علم حضور کو ہے نیز یہ ثابت ہوا کہ علوم مصطفےٰ ﷺ کے ثابت کرنے کے لئے حدیث بھی کافی ہے جیسا کہ مولوی صاحب مذکور نے حدیث علمت علم الاولین و الآخرین سے استدلال کیا۔ والله سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک لڑکی یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور لڑکا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور پر نور سرور عالم ﷺ کو غیب کا علم تھا ان دونوں میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔

مسئولہ......

الجواب: مطلق عطائی علم غیب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا انکار کفر ہے چونکہ عطائی علم غیب حضور پرنور سرور کائنات ﷺ کیلئے قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ ﴿تِلْکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ.﴾ [هود: ۴۹] (یہ غیب کی خبریں جو وحی فرماتے ہیں ہم تم تک نہ تم ہی جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم اس سے پہلے تو صبر اختیار کرو بے شک انجام کار ڈرنے والوں کے لئے ہے) (معارف) و قال تعالیٰ ﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْکُرُوْنَ.﴾ [یوسف: ۱۰۲] (یہ غیب کی باتیں ہیں جن کی وحی فرماتے ہیں ہم تمہاری طرف حالانکہ تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ ایک رائے ہوئے تھے اپنے معاملہ میں اور ترکیب نکالیں) (معارف)۔

لہٰذا اگر لڑکی کا یہی عقیدہ ہو تو وہ کافرہ ہے، اور لڑکے کا عقیدہ صحیح ہے اور اہلسنت وجماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے لہٰذا مذکورہ بالا لڑکے ولڑکی کا نکاح باہم جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں:

(۱): یہ کہ ہمارے یہاں ایک شخص امام جامع مسجد وعیدین ہیں۔ ایک مجلس منعقد ہوئی تھی جس میں انکا بیان ہوا تھا کہ حضور آقا و مولی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعطائے الٰہی مختار کل ہیں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں چھین لیں۔ دینے نہ دینے کے مختار کل ہیں۔ مثال میں انہوں نے شیرنی کی مثال پیش کی تھی اور بھی مثالیں پیش کیں۔ آخری یہ مثال پیش کی کہ احمد نے محمود کو کوئی زمین عطا کی حامد اگر وہ زمین لینا چاہتا ہے تو محمود ہی سے مانگنا چاہئے اسلئے کہ احمد کے پاس وہ زمین اب نہ رہی تھی اسکا بیان تھا۔ اس مثال پر معترض نے ایک سوال بایں مضمون قائم کر کے خانقاہ رحمانیہ مونگیر بھیجا وہاں سے مندرجہ ذیل جواب آیا ہے اور ایک عالم صاحب جو اسی قریہ کے رہنے والے ہیں اس نے مقرر امام صاحب کو مشرک و بدعتی کہا ہے۔

سوال معترض: یہ کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے میں زید امام جامع مسجد وعیدین ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعطائے الٰہی مختار کل ہیں۔ بندوں کو چیزوں کے دینے اور نہ دینے کا اختیار کلی رکھتے ہیں جیسے احمد نے محمود کو زمین عطا کر دیا ہے حامد اگر وہ زمین مانگنا چاہے تو محمود ہی سے چاہے۔ کیونکہ احمد کے پاس اب وہ زمین نہ رہی ایسے امام کے پیچھے ہم مقتدیوں کی اقتداء صحیح ہوگی یا نہیں۔ جواب خانقاہ رحمانیہ مونگیر: ایسا عقیدہ رکھنے والا فاسق و گمراہ ہے لہٰذا فوراً ایسے شخص کو امامت سے علیحدہ کر دینا مسلمانوں کو ضروری ہے۔

(۲): یہ کہ ہم مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے کیونکہ ہم اہل موضع کم علم ہیں اور ان باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کون قابل امام ہیں۔ آیا جس نے اس امام کو مشرک و بدعتی کہا ہے وہ راہ راست پر ہیں یا جسکا بیان مندرجہ بالا ہے۔ امام سابق یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر علمائے اہل سنت وجماعت کے یہاں میرے بیان پر کسی قسم کا نقص یا کوئی لفظی خطا ثابت ہو جائے گا تو اس سے تائب ہو جاؤنگا۔ بحوالہ کتب ائمہ دین مدلل جواب سے سرفراز فرمادیں تاکہ رفع نزاع ہو۔

مسئولہ محمد معین الدین، تھتلیا، کورھیلا بوترا، پورنیہ بہار، ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۶۱ء

الجواب: سید کونین سردار دارین جناب مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء بلاشک وشبہ بالیقین بعطائے مالک حقیقی خلاق عالم جل شانہ ساری خدائی کے مالک مجازی ہیں۔ ساری کائنات پر حکومت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نافذ وجاری ہے اور جملہ مخلوقات کے مختار کل ہیں اور تمام نعم الٰہیہ کے تقسیم فرمانے والے ہیں۔ حدیث صحیح **اللہ المعطی و انما انا قاسم** اس پر دال ہے۔ حضور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام جسے جو چاہیں عنایت فرمائیں۔ سرکار کی یہ فضیلت اور اس پر اعتقاد کثیر نصوص شرعیہ اور ادلہ قویہ سے ثابت ومحقق ہے۔ امام صاحب کا اتنا بیان حق وصواب اور صحیح ودرست ہے۔ اسکو شرک وبدعت قرار دینا یا فسق وگمراہی بتانا باطل محض ہے۔ اور وہابیہ دیابنہ اعدائے رسول ودشمنان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعار وطریقہ ہے۔ ان بے دینوں کو ہر ایسی بات شرک وبدعت اور فسق وگمراہی نظر آتی ہے۔ جس سے رفعت وعظمت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ظاہر ہوتی ہو۔ جیسے ساون کے اندھے کو ہر چیز سبز ہی نظر آتی ہے۔ البتہ امام مذکور کی آخری مثال قطعاً غلط ہے۔ چونکہ اس تمثیل سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جب خداوند قدوس نے اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام خدائی کا مالک بنا دیا تو اب رب تعالیٰ کے پاس کچھ نہ رہا وہ مالک حقیقی بھی نہ رہا۔ حالانکہ مالک حقیقی خداوند قدوس ہے۔ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام مالک مجازی ہیں۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملک میں حقیقۃً داخل ہے اور رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملک میں مجازاً داخل ہے۔ جملہ کائنات دو حیثیتوں سے اللہ رب العزت عز اسمہ ورحمۃ للعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں کی ملک میں داخل ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل ''الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ'' اور ''سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' تصنیفات اعلیٰحضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز میں ہے۔ **من شاء فلیطالعھا**۔ لہٰذا یہ لزوم باطل وغلط اور گناہ عظیم ہے اور کفر نہیں **فان لزوم الکفر لیس بکفر بل الکفر التزامہ** (کیونکہ لزوم کفر، کفر نہیں، بلکہ التزام کفر، کفر ہے)۔ امام مذکور کو اس گناہ سے توبہ کرنا لازم وضروری ہے۔ توبہ کے بعد امام مذکور امامت کے قابل ہیں۔ جس عالم صاحب نے اس امام مذکور کو مشرک وبدعتی کہا ہے وہ یقیناً وہابی دیوبندی نجدی بد دین ہے وہ ہرگز امام بننے اور امام بنانیکے قابل نہیں۔ اسکو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔ چونکہ امام مذکور فاسق عمل کے اعتبار سے ہے اور اسکو مشرک وبدعتی بتانے والا فاسق اعتقاد کے اعتبار سے ہے جسے مبتدع کہتے ہیں۔ ان دونوں فسق میں شدید ترین فسق اسکا ہے جو عقیدہ کے اعتبار سے فاسق مبتدع ہے۔ غنیۃ المستملی کانپوری ص ۴۷۶ میں ہے۔

> **و یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقاد و ھوا شد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث ا لعمل یعترف بانہ فاسق و یخاف و یستغفر بخلاف المبتدع۔** بدعتی کا بھی امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے فاسق ہے۔ اور یہ فسق عملی سے سخت ہے، کیونکہ فاسق عملی اپنے فاسق ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اللہ سے ڈرتا ہے اور استغفار کرتا ہے برخلاف بدعتی کے۔ **واللہ تعالی اعلم**

مسئلہ ۱۹: بعد سلام مسنون خیریت ہے۔ عافیت مزاج مبارک مطلوب ضروری گذارش یہ ہے کہ عرصہ سے ہمارے سامنے یہ سوال درپیش ہے کہ "کنت نبیاو آدم بین الماء والطین" کس حدیث میں ہے۔ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف۔ اگر صحیح ہے تو پھر نبوت ملنے کے چالیس سال کی عمر شریف کیوں مشہور ہے؟ جیسا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اپنی کتاب بہشتی زیور حصہ ہشتم میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور وفات وغیرہ کے بیان کے تحت لکھدیا ہے" کہ پھر چالیس برس کی عمر میں آپکو نبوت ملی" اس لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ چالیس سال کے قبل نبی نہیں تھے۔ حالانکہ بچپن شریف میں لہو ولعب سے احتراز کے موقعہ پر فرماتے تھے انی بعثت لا تمم مکارم الاخلاق اس بعثت کا کیا معنی وغیرہ یہ لکھنا اور ایسا مشہور ہونا صحیح ہے یا غلط۔ حدیث مذکور کی روشنی اور ثبوت میں جواب مرحمت فرما کر مجھ پر احسان فرمایا جائے اور اگر اسکا جواب طویل ہوتو لکھ کر عزیزان وطن (چوٹیا) کے حوالہ فرمادیا جائے ممنون کرم ہوں گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ آپ ہی کے صدقے میں قبول ہوئی اور اسی وقت، بلکہ اللہ ہی جانتا ہے کب سے عرش اعظم پر لکھا ہوا تھا اور ہے (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) یہ آپ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ رسول کا لفظ رسالت تک ثبوت دیتا ہے۔ مہربانی فرما کر میرے خلجان کو دور فرمادیجئے۔ جناب کا احسان عظیم ہوگا۔ بقیہ خیریت ہے۔

مسئولہ.....

الجواب: حدیث کنت نبیاو آدم بین الماء والطین ہے اس میں آپ نے والآدم الف لام کیساتھ لکھا ہے جو غلط ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ حدیث اس لفظ کیساتھ نیز سند کے اعتبار سے اگر چہ ضعیف ہے لیکن اس کا مضمون ومفہوم بالکل صحیح اور حدیث صحیح کے مطابق ہے۔ الدرر المنتثرہ فی الا حادیث المنتشرہ للعلامۃ السیوطی مصری ص ۲۲۴ میں ہے۔

> حدیث کنت نبیا و آدم بین الماء والطین لا اصل له بهذا اللفظ لکن فی الترمذی متی کنت نبیا؟ قال و آدم بین الروح والجسد و فی صحیح ابن حبان و الحاکم من حدیث العرباض بن ساریة انی عند الله لمکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینه. حدیث کنت نبیا.......... اس لفظ کے ساتھ اس کی کوئی اصل نہیں۔ لیکن ترمذی میں ہے۔ آپ نبی کب ہوئے؟ فرمایا "اس حال میں کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے"۔ صحیح ابن حبان اور حاکم میں عرباض بن ساریہ کی حدیث سے ہے۔ میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا درآنحالیکہ آدم اس وقت اپنے خمیر کے عالم میں تھے۔

یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف جلد ثانی کتاب الفتن باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فصل ثانی ص ۵۱۳ میں بھی ہیں اور ترمذی شریف جلد ثانی ابواب المناقب باب وما جاء فی فضل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کے آخر میں و آدم بین الروح والجسد والی حدیث مرقوم ہے۔ جسے امام ترمذی نے حدیث حسن صحیح غریب بتایا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات جلد رابع نول لکشوری ص ۴۹۹ میں قال و آدم بین

الروح والجسد کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں۔

گفت آں حضرت ثابت شد مرا نبوت وحال آنکہ آدم میان روح وجسد بود۔ یعنی خلقت آدم تمام نشدہ بودو روح او بجسد متعلق نشدہ بود کنایت از سبق وتقدم است۔ آنحضرت نے کہا مجھے نبوت ثابت ہوئی اور حالت یہ تھی کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ مطلب یہ کہ انکی خلقت تمام نہیں ہوئی تھی۔ اوران کی روح جسم سے متعلق نہیں ہوئی تھی۔ پہلے اور آگے ہونے کے سلسلہ میں یہ لفظ کنایۃً بولتے ہیں۔

پھر دوسری حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں۔

عن رسول اللہ تعالی صلی اللہ علیہ وسلم روایت می کند از پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم انہ قال انی عنداللہ لمکتوب گفت آن حضرت بدرستی کہ من نزد خدائے تعالیٰ نوشتہ شدہ ام۔ خاتم النبیین ختم کنندۂ پیغمبراں کہ بعد از من پیغمبری نباشد وآں آدم لمنجدل فی طینتہ وبدرستی آدم ہرآئنہ افتادہ بود برزمین در گل خود دوسرشت خود طینت پارۂ از گل وبمعنی خلقت وجبلت نیز آید وحاصل ایں معنی آں چہ مشہور است برزبانہا لفظ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین وورروایتی کتبت نبیا از کتابت یعنی نوشتہ شدم من پیغمبر وحال آں کہ آدم میان آب وگل بود یعنی مخلوق نشدہ بود۔ ایں جاسوال میکنند کہ از سبق نبوت آں حضرت چہ مراد است اگر علم وتقدیر الٰہی است نبوت ہمہ انبیا را شامل است واگر بالفعل است آں خود در دنیا خواہد بود جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ وارواح چنانکہ وارد شدہ است کتابت اسم شریف او برعرش وآسمان ہا وقصور بہشت وغرفہ ہائے آں وبرسینہ ہائے حورالعین وبرگہائے درختان جنت ودرخت طوبی وبرابروہا وچشمہائے فرشتگان وبعضے از عرفا گفتہ اند کہ روح شریف وے صلی اللہ علیہ والہ وسلم نبی بود در عالم ارواح کہ تربیت ارواح میکرد چناں کہ دریں عالم بہ جسد شریف مربی اجساد بود وبہ تحقیق ثابت شدہ است۔ خلق ارواح قبل اجساد۔ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ”میں خدائے تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین خاتم پیغمبراں لکھا ہوا تھا کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئیگا۔ اس حال میں کہ آدم زمین کے اوپر مٹی اور اپنے خمیر کے عالم میں تھے۔ طینت کے معنی مٹی کا ٹکڑا نیز جبلت وخلقت بھی آتا ہے۔ اس معنی کا حاصل وہی ہے جو زبانوں پر مشہور ہے۔ لفظ کنت نبیا.......... ایک روایت میں کتبت نبیا کتابت سے آیا ہے۔ یعنی میں پیغمبر لکھا ہوا تھا اس حال میں کہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یعنی پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔ اس جگہ سوال ہوتا ہے کہ آں حضرت کے سبق نبوت سے کیا مراد ہے؟ اگر تقدیر الٰہی کا علم مراد ہے تو تمام انبیاء کو نبوت شامل ہے۔ اوراگر بالفعل مراد ہے تو وہ خود دنیا میں نبی ہونگے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے وجود عنصری سے پہلے ملائکہ اور ارواح میں آپ کی نبوت کا اظہار مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا کہ آپ کا نام نامی عرش پر، آسمانوں پر، جنت کے محلات وکمروں پر، حوران بہشتی کے سینوں پر، جنت کے درختوں ودرخت طوبیٰ

پر، فرشتوں کے چشم وابرو پر لکھا ہوا تھا۔ بعض عارفوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کی روح شریف عالم ارواح میں نبی تھی۔ اس وقت ارواح کی تربیت کر رہی تھی۔ جیسا کہ اس دنیا میں اپنے جسم شریف کے ساتھ اجسام کی تربیت کنندہ تھی۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ ارواح کی پیدائش اجسام سے پہلے ہے۔

موضوعات ملاعلی قاری ص ۶۳ اور ص ۶۴ میں ہے۔

حديث كنت نبيا و آدم بين الماء والطين قال السخاوى لم اقف عليه بهذا اللفظ قال الزر كشى لا اصل له بهذا اللفظ ولكن فى الترمذى متىٰ كنت نبيا؟ قال: و آدم بين الروح والجسد و فى صحيح ابن حبان و الحا كم عن العرباض بن سارية انى عند الله لمكتوب خاتم النبيين و آدم لمنجدل فى طينه قال السيوطى و زادالعوام ولا آدم ولا ماء ولا طين ولا اصل له ايضا يعنى بحسب مبناه والا فهو صحيح باعتبار معناه لما تقدم بحديث كنت اول النبيين فى الخلق و آخرهم فى البعث رواه ابن ابى حاتم فى تفسيره وابو نعيم فى الد لائل عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه كما ذكره السيوطى وله شاهد من حديث ميسرة الفجر بلفظ كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد و اخرجه احمد والبخارى فى تاريخه صححه الحاكم. حديث كنت نبيا......... سخاوی نے کہا اس لفظ کے ساتھ روایت کا مجھے علم نہیں۔ زرکشی نے کہا ''اس لفظ کے ساتھ اس کی اصل نہیں''۔ لیکن ترمذی میں ہے متى كنت ...... سیوطی نے کہا ''عوام'' نے زیادہ کیا نہ تو آدم تھے، نہ پانی، نہ مٹی ---- اس کی بھی اصل نہیں۔ یعنی اس کے مبنیٰ کے اعتبار سے، ورنہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو گزری کہ میں خلق (پیدا ہونے) میں پہلا نبی ہوں۔ اور بعث (رسول بنا کر بھیجے جانے) میں سب سے آخر۔ اس کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور ابو نعیم نے دلائل میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا ذکر کیا۔ ميسرة الفجر کی حدیث سے بھی دلیل مل رہی ہے۔ اس میں یہ لفظ ہے كنت نبيا و آدم الخ ....امام احمد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اس کی تخریج کی۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی۔

ضوء المعالی شرح بدء الامالی مصری ص ۳۵ میں ہے۔

انه اول الرسول وجود ا كما انه آخر هم شهوداً على ما ورد اول ما خلق الله نورى او روحى و كنت نبياً و آدم بين الماء والطين. وجود کے اعتبار سے آپ پہلے نبی ہیں۔ شہود کے لحاظ سے آپ آخری نبی ہیں جیسا کہ وارد ہوا۔ ''سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا یا میری روح کو پیدا فرمایا۔ نیز میں اس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔

شرح فقہ اکبر للملا علی القاری کانپوری ص ۲۷ میں ہے۔

وفى قوله تعالىٰ ﴿ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ ايماء الى ما ورد فى بعض

احادیث الا سراء جعلتک اول النبیین خلقاً و آخر هم بعثاً کما رواه البزارمن حدیث ابی هریرة رضی الله عنه قال الامام فخر الدین الرازی الحق ان محمداً صلی الله تعالی وسلم علیه وآله قبل الرسالة ما کان علی شرع نبی من الا نبیاء و هو المختار عند المحققین من الحنفیة لانه لم یکن من امة نبی قط لکنه کان فی مقام النبوة قبل الرسالة و کان یعمل بما هو الحق الذی ظهر علیه فی مقام نبوته بالوحی الخفی والکشوف الصادقة من شریعة ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام وغیرها کذا نقله القونوی فی شرح عمدة النسفی و فیه دلا لة علی ان نبوته لم تکن منحصرة فیما بعد الا ربعین کما قال جماعة بل اشارة الی انه من یوم ولا دته متصف بنعت نبوته بل یدل حدیث کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد علی انه متصف بوصف النبوة فی عالم الارواح قبل خلق الاشباح و هذا و صف خاص له. اللہ تعالیٰ کے قول وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ .... کے اندر اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو بعض احادیث اسراء میں وارد ہوا۔ ''میں نے آپ کو خلق کے اعتبار سے پہلا نبی بنایا اور بعث کے لحاظ سے آخری نبی--- اس حدیث کو بزار نے ابوھریرہ کی حدیث سے روایت کیا۔ امام رازی نے کہا۔ ''حق یہ ہے کہ محمد ﷺ رسالت سے پہلے کسی نبی کی شریعت پر نہیں تھے''۔ محققین حنفیہ کے نزدیک یہی مختار ہے۔ کیونکہ اس وقت کسی نبی کی امت تھی ہی نہیں مگر آپ رسالت سے پہلے مقام نبوت پر فائز تھے۔ اس مقام پر وحی باطنی اور کشف صادق کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں سے جو ''حق'' آپ پر ظاہر ہوا، اسکے مطابق عمل کرتے تھے۔ قونوی نے شرح عمدۃ النسفی میں ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اس میں اس حقیقت پر بھی دلیل ہے کہ آپ کی نبوت مابعد چالیس سال پر منحصر نہیں۔ ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔ بلکہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روز پیدائش ہی سے وصف نبوت سے متصف تھے۔ بلکہ حدیث کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد تو اس امر پر دلیل ہے کہ آپ خلق اشباح (پیدائش عالم) سے پہلے عالم ارواح میں وصف نبوت سے متصف تھے۔ یہ حضور کا وصف خاص ہے۔

خلاصہ یہ کہ جن صحیح احادیث میں چالیس سال کی عمر شریف میں نبوت کے عطا ہونے کا تذکرہ ہے وہاں نبوت سے نبوت ظاہرہ وجسمانیہ مراد ہے۔ اور جن احادیث میں خلق آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والتسلیم سے قبل ہی منصب نبوت پر فائز المرام ہونے کا ذکر ہے وہاں نبوت سے نبوت باطنہ وروحانیہ مراد ہے یا اظہار نبوت واعلان رسالت قبل وجود عنصری ارواح ملائکہ میں مراد ہے۔ فلا تعارض بین الاحادیث کما هو الظاهر من عبارة الشیخ المحقق علیه الرحمة. یا یہ مراد ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منصب نبوت پر تو قبل خلق آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہی فائز تھے۔ اور منصب رسالت چالیس سال کی عمر شریف میں عطا ہوئی۔ فان مرتبة الرسالة فوق مرتبة النبوة. والله تعالی اعلم.

مسئلہ ۲۰: منتخب کنز العمال جلد ۷ ص ۱۶۴ میں ہے۔

فقال اللهم بارک لنا فی مدینتنا اللهم بارک لنا فی شامنا اللهم بارک لنا فی یمننا فقال له رجل فالعراق فان فیها میرتنا و حاجتنا فسکت ثم اعادعلیه فسکت فقال بها یطلع قرن الشیطان و هناک الزلازل والفتن رواه الطبرانی و ابن عساکر.

(۱): اس حدیث کی سند کیسی ہے اور اسکا مطلب کیا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اسکے مصداق کون لوگ ہیں؟ نیز قرن الشیطان و زلازل کے کیا معنی ہیں؟

(۲): وہابیہ غیر مقلدین بڑے زوروں پر کہتے ہیں کہ دوسری حدیث میں جو نجد سے قرن شیطان وغیرہ کے نکلنے کی خبر دی گئی ہے اس میں نجد سے مراد عراق ہی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا حدیثوں میں صاف لفظ عراق آیا ہے۔

ان دونوں سوالوں کے مکمل اور شافی جواب عنایت فرما کر مجھے شکر گذار فرمائیں۔ اسوقت اس حدیث پر بہت بحثیں ہو رہی ہیں۔ خدا کیلئے جلد جواب عنایت فرمائیں لفافہ حاضر ہے۔

مسئولہ خاکسار محمد غریب اللہ نشتر نعیمی مدرسہ پل پار دھو پور

الجواب: یہ حدیث سند کی حیثیت سے ضعیف ہے اسلئے کہ کنز العمال جلد اول ص ۳ میں یہ مضمون مرقوم ہے کہ اس کتاب میں ہر وہ حدیث جسکی نسبت عقیلی اور ابن عدی کی کتاب الکامل اور تاریخ خطیب بغدادی اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی کی کتاب نوادر الاصول اور تاریخ حاکم اور تاریخ ابن جارود اور دیلمی کی کتاب مسند الفردوس کی طرف کی گئی ہے وہ حدیث ضعیف ہے انکے ضعف کے بیان کرنے کی حاجت وضرورت نہیں۔ ان سب کی طرف احادیث کی نسبت کرنے ہی سے ان کی حدیثوں کو ضعیف سمجھ لیا جائے۔

وهذا لفظه (ورمزت) للعقیلی فی الضعفاء (عق) ولا بن عدی فی الکامل (عد)و للخطیب (خط) فان کان فی تاریخه اطلقت والا بنیته ولا بن عساکر (کر) وما عزی لهو لاء الا ربعة او للحکیم الترمذی فی نوادر الاصول او للحاکم فی تاریخه او لابن الجارود فی تاریخه او للدیلمی فی مسند الفردوس فهو ضعیف فیستغنی بالعز و الیها او الی بعضها عن بیان ضعفه. کنز العمال جلد اول ص ۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ اور شام ویمن کیلئے برکت کی دعاء فرمائی اس پر کسی نے عرض کیا کہ حضور عراق کیلئے بھی دعاء فرمائیں حضور نے سکوت فرمایا۔ پھر اس نے دوبارہ عرض کیا تو سکوت کے بعد حضور نے فرمایا کہ عراق میں شیطان کے گروہ اور تبعین نکلینگے اور وہاں زلزلے اور فتنے ظاہر ہونگے یعنی وہاں شیطانی جماعتوں کا ظہور ہوگا اور وہاں ایسے زلزلے آئینگے کہ لوگوں کے عقائد خراب وفاسد ہو جائینگے اور وہاں سے قتل وخونریزی بد عقیدگی ولا مذہبی کے فتنے جزیرہ عرب میں پیدا ہونگے اس حدیث کے مصداق محمد بن عبدالوہاب اور عبدالعزیز ابن محمد ابن سعود بن وائل اور انکے ماننے والے، پیروی کرنے والے خارجی نجدی وہابی دیوبندی غیر مقلدین ہیں قرن کے معنی

سینگ ہیں۔ یہاں قرن سے مراد احزاب اور جماعت اور تابعین و پیروکار ہیں۔ زلازل زلزلہ کی جمع ہے یہاں زلازل سے یا تو حقیقی زلزلے مراد ہیں یا زلازل سے یہاں ایسے زلزلے مراد ہیں جن سے امت مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عقائد متزلزل ہو جائیں اور ان کے یقینی عقیدے مشکوک و موہوم ہو جائیں یا شیطانی فتنوں سے عرب کے جزیرے میں انقلاب عظیم کا پیدا ہونا مراد ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۳ ص ۴۶۵ میں ہے۔

قولہ و بھا ای و بنجد یطلع قرن الشیطان ای امتہ و حزبہ و قال کعب یخرج الدجال من العراق. ان کا قول وہاں یعنی نجد میں شیطان کا ''قرن'' نکلے گا، یعنی اس کی قوم و جماعت۔ کعب نے کہا۔ ''دجال عراق سے نکلے گا''۔

اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۷۵۴ نولکشور پریس لکھنو میں ہے۔

و بھا یطلع قرن الشیطان و بارض نجد طلوع میکند قرن شیطان یعنی حزب او اعوان او. وہاں یعنی نجد کی زمین سے شیطان کی جماعت اور اس کے مددگار نکلیں گے۔

الدرر السنیہ مصری ص ۵۱ میں ہے۔

و فی روایۃ سیظھر من نجد شیطان تتزلزل جزیرۃ العرب من فتنتہ. عنقریب نجد سے شیطان ظاہر ہوگا جس کے فتنے سے جزیرۂ عرب میں زلزلہ پیدا ہوگا۔

حاشیہ بخاری شریف جلد ثانی مجتبائی دہلی ص ۱۰۵۱ میں کرمانی سے منقول ہے۔

و لعل المراد من الزلازل الا ضطرابات التی بین الناس والبلا یا لیناسب الفتن مع احتمال ارادۃ حقیقتھا. غالباً زلازل سے مراد وہ اضطرابات ہیں جو لوگوں میں پیدا ہونگے اور بلائیں، تاکہ لفظ فتن کے مناسب ہو جائے۔ حقیقۃً زلزلہ مراد ہونے کو بھی خارج از احتمال نہیں کہا جا سکتا۔

وہابیہ غیر مقلدین نرے جاہل ہیں اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ لیکن حدیث دانی سے منزلوں دور ہیں۔ انہیں اپنی اصل جنم بھومی یعنی مقام پیدائش نجد و عراق کی بھی خبر نہیں انکا یہ کہنا کہ ''دوسری حدیث میں جو نجد سے قرن شیطان وغیرہ کے نکلنے کی خبر دی گئی اسمیں نجد سے مراد عراق ہی ہے کیونکہ مذکورہ بالا حدیثوں میں صاف لفظ عراق آیا ہے''۔ ان سے یہ کہا جائے کہ بخاری شریف' ترمذی شریف' مشکوٰۃ شریف میں صاف لفظ نجد آیا ہے اسی طرح اسماعیلی کی تخریج میں بھی اس حدیث میں لفظ نجد آیا ہے۔ جب صرف ابن عساکر کی حدیث ضعیف میں ان صحیح روایتوں کے خلاف صاف لفظ عراق کا آنا اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ نجد سے مراد عراق ہی ہے تو بخاری شریف میں دو جگہ' ترمذی شریف میں ایک جگہ' مشکوٰۃ شریف میں ایک جگہ' اسماعیلی کی تخریج میں ایک جگہ ان صحیح روایتوں میں صاف لفظ نجد کا آنا بطریق اولیٰ ضرور اس بات کی دلیل ہے کہ عراق سے مراد نجد ہی ہے۔ چونکہ صرف ایک کتاب تاریخ ابن عساکر میں لفظ عراق ہے۔ اور چار کتابوں میں لفظ نجد آیا ہے۔ نیز ابن عساکر کی حدیث ضعیف ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا اور بخاری شریف' ترمذی شریف' مشکوٰۃ شریف وغیرھا کی حدیثیں مسند مرفوع' صحیح و حسن ہیں۔ صرف ترمذی شریف کی روایت کے مقابلہ میں بھی ابن عساکر کی روایت قابل

اعتبار نہیں۔ دیگر مسائل مختلفہ میں غیر مقلدین صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی کی روایتیں بڑے زور شور سے پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ ہم نے صحاح ستہ کی روایت پیش کی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں صحاح ستہ چھوڑ کر ابن عساکر کی ضعیف حدیث کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جس حدیث میں صاف لفظ نجد وارد ہے یہ حدیث بخاری شریف جلد اول مجتبائی دہلی ص ۱۴۱ باب ما قیل فی الزلازل والآیات میں ہے۔ نیز بخاری شریف جلد ثانی مجتبائی دہلی ص ۱۰۵۰ ص ۱۰۵۱ باب قول النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الفتنہ من قبل المشرق میں ہے اور یہ حدیث ترمذی شریف جلد ثانی مجیدی کانپوری ص ۲۴۰ میں بھی ہے۔ امام ترمذی علیہ الرحمہ اس حدیث کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث حسن صحیح غریب من ھذا الوجه. مشکوۃ شریف جلد ثانی اصح المطابع دہلی ص ۵۸۲ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اسی حدیث کے متعلق اسماعیلی کی تخریج کا تذکرہ حضرت علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ثالث ص ۴۶۵ مطبوعہ عامرہ مصر میں ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ و خرجه الاسماعیلی مسندا۔ اب نجد و عراق کی وہ تفصیلات درج ذیل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عراق بھی نجد میں داخل ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ثالث ۴۶۵ مطبوعہ عامرہ مصر میں ہے۔

و نجد ھو خلاف الغور والغور ھو تهامة و کل ما له مرتفع عن تهامة الی ارض العراق فھو نجد یعنی نجد خلاف غور کو کہتے ہیں۔ غور تہامہ کا نام ہے ہر وہ زمین جو تہامہ سے بلندی میں عراق تک ہے وہ زمین نجد ہے۔ اس کو تہامہ کہتے ہیں۔ ایسا ہی قاموس میں ہے۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ فارسی جلد رابع ص ۷۵۳ مطبوعہ نولکشور لکھنو میں ہے۔

سیوطی از باجی نقل کردہ کہ گفت مراد بمشرق فارس ست یا اھل نجد و نجد ورائے زمین حجاز را گویند و اصل معنی وے زمین بلند است مخالف غور۔

اسی جلد کے ص ۷۵۴ میں ہے۔

وحجاز را حجاز از آں گویند۔ گویا حاجز ست میان نجد و تہامہ و نجد نام زمینے ست بلند و آں مخصوص ست بما دون حجاز آنچہ متصل ست بعراق ضد غور کہ او را تہامہ بگویند کذا فی القاموس۔ حجاز کو حجاز اس وجہ سے کہتے ہیں کہ گویا نجد اور تہامہ کے درمیان حاجز ہے۔ نجد بلند زمین کو کہتے ہیں۔ یہ عراق سے متصل ماسوا حجاز کیلئے مخصوص ہے۔ نجد لفظ غور کی ضد ہے۔

حاشیہ بخاری شریف جلد ثانی مجتبائی دہلی ص ۱۰۵۱ میں ہے۔

والنجد ھو ما ارتفع من الارض والغور ما انخفض منها و من کان بالمدینة الطیبة صلی اللہ تعالی علی ساکنها وسلم کان نجده بادیة العراق و نواحیها وھی مشرق اھلها.
یعنی نجد اونچی زمین کو کہتے ہیں اور غور نیچی زمین کو کہتے ہیں اور جو لوگ مدینہ طیبہ کے سدا رہنے والے ہیں

(اللہ تعالیٰ وہاں کے رہنے والوں پر رحمت وسلام نازل فرمائے) انکا نجد عراق کا صحرا اور عراق کے اطراف کی وادی ہے اور وہ مقامات اہل مدینہ کے مشرق میں واقع ہیں۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد یازدہم مطبوعہ عامرہ مصر ص ۳۵۲ میں ہے۔

و اشار بقوله هناك الى نجد و نجد من المشرق قال الخطابى نجد من جهة المشرق و من كان بالمدينة كان نجده بادية العراق و نو احيها و هى مشرق اهل المدينة و اصل النجد ما ارتفع من الارض و هو بخلاف الغور فانه ما انخفض منها و تهامة كلها من الغور مكة من تهامة اليمن۔ یعنی حضور نے لفظ هناک سے نجد کی طرف اشارہ فرمایا اور نجد مدینہ طیبہ کی مشرق کی جانب واقع ہے جو لوگ مدینہ کے رہنے والے ہیں انکا نجد عراق اور اطراف عراق کی وادی ہے۔

ان روایات سے ظاہر ہوا کہ عراق بھی نجد میں ہے لہذا عراق والی روایت جو ابن عساکر کی روایت میں آئی ہے اس میں عراق سے نجد ہی مراد ہے۔

اگر ان غیر مقلدین کو جو اپنے آپکو اہل حدیث کہتے ہیں اور فی الحقیقت مُحدِثْ ہیں۔ احادیث اور شروح احادیث کو دیکھنے اور سمجھنے کی قابلیت نہ تھی تو کم سے کم عربی لغت کی کتاب قاموس دیکھ لیتے تو پتہ چل جاتا کہ عراق نجد میں داخل ہے اور اگر عربی لغت دیکھنے کی قابلیت نہ تھی تو کم سے کم فارسی کی لغت غیاث اللغات ومنتخب اللغات دیکھ لیتے تو پتہ چل جاتا کہ حدیث میں جو لفظ نجد کا آیا ہے اسمیں عراق بھی داخل ہے۔ غیاث اللغات میں ہے۔

نجد۔ بالفتح زمین بلند خلاف غور ونام ملکے از عرب میان حجاز وعراق ومیان بصرہ ومکہ معظمہ کہ زمین آن بلندست۔ نجد اس پر زبر ہے بلند زمین کو کہتے ہیں۔ یہ غور کے برعکس ہے۔ ممالک عرب میں سے ایک ملک کا نام ہے۔ حجاز وعراق کے درمیان نیز بصرہ ومکہ معظمہ کے درمیان۔ اسکی زمین بلند ہے۔

منتخب اللغات میں ہے۔

نجد۔ بالفتح زمین بلند خلاف غور وزمین تہامہ تا عراق۔ نجد فتحہ کے ساتھ، بلند زمین ضد غور تہامہ سے عراق تک کی زمین۔

بخاری شریف جلد ثانی مجتبائی دہلی ص ۱۰۵۰ کتاب الفتن باب قول النبی صلی الله تعالی علیه وسلم الفتنة من قبل المشرق میں ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے مشرق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان دوسری روایت میں ہے الا ان الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان۔ اسکی شرح میں ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القادری جلد یازدہم ص ۳۵۳ میں فرماتے ہیں۔

ذهب الداؤدى ان للشيطان قرنين على حقيقة و ذكر الهروى ان قرنيه نا حيتى رأسه و قيل هذا مثل اى حينئذ يتحرك الشيطان و يتسلط و قيل القرن القوة اى يطلع حين قوة

الشیطان و انما اشار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی المشرق لان اھلہ یومئذ کانوا اھل کفر فاخبران الفتنۃ تکون من تلک النا حیۃ و کذلک کانت و ھی وقعۃ الجمل و وقعۃ صفین ثم ظھور الخوارج فی ارض نجد والعراق وما وراء ھا من المشـ[illegible] کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحذرمن ذلک ویعلم بہ قبل وقوعہ و ذالـ[illegible] ـن ـ[illegible] لات نبوتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔یعنی محدث داؤدی نے فرمایا کہ شیطان کے حقیقت دوسینگ ہوتے ہیں اور محدث حروی نے ذکر کیا کہ شیطان کے دوسینگوں سے اسکے سر کے دو کنارے مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں پر قرن سے مراد قوت وطاقت ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ عیہ وسلم نے مشرق کی طرف اسلئے اشارہ فرمایا کہ اس زمانہ میں مشرق والے کفار تھے حضور کو رب العزت جل وعلا کی جانب سے خبر دی گئی کہ مشرق کی جانب سے فتنہ پھیلےگا اور ایسا ہی ہوا کہ جنگ جمل' جنگ صفین واقع ہوئی پھر خارجیوں کا ظہور زمین نجد وعراق اور اسکے ماسوا مشرق سے ہوا اسی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرام کو اس فتنے سے ڈراتے تھے ان فتنوں کے وقوع سے پہلے حضور کو ان فتنوں کا علم تھا اور یہ حضور کی نبوت کی دلیلوں میں سے ہے۔

شاید کوئی غیر مقلد یہ کہہ بیٹھے کہ نجد سے مراد مشرق ہے تو اسے یہ بتایا جائے کہ نجد بھی مدینہ طیبہ سے مشرق میں واقع ہے چنانچہ امام بخاری نے کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق میں ہی نجد والی حدیث کو ذکر فرمایا ہے یا مشرق سے اہل نجد ہی مراد ہیں جیسا کہ اشعۃ اللمعات کی عبارت میں سیوطی اور باجی سے منقول ہوا اور اوپر گذرا۔

اب ان تمام روایتوں سے نتیجہ یہ نکلا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مشرق سے فتنوں کے ظہور کی خبر دی۔ مدینہ طیبہ سے مشرق ہی میں نجد وعراق واقع ہیں۔ یہاں سے بھی شرور وفتن کے واقع ہونیکا ذکر فرمایا اور ان مقامات کیلئے حضور نے دعا نہ فرمائی اور مدینہ طیبہ اور شام ویمن وغیرھا کیلئے بار ہا دعائیں فرمائیں۔ محدثین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اہل مشرق اور اہل نجد اور عراق کیلئے دعاء برکت اسلئے نہ فرمائی کہ ان مقامات میں جو شرور وفتن علم الٰہی میں ہیں وہ سست وضعیف ہوجائیں اور حضور کی دعاء علم الٰہی کے خلاف نہو۔ عمدۃ القاری جلد ثالث ص ۴۶۵ میں ہے۔

قال الداؤدی و انما لم یقل فی نجد نالا نہ لا یدعو لما سبق فی علم اللہ تعالیٰ حلافہ .
داؤدی نے کہا" فی نجدنا نہیں کہا کیونکہ وہ ایسی دعاء کیوں کرتے علم الٰہی میں جس کے خلاف سابق ہو چکا"۔

نیز عمدۃ القادری جلد یازدہم ص ۳۵۳ میں ہے۔

قال المھلب انما ترک الدعاء لا ھل المشرق لیضعفو اعن الشرالذی ھو موضوع فی جھتھم لا ستیلاء الشیطان بالفتن علیھا. مہلب نے کہا" اہل مشرق کے لئے ترک دعاء محض اس

لئے کیا تا کہ وہ اس شر کی طاقت. نہ رکھیں جوان کے اطراف میں غلبہ شیطان کی وجہ سے رکھ دیا گیا ہے، وہاں فتنے ہونگے۔

حاشیہ بخاری جلد ثانی ص ۱۰۵۱ میں کرمانی سے منقول ہے۔

قیل ان اهل المشرق كانوا حینئذ اهل كفر فاخبر ان الفتنة تكون من نا حیتهم كما ان وقعة الجمل و صفین و ظهور الخوارج فی ارض نجد والعراق و ما والا هاكانت من المشرق و كذلك یكون خروج الدجال و یاجوج و ماجوج منها و قیل القرن فی الحیوان یضرب به المثل فیما لا یحمد من الامور. یعنی کہا گیا ہے کہ اہل مشرق زمانہ نبوی میں کفار تھے حضور کو اللہ تعالی نے خبر دی کہ فتنہ انکی جانب سے ہوگا۔ جیسا کہ واقعہ جمل وصفین اور حادثہ ظہور خوارج زمین نجد وعراق اور اسکے قرب وجوار علاقہ مشرق سے ہوا۔ اسی طرح دجال اور یاجوج ماجوج کا خروج بھی اسی جانب سے ہوگا۔ اور کہا گیا ہے کہ جانور کے سینگ سے ہر غیر محمود یعنی مذموم اور بری چیزوں کی مثال بیان کی جاتی ہے۔

بعض روایت میں قرن لفظ مفرد آیا ہے اور بعض روایت میں قرنا بصیغہ تثنیہ وارد ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نا بصیغہ تثنیہ سے مراد محمد ابن عبدالوہاب نجدی اور مسیلمہ کذاب ہے۔ الدرالسنیہ ص ۵۰ میں ہے۔

جاء فی روایة قرنا الشیطان بصیغة التثنیة قال بعض العلماء المراد من قرن الشیطان مسیلمة الكذاب و ابن عبدالوهاب. ایک روایت میں ہے قرنا تثنیہ کے صیغے کے ساتھ آیا ہے۔ بعض علماء نے کہا قرن الشیطان سے مراد مسیلمہ کذاب اور ابن عبدالوہاب ہے۔

اسی کے ص ۵۲ میں ہے۔

قال السید علوی الحداد المذكور آنفاً ان الذی و رد فی بنی حنیفة و فی ذم بنی تمیم و وائل شئی كثیر و یكفیك ان اغلب الخوارج و اكثر هم منهم و ان الطاغیة ابن عبدالوهاب منهم و ان رئیس الفرقة الباغیة عبدالعزیز بن محمد ابن سعود بن وائل منهم. سید علوی حداد نے کہا جو بنی حنیفہ اور بنی تمیم ووائل کے ذم میں وارد ہوا، وہ بہت زیادہ ہے۔ اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ زیادہ تر خوارج اور ان کی اکثر تعداد انہیں میں سے ہے۔ اور ابن عبدالوہاب سرکش بھی انہی میں سے ہے۔ نیز فرقہ باغیہ کا سردار عبدالعزیز بن محمد ابن سعود بن وائل بھی انہی میں سے ہے۔

اب آخر میں ان غیر مقلدین سے کہا جائے کہ نجد سے عراق کو مراد لینے کی ضرورت کیا ہے۔ نجد سے زلازل وفتن اور قرن شیطان کے ظہور کی خبر عراق سے امور مذکورہ کے ظہور کی خبر کے منافی ومعارض نہیں۔ دونوں مقاموں سے ان امور مذکورہ کا ظہور ممکن ہے بلکہ واقع ہو چکا جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے صاف ظاہر ہوا چند احادیث میں توفیق کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جب ان حدیثوں میں تعارض واقع ہو۔ یہاں جب تعارض وتنافی ہی نہیں تو تطبیق کی حاجت کیا ہے۔ و هذا

ظاہر بل اظہر نیز اگر ہر جگہ بغیر کسی تعارض کے ایک مقام کو بول کر دوسرے مقام کو مراد لینا صحیح و درست ہو جائے جیسا کہ غیر مقلدین نے حدیث مذکور میں کیا ہے۔ تو ان کی خوش فہمی اور نجد کی حسن عقیدت سے کچھ بعید نہیں کہ فضائل مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں غیر مقلدین کہہ بیٹھیں کہ ان احادیث میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سے نجد ہی مراد ہے اور یہ فضائل نجد ہی کے ہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد   جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ضروری اصلاحات:-

(۱) جس حدیث کے متعلق جناب نے سوال فرمایا ہے یہ حدیث منتخب کنز العمال میں نہیں ہے بلکہ کنز الاعمال فی سنن الاقوال والافعال جلد ہفتم ص ۱۶۴ میں ہے۔

(۲) آپنے سوال میں فقال له رجل فالعراق فان فیها میرتنا وحاجتنا نقل کیا ہے حالانکہ ہمارے یہاں کے نسخہ میں فقال له رجل یا رسول الله فا لعراق فان فیها میرتنا و فیها حاجتنا یعنی یا رسول الله کا لفظ رجل اور فالعراق کے درمیان میں ہے اور و فیها حاجتنا ہے۔

(۳) آپنے سوال میں لفظ قرن الشیطان نقل کیا ہے حالانکہ یہاں کے نسخہ میں قرنا الشیطان ہے۔ یعنی قرن الشیطان میں لفظ قرن مفرد ہے اور قرنا الشیطان میں لفظ قرنا اضافت کی حالت میں تثنیہ ہے۔ آپ نے بجائے لفظ تثنیہ کے لفظ مفرد لکھا ہے۔

(۴) آپنے سوال میں هناک الزلازل والفتن نقل کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے یہاں کے نسخہ میں هنالک الزلازل والفتن ہے۔ اصل روایت یہ ہے ص ۱۵۱۳ عن الحسن قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم اللهم بارک لنا فی مدینتنا اللهم بارک لنا فی شامنا اللهم بارک لنا فی یمننا فقال له رجل یا رسول الله فا لعراق فان فیها مبرتنا و فیها حاجتنا فسکت ثم اعاد علیه فسکت فقال بها یطلع قرنا الشیطان و هنالک الزلازل والفتن (کر)

(۵) یہ حدیث ابن عساکر نے نقل کی ہے طبرانی نے اسکی روایت نہیں کی چونکہ اس مقام پر صرف (کر) علامت ابن عساکر ہے۔

مسئلہ ۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ یہ کہاں تک درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اگر کسی کلمہ کا صدور تو اضعاً ہوا ہو تو اسکو دلیل بنانا انتہا درجہ کی جہالت ہے۔ جب کہ ہمارا یہ ایمان ہے اور اس پر عمل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہ تو اضعاً ہی فرمایا ہو لیکن خلاف واقع تو نہ فرمایا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی زبان مبارک سے مزاح یا تواضع میں بھی کوئی کلمہ خلاف حق نہیں نکل سکتا۔ بہر حال جس طور پر اور جو کچھ آپ نے فرمایا حق ہی فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا۔ کیا کوئی مسلمان ہادی اعظم آقائے مدینہ تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخانہ تحریر قلمبند کرے تو ایسا

شخص ایک لمحہ کیلئے بھی دائرہ ایمان میں رہ سکتا ہے؟

مسئولہ لیاقت حسین محرر وکیل، بلاری، مراد آباد، ۲۳؍دسمبر ۱۹۶۰ء

الجواب: یہ بات اپنی جگہ پر حق وصحیح ہے کہ آقائے نامدار تاجدار مکی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے بعض اوقات میں اپنے لئے انکسار وتواضع کے کلمات ارشاد فرمائے جو یقیناً حق وبجا ہیں لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم ایسے کلمات کو بطور توہین وتنقیص شان رسالت ذکر کریں چونکہ خداوند قدوس کا حکم ہے ﴿وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ﴾ یعنی تم انکی تعظیم وتوقیر کا بیان کرو، انکی عظمت واحترام کا خطبہ پڑھو۔ خصوصاً ہندوستان میں جب باطل فرقے انکسار و تواضع کے کلمات کو سند ودلیل بنا کر سرکار دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام کی توہین وتنقیص کر کے اپنے دل کا بخار نکالتے ہیں اور ان سے اپنی عداوت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہم پر فرض ولازم ہوتا ہے کہ ہم بھی ایسے کلمات کا استعمال شان رسالت میں ہرگز ہرگز نہ کریں۔ جو شخص ایسے کلمات کا بیان یا ایسے کلمات کی تحریر بغرض توہین وتنقیص کرتا ہے یا کرے وہ یقیناً دائرہ ایمان سے خارج ہے اسلئے کہ حضور شافع یوم النشور علیہ الصلوۃ والسلام کی ادنیٰ توہین جسمیں گستاخی کا ایہام واشارہ بھی پایا جائے کفر وارتداد ہے۔ **اعاذنا الله تعالى من بلاء الكفر و المعصية**۔ ہاں اگر کوئی بطور نقل وحکایت کہے کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حق میں بطور تواضع وانکسار ایسا فرمایا ہے یا فرمان رب العزت عزاسمہ پر عمل کرتے ہوئے ایسا کلمہ ارشاد فرمایا ہے تو کفر نہیں۔ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ اگر کوئی صاحب اعزاز انسانی اپنے لئے کوئی کلمہ انکسار وتواضع کا بولے تو دوسرے کو حق نہیں پہنچتا ہے کہ دوسرا بھی اسے اسی لفظ سے یاد کرے۔ ہمارے عرف واستعمال میں ایسا کرنے والا گستاخ وبدتمیز قرار پاتا ہے تو یقیناً ہمیں اپنے آقا ومولی رحمت عالم علیہ الصلوۃ والسلام کیلئے بھی انکا انکسار وتواضع کا فرمایا ہوا کلمہ بولنا گستاخی ہوگی اور انکی ادنیٰ گستاخی مومن کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیتی ہے۔ نیز جہاں حضور نے تواضع وانکسار کے طور پر کوئی بات ارشاد فرمائی ہے تو پھر دوسرے اوقات میں تحدیث نعمت اور اظہار انعام کیلئے اسکے خلاف بھی ارشاد فرمایا ہے حتیٰ کہ سب سے زیادہ علم والے، صاحب سرِّ وراز سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ **یا ابابکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی** یعنی اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب تعالیٰ کے سوا کسی نے نہ جانا۔ تو پھر ہم انکی اصل وحقیقت کو کیا جان سکتے ہیں۔ لہٰذا کلمہ انکسار وتواضع کو حقیقت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ **والله تعالى اعلم**۔

مسئلہ ۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص سید کونین سلطان عارفین حضور محمد رسول اللہ ﷺ کو نور نہ جانے اور نور نہ مانے بلکہ نور محمدی کا منکر ہو تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ شرعاً وہ مومن رہا یا گمراہ وبیدین ہو گیا؟

مسئولہ سید شبیر احمد صاحب بخاری، مالیر کوٹلہ (پنجاب)، ۹؍ربیع الاول ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۷؍جون ۱۹۶۸ء

الجواب: حضور رحمت عالم نور مجسم ﷺ کا نور ہونا قرآن مجید اور احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ **قال الله تعالى** ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾۔ تفسیر جلالین مصری جلد اول ص ۲۷۴ میں ہے۔

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ﴾ هو النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ﴿وَّ كِتٰبٌ﴾ قرآن ﴿مُّبِيْنٌ﴾ بين ظاهر۔ (آ گیا اللہ کی جانب سے تمہارے پاس ایک نور) وہ نبی کریم ﷺ ہیں (اور

کتاب) قرآن (مبین) روشن ظاہر۔
تفسیر خازن مصری جلد اول ص ۴۴۱ میں ہے آیۃ مذکورہ کے کلمہ نور کے بعد مرقوم ہے
یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے موسوم کیا، کیونکہ آپ سے ہدایت ملتی ہے، جس طرح اندھیرے میں روشنی سے ہدایت ملتی ہے۔
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں
یا جابر ان اللہ خلق نور نبیک قبل کل شیی. اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو ہر چیز سے پہلے پیدا فرمایا۔
اور دوسری حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں
اول ما خلق اللہ نوری. سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔
لہٰذا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نور ہونے کا جو منکر ہے وہ قرآن مجید اور حدیث نبوی کے انکار کی وجہ سے گمراہ و بیدین ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ ایک شخص اپنی کتاب ''اخلاقی بنیادیں'' ص ۲۰ پر یہ مضمون لکھتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور جس کے اثرات تھوڑی ہی مدت گزرنے کے بعد دریائے سندھ سے لے کر اٹلانٹک کے ساحل تک دنیا کے ایک بڑے حصے نے محسوس کر لئے اسکی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا۔ جس کے اندر کیرکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی۔ اگر خدانخواستہ آپکو بودے، کم ہمت اور خفیف الارادہ اور ناقابل اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر یہی نتائج نکل سکتے تھے؟

سائل کا سوال: کیا اسلام خداوند عالم کے پھیلائے نہیں پھیلا یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوششوں سے نہیں پھیلا۔ صرف جان باز صحابہ کے کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس عبارت کے کہنے والے کا ایمان کیسا ہے؟

مسئولہ محمد حنیف، ۱۳ / جون ۱۹۶۱ء

الجواب: کتاب ''اخلاقی بنیادیں'' میں مودودی صاحب نے یہ مضمون متعصب انگریز مورخ سے نقل کیا ہے جس سے صاف طور پر روشن و ظاہر ہوتا ہے کہ حضور شافع یوم النشور کا اسلام کی اشاعت میں کوئی کمال نہیں ہے بلکہ سارے کمالات کا سرچشمہ ذی استعداد صحابہ تھے جنہوں نے اپنی قابلیت وصلاحیت سے اسلام کو ترقی دی اور پھیلایا۔ مودودی صاحب اور ان کے مقتدا متعصب انگریز مورخ کا یہ نظریہ شرعاً محض غلط و باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہر ادنیٰ و اعلیٰ کمال جو بھی حاصل ہوا وہ محض فیضان حضرت سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا۔ اسلام کو حقیقۃً عروج پر پہنچانے

والا اللہ رب العزت جل وعلا اور بعطائے خداوندی اسلام کو ترقی دینے والے اللہ تعالی کے محبوب ومطلوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں اور پھر سرکار مدینہ تاجدار عرب وعجم کی محبت پاک واتباع واطاعت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ہیں۔ جملہ اہل سیر کا اجماع ہے کے ابتدائے عالم آفرینش سے تا قیام قیامت جس کسی کو جونعمت وکمال ملا یا ملتا ہے یا ملیگا وہ سب صدقہ وطفیل ہے جناب محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا۔

ع مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل

قال اللہ تعالٰی ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا.﴾ [الفتح: ۲۸] (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے)۔ و قال عز اسمه ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَ لَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ﴾ [التوبة: ۳۳] (وہی ہے کہ بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ تاکہ غالب فرمادے اسے سارے دینوں پر، گو تلملا اٹھیں مشرک لوگ) (معارف) و قال جل جلاله ﴿وَ اِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکَافِرِیْنَ. لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ. اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ. وَ مَاجَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُکُمْ وَ مَاالنَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ.﴾ [الانفال: ۷، ۸، ۹، ۱۰] (اور جب کہ وعدہ فرمارہا ہے تم سے اللہ دونوں گروہ دشمن میں سے ایک کے وہ تمہارا ہے اور تمہاری خواہش یہ کہ بے خطر گروہ تمہارا ہوجائے اور اللہ کا ارادہ یہ کہ اپنے حق کلموں کو حق کر دکھائے اور کافروں کو جڑ سے کاٹ دے۔ تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق فرمادے گو برا مانیں مجرم لوگ۔ جب کہ تم لوگ فریاد کررہے ہو اپنے پروردگار سے چنانچہ اس نے قبول فرمالی تمہاری کہ بے شک میں مدد فرمانے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے لگا تار۔ اور نہیں کیا یہ اللہ نے مگر خوش خبری اور تاکہ اطمینان پاجائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے)۔ و قال جل مجده ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا. لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَ یَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا. وَّیَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا.﴾ [الفتح: ۱، ۲، ۳] (بے شک ہم نے فتح دے دی تمہیں روشن فتح۔ تاکہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ جو پہلے ہوئے تمہارے اور جو پچھلے ہیں اور پوری فرمادے اپنی نعمت کو تم پر اور چلاتا رہے تمہیں سیدھی راہ۔ اور مدد فرمائے اللہ تمہاری زبردست مدد)۔ و قال عم نواله ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.﴾ [المائدہ: ۳] (آج میں نے کامل کردیا تمہارے لئے تمہارے دین کو اور تمام کردی تم پر اپنی نعمت اور پسند فرمالیا تمہارے لئے دین اسلام)۔

غزوۂ خیبر شریف میں خیبر کو جاتے ہوئے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ حضور اقدس ﷺ کے حضور میں رجز پڑھتے چلے۔ اللهم لو لا انت ما اهتدينا .ولا تصدقنا و لا صلينا. فاغفر فداء لک ما القينا.

القین سکینۃً علینا. و ثبت الاقدام انی لا قینا. و نحن عن فضلک ما استغنینا. خدا گواہ ہے یارسول اللہ اگر حضور نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ زکوۃ دیتے، نہ نماز پڑھتے تو بخشد یجئے ہم حضور پر قربان جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں اور ہم پر حضور سکینہ اتاریں اور جب ہم دشمنوں سے مقابل ہوں تو حضور ہمیں ثابت قدم رکھیں۔ ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و مسند امام احمد وغیرہا میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطرق عدیدہ ہے اور پچھلا مصرع زیادات مسلم و امام احمد سے ہے۔ رواه من طریق ایاس بن سلمة عن ابیه سلمة بن الاکوع رضی الله تعالیٰ عنه. میں حدیث صحیح بخاری مع شرح امام احمد قسطلانی مسمی بہ ارشاد الساری کے الفاظ کریمہ مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

عن یزیدبن ابی عبیدعن سلمة الاکوع رضی الله تعالیٰ عنه قال خرجنا مع النبی صلی الله علیه و سلم الی خیبر فسرنا لیلا فقال رجل من القوم هو اسید بن حضیر رضی الله عنه لعامر یاعا مر الا تسمعا من هنیهاتک وعند ابی اسحاق من حدیث نصربن الاسلمی رضی الله عنه انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی مسیره الی خیبر لعا مر بن الاکوع رضی الله تعالیٰ عنه انزل یا ابن الاکوع فخذ لنا فی هناتک ففیه انه صلی الله علیه وسلم هو الذی امره بذالک و کان عامر رضی الله عنه رجلا شاعرا فنزل یحدد بالقوم یقول اللهم لولا انت ما اهتدینا . ولا تصدقنا و لا صلینافاغفر فداء لک.

یعنی یزید بن ابی عبید اپنے مولا سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس خیبر کو چلے۔ رات کا سفر تھا حاضرین میں سے ایک صاحب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلم بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے عامر! ہمیں کچھ اپنے اشعار نہیں سناتے اور ابن اسحاق نے نصر بن دہر اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہ میں نے سفر خیبر میں رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے فرماتے سنا اے ابن اکوع اتر کر کچھ اپنے اشعار ہمارے لئے شروع کرو۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس امر کا امر فرمایا۔ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعر تھے۔ اترے اور قوم کے سامنے یوں حدی خانی کرتے چلے کہ یارب اگر حضور نہ ہوتے ہم راہ نہ پاتے، نہ زکوۃ و نماز بجالاتے۔ ہم حضور پر بلاگردان ہوں ہمارے گناہ جو باقی رہ گئے ہیں بخشد یجئے۔

ان اشعار میں مخاطب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی حضور کے حقوق، حضور کی مدد میں جو قصور ہم سے ہوئے حضور معاف فرمادیں۔ حضور کیلئے خطاب ہونیکی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے ایسا خطاب معقول نہیں۔ آیات مندرجہ بالا سے واحادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کو حقیقتہً غلبہ وترقی دینے والا اللہ رب العزت ہے اور بعد از آں اسلام کو غلبہ وترقی دینے والے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خود فرماتے ہیں

کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نہ ہوتے تو ہم کو نہ ہدایت ملتی نہ اسلام ملتا اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سنکر اسکو سراہا۔

مودودی صاحب اور انکے مقتدا انگریز متعصب مورخ کا نظریہ بطور انحصار غلط و باطل ہے۔ **واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۳: زید حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رسالت میں بقصد تعریف کچھ عبارتیں زیر تحریر لاتا ہے۔ سیاق عبارت سے تاجدار مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین لازم آتی ہے حالانکہ اہانت ان کا مقصد نہیں ہے۔ اس صورت میں زید کے اوپر شریعت حقہ کی طرف سے کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

مسئولہ عبدالقیوم مدرسہ نیازیہ خیرآباد اودھ

الجواب: کفرلزومی اور کفرالتزامی میں فرق ہے کفرالتزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شئے کا تصریحاً خلاف کرے۔ یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے، اگرچہ نام کفر سے چڑھے اور کمال اسلام کا دعویٰ کرے اور صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار بھی نہ کرے۔ اور کفرلزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں منجر بکفر ہوتی ہے۔ مآل سخن اور لازم حکم کو ترتیب مقدمات و تتمیم تفریعات کرتے چلئے تو انجام کار سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے۔ اس قسم کے کفر میں علمائے اہلسنت مختلف ہو گئے۔ جنھوں نے مآل مقال و لازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں۔ بدعت و بدمذہبی، ضلالت و گمراہی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ لزوم کفر معلوم بھی کفر ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ لزوم کفر ظاہر اور صریح اور بین ہو تو لزوم کفر بھی کفر ہے البتہ جو کلام دلیل اہانت واستخفاف سرور دو عالم ﷺ ہو تو اسمیں قائل اور کاتب کی نیت کا اعتبار ہی نہیں۔ خواہ قائل و کاتب بقصد تعریف و توصیف ہی الفاظ کہے یا لکھے لہٰذا زید کی عبارت سے اگر کفرالتزامی ثابت ہوتا ہے تو وہ یقیناً اجماعاً کافر ہے اور اگر اسکی عبارت سے کفرلزومی ثابت ہوتا ہے تو اسکے کفر و عدم کفر میں اختلاف ہے اور گمراہ اور مبتدع اور ضال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور اگر اس کی عبارت دلیل اہانت واستخفاف سرور دو عالم ﷺ ہے تو اگرچہ اس نے اہانت کی نیت نہ کی ہو تو بھی کافر ہوگا۔ امام علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

> **فمن قال بالمآل لما یودیه الیه قوله، و یسوقه الیه مذهبه ... کفره ... فکانهم صرحوا عنده بما ادی الیه قولهم ... و من لم یراخذهم بمآل قولهم، ولاالزمهم بموجب مذهبهم، لم یر اکفارهم، قال: لا نهم اذا و قفوا علیٰ هذا قالوا: لانقول با لمآل الذی التزمتموه لنا، و نعتقد نحن و انتم انه کفر، بل نقول: ان قولنا لا یؤل الیه علی ماا صلناه فعلیٰ هذین الماخذ ین اختلف الناس فی اکفار اهل التاویل ... والصواب ترک اکفار هم ملخصا.** جنھوں نے یہ بات کہی کہ قائل کے قول کے مآل کو دیکھا جائے گا کہ اسکا قول کس طرف مشیر ہے اور اس کا مذہب اسے کس طرف لے جا رہا ہے۔ یعنی اسکے لازم مذہب اور لازم کلام کو دیکھا جائیگا انہوں نے اس قول کی بنیاد پر قائل کی تکفیر کر دی۔ تو گویا ان لوگوں نے اپنی تکفیر کرنے والوں پر واضح کر دیا کہ ہمارا

قول ہمیں اس انجام تک پہونچارہا ہے۔ جن لوگوں نے مآل قول پر گرفت کو مناسب نہیں سمجھا نیز ان کے لازم مذہب کے بموجب حکم نہیں لگایا انہوں نے تکفیر کو بہتر خیال نہیں کیا کیونکہ جب انہیں انکے ایسے نظریات کی اطلاع دی گئی تو بولے۔ ہم اس مآل کے قائل نہیں جسکا التزام تم نے اپنے قول سے ہمارے لئے کیا۔ جبکہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا اعتقاد ہے کہ یہ کفر ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قول اس طرف راجع نہیں اس کی بنیاد وہ قاعدہ ہے جس پر ہم اور آپ متفق ہیں۔ انہی دونوں ماخذوں کی بنیاد پر علماء اہل تاویل کی تکفیر میں مختلف الخیال ہوگئے۔ صحیح یہی ہے کہ تکفیر نہ کی جائے۔

حاشیہ خیالی علی شرح العقائد میں ہے۔

قيل عليه اللزوم غير الالتزام ولا كفر الا بالا لتزام وجوابه ان لزوم الكفر المعلوم كفر ايضا ولذا قال في المواقف من يلزمه الكفر ولا يعلم به فليس بكافر. ایک قول یہ ہے کہ اس پر لزوم ہے، التزام نہیں۔ التزام ہی کی صورت میں کفر ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لزوم کفر معلوم بھی کفر ہے۔ اسی لئے المواقف میں کہا ''جس پر لزوم کفر ہوتا ہے، لیکن وہ اس سے باخبر نہیں تو وہ کافر نہیں''۔

حاشیہ عصام علی شرح العقائد میں ہے۔

انه بلزوم الكفر ولا يكفر مالم يلتزم و قيل يكفر اذاكان اللزم ظاهرا و كان من لزم كفره عا لمابه. یہ لزوم کفر کی وجہ سے ہے لیکن جب تک التزام کفر نہ ہوجائے تکفیر نہیں کیجا ئیگی۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر لزوم ظاہر ہو اور جس پر لزوم کفر عائد ہورہا ہے، وہ اس سے باخبر بھی ہے تو اب اس کی تکفیر کردی جائے گی۔

ردالمحتار کے باب المرتد میں ہے۔

ماكان دليل الا ستخفاف يكفر به و ان لم يقصد الا ستخفاف. جو بات استخفاف کی طرف مشیر ہو، وہ قائل کو کافر بنادے گی، اگر چہ کہ استخفاف کا ارادہ نہیں کیا ہو۔

مسائرہ میں ہے۔

ولا عتبار التعظيم المنافي للا ستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة و افعال تصدر من المتهتكين لد لا لتها على الا ستخفاف بالدين كالصلوٰة بلا و ضوء عمد ا بل بالموا ظبة على ترک سنة استخفافا بها بسبب انه انما فعلها النبي زيادة. چونکہ اعتبار تعظیم کا ہے اور تعظیم و توہین کے بیچ منافاۃ ہے اس لئے حنفیوں نے زبان دراز لوگوں سے صادر ہونے والے بہت سے اقوال و افعال کی بنیاد پر تکفیر کی ہے، کیونکہ ان کی دلالت اہانت کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے جان بوجھ کر بغیر وضو نماز پڑھنا، بلکہ اگر بنیت استخفاف سنت کو مستقل ترک کئے رہا اور یہ وجہ بتائی کہ نبی کریم ﷺ نے اسے محض اضافی طور پر کیا ہے تو اس کی بھی تکفیر کی گئی ہے۔

مسامرہ میں ہے۔

قد مرانه یکفر من استخف بنبی او بالمصحف او بالکعبة و هو مقتض لا عتبار تعظیم کل منها لان الله تعالیٰ جعله فی رتبة علیا من التعظیم. یہ بات سابق میں گذر چکی کہ جس نے کسی نبی، یا قرآن پاک، یا کعبہ کی توہین کی اسکی تکفیر کی جائیگی۔ یہی ان میں سے ہر ایک کی عظمت کو لائق اعتناء سمجھنے کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تعظیم کے اعلیٰ مرتبے پر رکھا۔

مسائرہ میں ہے۔

و انه اعتبر فی ترتیب لازم الفعل وجود امور عد مهامترتب عنده کتعظیم الله تعالی و تعظیم انبیائه و کتبه و بیته. لازم فعل کی ترتیب میں کچھ امور کا وجود ہوگا۔ جس کے عدم کے نتیجے میں اس کے برعکس کا ترتب ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس نیز اس کے جملہ انبیاء، تمام کتابیں اور بیت اللہ کی تعظیم۔

درمختار میں ہے۔

(و کل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الا) جماعة: من تکررت ردته علی مامر، و (الکافر بسب نبی) من الانبیاء فانه یقتل حداً و لا تقبل توبته مطلقا و لو سبّ الله تعالیٰ قبلت لا نه حق الله تعالی والاول حق عبد لا یزول بالتوبة و من شک فی عذابه و کفره کفرو تمامه فی الدرر فی فصل الجزیة معزیا للبزاز یة و کذا لوابغضه بالقلب فتح و اشباه.و فی فتاویٰ المصنف و یجب الحاق الا ستهزاء و الاستخفاف به لتعلق حقه ایضاً. ہروہ مسلمان جو مرتد ہوا، پھر توبہ کی تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ سوائے ان لوگوں کی توبہ جو بار بار مرتد ہوتے رہتے ہیں۔ گزشتہ تصریحات کی بنیاد پر۔ انبیاء میں سے کسی نبی کو گالی دے کر کافر ہونے والے کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہوگی۔ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور پہلا بندے کا حق ہے۔ یہ توبہ سے زائل نہیں ہو جائے گا۔ جس نے اس کے کفر و عذاب میں شک کیا وہ خود کافر ہے۔ اس کی پوری بحث دررالبحار کے فصل جزیہ میں ہے ......یہی حکم ہوگا اگر دل میں بغض رکھا۔

اسی میں ہے۔

و فیها: من نقص مقام الرسالة بقوله بان سبه صلی الله تعالی علیه وسلم او بفعله بان بغضه بقلبه: قتل حدا کمامرالتصریح به لکن صرح فی آخرالشفا بان حکمه کالمرتد و مفاده قبول التوبة کما لا یخفیٰ. جس نے مقام رسالت علیٰ صاحبها الف الف تحیة و تسلیم کی تنقیص قول سے کی، بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی یا فعل سے کی اس طرح کہ دل میں

آپ سے بغض رکھا، اس کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ اس کی وضاحت گزر چکی۔ لیکن شفاء شریف کے اخیر میں تصریح کی کہ اس کا حکم مرتد کے حکم کی طرح ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائیگی۔

اسی میں ہے۔

و قد صرح فی النتف و معین الحکام و شرح الطحاوی و حاوی الزاهدی وغیرها بان حکمه کالمرتد ولفظ النتف من سب الرسول فانه مرتد ... و یفعل به ما یفعل بالمرتد انتهیٰ و هو ظاهر فی قبول توبته کمامر عن الشفاء انتهیٰ فلیحفظ. کتاب نتف، معین الحکام، شرح طحاوی اور حاوی الزاهدی وغیرھا میں تصریح کی کہ اس کا حکم، حکم مرتد کی طرح ہے۔ کتاب نتف کے الفاظ یہ ہیں۔ جس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی، وہ مرتد ہے ...... اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ جیسا کہ شفاء شریف سے گزرا۔ اسے خوب یاد رکھنا چاہیئے۔

بہر حال زید پر توبہ یعنی تجدید اسلام اور استغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا اسلئے کہ اسکی تحریر سے کفر لزومی بالیقین ثابت ہوتا ہے جیسا کہ سوال میں اسکی تصریح ہے اور کفر لزومی کے کفر اور عدم کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ جواب میں اوپر گزرا اور جس کفر میں اختلاف ہو اس میں بھی استغفار اور توبہ و تجدید نکاح کا حکم ہے۔ درمختار میں ہے۔

وفی شرح الرهبانیة علی ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح و اولاده او لاد زنا و مافیه خلاف یومر بالاستغفار والتوبة و تجدید النکاح. جس بات کا کفر ہونا اتفاقی ہے، اس سے عمل اور نکاح باطل ہو جائے گا۔ اس کی اولاد، اولاد زنا ہوگی۔ اور جس میں اختلاف ہے، اس پر توبہ و استغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله و التوبة) ای تجدید الاسلام . ان کا قول (اور توبہ) یعنی تجدید اسلام۔

اب آخر میں علماء دیوبند کا فتویٰ بھی درج کرتا ہوں تا کہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔ مولوی مرتضےٰ حسن در بھنگی نے مولوی اشرف علی تھانوی سے فتویٰ چاہا جسمیں آداب والقاب وغیرہ کے بعد یہ ہے کہ:

مولوی احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) یہ بیان کرتے ہیں اور حسام الحرمین میں آپکی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے حفظ الایمان میں اسکی تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا ہر بچہ اور ہر پاگل، بلکہ ہر جانور اور ہر چوپائے کو حاصل ہے اسلئے امور ذیل دریافت طلب ہیں۔ امور ذیل کا چوتھا نمبر یہ ہے (۴) اگر آپ نے نہ ایسے مضمون کی تصریح فرمائی، نہ اشارۃً مفاد عبارت ہے، نہ آپکی مراد ہے تو ایسے شخص کو جو یہ اعتقاد رکھے یا صراحۃً یا اشارۃً کہے، اسے آپ مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر۔ بینوا توجروا۔ بندہ محمد

مرتضیٰ حسین عفی عنہ۔

اس چوتھے نمبر کا جواب جو مولوی اشرف علی تھانوی نے دیا ہے وہ یہ ہے۔

(۴) جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور دو عالم ﷺ کی۔

(منقول از بسط البنان مع حفظ الایمان ص ۱۱ مطبوعہ علمی پرنٹنگ ورکس شائع کردہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند) الشہاب الثاقب مصنفہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ص ۶۱ میں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت کی نہ کی ہو مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

ان دونوں فتووں سے معلوم ہوا کہ جن عبارات یا الفاظ سے حضور پرنور ﷺ کی توہین و تنقیص ایہاماً یا اشارۃً بلا اعتقاد و بغیر نیت لازم آتی ہو تو ان الفاظ کا بولنے والا ان عبارات کا لکھنے والا بھی مولوی رشید احمد گنگوہی و اشرف علی تھانوی و حسین احمد ٹانڈوی کے نزدیک کافر اور خارج از اسلام ہے۔ **و ہو ظاہر و اللہ سبحانہ و تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ عبد اللطیف اور عبد الصمد میں مسجد کے کسی معاملہ میں گفتگو ہو رہی تھی۔ عبد الصمد نے کسی بات کے جواب میں یہ کہا کہ بھائی ہم کس کس کو راضی کریں سب لوگ تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بھی راضی نہیں تھے۔ جسکا جواب برجستہ فوراً عبد اللطیف نے یہ دیا کہ چاہے نبی ہمارے ساتھ بدفعلی کرے تب بھی ہم کچھ نہ کہیں **والعیاذ باللہ**۔ اب عبد الصمد کہتا ہے کہ عبد اللطیف یہ جملہ کہنے سے مرتد ہو گیا۔ اسکی بیوی اسکے نکاح سے نکل گئی۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ عبد اللطیف مرتد ہوا یا نہیں اور تجدید ایمان ونکاح کرے گا یا نہیں۔

(نوٹ):- واضح رہے کہ عبد اللطیف جاہل مطلق ہے نبی کے معنی بھی شاید نہیں جانتا کہ نبی کس کو کہتے ہیں اور کس کا نام ہے۔ محاورۂ جہلا کے طور پر غصہ میں عبد اللطیف نے یہ جملے کہے تھے۔

مسئولہ چھوٹے ملا ساکن بھینسہ مراد آباد

الجواب: جتنی عبارت پر سرخ پنسل کا نشان لگا دیا گیا ہے عبد اللطیف کا یہ جملہ کہنا اور اس عبارت کی نسبت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف کرنا غایت درجہ کی گستاخی اور انتہائی اہانت آمیز ہے۔ بلاشبہ عبد اللطیف مرتد ہو گیا۔ عبد اللطیف پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح وتجدید بیعت لازم و فرض ہے۔ عبد اللطیف بلا تاخیر توبہ کرے اور اپنے کلمہ ارتداد سے توبہ کرے اور استغفار کرے۔ تجدید ایمان و اسلام تجدید نکاح وتجدید بیعت کرے۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

متفرق عقائد

مسئلہ ۲۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ادام اللہ تعالیٰ بقاء ہم مسئلہ ذیل میں کہ ایک خطیب

صاحب نے خطبہ میں بسر منبر رجب شریف کے موقعہ پر معراج شریف کا بیان کرتے ہوئے کہا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ یہ کہہ کر مندرجہ ذیل اشعار سنائے۔

اٹھا جو تھا میم کا پردہ شب معراج | احمد نے احد آپ کو پایا شب معراج
جھگڑا جو ہوا عشق ابد حسن ازل میں | اک آن میں حضرت نے چکایا شب معراج
حضرت حق کی صورت کو گئے دیکھنے حضرت | حضرت ہی نے حضرت کا تماشہ شب معراج
اک شان کے دو نام ہیں اللہ محمد | امت پہ کھلا ہے یہ معمہ شب معراج
تھے طالب و مطلوب جو اک جان دو قالب | حضرت نے یہ اسرار کو جانا شب معراج
جانا جو فلک پر تھا وہ آنا تھا وطن کو | دیکھا میں طلسم شہ والا شب معراج

پس فرمایئے کہ ان اشعار کا مضمون عقیدۂ اہل سنت و جماعت کے موافق ہے، یا خلاف ہے، اور ان کے مضمون پر عقیدہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ ابوبکر اینڈ سنز، کمرشیل اسٹریٹ بنگلور نمبر۔۱

الجواب: اشعار مندرجہ سوال بالکل خلاف شریعت مطہرہ ہیں اور عقائد اہل سنت و جماعت کے مخالف ہیں بلکہ بعض اشعار کلمات کفر پر مشتمل ہیں۔ ان اشعار کا قائل و معتقد گمراہ و بے دین ہے اور جاہل واحکام شرعیہ سے ناواقف ہے۔ اسے شعر گوئی کا سلیقہ بھی نہیں۔ جس خطیب نے یہ اشعار پڑھے اور ان اشعار کو ''کیا خوب کہا ہے'' کے لفظ سے تعبیر کیا وہ بھی گمراہ و بے دین ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ شاعر اور ان اشعار کے معتقد اور خوب اور اچھا بتانے والے پر توبہ اور تجدید اسلام و نکاح لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں کافر ہوں، یعنی خدا سے پھرا ہوا ہوں اور خدا کا دوست نہیں ہوں، تو ایسا شخص قابل امامت ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ کلمات کفر صریح کے ہیں۔ ان کلمات کا کہنے والا کافر و مرتد ہوگیا، نعوذ باللہ من تلک الکلمات۔ اس کو امام بنانا حرام اور اشد حرام اور قریب کفر ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ شرعاً اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔ شخص مذکور پر توبہ اور تجدید اسلام و تجدید نکاح لازم و فرض ہے۔ جو اس کو امام بنائے اور اس کے پیچھے نماز پڑھے، اس پر بھی توبہ لازم ہے۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۸۷ میں ہے۔

الرضا بالکفر کفر سواء کان بکفر نفسہ او بکفر غیرہ، کفر پر راضی ہونا، خود کفر ہے۔ خواہ اپنے کفر پر یا غیر کے کفر پر۔

اسی کے ص ۹۹ میں ہے۔

لو تلفظ بکلمۃ الکفر طائعا غیر معتقد لہٗ یکفر لانہ راض بمباشرتہ۔ اگر بغیر کسی جبر کے کلمۂ کفر

بولا، کفر کا اعتقاد نہیں بھی رکھتا ہے پھر بھی اس کی تکفیر کی جائے گی، کیونکہ وہ اس کے بولنے پر راضی ہے۔
شرع عقائد ص ۱۱۵ میں ہے۔
اما اذا ادیٰ الیه (ای الیٰ حد الکفر) فلا کلام فی عدم جواز الصلوٰة خلفه، (ہاں اگر کفر کی حد تک پہنچ گیا تو اس کے پیچھے نماز کے جائز نہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ امام صاحب نے نماز میں قرآن پڑھنے میں کچھ غلطیاں کیں تو میں نے فہمائش کی تو امام صاحب نے بے ساختہ مجھ سے یہ کہا کہ تم مشرک ہو، تم شیطان ہو، تم منافق ہو تو اس صورت میں شرع کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ سلامت علی خاں رامپوری، کاشی پور ضلع نینی تال، ۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

الجواب: امام صاحب کا آپ کو مشرک و کافر و منافق کہنا حرام و ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ مفتی بہ صحیح قول یہی ہے، ورنہ بعض فقہائے کرام نے تو مومن کو کافر و مشرک و منافق کہنے والے کو خود مشرک و کافر و منافق فرمایا ہے۔ امام صاحب پر اس گناہ کبیرہ سے توبہ صحیحہ صادقہ لازم و ضروری ہے۔ ایسا امام امامت کے منصب سے ضرور ضرور علیحدہ کر دیا جائے اگرچہ وہ مدت دراز سے امامت کی خدمت انجام دے رہا ہو۔ ھذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۹: زید نے ایک مجلس میں مجلس والوں کے جواب میں غصہ میں کہا۔ "آپ کی باتوں کا مطلب یہ ہے کہ میں خارج از اسلام ہوں۔ مجھے کیا آپ خارج از اسلام سمجھتے ہیں؟ میں بس مسلمان ہوں"۔ ایسا کہنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

مسئولہ حافظ عبدالحمید محلہ باڑہ شاہ صفا ۳۰ ردسمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: اگر واقعی سائل کے یہی الفاظ ہیں جو سوال میں مذکور ہیں جن پر میں نے سرخ پینسل کے نشان لگا دیئے ہیں تو سائل بلا شک وشبہ مومن و مسلم ہے۔ اس صورت میں سائل پر کفر وارتداد کا فتویٰ ہرگز ہرگز نہیں دیا جا سکتا، چونکہ یہ الفاظ کفر کے نہیں ہیں۔ ان الفاظ کا بطریق مذکور کہنے والا خارج از اسلام نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ ان الفاظ سے ایمان و اسلام کے انکار و اقرار اسلام کے انحراف اور تصدیق قلبی کی تکذیب نہیں ہوتی، نہ تکذیب کی علامت و امارت پائی جاتی ہے۔ لہذا سائل قطعاً مسلمان ہے۔ وہ خارج از اسلام نہیں ہوا۔ واللہ تعالی اعلم.

نوٹ:- اس سے قبل میرے پاس دو افراد محلہ باڑہ شاہ صفا سے ایک استفتاء لے کر آئے تھے جہاں تک میرا خیال ہے کہ وہ استفتاء سائل ہی کے متعلق تھا چونکہ اسمیں حافظ عبدالحمید صاحب کے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ اسکے اندر ایسے الفاظ تھے جس میں خارج از اسلام ہونے کا متعدد بار اقرار اور اسلام سے بیزاری کا اظہار درج تھا۔ ان الفاظ پر میں نے کفر کا فتویٰ بحوالہ کتب دینیہ دیا تھا۔ اگر اس سوال میں سائل حاجی عبدالشکور صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو اس سوال کے سائل کا یہ اقدام نہایت ہی غلط ہی نہیں بلکہ اپنی جگہ پر خود کفر ہے۔ چونکہ کسی مسلمان کو کافر بنانیکی بیجا کوشش کرنا اور کسی دوسرے مومن کے کفر پر راضی ہونا ایسی کوشش کرنے والے کو اور اسپر راضی ہونیوالے کو کافر بنا دیتا ہے۔ اس صورت میں اس پہلے سائل پر

اور اسکے ہر مددگار پر توبہ اور تجدید ایمان و اسلام و تجدید نکاح و تجدید بیعت لازم و ضروری ہے۔ شرح فقہ اکبر کانپوری ص ۱۸۷ میں ہے۔

والرضاء بالکفر کفر سواء کان بکرہ نفسہ او بکفر غیرہ. کفر پر راضی ہونا، خود کفر ہے۔ خواہ اپنے کفر پر یا غیر کے کفر پر۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ امام دوران نماز قہقہہ مار کر ہنسنے اور مصلیٰ چھوڑ کر باہر نکل آنے کا عادی ہو، تو ایسے امام کی امامت درست ہے یا غلط اور نیز مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ حکیم عبدالسلام صاحب، مقام نرولی براہ چندوسی، ضلع مراد آباد، ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

الجواب: (۱): ایسے مسخرہ شخص کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے۔ فی الواقع اگر یہ شخص اس فعل کا عادی ہے تو اس سے نماز جو اہم ترین عبادت مفروضہ ہے، اس کی توہین ہوتی ہے۔ کسی فرض قطعی کا استخفاف کفر ہے۔ اس بناء پر یہ شخص کافر مرتد ہوگیا۔ اس کے پیچھے کوئی نماز درست و صحیح نہیں۔ مقتدیوں نے جتنی نمازیں پڑھیں، ان پر سب نمازوں کا اعادہ فرض ولازم ہے۔ شرح فقہ اکبر کانپوری ص ۲۰۵ میں ہے۔

وفی تتمۃ الفتاویٰ من استخف بالقرآن اوبالمسجد اوبنحوہ مما یعظم فی الشرع کفر.

جس نے قرآن یا مسجد یا کسی ایسی چیز کا استخفاف کیا جو شریعت کے نزدیک معظم و محترم ہے، وہ کافر ہوگیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ جو امام سنی علمائے کرام کے فتویٰ کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے جو علمائے کرام کا فتویٰ مانے وہ کافر ہے اور فتویٰ صحیح ہونے پر اس پر اعتراض کرتا ہے۔ ایسا شخص عندالشرع کیا ہے؟

مسئولہ حاجی علی حسین، ڈلاری ضلع مراد آباد، ۶ رشوال ۱۳۹۴ھ

الجواب: جو امام اتنا غلط کار ہو اور ایسا جاہل و بے باک ہو اور یہ کہے کہ جو مسلمانوں میں علمائے کرام کا فتویٰ مانے وہ کافر ہے۔ اس امام کا یہ قول اتنا بڑا گناہ ہے، جس کو علمائے کرام اور مشائخ عظام نے کفری قول قرار دیا ہے۔ فقہائے اعلام کے کثیر افراد نے ایسے شخص کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ یہ شخص ہرگز ہرگز امامت کے منصب پر باقی نہ رکھا جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلاوا دے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف)۔ فی الفور اس کو معزول کر دیا جائے۔ چونکہ اس کے فسق و فجور میں اصلاً کوئی شک و شبہ نہیں، بلکہ یہ بعض جملے کہہ کر گمراہ'' بے دین'' خارج از اسلام قرار پاتا ہے۔ شرح عقائد نسفی کانپوری ص ۱۱۵ میں ہے۔

وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلوٰۃ خلف الفاسق والمبتدع فمحمول علی الکراھۃ اذلا کلام فی کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق والمبتدع، ھذا اذالم یؤدالفسق

او البدعة الیٰ حد الکفر، اما اذا ادیٰ الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلوٰة خلفه، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے منع کی جو روایت اسلاف سے منقول ہوئی ہے یہ کراہت پر محمول ہے۔ کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ کراہت اسی وقت تک ہے کہ اس کا فسق حد کفر تک نہ پہنچا ہو اور اگر حد کفر تک پہنچ گیا تو اس کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲: زید کہتا ہے کہ یزید ملعون کافر ہے۔ بکر کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سکوت فرماتے ہیں۔ زید کہتا ہے اگر امام ابوحنیفہؒ کا قول دکھا دو تو ہم مان لیں۔ بکر ثبوت نہیں پیش کر سکتا ہم لوگ بھی یہی خیال رکھتے ہیں۔ دلیل بحوالہ کتب ارسال فرمائیں تاکہ زید بھی مان لے وہ بھی حنفی ہے۔

مسئولہ.....

الجواب: یزید کے متعلق علماء جلیل القدر حضرات نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول جو نقل فرمایا وہ سکوت ہی ہے۔ سراج العوارف فی الوصایا والمعارف ص ۲۷ میں ہے۔

> علمائے اہل سنت و جماعت را در لعن یزید پلید سہ قول ست۔ یکے سکوت، دوم منع، سوم جواز۔ سکوت مذہب امام اعظم کوفی و متبعان آں امام والا مقام است و ہموں اسلم واحکم ست و منع مذہب امام غزالی رضی اللہ عنہ و تابعان اوست۔ و جواز مذہب امام احمد بن حنبل و موافقان آں جناب ست۔......... والحق حسن احتیاطی کہ مذہب مہذب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارد فوق البیان ست۔ .... و ما در فقہ مقلد حضرت امام والا مقام خودیم پس اینجا چرا از تقلید جنابش قدم باز کشیم۔ لعنت یزید کے سلسلہ میں علماء اہلسنت کے تین قول ہیں۔ (۱) سکوت (۲) منع (۳) جواز۔ سکوت والا موقف امام اعظم کوفی اور ان کے متبعین کا ہے۔ اور یہی موقف اسلم واحکم ہے۔ منع والا مذہب امام غزالی اور ان کے متبعین کا ہے اور جواز والا موقف امام احمد بن حنبل اور ان کے موافقین کا ہے۔ حق یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا موقف جو حسن احتیاط رکھتا ہے، وہ بیان سے اوپر ہے۔ چونکہ ہم لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اس لئے یہاں کیوں ان کی تقلید سے قدم باہر نکالیں۔

فتاویٰ عزیزی مجتبائی ص ۱۰۶،۱۰۵ میں ہے۔

> در لعن یزید توقف از آنجہت ست کہ روایات متعارضہ و متخالفہ از آن پلید در مقدمہ شہادت امام علیہ السلام وارد شدہ۔ از بعضے روایات رضا و استبشار و اہانت اہل بیت و خاندان رسول ﷺ مفہوم میگردد کسانیکہ ایں روایات در نظر آنہا مرجح واقع شدہ حکم بہ لعن او نمودند۔
>
> چنانچہ احمد بن حنبل و از فقہائے شافعیہ و دیگر علمائے کثیر و بعضے کراہت ایں امر و عتاب برابن زیاد و اعوان او ندامت براین کار کہ از دست نواب او بوقوع آمد معلوم می شود کسانیکہ ایں روایات نزد ایشاں مرجح شد از لعن او

منع نمودند۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ و دیگر علمائے شافعیہ و اکثر علمائے حنفیہ و جماعہ از علماء نزد آنہا ہر دو روایت متعارض شدند و ترجیح یکطرف بر دیگر حاصل نشد بنا بر احتیاط توقف نمودند ہمیں واجب بر علماء عند التعارض و هو قول ابی حنيفة رحمة الله تعالى عليه. یزید پر لعنت بھیجنے کے سلسلہ میں توقف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اس ناپاک سے جو روایت کی گئی وہ آپس میں متخالف اور متعارض ہیں۔ بعض روایتوں سے رضامندی و استبشار اور اہل بیت خاندان رسول ﷺ کی اہانت مفہوم ہوتی ہے جن لوگوں کی نگاہ میں یہ روایتیں ترجیح کا مرتبہ رکھتی ہیں، وہ لعنت یزید کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ احمد بن حنبل......اور بعض فقہاء شافعیہ نیز بہت سارے علماء کا موقف ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے اس واقعہ پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور ابن زیاد اور اس کے مددگاروں کو برا بھلا کہا اور جو کار بدانجام اس کے ماتحت افسروں کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا اس پر نادم ہوا۔ لہٰذا جن حضرات کے نزدیک یہ روایتیں قابل ترجیح ہیں۔ وہ لعنت یزید سے منع کرتے ہیں۔ ان میں امام حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء شافعیہ اور اکثر علماء حنفیہ ہیں۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ دونوں روایتیں متعارض و متخالف ہیں اور کسی کو کسی پر ترجیح حاصل نہیں۔ اس لئے احتیاطاً توقف کرتے ہیں۔ تعارض کے وقت علماء پر یہی ضروری ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

ضوء المعالی ص ۵۵ میں ہے۔

فلا شک ان السکوت اسلم. اس میں کوئی شک نہیں سکوت ہی طریق اسلم ہے۔

واختلف فی اکفار یزید فقیل نعم و قیل لا اذلم یثبت لنا عنه تلک الاسباب الموجبة (للکفر او لکفره) و حقیقة الامرا لتوقف فیه و مرجع امره الی الله سبحانه. یزید کی تکفیر کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں ہاں ہے اور ایک میں نہیں۔ اس لئے کہ ہمارے لئے وہ اسباب ثابت نہیں ہوسکے جو موجب کفر ہیں۔ درحقیقت اس معاملہ میں توقف ہی کیا جائے اور معاملہ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

مسامرہ شرح مسایرہ ص ۱۳۲ میں ہے۔

فلا یتعرض لتکفیره اصلا و هذا هو الاسلم. یزید کی تکفیر کے پیچھے نہ پڑا جائے یہی اسلم ہے۔

تکمیل الایمان ص ۲۷ میں ہے۔

درحدیث آمدہ است کہ ہر کہ دیگرے را کافر گوید اگر وے در نفس الامر کافر نبود قائل بالفعل کافر گردد و حکم لعن نیز ہمچنیں آمدہ است اگر آنکس مستحق لعنت نبود لعن او بقائل عائد گردد۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے اگر وہ حقیقت میں کافر نہیں ہے تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ لعنت کا بھی ایسا ہی حکم آیا ہے۔ اگر وہ شخص مستحق لعنت نہیں ہے تو اسکی لعنت اسی کی طرف عائد ہو جائیگی۔

مسئلہ ۳۳: ایک شخص نے براہ عقیدت ایسے شخص کو جسکو وہ بزرگ سمجھتا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تشبیہ دی یعنی یہ کہا کہ جب وہ بزرگ زینہ سے اترتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ لہذا دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تشبیہ دینا درست ہے یا نہیں اور اگر ایسا کہنا درست نہیں تو ایسا کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے۔

مسئولہ منشی احمد خان مدرس مدرسہ اسلامیہ خازن العلوم قصبہ ڈرھیال ڈاکخانہ خاص ضلع رامپور

الجواب: حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر فعل ہر کام جیسے چلنا پھرنا چڑھنا اترنا گفتگو فرمانا کھانا پینا نماز روزہ وضو وطہارت وغیرھا بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ انکے کسی فعل کو ہمارے افعال سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ حضرت ملک العلماء بحر العلوم مولانا محمد عبد العلی صاحب علیہ الرحمۃ اپنی کتاب رسائل ارکان کے ص ۱۱۷ میں حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں۔

قال داؤد ان رسول الله تعالی صلی الله علیه وسلم کان مبلغا و مر جعا لخلق الله ولم یکن غا فلا عن الله تعالی طرفة عین و کان قوله و فعله اداء واجب علیه فلا یقاس علیه غیره. داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ اور مخلوق خدا کے مرجع وماوی تھے۔ ایک لحہ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں تھے، ان کا قول و فعل ان کے فرائض کی ادائگی تھا۔ لہذا ان پر غیر کو قیاس نہ کیا جائے۔

اسی کے ص ۱۳۳ میں ہے۔

فلا یقاس تکلمنا فی اغراضنا علی تکلمه صلی الله تعالی علیه وسلم و این هذا من ذلک. اغراض پر مبنی ہماری باتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ کہاں ہم کہاں وہ۔

امام محی الدین نووی علیہ الرحمۃ شرح مسلم شریف جلد اول ص ۱۲۰ میں فرماتے ہیں۔

انما قال صلی الله تعالی علیه وسلم نحو وضوئی و لم یقل مثل لان حقیقة مماثلته صلی الله تعالی علیه وسلم لا یقدر علیها غیره. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نحو وضوئی" کہا یعنی میرے وضو کی نقل۔ مثل نہیں کہا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی مماثلت کی حقیقت پر کوئی قادر ہو ہی نہیں سکتا۔

لہذا شخص مذکور کی تشبیہ جو سوال میں درج ہے قطعاً درست و صحیح نہیں، لیکن یہ تشبیہ، تنقیص و توہین نہیں۔ چونکہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بزرگ کی تعظیم کا اظہار کرنیکے لئے حضور کی تشریف آوری سے تشبیہ دے رہا ہے۔ اسلئے یہ تشبیہ کفر نہیں تاہم شخص مذکور کو اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درباۂ مسئلہ ذیل میں مورتی پوجا اور اسکی تعظیم و تکریم کے باعث انسان مشرک ہو جاتا ہے اور کافر کہلاتا ہے اور وہی تعظیم و تکریم اور لمس و تقبیل مسلمان جو حجر اسود کی کرے تو مشرک اور کافر نہیں ہے۔ جواب بہ دلائل عقلیہ مختصر ٹھوس اور مسکت عنایت فرمائیں۔

مسئولہ محمد قاسم بہاری، مورخہ ۲ شعبان ۳ھ

الجواب: مورتی کی پوجا، اسکی تعظیم وتکریم بربنائے اعتقاد الوہیت واستحقاق عبادت مومن کو مشرک بنادیتی ہے اور حجر اسود کی تعظیم اور لمس وتقبیل کوئی مسلمان مستحق عبادت ومعبود یا خلاقِ دوعالم کے اعتقاد سے نہیں کرتا ہے بلکہ صرف ایک پتھر جان کر محض اطاعت واتباع رسول مکرم حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی بناء پر اسکی تعظیم اور لمس وتقبیل کرتا ہے جسکا ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے۔ فرمان رب العلمین جل وعلا ہے۔ ﴿وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ.﴾ [الحشر: ۷] (اور جو کچھ دے دیا تم کو رسول نے تو لے لو) نیز حکم خداوندی ہے۔ ﴿اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ.﴾ [المائدہ: ۹۲] (اور کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ.﴾ [النساء: ۸۰] (جس نے کہا کیا رسول کا اس نے کہا مانا اللہ کا)۔

ایک بار امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجر اسود کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو پتھر ہے قابل تعظیم وتقبیل نہیں۔ میں تجھے ہرگز نہ بوسہ دیتا نہ چھوتا اگر میرے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نہ تجھے چھوتے۔ خلاصہ یہ کہ ہر تعظیم وتکریم شرک نہیں۔ مطلق تعظیم وتکریم شرک ہو تو جہاں میں کوئی مومن وموحد ہو ہی نہیں سکتا اسلئے کہ ہر انسان اپنے والدین یا استاد وبزرگ کی تعظیم وتکریم کرتا ہے، بلکہ اعتقادِ الوہیت واستحقاقِ عبادت کی وجہ سے تعظیم وتکریم شرک ہو جاتی ہے جو تعظیم وتکریم اسطرح پر نہ ہو ہرگز شرک ومخل ایمان نہیں۔ نیز حجر اسود کی تعظیم وتکریم کو مورتی کی پوجا اور اسکی تعظیم وتکریم کی مثل بتانا کھلا ہوا فریب ہے۔ اس لئے کہ اعتقاد ونیت کا فرق عظیم موجود ہے۔ ھذا ماعندی و اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۵: کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امامت بھی کرتا ہے، میلاد شریف بھی پڑھتا ہے اور اپنے کو اہلسنت والجماعت کا بھی کہتا ہے۔ ایک روز بعد نماز جمعہ فرمایا کہ اگر آپ لوگ سننا چاہیں تو میں شہادت نامہ سناؤں اور جو جو ظلم امام حسین علیہ السلام پر ہوئے ہیں انکو ظاہر کروں۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ جس شہادت نامہ کا آپ ذکر فرمارہے ہیں وہ مستند ہے۔ جواب میں اس شخص نے فرمایا کہ مستند تو قرآن بھی نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ شخص توہین آمیز الفاظ کہتا رہتا ہے اور چند سال قبل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بھی گستاخی کر چکا ہے۔ مذکورہ بالا جمعہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق (نعوذ باللہ) فرمایا کہ اس بے ایمان نے یزید کو کیوں نہیں سمجھایا اور شیطان کو کندھے پر رکھے ہوئے پھرا۔

مسئولہ عبدالواحد نرولی ضلع مراد آباد

الجواب: شخص مذکور کا جواب میں یہ کہنا کہ مستند تو قرآن بھی نہیں صریح کفر ہے۔ یہ شخص ایمان سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو گیا۔ اس شخص پر اس کفر صریح سے توبہ کے بعد تجدید اسلام وتجدید نکاح لازم وفرض ہے۔ بغیر توبہ کئے اس کا کوئی عمل مقبول نہیں، نہ اسکے پیچھے کسی مومن کی نماز جائز ہوگی۔ اس کا امام بنانا جائز نہیں۔ چونکہ قرآن کریم یہ وہ اعلیٰ سند و دلیل اور برہان وحجت ہے جس پر سارے اسلامی عقائد اور اعمال اور جملہ امور دینیہ کا انحصار ہے۔ اسکے مستند ہونے کا انکار

ہزاروں کفریات کو متلزم ہے۔ الوہیت و توحید اور جملہ صفات الٰہیہ اور اوامر و منہیات، اخبار و واقعات، نبوت و رسالت، ولایت و امامت، حشر و نشر، جنت و دوزخ، عذاب و ثواب۔ ان تمام امور کا غیر مستند ہونا لازم آئیگا۔ قرآن کریم کا درجہ تو نہایت بلند و بالا ہے۔ تفاسیر اہل قرآن کا انکار بھی کفر ہے۔ بلکہ اخبار متواترہ دینیہ کا انکار بھی کفر ہے۔ کسی مومن صالح کو گالی دینا بھی فسق اور گناہ کبیرہ ہے۔ پھر صحابی رسول علیہ الصلوۃ والسلام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرنا یقیناً ضلالت و گمراہی ہے۔ بالخصوص حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کلمات تخفیہ کا استعمال کرنا کفر ہے۔ جمہور فقہائے کرام کا یہی مذہب ہے۔ شخص مذکور پر اس کفر و ضلال کے باعث بھی توبہ اور تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم و فرض ہے۔ ایسے گستاخ بدلگام نابکار کافر و مرتد کو امام بنانا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی ص ۲۷۱ میں ہے۔

اذا انکر آیة من القرآن او تسخر بآیة من القرآن و فی الخزانة او عاب کفر کذا فی التاتارخانیه. قرآن کریم کی کسی آیت کا انکار کیا یا کسی آیت کا مذاق اڑایا، اور 'خزانہ' میں ہے یا عیب لگایا، کافر ہو جائے گا۔

شرح فقہ اکبر ص ۲۰۳ میں ہے۔

و فی المحیط من انکر الاخبار المتواترة فی الشریعة کفر. 'محیط سرخسی' میں ہے جس نے شریعت کے اخبار متواترہ کا انکار کیا، کافر ہو گیا۔

اسی کے ص ۲۰۵ میں ہے۔

و فی تتمة الفتاویٰ من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر. "تتمۃ الفتاویٰ" میں ہے جس نے قرآن کا یا مسجد کا یا ایسی کسی چیز کا جو شریعت میں معزز و مقدس ہے، کا استخفاف کیا، وہ کافر ہو جائے گا۔

اسی کے ص ۲۳۴ میں ہے۔

لو قال حرمة الخمر لا تثبت بالقرآن کفر لا نه عارض نص القرآن و انکر تفسیر اهل القرآن. اگر کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں، کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس نے نص قرآنی سے معارضہ کیا یا اہل قرآن کی تفسیر کا انکار کیا، کافر ہو گیا۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۲۰ میں ہے۔

رد النصوص کفر لکونه تکذیباً صریحا لله تعالیٰ و رسوله علیه الصلوٰة والسلام. نصوص کا رد کرنا یعنی ان احکام کا رد کرنا جن پر نصوص قطعیہ کی دلالت ہے، کفر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صراحۃً جھٹلانا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی ص ۳۶۸ میں ہے۔

ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح فاولادہ اولاد زنا و مافیہ خلاف یومر بالا ستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح. جس امر کا کفر ہونا اتفاقی ہے اسکے ارتکاب سے عمل باطل ہو جائے گا اور نکاح ٹوٹ جائے گا، اسکی اولاد اولادِ زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اس کے ارتکاب پر استغفار اور توبہ اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۱۶ میں ہے۔

فسبھم والطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر کقذف عائشۃ والا فبدعۃ و فسق و بالجملۃ لم ینقل عن السلف المجتھدین والعلماء الصالحین جواز اللعن علیٰ معاویۃ و احزابہ. صحابہ کے سب وشتم اور طعنہ زنی کے سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس سے دلیل قطعی (قرآن) کا انکار ہو رہا ہو تو کفر ہے، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ پر بہتان لگانا۔ ورنہ بدعت وفسق ہے۔ الختصر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت پر لعنت بھیجنے کا جواز اسلاف مجتہدین اور علماء صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں ہوا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

ولا تجوز الصلوۃ خلف منکر المسح علی الخفین او صحبۃ الصدیق او من یسب الشیخین او یقذف الصدیقۃ ولا خلف من انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ لکفرہ. مسح علی الخفین کے منکر، یا ابو بکر صدیق کے صحابی ہونے کا انکار کرنے والے کے پیچھے یا شیخین کو گالی دینے والے کے پیچھے یا حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اور نہ اسکے پیچھے جو کسی ایسی بات کا انکار کرے جس کا دین میں سے ہونا ظاہر وباہر ہے۔ کیونکہ اس نے کفر کیا۔

مسئلہ ۳۶: زید کہتا ہے کہ ہم جتنے دنیا میں کام کرتے ہیں سب اچھے یا برے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ عمر کہتا ہے کہ سب کام تقدیر پر نہیں لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری طرف تمہارے ہاتھوں سے مصیبت آتی ہے۔ لہٰذا برائے مہربانی صاف صاف ان مسائل کی تحقیق سے مستفیض فرمائیے۔

مسئولہ خادم انعام الدین نعیمی اشرفی، قاضی پورہ، اغوانپور، مراد آباد

الجواب: تقدیر کا مسئلہ بڑی نزاکتوں پر مشتمل ہے۔ عوام اس مسئلہ پر ہرگز ہرگز بحث نہ کریں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ پر بحث کرنے سے صحابہ کرام کو بھی منع فرمایا ہے۔ البتہ اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ قدر وتقدیر حق ہے۔ اس بارے میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز کا رسالہ "ثلج الصدر لایمان القدر" کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالی اعلم و علمہ عز اسمہ اتم و احکم.

مسئلہ ۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں:

(۱): یہ کہنا کہ کافر کو کافر نہ کہنا چاہئے نہ معلوم کس وقت ایمان لے آئے؟

(۲): ایک مولوی صاحب کہتے کہ مسلمان بار بار گناہ وغلطی کرتا ہے اور بار بار توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بار بار معاف فرماتا ہے۔ اور قرآن پاک کی یہ آیت ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ ....﴾[الزمر:۵۳] الیٰ آخرھا.

مسئولہ عبدالسلام متصل نئی مسجد موضع وڈاکخانہ شریف نگر مرادآباد، ۱۹ مئی ۱۹۶۰ء

الجواب: (۱): کافر کو کافر کہنا صحیح و درست ہے۔ جس طرح فاسق کو فاسق کہنا، مبتدع کو مبتدع کہنا اور منافق کو منافق کہنا صحیح و درست ہے۔ جو اسکے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ سائل سورہ قل یاایھا الکافرون کا ترجمہ دیکھے۔ نصوص شرعیہ، قرآن کریم اور حدیث نبوی میں بکثرت لفظ کافر' کافرون' کفار' منافقون وارد ہوا ہے۔ جو شخص ایسا کہتا ہے کہ کافر کو بھی کافر نہ کہنا چاہئے، نہ معلوم وہ کس وقت ایمان لے آئے۔ اگر ایمان لانے کے احتمال پر کافر نہ کہا جائے تو یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مطلقاً ایمان نہ لائے اور اپنے کفر پر برقرار رہے تو اس احتمال ثانی کی بناپر اسکو کافر کہنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن کو مومن کہنا اور کافر کو کافر کہنا حال و وصف موجود کی بناپر ہے۔ ورنہ کوئی مومن صدور کفر کے احتمال کی بناپر اپنے کو مومن نہیں کہہ سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): کفروشرک کے سوا اور دوسرے کبیرہ گناہوں سے اگر بندہ صدق دل سے ندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ کہ پھر دوبارہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے گا توبہ کرے تو ایسی توبہ کا قبول فرمانا شرعاً مامول و مرجو ہے۔ یعنی ایسی توبہ کے قبول ہونے کی امید ہے اور تحت مشیت ہے۔ اگر چاہے تو قبول فرمائے اور نہ چاہے تو نہ قبول فرمائے۔ یہ یقینی اور قطعی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول ہی فرمالے۔ چونکہ اصول اہلسنت و جماعت کی بناء پر توبہ کا قبول کرنا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ پر واجب و لازم نہیں ہے۔ البتہ توبۂ صادقہ کرنے کی صورت میں بندے سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ متفق علیہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں)۔ نیز اگر مسلمان بار بار ایک ہی گناہ کرتا رہے اور توبہ کرتا جائے تو ایسی توبہ بظاہر قبول نہیں۔ چونکہ حقیقتاً یہ توبۂ صحیحہ صادقہ نہیں بلکہ استہزاء پر محمول ہوگا۔ ہاں ایک گناہ کبیرہ کر کے توبہ کرلے اور دوسرے گناہ کبیرہ میں ملوث رہے تو جس گناہ سے توبہ کی ہے وہ مقبول ہوسکتی ہے۔ مسئلہ توبہ کی اتنی تفصیل کتب معتبرہ دینیہ سے ثابت ہے۔ مولوی صاحب کا قول نہایت مجمل اور مبہم ہے۔ اگر مولوی صاحب توبہ کے مسائل مندرجہ بالا اسی تفصیل کے ساتھ مانتے ہوں تو صحیح راستے پر گامزن ہیں ورنہ غلط روی میں مبتلا ہیں۔ مولوی صاحب نے اپنے قول مجمل کے ثبوت میں جو آیت کریمہ پیش کی ہے وہ آیت کفروشرک سے توبہ کرنے والے کے لئے مخصوص ہے۔ شرح فقہ اکبر کانپوری ص ۱۸۹ میں ہے۔

اعلم اولا ان قبول التوبة و هو اسقاط عقوبة الذنب عن التائب غير واجب على الله تعالى عقلا، بل كان ذالک منه فضلا خلافا للمعتزلة فاما وقوع قبولها شرعا فقيل: هو مرجو غير مقطوع به ويدل عليه قوله تعالى ﴿وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ [التوبه: ۱۵] علقه با لمشيئة. سب سے پہلے جاننا چاہئے کہ قبول توبہ یعنی توبہ کرنے والے سے گناہ کی سزا کا ساقط کر دینا اللہ تعالیٰ پر عقلا واجب نہیں، بلکہ یہ محض فضل الٰہی سے ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ جہاں تک شرعا قبول توبہ کے وقوع کا تعلق ہے تو ایک قول یہ ہے کہ اس کی امید کی جاسکتی ہے، قطعیت کے ساتھ قبول توبہ کی بات نہیں کہی جاسکتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے۔ (اور توبہ قبول فرمالیتا ہے اللہ جس کی چاہے) (معارف)۔ اس کو مشیت الٰہی پر معلق کر دیا۔

اسی کے ص ۱۹۲ میں ہے۔

ثم اعلم ان التوبة لغة هي الرجوع ... و في الشريعة هي الندم على المعصية من حيث هي معصية مع عزم ان لا يعود اليها اذا قدر عليها كذا عرفه المتكلمون ... و ايضا قد نصوا على ان اركان التوبة ثلا ثة الندامة على الماضي والا قلاع في الحال، والعزم على عدم العود في الاستقبال. پھر جاننا چاہئے کہ لغت میں توبہ رجوع یعنی واپس لوٹنے کو کہتے ہیں اور شریعت کے اندر اس کا معنی ہے "گناہ پر شرمندہ ہونا اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہے"۔ اس عزم کے ساتھ کہ اگر اس گناہ پر دوبارہ قدرت رکھا تو پھر اس کو نہیں کرے گا۔ نیز علماء نے یہ بھی کہا کہ توبہ کے ارکان تین ہیں۔ (۱): گزشتہ پر ندامت (۲): فی الحال اس کو چھوڑ دینا (۳): اس بات کا عزم مصمم کہ مستقبل میں پھر کبھی گناہ نہیں کرے گا۔

اسی شرح فقہ اکبر میں ہے۔

ثم كون التوبة سببا لغفران الذنوب و عدم المواخذة بها ممالاخلاف فيه بين الامة. پھر توبہ کا گناہوں کی بخشائش کا سبب ہونا اور اس پر مواخذہ کا نہ ہونا، ایسی باتیں ہیں جن میں امت کے اندر کسی کا اختلاف کا نہیں۔

اسی میں ہے۔

و ليس شيئا يكون سببا لغفران جميع الذنوب الاالتوبة كما قال الله تعالى ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ [الزمر: ۵۳] و هذا مختص لمن تاب من الكفر فان الله لا يغفران يشرک به ولذا قال الله تعالى ﴿ لَا تَقْنَطُوْا ﴾ [الزمر: ۵۳] وقال بعد ها ﴿وَ اَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ [الزمر: ۵۴] توبہ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو تمام گناہوں کی بخشش کا سبب ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا (تم یوں کہو کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے بے شک اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو) (معارف) یہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے کفر سے توبہ کی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی نہیں بخشے گا۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ناامید نہ ہو) (معارف)۔ اس کے بعد فرمایا (اور توبہ کر ڈالو اپنے رب کی طرف) (معارف)۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۳۸: کیا فرماتے ہیں علماء دین حسب ذیل واقعات پر:

(الف): ایک عرصہ سے دو شخصوں میں اختلاف عقیدت کی افواہ سنی جاتی تھی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے آپس میں تصفیہ کرنے کیلئے ایک عالم اہلسنت و جماعت سے عقیدۂ اہل سنت تحریر کرایا جو کہ ذیل میں تحریر ہے۔ لے کر اس شخص کے پاس گئے جو یہ کہا کرتے تھے کہ میں بھی اہل سنت و جماعت کا ہوں اور مخدوم اشرف جہانیاں جہاں گشت کے مسلک کا عمل پیرا ہوں۔ غرض کہ وہ تحریر عقیدہ اہلسنت و جماعت جو کہ بارہ کالم پر تحریر ہے دکھایا تو اسے پڑھکر سبھوں کا اقرار کیا اور تسلیم کیا اور یہ ظاہر کیا کہ میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔ مجھے اس سے بالکل اتفاق ہے۔ مگر فریق اول سے جس نے عقیدہ مندکو تحریری پیش کیا تھا کہا کہ ہم اسکو اقرار کرنے سے بھی نہیں مانیں گے۔ جب تک جن جن علماء پر کتاب حسام الحرمین کے ذریعہ جو کفر کے فتوئی شائع ہو چکے ہیں، نام بنام کافر نہ کہدو گے۔ تو فریق دوم نے کہا "نہ میں انکو کافر کہوں گا اور نہ مسلمان کہوں گا اور نہ ان کے کفری عقائد سے مجھے اتفاق ہے۔ کیونکہ میں حضرت مخدوم اشرف جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمۃ کے مسلک پر چلتا ہوں اور چلتا آیا ہوں۔ اور انکے بتائے ہوئے عقیدہ اور انکے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی شخص کو بھی اپنی زبان سے برا بھلا کہنے کو میرا دل گوارہ نہیں کرتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں ان شخصوں پر جن پر کفر کا فتوئی لگ چکا ہے حامی ہو کر کافر نہیں کہتا۔ بلکہ یہ میرا نیچر اور اصول ہے کہ کسی کو برا بھلا اپنی زبان سے کہنا پسند نہیں کرتا ہوں"۔ تو اب سوال یہ ہے کہ فریق دوم کو کیا ہم اپنا اہلسنت و جماعت کا بھائی جانیں یا کہ نہیں۔ عقیدہ جس پر امتحان لیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

خداوند کریم کے متعلق مختصر عقیدہ

(۱): خداوند کریم کے متعلق جتنی بھی صفتوں کی تعریف جن و انسان کرسکیں وہ کم ہے۔

(۲): وہ برائی سے پاک ہے اور نہ اس میں برائی کا شان و گمان ہوسکتا ہے۔

(۳): اگر خداوند کریم کے متعلق ایسا خیال کرے کہ اس سے بھی برائی ہوسکتی ہے ایسا سوچنے والا کافر ہے۔ مثلاً جھوٹ وغیرہ کا ممکن جاننا وغیرہ وغیرہ۔

نبوت کے متعلق عقیدہ

(۱): نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ہی ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہوتے ہیں۔

(۲): نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی او ملک کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

(۳): انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ کھاتے پیتے ہیں۔ جہاں

چاہیں آتے جاتے ہیں۔ تصدیق وعدہ الٰہی کے لئے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر بدستور زندہ ہیں۔ ان کی حیات حیات شہداء سے ارفع واعلیٰ ہے۔

(۴): انبیاء علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے عیب سے جو مخلوق کیلئے باعث نفرت ہو جیسے جھوٹ، خیانت وجہالت وغیرہ صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال جو وجاہت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے مطلقاً معصوم ہیں۔

(۵): انبیاء کے مختلف درجے ہیں بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب میں افضل ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور علیہ السلام خاتم النبیین ہیں۔ جو شخص حضور کے بعد یا اس زمانے میں حضور کے علاوہ کسی کو نبی مانے یا نبوت ملنا جائز سمجھے وہ کافر ہے۔

(۷): حضور کی محبت مدار ایمان ہے بلکہ ایمان اسی محبت کا نام ہے۔

(۸): حضور کی اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے یہاں تک کہ آدمی اگر فرض نماز میں ہو اور حضور اسے یاد فرمائیں تو فوراً جواب دے اور حاضر خدمت ہو اور وہ شخص کتنی ہی دیر حضور سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا۔

(۹): حضور علیہ السلام کی تعظیم جزو ایمان اور رکن ایمان ہے۔

(۱۰): حضور کی تعظیم وتوقیر جس طرح اس زمانے میں تھی آج بھی فرض اعظم ہے۔ تذکرہ حضور کے وقت درود بھیجنا واجب ہے۔

(۱۱): حضور کے کسی قول وفعل کو جو بنظر حقارت دیکھے کافر ہے۔

(۱۲): حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضور کے ماتحت ہے۔ جو چاہیں کریں، جسے چاہیں دیں وہ خدا کے سوا کسی کے محکوم نہیں اور سب کے حاکم ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے۔ تمام زمین انکی ملکیت اور تمام جنت ان کی جاگیر تمام آسمان وزمین کے فرشتے انکے زیر فرمان ہیں۔ جنت ودوزخ کی کنجیاں حضور کے دست اقدس میں ہے۔ رزق وبھلائیاں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں دنیا وآخرت حضور ہی کی عطا کا حصہ ہے احکام شرعیہ حضور کے قبضہ میں کردئے گئے جن پر جو چاہیں حرام وحلال کریں اور جس سے چاہیں معاف کردیں۔

(۱۳): سب سے پہلے مرتبہ حضور کو ملا۔ حضور پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کا عہد لیا گیا اور اس شرط پر انکو یہ منصب اعظم عطا کیا گیا کہ حضور نبی الانبیاء ہیں اور سارے انبیاء ان کے امتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنی ذات کا مظہر بنا کر بھیجا اور حضور کے نور سے تمام عالم کو منور فرمایا بایں معنی ہر جگہ حضور تشریف فرما ہیں۔

(ب): عقیدہ (۳) اور عقیدہ (۱۲) اسکے متعلق ایک الگ الگ یہ سوال کیا گیا کہ یہ اپنی جگہ بالکل لفظ بہ لفظ صداقت رکھتا ہے۔ مثلاً جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں اور واپس لے لیں وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ رزق وبھلائیاں اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں اور دنیا وآخرت حضور کی عطا کا ایک حصہ ہے اور احکام شرعیہ حضور کے قبضے میں کردئے

گئے وغیرہ وغیرہ۔
(ج): اگر ایک شخص ایسا ہے جسکی مخالفت سے ہمارے دینی خدمات جیسے مکتب میں بچوں کی تعلیم دینی واتحاد بین المسلمین میں تفریق پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً معلم کی تنخواہ کے بارے میں جو رقم گاؤں سے چٹکی چندہ وزکوٰۃ وغیرہ میں رکاوٹ پڑ سکتی ہے اور جب اس سے دنیاوی تعلقات سلام ودعا اٹھنا بیٹھنا رکھتا ہوں تو وہ میرے دینی خدمات میں مخل نہیں ہوتا تو کیا ایسے شخص سے ہم مصلحتاً دنیاوی رشتہ قائم کر سکتے ہیں۔ شرعی حکم سے آگاہ کریں۔

مسئولہ سید سطوت حسین اشرفی' قاضی پور' شندیال گنج' گونڈہ' یوپی

الجواب: جب عقائد فی السوال کا فریق دوم مقر ومعتقد ہے اور وہ تسلیم بھی کرتا ہے اور ان عقائد سے بہمہ وجوہ اتفاق کرتا ہے تو فریق اول کو اسے سنی مان لینا چاہئے۔ فریق اول کو اگر نام بنام مرتدین کو کافر کہلوانا تھا تو عقائد مندرجہ کے ساتھ اسکو بھی پہلے درج کرا دیتا جن عقائد پر فریق دوم نے اقرار وتسلیم اور اتفاق واعتقاد ظاہر کیا اسمیں بھی تو لفظ ''کہ کافر ہے'' موجود ہے۔ پھر فریق اول کو نام بنام کہلوانے پر ضد بھی نہ کرنا چاہئے چونکہ فریق دوم جب عقائد مندرجہ کے متعلق کہتا ہے کہ'' میرا بھی یہی عقیدہ ہے'' تو اس نے ان لوگوں کو کافر کہہ ہی دیا۔ جن لوگوں کے غلط وباطل عقیدہ کے متعلق عقائد مندرجہ میں ''کہ کافر ہے'' لکھا ہوا ہے لہذا فریق دوم کو بھی نام بنام کہنے سے منع وانکار بر بنائے ضد بحث نہ کرنا چاہئے۔ فریق دوم کے بعض لفظ سے کچھ شبہ ہوتا ہے جیسے اسکا یہ جملہ'' بلکہ یہ میرا نیچر واصول ہے کہ کسی کو برا بھلا اپنی زبان سے کہنا پسند نہیں کرتا ہوں'' اس قسم کے جملے بالعموم رکاپے اور صلح کلی والے کہا کرتے ہیں۔ فریق دوم کے متعلق مجھے تو یقین ہے کہ اپنی زبان سے وہ اچھے کو اچھا اور برے کو برا ضرور کہتا ہوگا۔ جب وہ اپنے آپ کو اہلسنت وجماعت بتاتا ہے تو جمہور اہلسنت وجماعت کے طریقہ پر اچھے کو اچھا اور برے کو برا کہنا ہی چاہئے۔ یہ نیچر واصول ہی اپنی جگہ پر غلط ہے جو فریق دوم کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر فریق دوم بر بنائے شک مرتدین کو کافر کہنے سے انکار کرتا ہے جب تو وہ اہل سنت وجماعت کے دعویٰ میں سچا نہیں بلکہ خود کافر ہے اور جن وجوہ مذکور کے ماتحت فریق دوم نے مرتدین کو کافر کہنے سے احتراز واجتناب کیا ہے تو فریق دوم کو خارج از سنت نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): (۳) اور (۱۲) کا مضمون صحیح ہے اور حدیثوں سے ثابت ہے اور کتب عقائد وکتب سیرت وشروح احادیث وغیرہا سے ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳): اگر خوف مخالفت سے باز رہنے میں دینی فائدہ ہوتا ہے تو مخالفت نہ کریں مگر کافر مرتد سے تعلقات نہ رکھیں۔ تعلقات رکھنا کمزوری کی بات ہے اور صلح کلیوں کا طریقہ ہے۔ اس سے سلام کلام نہ کریں اور اسکی مخالفت نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۹: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ''آواگون'' نامی کتاب ہندی زبان میں شائع کی ہے جسکے اندر مصنف نے آواگون اور تناسخ کو نہ صرف عقلاً ثابت کیا ہے بلکہ قرآن حکیم کی بعض آیات اور احادیث مقدسہ کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ اور اسی دنیا کو جنت اور دوزخ بتایا ہے۔ جسکی وجہ سے قیامت اور حشر ونشر کا بھی منکر

ہے۔ نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو بھی بار بار بتایا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

دہر میں آدم سے پہلے بھی نبی تھے مصطفیٰ ۔۔۔ آتے ہیں دنیا میں احمد اور کرشن بار بار

اور ایمان مفصل اور قرآن کریم کے موجودہ تراجم کو بھی غلط بتایا ہے، بلکہ ان کے ترجمے آواگون کے مفہوم کے بیان کئے ہیں۔ ایسی حالت میں کتاب مذکور کا مصنف مسلمان ہے یا نہیں اور اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز جو صاحبان اسکو مسلمان جانیں یا اسکا بائیکاٹ نہ کریں ان کے بارے میں کیا حکم ہے اور ہر دو صاحبان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ رکھنا چاہئے؟

مسئولہ........

الجواب: زید آواگون اور تناسخ کو حق و صحیح اعتقاد کرنے کے باعث اسلام کے بنیادی عقیدہ قیامت و یوم آخر، حشر و نشر، حساب و کتاب، سزا و جزا، جنت و دوزخ کا منکر ہو کر کافر و مرتد خارج از اسلام ہو گیا، مسلمان نہ رہا۔ اسکے ساتھ انکا بھی وہی حکم ہے جو زید کے اس اعتقاد فاسد کے باوجود اسکو مسلمان ہی جانیں اور اسکے ساتھ مسلمان جیسا سلوک کریں۔ ہر سنی صحیح العقیدہ مسلمان کو زید سے قطع تعلق کر لینا ضروری ہے۔ اس سے نفرت و بیزاری اور اعراض و علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے۔ جب تک زید اپنے اس عقیدہ فاسدہ سے توبۂ صادقہ نہ کرے، پھر تجدید ایمان و تجدید بیعت و نکاح نہ کرے، اس سے ربط و ضبط، میل جول نہ رکھے، الفت و محبت، انس و مودت نہ کرے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد ثانی ص ۳۷۷ میں ہے۔

> من انکر القیامۃ او الجنۃ او النار او المیزان او الصراط او الصحائف المکتوبۃ فیھا اعمال العباد یکفر ولو انکر البعث فکذالک. جس نے قیامت یا جنت، یا جہنم، یا میزان، یا پل صراط، یا لوح محفوظ کا انکار کیا تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اور اگر بعث (موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے) کا انکار کیا تو اسی طرح سے تکفیر کی جائے گی۔

اسی میں ہے۔

> یکفر بانکار رویۃ اللہ تعالی عزوجل بعد دخول الجنۃ و بانکار عذاب القبر وبانکار حشر بنی آدم. جنت میں داخل ہونے کے بعد باری تعالیٰ عزوجل کے دیدار کا انکار بھی کفر ہے۔ عذاب قبر کے انکار اور بنی آدم کے حشر سے انکار سے انسان کافر قرار دیا جائے گا۔

اسی میں ہے۔

> رجل قال لآخر گناہ مکن جہان دیگر ہست فقال از آں جہاں کہ خبر داد کفر۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا۔ گناہ مت کر، دوسری دنیا بھی ہے۔ اس کے جواب میں کہا، ''اس جہان کی کسے خبر ہے''، تو وہ کافر ہو گیا۔

سی کے ص ۳۷۸ میں ہے۔

> ولو قال مرا بامحشر چہ کار او قال لا اخاف القیامۃ یکفر کذا فی الخلاصۃ. اور اگر یہ لفظ کہا ''مجھے محشر سے کیا مطلب''۔ یا کہا ''میں قیامت سے نہیں ڈرتا''۔ اسکی تکفیر کی جائے گی۔ ایسا ہی 'الخلاصہ' میں ہے۔

اعلام بقواطع الاسلام میں ہے۔

من تلفظ بلفظ کفر یکفرو کذا کل من ضحک علیه اواستحسنه او رضی به یکفر. جو شخص کلمۂ کفر بولا اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اسی طرح جو اس پر ہنسا، یا اسے اچھا سمجھا، یا اس پر راضی ہوا اسے بھی کافر قرار دیا جائے گا۔

بحرالرائق میں ہے۔

من حسَّنَ کلام اهل الاهواء او قال معنوی او کلام له معنی صحیح ان کان ذالک کفرا من القائل کفر المُحسِّن. جس نے اہل اہواء کے کلام کو اچھا کہا۔ یا کہا معنی دار ہے یا کہا یہ صحیح معنی رکھنے والا کلام ہے۔ اگر یہ کلام کفریہ ہے تو اسے اچھا کہنے والے کو بھی کافر کہا جائے گا۔

قال الله تعالی ﴿وَ اِمَّا یُنسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلاوادے دے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) و قال عزاسمه ﴿وَمَنْ یَتَوَلَّهُمْ مِنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [المائدہ: ۵۱] (تم میں جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے) (معارف)۔ فرمان نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ہے اهل البدع شر الخلق و الخلیقة نیز ارشاد حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے لا تجالسو هم ولا تشاربوهم ولا تواکلو هم ولا تنا کحو هم. علمائے کرام وفقہائے عظام تصریح فرماتے ہیں کہ کافر و مرتد اور مبتدع نہیں بلکہ عالم فاسق ہو تو اسکی توہین بھی شرعاً واجب ہے۔ مراقی الفلاح ص ۱۸۱ میں ہے۔

الفاسق العالم تجب اهانته شرعا فلا یعظم . فاسق عالم کی اہانت شرعاً واجب ہے، امامت کے لئے آگے کر کے اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔

شرح مقاصد میں ہے۔

حکم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والطعن واللعن. بدعتی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھا جائے، اس سے اعراض کیا جائے، اس کی اہانت اور اس پر لعن طعن کیا جائے۔

اسی سے صراحتہ کافر و مرتد کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ تناسخ جسے آواگون بھی کہتے ہیں یہ بعض مشرکین اہل عرب واہل ہنود کا اتنا گھسا پٹا مسئلہ ہے کہ اسپر صدہا مناظرے ہوئے اور اسکا رد و ابطال و ازہاق کیا گیا اور اہل علم کے طبقہ میں یہ مسئلہ پیش کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ لیکن نہ معلوم کون سی گولی یا قرص ملین ہے کہ اسکے کھاتے ہی بعض مدعی اسلام کو بھی اس مسئلہ کا مرض اسہال لاحق ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی آواگون کے گیت گانے لگتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ انبیائے کرام ورسل عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو ماننے والی جتنی قومیں گزری ہیں وہ آواگون کی قائل ومعتقد نہیں تھیں۔ آواگون کے عقیدہ کے لحاظ سے یہی دنیا دارالعمل بھی ہے۔ اور دارالجزاء بھی۔ اگر یہ صحیح فرض کیا جائے تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ اب سے دوسو سال قبل

انسانوں کی اتنی تعداد میں آبادی نہیں تھی جتنی تعداد میں اب ہے تو بلا شبہ ارواح کا تعلق کثیر تعداد میں پہلی بار نئے نئے جسموں سے ہوا۔ جن جن نئے جسموں میں روح پہلی بار آئی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو نئے اجسام مع ارواح آرام وراحت میں ہونگے یا تکلیف ومصیبت میں۔ اگر آرام وراحت میں ہونگے تو پھر انکو یہ آرام وراحت کس جنم کے اچھے کرتوت کے صلہ میں ملی۔ جبکہ اس جسم کو پہلی بار جنم ملنا اور ارواح سے اسکا تعلق رہنا فرض کیا گیا ہے اور اگر تکلیف ومصیبت میں ہونگے تو پھر انکو یہ تکلیف کس جنم کے برے کرتوت کے بدلے میں ملی، جبکہ اس جسم کا پہلی بار جنم ملنا اور روح سے اسکا تعلق ہونا فرض کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آواگون کا مفروضہ عقیدہ غلط وباطل ہے۔ نیز اگر آرام وراحت میں کسی پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ مانا جائے اور یہ انسان اگر مطلق کوئی نیک کام نہ کرے، نہ برا کام کرے تو پھر آئندہ جنم میں اس جسم کو آرام وراحت ملیگی تو یہ آرام وراحت کس جنم کے اعمال کا نتیجہ ہوگی اور آئندہ جنم میں اس جسم کو تکلیف ومصیبت ملیگی تو یہ تکلیف ومصیبت کس جنم کے عمل کا نتیجہ ہوگی اور اگر آئندہ جنم میں اس جسم کو نہ آرام وراحت ملیگی نہ تکلیف ومصیبت ملیگی تو پھر یہ زندگی کیا ہوگی اسکو آواگون کے ماننے والے ہی متعین کریں چونکہ انکے عقیدہ میں تو ہر نئے جنم میں پچھلے جنم کا نتیجہ ملا کرتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آواگون کا واہی عقیدہ صحیح ودرست نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دنیا دار العمل اور دار الجزاء نہیں ہوسکتی۔

(۳): آواگون کے ماننے والے خدا کو رحیم وکریم مانتے ہیں اور دیالو کے لقب سے بھی ملقب کرتے ہیں پھر انسان پر جو کچھ رنج وراحت گزر رہا ہے اور جو کچھ اسکو کمال وخوبی حاصل ہے اگر وہ اسکے اعمال سابقہ ہی کا نتیجہ ہے تو خدا کا کیا احسان بندہ پر ہوا۔ اول تو اس نے انکے اعتقاد کے مطابق اسکی روح کو پیدا ہی نہیں کیا ورنہ روح کا حادث ہونا لازم آئیگا، حالانکہ روح انکے عقیدہ میں قدیم ہے۔ پھر جو کچھ انسان کے پاس نعمت ہے وہ بھی آواگون کے عقیدہ میں خدا کی عطا سے نہیں ہے بلکہ انسان کے اعمال سابقہ ہی کا ثمرہ ہے تو خدا کی دیا اور کرپا کیا ہوئی۔ نیز رحمت کا تقاضا یہ کہ بندہ اپنے برے عمل سے نادم وتائب ہو تو اس دار العمل میں وہ رحیم وکریم معاف کردے اور اس عقیدہ کی بنا پر وہ معاف ہی نہیں کرسکتا تو ایسا فرضی خدا رحیم وکریم اور دیالو کس مرض کی دوا ہوا جو کچھ نہیں دے سکتا ہے، نہ کوئی مصیبت دور کرسکتا ہے، نہ توبہ سے معاف کرسکتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آواگون کا عقیدہ خلاف عقل سلیم وفہم مستقیم ماننے کے قابل نہیں ہے۔ مختصراً یہ تین دلائل لکھے گئے۔ **ھذا ما عندی واللہ سبحانہ و تعالی اعلم** ۷؍صفر ۱۳۸۸ھ بمطابق ۶؍مئی ۱۹۶۸ء دوشنبہ

مسئلہ ۴۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے؟ اور دونوں کی تعریف کیا ہے؟ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ شرعی قانون کے اعتبار سے ہر مومن مسلم نہیں کہلا سکتا ہے جب تک تمام امور شرعیہ پر پورا عمل نہ ہو۔ اگر صرف کلمہ توحید کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب مومن اور مسلم کیلئے کافی ہوتا تو اتنے موجودہ وماضیہ کے بزرگان دین اپنی شکل وصورت اور سیرت میں فرق کئے ہوئے ہیں اسکی کیا ضرورت ہے جبکہ صرف کلمہ توحید کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب دونوں کیلئے کافی ووافی ہوتا۔ وہ بھی نماز کو، داڑھی کو بالائے طاق چھوڑتے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ یوں تو مانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں مگر شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کتب شرعیہ فقہیہ وعقائد سے حوالہ دیتے ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ عبارت کو

درج کرتے ہوئے فقیر کو آگاہ فرمائیں۔ مومن عام ہے یا مسلم، اس سے بھی اطلاع کریں۔ مولوی صاحب کا قول ہے کہ ہر مومن مسلم نہیں اور ہر مسلم مومن اور مسلم دونوں ہوگا۔

مسئولہ.....۵؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶؍اکتوبر ۱۹۶۱ء

الجواب: ایمان واسلام دونوں متحد ہیں یا متغایر اس بارے میں متکلمین ومحدثین اور ائمہ اعلام وفقہائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے تین اقوال ہیں۔ ایک قول کی بناء پر دونوں متحد فی الصدق اور تساوی فی الاطلاق ہیں۔ اس تقدیر پر کل مومن مسلم اور کل مسلم مومن کہا گیا ہے۔ اور ایمان واسلام میں نسبت تساوی کی ہے۔ چونکہ ایمان بمعنیٰ اسلام اور اسلام بمعنیٰ ایمان قرآن کریم واحادیث نبویہ میں آیا ہے۔ اس اطلاق کو حقیقت شرعیہ پر محمول کرنیوالے حضرات نے دونوں کو متحد بنا دیا ہے۔ اسی قول کی بناء پر عامہ کتب عقائد وکلام میں **الایمان والاسلام واحد** مرقوم ہے۔ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اسلام کامل صحیح ومعتبر بغیر ایمان کامل کے معتبر نہ ہوگا۔ اور اسی طرح ایمان کامل بھی اسلام مذکور کے بغیر ثابت نہ ہوگا۔ مسامرہ شرح مسائرہ مصری جلد دوم ص ۱۸۶ وص ۱۸۷ میں ہے۔

و قداتفق اهل الحق و هم فريقا الاشاعرة والحنفية على تلازم الايمان والاسلام بمعنى انه لاايمان يعتبر بلااسلام وعكسه اى لااسلام يعتبر بدون ايمان فلا ينفك احد هما عن الآخر. اہل حق، اشاعرہ وحنفیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان واسلام کے درمیان تلازم ہے۔ بایں معنی کہ ایمان بغیر اسلام معتبر نہیں۔ اور اس کا عکس بھی یعنی اسلام بغیر ایمان کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ لہٰذا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔

شرح عقائد دوانی علی العقائد العضدیہ ص ۱۰۳ و ۱۰۴ میں ہے۔

واعلم ان الاسلام هوالانقياد الظاهر وهو التلفظ بالشهادتين والا قرار بما يترتب عليه والاسلام الكامل الصحيح لايكون الا مع الايمان والاتيان بالشهادتين والصلاة والزكاة والصوم والحج وقد ينفک الاسلام الظاهر عن الايمان كما قال الله تعالىٰ ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا﴾ [الحجرات:۱۴] و يصح ان يكون الشخص مسلما فى ظاهر الشرع و لا يكون فى الحقيقة والاسلام الحقيقى المقبول عند الله تعالىٰ لا ينفک عن الايمان الحقيقى بخلاف العكس كما فى المومن المصدق بقلبه التارک الاعمال. جاننا چاہئے کہ اسلام انقیاد ظاہر کو کہتے ہیں۔ وہ کلمۂ شہادت کا بولنا ہے اور ان تمام باتوں کا اقرار جو اس بولنے پر مترتب ہوتے ہیں۔ اسلام کامل اور صحیح ایمان کلمۂ شہادت کے تلفظ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے ساتھ ہی ہوگا۔ اسلام ظاہر ایمان سے جدا ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (بولے گنوار کہ ہم نے مان لیا کہہ دو کہ تم نے مانا نہیں لیکن کہو کہ ہم دب گئے) (معارف)۔ صحیح یہ ہے کہ ظاہر شریعت میں ایک شخص مسلمان ہو اور حقیقت میں مسلمان نہ ہو۔ حقیقی اسلام نیز، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول

اسلام ایمان حقیقی سے جدا نہیں ہوسکتا۔ بخلاف عکس کے، جیسا کہ اس مومن کے متعلق جو دل سے تصدیق کرتا ہے اور تارک اعمال ہے۔

اسی کے حاشیہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی میں ہے۔

و قوله الاسلام (الخ) ان اراد بالحقيقي الكامل فالايمان الكامل ايضا لا ينفک عن الاسلام لان كل و احد عبارة عن التصديق والاقرار والعمل و ان اراد به ما يكون اسلاما عندالله و يترتب عليه النجاة و هو عدم الخلود فى النار فهو متحقق بمجرد التصديق كما ان الايمان الحقيقي الثابت عند الله تعالىٰ فلا ينفک احد هما عن الآخر وهو المراد من قولهم ان الايمان والاسلام و احد. (قوله الاسلام الخ) ان کا قول (الاسلام الخ) اگر اسلام حقیقی سے اسلام کامل مراد ہے تو ایمان کامل بھی اسلام سے جدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک تصدیق واقرار وعمل سے عبارت ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔ جس پر نجات مترتب ہوتا ہے۔ یعنی خلود فی النار نہ ہونا۔ وہ محض تصدیق ہی سے متحقق ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ایمان حقیقی ثابت عنداللہ تعالیٰ۔ لہٰذا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوگا۔ ان کے قول ''ایمان واسلام ایک ہیں'' کی یہی مراد ہے۔

اس عبارت اخیرہ نے اس امر کی وضاحت کردی کہ ایمان کامل واسلام کامل دونوں متحد ہیں۔ اسی طرح سے اسلام مقبول عنداللہ جس پر نجات مرتب ہوگی اور انسان دائمی طور پر عذاب نار میں نہ رہے گا وہ صرف تصدیق قلبی اور ایمان حقیقی سے حاصل ہوگا۔ اس بناء پر بھی ایمان واسلام دونوں متحد ہیں اور متکلمین کے قول ان الایمان والاسلام واحد سے یہی مراد ہے۔ لیکن اس سے مطلق ایمان اور مطلق اسلام کا متحد ہونا لازم نہیں آتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ قول اس حیثیت سے صحیح ودرست ہے کہ اسلام وایمان مقید بقیود مذکورہ متحد ومتساوی ہیں۔ ورنہ یہ قول مرجوح وضعیف ہوگا۔ جبکہ مطلق اسلام اور مطلق ایمان مراد لیا جائے۔ دوسرے قول کی بناء پر ایمان واسلام دونوں اس طرح متغایر ہیں کہ ایمان خاص اور اسلام عام۔ ان دونوں میں نسبت عموم وخصوص مطلق کی ہے۔ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے اور اسلام کی حقیقت اختیار واطاعت ہے۔ اس تقدیر پر کل مومن مسلم جیسے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور لیس کل مسلم مومنا جیسے منافقین یہ قول محدث امام ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم خطابی یسنی فقیہ ادیب شافعی اور شیخ ابوعمرو بن الصلاح وغیرہما سے منقول ہے۔

امام نووی شرح مسلم شریف میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الخطابی الصحيح من ذالک ان يقيد الكلام فی هذا ولا يطلق و ذلک ان المسلم قد يكون مومنا فی بعض الاحوال ولا يكون فی بعضها والمومن مسلم فی جميع الاحوال فكل مومن مسلم وليس كل مسلم مومنا. خطابی نے کہا ''صحیح یہ ہے کہ کلام کو مقید رکھا جائے۔ مطلق نہ رکھا جائے۔ اور یہ اس طرح کہ مسلم بعض حالات میں مومن ہوگا اور بعض حالات میں نہیں

ہوگا۔ لیکن مومن ہر حال میں مسلم ہے۔ لہٰذا ہر مومن مسلم ہے اور ہر مسلم مومن نہیں"۔
یہی امام نووی شیخ علامہ ابوعمرو ابن الصلاح کا قول نقل فرماتے ہیں۔

قال: هذا بيان لاصل الايمان و هو التصديق الباطن وبيان لاصل الاسلام و هو الاستسلام والانقياد الظاهر وحققنا ان الايمان والاسلام يجتمعان ويفترقان و ان كل مومن مسلم وليس كل مسلم مومنا. ملخصا. کہا۔ "یہ اصل ایمان کا بیان ہے۔ جو تصدیق باطن ہے۔ اور اصل اسلام کا بیان ہے، جو تابعداری اور اطاعت ظاہری ہے۔ ہم نے ثابت کیا کہ ایمان واسلام مجتمع بھی ہوتے ہیں اور علیحدہ بھی ہوتے ہیں اور ہر مومن، مسلم ہے اور ہر مسلم مومن نہیں۔

یہ قول میری تحقیق میں انتہائی ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔ كما سياتي برهانه في القول الأتي و لان كل مومن ليس بمسلم منقاد و مطيع للاحكام الشرعية كالفساق والفجار من المومنين . تیسرے قول کی بناء پر ایمان واسلام دونوں اسطرح متغایر ہیں کہ ایمان واسلام اعم ا خص من وجه ہے اور ان دونوں میں عموم و خصوص من وجه کی نسبت محقق ہے۔ اس تقدیر کی بناء پر ایمان واسلام کی حقیقت وہی ہے جو دوسرے قول میں مذکور ہوئی بعض تصدیق قلبی کرنے والا احکام شرعیہ کا منقاد و مطیع بھی ہوتا ہے۔ فبعض المومن مسلم جیسے مومن صالح اور بعض تصدیق قلبی کرنے والا احکام شرعیہ کا پابند نہیں ہوتا۔ فبعض المومن ليس بمسلم جیسے مومن فاسق اور بعض احکام شرعیہ پر عمل کرنے والا تصدیق قلبی نہیں کرتا۔ فبعض المسلم ليس بمومن جیسے منافق۔ یہ قول ثالث مطلق ایمان اور مطلق اسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور صحیح وراجح اور قوی وصواب ہے اور محققین اہل اسلام کا قول ہے۔ علامہ بدرالدین حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری مصری جلد اول ص ۱۲۸ و ۱۲۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

النوع الرابع في ان الاسلام مغائر للايمان او هما متحدان

فنقول: الاسلام في اللغة الانقياد والاذعان وفي الشريعة الانقياد لله بقبول رسوله عليه السلام بالتلفظ بكلمتي الشهادة وا لا تيان بالواجبات والانتهاء عن المنكرات كما دل عليه جواب النبي صلى الله عليه وسلم حين ساله جبريل عليه السلام عن الاسلام في الحديث الذي رواه ابو هريرة رضي الله عنه حيث قال النبي عليه السلام: الاسلام ان تعبدالله ولا تشرك به شيأ و تقيم الصلوٰة و تودى الزكوٰة المفروضة و تصوم رمضان و يطلق الاسلام على دين محمد يقال دين الاسلام كما يقال دين اليهودية والنصرانية قال الله تعالىٰ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ و قال عليه السلام ذاق طعم الايمان من رضى بالله ربا وبالاسلام دينا. ثم اختلف العلماء فيهما فذهب المحققون الى انهما متغائران و هو الصحيح و ذهب بعض المحدثين والمتكلمين وجمهور المعتزلة الى ان الايمان هو الاسلام والاسمان مترادفان شرعاً و قال الخطابي والصحيح من ذالک ان

يقيد الكلام ولا يطلق و ذالک ان المسلم قد يكون مومنا فى بعض الاحوال دون بعض والمومن مسلم فى جميع الاحوال فكل مومن مسلم و ليس كل مسلم مومنا. واذا حملت الامر على هذا استقام لک تاويل الآيات و اعتدل القول فيها ولم يختلف شئى منهما و اصل الايمان التصديق واصل الاسلام الاستسلام والانقياد فقد يكون المرء مسلما فى الظاهر غير منقاد فى الباطن و قد يكون صادقا بالباطن غير منقاد فى الظاهر. قلت هذه اشارة الىٰ ان بينهما عموماً و خصوصاً مطلقاً كما صرح به بعض الفضلاء والحق ان بينهما عموماً و خصوصاً من وجه لان الايمان ايضاً قد يوجد بدون الاسلام كما فى شاهق الجبل اذا عرف الله بقلبه و صدق بوجوده و وحدته و سائر صفاته قبل ان تبلغه دعوة نبى و كذا فى الكافر اذا اعتقد جميع ما يجب الايمان به اعتقادا جازما و مات فُجُاَ ةً قبل الاقرار والعمل. چوتھی قسم اس امر میں ہے کہ اسلام، ایمان کے مغایر ہے۔ یا دونوں متحد ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ لغت میں اسلام تابعداری و اطاعت کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کی تابعداری اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کر کے، جو کلمہ شہادت کے بولنے اور فرائض کی ادائیگی اور منکرات سے رک جانے سے ہوگا۔ جس پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب دلیل ہے، جب ان سے جبرئیل علیہ السلام نے اسلام کے متعلق سوال کیا جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے کہا۔ ''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے''۔ اسلام کا اطلاق دین محمد پر بھی کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے دین اسلام، جیسا کہ کہا جاتا ہے دین یہودی و نصرانی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین اسلام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ''ایمان کی چاشنی اسے مل گئی جو اللہ سے رب ہونے پر اور اسلام سے دین ہونے پر راضی ہوگیا۔ پھر علماء کا ایمان و اسلام کے متعلق اختلاف ہوگیا۔ محققین اس طرف گئے کہ دونوں ایک دوسرے کے متغایر ہیں۔ یہی صحیح ہے۔ بعض محدثین اور متکلمین اور جمہور معتزلہ اس طرف گئے کہ ایمان ہی اسلام ہے۔ اور شرعاً دونوں مترادف نام ہیں۔ خطابی نے کہا۔ ''صحیح یہ ہے کہ کلام کو مقید رکھا جائے۔ مطلق نہ رکھا جائے۔ اور یہ اس طرح کہ مسلم بعض حالات میں مومن ہوگا اور بعض حالات میں نہیں ہوگا۔ لیکن مومن ہر حال میں مسلم ہے۔ لہٰذا ہر مومن مسلم ہے اور ہر مسلم مومن نہیں''۔ اگر تم مسئلہ کو اس پر محمول کرو گے تو تمہیں آیات کی مضبوط اور درست تاویل ملے گی۔ اور اس بارے میں قول معتدل رہے گا۔ اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔ اصل ایمان تصدیق ہے۔ اور اصل اسلام تابعداری ہے اور اطاعت ہے۔ کبھی انسان بظاہر مسلمان ہوتا ہے باطن نہیں۔ کبھی باطن میں سچا مسلمان ہوتا ہے، ظاہر میں اسلام کا تابعدار نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت

ہے۔ جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی۔ حق یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ ایمان بھی کبھی بغیر اسلام پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہونے والے کے متعلق ہے کہ اگر اس نے دل سے اللہ کو پہچانا، اس کے وجود، اس کی وحدت اور تمام صفات کی تصدیق کی، اس سے پہلے کہ کسی نبی کی دعوت اس کے پاس پہونچی۔ اسی طرح اس کافر کے متعلق جس نے ان تمام باتوں پر مضبوط اعتقاد کیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اقرار و عمل سے پہلے اچانک مرگیا۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ زید اپنی لڑکی کی رخصتی کیلئے اپنے داماد بکر کے گھر گیا۔ رخصتی کا تذکرہ کرنے کے بعد بکر نے کہا کہ ہم اپنے یہاں کے پروہیت پنڈت سے اچھا دن معلوم کرنے کے بعد رخصتی کرینگے۔ چنانچہ بکر اپنے والد کے ساتھ پروہیت پنڈت کے گھر گیا اور پروہیت سے دریافت کیا۔ پروہیت نے جواب دیا آج ڈورے کا دن (ہندوؤں کا ایک تہوار ہے) ہے۔ رخصتی کردو تو بکر کو اس پر یقین نہ ہوا اور کہا کہ پنڈت جی منہ کا کہا ہوا یقین نہیں ہوتا ہے ذرا پوتھی نکال کر دیکھئے۔ تین چار مرتبہ یہی لفظ کہنے پر پنڈت نے پوتھی نکالا اور دیکھنا شروع کیا اور جواب دیا کہ ٹھیک کہتے ہو بابو آج اتر جانے والی دلہن کا دن نہیں بنتا ہے مگر برھسپت (جمعرات) کو سویرے رخصتی کردوگے۔ جب بکر پنڈت کے یہاں سے واپس آیا تو زید نے پوچھا اب رخصتی کس وقت ہوگی تو سمدھی (بکر کے باپ) نے جواب دیا کہ آج ہم دونوں باپ بیٹا پروہیت پنڈت کی تلاش میں پریشان ہیں تو زید نے کہا کہ آپ نے اپنے خیال کے مطابق ڈورا کے دن رخصت کرنے کا وعدہ کیا تھا تو آج ہی ہندوؤں کا ڈورا ہے رخصتی کیجئے تو بکر نے جواب دیا کہ بابھن پنڈت نے برھسپت کے دن کہا ہے۔ چنانچہ جمعرات کے روز لڑکی کو اپنے باپ کے یہاں پہنچانے کے لئے بکر آیا تو چند لوگوں نے بکر سے معلوم کیا کہ آپ نے پنڈت سے پوتھی دکھلا کر رخصتی دی ہے جو مسلمان کے عقیدہ کے سراسر غلط ہے۔ ایک مسلمان کو ایسا عقیدہ قطعاً نہیں رکھنا چاہئے۔ اس پر بکر نے جواب دیا کہ ہم نے پوتھی دکھلوایا ہے تو ہم بھگتیںگے آپ لوگوں کو اس سے کیا ضرورت ہے؟ ہم پوجا بھی کرتے ہیں، پوتھی بھی مانتے ہیں اور مڑری بھی چڑھاتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب ہے کہ از روئے شرع بکر اور اسکے والد پر کیا حکم عائد ہوتا ہے اور بکر کی بیوی بکر کے نکاح میں رہی یا نہیں، زید کو کیا کرنا چاہئے؟ جواب از راہ کرم مکمل ومدلل مرحمت فرمایا جائے۔

مسئولہ عبدالرزاق مقام وڈاکخانہ بسحان پور کٹوریہ ضلع بھاگلپور

الجواب: بکر اور اسکے باپ دونوں کا پنڈت کے پاس جانا اور یہ دریافت کرنا کہ رخصتی کیلئے کون سا دن مناسب ہوگا اور اسکے زبانی جواب پر اعتقاد نہ کرکے پوتھی کا دکھوانا اور پوتھی دیکھ کر جو بات پنڈت نے بتائی اس پر اعتقاد کرنا پھر چند لوگوں کے اعتراض پر بکر کا یہ کہنا کہ ہم پوتھی دکھلوایا ہے تو ہم بھگتیںگے آپ لوگوں کو اس سے کیا ضرورت؟ ہم پوجا بھی کرتے ہیں، پوتھی بھی مانتے ہیں اور مڑری بھی چڑھاتے ہیں۔ یہ سارے افعال واقوال کفر وارتداد پر مشتمل ہیں۔ بکر اور اس کا باپ دونوں کافر ومرتد ہوگئے اور اسلام وایمان سے خارج ہوگئے۔ بلکہ بکر کے جوابی جملے تو اسکے کفر وارتداد پر رجسٹری کی مہر لگا رہے ہیں بکر کی بیوی اسکے نکاح سے خارج ہوگئی۔ بکر کی بیوی اپنا کل مہر اس کافر ومرتد شوہر سے وصول کرسکتی ہے۔ زید

پر فرض ولازم ہے کہ اب اپنی لڑکی کو بکر کے یہاں نہ بھیجے، نہ بکر کو اسکی بیوی سے اپنے گھر ملنے دے۔ اگر بکر کی بیوی اسکے پاس رہے گی تو یہ زنا اور حرام ہوگا۔ زید اپنی اس لڑکی کا دوسرا نکاح عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے کرا سکتا ہے۔ بکر اور اسکے باپ دونوں پر فرض ولازم ہے کہ دونوں اپنے ان کفریات سے توبہ کریں اور تجدید ایمان اور تجدید بیعت کریں۔ اگر بکر اسطرح توبہ اور تجدید ایمان کر لے اور بکر کی یہ بیوی اور بکر دونوں باہم دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہوں تو انکا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے۔

و منها ان تصديق الكاهن بما يخبره من الغيب كفر لقوله تعالى ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل:٦٥] و لقوله عليه الصلوٰة والسلام من اتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد ثم الكاهن هوالذى يخبر عن الكوائن فى مستقبل الزمان و يدعى معرفة الاسرار فى المكان و قيل الكاهن الساحر والمنجم اذا ادعى العلم بالحوادث الآتية فهو مثل الكاهن وفى معناه الرمال. کاہن اپنے زعم میں جو غیب کی خبریں دینے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی تصدیق بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کہہ دو کہ نہیں بتا سکتا کوئی آسمان والا اور زمین والا غیب کو مگر اللہ) (معارف)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو بلا شبہ اس نے اس کتاب کا انکار کیا جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی۔ پھر کاہن وہ ہوتا ہے جو زمانہ مستقبل میں ہونے والے امور کی خبر دیتا ہے اور کہیں کوئی دفینہ وغیرہ اگر مدفون ہے تو اس مقام کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کاہن جادوگر کو کہتے ہیں۔ نجومی اگر آنے والے واقعات کے علم کا دعویٰ کرے تو وہ بھی کاہن کے مثل ہے اور رَمّال کا بھی یہی مفہوم ہے۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۲۲ میں ہے۔

و تصديق الكاهن بما يخبره عن الغيب كفر لقوله عليه الصلوٰة والسلام من اتى كانها فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل الله على محمد (صلى الله عليه وسلم) والكاهن هوالذى يخبر عن الكوائن فى مستقبل الزمان و يد عى معرفة الاسرار و مطالعة علم الغيب و كان فى العرب كهنة يدعون معرفة الامور فمنهم من كان يزعم ان له رئيا من الجن و تابعه يلقى اليه الاخبار و منهم من كان يزعم انه يستدرك الامور بفهم اعطيه والمنجم اذا ادعى العلم بالحوادث الآتية فهو مثل الكاهن. کاہن کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جو کاہن کے پاس آیا اور اس کے قول کی تصدیق کی اس نے محمد پر نازل کیے ہوئے کا انکار کیا۔ کاہن وہ ہے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور اسرار کی معرفت اور غیب کے مطالعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ عرب میں بہت سے کاہن تھے جو

امور غیب کے جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان میں کوئی یہ دعویٰ کرتا کہ قوم جن میں ان کا مؤکل اور ان کا مطیع ہے جو پوشیدہ خبریں اس کے پاس لاتا ہے۔ دوسرا یہ دعویٰ کرتا کہ اسے مخصوص فہم عطا کی گئی ہے جس سے وہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے۔ نجومی اگر آئندہ واقعات کے جان لینے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کاہن ہی کی طرح ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد ثانی ص ۳۸۳ میں ہے۔

اذا قال نجومی زنت بچه نهاده است و یعتقد ما قال کفر کذا فی الفصول العما دیة. اگر نجومی نے کہا "تیری بیوی حاملہ ہے" اور اس کی بات کی تصدیق کردی تو اس نے کفر کیا۔ ایسا ہی فصول عمادیہ میں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۳۱۷ میں ہے۔

ارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیرطلاق فی الحال قبل الدخول و بعده. میاں بیوی میں کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے بغیر طلاق علاحدگی ہو جاتی ہے۔ دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اسی کے ص ۴۷۱ میں ہے۔

اذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا او رجعیا او ثلاثا او وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق وهی حرة ممن تحیض فعد تها ثلاثة اقراء سواء کانت الحرة مسلمة او کتابیة. اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا رجعی یا مغلظہ دے دی، یا بغیر طلاق ہی جدائی واقع ہوگئی۔ یہ عورت آزاد حیض والی ہے تو اس کی عدت تین قروء (ماھواری) ہے۔ خواہ یہ آزاد عورت مسلمان ہو یا کتابیہ۔

اسی کے ص ۴۷۲ میں ہے۔

و عدة الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی. حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔

درمختار جلد ثانی ص ۴۰۲ میں ہے۔

(و ارتداد احد هما) ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عدداً (عاجل) بلا قضاء (فللموطوئة) ولو حکما (کل مهرها) لتاکده به (ولغیرها نصفه) لو سمّی. (ان دونوں میں سے کسی ایک کا مرتد ہونا) یعنی میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا فسخ نکاح ہے فوراً بغیر قضاء قاضی کے۔ اب وہ تین طلاق کا مالک ہوگا۔ اس کی تعداد میں کمی نہیں ہوگی۔ لہٰذا موطوءہ کو پورا مہر ملیگا۔ اگرچہ کہ وطی حکماً ہوئی ہو۔ کیونکہ حکماً بھی وطی ہوئی ہو تو مہر متاکد ہو جاتا ہے۔ اگر موطوءہ نہیں ہے تو مہر مقررہ کا نصف۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔

(قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی و کذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کذا فی البحر. (ان کا قول بلا قضاء) مطلب یہ ہے کہ فسخ نکاح فوراً ہو جائے گا۔ قاضی کے فیصلہ پر موقوف نہیں رہے گا۔ اسی طرح جس عورت کے ساتھ دخول کیا اس کا فسخ نکاح عدت کے گزرنے پر موقوف نہیں رہیگا۔ ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔ واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم.

كِتَابُ الطَّهَارَةُ (طہارت کا بیان)

بَابُ الْوُضُوْء (وضوء کا بیان)

مسئلہ ۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آیت ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدہ: ٦] یعنی اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو، دھولو اپنے منہ کو اور ہاتھ کو کہنیوں تک اور مل لو اپنے چہروں کو اور پاؤں کو ٹخنوں تک، پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب حکم الٰہی یہ ہے کہ اپنے سر کا مسح کرو اور پاؤں کا ٹخنہ تک...... تو کیا وجہ ہے کہ پاؤں کو دھویا جاتا ہے؟...... پیروں کا دھونا آیت مذکورہ بالا کے کون سے لفظ سے منتخب کیا ہے۔

معترض کے سامنے پاؤں کے دھونے کے بارے میں اقوال مفسرین پیش کئے گئے جس کے جواب میں معترض نے عرض کیا، میں اس طرح سے نہیں مانتا، جب تک کہ پاؤں دھونے کی جو تفسیر کی ہے، اس کی وجہ تسمیہ نہ بیان کی جائے۔ آخر مذکورہ آیت میں وہ کون سا لفظ ہے، جس کا ترجمہ پیروں کا دھونا ہے، نیز اتنا میں اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ معترض اپنے عقیدہ پر اتنا جما ہوا ہے کہ اس خیال فاسد کا عامل بھی ہے، یعنی وہ پاؤں کا مسح کرتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ پر نظر خاص عنایت فرماتے ہوئے مذکورہ اعتراض کی مفصل و مکمل تردید فرمائیں گے۔

الجواب: وضوء میں دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے اور آیت مذکور میں جو لفظ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ واقع ہے، اس کے زبر پڑھنے سے جو قرأت نافع و ابن عامر و علی و حفص و کسائی و شامی ہے، اس سے پاؤں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ تفسیر مدارک مصری جلد اوّل ص ۴۳۴ میں ہے۔

> **اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ بالنصب شامی و نافع و علی و حفص والمعنی فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق و ارجلكم الى الكعبين و امسحوا برؤوسكم على التقديم والتاخير.** (اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ) میں "ارجلکم" کے لام پر "زبر" ہے۔ یہ قرآت شامی، نافع، علی اور حفص سے منقول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ یہ معنی بطریق تقدیم معنوی اور بطریق تاخیر لفظی ہے۔

تفسیر خازن مصری جلد اول ص ۴۳۵ میں ہے۔

> **فقرأ نافع و ابن عامر و الكسائی وحفص عن عاصم وارجلكم بفتح اللام عطفا على الغسل فيكون من المؤخرالذی معناه التقديم ويكون المعنى فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق و ارجلكم الى الكعبين وامسحوا برؤوسكم وقال اصحاب هذه**

القراة انما امر الله تعالیٰ عباده بغسل الارجل دون مسحها ويدل عليه ايضا فعل النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم واصحابه والتابعين فمن بعدهم. نافع ابن عامر اور کسائی اور عاصم سے حفص کی روایت ہے (وارجلکم) وہ (الغسل) پر عطف کرکے (ارجلکم) کے لام کو زبر بتاتے ہیں۔ لہٰذا یہ لفظ "ارجلکم" لفظی ترتیب کے لحاظ سے عربی زبان کے اس مخصوص اسلوب میں سے ہوگیا جو لفظاً تو بعد میں ہے، مگر معنیً پہلے ہے۔ اب معنی یہ ہوگا "اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ۔ نیز اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ ارجلکم کے لام کو "زبر" روایت کرنے والے حضرات نے کہا" آیت کا معنی صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پاؤں کے دھونے کا حکم دیا نہ کہ مسح کرنے کا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی بتا رہا ہے۔ نیز صحابہ وتابعین وتبع تابعین بھی ہمیشہ وضوء میں پاؤں کو دھوتے رہے۔ کبھی کسی نے مسح نہیں کیا"

اسی میں ہے۔

وقال جمهور العلماء من الصحابة والتابعين فمن بعدهم والائمة الاربعة واصحابهم ان فرض الرجلين هو الغسل. جمہور علماء جن میں صحابہ بھی ہیں، تابعین بھی ہیں اور آپ کے بعد آنے والے حضرات نیز چاروں امام نیز ان کے باکمال شاگرد...... کا کہنا ہے "جہاں تک دونوں پاؤں کا معاملہ ہے تو اس کا دھونا ہی فرض ہے۔

تفسیر مدارک مصری جلد اول ص ۲۳۳ میں ہے۔

وقال فی جامع العلوم انها مجرورة للجوار وقد صح ان النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم رای قوماً يمسحون علی ارجلهم فقال ويل للاعقاب من النار وعن عطاء والله ما علمت ان احدا من اصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علية وسلم مسح علی القدمين. جامع العلوم میں ہے کہ ارجلکم کے لام پر زیر کے جوار میں ہونے کے سبب سے زیر ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ وسلم نے کچھ لوگوں کو پاؤں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا "ایڑیوں کو خشک رکھنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ انہیں آگ جلائے گی۔ عطاء سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "خدا کی قسم جہاں تک میری معلومات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے دونوں پاؤں پر مسح نہیں کیا"۔

ان عبارات کتب تفسیر سے ظاہر ہوا کہ فرمان وفعل رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وفعل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین علیہم الرحمۃ۔ اور چاروں ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول وفعل سے یہی ثابت ہے کہ پاؤں کا دھونا ہی وضو میں فرض ہے اور مسح کرنے پر وعید وحکم عذاب وارد ہے۔ لہٰذا اہل سنت وجماعت کا کوئی شخص پاؤں پر مسح ہرگز ہرگز نہ کرے۔ بلکہ وضو میں دونوں پاؤں کو دھوئے۔ جو شخص اس آیت کریمہ کی آڑ لے کر اس طرح اعتراض کرتا ہے کہ قرآن کریم میں تو پاؤں پر مسح کرنے کا حکم ہے، پھر حکم خداوند قدوس کے خلاف پاؤں کو دھویا کیوں جاتا ہے، تو اس کو یہ جواب دیا جائے کہ ہمارے ائمہ

مجتہدین اور جمہور علماء وفقہاء ومفسرین ومحدثین اور حضرات تابعین وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا وہ زیادہ قرآن مجید کے معنی کو جانتے تھے یا تو زیادہ جانتا ہے۔ ہم لوگ اپنے ان حضرات ائمہ وفقہاء علماء او مفسرین ومحدثین اور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود جناب سید المرسلین خاتم انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے صحیح معانی کا عالم جانتے ہیں۔ ان کے قول وفعل کی اتباع کریں گے۔ تو ان کے قول وفعل کے خلاف عمل کر کے بحکم "من شذَّ شُذَّ فی النار" ناری اور دوزخی کیوں بنتا ہے، معترض نہایت جاہل اور گستاخ ہے، غالباً وہ رافضی اور غالی قسم کا مذہب امامیہ کا کوئی فرد معلوم ہوتا ہے۔ کوئی سنی اس کی کسی بات پر ہرگز توجہ نہ کرے۔ تفسیر خازن مصری جلد اوّل ص ۴۳۵ میں ہے۔

ومذھب الامامیّة من الشیعة ان الواجب فی الرجلین المسح. شیعوں میں امامیہ گروہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف پاؤں کا مسح کرنا ہی واجب ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ روافض کا مذہب ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا فرض ہے اور اہل سنت وجماعت کا یہ مذہب نہیں۔ یہ مختصر جواب لکھا گیا، جو ان شاء المولیٰ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کے لیے کافی ووافی ہے، ورنہ اس مسئلہ پر اور بھی بہت سے دلائل وبراہین پیش کیے جاسکتے ہیں۔ ھذا ما عندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص وضو کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈال کے ناک صاف کرتا اور نہ کلی کرتا ہے اور نہ مسواک۔ نہ اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرتا ہے اور نہ کعبہ ہی کی طرف منہ کرتا اور کوئی کہے تمہارا وضو نہیں ہوا تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ یہ سنت ہے اور روزانہ ایسا کرتا ہے۔ خلاف سنت وضو کرنے سے اس پر شریعت کا کیا حکم ہے۔ براہ کرام جواب عطا فرمائیں؟

مسئولہ مرتضیٰ علی، موضع دیوی پورا، تحصیل بلاری، ضلع مراد آباد، ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء شنبہ

الجواب: جس نے اس شخص سے یہ کہا کہ تمہارا وضو نہیں ہوا، غلط کہا۔ اس کا فرض وضو ہو گیا اور اس شخص کا جواب میں یہ کہنا کہ "یہ سنت ہے" مبہم ہے اور غلطی پر مبنی ہے۔ جب وہ سنت کہتا ہے تو اس کو سنت پر عمل کرنا چاہئے۔ سنت کہہ کہ اور سنت جان کر اس پر عمل نہ کرنا یا سنت پر عمل کرنے کو حق نہ جاننا اور سنت پر عمل کرنے کی بار بار تاکید کے باوجود سنت پر عمل نہ کرنا اور اس کو چھوڑے رہنا موجب ملامت ومستحق حرمان شفاعت اس کو بنا دیتا ہے۔ بلکہ سنت کو حق نہ جاننا مومن کو کافر بنا دیتا ہے۔ شخص مذکور پر لازم ہے کہ سنت پر عمل کرے اور کفر کے خاتمہ سے بچنے کی کوشش کرے۔ واللّٰہ تبارک وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۴: (۱): زید نے غسل خانہ میں ننگے ہو کر غسل کیا اور غسل کی چھت بھی نہیں ہے۔ بلکہ اونچائی میں غسل کرنے والے کا سر دکھائی دیتا ہے۔ اب غسل کے وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں یا دوسرا وضو بنائے تب نماز ادا کرے؟

(۲): بکر کہتا ہے کہ عمر نے وضو کیا اور چھوٹا استنجا کرنا بھول گیا۔ یعنی پیشاب سے فارغ ہو کر ڈھیلا سے استنجاء کیا اور پانی سے کرنا بھول گیا اور نماز میں شامل ہو گیا، اس کے بعد اس کو یاد آیا کہ میں نے چھوٹا استنجا نہیں کیا تو پانی سے استنجا کر کے پھر

نماز ادا کی اور وضو وہی رہنے دیا تو وہ وضو رہا یا نہیں۔ پہلی نماز ہو گئی یا نہیں۔ اعادہ کرنا درست تھا یا نہیں؟

(۳): مسجد میں سقایہ میں صاف ستھرا وضو کے واسطے پانی بھرا ہوا ہے۔ اس کو پی سکتے ہیں یا نہیں کچھ شخص منع کرتے ہیں کہ پینا نہیں چاہئے۔

مسئولہ حبیب الرحمٰن نعیمی اشرفی، قاضی پورہ، اغوانپور، مراد آباد، ۳ر نومبر ۱۹۵۸ء

الجواب: (۱): حتی الامکان ایسے غسل خانہ میں ننگا ہو کر ہرگز ہرگز غسل نہ کرے لیکن ایسی صورت میں بھی غسل کے وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ دوسرا نیا وضو کرنا لازم و ضروری نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲): اگر ڈھیلا سے استنجا کرنے کی صورت میں طہارت کاملہ حاصل ہو چکی ہے تو پھر دوبارہ پانی سے استنجا کرنا ضروری نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں جو نماز پانی سے بغیر استنجا کیے ادا کی گئی وہ صحیح و درست ہے۔ نیز پانی سے دوبارہ استنجا کر کے نماز لوٹانے کی کوئی حاجت و ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص پانی سے استنجا کرے تو اس کا وضو ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ یہ وضو باقی رہے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۳): مسجد کے سقایہ میں اگر پانی وقف کی ایسی آمدنی سے بھرا گیا ہو کہ واقف نے اس پانی کو صرف وضو اور غسل کے لیے مخصوص کر دیا ہو تو ایسے سقایہ سے پانی نہ پیے ورنہ سقایہ کا پانی پی سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱): کیا نماز کے علاوہ قہقہہ مار کر ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

(۲): نماز کے اندر ایک شخص قہقہہ مار کر ہنسا تو دوسرے سننے والوں کا وضو رہا یا نہیں۔

مسئولہ ملا حبیب احمد صاحب دوکاندار، موضع چوہانگا، ضلع مراد آباد، ۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ پنجشنبہ

الجواب: (۱): خارج نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): قہقہہ کی آواز سننے والوں کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو رکوع میں جاتے وقت یا اس سے پہلے یا اور کسی جھٹکے میں پیشاب کے قطرے آجاتے ہیں تو ایسے شخص کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ حافظ محمد حسین صاحب اشرفی، مقام نوگاواں، ضلع مراد آباد، ۴ر شعبان ۱۳۸۵ھ، دوشنبہ

الجواب: شخص مذکور کا یہ عارضہ دوامی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ اس لئے جس نماز میں پیشاب کے قطرے نکل جائیں، اس نماز کو دوبارہ وضو کر کے کپڑے اور بدن کو پاک کرنے کے بعد پڑھیں۔ یہ نماز دوبارہ جو پڑھی گئی یا پڑھی جائے گی۔ صحیح و درست ہوگی اور جس نماز میں پیشاب کے قطرے نکل پڑیں وہ نماز درست نہیں ہوگی۔ وهو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۷: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت کوئی قطرہ پیشاب کی راہ سے آنے کا شبہ ہو گیا۔ اس صورت میں تنہا آدمی یا جماعت میں کھڑا ہوا آدمی کیا کرے؟ ڈھیلے سے استنجا کیا تھا۔ پانی سے پاک کرنے کو بھول گیا اور نماز میں مشغول

ہو گیا؟

مسئولہ حسن، قاضی پورہ، مراد آباد، ۲ر نومبر ۱۹۶۰ء

الجواب: محض شبہ سے نماز کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ لہٰذا جس منفرد یا مقتدی کو نماز میں پیشاب کے قطرے نکلنے کا شبہ ہو وہ نماز اسی حال میں پوری کرے۔ بعد فراغت شبہ کی بنا پر کپڑے اور بدن کو احتیاطاً دیکھے اگر قطرہ کا اثر پائے تو دوبارہ نماز طہارت حاصل کرنے کے بعد پڑھے، ورنہ اعادۂ نماز کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنا ضروری نہیں، لہٰذا نماز میں یاد آنے پر اسی نماز کو پورا کرے۔ نماز کی نیت توڑ کر یا نماز پڑھ کر دوبارہ پانی سے استنجا کر کے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٨: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وضو کیا بے ٹونٹی کے بدھنے سے جب کہ اور بدھنے مسجد میں موجود تھے اور زید نے وضو کیا۔ لیکن سر سے عمامہ نہ اتارا جب کہ پھر وہی عمامہ مسجد میں دوبارہ اتار کر باندھا، اور جس جگہ وضو کیا تھا، وہاں کی مٹی دیگچی کی تلی پر لگائی۔ سوالی نے سوال کیا کہ آپ ٹونٹی کے برتن ہوتے ہوئے بے ٹونٹی کے برتن سے وضو کیا اور پورے سر کا مسح کیوں نہ کیا اور دیگچی کو ناپاک مٹی سے کیوں تلہ دیا۔ افضل وضو دیگچی یا لوٹے سے ہے۔ اب زید اور سوالی دونوں میں باہم حجت ہوئی جس کے جواب میں زید نے کہا کہ تو بے حیا اور بے شرم ہے۔ سائل نے جواب دیا کہ آپ نے ہم کو اپنے گھر کتنی دفعہ پکڑا ہے۔ سائل نے زید پر بدھنا اٹھایا اور زید و سائل مارنے اور مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حاضرین مسجد نے دونوں کو پکڑ لیا، یہ واقعہ وضو والے روز کا ہے۔

(۲): مکھیا عبدالحسن صاحب نے معلوم کیا کہ تمہارا آپس میں کیا جھگڑا ہے۔ سوالی نے کہا "اس فساد کو نہ پوچھو"، انھوں نے کہا۔ آپ سے دریافت کریں گے۔ انھوں نے از اول تا آخر قصہ فریقین کہہ سنایا۔ آخر میں زید نے جواب دیا کہ میں تو نجاست کھاتا ہوں۔ اس جواب کو سن کر سوالی چلا گیا اور زید صاحب صبح اٹھ کر علمائے دین کے پاس پہنچے علمائے دین نے تحریر کر دیا کہ بے ٹونٹیوں کے برتن سے بھی وضو کر سکتے ہیں اور اگر برتن ٹونٹی والا موجود ہو تو افضل کون برتن ہے۔

(۳): جس طرح وضو کے معاملہ میں سوالی نے سوال کیا اسی طرح کپڑے موجود ہوں اور ننگا نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ صوفی شمشیر علی، موضع تمڑیاں کلاں، ڈاکخانہ ڈلاری، ضلع مراد آباد، ۱۰ر اپریل ۱۹۶۹ء

الجواب: (۱) و (۲): زید اور سوالی دونوں نے آپس میں حجت و بحث کر کے اپنی اپنی نادانی اور بے وقوفی اور بد خلقی کا مظاہرہ کیا، ٹونٹی دار برتن سے وضو کرنا فرض و واجب نہیں، سنت و مستحب نہیں، جائز ہے اور بے ٹونٹی کے کسی برتن سے خواہ دیگچی ہو یا اور کوئی لوٹا اس سے وضو کرنا حرام و مکروہ تحریمی نہیں۔ خلاف اولیٰ بھی نہیں۔ اگر ایک شخص عمر بھر ٹونٹی دار برتن کے ہوتے ہوئے بغیر ٹونٹی کے برتن سے وضو کرتا رہے تو اس بات پر خداوند قدوس کے یہاں بروز قیامت اس سے کوئی مواخذہ اور سوال نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے خلاف حکم شرع کا ارتکاب نہیں کیا۔ لہٰذا اس بات پر دونوں کا باہم جھگڑنا کسی طرح صحیح نہیں۔ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور پورے سر کا مسح کرنا ہمارے حنفی مذہب میں سنت ہے، زید کا عمامہ اُتارے بغیر سر کے تھوڑے حصہ کا مسح کر لینا اس سے فرض تو ادا ہو گیا لیکن سنت متروک ہو گئی۔ ترک سنت کا زید مجرم ہے، زمین کی وہ جگہ جہاں

تھوک، کھنکھار رینٹ وغیرہ پھینکی جاتی ہے وہ جگہ نجس نہیں ہوتی بلکہ گندی اور گھناؤنی ہوگئی چونکہ تھوک، کھنکھار، رینٹ وغیرہ نجس نہیں ہے، بلکہ گھنونی اور گندی چیز ہے، زید کا دیگچی کی تلی پر اس جگہ کی مٹی کا لیپ لگانا اس کی طبیعت کی گندگی پر دلیل ہے لیکن اس سے دیگچی نجس نہیں ہوئی اور دیگچی کے اندر کا پانی بھی نجس نہیں ہوا۔ اس پانی سے وضو صحیح اور جائز ہے۔ زید کا یہ کہنا کہ میں نجاست کھاتا ہوں سراسر غیر مناسب ہے۔ ٹونٹی دار برتن سے وضو کرنے میں سہولت ہوتی ہے اور پانی کم خرچ ہوتا ہے، بجز اس کے فضیلت کی کوئی بات نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳): ستر کو نماز میں چھپانا فرض ہے۔ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے نماز پڑھنے میں فرض کا ترک لازم آتا ہے اور ٹونٹی دار برتن سے وضو کرنا فرض نہیں۔ اگر ٹونٹی دار لوٹا ہوتے ہوئے بغیر ٹونٹی کے برتن سے کوئی وضو کرے تو کسی فرض کا ترک لازم نہیں آتا۔ لہٰذا فرض پر غیر فرض کا قیاس کرنا محض غلط و باطل ہے۔ خلاصہ یہ کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے نماز پڑھنے میں ترک فرض کے سبب سے نماز نہیں ہوگی اور ٹونٹی دار لوٹے کے ہوتے ہوئے بغیر ٹونٹی دار برتن سے وضو کر لینا صحیح و جائز ہے چونکہ فرض کا ترک لازم نہیں آتا۔ واللہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۹: فقہا نے لکھا ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد کسی نے احلیل میں تری پائی، احتلام یاد نہیں ہے۔ بوقت نوم انتشار بھی نہ تھا تو غسل کرے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کسی کو سیلان مذی و منی کا مرض ہے اور اکثر سو کر اٹھنے کے بعد یہ صورت پیش آتی ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ رقت کی وجہ سے منی و مذی میں امتیاز دشوار ہے؟

مسئولہ مولانا سید نجم الحسن صاحب رضوی، مقام خیر آباد، ضلع سیتاپور، یوپی، ۲۰ رصفر ۱۳۸۴ھ

الجواب: مسئلہ مسئولہ کی بارہ صورتیں ہیں۔ اصل عربی عبارت ذیل میں درج کر دیتا ہوں۔ اس سے آپ اپنے سوال کا جواب نکال لیں گے۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ اور اسی ضمن میں فتاویٰ عالمگیری کا ایک جزئیہ بھی لکھ رہا ہوں۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے متعدد پہلو ہیں۔ ہر احتمال کا جواب عبارت مندرجہ سے مل جائے گا۔ آپ اسے سوال کے ساتھ فٹ کر لیں۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۵۹ میں ہے۔

حاصل مسئلة النوم اثنا عشر وجها كما في البحر لانه اماان يتيمن انه مني اومذى او ودى اويشك في الاول مع الثاني اوفي الاول مع الثالث او في الثاني مع الثالث فهٰذه ستة وفي كل منها اما ان يتذكر احتلاما اولا فتمت الاثنا عشر فيجب الغسل اتفاقاً فيما اذا تيقن انه مني وتذكر احتلا مااولا وكذا فيما اذا تيقن انه مذى وتذكر الاحتلام اوشك انه مني اومذى اوشك انه مني اوودى اوشك انه مذى اوودى تذكر الاحتلام في الكل، ولايجب الغسل اتفاقاً فيما اذا تيقن انه ودى مطلقاً تذكر الاحتلام اولا اوشك انه مذى اوودى ولم يتذكر او تيمن انه مذى ولم يتذكر ويجب الغسل عندهما لاعند ابي يوسف فيما اذا شك انه مني اومذى اوشك انه مني اوودى ولم تذكر احتلاماً فيهما والمر ادباليقين هناغلبة الظن لان حقيقة اليقن متعذرة مع النوم.

بحرالرائق کے مطابق مسئلہ نوم یعنی سونے کی حالت کی بارہ صورتیں ہیں۔ جاگنے پر جو اس نے تری دیکھی، (۱) اسے یقین ہے کہ یہ منی ہے اور احتلام یاد ہے (۲) اسے یقین ہے کہ یہ مذی ہے اور احتلام یاد ہے (۳) اسے یقین ہے کہ یہ ودی ہے اور احتلام یاد ہے (۴) اسے شک ہے کہ منی ہے یا مذی احتلام یاد ہے (۵) اسے شک ہے کہ منی ہے یا ودی مگر احتلام یاد ہے (۶) اسے شک ہے کہ مذی ہے یا ودی احتلام یاد ہے (۷) اسے یقین ہے کہ یہ منی ہے احتلام یاد نہیں ہے (۸) اسے یقین ہے کہ یہ مذی ہے، مگر احتلام یاد نہیں ہے (۹) اسے یقین ہے کہ یہ ودی ہے مگر احتلام یاد نہیں ہے (۱۰) اسے شک ہے کہ منی ہے یا مذی۔ احتلام یاد نہیں ہے (۱۱) اسے شک ہے کہ منی ہے یا ودی مگر احتلام یاد نہیں ہے۔ (۱۲) اسے شک ہے کہ مذی ہے یا ودی مگر احتلام یاد نہیں ہے۔

درج ذیل صورت میں غسل فرض ہو جائے گا۔ اس میں کسی عالم دین کا اختلاف نہیں۔

(۱) اسے یقین ہے کہ جو کچھ کپڑے پر یا پیشاب کے راستے میں نظر آ رہا ہے، وہ ''منی'' ہی ہے۔ احتلام یاد ہو یا نہ ہو۔ (۲) اسے یقین ہے کہ یہ ''مذی'' ہی ہے اور احتلام بھی یاد ہے۔ (۳) شک ہے کہ ''منی'' یا ''مذی'' مگر احتلام یاد ہے (۴) شک ہے کہ ''منی'' ہے یا ''ودی''...... مگر احتلام یاد ہے (۵) شک ہے کہ مذی ہے یا ودی۔ مگر احتلام یاد ہے۔

درج ذیل صورت میں غسل فرض نہیں ہوگا۔ اس میں کسی عالم دین کا اختلاف نہیں۔

(۱) اسے یقین ہے کہ یہ ''ودی'' ہے احتلام یاد ہو یا نہ ہو (۲) شک ہے کہ مذی ہے یا ودی مگر احتلام یاد نہیں ہے۔ (۳) یقین ہے کہ ''مذی'' ہی ہے۔ مگر احتلام یاد نہیں ہے۔

دو صورت ایسی ہے جس میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) اگر شک ہے کہ منی ہے یا مذی اور احتلام یاد نہیں (۲) شک ہے کہ منی ہے یا ودی۔ مگر احتلام یاد نہیں...... ان دونوں صورتوں میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک غسل فرض ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ہوگا۔

یقین سے مراد اس مقام پر غلبۂ ظن (گمان کا غالب ہونا ہے) کیونکہ نیند کی حالت میں یقین کی حقیقت کو متعین کر دینا محال بات ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۱۴ میں ہے۔

وقال القاضی الامام ابو علی النسفی ذکر هشام فی نوادره عن محمد اذا استیقظ الرجل فوجد البلل فی احلیله ولم یتذکر حلما ان کان ذکره منتشرا قبل النوم فلا غسل علیه الا ان یتیقن انه منی وان کان ذکره ساکناً قبل النوم فعلیه الغسل قال شمس الائمة الحلوانی هذه المسئلة یکثر وقوعها والناس عنها غافلون فیجب ان تحفظ کذا فی

المحیط. قاضی امام ابوعلی نسفی نے کہا۔ ''ہشام نے اپنی نوادر میں امام محمد کی یہ روایت نقل کی۔ ''جب آدمی نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے عضو تناسل کے سوراخ میں تری محسوس کی، مگر احتلام یاد نہیں۔ اس صورت میں پہلے دیکھا جائے گا کہ اس کا عضو تناسل نیند سے پہلے منتشر تھا یا نہیں۔ اگر نیند سے پہلے منتشر تھا تو اس پر غسل واجب نہیں۔ ہاں اگر اسے یقین ہے کہ وہ تری منی ہی ہے پھر تو ہر حال میں غسل فرض ہو جائے گا۔ احتلام یاد ہو یا نہ ہو ذکر منتشر ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اس کا ذکر نیند سے پہلے ساکن تھا تو اس پر غسل فرض ہو جائے گا۔ شمس الائمہ حلوانی نے کہا'' یہ مسئلہ کثرت سے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے مگر عام لوگ اس سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسے بہر صورت ذہن میں محفوظ کر لیا جائے۔ المحیط کے اندر یہی بات کہی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئله ۵۰: (۱): غسل کرتے وقت یا پاخانہ و پیشاب کرتے وقت باتیں کرنا یا گانا کیسا ہے؟

(۲): غسل خانہ میں پاخانہ و پیشاب کرنا کیا درست ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق صاحب، محلہ جامع مسجد، ضلع مرادآباد، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: (۱): اوقات مذکورہ میں باتیں کرنا اور گانا گانا ممنوع و مکروہ ہے۔ غنیۃ المستملی ص ۵۰ میں ہے۔

ویستحب ان لا یتکلم بکلام قط من کلام الناس وغیرہ وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایخرج الرجلان یقربان الغائط کا شفین عن عورتھما یتحدثان فاللّٰہ یمقت علیٰ ذالک رواہ ابو داؤد. بہتر یہی ہے کہ ہرگز گپ شب نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' دو آدمی پاخانہ کیلئے اس طرح نہ نکلے کہ ستر کھلا ہوا باتیں کئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): غسل خانہ میں پیشاب اور پاخانہ کرنا دونوں مکروہ ہے، **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایبولن احدکم فی مستحمہ فان عامۃ الوسواس منہ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم میں ہرگز کوئی اپنے غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔ کیونکہ زیادہ تر وسوسے وہیں سے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئله ۵۱: جمعہ کے روز غسل کرنا سنت ہے۔ اگر غسل کرے تو جو فرض غسل کے اندر ہیں وہ ادا کرے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم صاحب نعیمی اشرفی، رتن پور، ضلع مرادآباد، ۷ر جولائی ۱۹۸۸ء

الجواب: جمعہ کے دن غسل کرنا مسنون ہے، غسل کے فرض ادا کرہی لے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

مسئله ۵۲: جو شخص میت کو غسل دے تو اس پر غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں، اگر وہ غسل نہ کرے تو کیا حکم ہے جبکہ وہ غسل دینے والا نمازی ہے؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم صاحب نعیمی اشرفی، رتن پور، ضلع مرادآباد، ۷ر جولائی ۱۹۷۱ء

الجواب: میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا واجب نہیں ہے جو اسے ضروری قرار دیتا ہے، غلطی پر ہے، خواہ نمازی ہو

یا غیر نمازی سب کا حکم یکساں ہے۔ وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۳: زید کی بیوی کا چھوٹا بچہ ہے ابھی تک دودھ کی مدت پوری نہیں ہوئی ہے، اور زید رات کو یا صبح کو غسل کر کے نماز فجر ادا کرتے ہیں اور بچہ کی وجہ سے ان کی بیوی نماز فجر ادا نہیں کرتی ہے۔ غسل کر کے نماز پڑھتی ہے تو بچہ کی طبعیت خراب ہو جاتی ہے۔ زید کی بیوی چاہتی ہے کہ نماز قضاء نہ ہو تو کیا اس صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کر سکتی ہے؟ از روئے شرع حکم صادر ہو کہ تیمم کر کے نماز پڑھے یا نہیں؟

مسئولہ حاجی ثناء اللہ صاحب، پورنیہ، بہار، ۸ر رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ شنبہ

الجواب: زید کی بیوی اگر احترام وقت صبح کی بنا پر تیمم سے نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں لیکن دن چڑھنے، دھوپ نکلنے کے بعد گرم پانی سے غسل کر کے پھر نماز فجر کی قضا ضرور پڑھے تا کہ بچہ کی صحت پر بھی اثر نہ پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب المسح (مسح کا بیان)

مسئلہ ۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ناک کا آپریشن کرایا۔ جس کی وجہ سے نزلہ کے اثرات اور دوسرے امراض کے باعث بھی چہرے پر پانی کے پڑنے سے اور ہاتھوں کے ملنے رگڑنے سے رگوں میں اور ہڈیوں میں شدید قسم کی تکلیف اور کھنچاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور ایک وضو کی تکلیف کئی دنوں تک رہتی ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں مسح کافی ہوگا یا نہیں؟

مسئولہ محمد قاسم، ۲۶ر ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ

الجواب: اگر صرف پانی کے پڑنے سے چہرہ پر تکلیف ہوتی ہے اور مرض میں اضافہ ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں چہرے کے دھونے کا حکم وضو میں ساقط ہو جاتا ہے اور مسح کر لینا کافی ہوتا ہے۔ یہ حکم فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۵ کے اس جزیہ سے مستنبط ہوتا ہے۔

> وذکر شمس الائمة الحلوانی اذا کان فی اعضائه شقاق وقد عجز عن غسله سقط عنه فرض الغسل ویلزم امر ارالماء علیه فان عجز عن امرار الماء علیه یکفیه المسح فان عجز عن المسح سقط عنه المسح ایضا فیغسل ماحوله ویترک ذالک الموضع کذافی الذخیرة. شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا "اگر اس کے اعضاء میں پھٹن ہو کہ اس کے دھونے سے عاجز ہے تو اس پر سے دھونے کا فرض ساقط ہو گیا۔ البتہ اس پر پانی کا بہا دینا ضروری ہے۔ اگر وہ پانی کے بہا دینے سے بھی عاجز ہے تو اس کے لیے مسح کر لینا کافی ہے۔ اگر وہ مسح سے بھی عاجز ہے تو مسح بھی اس کے اوپر سے ساقط ہوا۔ ارد گرد کو دھوئے گا اور اس جگہ کو چھوڑ دے گا"۔ ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔

اور اگر پانی کے پڑنے اور گزارنے یا بہانے سے چہرہ پر تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ چہرہ کو ہاتھوں کے ملنے سے تکلیف ہوتی ہے اور مرض میں اضافہ ہوتا ہے تو صرف چہرہ پر پانی بہا دینا کافی ہے۔ چہرہ کو ملنے کی ضرورت نہیں، چونکہ فرض غسل پانی

کے بہانے سے پورا ہوجاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری ج اوّل ص ۴ میں ہے۔

فان الغسل هو الاسالة والمسح هو الاصابة كذا في الهداية، في شرح الطحاوی ان تسييل الماء شرط في الوضوء في ظاهر الرواية. والله تعالیٰ اعلم۔ کیونکہ دھونا اسالہ (یعنی پانی بہانے کا نام) ہے اور مسح ہدایہ کے مطابق اصابہ (یعنی ہاتھ پھیرنے کا نام ہے)۔ شرح طحاوی میں ہے "پانی کا بہانا وضو میں شرط ہے۔ **والله تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید عارضہ بول میں مبتلا ہے۔ بول سے فراغت پانے کے بعد ڈھیلے سے پہلے خشک کرتا ہے اور پھر پانی سے پاک کرتا ہے، لیکن خشک کرنے میں اتنا وقت لگ جاتا ہے کہ اکثر زید کی نماز فجر قضا ہوجاتی ہے۔ جب کہ وہ ٹھیک وقت سے نماز فجر کے لیے اٹھتا ہے۔ جلدی کرنے میں تقریباً آدھ گھنٹہ لگ جاتا ہے اور جلدی کرنے میں عضو مخصوص پر از حد زد پہنچتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں جس سے جلدی فارغ ہوجائے اور عضو مخصوص زد سے بچ جائے، کیا زید استنجا تھوڑی دیر کر کے ڈھیلا پھینک کر کے پانی سے دھو کر نماز ادا کرسکتا ہے، بغیر اس پر دھیان دیئے کہ عضو مخصوص پوری طرح پاک ہوگیا ہے یا نہیں؟

مسئولہ نور احمد معرفت محمد عمر نیازیہ، بازار صرافہ، جلال آباد، شاہجہاں پور، ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

الجواب: پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد ڈھیلے سے خشک کرنا فرض ولازم نہیں۔ بلکہ ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا پاک کرنا افضل واولیٰ ہے۔ صرف ڈھیلے سے بھی استنجا پاک کرنا صحیح ودرست ہے اور صرف پانی سے بھی جائز وروا۔ جو افضل واولیٰ پر عمل کرنا چاہے، وہ ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا پاک کرے، اور زیادہ وہم نہ کرے۔ زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ڈھیلے سے استنجا پاک کرنے میں صرف کرے، پھر خشک ہو یا نہ ہو پانی سے استنجا پاک کرے اور نماز پڑھے اور استنجا کے وہم میں پڑ کر نماز کو قضا نہ ہونے دے۔ **وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ استنجا کرنا پانی سے جائز ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے کہ یہ مسئلہ عورتوں کا ہے مرد کو بغیر ڈھیلہ استنجا جائز نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ پیر محمد طالب علم جامعہ نعیمیہ، دیوان بازار، مراد آباد، یکم رجب ۱۳۸۵ھ

الجواب: صرف ڈھیلے سے استنجا کرنا جائز ہے اور ڈھیلے سے استنجا نہ کر کے صرف پانی سے استنجا کرے یہ بھی جائز ہے۔ بلکہ اس پہلے سے اولیٰ اور بہتر ہے اور ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرے یہ بھی جائز اور پہلی دونوں صورتوں سے افضل واولیٰ ہے، جو بھی اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط ہے اور بغیر علم کے مفتی بنکر فتویٰ دینے کی کوشش کر کے گناہ کرتا ہے، ایسے شخص کے لیے میرے سرکار محبوب رب العلمین فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے گا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ **والله وتعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: نمازی چھوٹا استنجا بھولا اور وضو کرلیا، بعد کو سنت بھی ادا کرلی، بعد میں یاد آیا تو وہ سنت ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ شیخ عبدالمجید، رتن پور کلاں، ڈاکخانہ خاص، مراد آباد، ۲۴ر فروری ۱۹۶۹ء

الجواب: ڈھیلے کے بعد دوبارہ پانی سے استنجا کرنا مسنون و مستحب ہے، لازم نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں سنت ہوگئی بعد کو پانی سے استنجا کرنے میں اگر قطرہ نہ آیا تو اس کا سابق وضو قائم ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۸ میں ہے۔

(والافضل الجمع بين) استعمال (الماء والحجر) مرتبا (فيمسح ثم يغسل) فكان الجمع سنة على الاطلاق فى كل زمان وهو الصحيح و عليه الفتوىٰ (و يجوز ان يقتصر على الماء) فقط (او الحجر). افضل یہ ہے کہ پانی اور مٹی دونوں کو جمع کرے۔ اس ترتیب سے کہ پہلے مٹی سے استنجا کرے اس کے بعد پانی سے دھوئے۔ پانی اور مٹی کا جمع کرنا۔ ہر موسم میں علی الاطلاق سنت ہے۔ یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ پانی اور مٹی میں سے کسی ایک ہی پر اکتفا کرے۔

مسئلہ ۵۸: جناب مفتیان شرع متین اس مسئلہ کا کیا جواب ہے کہ قبر کی مٹی سے استنجا کرنا کیسا ہے، جائز ہے یا نا جائز؟

مسئولہ اختر حسین صاحب، موضع گوٹ، ضلع مراد آباد، ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۴ء

الجواب: جو قبر کھودی جارہی ہو اس کی مٹی سے استنجا کر لینا جائز ہے۔ استنجا کرنے کو نا جائز بتانے کی کوئی وجہ معقول سمجھ میں نہیں آتی۔ چونکہ ہمارے علاقہ میں مٹی کے ایک ڈھیلے کی کوئی خاص قیمت نہیں ہے اور نہ ایک ڈھیلا یا دو تین ڈھیلے لینے سے کوئی شخص روکتا ہے نہ منع کرتا ہے۔ بالعموم استنجے کے لیے ڈھیلے لینے سے خواہ کھیت سے ہو یا خریدی ہوئی مٹی ہو یا کسی طرح جمع کی ہوئی مٹی ہو کوئی منع نہیں کرتا ہے۔ یہ عرفی اجازت ہے اور کافی جانی جاتی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جو قبر کھدوا رہا ہو اسی سے اجازت لے کر استنجے کے لیے ڈھیلے لے۔ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم.

فصل المعذور (معذور کا بیان)

مسئلہ ۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ اس بارے میں کہ اگر کسی شخص کو ریاح وغیرہ کی شکایت تمام دن نہ رہتی ہو بلکہ عصر سے عشاء تک رہتی ہو تو وہ صاحب عذر ہے یا نہیں؟ اور وہ یہ نمازیں کس طرح پڑھے؟ کیا ایسا شخص تیمم سے یہ نمازیں پڑھ سکتا ہے؟

مسئولہ مولوی سید ضیاء الحسن صاحب، ۵ر ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

الجواب: اگر شخص مذکور کو خروج ریاح کی شکایت اس کثرت سے رہتی ہے کہ عصر کے پورے وقت میں بار بار ریاح خارج ہوتی رہتی ہے۔ اتنی مہلت بھی نہیں ملتی کہ اس وقت میں وضو کر کے بغیر خروج ریاح کے نماز ادا کر سکے۔ پھر وقت عصر کے بعد وقت مغرب میں بھی کیفیت مندرجہ بالا کی طرح خروج ریاح ہوتا رہتا ہے تو یہ شخص معذور ہے۔ چونکہ اثبات عذر کے لیے دوسری نماز کے کامل وقت کا عذر کے ساتھ گزر جانا ہی شرعاً معتبر ہے۔ جب شخص مذکور کی یہ عادت مستمرہ ہوگئی ہے کہ روزانہ وہ عصر سے عشاء تک معذور رہتا ہے اور باقی اوقات نماز میں صحیح ہو جاتا ہے تو یہ شخص روزانہ اس طرح نماز ادا کرے کہ عصر کے آخر وقت تک انتظار کرے کہ شاید خروج ریاح منقطع ہو جائے۔ فبہا ورنہ آخر وقت عصر میں وضو کر کے نماز

پڑھ لے اور مغرب کی نماز بھی نیا وضو کر کے پڑھ لے۔ اگر عشاء میں بھی عذر رہے تو عشاء میں بھی تازہ وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ خلاصہ یہ کہ یہ شخص اپنی عادت مستمرہ کی بنا پر عصر سے عشاء تک معذور ہے اور باقی اوقات میں صحیح اوقات عذر میں مندرجہ بالا طریقہ پر نماز ادا کرے گا۔ اگر شخص مذکور کے لیے جواز تیمم کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں تو تیمم سے نمازیں نہ پڑھے۔ بلکہ وضو سے نمازیں ادا کرے ورنہ تیمم سے شخص مذکور نمازیں ادا کر سکتا ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۸۸ میں ہے۔

(ولا یصیر) من ابتلی بنا قض (معذوراً حتی یستوعبه العذر وقتا کاملا لیس فیه انقطاع) لعذره (بقدر الوضوء والصلوة) اذلووجد لا یکون معذوراً (وهذا) الاستیعاب الحقیقی بوجود العذر فی جمیع الوقت والاستیعاب الحکمی بالانقطاع القلیل الذی لایسع الطهارة والصلوة (شرط ثبوته) ای العذر(وشرط دوامه) ای العذر(وجوده)ای العذر (فی کل وقت بعد ذالک) الاستیعاب الحقیقی اوالحکمی (ولو) کان وجوده (مرة) واحدة لیعلم بها بقاءه (وشرط انقطاعه) و خروج صاحبه عن کونه معذوراً (خلووقت کامل عنه) بانقطاعه حقیقة فهذه الثلث شروط الثبوت والدوام والانقطاع. وضو توڑنے والی کسی چیز میں مبتلا شخص اس وقت تک معذور نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کا یہ عذر نماز کے کسی وقت کامل کا احاطہ نہ کر لے۔ بایں طور کہ اس کے عذر کا سلسلہ ایک وضو اور نماز کی مدت تک لئے بھی نہیں منقطع ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ بات پائی جائے تو وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ اور یہ استیعاب حقیقی یعنی پورے وقت میں عذر کا موجود رہنا اور استیعاب حکمی یعنی عذر کا اتنے قلیل مدت کیلئے انقطاع ہونا کہ وضو اور نماز کی بھی گنجائش نہ رہے۔ عذر کے ثبوت کیلئے شرط ہے۔

اور عذر کے دوام کی شرط عذر کا اس استیعاب حقیقی یا حکمی کے بعد ہر وقت میں موجود رہنا ہے۔ اگر چہ کہ ایک ہی مرتبہ ہوتا کہ اس ایک مرتبہ سے عذر کا باقی رہنا معلوم ہو۔

اور عذر کے انقطاع اور صاحب عذر کے معذور ہونے سے نکلنے کی شرط عذر کا حقیقی طور پر انقطاع ہوتا ہے اور کامل وقت نماز کا عذر سے خالی ہوتا ہے۔

الحاصل یہ تین باتیں ثبوت عذر، دوام عذر اور انقطاع عذر کیلئے شرط ہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۹ میں ہے۔

فی الظهیریة رجل رعف اوسال جرحه ینتظر آخر الوقت فاذا انقطع الدم فبها و ان لم ینقطع توضا وصلی قبل خروج الوقت فاذا فعل ثم دخل وقت صلوة اخری ثانیة وانقطع ودام الانقطاع الی وقت صلوة اخری ثالثة اعاد الصلوة یعنی الاولی التی صلاها مع السیلان لانه بدوام الانقطاع تبین انه صحیح صلی صلوة المعذورین وان لم ینقطع فی وقت الصلوة الثانیه حتی خرج الوقت حازت الصلوة لانه تبین انه معذور کما فی البحر

والحاصل ان الوقت الثانی هو المعتبر فی اثبات العذر وعدمه"۔ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے "نکسیر کے مرض میں مبتلا شخص یا جس کے زخم سے خون رستا رہتا ہے، وہ اخیر وقت تک انتظار کرے۔ اگر خون رسنا بند ہو گیا تو وہ معذور نہیں اور اگر نہیں بند ہوا تو وقت نکلنے سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ ایسا کرنے کے بعد دوسری نماز کا وقت آیا۔ خون بند ہوا اور انقطاع تیسری نماز کا وقت آنے تک برقرار رہا تو پہلی نماز جو حالت سیلان میں پڑھی تھی اس کا اعادہ کرلے۔ کیونکہ ایک نماز کے پورے وقت تک انقطاع سے واضح ہو گیا کہ وہ معذور نہیں ہے اور معذوروں کی نماز پڑھ لی۔ اگر دوسری نماز کے وقت کے اندر خون رسنا بند نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وقت نکل گیا تو نماز جائز ہے۔ کیونکہ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ معذور ہے۔ جیسا کہ البحر میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوسری نماز کا وقت ہی عذر کے ثبوت وعدم ثبوت میں معتبر ہے۔ **واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٦٠: محترمی مفتی صاحب دام اقبالہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدمت اقدس میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ سائل قبل ازیں ایک مسئلہ پر جناب والا سے فتویٰ حاصل کر چکا ہے جو اس عریضہ کے ساتھ منسلک ہے۔ بدقسمتی سے نوعیت مسئلہ سائل کی سمجھ میں نہیں آسکی، لہٰذا اس سلسلہ میں مزید وضاحت کے لئے جناب والا کو دوبارہ زحمت دینے کی گستاخی کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ معاف فرمائیں گے؟ براہ مہربانی مندرجہ ذیل سوالات کے جواب قلمبند فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔ پروردگار آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

(۱): کیا وہ شخص جس کو استنجا کے بعد اور اس کے علاوہ کسی بھی وقت پیشاب کا قطرہ خارج ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ دھات آنے کا عارضہ بھی ہو اور اس کے دھبے بھی پائجامہ پر لگ جاتے ہوں تو ایسی صورت میں جیسا کہ جناب نے فتویٰ صادر فرمایا کہ لنگوٹ باندھ رکھنا چاہئے۔ آپ کا ارشاد بجا۔ لیکن ایسی صورت میں نمازیں قضا ہوں گی، کیونکہ مریض ہر وقت گھر پر موجود نہیں رہے گا اور یہ عمل گھر پر ہی کیا جاسکتا ہے کہ لنگوٹ کھول کر پاک پائجامہ پہنا جائے اور اس طرح صرف فجر کے وقت ہی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ کیا فجر کے وقت گذشتہ چار وقت کی نمازیں قضا ادا کی جاسکتی ہیں۔ شریعت میں اجازت ہے یا نہیں؟ اگر ایسا درست ہو تو لنگوٹ باندھنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ کیونکہ نماز کے وقت کپڑے بدل کر نماز ادا کی جائے گی۔ براہ کرم وضاحت سے جواب دیجئے۔

(۲): اگر لنگوٹ باندھنا ضروری ہے تو یہ ارشاد فرمایئے کہ لنگوٹ کھول کر اور پاک پائجامہ پہن کر بدن کو پاک کیا جائے یا لنگوٹ کھول کر پلیدی دور کر کے پلید پائجامہ ہی پہن لیا جائے تو پھر پلیدی کا اندیشہ ہے۔ بصورت دیگر پاک پائجامہ لے کر غسل خانہ میں جانا پڑے گا براہ کرم وضاحت فرمائیں؟

(۳): اگر نماز کے دوران قطرہ پیشاب خارج ہو جائے تو جیسا کہ آپ نے فرمایا اس پائجامہ ہی سے نماز ادا کر لینا چاہئے تو اب یہ فرمایئے کہ دوسری نماز بھی اسی پلید پاجامہ سے ادا کر لی جائے یا پاجامہ کو نماز پڑھنے کے بعد پاک کر لینا ضروری ہے تو یہ عمل ہر نماز کے بعد کرنا پڑے گا اور یہ بہت دشوار کام ہے۔ ایسے عالم میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ تفصیل سے ارشاد فرمایئے؟

(۴): اگر لنگوٹ باندھنا ضروری ہے تو پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے ڈھیلے یا پانی سے استنجا کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ کیونکہ لنگوٹ تو ناپاک ہی رہے گا اور نجاست پھر لگ سکتی ہے، وضاحت سے جواب دیجئے؟

(۵): اب سب سے آخر میں یہ عرض کروں گا کہ مندرجہ بالا پریشانیوں اور مجبوریوں کے پیش نظر کیا شریعت میں یہ جائز ہے کہ بغیر لنگوٹ باندھے اور بغیر پلیدی جسم دور کئے اور بغیر پاک پاجامہ پہنے ہوئے، یعنی اس پلید پائجامہ سے جو مریض ہر وقت پہنے رہتا ہے نماز ادا کر لی جائے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو مریض تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کوئی نماز قضا نہ ہوگی۔ ہر نماز وقت کے اندر اور جماعت سے ادا کرنے کی سعادت مریض کو حاصل ہو جاتی ہے؟

مسئولہ محمد احمد، مراد آباد

الجواب: (۱): گھر سے باہر رہ کر بھی شخص مذکور اپنی نماز طہارت کے ساتھ بتائے ہوئے قاعدہ کے مطابق ادا کر سکتا ہے۔ کچھ دشواری ضرور ہے کہ ہر نماز کے وقت ایک جوڑا پاک کپڑا رکھنا ہوگا اور ایک تہبند مزید رکھنا ہوگا اور غسل خانہ کی تلاش یا استنجا خانہ کی جستجو کرنا پڑے گی۔ لیکن ناممکن نہیں ہے۔ اس دشواری سے بچنے کے لیے نمازوں کی قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ شریعت ایسی صورت میں چار نمازوں کے قضا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ لنگوٹ باندھنے کا حکم محض اس لئے دیا گیا ہے کہ پیشاب کا قطرہ اور نجاست رقیقہ کے پھیلنے کا خطرہ اور اندیشہ دور ہو جائے اور شخص مذکور کو یہ وہم نہ ہو کہ کہاں کہاں پیشاب کا قطرہ لگا اور وہ کس کس جگہ کو دھوئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

(۲): لنگوٹ باندھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ نمازی کے لئے طہارت میں آسانی کے لئے ہے۔ لنگوٹ کھول کر پہلے سے جو پائجامہ یا تہبند پہنے ہوئے تھا اسی کو پہنے ہوئے بدن کو پاک کرے۔ پہلے والے پائجامہ یا تہبند کو ناپاک یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ پاک ہے۔ احتیاطاً دوسرے کپڑے پہننے کو لکھا گیا تھا۔ اگر شخص مذکور پہلے والے پائجامہ یا تہبند کو پہن کر نماز ادا کرے گا تو اس کی نماز صحیح و درست ہوگی۔ اور اگر پہلا پائجامہ یا تہبند بالیقین ناپاک ہو گیا ہو تو بدن پاک کرتے وقت اس کو اُتار دے اور دوسرا پاک پائجامہ یا تہبند لیکر غسل خانہ میں جائے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

(۳): پیشاب کے بعد اور اس کے علاوہ اوقات میں بھی شخص مذکور کو برابر مسلسل قطرات آتے رہتے ہیں کہ کسی وقت کی نماز وہ قطرات آئے بغیر ادا نہیں کر سکتا تو یہ شخص شرعاً معذور ہے۔ ایسا شخص ہر نماز کا وقت آنے کے بعد طہارت کاملہ حاصل کر کے پاک کپڑے پہن کر نماز پڑھ لے۔ نماز کے اندر قطرات آنے سے اس کی اس وقت کی نماز میں اور رومالی ناپاک ہونے سے بھی اس کی نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا، لیکن دوسری نماز کے وقت اُس کو یہ کپڑا کام نہ دے گا، بلکہ بدن پاک کر کے دوسرے کپڑے میں یا اسی کپڑے کو پاک کرنے کے بعد اس میں نماز ادا کرے۔ یہ عمل اس کو ہر نماز کے لئے کرنا پڑے گا۔ دشواری ضرور ہے مگر قابل عمل ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

(۴): لنگوٹ باندھنے کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ضروری نہیں ہے بلکہ نمازی کی آسانی کے لئے ہے۔ تاکہ نجاست سے پائجامہ یا تہبند اور باقی بدن محفوظ رہے۔ ہر بار پیشاب کرنے کے بعد استنجا کرنا ضروری ہے، خواہ ڈھیلے سے ہو یا پانی

سے۔ جب قطرات آنے کا اندیشہ زائل ہو جائے تو پھر لنگوٹ اُتار کر بدن کو پاک کر کے کوئی پاک پائجامہ یا تہبند باندھ کر نماز پڑھے۔ پھر دوبارہ پیشاب کرنے کے بعد بھی یہی عمل کرے۔ اتنی مدت میں یہ لنگوٹ خشک ہو ہی جائے گا۔ اور اگر ناپاک لنگوٹ کو دوبارہ نہ باندھنا چاہے تو اس کو ہر بار اتارنے کے بعد پاک کر کے خشک کرے اور خشک نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو چند لنگوٹ بنوا لے تاکہ وقت ضرورت یکے بعد دیگرے ہر ایک سے کام لے سکے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(۵): لنگوٹ باندھنے کے متعلق تو لکھا جا چکا ہے کہ ضروری نہیں اس کی آسانی کے لئے ہے۔ لیکن بدن اور کپڑے کو ہر وقت کی نماز کے لئے پاک کرنا ضروری ہے۔ اس طہارتِ بدن ولباس کے بغیر نماز ادا نہ ہوگی اور نہ صحیح ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: اصل مسودہ میں یہ فتویٰ مندرج نہیں ہے۔ غالباً مصنف علیہ الرحمہ نے غیر ضروری سمجھ کر قلم زد فرما دیا ہے۔ ۱۲ کلیمی

مسئلہ ٦١: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو نیچے لکھے حالتوں میں پیشاب کا قطرہ آ جاتا ہے۔

(۱): اکثر استنجاء کے بعد وضو کر کے نماز کے لئے کھڑے ہونے پر پہلی یا دوسری رکعت میں قطرہ آ جاتا ہے تو ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۲): اور کبھی کبھی وضو کرنے کے بعد بھی آ جاتا ہے تو کیا وضو پھر سے کیا جائے؟

(۳): اور دوسرے وقتوں میں قطرہ کے آ جانے سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے یا پاک رہتا ہے؟

(۴): اس طرح کے قطرہ کے مریض کے لئے مسجد کی اقامت درست ہے یا نہیں؟

مسؤلہ حافظ احمد رضا اشرفی، محلہ کسرول، مراد آباد، ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

الجواب: (۱) و (۲): اکثر اور کبھی کبھی کا لفظ جو سوال کے نمبر ایک اور دو میں مذکور ہے۔ یہ الفاظ تو شخص مذکور کا معذور شرعی ہونے کے لئے ناکافی معلوم ہوتے ہیں۔ شرعاً معذور وہ شخص ہے جو کسی نماز کے پورے وقت میں وضو اور نماز کے ادا کرنے پر بغیر قطرۂ پیشاب و دیگر نواقض وضو قادر نہ ہو۔ یعنی اس کا پورا وقت اس وضو توڑنے والی چیز یا کسی دوسری وضو توڑنے والی چیز سے خالی نہ ہو کہ وہ اس میں بغیر عذر کے وضو کر کے نماز ادا کر سکتا ہو۔ قلیل وقفہ اگر ملتا بھی ہو لیکن بقدر وضو اور ادائے نماز کافی نہ ہو تو ایسا شخص شرعاً معذور قرار دیا جائے گا۔ ثبوت عذر کے لئے اتنی بات ضروری ہے۔ پھر جب تک ایسی حالت رہے گی یا وقت کے اندر کم از کم ایک بار ہی یہ عذر پایا جائے گا تو وہ معذور ہی رہے گا، اور جب کسی نماز کا پورا وقت اس ناقص وضو سے خالی ہوگا، تو یہ شخص شرعاً معذور نہ رہے گا۔ اس قاعدہ پر شخص مذکور کو دیکھا جائے اگر معذور ثابت ہو تو یہ شخص وقت کے اندر وضو کر کے نماز ادا کر لے۔ قطرہ یا قطرات کے آنے سے نہ اس کا وضو ٹوٹے گا۔ نہ نماز خراب ہوگی، بلکہ نماز صحیح و درست ہوگی۔ نہ اس قطرہ یا قطرات سے اس کا بدن اور کپڑا ناپاک ہوگا۔ اس کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وضو کے بعد لنگوٹ باندھ لے پھر نماز پڑھے اور اگر معذور ثابت نہ ہو تو یہ شخص جب قطرہ آئے نماز توڑ کر دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کرے اور وقت نہ ملے تو بعد وقت قضا پڑھے۔ یہ قطرہ یا قطرات کی مقدار جمع کرنے کی صورت میں ہاتھ کی ہتھیلی کی گہرائی

کی مقدار میں بدن یا کپڑے پر پہنچ جائے تو اس کا دھونا واجب ہے اور اس سے کم ہو تو معاف ہے۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۲۲ میں ہے۔

وصاحب عذر من به سلس البول لايمكنه امساكه او استطلاق بطن اوانفلات ريح ان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بان لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث ولو حكما وهذا شرط العذر في حق الابتداء وفي حق البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت ولو مرة وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة وحكمه حكم الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لكل فرض، صاحب عذر وہ ہے جسے قطرۂ پیشاب کی بیماری ہو، جس کا روکنا ممکن نہیں یا مسلسل دست یا ریاح کی شکایت ہو۔ وضو توڑنے والی کیفیت فرض نماز کے پورے وقت میں برقرار رہتی ہے۔ اس حد تک کہ اس وقت کی ابتدا سے انتہا تک وضو توڑنے والی حالت کے بغیر اتنا وقفہ بھی نہیں مل پاتا کہ وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر چہ کہ یہ عذر حکماً ہو۔ یعنی اتنا قلیل وقفہ ملتا ہے کہ وضو و نماز کے لئے کافی نہیں۔ ابتداء عذر کے لئے، عذر کا ایک نماز کے کامل وقت کا احاطہ کرنا شرط ہے۔ خواہ حکماً ہی ہو اور بقاء عذر کے لئے، عذر کا وقت کے کسی حصے میں پایا جانا شرط ہے۔ اگر چہ ایک ہی مرتبہ ہو اور زوال عذر کے لئے شرط یہ ہے کہ ایک نماز کا پورا وقت گزر جائے اور وقت کے کسی حصے میں عذر کا وجود نہ ہوا ہو۔ وہ بھی حکماً نہیں، بلکہ حقیقۃً۔ عذر کی حالت میں وضو کا حکم دیا جائے گا، نہ کہ کپڑے کے دھونے کا۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔

(قوله ولو حكما) اى ولو كان الاستيعاب حكما بان انقطع العذر فى زمن يسير لا يمكنه فيه الوضوء والصلوة فلا يشترط الاستيعاب الحقيقي في حق الابتداء. واللّٰه تعالىٰ اعلم.
ا(ان کا قول اگرچہ حکماً ہی ہو) یعنی عذر کا وقت کامل کو گھیر لینا حکماً ہو اس طرح کہ مختصر مدت کے لئے عذر منقطع ہوا جس کے اندر وضوء اور نماز ممکن نہیں۔

(۳): قطرہ یا قطرات کو جمع کرنے سے ہاتھ کی ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار ہو جاتی ہو تو معذور کے حق میں اگر اس کپڑے کا دھونا مفید ہو یعنی نماز میں پھر اسے قطرہ نہ آئے تو قبل نماز اس کا دھونا ضروری ہے اور اگر مفید نہ ہو یعنی قطرہ اسے نماز کی حالت میں بھی آجاتا ہو تو اس کا دھونا جب تک عذر باقی ہے۔ ضروری نہیں۔ ایک قول کی بنا پر قطرہ اس کے لئے حکماً نجس ہی نہیں ہوتا، تو کپڑا بھی اس کا ناپاک نہ ہوگا۔ اور اس مقدار سے کم ہو تو معاف ہے اور معذور نہ ہونے کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا۔ لیکن مفید اور غیر مفید کی قید باقی نہ رہے گی۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۸ میں ہے۔

اذا اصاب ثوب المعذور نجاسة عذره هل يجب غسله قيل لا، لان الوضوء عرف بالنص والنجاسة ليست فى معناه لان قليلها يعفى فالحق به الكثير للضرورة ولانه غير ناقض

للوضوء فلم یکن نجسا حکما........... وفی البدائع یجب غسل الزائد عن الدرهم ان کان مفیدا بان لایصیبه مرة بعد اخریٰ حتیٰ لو لم یغسل و صلّٰی لا یجزیه وان لم یکن مفید الایجب مادام العذر قائما وهو اختیار مشائخنا" (ملخصا). جب معذور کے کپڑے میں عذر کی نجاست پہونچ گئی تو کیا اس کا دھونا واجب ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ نہیں کیونکہ وضونص سے معلوم ہے۔ اور نجاست کو یہ مقام حاصل نہیں، کیونکہ قلیل نجاست معاف ہے اور اس لئے بھی کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ لہٰذا حکماً نجس بھی نہیں ہوگا۔ البدائع میں ہے "درہم سے زیادہ کا دھونا واجب ہے اگر اس کا دھونا مفید ہے۔ اس طرح کہ بار بار وہ نجاست سے ملوث نہیں ہورہا ہے یعنی حالت نماز میں اسے قطرہ وغیرہ نہیں آیا۔ اور اگر مفید نہیں ہے۔ بعض نماز کے دوران بھی قطرہ وغیرہ آتا ہی رہتا ہے تو دھونا واجب بھی نہیں۔ جب تک یہ عذر قائم ہے۔ اسی کو ہمارے مشائخ نے اختیار کیا۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۴۲ و ۴۳ میں ہے۔

وهی ای النجاسة نوعان، الاول المغلظة وعفی عنها قدرالدرهم واختلفت الروایات فیه والصحیح ان یعتبر بالوزن فی النجاسة المتجسدة وهو ان یکون وزنه قدرالدرهم الکبیر المثقال وبالمساحة فی غیرها وهو قدر عرض الکف هکذا فی التبیین والکافی واکثر الفتاوی کل مایخرج من بدن الانسان ممایوجب خروجه الوضوء اوالغسل فهو مغلظ کالغائط والبول. (ملخصا) والله تعالیٰ اعلم. اور وہ (یعنی نجاست) دوقسم پر ہے۔ (۱) مغلظہ...... یہ ایک درہم برابر معاف ہے۔ اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ دیکھی جانے والی نجاست میں وزن کا اعتبار ہوگا یعنی اس کا وزن ایک بڑے درہم مثقال کے برابر ہو۔ اور اس کے علاوہ نجاستوں میں اس کے طول وعرض کا اعتبار ہوگا۔ یعنی ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار۔ ایسا ہی التبین اور الکافی میں ہے۔ اکثر فتاویٰ میں یہ ہے کہ جو کچھ انسان کے بدن سے نکلتا ہے۔ جس کے نکلنے سے وضو یا دھونا واجب ہوجاتا ہے وہ مغلظہ ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب وغیرہ۔

(۴): شخص مذکور معذور ہو تو غیر معذور کی امامت نہیں کرسکتا، اور معذور نہ ہو تو بھی دوسرے غیر معذور کی امامت نہ کرے تاکہ دوسرے لوگ نماز لوٹانے کے چکر سے محفوظ رہیں۔ والله تعالیٰ اعلم.

فصل السواک (مسواک کا بیان)

مسئلہ ۶۲: مسواک کن کن چیزوں کی کرنی چاہئے اور کن کن چیزوں کی نہیں، علاوہ ازیں امرود، سیکٹرھ، سہرہ، بانس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

مسئولہ عبدالجلیل مہتا، ڈاکخانہ بھگتا، ضلع دربھنگہ

الجواب: انار وبانس کے علاوہ ہر درخت کی مسواک صحیح ودرست ہے اور مستحب یہ ہے کہ مسواک کسی نرم درخت کی ہو جس کا ذائقہ کڑوا ہو، تمام مسواک سے افضل اراک (پیلو) کی مسواک ہے، پھر زیتون کی مسواک کا درجہ ہے، انار و بانس کی مسواک مضر ونقصان دہ ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۴۰ پر ہے۔

وینبغی ان یکون لینا فی غلظ الاصبع طول شبر مستویاقلیل العقدمن الاراک. مستحب یہ ہے کہ مسواک نرم درخت کی ہو۔ انگلی برابر موٹی ہو، بالشت برابر لمبی، سیدھی ہو، گرہ دار کم سے کم ہو، پیلو کی ہو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

(قوله و ینبغی ان یکون لینا الخ) عبارة بعضهم والمستحب بله ان کان یا بساو غسله بعد الاستیاک لئلایستاک به الشیطان وان یکون من شجر مراقطع للبلغم وانقی للصدر. واهنأ للطعام وافضله الاراک ثم الزیتون ویصح بکل عود الاالرمان والقصب لمضرتهما. (مصنف کا قول کہ مستحب یہ ہے کہ نرم ہو الخ) مستحب یہ ہے کہ اگر خشک ہو تو تر کر لیا جائے اور مسواک کرنے کے بعد اسے دھو دیا جائے، تا کہ شیطان اسے مسواک نہ بنالے، نیز یہ کہ کڑوے درخت کا ہو، یہ بلغم کاٹتا، سینے کو صاف کرتا، کھانے کو ہضم کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ افضل پیلو کی مسواک ہے، پھر زیتون کی اور کسی بھی لکڑی کی مسواک جائز ہے سوائے انار اور بانس کے۔ بسبب اس کے طبی نقصانات کے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۶۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں نیم کی تازہ لکڑی سے مسواک کرنا کیسا ہے، اگر آپ حوالہ قرآن وحدیث سے تحریر فرمادیں تو زیادہ تسلی بخش ثابت ہوگا؟

مسئولہ محمد چھٹن، رتن پور کلاں، ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ

الجواب: ماہ رمضان المبارک میں بھی اور ایام کی طرح ہر بار وضو کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے، قرآن کریم و حدیث شریف سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿اَطِیْعُو اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ [المائدہ: ۹۲] (اور کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا) وقال عز اسمہ ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.﴾ [النساء: ۸۰] (جس نے کہا کیا رسول کا اس نے کہا مانا اللہ کا)۔ وقال النبی علیہ الصلوۃ والسلام لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوۃ اومع کل صلوۃ وفی روایۃ النسائی عند کل وضوء" اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو" نیز فرمایا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اگر میری امت کے لئے پریشانی کا باعث نہ ہوتا میں مسواک کو ہر نماز کے وقت یا ہر نماز کے ساتھ فرض کر دیتا اور نسائی کی ایک روایت میں ہے "مسواک کرو ہر وضو کے وقت"۔

اس حدیث شریف میں کسی وقت وزمانہ اور حال کے ساتھ مسواک کے حکم کو مخصوص نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا علی الاطلاق

ہر زمانہ میں اور روزہ کی حالت میں بھی مسواک کرنا مسنون و مستحب ہے، کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ مسواک کڑوی درخت کی مستحب ہے۔ نیم کی مسواک کڑوی ہوتی ہے۔ اسی لئے رواج ہندوستان میں زیادہ ہوا کہ نیم کے درخت ہر علاقہ میں پائے جاتے ہیں اور اس کی مسواک۔ بآسانی میسر آجاتی ہے۔ اگر کسی کو اس قسم کا شبہ ہوتا ہو کہ نیم کی مسواک کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے نیم کی مسواک نہ کی جائے۔ تو پھر وضو میں اسے کلی بھی چھوڑنا پڑے گی کہ پانی کا ذائقہ بھی منہ میں معلوم دیتا ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۴۱ میں ہے۔

والمستحب بلّه ان ..... (پورا حوالہ پچھلے مسئلہ میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب المیاه (پانی کا بیان)

مسئلہ ٦٤: استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟

مسئولہ عبدالرشید، پیش امام، مسجد مجاوراں، پیران کلیر شریف، ۱۷ر جنوری ۱۹۶۳ء

الجواب: بلا شبہ استنجا کرنے کے بعد جو پانی بچتا ہے پاک ہوتا ہے، اس سے وضو کرنا صحیح و جائز ہے کوئی کراہت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٥: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سقایہ میں ایک مردہ چڑیا پھولی پھٹی ہوئی ملی دیکھتے ہی اس کا تمام پانی نکالا گیا۔ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ تین دن قبل سے کم کی نہ ہوگی۔ اس لیے کہ دو دن پہلے سے پانی میں بدبو محسوس کی گئی تھی۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کتنے دن پہلے کی نمازوں کا اعادہ کیا جائے؟

مسئولہ محمد عمر غفرلہ، ۱۰ر ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں برقول صاحب مذہب امام اعظم علیہ الرحمۃ جس وقت اس پھولی پھٹی چڑیا کا سقایہ میں مردہ پائے جانے کا علم ہوا اس وقت سے تین دن قبل کی وہ تمام نمازیں لوٹائی جائیں جو اس سقایہ سے وضو یا غسل کرکے پڑھی گئی ہیں یا اس سے کپڑا دھویا گیا ہو اور اس کپڑے میں نماز پڑھی گئی ہو اور برقول سیدنا امام ابو یوسف ومحمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما پہلے کی کسی نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں جس کسی نے علم میں آنے کے بعد غلطی سے وضو یا غسل کرکے یا کپڑا دھوکر اس کپڑے سے نماز پڑھی ہو وہ نماز ضرور لوٹائی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٦: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کے کنوئیں میں ایک کتا مرا ہوا ظہر کے وقت دیکھا گیا، کتا نکال کر پھینک دیا گیا، کتا پھولا پھٹا نہیں تھا۔ دوپہر کو ایک شخص نے کنوئیں سے پانی بھر کر غسل کیا تھا، تو اس وقت کنوئیں میں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، کچھ آدمیوں نے ساٹھ ڈول پانی نکلوا کر پانی کا استعمال شروع کر دیا ہے، مسئلہ واضح طور پر بیان فرما دیا جائے۔

(۱): امام صاحب نے اس پانی سے وضو کرکے نماز پڑھادی؟ (۲): مقتدی جو دوسرے پانی سے وضو کرکے گئے، اس کی نماز ہوئی؟ (۳): وضو کا پانی کپڑوں کو بھی لگ جاتا ہے؟ (۴): وضو کرکے مسجد میں داخل ہوتے ہیں، پانی فرش

وغیرہ کو بھی لگتا ہے، لوٹے بھی خشک تھے، پھر یہ پانی لوٹوں میں بھی بھرا گیا، لوٹے پاک رہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ محمد فاضل صاحب، محلہ ککھر، شہر مراد آباد

الجواب: سوال سے ظاہر ہے کہ مردہ کتا جو کنوئیں میں ظہر کے وقت دیکھا گیا وہ پھولا پھٹا نہیں تھا نہ اس کے گرنے کا وقت معلوم ہو سکا۔ ایسی صورت میں کنوئیں سے مردہ کتا نکال لینے کے بعد اس کے کل پانی کا نکالنا شرعاً ضروری ہے۔ چونکہ حکم شرع میں کنوئیں کا کل پانی ناپاک اور نجس بنجاست غلیظہ ہو گیا، صرف ساٹھ ڈول پانی نکالنے پر یہ کنواں ہرگز پاک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کل پانی نہ نکالا جائے، اس کے پانی کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ کنوئیں میں مردے کتے کے دیکھے جانے کے بعد جس امام ومقتدی نے کل پانی نکالنے سے پہلے اس پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھائی یا پڑھی ان کا وضو نہیں ہوا۔ نہ امام کی نماز ہوئی نہ اس کے کسی مقتدی کی نماز ہوئی۔ اگر چہ مقتدی نے دوسرے پاک پانی سے وضو کیا ہو۔ اگر یہ ناپاک پانی کسی کپڑے میں ہاتھ کی ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار میں پہنچا یا لگا ہو تو اس کپڑے کا دھونا اور پاک کرنا واجب ہے۔ یہی حکم مسجد کے فرش اور لوٹے کا ہے۔ مردے کتے کے کنوئیں میں دیکھے جانے کے بعد اور کل پانی نکالنے سے پہلے جتنی نمازیں اس پانی سے وضو اور غسل کر کے پڑھی گئیں سب نمازوں کا لوٹانا فرض ولازم ہے اور مردے کتے کے کنوئیں میں دیکھے جانے سے پہلے جن لوگوں نے اس کنوئیں کے پانی سے غسل و وضو کر کے نمازیں پڑھی ہوں وہ احتیاطاً وخروجاً عن الاختلاف پانچ وقتوں کی نمازیں لوٹا لیں۔ **كذا في الدر المختار ورد المحتار وغيرهما من الاسفار. والله تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٦٧: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ہذا میں کہ ایک دیوار جس پر گوبری (جس میں گوبر و پیلی مٹی) کی گئی تھی، زمانہ برسات میں حالت نمی میں کنوئیں میں گر گئی اس دیوار سے کہ جس پر گوبری کی گئی تھی۔ اب اس کے گر جانے کی وجہ سے کنوئیں کا پانی پاک رہا یا ناپاک۔ اگر ناپاک رہا تو کتنے ڈول پانی نکالنا چاہئے؟ (نوٹ) دیوار پر گوبری سال بھر میں دوبار کی جاتی ہے؟

مسئولہ سراج الحق چمپارنی، ۵؍جنوری

الجواب: صورت مسئولہ میں کنوئیں کا پانی پاک ہے چونکہ گوبر مٹی ملا کر جب دیواروں کو لیپتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ حصہ مٹی کا ہوتا ہے، ایسی مٹی شرعاً پاک ہے، لہٰذا جس دیوار کو ایسی مٹی سے لیسا گیا تھا اس دیوار کے گرنے سے کنوئیں کے پانی کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جا سکتا، پانی نکالنے کی کوئی حاجت وضرورت نہیں۔ لیکن اگر اطمینان وتطییب قلب منظور ہو تو صرف بیس ڈول پانی نکال ڈالیں۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۲۲ میں ہے۔

العبرة للطاهر من تراب او ماء اختلطا به يفتیٰ پانی یا مٹی اگر مل گئے تو جو اس میں پاک ہے، اسکا اعتبار ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

اور ردالمحتار میں ہے۔

هذا ما عليه الاكثر. فتح و هو قول محمد والفتوى عليه (بزازيه) اسی موقف پر اکثر فقہاء ہیں۔

یہی امام محمد کا قول ہے۔اوراسی پر فتویٰ ہے

اسی میں ہے۔

و علله بان النجاسة لا تزول عن احد هما بالاختلاط بخلاف السرقين اذاجعل فى الطين للتطيين لا ينجس لان فيه ضرورة الى اسقاط نجاسته لانه لا يتهيا الابه حليه. ....

.... بخلاف گوبر جب اسے مٹی میں لیپنے کی غرض سے ملادیا گیا تو وہ مٹی ناپاک نہیں ہوگی۔

اسی کے ص ۲۳۸ میں ہے۔

ان غلبت النجاسة لم يجز ، وان غلب الطين فطاهر. **اگرنجاست غالب ہے تو ناپاک، اگر مٹی غالب ہے تو پاک۔**

اسی کے ص ۶۲۲ میں ہے۔

ای لا نزح بها وهذا استحسان قال فى الفيض فلاينجس الا اذاكان كثيرا سواء كان رطبا اويابسا صحيحا اومنكسرا ولافرق بين ان يكون للبئر حاجز كالمدن اولا كالفلوات هو الصحيح.....١ھ یہ بطور استحسان ہے۔الفیض میں کہا۔''ناپاک نہیں ہوگا۔ہاں اگر بہت زیادہ ہے تو ناپاک ہوجائے گا۔خواہ تر ہو یا خشک، سالم ہو یا ٹوٹا ہوا۔اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کنویں کے لئے رکاوٹ (مینڈھ) ہے، جیسا کہ شہروں میں ہوتا ہے، یا نہیں ہے۔جیسا کہ جنگلوں میں موجود کنویں کا حال ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۹۳ میں ہے۔

قال فى المنح عن ابى نصرالد بوسى طين الشوارع ومواطن الكلاب طاهر وكذا الطين المسرقن الااذا راى عين النجاسة، المنح میں ابونصر الدبوسی سے روایت کر کے کہا۔سڑک کی مٹی اور کتوں کے بیٹھنے کی جگہ پاک ہے۔نیز گوبر ملی ہوئی مٹی پاک ہے۔مگر یہ کہ عین نجاست دکھائی دے۔ والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٦٨ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): زید کہتا ہے اگر جھوٹا پانی کنوئیں میں ڈال دیا جائے تو وضو میں کوئی فرق نہیں اور اگر وضو کے واسطے لوٹے میں پانی بھرا اور اس سے پی لیا تو بھی وضو میں کوئی خرابی واقع نہ ہوگی، زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۲): زید کہتا ہے کہ جس وضو سے میت کی نماز پڑھی ہو اس سے فرض عین نماز نہیں پڑھنا چاہئے؟

مسئولہ عبدالباری، بھوجپور مرادآباد، ۵/اگست ۱۹۶۰ء

الجواب: (۱): آدمی کا جوٹھا پانی مطلقاً پاک ہے، اس کو اگر کنوئیں میں ڈالا جائے تو اس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا۔اس سے وضو صحیح ودرست ہوگا۔اسی طرح وضو کے ارادے سے جو پانی نکالا جائے اس کے پینے سے جو بقیہ پانی بچا وہ بھی پاک و طاہر ہے۔اس سے بھی وضو صحیح ودرست ہے۔مگر عام مومنین کا جھوٹا پانی کنوئیں میں نہ ڈالا جائے۔ **فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل**

ص ۲۲ میں ہے سور الآدمی طاهر (آدمی کا جھوٹا پاک ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): زید کا یہ قول بالکل غلط ہے اور مبنی بر جہالت ہے۔ کتب فقہیہ میں اس قسم کا مسئلہ میرے علم میں کہیں نہیں آیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٦٩: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو مشرک کا جوٹھا جائز ہے یا ناجائز؟ مہربانی فرما کر اس کا جواب دیں؟

مسئولہ......

الجواب: کافر ومشرک کا جھوٹا پاک ہے بشرطیکہ اس کا منہ کسی نجاست سے آلودہ اور ملوث نہ ہو اور اگر اس کا منہ شراب یا کسی نجس چیز کے کھانے پینے سے یا قے سے نجس ہو جائے اور وہ فی الفور بلا تاخیر کسی چیز میں منہ لگا دے تو ایسا جھوٹا نجس ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸ میں ہے۔

> الماء القليل اذا شرب منه الحيوان يكون على اربعة اقسام و يسمى سورا الاول طاهر مطهر بالاتفاق من غير كراهة في استعماله (وهوماشرب منه آدمي) ليس بفمه نجاسة ولا فرق بين الكبير والصغير والمسلم والكافر والحائض والجنب واذا تنجس فمه فشرب الماء من فوره تنجس. ملخصا۔ تھوڑا پانی ہے اسے کسی جانور نے پی لیا۔ اس کی چار حالت ہوں گی۔ پہلی حالت کا نام طاہر مطہر (خود پاک دوسرے کو پاک کرنے والا) اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کے استعمال میں کوئی کراہت نہیں۔ یہ وہ پانی ہے جسے آدمی نے پیا اور اس کے منہ میں کوئی نجاست نہیں تھی۔ اس میں بڑے چھوٹے، مسلم، کافر، حائضہ عورت اور جنبی (جس پر غسل فرض ہو) کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہاں اگر منہ ناپاک ہے اور فوراً پانی پی لیا تو اب پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لیکن ہر پاک چیز کا کھانا پینا مطلقا جائز وحلال نہیں ہوتا، بلکہ بعض پاک اشیاء کا کھانا پینا حلال نہیں، جیسے پاک مٹی کا کھانا اور بعض پاک چیز گھنونی اور گندی ہوتی ہے، جیسے تھوک ورینٹھ وکھکھار وغیرہ ایسی پاک چیزوں کا کھانا پینا طبعاً مکروہ وہ مستقذر ہے، اسی طرح کافر ومشرک کا جھوٹا اگرچہ بشرط مذکور پاک ہے، لیکن اس کا بلا ضرورت کھانا پینا سلیم الطبع مسلمانوں کے نزدیک مکروہ اور مستقذر ہے اور طبیعت کی گندگی پر دلالت کرتا ہے، حتیٰ کہ بہت سے مسلمانوں کو اس کے جوٹھے کی طہارت اور اس کے استعمال میں شک پیدا ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے، ''دع ما يريبك الیٰ ما لا يريبك'' یعنی جو چیز تم کو شک میں مبتلا کرے اور شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ کر بلا شک وشبہ والی چیز کو اختیار کرو، لہٰذا اس حدیث شریف کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کا یہ پاک جھوٹا بلا ضرورت نہ کھائے پیئے اور بعض پاک چیز کا کھانا پینا حلال اور بغیر کسی کراہت کے جائز ہے جیسے مشک کا کھانا۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۰ میں ہے۔

> (ونافجة المسک طاهرة) مطلقا(کالمسک) للاتفاق على طهارته (واكله) اى المسک (حلال) ونص على حل اكله لانه لا يلزم من طهارة الشي حل اكله كالتراب

طاھر لایحل اکلہ (مخلصا) مشک کی تھیلی پاک ہے اس کی طہارت پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کا کھانا حلال ہے۔ اس کے حلال ہونے پر نص ہے۔ کیونکہ ایک چیز کا پاک ہونا اور ہے اور اس کے کھانے کا حلال ہونا دوسری بات ہے۔ جیسے مٹی پاک ہے مگر اس کا کھانا منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۰: ہمارے بنگال اور بہار میں اکثر جگہ دیکھا جاتا ہے کہ کنوئیں ہی سے پانی اٹھا اٹھا کر مرد، عورت، بچے، بوڑھے، مسلم غیر مسلم غسل کیا کرتے ہیں۔ اگر کنواں پختہ ہے تو غسل کرنے والے کے سر اور منہ کا پانی یعنی دھون گرتا رہتا ہے اور اگر خالص مٹی کا ہے تو بدن کے اکثر حصے کا پانی کنواں میں گرتا رہتا ہے اب زید کا کہنا ہے کہ اس سے کنواں کا کل پانی ناپاک ہوجایا کرتا ہے چونکہ لوگوں کے دھون گرتے ہیں۔ اس پانی سے غسل اور وضو نہیں ہوتا۔ بایں وجہ لوگوں کے قلوب سیاہ ہوجایا کرتے ہیں جب کہ پاکی ہی حاصل نہیں ہوئی تو عبادت و بندگی کہاں قبول ہوگی۔ حضرت قبلہ سے گزارش ہے کہ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمادیں، اس مسئلہ کے متعلق بہت تکرار ہوجایا کرتا ہے؟

مسئولہ ایم بشیر، کھٹا کھوا، پوسٹ داسپارہ، وایا اسلامپور، ضلع دیناج پور، بنگال، ۲۳ صفر ۱۳۸۶ھ

الجواب: غسل کرنے والے اگر قربت (یعنی نہانے کی ضرورت نہیں تھی جسم پاک تھا مگر بہ نیت ثواب نہار ہے ہیں یا وضو کی ضرورت نہیں تھی مگر اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے وضو کررہے ہیں، (یعنی بغیر ضرورت محض حصول ثواب کے لئے وضو یا غسل کرنا ''قربت'' کہلاتا ہے۔) یا ناپاکی دور کرنے کے لئے غسل کررہے ہیں تو اس کا غسالہ (دھون) ماء مستعمل ہے۔ ماء مستعمل کے اختلاط سے غیر مستعمل اس وقت تک مستعمل نہیں ہوتا جب تک وہ دونوں مقدار میں برابر یا مستعمل، غیر مستعمل سے زیادہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مستعمل کے چند قطرے اور کنوئیں کے آب کثیر وافر میں کوئی نسبت نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں کنوئیں کا پانی بلاشبہ طاہر ومطہر ہے (خود پاک اور دوسرے کو پاک کرنے والا) زید کا زعم فاسد اور قول محض باطل ہے، ہرگز ہرگز لائق التفات نہیں۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۱۳۳ میں ہے۔

> یرفع الحدث بماء مطلق لا بماء مغلوب بمستعمل فان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر بالکل والالا (ملخصا) وضو غسل ''ماء مطلق'' سے کیا جائے گا۔ اس پانی سے نہیں جس میں ماء مستعمل غالب ہو۔ اگر ماء مطلق آدھے سے زیادہ ہے تو پورے پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے اور اگر ماء مستعمل زیادہ تو جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کنوئیں میں چھپکلی گر جائے اور مر جائے لیکن حال یہ ہے کہ ابھی پھول گئی ہے، پھٹی نہیں ہے۔ اس صورت میں پانی نکالنے کی کیا تعداد متعین شرع میں ہے۔ بحوالہ کتب مع عبارت جواب سے نوازیں، بہت بہت شکرگزار ہوں گا، ساتھ ہی ساتھ قوم کو اس سے بچاؤں گا کہ شرع کے خلاف نہ کرو؟

مسئولہ محمد یسین، محلہ محل سرائے، ۵؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ

الجواب: جب کوئی جانور بڑا ہو یا چھوٹا کنوئیں میں گر کر مر جائے اور پھول جائے یا پھٹ جائے تو دونوں صورتوں میں کنوئیں کا کل پانی نکالا جائے گا پھولنے اور پھٹنے کا حکم یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری مصری، جلد اول ص ۱۸ میں

ہے۔

وان مات فیها شاة او کلب او آدمی او انتفخ حیوان او تسفخ ینزح جمیع ما فیها صغر الحیوان او کبر هکذا فی الهدایة و کذا اذا تمعط شعره فهو کالتفسخ کذا فی السراج الوهاج. اگر کنویں میں بکری، کتایا آدمی مرگیا یا کوئی جانور پھول یا پھٹ گیا سارا پانی نکالا جائے گا۔ جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ یونہی جب اس کا بال بیماری کی وجہ سے اس سے الگ ہو کر گر جائے تو وہ پھٹنے ہی کی طرح ہے۔ ایسا ہی السراج الوہاج میں ہے۔

غنیۃ المستملی کانپوری ص ۱۵۸ میں ہے۔

وان انتفخ فیها الحیوان الواقع او تسفخ ینزح جمیع مافیها من الماء سواء صغر ذالک الحیوان او کبر بعد ان یکون مما یفسد الماء وکذا لووقع فیها ذنب الفارة اونحوه لانتشار النجاسة فی جمیع الماء. اگر گرنے والا جانور پھول گیا، یا پھٹ گیا، سارا پانی نکالا جائے گا چاہے جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔ بشرطیکہ جانور ایسا ہو جو پانی کو ناپاک کر دیتا ہو، اسی طرح اگر کنویں میں چوہے کی دم یا اسی طرح کی کوئی چیز گر گئی تو سارا پانی نکالنا ہوگا۔ کیونکہ نجاست ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ والله تعالیٰ اعلم.

باب الانجاس (نجاستوں کا بیان)

مسئلہ ۷۲: ایک روایت سنی گئی ہے کہ حضور کے وقت میں خوشی کے موقع پر کھانا تیار کیا گیا اس میں کتا نے منھ ڈال دیا تو حضور نے فرمایا کہ اس کے اردگرد کے کھانے کو پھینک دو۔ نیز اسی طرح سور نے منھ ڈال دیا تو حضور نے فرمایا کہ اس کے ارد گرد کھانے کو پھینک دو۔ پھر کسی موقعہ پر ایک بے نمازی نے کھانے میں ہاتھ ڈال دیا تو حضور کھانے کو پھینکوا دیا، کیا صحیح ہے؟

مسئولہ عبدالرب، راجستھان، ۱۳؍دسمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: میرے علم میں یہ روایت صحیح نہیں۔ آج تک میں نے یہ روایت کسی کتاب میں نہ دیکھی اور نہ سنی۔ لہٰذا بغیر تحقیق نہ ایسی روایت نقل کی جائے اور نہ اس کو بیان کیا جائے۔[۱]

[۱] یہ جواب اگرچہ مختصر ہے لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کے کمال فہم و تحقیق پر مبنی ہے ۱۲ کلیمی۔ والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوہا پاک ہے یا ناپاک، کسی گیلی چیز میں منھ ڈال دے یا کسی کھانے پینے کی چیز میں چوہے کی مینگنی نکلے تو کھانا پاک رہے گا یا ناپاک؟

مسئولہ ابرار حسین، مراد آباد

الجواب: [illegible]

اس سے کپڑا، بدن وغیرہ کوئی چیز ناپاک نہ ہوگی اور چوہے کا گوشت ناپاک ہے۔ ان چیزوں کا استعمال کرنا جس میں چوپایا سانپ وغیرہ منہ ڈال دے مکروہ تنزیہی ہے بلکہ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز کھانے پینے کی نہ ہو تو اس کی کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ درمختار کے ص ۲۶ میں ہے۔

سور سواکن البیوت طاهر مکروہ تنزیها فی الاصح ان وجد غیرہ والالم یکرہ اصلا کاکلہ لفقیر (مخلصا) گھروں میں زندگی گزارنے والے جانوروں کا جھوٹا پاک ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے، صحیح مذہب میں وہ بھی اگر دوسرا موجود ہو، ورنہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں۔ جیسے اگر اسے فقیر کھالے۔

اسی طرح اگر چوہے کی مینگنی کھانے پینے کی چیزوں میں گر پڑے تو جب تک ان چیزوں میں مینگنی کا اثر ظاہر نہ ہو یا اس کا رنگ متغیر نہ ہو، اس کا کھانا پینا جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۴۳ میں ہے۔

بعرۃ الفارۃ وقعت فی وقر الحنطۃ فطحنت والبعرۃ فیها او وقعت فی وقر دهن لم یفسد الدقیق والدهن مالم یتغیر طعمهما قال ابو اللیث وبه ناخذ. چوہے کی مینگنی گیہوں کے ڈھیر میں گر گئی۔ اسے بغیر نکالے پیس دیا گیا یا تیل میں گر گئی۔ آٹا اور تیل ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا مزہ نہ بدل جائے۔ ابو اللیث نے کہا "ہم اسی موقف کو لئے ہوئے ہیں۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کچھ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ دیسی گھی میں خنزیر کی چربی مل کر آرہی ہے چندوسی گھی مارکیٹ سے اور مارکٹوں سے بھی دیسی گھی کھانا کھلانا خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ مختار احمد، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ

الجواب: محض شکوک وشبہات اور افواہ عام کی بنا پر کسی پاک اور حلال چیز کو ناپاک اور نجس اور حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حرمت اور نجاست کا حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب کہ یقینی طور پر شرعی شہادت وخبر عدل سے کسی چیز کا نجس اور حرام ہونا ثابت ہو جائے لہٰذا ہر گھی کے استعمال کو اور اس کے خرید وفروخت کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا اور جس گھی کے متعلق بطریقہ مذکورہ ثابت ہو جائے کہ اس میں خنزیر کی چربی ملائی گئی ہے اس کا استعمال حرام اور خرید وفروخت ناجائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.** (دلائل کیلئے بعد کے فتاویٰ کا مطالعہ فرمائیں کلیمی)

مسئلہ ۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ:

(۱): عموماً گھروں میں گوبر سے فرش کو لیپا جاتا ہے۔ کنوئیں میں ڈول اسی فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جس سے ڈول کی تلی کا نجاست آلود ہو جانا یقینی ہے۔ اسی حالت میں دوبارہ پانی بھر لیا جاتا ہے۔ اس کنوئیں کا پانی غسل ووضو کے لیے درست ہے یا نہیں؟

(۲): بعض لوگ غسل جنابت کنوئیں کی من پر کرتے رہتے ہیں ان کے بدن کی چھینٹیں اور کپڑے دھونے سے قطرے کنوئیں میں جاتے ہیں۔ ایسے کنوئیں کا پانی وضو وغسل کے لیے از روئے شرع ٹھیک ہے یا نہیں؟

مسئولہ جناب محمد صدیق صاحب، قصبہ جسپور، ضلع نینی تال، ۴؍شعبان ۱۳۸۲ھ

الجواب: میرا خیال ہے کہ سائل نے سوال میں مبالغہ سے کام لیا ہے چونکہ خالص گوبر سے گھر کو نہیں لیپا جاتا ہے بلکہ پانی اور مٹی بھی گوبر میں ملائی جاتی ہے اور لیپنے سے سطح زمین پر مٹی اور گوبر دونوں کا خفیف سا اثر فرش و زمین پر نمایاں ہوتا ہے جو جلد تر خشک ہو جاتا ہے۔ ایسی زمین پر ڈول رکھنے سے ڈول کی تلی کا یقینی طور پر نجس ہو جانا مبنی پر مبالغہ ہے، ڈول کی تلی کی نجاست کو مظنون قرار دینا تو صحیح ہو سکتا ہے۔ ظن اور گمان کے طریقہ پر ڈول کی تلی کو نجس بتانا تو درست مانا جا سکتا ہے لیکن یقینی طور پر نجس قرار دینا میری سمجھ میں صحیح و درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال جس ڈول کی تلی کی طہارت پر یقین نہ ہو اور نجاست پر یقین ہو تو ایسے ڈول کو خاص کنوئیں میں ڈالنے سے اس کا پانی نجس ہو کر غسل و وضو کے قابل نہیں رہے گا اور اگر ایسا ڈول کسی عام کنوئیں میں ڈالا جائے جس کی بندش نہیں ہو سکتی، کفار و گنوار سب اس سے پانی بھرتے ہیں اور اکثر گوبر سے سنے ہوئے گھڑے اور ڈول اس میں ڈالتے ہیں اور دوسرا کنواں نہیں ہے تو محل ضرورت و حرج میں آ گیا۔ ایسی صورت میں اس کے پانی کو نجس نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس سے غسل صحیح و وضو جائز ہوگا اور جس ڈول کی تلی کی نجاست پر یقین نہ ہو بلکہ اس کی نجاست کا ظن و گمان ہو تو اس کے کنوئیں میں ڈالنے سے بھی کنوئیں کا پانی ناپاک نہ ہوگا، بلکہ پاک ہوگا، اس سے غسل و وضو صحیح و جائز ہوگا۔ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل ص ۱۴۴ میں ہے۔

فی فتح القدیر یتوضأ من البئر اللتی یدلیٰ فیها الدلاء والجرار الدنسة یحملها الصغار و العبید اللذین لا یعلمون الاحکام ویمسها الرستاقیون بالا یدی الدنسة مالم تعلم النجاسة وفی الاشباه والنظائر قال الامام محمد حوض تملأ من الصغار و العبید بالا یدی الدنسة والجرار الوسخة یجوز الوضوء منه مالم تعلم نجاسته، وفی فتح القدیر قالو اولا باس بالتوضیٔ من جب یوضع کوزه فی نواحی الدار و یشرب منه مالم یعلم به قذر اھ اس کنوئیں کے پانی سے وضوء جائز ہے جس میں گندے ڈول اور گھڑے ڈالے جاتے ہوں، جسے احکام شرعیہ سے بے خبر بچے اور غلام اٹھاتے ہیں۔ اور جسے دیہاتی لوگ گندے ہاتھ سے چھوتے ہیں۔ وضو جائز اسی وقت تک ہوگا جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔ الاشباہ والنظائر میں ہے امام محمد نے فرمایا ''وہ حوض جسے بچے اور غلام گندے ہاتھ اور میلے گھڑے سے بھرتے ہیں اگر نجاست کا پتہ نہ چلے تو اس حوض سے وضو جائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ علماء نے کہا کہ اس حوض یا کنویں سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، جس کا برتن گھر کے ایک گوشے میں رکھا ہوا ہو اور نہ اس کا پانی پینے میں کوئی حرج ہے۔ اگر نجاست معلوم نہ ہو۔

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوی سے ہے۔

و کذا الکوز الموضوع فی الارض اذا ادخل فی الجب للشرب منه یعنی یجوز مالم یعلم النجاسة. اسی طرح کوزہ جو زمین پر رکھا رہتا ہے اگر اسے مٹکے میں پینے کے لیے پانی نکالنے کی غرض سے داخل کیا جائے۔ اگر نجاست کا پتہ نہ ہو تو اس مٹکے سے بھی وضو جائز ہے۔

اسی کے ص ۵۷۱ میں ہے۔

سئل الامام الخجندی رحمة اللّٰه تعالیٰ عن رکیة وهی البئر وجد فیها خف اونعل تلبس ویمشی بهاصاحبها فی الطرقات لا یدری متی وقع فیها ولیس علیه اثر النجاسة هل یحکم بنجاسة الماء قال لا امام خجندی سے اس کنوئیں کے متعلق پوچھا گیا جس میں پہنا جانے والا موزہ یا جوتا پایا گیا، جسے پہننے والا راستوں میں پہن کر چلتا ہے، اسے پتہ نہیں کہ کنویں میں کب گرا۔ مگر اس پر نجاست کا اثر نہیں ہے۔ تو کیا پانی کی ناپاکی کا حکم دیا جائیگا۔ انہوں نے کہا ''نہیں''۔

اسی کے ص ۵۷۳ میں ہے۔

ولا شک ان مالصق من الخثی بالجرة قلیل فلا یحتاج الی التطهیر اصلاً اقول هذا الحکم معلل بالضرورة فی التبیین لا فرق بین الرطب والیابس والصحیح والمنکسر والبعر والخثی والروث لشمول الضروة وفی فتح القدیر هوا لاوجه لان الضروة تشمل الکل وفی التتارخانیة لوفیه ضرورة وبلوی لا ینجس والا ینجس. اس میں کوئی شک نہیں کہ گھڑے سے جو گوڑا کرکٹ وغیرہ چپک گیا ہے وہ قلیل ہے، اسے پاک کرنے کی قطعاً حاجت نہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ''التبیین'' میں جو کہا گیا ہے کہ پاک کرنے کی حاجت نہیں اس حکم کی علت ضرورت کہہ کر بیان کی گئی ہے۔ اس میں تر وخشک، سالم وغیر سالم، مینگنی اور گوبر کے مابین کچھ فرق نہیں۔ کیونکہ ضرورت سب کو شامل ہے۔ فتح القدیر کے اندر ہے اسی کو اوجہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ ضرورت سب کو شامل ہے۔ تتارخانیہ میں ہے کہ اگر ضرورت اور عموم بلویٰ ہے تو ناپاک نہیں ورنہ ناپاک۔

اسی کے ص ۵۷۵ میں ہے

فی فتح القدیر الحاصل ان المخرج حیا ان کان نجس العین او فی بدنه نجاسة معلومة نزحت کلها وانما قلنا معلومة لانهم قالوا فی البقره ونحوه یخرج حیالا یجب نزح شئی وان کان الظاهر اشتمال بولها علی افخاذها لکن یحتمل طهارتها بان سقطت عقیب دخولها ماء کثیرا۔ فتح القدیر میں ہے کنویں سے زندہ نکالا ہوا اگر نجس العین ہے یا اس کے بدن میں نجاست معلوم ہو رہی ہے تو سارا پانی نکالا جائیگا۔ ہم نے ''معلوم'' کا لفظ کیوں کہا۔ کیونکہ علماء نے گائے وغیرہ کے متعلق کہا کہ اگر وہ زندہ نکل جائے تو کچھ بھی پانی نہیں نکالا جائیگا۔ اگرچہ اس کی رانوں میں پیشاب لگا ہونا ظاہر ہے۔ مگر اس کی طہارت کا بھی احتمال ہے کہ بہت پانی میں داخل ہونے کے بعد کنویں میں گری۔

اسی کے ص ۵۲۶ میں ہے۔

سئل ابونصر رحمه اللّٰه تعالی عمن یغسل الدابة فیصیبه من مائها او عرقها قال لا یضره

قيل له فان كانت تمرغت فى روثها وبولها قال اذا جف وتناثر وذهب عينه فلا يضره فعلى هذا اذاجرى الفرس فى الماء وابتل ذنبه وضرب به على راكبه ينبغى ان لا يضره

ابونصر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں جو مویشی کو دھو رہا ہے اور اس کا دھوون یا پسینہ اس کے جسم تک پہونچ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ "اس سے کوئی نقصان نہیں"۔ ان سے کہا گیا۔ "اگر جانور کے گوبر اور پیشاب میں سن کر پہونچا؟ انہوں نے جواب دیا۔ "جب سوکھ گیا اور اڑ گیا اور اس کا عین چلا گیا تو ناپاک نہیں کریگا۔ اسی بنیاد پر اگر گھوڑا پانی میں دوڑا اور اس کی دم بھیگ گئی۔ اس نے اپنا دم سوار کو دے مارا تو اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یعنی ناپاک نہ ہوگا۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۲): جنبی کے غسل کے پانی کی چھینٹیں یا کپڑے دھونے کی چھینٹیں ماء مستعمل کے حکم میں ہیں اور ماء مستعمل ہم حنفیوں کے یہاں مفتی بہ قول پر طاہر ہے مطہر نہیں۔ اس سے وضو و غسل نہ ہوگا، ماء مستعمل اگر غیر مستعمل میں مل جائے تو مذہب صحیح میں اس سے غسل و وضو جائز ہے۔ جب تک ماء مستعمل غیر مستعمل سے زائد نہ ہو جائے اگرچہ ماء مستعمل دھار بندھ کر گرا ہو۔ لہذا صورت مسئولہ میں غسل اور کپڑے کی چھینٹیں جو قطرات کی شکل میں کنوئیں میں واقع ہوئیں وہ کم ہوں گی اور کنوئیں کا پانی زیادہ ہوگا۔ لہذا اس کنوئیں کے پانی سے وضو اور غسل جائز و صحیح ہوگا لیکن اگر غسل کرنے والے کے بدن یا کپڑا دھونے والے کے کپڑے پر نجاست حقیقیہ کا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو تو اس کی چھینٹوں کے قطرات کنوئیں میں گرنے سے کنواں ناپاک ہوگا اور اس کا کل پانی نکالے بغیر اس سے وضو اور غسل نہ ہوگا۔

فى فتاوىٰ الخلاصة، جنب اغتسل فانتفض من غسله شئى فى انائه لم يفسد الماء اما اذا كان يسيل منه سيلانا افسده وكذا حوض الحمام على هذا وعلى قول محمد لايفسده مالم يغلب عليه يعنى لا يخرجه من الطهورية وفى الدرالمختار يرفع الحدث بماء مطلق لا بماء مغلوب بمستعمل بالا جزاء فان المطلق اكثر من النصف جاز التطهير بالكل والا لا على ماحققه فى البحر والنهر والمنح اه ملتقطاً. فتاویٰ الخلاصۃ میں ہے "جنبی نے غسل کیا۔ اس کے غسل کا کچھ چھینٹا برتن میں گر گیا۔ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن اگر خوب دھار بن کر برتن میں گرا تو ناپاک کر دے گا۔ اسی طرح حمام کے حوض کا حکم ہے۔ امام محمد کے قول کے مطابق پانی اس وقت تک خراب نہیں ہوگا جب تک دھوون غالب نہ آجائے۔ یعنی پانی کو اس کی طھوریت سے نہیں نکالے گا" الدرالمختار میں ہے "ماء مطلق سے وضو و غسل کیا جائے گا بشرطیکہ اس برتن میں رکھا ہوا ماء مستعمل غالب نہ ہو۔ کیونکہ ماء مطلق اگر آدھے سے زیادہ ہے تو کل پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔ ورنہ نہیں۔ جیسا کہ البحر، النهر اور المنح میں اس کی تحقیق موجود ہے۔

اسی کے ص ۲۴۰ میں ہے۔

ففى الجامع الصغير للامام قاضيخان انتضاح الغسالة فى الماء اذاقل لايفسد الماء

یروی ذالک عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ولان فیه ضرورة ویعفی القلیل، والصحیح المعتمد فی المذهب الاعتبار بالغلبة فلا یخرج عن الطهوریة مادام اکثر من المستعمل هو الذی اعتمده الامة وصححه الائمة. الجامع الصغیر للامام قاضیخان میں ہے ''پانی میں دھون کی چھینٹ پہونچ جائے اگر کم ہوتو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے روایت ہے۔ نیز اس لئے کہ اس میں ضرورت ہے۔ لہذا قلیل معاف کیا گیا۔ صحیح اور معتمد فی المذہب یہ ہے کہ اعتبار غلبہ کا ہے جب تک پانی ماء مستعمل سے زیادہ ہے۔ اسے پاک ہونے سے نہیں نکالے گا۔ اسی پر امت نے اعتماد کیا اور اس کو ائمہ نے صحیح قرار دیا۔

مسئلہ ۷۶: علمائے دین کیا فتوی دیتے ہیں اس بارے میں کہ ایک شخص سڑک پر گزر رہا ہے، اچانک تیزی سے ایک کار آجاتی ہے۔ عموماً یہ سرکاری نل جو لگے ہوئے ہیں ان کے اردگرد جمع پانی ہوجاتا ہے، وہ پانی گندی نالی یا بورو کا نہیں ہے۔ وہ پانی ایسا گندہ نہیں تھا۔ کار کا پہیہ اسی پانی میں جاتا ہے اور اس کی چھینٹیں لنگی پر آجاتی ہیں۔ یہ عمل کیا کہ مغرب کی نماز کا وقت تھا، تین مرتبہ ہاتھ بھگو کر اس لنگی میں پھیرلیا پھر نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں، وہ چھینٹیں روپیہ سے زیادہ تعداد میں تھیں؟

مسئولہ حافظ ریاست علی، محلہ فیض گنج، مرادآباد، ۱۷ر مئی ۱۹۷۰ء

الجواب: سائل نے سوال میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ نل کے اردگرد کا پانی گندی نالی یا بورو کا نہیں تھا۔ یعنی یقینی طور پر نجس و ناپاک نہیں تھا، تو ایسی صورت میں اس پانی کے نجس ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ وہ پانی شرعاً پاک ہے، در باب طہارت قاعدہ ہے کہ الیقین لا یزول بالشک یعنی شک کی بنا پر پاک چیز کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ لہٰذا شخص مذکور کی نماز صحیح ہوئی، ہاتھ بھگو کر تین بار ہاتھ پھیرلینا لنگی پر لنگی کو پاک نہیں بنادیتا، چونکہ پاک پانی کی چھینٹوں سے لنگی ناپاک نہیں ہوئی تھی، سائل کا یہ فعل عبث ہوا، درہم سے زیادہ مقدار ہونے اور نہ ہونے کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی نجس چیز جسم اور کپڑے میں لگ جائے، یہ پانی تو نجس ہی نہیں تھا، بہرحال شخص مذکور کی نماز صحیح و درست ہوگئی، کسی طرح کوئی شک وشبہ نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جس لوٹے سے آبدست کرتا ہے اسی سے پانی بھی پیتا ہے۔ کیا زید کا یہ فعل ازروئے شرع ممنوع وحرام ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ محمد ابراہیم قادری، کہنہ مغل پورہ، مرادآباد، ۲۱ر رجب المرجب ۱۳۹۲ھ

الجواب: آبدست لینے سے کوئی لوٹا ناپاک نہیں ہوتا، خواہ مٹی کا لوٹا ہو یا کسی اور دھات کا لوٹا ہو یا اور کوئی دوسری چیز جب وہ پاک ہو تو بغیر نجاست کے لگے یا پڑے اس کے ناپاک ہونے کا خیال کرنا اور حکم لگادینا وہم ونادانی پر مبنی ہے۔ کوئی پاک لوٹا پاخانہ یا استنجا خانہ میں لے جانے سے یا غسل خانہ کے فرش پر رکھ دینے سے ناپاک نہیں ہوجاتا ورنہ پاخانہ میں یا

استنجا خانہ میں لے جانے کے بعد رکھتے ہی اگر لوٹا ناپاک ہوجانا قرار دے دیا جائے تو اس کا پانی بھی ناپاک ہوجائے گا پھر آبدست اور استنجا پاک کرنے سے وہ ناپاک عضو بھی پاک نہ ہوگا، جس کے پاک کرنے کے لیے آبدست کیا جاتا ہے یا استنجا کیا جاتا ہے، بلکہ ناپاک پانی کے لگنے سے وہ عضو بھی ناپاک ہوجائے گا۔ یہاں کی عوام کا یہ کہنا ہے کہ مٹی کا لوٹا غسل خانے کے فرش پر رکھنے سے پلید ہوجاتا ہے، غلط و باطل ہے۔ شرعاً ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ پاخانہ کے قدمچہ پر یا فرش پر یا لوٹا رکھنے کی کوئی جگہ بنی ہو اس جگہ لوٹا رکھنے پر بھی لوٹا پلید و ناپاک نہیں ہوتا، نہ پانی ناپاک ہوتا ہے، حتیٰ کہ پاخانہ یا پیشاب خانہ میں کوئی لوٹا بھر کے پانی لے جائے اور استنجا پاک کرنے کے بعد پانی بچ رہے تو پانی کو پھینکا نہ جائے۔ اس پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے۔ اکثر لوگ یہ پانی پھینک دیتے ہیں، یہ کام غلط ہے۔ اسی طرح جو لوٹا پاخانہ میں لے جایا گیا، اس لوٹے سے وضو کرنا، پانی پینا، اس سے پاکی کا ہر کام انجام دینا صحیح و درست ہے۔ احتیاط کے طور پر اس کی تلی کو دھولیں تو کوئی حرج نہیں۔ لوٹے کو دھونے کے بعد اس لوٹے کو ڈول یا فلیٹر یا سقایہ میں ڈال کر اسی لوٹے میں پانی نکالنے میں حرج و قباحت نہیں ہے۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا کوئی من گھڑت اور لغو و لایعنی بات نہیں۔ قرآن و حدیث نبوی اور اصول فقہ حنفی کی روشنی میں لکھا گیا ہے، لہٰذا زید کا جو فعل سوال میں درج ہے وہ شرعاً بالکل صحیح و درست ہے، حرام و ناجائز نہیں۔ جو حرام و ناجائز بتاتا ہے وہ غلطی پر ہے، بغیر علم کے مولوی اور مولانا کو یا امام کو مسئلہ بتانا اور فتویٰ دینا حرام و ناجائز ہے۔ سرکار والا تبار کا فرمان ہے کہ **من افتیٰ بغیر علم الجم بلجام النار یوم القیامۃ** جو بغیر علم مسئلہ بتائے گا یا فتویٰ دے گا بروز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ لہٰذا مسئلہ بیان کرنے اور بتانے میں کوئی نادان آدمی ہرگز ہرگز پیش قدمی نہ کرے۔ کسی بھی پاک چیز کی نجاست کا حکم شک و شبہ کی بنا پر شرعاً صحیح و درست نہیں ہے۔ جو چیز یقینی طور پر پاک ہو اس کو شک کی بنا پر نجس و ناپاک اور پلید قرار دینا حنفی مسلک کے اس اصول کے خلاف ہے۔ **والیقین لا یزول بالشک کذافی عامۃ کتب الفتاوی الکبار**. یقین، شک سے زائل نہیں ہوگا۔ ایسا ہی فتاویٰ کی بڑی کتابوں میں ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ **والمحل محل الطهارة والنجاسة دون المحل والحرمة فافهم**. شرع مطہر میں مدار نجاست علم پر ہے اور مدار طہارت نامعلومی نجاست پر۔ جس چیز کی نجاست معلوم نہیں وہ پاک ہے۔ **کذافی الفتاوی الرضویہ فی المجلد لاول علی** ص ۵۲۵ ردالمحتار معروف بہ شامی میں تتارخانیہ سے منقول ہے۔

> **من شک فی انائه وثوبه اوبد نه اصابة نجاسة اولا فهو طاهر مالم یستیقن و کذا فی الآ باروالحیاض والجبات الموضوعة فی الطرقات ویستقی منها الصغار والکبار و المسلون والکفار**. کسی کو شک ہوا کہ اس کے برتن یا کپڑے یا بدن پر نجاست ہے یا نہیں۔ وہ سب پاک ہے، جب تک یقین نہ ہو۔ یہی حکم کنویں، حوض، راستوں میں رکھے ہوئے مٹکوں کا ہے۔ جس سے چھوٹے بڑے مسلمان کافر بھی پیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ: (۱): اگر کوئی کپڑا یا دھات کا برتن

ناپاک ہو جائے یا آدمی کو غسل کی ضرورت ہو یا وضو کر رہا ہو یا میت کو غسل دے رہا ہو تو اس کو کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھ کر ناپاکی کو رفع کرنا چاہئے یا نہیں؟ (۲): اگر کلمہ شریف نہ پڑھے تو اور کیا پڑھ کر ناپاکی رفع کرے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر کلمہ پڑھے تو وہ پانی زمین پر گرے گا اور بے ادبی ہوگی؟

مسئولہ راشد علی جماعتی، ۲۸ رشوال ۱۳۹۳ھ شنبہ

الجواب: (۱) و(۲): ازالہ نجاست یعنی ناپاکی کو دور کرنے کی جگہ میں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا پڑھنا منع ہے۔ کپڑے اور دھات کے برتن کو پاک کرتے وقت مطلقاً کچھ نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح غسل فرض اور غسل میت کے وقت بھی کوئی کلمہ نہ پڑھا جائے۔ ہاں وضو کرتے وقت جو مخصوص دعائیں اور کلمات منقول ہیں وہ پڑھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی تفصیل بہار شریعت میں ملے گی۔ ناپاکی کو دور کرنے کیلئے کسی درود وظیفہ کے پڑھنے کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خیال ہی غلط ہے کہ بغیر کسی چیز کے پڑھے ناپاکی یا نجاست دور نہ ہوگی۔ اصل وضابطہ یہی ہے کہ محل نجاست میں کوئی تعظیم والا کلمہ نہ پڑھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

مسئلہ ۷۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسجد کے مؤذن کی آواز سنی، لیکن مسجد میں نماز پڑھنے نہ گیا، بلکہ گھر پر پڑھی، جبکہ اس کو کوئی شرعی عذر نہیں تھا۔ کیا وہ نماز اس کی قبول ہوئی یا نہیں؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں صحیح جواب عنایت فرمائیے گا؟ عین نوازش ہوگی؟

مسئولہ فیاض حسین، قصبہ جس پور، نینی تال، ۳ر محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

الجواب: یہ سوال کرنا کہ اس کی نماز قبول ہوئی یا نہیں لغو ولایعنی ہے۔ اس کو ہم جیسا کوئی مفتی نہیں بتا سکتا۔ اس کا علم خداوند قدوس کو ہے یا اس کے نیک بندے کو ہوسکتا ہے جس پر حق تعالیٰ نے غیب کو منکشف فرمادیا ہو اور وہ واقف احوال قلوب وغیوب ہو۔ جو خانہ کعبہ میں باجماعت نماز ادا کرے اس کے متعلق بھی نماز قبول ہونے اور نہ ہونے کی بات ہم نہیں بتا سکتے۔ قبولیت الگ چیز ہے اور نماز ہونا اور نہ ہونا الگ چیز ہے۔ ہونے سے مراد صحیح ادا ہونا ہے کہ اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجائے اور نہ ہونے سے مراد صحیح طور پر ادا نہ ہونا ہے کہ اس پر مطالبہ فرض باقی ہے جو شخص کسی نماز کو اذان سننے کے بعد کسی عذر کے بغیر بھی اپنے گھر پر ادا کرے گا، اس کی نماز ہوجائے گی۔ لیکن وہ اہم ترین سنت کا جو واجب کے قریب ہے چھوڑنے والا قرار دیا جائے گا۔ چونکہ جماعت سے نماز ادا کرنا سنت موکدہ، قریب واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ فرض کے ترک سے نماز نہیں ہوتی ہے۔ یہ جواب قرآن کریم وحدیث شریف وفقہ حنفی کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۸۰: دو شخص آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھائی تم مسجد میں نہیں آتے، نماز نہیں پڑھتے۔ اس نے جواب دیا "میں نہیں پڑھتا، تم کون ہو" اور مزید کہا کہ میں نہیں پڑھتا۔ ایسی بات کے تئیں کیا حکم ہے؟

مسئولہ علی حسین خاں، نواب پورہ مراد آباد، ۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ

الجواب: شخص مذکور جس نے جواب دیا کہ "میں نہیں پڑھتا تم کون ہو" فاسق وفاجر، مرتکب گناہ کبیرہ ہے۔ نماز کا چھوڑنا اپنی جگہ خود گناہ کبیرہ ہے اور بیہودہ جواب دینا کہ "میں نہیں پڑھتا تم کون ہو" دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا شخص مذکور فاسق وفاجر ہوکر شرعاً واجب الاہانت اور لازم التوہین ہے۔ شخص مذکور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور آئندہ کے لیے یہ عہد کرے کہ جواباً یہ کہے کہ نماز پڑھوں گا انشاء اللہ تعالیٰ، حق تعالیٰ مجھے توفیق دے۔ آپ بھی دعا کیجئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۸۱: نماز فجر وعشاء بلند آواز سے ہوتی ہے اور نماز ظہر وعصر چپ پڑھی جاتی ہے جمعہ بلند آواز سے ہوتا ہے، یہ کیوں ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

مسئولہ منشی علی حسین وغیرہ، پھول پور، ۲۸ر ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ سہ شنبہ

الجواب: حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم قبل ہجرت جب مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے تو تمام نمازوں میں قرآن کریم جہر سے پڑھا کرتے تھے۔ کفار ومشرکین مکہ ظہر وعصر کی نمازوں کے اوقات میں بلند آواز سے قرآن کریم کی

تلاوت سن کر شور وغل مچایا کرتے تھے اور قرآن کریم اور اس کے نازل کرنے والے اور لانے والے وغیر ہما کو برا کہتے تھے تو حق تعالیٰ نے ان دو نمازوں میں چپکے چپکے قرآن کریم پڑھنے کا حکم دے دیا کہ کفار ومشرکین مکہ ان چیزوں سے باز رہیں۔ مغرب کے وقت کفار ومشرکین کھانے پینے میں مصروف رہتے تھے اور عشاء وفجر میں سوئے رہتے تھے۔ کفار ومشرکین کا عام طور پر یہی حال تھا، اسی لئے ان تین نمازوں میں قرآن زور سے پڑھنے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ جمعہ کی نماز کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ہوئی، یہاں اس قسم کا واقعہ نہیں ہوا۔ نہ بظاہر ایسا امکان تھا، اس لئے زور سے اس میں قرأت رکھی گئی۔ بعد ہجرت بھی وہی حکم باقی رہا جو قبل ہجرت تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اوقات الصلوٰۃ (اوقات نماز کا بیان)

مسئلہ ۸۲: فجر اور عصر کی نماز ادا ہونے کے بعد آفتاب طلوع ہونے تک یا غروب ہونے تک کوئی نماز ادا ہو سکتی ہے یا سجدہ کرنا حرام ہے۔ سجدۂ تلاوت یا قضائے عمری کی فرض نماز بعد فجر وعصر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ انعام الدین، قاضی، ٹولہ، مرادآباد

الجواب: فرضِ فجر وعصر کے بعد ہر قضا نماز پڑھ سکتا ہے، کوئی نفل وسنت نہ پڑھے۔ سجدہ تلاوت اور تلاوت قرآن مجید بھی فرضِ فجر وعصر کے بعد کر سکتا ہے۔ کوئی کراہت اور ممانعت نہیں۔ فرضِ عصر کے بعد جو شخص صاحب ترتیب ہو، آفتاب زرد ہونے پر قضا بھی نہ پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۸۳: نقشہ صوم وصلوۃ میں جو زوال کا وقت لکھا ہوا ہے، کیا اس زوال کے وقت میں نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ شرعاً حکم فرمادیں۔ ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ زوال کا وقت جمعہ کے دن نہیں ہوتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔

مسئولہ حافظ میاں جان صاحب، راجا کا سہسپور، مرادآباد

الجواب: اگر زوال کے وقت میں جنازہ آجائے تو اسی وقت نماز جنازہ پڑھ لی جائے، اس میں کوئی کراہت نہیں اور وقت زوال کے گزر جانے کا انتظار نہ کیا جائے، البتہ قبل زوال جنازہ آنے کے باوجود نماز تاخیر سے وقت زوال میں پڑھی جائے تو یہ مکروہ وممنوع ہے۔ درمختار میں ہے۔

> فی التحفة الافضل ان لاتوخرا الجنازة. تحفۃ الفقہاء میں ہے افضل یہ ہے کہ جنازہ کو موخر نہ کیا جائے۔

ردالمحتار میں ہے

> اذا کان الافضل عدم التاخیر فی الجنازة فلا کراهة اصلاً وما فی التحفة اقره فی البحر والنهر والفتح والمعراج لحدیث ثلاث لایوخرن منها الجنازة اذا حضرت. چونکہ جنازہ میں تاخیر نہ کرنا ہی افضل ہے۔ لہذا زوال کے اوقات میں نماز جنازہ میں کوئی کراہت نہیں۔ جو بات التحفۃ

میں کہی گئی ہے، اسی کا اقرار البحر الرائق، النہر، الفتح اور المعراج میں ہے۔ اس حدیث کے سبب اور تین باتوں میں تاخیر نہ کی جائے۔ اسی میں نماز جنازہ ہے۔ اگر آجائے۔

میرے علم میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جمعہ کے دن وقت زوال آتا ہی نہیں، البتہ ایک ضعیف و منقطع حدیث میں (جو مسند امام شافعی علیہ الرحمۃ کی ہے) یہ وارد ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت میں نماز ممنوع نہیں ہے، لیکن ہم احناف کے نزدیک صحیح حدیث جس میں وارد ہے کہ زوال کے وقت ہر نماز منع ہے۔ یہ حدیث ضعیف ناقابل عمل ہے، جس کی تفصیل شامی وغیرہ میں مرقوم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۸۴: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ مسجد میں نماز جماعت اول وقت میں ہونی چاہئے یا درمیانی وقت میں؟

مسئولہ مشتاق احمد صدیقی، ڈالٹین گنج، ضلع پلاموں، ۲۸ رصفر المظفر ۱۳۸۵ھ

الجواب: مسجد ہو یا خارج مسجد، مصلی تنہا نماز پڑھے یا باجماعت، ہر موسم میں صبح کی نماز مطلقاً تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ ظہر کی نماز جاڑے کے موسم میں جلد ادا کرنا اور گرمی کے موسم میں تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ عصر کی نماز ہر موسم میں تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ صرف ابر وغبار سے آسمان آلود ہو تو ایسے دنوں میں عصر کی نماز جلدی پڑھی جائے۔ مغرب کی نماز ہر زمانے میں اول وقت میں جلد تر پڑھنا مستحب ہے۔ ابر وغبار سے آسمان گھرا ہوا ہو تو مغرب کی نماز میں دو تین منٹ تاخیر کی جائے۔ عشاء کی نماز ہر موسم میں کل وقت عشاء کے تین حصے کرنے کے بعد پہلے ثلث (تہائی) کے آخر میں پڑھنا مستحب ہے۔ اگر ابر وغبار اور بارش کے دنوں میں تاخیر کے باعث نمازیوں کی تعداد میں کمی کا خطرہ اور اندیشہ ہو تو عشاء کی نماز کچھ پہلے پڑھی جائے۔ مغرب وعشاء کی نماز کے علاوہ جن اوقات میں تعجیل اور تاخیر کا ذکر کیا گیا ہے تو تعجیل کا مطلب یہ ہے کہ کل وقت کے دو حصے کر کے اوّل حصہ میں نماز ادا کی جائے اور تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ کل وقت کے دو حصے کر کے آخری کے حصہ میں نماز پڑھی جائے۔ البتہ عصر میں غروب آفتاب سے بیس منٹ پہلے پہلے نماز پڑھ لی جائے، چونکہ اس کا آخر وقت تقریباً بیس منٹ وقت مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۴۸ میں ہے۔

یستحب تاخیر الفجر ولا یوخرھا بحیث یقع الشک فی طلوع الشمس بل یسفر بھا بحیث لوظھر فساد صلوته یمکنه ان یعید فی الوقت بقراء ۃ مستحبة کذا فی التبیین ویستحب تاخیر الظھر فی الصیف وتعجیله فی الشتاء ھکذا فی الکافی ویستحب تاخیر العصر فی کل زمان مالم تتغیر الشمس و یستحب تعجیل المغرب فی کل زمان کذا فی الکافی وکذا تاخیر العشاء الی ثلث اللیل وفی یوم الغیم ینور الفجر کما فی حال الصحو ویوخر الظھر لئلا یقع قبل الزوال ویعجل العصر خوفا من ان یقع فی الوقت المکروہ ویؤخر المغرب حذراعن الوقوع قبل الغروب ویعجل العشاء کیلا یمنع مطر او ثلج عن الجماعة ھکذا فی محیط السرخسی ھذا فی الازمنة کلھا. فجر میں تاخیر مستحب ہے،

تاہم اتنی تاخیر نہ کرے کہ سورج نکلنے کا شک ہو جائے۔ بلکہ صرف اجالا ہو جانے دے۔ فجر ادا کرنے کے بعد اتنا وقت بچا رہنا چاہئے کہ اگر نماز میں کوئی فساد آ جائے تو مستحب قرأۃ کے ساتھ اس کا اعادہ ممکن ہو یہی التبیین میں ہے۔ گرمی میں ظہر میں تاخیر مستحب ہے اور جاڑے میں جلدی کرے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔ ہر موسم میں عصر میں تاخیر مستحب ہے۔ اتنی نہیں کہ سورج کا رنگ متغیر ہو جائے۔ مغرب میں جلدی کرنا ہر موسم میں مستحب ہے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔ اسی طرح عشاء میں ایک تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے۔ ابر آلود موسم میں فجر کو روشن ہو جانے دے۔ جیسا کہ صاف موسم میں اسفار مستحب ہے۔ ظہر میں تاخیر کرے تا کہ قبل زوال نماز شروع ہو جانے کا خوف نہ رہے۔ عصر میں جلدی کرے تا کہ وقت مکروہ میں واقع ہو جانے کا ڈر نہ رہے۔ مغرب میں ابر و غبار میں کچھ تاخیر کرے تا کہ یہ شک نہ رہے کہ سورج ابھی غروب ہوا ہے یا نہیں۔ عشاء کی جماعت میں تاخیر نہ کرے۔ تا کہ بارش اور ٹھنڈک جماعت سے نماز پڑھنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ ایسا ہی محیط السرخسی میں ہے۔ تمام موسموں میں یہی حکم ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: سورج نکلنے کے کتنی دیر بعد نماز پڑھی جائے اور وقت سے پہلے پڑھنے پر کیا نقصان ہے؟

مسئولہ بشیر الدین صاحب، خطیب مسجد، سرور کھیڑا، کانتی پور، ضلع نینی تال، ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ

الجواب: اتنی دیر کے بعد پڑھے کہ سورج میں کافی چمک اور دمک پیدا ہو جائے اور بقدر دو نیزے بلند ہو جائے، یہی احوط ہے جس کی مقدار گھڑی کے حساب سے بیس منٹ ہے۔ وقت طلوع سے بیس منٹ گزرنے کے بعد نماز پڑھے۔ اس سے پہلے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۷۱-۲۷۲ میں ہے۔

> **وکره تحريما صلاة ولو قضاء او واجبة اونفلا اوعلى جنازة و سجدة تلاوة وسهو مع شروق.** سورج طلوع ہوتے ہی کوئی نماز، چاہے وہ قضا ہو، واجب ہو، نفل ہو یا نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ سہو ہو مکروہ تحریمی ہے۔

مراقی الفلاح ص ۱۰۹ میں ہے۔

> **لا يصح فيهما شئى (عند طلوع الشس الى ان ترتفع) قدر رمح او رمحين.** جب تک سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ کے برابر بلند نہ ہو جائے کوئی نماز صحیح نہیں۔

غنیۃ المستملی مجیدی ص ۲۲۴ میں ہے۔

> **واذاطلعت الشمس حتى ارتفعت قدر رمحين او قدر رمح تباح الصلوة.** سورج طلوع ہونے کے بعد ایک نیزہ یا دو نیزہ مقدار اوپر آ جائے اس وقت سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۶: طلوع آفتاب کے کتنی دیر بعد نماز ادا کر سکتے ہیں؟

مسئولہ جناب محمد جمال صاحب رضوی، محلہ ڈیریا، مراد آباد

الجواب: آفتاب کے بقدر ایک یا دو نیزہ بلند ہو جانے پر نماز ادا کرنا چاہئے۔ جس کی مقدار گھڑی کی مقدار سے بیس

منٹ ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۰۹ میں ہے۔

اولها عند طلوع الشمس الى ان ترتفع و تبيض قدر رمح اورمحين. اس کی ابتدا طلوع شمس سے خوب سفیدی آجانے یعنی بمقدار ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہوجانے تک ہے۔ **واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: جس شخص کو صرف فرض فجر ملا کیا وہ طلوع آفتاب کے قبل صبح کی سنتیں پڑھ سکتا ہے؟

مسئولہ منشی خدا بخش صاحب، سنبھل ضلع مرادآباد، ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

الجواب: جو شخص قبل فرض فجر سنت فجر نہ پڑھ سکا وہ بعد فرض قبل طلوع آفتاب سنتِ فجر نہیں پڑھ سکتا، مکروہ وممنوع ہے۔ ہاں طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد سے نصف النہار شرعی تک یعنی ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے اگر چاہے تو سنت فجر پڑھ لے، اس میں ثواب ضرور ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رمضان المبارک میں نماز فجر اندھیرے میں پڑھنا اور فوراً سوجانا جائز بتاتے ہیں، بلکہ علماء کا فعل بتاتے ہیں۔ حالانکہ بہار شریعت میں درست نہیں لکھا ہے؟

رتن پورہ سادات ڈاکخانہ سوار، ضلع رامپور، ۶ر رجب ۱۳۸۷ھ چہارشنبہ

الجواب: نماز فجر کا وقت ہوجانے کے بعد اگر اذان و جماعت اول وقت کے اندر اندھیرے میں رمضان ہو یا غیر رمضان کہی جائے اور ادا کی جائے تو یقیناً بلاشبہ نماز صحیح ودرست ہوگی۔ حنفی مسلک میں خلاف مستحب ہے، چونکہ مستحب اسفار ہے۔ رمضان میں اس لیے وقت غیر مستحب میں جماعت کرلی جاتی ہے کہ سحری کے بعد سونے سے اکثر نماز قضا ہی ہوجاتی ہے۔ لہذا قضا ہونے سے یہ افضل ہے کہ اول وقت میں خلاف مستحب جماعت کرلی جائے۔ نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد سونا بھی صحیح وجائز ہے، بہار شریعت میں اس اذان و نماز کو غیر صحیح بتایا گیا ہے جو وقت سے پہلے فجر کاذب میں ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: اس کائنات میں ایسے مقام بھی ہیں جہاں چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن ہوا کرتے ہیں۔ ایسی جگہ میں نماز روزہ کی ادائیگی کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ برفانی مقامات پر کس طرح نماز ادا کریں؟

مسئولہ مولوی محمد شہاب الدین صاحب، قصبہ جلال آباد، ضلع شاہجہان پور، ۱۸ر جولائی ۱۹۶۹ء

الجواب: جہاں چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن ہوتے ہیں وہاں تمام نمازیں فرض ہیں۔ جن نمازوں کا وقت ملے وہ وقت پر پڑھیں اور جن کا وقت نہ ملے ان کو بھی پڑھیں۔ وقت پر نماز ادا ہوگی اور خلاف وقت میں قضا ہوگی۔ بعض وقت نماز وہاں حقیقۃً نہیں ہوتی ہے بلکہ تقدیراً مانی جائے گی جب سے مسلسل رات شروع ہوگی، روزانہ اسی وقت گھڑی کے وقت کے مطابق مغرب کی نماز اور تقریباً پونے دو گھنٹے بعد عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ پھر تقریباً نو دس گھنٹے گزار کر صبح کی نماز، پھر تقریباً گھنٹے گزار کر ظہر کی نماز، پھر ڈیڑھ گھنٹے گزار کر عصر کی نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح جب سے مسلسل دن شروع ہوگا اس وقت سے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر فجر کی نماز ادا کرے۔ پھر نو دس گھنٹے کے بعد ظہر کی نماز پھر دو ڈھائی گھنٹے کے بعد عصر کی نماز

ادا کرے۔ پھر دو گھنٹے کے بعد مغرب کی نماز، پھر دو گھنٹے کے بعد عشا کی نماز پڑھے۔ پھر سات آٹھ گھنٹے تقریباً گزار کر فجر کی نماز پڑھے۔ اگر برفانی علاقہ میں بھی برف کی بھاپ کی وجہ سے مسلسل دن رات کا اعتبار نہ ہوتا ہو تو یہی طریقہ اختیار کرے، یہ جواب شامی اور طحطاوی علی الدر المختار کی عبارتوں کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب الاذان والاقامة (اذان واقامت کا بیان)

مسئلہ ۹۰: باادب عرض ہے کہ نماز کے وقت مقررہ پر اگر اذان پندرہ بیس منٹ یا تیس منٹ پہلے پڑھی جائے تو وہ تسلیم کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ اسی اذان سے نماز قائم کی جائے یا دوبارہ نماز کے لئے اذان پڑھی جائے اور یہ بھی تحریر ہو کہ نماز عشاء کا ٹائم جو موجودہ ماہ اور تاریخ پر ٹائم ٹیبل میں مندرج ہے، اگر اس سے اذان ایک دو منٹ پہلے کسی مؤذن نے پڑھی تو وہ عشاء کی نماز اسی اذان سے ادا کریں یا اذان دوبارہ مطابق ٹائم ٹیبل کے پڑھی جائے اور اگر وقت پر دوبارہ اذان پڑھی تو کچھ کراہت تو نہیں؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم صاحب نعیمی اشرفی، رتن پور کلاں، ضلع مرادآباد، ۷ جولائی ۱۹۸۱ء

الجواب: وقت نماز ہو چکا ہو تو جو اذان وقت نماز کے اندر ۱۰ منٹ یا ۱۵ منٹ یا آدھ گھنٹہ پہلے کہی جائے وہ اذان معتبر ہے۔ پھر دوبارہ اذان کہنے کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے اور جو اذان وقت نماز شروع ہونے سے پہلے ۱۰ یا ۵ منٹ کہی گئی شرعاً معتبر نہیں۔ وقت شروع ہونے پر دوبارہ اذان کہی جائے۔ دوبارہ اذان کہنے میں ایسی صورت میں کوئی کراہت نہیں بلکہ ادائے سنت بغیر دوبارہ اذان کہے نہ ہوگی۔ خواہ عشاء کی اذان ہو یا اور کسی وقت کی اذان ہو۔ سب کا یہی حکم ہے۔ وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۱: ہمارے یہاں اکثر مساجد میں فجر کی اذان طلوع صبح صادق سے قبل ہو جاتی ہے تو وہ اذان فجر کی نماز کے لیے کافی ہے یا نہیں یا دوبارہ اذان کہنا چاہئے؟

مسئولہ منشی احمد جان، مدرس مدرسہ اسلامیہ خازن العلوم، قصبہ ڈرھیال، ضلع رامپور

الجواب: صبح صادق میں اذان دوبارہ کہی جائے اذان اول کافی نہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۴ میں ہے۔

وسببه دخول الوقت وهو شرطه. سبب اذان وقت کا داخل ہو جانا ہے اور یہ شرط ہے

ہدایہ جلد اوّل ص ۷۴ میں ہے۔

ولا یوذن لصلوة قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت لقوله علیه الصلوة والسلام لبلال لاتؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا. ملخصا کسی نماز کی اذان دخول وقت سے پہلے نہ کہی جائے۔ اگر کہہ لی گئی تو دوبارہ کہی جائے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے حضرت بلال سے فرمایا ''جب تک فجر کا وقت ظاہر نہ ہو جائے، اذان نہ کہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۲: اذان واقامت میں شہادتین کے وقت انگوٹھا چومنا کیسا ہے؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب عنایت فرمائیں۔

دھرمپور، پوسٹ برنپور، ضلع بردوان

الجواب: اذان و اقامت میں بوقت اشهد ان محمدا رسول ا لله، انگوٹھے کا چومنا مستحب و مستحسن ہے۔ اس سے روکنا اور اس کو منع کرنا اور بدعت بتانا وہابیہ دیابنہ کا شعار ہے۔ ردالمحتار مصری جلد اول ص ۲۹۳ میں ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادۃ صلی الله علیک یا رسول الله وعند الثانیة منها قرۃ عینی بک یا رسول الله یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه الصلوٰۃ والسلام یکون قائدا له الی الجنة کذا فی کنز العباد، اھ، قهستانی ونحوه فی الفتاویٰ الصوفیه وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابهامیه عند سماع اشهد ان محمدارسول الله فی الاذان انا قائده ومد خله فی صفوف الجنة. مستحب یہ ہے کہ پہلی شہادت کے سننے کے وقت کہا جائے ''**صلی الله علیک یا رسول الله**(آپ پر اللہ کی رحمت ہوا ے اللہ کے رسول) اور دوسری شہادت کے وقت ''**قرۃ عینی بک یا رسول الله**'' (اے اللہ کے رسول آپ سے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) پھر کہے ''**اللهم متعنی بالسمع والبصر**'' (اے اللہ مجھے سننے اور دیکھنے کی نعمت سے نواز) دونوں انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھنے کے بعد...... کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جنت تک ان کی قیادت کریں گے۔ ایسا ہی کنز العباد قہستانی وغیرہ فتاوی صوفیہ میں ہے۔ اور کتاب الفردوس میں ہے ''جس نے اذان کے اندر اشهد ان محمد ارسول الله سننے کے وقت اپنے انگوٹھوں کو بوسہ دیا، میں اس کا قائد ہوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔ والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۳: اقامت میں محمد رسول الله کے وقت انگوٹھا آنکھوں میں لگا کر چومنا کیسا ہے؟ (واجب یا سنت یا مستحب یا مباح) مع حوالہ حدیث یا فقہ تحریر فرمائیں اور اگر ہے تو کیونکر ہے، اس کے اندر کیا نکتہ ہے، اور اس کو واجب یا سنت سمجھنے والا کیسا ہے؟ جواب صاف صاف تحریر فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔

مسئولہ اطہر علی، محلہ پیرزادہ، مرادآباد، ۲؍دسمبر ۱۹۶۳ء

الجواب: اقامت میں بھی اشهد ان محمد رسول الله کہتے وقت انگوٹھے یا شہادت کی انگلی کو آنکھوں سے لگا کر چومنا مستحب ہے۔ اذان کے متعلق تو صریح حدیث آئی ہے، اور فقہائے کرام نے اقامت کو مثل اذان کہا ہے۔ اس کو واجب یا سنت موکدہ سمجھنے والا غلطی پر ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۲۲ میں ہے۔

ذکر القهستانی عن کنز العباد انه یستحب ان یقول عند سماع الاولیٰ من الشهادتین للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم صلی الله علیک یا رسول الله وعند سماع الثانیة قرۃ عینی بک یا رسول الله، اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ابها میه علیٰ عینیه فانه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یکون قائد اله فی الجنة و ذکر الدیلمی فی الفردوس من

حديث ابی بكر الصديق رضی الله تعالىٰ عنه مرفوعاً من مسح العين بباطن انملة السبابتين بعد تقبيلهما عند قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله وقال اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضيت بالله رباو بالاسلام دينا و بحمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نبيا حلت له شفاعتی و كذاروی عن الخضر عليه السلام وبمثله يعمل فی الفضائل.

القهستانی نے کنز العباد سے ذکر کیا ''مستحب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہلی شہادت کے وقت کہے ''صلی الله علیک یارسول الله'' اور دوسری شہادت سننے کے بعد انگوٹھوں کو آنکھوں سے لگائے اور کہے ''اے اللہ کے رسول آپ ہی سے میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اے اللہ! مجھے سننے اور دیکھنے کی نعمت سے نواز دے۔ رسول اللہ ﷺ جنت میں اس کے قائد ہونگے۔ الدیلمی نے الفردوس میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ''جب موذن ''اشهدان محمدارسول الله'' کہے تو جس نے اپنے سُبابہ (شہادت کی انگلی) کے اندرونی حصے کو چوم کر آنکھوں سے لگالیا اور یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہا میں اللہ سے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ ایسا ہی حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے اور باب فضائل میں اس طرح کی روایت پر عمل کیا جائے گا۔

درمختار مصری جلد اول ص ۲۸۴ میں ہے۔

والاقامة كالاذان. اور اقامت بھی اذان ہی کی طرح ہے اسمیں بھی انگوٹھا چومنا چاہئے۔ **والله سبحانه وتعالىٰ اعلم.**

نوٹ:- اس مسئلہ کی مکمل تفصیل وتحقیق امام اہل سنت اعلحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے رسالہ مبارکہ ''نهج السلامه'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ ۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داڑھی منڈے نے اگر اذان دی تو اس کا لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

مسئولہ شبیر احمد، ۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۸ء

الجواب: داڑھی منڈانے والا فاسق ہے۔ اس کی اذان قول صحیح اور اصح وراجح پر مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اس کی اذان کا لوٹانا ضروری بمعنی واجب نہیں بلکہ اس کی اذان کا لوٹانا مندوب ومستحب ہے۔ ردالمحتار مصری اول ص ۲۸۹ میں ہے۔

(قوله و يعاد اذان جنب الخ) زاد القهستانی والفاجر والراكب والقاعد والماشی والمنحرف عن القبلة وعلل الوجوب فی الكل بانه غير معتد به والندب بانه معتدبه الاانه ناقص قال وهو الاصح كما فی التمر تاشی (ان کا قول جنبی کی اذان لوٹائی جائے) قہستانی نے اس میں فاجر، سوار، بیٹھا ہوا، چلتا ہوا اور قبلہ سے منحرف کا بھی اضافہ کیا۔ اور ان سب کے متعلق وجوب

کی یہ علت بیان کی کہ اس اذان کا کوئی شمار و اعتبار ہی نہیں۔ اور اعادہ مستحب ہونے کی علت یہ بیان کی کہ اس اذان کا اعتبار تو ہے لیکن بہرحال ناقص ہے۔ کہا کہ یہی صحیح ہے، جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔

اسی کے ص ۲۹۰ میں ہے۔

فباعتبار هذه الحيثية صارت الشروط المذكورة كلها شروط كمال لان المؤذن الكامل هو الذى تقام باذانه الشعيرة ويحصل به الاعلام فيعاداذان الكل ندبا على الاصح كما قد مناه من القهستاني. لہٰذا اس حیثیت کا اعتبار کر کے مذکورہ تمام شروط، شروط کمال کے درجہ میں آ گئے۔ کیونکہ مؤذن کامل وہی ہے جس کی اذان سے شعار اسلامی کا قیام ہو اور مقصدِ اعلان بھی پورا، لہٰذا صحیح مذہب کے مطابق ان سب کی اذان کا لوٹانا مستحب ہے، ضروری نہیں۔ جیسا کہ ہم قہستانی سے پیش کر چکے ہیں۔

طحطاوی علی الدرالمختار مصری جلد اوّل ص ۱۸۷ میں ہے۔

والظاهر ان الكراهة على القول بالوجوب تحريمية وعلى القول بالندب تنزيهية ظاهر يه ہے کہ وجوب کے قول کی بنیاد پر کراہت تحریمی ہے اور مستحب کے قول کی بنیاد پر تنزیہی ہے۔

اسی میں ہے۔

ولا يعاد اذان محدث ولا اقامة وكذا الفاسق كما فى الهنديه ية خلافالما بحثه فى البحر. بے وضو اور فاسق کی اذان و اقامت لوٹانا ضروری نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ البحر میں جو بحث ہے، وہ اس کے خلاف ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۵۰ میں ہے۔

ويكره اذان الفاسق ولا يعاد هكذا فى الذخيرة. فاسق کی اذان مکروہ ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہی الذخیرہ میں ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۶۴ میں ہے۔

ولہٰذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۵: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کیا داڑھی منڈا اذان پڑھ سکتا ہے، تکبیر کہہ سکتا ہے، نماز پڑھا سکتا ہے۔ ان حالات میں جب کہ داڑھی والے موجود ہوں۔

(۲): وہ داڑھی والوں سے زیادہ علم رکھتا ہو اور داڑھی والے ان پڑھ ہوں اور ان کی صحت لفظی بھی درست یا قابل اعتبار نہ ہو؟

مسئولہ ذاکر مصطفیٰ بی، اے، ادیب کامل، یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ

الجواب: (۱) و (۲): داڑھی منڈانے والا شخص فاسق معلن ہے اور فاسق کی اذان و اقامت مکروہ مؤذن و مکبر کو پابند

شرع ہونا چاہئے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں داڑھی رکھنے والوں کے ہوتے ہوئے داڑھی منڈانے والا نہ اذان کہے اور نہ تکبیر، بلکہ داڑھی منڈا اگر اذان کہہ دے تو مستحب یہ ہے کہ اذان دوبارہ لوٹائی جائے۔ درمختار ہاشمی ص ۶۰۰ میں ہے۔

یحرم علی الرجل قطع لحیتہ ''مرد پر اپنی داڑھی کاٹنا حرام ہے۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۸۸ میں ہے۔

ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لااذانہ علی المذھب واذان امرأۃ وخنثی وفاسق ولوعالما ویعاد اذان جنب ندبا وقیل وجوبالااقامتہ وکذایعاد اذان امرأۃ ومجنون ومعتوہ وسکران وصبی لایعقل قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات، ''جنبی کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔ بے وضوء کی اقامت مکروہ ہے، نہ کہ اس کی اذان...... عورت، مخنث، مجنون اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔ اگر چہ کہ عالم ہو جنبی کی اذان کا لوٹانا مستحب ہے۔ ایک قول میں واجب ہے۔ اقامت کا لوٹانا واجب نہیں۔ اسی طرح عورت، جنون، کم عقل، نشہ میں مخمور اور نا سمجھ بچہ کی اذان لوٹائی جائے۔ میں نے کہا ''اور کافر اور فاسق کی اذان'' کیونکہ دیانات میں ان کا مقبول نہیں۔'' (ملخصاً)۔

ردالمحتار ص ۲۸۹ میں ہے۔

فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح، ''سب کی اذان صحیح مذہب کے مطابق مستحب یہ ہے کہ لوٹائی جائے''۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان و اقامت کے پہلے درود شریف کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اس کو حرام و ناجائز یا بدعت بتائے تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ زید کہتا ہے کہ چونکہ اس کی ایجاد بعد زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہوئی، اس لیے یہ فعل ناجائز ہے۔ جواب سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ مولانا محمد صدیق شاہ الخاطب بہ نور اللہ شاہ، خانقاہ عالیہ سبحانیہ، املی باغ بلہاری، ۶ر جولائی ۱۹۶۲ء

الجواب: بعض اوقات میں درود شریف کا پڑھنا مکروہ وممنوع ہے، جیسے وقت جماع اور پیشاب و پاخانہ کے وقت خطبہ کے وقت، ذبیحہ کے وقت، سماع قرآن کریم کے وقت۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی اس قسم کے بعض اوقات میں درود شریف کا پڑھنا مکروہ وممنوع ہے۔ فقہائے کرام نے ایسے تمام اوقات کی تفصیل بیان فرمادی ہے۔ ان اوقات مکروہہ وممنوعہ کے علاوہ جملہ اوقات مشروعہ میں درود شریف کا پڑھنا مسنون ومستحب ہے لہٰذا قبل اذان اور قبل اقامت بھی درود پاک کا پڑھنا مسنون ومستحب ہے، چونکہ اذان و اقامت کے پہلے درود پاک پڑھنے کی کراہت وممانعت کہیں وارد نہیں ہوئی، نیز جس طرح اذان واقامت اعلام غائبین وحاضرین کا ذریعہ اور نمازیوں کے بلانے کا وسیلہ ہے، اسی طرح اذان واقامت ذکر خیر بھی ہے اور ہر ذکر خیر سے پہلے درود شریف کا پڑھنا مسنون ومستحب ہے، لہذا اذان واقامت سے بھی پہلے درود شریف کا پڑھنا مسنون ومستحب ہے۔

جو شخص اس کو حرام و ناجائز اور بدعت بتاتا ہے، وہ جاہل و نابلد ہے اور امر مندوب و مستحب کو حرام و بدعت بتا کر اور ناجائز کا حکم لگا کر اپنی جہالت و بطالت اور گمراہی و ضلالت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے جو بغیر علم کے فتویٰ اور حکم شرع صادر کرے، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ بروز قیامت آگ کی لگام اس کے منہ میں ڈالی جائے گی۔

دور حاضر میں اس قسم کے امور حسنہ کو روکنا اور منع کرنا وہابیہ دیابنہ کا شعار اور طائفہ نجدیہ کی علامت ہے۔

زید کا اس کی ممانعت کی دلیل میں یہ کہنا کہ "اذان و اقامت سے پہلے درود پاک کا پڑھنا زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ایجاد ہوا۔ اس لیے یہ فعل ناجائز ہے۔ زید کا یہ استدلال غلط و باطل اور لغو مہمل ہے، چونکہ آج جس طرح پر دار العلوم دیوبند چودھویں صدی میں قائم ہوا ہے اور اس میں تعلیم کے جتنے طریقے رائج ہیں تو بقول زید یہ دار العلوم دیوبند اور اس کے جملہ طرق تعلیم کو ناجائز ہونا چاہئے، اس لیے کہ زمانہ صحابہ کے بہت بعد چودھویں صدی میں اس ادارہ کا ایجاد ہوا اور زید کو سب سے پہلے پھاوڑا اور کدال لے کر اس ادارہ کو ڈھانا چاہئے، اور اس اساسِ بدعت کو نیست و نابود کر دینا چاہئے۔

نیز حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو بعد کی نئی ایجادات کے لیے ایک قاعدہ ارشاد فرمایا ہے کہ

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شئی ومن سن فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اوزارهم شئی (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم)۔ جس نے اسلام میں کسی اچھے طریقے کی ایجاد کی تو اسے اس ایجاد کرنے کا ثواب ہوگا، ساتھ ہی جو اس پر عمل کریگا، اس کا بھی ثواب اسے ملیگا۔ اور عمل کرنے والوں کے ثوابوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے اسلام کے اندر کسی برے طریقے کی ایجاد کی تو اس پر اس کا وبال ہوگا اور جن جن لوگوں نے اس برے طریقے پر عمل کیا، اس کا وبال بھی اس موجد پر ہوگا۔ اور عمل کرنے والوں کے وبال میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اس ارشاد گرامی سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی امر حسن کا ایجاد ہوا تو وہ صحیح و جائز ہے اور اس پر اجر و ثواب مرتب ہوگا اور اگر کوئی امر مذموم ایجاد کرے گا تو وہ ممنوع اور ناجائز ہوگا، اور اس پر عذاب و عتاب مرتب ہوگا۔ شامی مصری جلد اول ص ۳۸۱ و ۳۸۲ میں ہے۔

قولہ (ومستحبة فی كل اوقات الامكان) ای حيث لامانع و نص العلماء علی استحبابها فی مواضع يوم الجمعة وليلتها وعند الاقامة واول الدعاء واوسطه وآخره وعند ذكر (ملخصاً) ان کا قول (درود مستحب ہے ہر غیر مکروہ وقت میں) یعنی جہاں کوئی شرعی مانع نہ ہو۔ علماء نے فرمایا ہے کہ کئی مواقع پر درود شریف مستحب ہے۔ خطبہ کے وقت، جمعہ کے دن میں اور رات میں اقامت کے وقت، دعاء کے شروع میں، اس کے درمیان میں اور اس کے اخیر میں بھی نیز اللہ کے ذکر کے وقت۔

درمختار مصری ص ۲۲۸ میں ہے۔

ومستحبة فی كل اوقات الامكان، ہر جائز اوقات میں درود شریف مستحب ہے۔

اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے۔

ای الخالیة عن الکراهة یعنی جو کراہت سے خالی ہو۔ واللہ وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داخل مسجد اذان کا ہونا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟

مسئولہ محمد لئیق احمد صاحب اشرفی محلہ کوٹ غربی سنبھل، ۱۴ ارذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

الجواب: علمائے کرام نے کراہت لکھی ہے اور اسے مطلق رکھا اور مطلق کراہت اکثر کراہت تحریمی پر محمول ہوتی ہے۔ سید عالم رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان دروازۂ مسجد پر ہوا کرتی تھی اور کبھی نہ حضور سے منقول، نہ خلفائے راشدین سے ثابت ہے کہ مسجد کے اندر اذان کہلوائی ہو اور عادت کریمہ تھی کہ مکروہ تنزیہی کو بیان جواز کے لئے کبھی اختیار فرماتے۔

عن ابن شهاب اخبرنی السائب بن یزید ان الاذان کان اوله حین یجلس الامام علی المنبر یوم الجمعة فی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وابی بکروعمرفلماکان خلافة عثمان وکثرالناس امرعثمان یوم الجمعة بالاذان الثانی فاذن به علی الزوراء فثبت الامرعلی ذالک. ابن شہاب سے روایت ہے۔ مجھے سائب بن یزید نے خبر دی کہ شروع شروع میں جمعہ کی اذان اس وقت کہی جاتی تھی جب امام ممبر پر بیٹھتے تھے۔ یہ نبی کریم رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ تک برقرار رہا۔ جب حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ آیا اور ازدحام زیادہ ہونے لگا آپ نے جمعہ کی اذان ثانی کا حکم دیا۔ تو کمان کے پاس سے اذان دی گئی۔ چنانچہ معاملہ اذان اسی پر ثابت ہوگیا۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل صفحہ ۹۲ میں ہے۔

ولایؤذن فی المسجد کذافی فتاویٰ قاضیخان. مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۸: ایک شخص کو دو مسجدوں میں ایک ہی وقت کی اذان دینی جبکہ دوسری جگہ اذان دینے والا موجود ہو، صرف ثواب کی نیت سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ تہور حسین صاحب، ڈریا، مرادآباد، یکم محرم الحرام ۱۳۸۸ھ

الجواب: مکروہ وممنوع ہے ...... واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۹۹: اذان کے بعد جو مروّجہ دعا پڑھی جاتی ہے، اس کا پڑھنا سنت ہے یا نفل۔ شریعت طاہرہ کی روشنی میں دلائل ظاہرہ باہرہ قطعیہ سے جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ صغیر احمد، موضع نانکار، ضلع مرادآباد، یکم ستمبر ۱۹۶۹ء

الجواب: اس دعاء کا پڑھنا مستحب ہے۔ درمختار میں ہے۔

ویدعو عند فراغہ بالوسیلۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان سے فراغت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لے کر دعاء کرے۔

طحطاوی علی الدر جلد اول ص ۱۸۸ میں ہے۔

(قولہ ویدعوا) ای ندبا، (ان کا قول دعاء کرے) یعنی مستحب سمجھتے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰: (۱): جب مؤذن اذان پڑھ کر خاموش ہوجاتا ہے تو بعد اس کے دعاء پڑھی جاتی ہے تو اس کو ہاتھ اٹھا کر پڑھنا کیسا ہے۔

مسؤلہ محمد صابر، امام مسجد بڑھیا والی، محلہ کسرول، مراد آباد، ۸؍ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ

الجواب: ہر وہ دعاء کہ جس میں کسی خاص ہیئت کی پابندی شرعاً مطلوب نہ ہو اس کے لئے طریقہ بہتر اور احسن یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو سینے کے مقابل پھیلا کر کلمات دعاء پڑھے جائیں۔ خلاصہ یہ کہ مطلقاً ہر دعاء کیلئے دونوں ہاتھوں کا اٹھانا مسنون و مستحب ہے۔ لہٰذا اذان کے بعد کی دعاء میں بھی اس کی پابندی شرعاً جائز و مباح اور محبوب و محمود ہے۔ قال رسول اللہ تعالیٰ علیہ و سلم اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولاتدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما و جھک۔ "رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور جب بارگاہ الٰہی میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو ہتھیلی کے باطنی حصے سے دعاء کرو، ظاہری حصے سے نہیں اور جب دعاء مانگ لو تو دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لو"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱: گذارش یہ ہے کہ ہم لوگ پانچوں وقت کی نماز میں نمازیوں کے واسطے اذان سے قبل پابندی کے ساتھ نقارہ بجا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر دنیا میں کہیں اور بھی ایسا ہوتا ہو تو اس کی بھی نظیر پیش کی جاوے؟

مسئولہ حافظ محمد حسین نعیمی، بہالی کسر و تعلقہ ڈلاری، ضلع مراد آباد، ۱۱؍ اگست ۱۹۶۹ء

الجواب: نمازیوں کے جمع کرنے کے لیے نقارہ ہرگز نہ بجایا جائے، اذان کی ابتداء ایسے ہی موقع پر ہوئی تھی کہ بعض صحابہ نمازیوں کے جمع کرنے کے لیے ناقوس بجانا چاہتے تھے اور بعض لوگ آگ جلانا چاہتے تھے، تو بذریعۂ ملک (فرشتہ) اذان کو خواب میں دکھایا گیا، لہٰذا اذان سے قبل نمازیوں کے جمع کرنے کے لئے اذان کے علاوہ نقارہ بجا کر اذان کی شرعی حیثیت کو کم نہ کیا جائے۔ میرے علم میں قبل اذان نمازیوں کو مطلع کرنے کے لیے نقارہ بجانے کی بات کسی کتاب میں نہیں ہے اور نہ کبھی کسی جگہ کے لیے میں نے سنا، نہ کہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو اذان کے لیے کہا جائے، جس کی آواز کافی بلند ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیک وقت چند آدمی اذان دیں کہ سارے محلّہ اور گاؤں میں آواز پہونچے، نیز اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بھی جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ نقارہ بجانا اس مقصد کے لئے شریعت کے خلاف غیر مشروع طریقہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲: (۱): این مسئلہ چیست کہ ایک شخص اذان پڑھتا ہے، جس کی داڑھی خشخشی یعنی کتروا تا ہے، اور اذان میں اشھد ان کی جگہ اشھد الا پڑھتا ہے، یعنی نون کی جگہ لام پڑھتا ہے، اس کو درست بھی نہیں کرتا اور داڑھی بھی شرع کے مطابق نہیں کرتا اور جو لوگ پڑھے لکھے اور باشرع ہیں ان کو نہیں پڑھنے دیتا، کیا ایسے شخص کی اذان درست ہے یا نہیں؟

(۲): اذان غلط ہونے پر کیا اہل محلہ یعنی جہاں تک اذان کی آواز جائے کچھ عتاب خداوندی ہوگا یا نہیں؟

مسئولہ نور الٰہی، محلہ مہیش پورہ کاشی پور، ضلع نینی تال، ۱۳ر نومبر ۱۹۷۳ء

الجواب: (۱): داڑھی کا کٹوانا اور حد شرع سے کم کرانا یا کرنا گناہ و فسق ہے۔ شخص مذکور فاسق ہے، اس سے اذان نہ کہلوائی جائے۔ اذان کا مقصد وقت نماز ہونے کی خبر دینا ہے۔ شرعاً یہ بات حاصل نہیں ہوتی ہے، چونکہ شرعاً فاسق کی خبر کا اعتبار نہیں۔ البتہ اقامت شعار کا کام ہوجاتا ہے۔ شخص مذکور کو اذان کہنے سے روک دیا جائے۔ اگر یہ فاسق اذان کہدے تو مستحب ہے کہ دوسرا صالح و متقی شخص دوبارہ اذان کہے۔ خلاصہ یہ کہ شخص مذکور کی اذان ہوجاتی ہے لیکن فسق کے باعث قابل اعتبار لائق اعتماد نہیں ہوتی، لہٰذا اذان کا دوبارہ لوٹانا مستحب ہے۔ **اشهد ان لا اله الا الله** میں نون کو لام سے بدل کر پڑھنا صحیح ہے۔ عربی قاعدہ سے لام کو ادا کرنا درست ہے۔ نون کو ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔ **و اللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): اگر کوئی غلط اذان پڑھے تو اس کا وبال اذان پڑھنے والے پر ہوگا۔ سارے محلہ اور بستی والے پر اس غلطی کا کوئی عتاب نہ ہوگا۔ **و اللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بیٹھ کر تکبیر سننے پر اعتراض کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں ہرگز ہرگز اس فعل کو تسلیم نہیں کروں گا، کیونکہ میں نے آج تک بیٹھ کر تکبیر سنتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، لہٰذا آنجناب سے استدعا ہے کہ دلیل شرعی سے مدرسہ کی مہر کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے؟

مسئولہ حافظ امداد حسین، محلہ ڈپٹی گنج، مراد آباد، ۱۴ر جولائی ۱۹۵۳ء

الجواب: جب امام محراب میں یا اپنے مصلیٰ پر ہو یا محراب اور اپنے مصلیٰ کے قریب ہو اور مقتدی بھی موجود ہوں تو ایسی صورت میں امام و مقتدی سب اس وقت نماز باجماعت کے لیے کھڑے ہوں جب تکبیر و اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے، یہی مستحب ہے اور تکبیر و اقامت کی ابتدا سے سب کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، اسی طرح صورت مذکورہ میں تکبیر و اقامت شروع کرنے کے بعد اگر کوئی نمازی آجائے تو وہ بھی بیٹھ جائے اور کھڑا ہو کر انتظار نہ کرے۔ کھڑے ہو کر انتظار کرنا بھی مکروہ ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۶ میں ہے۔

> (و)من الادب (القيام) اى قيام القوم والامام ان كان حاضرا بقرب المحراب (حين قيل) اى وقت قول المكبر (حي على الفلاح) لانه امر به فيجاب، یعنی ادب میں سے یہ بات ہے کہ مقتدی اور امام اگر محراب سے قریب ہو تو دونوں مکبر کے حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوجائیں۔ اس لیے کہ قول حی الفلاح میں نماز کی دعوت دی جاتی ہے، لہٰذا اس کی اجابت کرنا چاہیے، (کھڑا ہونا چاہیے) (منہ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۶ میں ہے۔

> واذا اخذ المؤذن فى الاقامة ودخل الرجل المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كما فى المضمرات قهستانى ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون،

یعنی مؤذن نے جب اقامت شروع کی اور کوئی شخص داخل مسجد ہوا تو تحقیق وہ شخص بیٹھ جائے کھڑا ہو کر انتظار نماز نہ کرے اس لیے کہ یہ (کھڑے ہو کر انتظار کرنا) مکروہ ہے، ایسا ہی مضمرات میں لکھا ہے اور اس سے ہی ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے کی کراہت معلوم ہوئی، لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں، (شروع سے کھڑے ہو جاتے ہیں)۔(منہ)

درمختار ہاشمی ص ۵۴ میں ہے۔

(والقیام)لامام و موتم حین قیل حی علی الفلاح خلافالزفر فعنده عندحی علی الصلوٰة، ابن کمال ان کان الامام بقرب المحراب ... الخ امام ومقتدی کے لیے کھڑا ہونا اس وقت بہتر ہے، جب **حی علی الفلاح** کہا جائے۔ اس میں امام زفر کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک **حی علی الصلوٰۃ** کے وقت کھڑا ہونا چاہئے......

اس مسئلہ کے منکر کا انکار کی دلیل میں یہ کہنا کہ میں نے آج تک بیٹھ کر تکبیر سنتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ شرعاً ہرگز قابل اعتبار نہیں اور عوام کا کسی فعل کو دیکھنا یا نہ دیکھنا اس فعل کے جواز وعدم جواز کی دلیل شرعی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے فقہاء اس مسئلہ کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ **والناس عنه غافلون** یعنی لوگ اس مسئلہ کے حکم سے غافل ہیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لکھنؤ کی بعض مساجد میں یہ طریقہ ہے کہ امام ونمازی اپنی اپنی جگہ قبل نماز صف بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اذان کے بعد جب موذن اقامت میں **حی علی الصلوٰۃ** کہتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب **قدقامت الصلوٰۃ** کہتا ہے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ جس سے بعض نمازی متوحش ہیں کہ یہ تو نئی بات (بدعت) ہے۔ امام نے بتایا کہ یہ طریقہ مستحب ہے اور دین کی مستند ومعتبر کتابوں میں تحریر ہے۔ لیکن وہ مطمئن نہیں ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعی امام مذکور کا یہ کہنا صحیح ہے؟ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ عبداللہ، لکھنؤ، ۱۲رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ، دوشنبہ

الجواب: بلاشبہ امام صاحب کا قول صحیح وصواب اور متوحش کا توحش محض بیجا اور بیکار ہے۔ نماز پنجگانہ وجمعہ میں طریقہ مستحب یہی ہے کہ اگر امام پہلے ہی سے محراب میں یا اپنی جائے نماز پر یا محراب یا جائے نماز کے قریب بیٹھا ہو تو اقامت کہنے والا جب **حی علی الفلاح** کہے تو کھڑا ہو، اسی طرح مقتدیوں کو خواہ پہلے ہی سے موجود ہوں، یا درمیان اقامت میں شامل ہوئے ہوں، **حی علیٰ الفلاح** ہی کے وقت کھڑا ہونا چاہیے۔ ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا بلاتخصیص امام ومقتدی مکروہ وخلاف ادب ہے، عموماً لوگ اس سے غافل ہیں اور طریقہ صحیحہ کو اختیار کرنے اور تعلیم دینے والے کو "نئی بات اور بدعت" کا موجد قرار دیتے ہیں۔

حوالجات اس مسئلہ کے از بس کہ کثیر ہیں، لیکن یہاں صرف چند کتابوں کی عبارت سے مختصر ترجمہ وتوضیح پیش کرتا

ہوں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۶ میں ہے۔

(و) من الادب (القیام) ای قیام القوم .... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۰۳... میں دیکھیں)۔

اسی کے ماتحت طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

واذا اخذالمؤذن .... (پوری عبارت.... مسئلہ ۱۰۳.... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۵۳ میں ہے۔

اذا دخل الرجل عندالاقامة یکره له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذافی المضمرات، ان کان المؤذن غیرالامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانه یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة وهوالصحیح. یعنی جب داخل ہوا کوئی شخص اقامت کے وقت تو مکروہ ہے اس کے لیے کھڑا ہو کر انتظار کرنا، بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہو جائے۔ مضمرات میں ایسا ہی لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر مؤذن امام کے علاوہ دوسرا شخص ہو اور مقتدی سب مسجد میں موجود ہوں تو امام اور مقتدی دونوں کو مؤذن کے قول حی علی الفلاح ہی کے وقت کھڑا ہونا چاہیے۔ ہمارے تینوں علماء کا یہی مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔ (منہ)

درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۵۲ و ۳۵۳ میں ہے۔

(والقیام) لامام و موتم .... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۰۳... میں دیکھیں)۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔

(قوله حین قیل حی علی الفلاح) کذا فی الکنز ونورالایضاح والاصلاح والظهیریة والبدائع وغیرها. یعنی امام اور مقتدی دونوں کا حی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا آداب نماز میں سے ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کنز، نورالایضاح، الاصلاح، الظہیریہ، وبدائع وغیرہا میں مذکور ہے، البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔) (منہ)

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۴۶ میں ہے۔

(والقیام) ای قیام الامام والقوم الی الصلوٰة (عندحی علیٰ الصلوٰة وقیل حی علی الفلاح) ای حین یقول المؤذن ذالک لانه امربه فتستحب المسارعة الیه ان کان الامام بقرب المحراب۔ (اس کا ترجمہ بھی تقریباً ماقبل ہی کی طرح ہے اس لیے میں نے چھوڑ دیا)

اسی طرح مقیم کے قول قدقامت الصلوٰة کے وقت نماز شروع کرنا بھی آداب نماز میں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اقامت ختم ہونے کے بعد نماز شروع کرے جب بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۵۳ میں ہے۔

(وشروع الامام) فی الصلوٰۃ (اذاقیل قدقامت الصلوٰۃ) ولواخر حتی اتمہالاباس بہ اجماعا، یعنی آداب نماز میں سے ہے کہ قدقامت الصلوٰۃ کے وقت نماز شروع کی جائے اور اگر کسی نے مؤخر کیا، یہاں تک کہ اقامت ختم کر کے شروع کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (منہ) واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اقامت کے وقت مقتدیوں کا کھڑا ہونا مکروہ کس صورت میں ہے۔ عالمگیری کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جب مقتدی اور امام دونوں مسجد میں موجود ہوں پھر کوئی اقامت کے وقت کھڑا رہے تو مکروہ ہے اور اگر صرف مقتدی ہی مسجد میں ہو اور امام صاحب خارج مسجد ہوں تو امام صاحب اگر پیچھے سے آتے ہیں تو جس صف میں پہنچتے جائیں گے مقتدی کھڑے ہوتے جائیں گے اور اگر آگے کی جانب سے آئیں تو ایک دم سب مقتدی کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ یہ صورت مکروہ کی نہیں معلوم ہوتی ہے۔

یہاں کا طرز عمل یہی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو امام صاحب تشریف لاتے ہیں اور قریب ہوتے ہیں مقتدی سے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب امام صاحب مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے ہیں، تب مؤذن اقامت شروع کرتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں امام اور مقتدی دونوں مکروہ کے مرتکب ہوئے یا نہیں؟ یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اس کی بھی تشریح فرمائیں؟

یہاں کے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عالمگیری کی عبارت کا محمل وہ صورت ہے، جس صورت میں امام قوم کے ساتھ صفوف مسجد میں نہ ہو بلکہ خارج مسجد سے آتا ہو تو اگر سامنے سے آتا ہے اور قریب صفوف کے آگیا ہے تو سب کو کھڑا ہو جانا چاہیے اور اگر پیچھے سے آتا ہو تو جس صف کے پاس آتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔ یہ مکروہ ہے کہ امام اور قوم کھڑی ہوئی ہے اور اقامت ہو رہی ہے اور بعض بیٹھے رہیں اور حی علی الصلوٰۃ کا انتظار کرتے رہیں۔ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کا حکم اس وقت ہے کہ امام قوم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہو۔ عالمگیری کی مذکورہ عبارت یہ ہے۔

> اذا دخل الرجل عندالاقامة یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات، ان کان المؤذن غیرالامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة و هو الصحیح فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلما جاوزصفاقام ذالک الصف والیہ مال شمس الائمة الحلوانی والسرخسی وشیخ الاسلام خواهرزادہ وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کماراٰوا الامام۔

جواب مدلل عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

مسئولہ صلاح الدین نعیمی، نائب امام مسجد شیخان، باڑا ہندوراؤ، دہلی نمبر ۶، ۷ ر ستمبر ۱۹۶۲ء

الجواب: جواب سے قبل فتاویٰ عالمگیری کی عبارت مندرجہ فی السوال کا تجزیہ مناسب ہے، تا کہ ہر جزئیہ کی وضاحت

ہو جائے اور اس کے مفہوم کا تعین سہل و آسان ہو۔ پہلا جزئیہ یہ ہے۔

اذا دخل الرجل عندالاقامة یکره له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات، یعنی جب کوئی مقتدی اقامت کے وقت مؤذن کے قول حی علی الفلاح کے قبل (خواہ قول مؤذن الله اکبر پر یا اشهد ان لااله الاالله پر یا اشهد ان محمد رسول الله پر یاحی علی الصلوٰۃ پر) مقام نماز میں داخل ہو تو اس مقتدی کے لیے کھڑے ہو کر مطلقاً انتظار کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ خواہ دو منٹ کا انتظار ہو یا ایک منٹ کا یا ۱۰ اسکنڈ کا یا پانچ سکنڈ کا انتظار ہو۔

اس جزیہ میں مطلق انتظار کی اتنی تشریح اس لیے کر دی گئی ہے کہ اقامت کہنے میں اس سے زیادہ دیر نہیں لگتی اور پوری اقامت کہنے میں منٹ دو منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا، اور درمیان اقامت میں آنے والے مقتدی کے لیے کھڑے ہو کر انتظار کرنے میں بالیقین اس سے کم وقت ہی صرف ہوگا، اور قبل اقامت اس کے کھڑے ہو کر انتظار کرنے میں یقیناً اس سے کچھ زاید وقت خرچ ہوگا، لہٰذا قبل اقامت مقتدی کا کھڑا ہونا بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا، کراہت سے بچنے کے لیے یہ مقتدی بیٹھ جائے، پھر یہ مقتدی اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے، جب کہ امام اور دوسرے وہ مقتدی جو حاضر ہوں، قبل آغاز اقامت مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں اور مؤذن اقامت کہہ رہا ہو یا امام خود اقامت کہہ رہا ہو اور مقتدی قبل آغاز اقامت مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں۔

تنزیہی کی تصریح اس لیے کر دی گئی کہ اقامت کے وقت کھڑے اور بیٹھنے کی جتنی صورتیں ہیں وہ نماز کے آداب و مستحبات میں سے ہیں، جن کو بعض فقہاء نے سنت بھی لکھا ہے، جسے سنت زائدہ بلکہ مستحبہ پر محمول کیا جائے گا۔ سنت مؤکدہ نہیں کہا جا سکتا، نیز مقتدی مذکور اگر مؤذن کے قول حی علی الفلاح پر یا اس کے بعد مقام نماز میں داخل ہو تو اس کو بیٹھ کر کھڑے ہونے کا حکم دینا لغو و لا یعنی ہوگا اور مفہوم عبارت کے خلاف ہوگا، بلکہ مفہوم عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقامت سے قبل کھڑا ہونا مکروہ ہے، کماسیأتی فی الجزئیة السابقة نقلا من حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح.

دوسرا جزئیہ یہ ہے۔

ان کان المؤذن غیرالامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانه یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة وهو الصحیح۔ یعنی اگر مؤذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور امام وقوم سب مسجد میں اقامت کے شروع ہونے کے قبل ہی سے موجود و حاضر بلکہ بیٹھے ہوں تو امام و مقتدی سب قول مؤذن حی علیٰ الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ہمارے علماء ثلثہ امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد علیہم الرحمہ کا یہی صحیح مذہب ہے۔

اس جزئیہ میں مسجد سے مراد نماز جماعت کی جگہ ہے، اندرون مسجد ہو یا دالان مسجد ہو یا صحن مسجد ہو، چونکہ موسم کے

اعتبار سے نماز کی جگہ اندر باہر بدلا کرتی ہے۔

اسی کو بعض کتب فقہیہ میں محراب یا قرب محراب کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کمالا یخفیٰ علی الناظر و المفتی.

اسی جزیہ سے ضمناً بطور مفہوم یہ حکم مستفاد ہوتا ہے کہ امام و مقتدی قبل اقامت آ کر مسجد میں صف بستہ بیٹھ جائیں اور جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے تو سب کھڑے ہو جائیں، ورنہ اگر امام کے لیے قبل اقامت آنے ہی سے کھڑے ہونے کا حکم ہوتا تو پھر امام و مقتدی کے لیے حی علیٰ الفلاح پر کھڑے ہونے کا حکم لغو ہوتا۔

تیسرا جزیہ یہ ہے۔

فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلما جاوز صفاقام ذالک الصف والیہ مال شمس الائمۃ الحلوانی والسرخسی و شیخ الاسلام خواھرزادہ. یعنی جب امام موذن دو شخص ہوں اور امام خارج مسجد میں ہو، پس اگر امام صفوں کے پیچھے سے مسجد میں داخل ہو تو امام جس صف میں پہنچتا جائے گا وہ صف مقتدیوں کی کھڑی ہوتی جائے گی۔ اس کی جانب شمس الائمہ حلوانی و سرخسی و شیخ الاسلام خواہرزادہ مائل ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت وہ ہے، جس میں مقتدی پہلے سے مسجد کے اندر بیٹھے ہوں اور مسجد سے مراد وہی ہے جو دوسرے جزیہ میں گذرا۔ نیز اس صورت میں چار شقیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حکم وقت اقامت کے ساتھ خاص ہے یا قبل اقامت کے ساتھ خاص ہے یا بعد اقامت کے ساتھ خاص ہے یا مذکورہ بالا تینوں شقوں کو عام ہے۔

پہلی شق میں یہ تیسرا جزیہ اقامت کہنے کے وقت کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر اقامت کہتے وقت خارج مسجد سے امام صفوں کے پیچھے سے آئے تو صرف اسی صورت میں امام جس صف میں پہنچتا جائے مقتدیوں کی وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔

دوسری شق میں یہ جزیہ قبل اقامت کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور مراد یہ ہوگی کہ امام خارج مسجد سے اگر اقامت شروع ہونے سے پہلے صفوں کے پیچھے کی جانب سے آئے تو محض اس صورت میں امام جس صف میں پہنچتا جائے مقتدیوں کی وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔

اور تیسری شق میں یہ جزیہ بعد اقامت کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور مقصود یہ ہوگا کہ اگر امام خارج مسجد سے صفوں کے پیچھے کی طرف سے اقامت کے ختم ہونے کے بعد آئے تو فقط اس صورت میں امام جس صف میں پہنچتا جائے مقتدیوں کی وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔

اور چوتھی شق میں اس جزیہ کا حکم عام ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ خواہ وقت اقامت یا قبل اقامت یا بعد اقامت جس وقت بھی امام خارج مسجد سے صفوں کے پیچھے کی سمت سے آئے، ہر صورت میں امام جس صف میں پہنچتا جائے مقتدیوں کی وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔ ان احتمالات و شقوق کے ذکر کرنے کی حاجت اسی لیے پڑی کہ اس جزیہ مذکورہ میں بظاہر عندالاقامت یا قبل الاقامت یا بعدالاقامت کی کوئی قید مذکور نہیں ہے جس سے بظاہر عموم مستفاد ہوتا ہے اور شق رابع گمان

ہوتا ہے جو خلاف مستحب پر عمل کرنے کا سبب ہو جاتا ہے۔ ان شقوق واحتمالات مذکورہ کی تعیین اور حل کرنے ہی سے جواب مسئلہ واضح ہوگا۔ چونکہ سوال میں امام صاحب اور مقتدیوں کے عمل کا تعلق اسی جزئیہ کی دوسری شق سے ہے، یا چوتھی شق سے ہے۔ چونکہ امام صاحب اور مقتدیوں کا طریق عمل جو سوال میں مذکور ہے، وہ دوسری شق یا چوتھی شق کے مراد لینے پر ہی صحیح ہوسکتا ہے ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ **وانا بفضل اللّٰہ تعالیٰ وحولہٖ وقوتہ سنحقق بعد ذکر الجزئیة الرابعة ان شاء اللّٰہ تعالیٰ تحقیقا وافیا فانتظر.** اللہ نے چاہا تو اس کے فضل اور قدرت اور طاقت سے چوتھے جزئیہ کے بیان کے بعد اس کی مکمل تحقیق پیش کریں گے۔ ذرا انتظار کریں۔

چوتھا جزئیہ یہ ہے۔

> **وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما رأوا الامام.** یعنی جب امام ومؤذن علیحدہ علیحدہ دو شخص ہوں اور امام خارج مسجد میں ہو اس صورت میں امام اگر صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھ کر مسجد کے سارے مقتدی کھڑے ہو جائیں۔

اس جزئیہ میں وہی تمام شقوق واحتمالات پیدا ہوتے ہیں، جو تیسرے جزئیہ میں گذرے اور مسجد سے مراد وہی ہے جو دوسرے جزئیہ میں گذرا۔ فرق ان دونوں جزئیات میں اس بات کا ہے کہ اس سے پہلے والے جزئیہ میں امام کا مسجد میں صفوں کے پیچھے سے داخل ہونے کا ذکر ہے اور اس میں صف کے آگے سے۔ **فالبحث والکلام فی هٰذه الجزئیة کالبحث والکلام فی الجزئیة الثالثة المذکورة سابقاً فلهذا ترکنا البحث والکلام علیٰ هٰذه الجزئیة لئلا یطول الکلام.** اس جزئیہ میں بحث اور کلام تیسرے جزئیہ ہی کی طرح ہے اس لیے بخوف طوالت یہاں مکرر نہیں لایا گیا۔

تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ کی دوسری شق کا مراد لینا صحیح نہیں اس لیے کہ قبل اقامت اگر امام مسجد میں آجائے تو امام ومقتدی کے لیے کھڑے ہونے کا حکم نہیں ہے، بلکہ سب بیٹھ جائیں تا کہ ان کو کھڑے ہو کر نماز کا انتظار نہ کرنا پڑے، جیسا کہ اس کی تفصیل ودلیل پہلے جزئیہ میں گزری۔

نیز اس صورت میں امام ومقتدی کے لیے **حی علی الفلاح** پر کھڑے ہونے کا حکم بطور استحباب ہے، جیسا کہ اس کی توضیح ودلیل دوسرے جزئیہ میں گزری۔

نیز صحیحین کی حدیث جو ابو قتادہ سے مروی ہے، اس میں بموجب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حکم قیام قوم کو وقت اقامت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، بخاری شریف میں ہے، **اذا اقیمت الصلوٰة فلا تقوموا حتیٰ ترونی**، جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں **حتی ترونی** کے بعد **خرجت** (یعنی مجھے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لو) کا بھی اضافہ ہے، لہٰذا قبل اقامت امام کو خارج مسجد سے آتا دیکھ کر یا خروج امام کو دیکھ کر یا صف مقتدی میں امام کے پہنچنے پر (**علی اختلاف الاقوال**) مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس حدیث سے ثابت نہ ہوگا۔ بلکہ مفہوم حدیث کے خلاف ہوگا۔ چونکہ حدیث میں تو وقت اقامت امام کو یا اس کے خروج کو

دیکھ کر، یا صف مقتدی میں امام کے پہنچنے پر کھڑے ہونے کا حکم خاص ہے۔ بدائع میں ہے۔

فان کان خارج المسجد لایقومون مالم یحضر لقول النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لاتقوموا فی الصف حتیٰ ترونی خرجت. یعنی امام اگر خارج مسجد میں ہو تو مقتدی اس وقت تک نہ کھڑے ہوں تاوقتیکہ امام حاضر نہ ہوجائے بموجب ارشاد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کہ اے صحابہ مجھے دیکھ لو! مجھے نکلتا دیکھے بغیر صف میں کھڑے نہ ہو۔

صاحب بدائع کا تفقہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے، وہ امام کے خارج مسجد میں ہونے کی صورت میں نہی قیام کی دلیل اسی حدیث کو قرار دیتے ہیں، جس میں وقت اقامت کی قید ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب امام خارج مسجد میں ہو تو وقت اقامت امام کو دیکھے بغیر مقتدیوں کو کھڑا ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری (فصل فیمایکرہ فی الصلوٰۃ وما لایکرہ) میں ہے۔

ویکرہ قیام القوم الی الصف عند الاقامۃ والامام غائب ھٰکذافی خزانۃ الفقہ۔ اقامت کے وقت لوگوں کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، جبکہ امام موجود نہ ہو ایسا ہی خزانۃ الفقہ میں ہے۔

امام کو دیکھ کر ہی مقتدی کھڑے ہوں خواہ امام کسی جانب سے آئے اور تیسرا جزئیہ اور چوتھا جزئیہ وقت اقامت کے ساتھ خاص ہے۔

نیز ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اقامت کے بعد امام آئے تو مقتدی پہلے سے کھڑے نہ ہوں۔ امام کے دیکھنے اور حاضر ہونے پر کھڑے ہو۔ نیز دوسری شق کی تخصیص حدیث صریح کے خلاف ہوگی۔

تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ کی تیسری شق کو بھی مراد لینا صحیح نہیں، چونکہ اگر بعد اقامت ہی صرف امام کے دیکھنے اور آنے اور حاضر ہونے پر قیام قوم کو خاص کیا جائے گا تو یہ تخصیص حدیث مذکور کے منافی و معارض ہوگی۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں امام کو دیکھ کر یا اس کے خروج کو دیکھ کر یا اس کے صف مقتدی میں پہنچنے پر مقتدی کے حکم قیام کو وقت اقامت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ شق یعنی تخصیص قیام قوم بعد اقامت اس حدیث سے ثابت نہ ہوگا۔

عہد نبوی میں ایسا بھی ہوا ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے آنے سے قبل اقامت کہی جاتی اور مقتدی صحابہ بعد اقامت صف بستہ کھڑے ہو کر انتظار کرتے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں تو نماز شروع ہو۔ کماجاء فی البخاری و مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ. اسی کو دیکھ کر سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلاتقوموا حتیٰ ترونی. یعنی نہی قیام کے قبل ایسا ہوا ہے یا ایک دو مرتبہ بیان جواز کے لیے ایسا ہوا ہے یا کسی عذر کے سبب ایسا ہوا ورنہ عام طریقہ پر عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی ایسی خاص جگہ سے حضور کی تشریف آوری کا انتظار کرتے کہ عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور کو نہ دیکھ پاتے تھے اور حضرت بلال کو سرکار کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت ہوجاتی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کو دیکھ کر اقامت شروع کردیتے، پھر اور صحابہ حضور کی رویت پر کھڑے ہوتے۔ صحیح مسنون طریقہ یعنی مستحب

طریقہ یہی تھا۔ یہ طریقہ نہ تھا کہ قبل اقامت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کھڑے ہوجاتے، پھر بعد میں اقامت کہی جاتی۔ نہ یہ عام طریقہ تھا کہ بعد اقامت تشریف آوری رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کھڑے ہوجاتے۔ اس معمول مستحب سے تیسرے جزیہ اور چوتھے جزیہ کی دوسری شق اور تیسری شق کا مرادنہ ہونا ظاہر و باہر طریقہ پر معلوم ہوا، بلکہ یہ واضح ہوا کہ یہ دونوں شقیں خلاف مستحب ہیں، بلکہ بعض احادیث سے تو قبل رویت امام اقامت کہنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

ترمذی شریف مع شروح اربعہ جلد اوّل میں ایک حدیث جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس کے اندر جملہ و لاتقوموا حتی ترونی بھی ہے۔ اس کی شرح میں علامہ ابوالطیب سندی حنفی نقشبندی تحریر فرماتے ہیں۔

ولاتقوموا حتی ترونی ای لاتقوموا للصلوٰۃ اذا اقام المؤذن حتی ترونی ای فی المسجد لان القیام قبل مجیٔ الامام تعب بلافائدۃ ولعلہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یخرج من الحجرۃ بعد شروع المؤذن فی الاقامۃ فامرھم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ اذاخرج ورأوہ یقومون وقبلہ لایقومون ویحتمل ان یکون النھی للمؤذنین ای لاتقوموا للاقامۃ حتی ترونی اخرج من الحجرۃ الشریفۃ ویویدہ ماسیاتی عن جابربن سمرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کان مؤذن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یمھل فلایقیم حتی اذا رای رسول اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قدخرج اقام الصلوٰۃ حین یراہ. (اور مت کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو) یعنی موذن کے کھڑے ہوتے ہی نماز کے لیے مت کھڑے ہوجاؤ، جب تک مسجد کے اندر مجھے نہ دیکھ لو۔ کیونکہ امام کے آنے سے پہلے کھڑا ہونا بلاضرورت پریشان ہونا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ شریفہ سے اس وقت نکلتے تھے، جب موذن اقامت شروع کردیتا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب آپ نکلیں اور لوگ انہیں دیکھ لیں اس کے بعد ہی سب لوگ کھڑے ہوں اور اس سے پہلے نہ کھڑے ہوں۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ منع موذن کے لیے ہو۔ یعنی موذنین حضرات اقامت کے لیے اسی وقت کھڑے ہوں جب مجھے حجرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیں۔ اس کی تائید جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن انتظار کرتے، کھڑے نہ ہوتے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکلتے ہوئے دیکھ لیتے تو نماز کے لیے اقامت کہتے۔

پھر جابر بن سمرہ کی حدیث کے موقع پر فرماتے ہیں۔

یعنی لایقام الابحضورہ فالاحقیۃ بمعنی الاستحقاق ای الاقامۃ من جملۃ حقوق الامام فراعی حضورہ فما دام لم یحضر لاتقام. یعنی جب تک امام حاضر نہ ہوجائے، اقامت نہ کہا جائے۔ یہاں احقیت، استحقاق کے معنی میں ہے۔ یعنی اقامت منجملہ حقوق امام ہے۔ لہٰذا امام کے حاضر

ہونے کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ جب تک امام حاضر نہ ہوجائے اقامت نہ کہا جائے۔
اسی حدیث جابر بن سمرہ کے تحت علامہ شیخ سراج احمد سرہندی حنفی فاروقی تحریر فرماتے ہیں:
یعنی بے دیدن و آمدن امام اقامت نباید کرد، مطلب یہ ہے کہ امام کو بغیر دیکھے اور اس کے بغیر آئے اقامت نہیں کہنا چاہیے۔
امام محی الدین نووی شرح مسلم شریف میں احادیث مختلفہ نقل فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

قال القاضی عیاض رحمہ اللّٰہ تعالیٰ یجمع بین مختلف ھذہ الاحادیث بان بلالا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کان یراقب خروج النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم من حیث لایراہ غیرہ اوالاالقلیل فعند اول خروجہ یقیم ولایقوم الناس حتی یروہ ثم لایقوم مقامہ حتی یعدلوالصفوف وقولہ فی روایۃ ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فیاخذالناس مصافھم قبل خروجہ لعلہ کان مرۃ اومرتین اونحو ھما لبیان الجواز اولعذرولعل قولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فلاتقوموا حتی ترونی کان بعد ذالک قال العلماء والنھی عن القیام قبل ان یروہ لئلا یطول علیھم القیام ولانہ قد یعرض لہ عارض فیتاخربسببہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''ان مختلف احادیث کے درمیان تطابق اس طرح ہوگا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ سے نکلنے کا انتظار ایسی جگہ سے کرتے تھے کہ آپ کو ان کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا تھا، یا بہت کم ہی دیکھ پاتے تھے۔ پہلے خروج کے وقت حضرت بلال اقامت کہتے اور لوگ نہیں کھڑے ہوتے تھے، جب تک کہ آپ کو دیکھ نہ لیتے پھر حضور اپنے مقام پر کھڑے نہ ہوتے جب تک کہ لوگ صفوں کو درست نہ کر لیتے اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کا یہ کہنا ''لوگ حضور کے نکلنے سے پہلے کھڑے ہوجاتے اور صفیں ٹھیک کرنے لگتے'' غالبًا یہ ایک یا دو مرتبہ کا واقعہ ہے، یا بیان جواز کے لیے ہے، یا کسی عذر کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ''جب تک مجھے نہ دیکھ لو کھڑے مت ہو'' بعد کا ہو۔
علماء نے کہا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے پہلے قیام کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ حضور نمازیوں کو طول قیام (دیر تک کھڑے رہنے) کی تکلیف سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی عذر پیش آ گیا ہو، جس کی وجہ سے نکلنے میں تاخیر ہوئی ہو۔

فتح الباری میں زیر حدیث ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

(قولہ اذا اقیمت) ای اذا ذکرت الفاظ الاقامۃ (قولہ حتی ترونی) ای خرجت و صرح بہ عبدالرزاق وغیرہ عن معمر عن یحیٰ اخرجہ مسلم ولابن حبان من طریق عبدالرزاق وحدہ حتی ترونی خرجت الیکم وفیہ مع ذلک حذف تقدیرہ فقوموا۔(ان کا قول جب اقامت کہی جائے) یعنی جب اقامت کے الفاظ بولے جائیں (ان کا قول یہاں تک کہ تم مجھے دیکھ لو) یعنی

نکلتے ہوئے۔اس کی تصریح عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے، انہوں نے یحییٰ سے کی۔اس کی تخریج مسلم نے بھی کی۔اور ابن حبان کے پاس صرف بطریق عبدالرزاق یہ عبارت ہے۔''یہاں تک کہ تم مجھے دیکھ لو اپنی طرف نکلتے ہوئے۔''اس میں اس کے ساتھ ساتھ ایک لفظ''فقوموا'' بھی مقدر مانا جائے گا۔یعنی جب تم مجھے اپنی طرف نکلتے ہوئے دیکھ لو تو تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

قال القرطبی ظاهر الحديث ان الصلوٰة كانت تقام قبل ان يخرج النبی صلی الله عليه وسلم من بيته وهو معارض لحديث جابر بن سمرة ان بلا لاكان لا يقيم حتى يخرج النبی صلی الله عليه وسلم اخرجه مسلم و يجمع بينهمابان بلالا كان يراقب خروج النبی صلی الله عليه وسلم ، فاول ما يراه يشرع فی الاقامة قبل ان يراه غالب الناس ثم اذاراوه قاموافلا يقوم فی مقامه،حتى تعتدل صفوفهم . قرطبی نے کہا (''ظاہر حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر سے نکلنے سے پہلے جماعت قائم ہو جاتی تھی''۔ یہ جابر بن سمرہ کی حدیث سے معارض ہے کہ بلال اقامت نہیں کہتے تھے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکلتے نہ دیکھ لیتے تھے۔ دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض اس طرح دفع ہوگا کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے اور آپ کو نکلتے ہوئے دیکھتے ہی سب سے پہلے اقامت کہنا شروع کر دیتے۔اکثر لوگ بعد میں آپ کو دیکھتے۔ پھر لوگ آپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوتے۔آپ اس وقت تک اپنے مقام پر کھڑے نہ ہوتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں۔

پھر روایت مذکورہ کی شہادت میں دوسری حدیث پیش کرنے اور دوسری مختلف روایتوں کے بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

فيجمع بينه وبين حديث ابی قتادة بان ذالک ربما وقع لبيان الجواز وبان صنيعهم فی حديث ابی هريرة كان سبب النهی عن ذالک فی حديث ابی قتادة وانهم كانوا يقومون ساعة تقام الصلواة ولو لم يخرج النبی صلی الله عليه وسلم فنهاهم عن ذالک لاحتمال ان يقع له شغل يبطئ فيه عن الخروج فيشق عليهم انتظاره .

عمدۃ القاری میں زیر حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، علامہ بدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ مختلف روایات کو بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ .

وبين هذه الروايات معارضة (قلت) وجه الجمع بينها ان بلالا كان يراقب خروج النبی صلی الله عليه وسلم من حيث لايراه غيره اوالا القليل فعند اول خروجه يقيم

ولا یقوم الناس حتی یروہ ثم لایقوم مقامہ حتی یعدل الصفوف وقولہ فی روایۃ ابی ہریرۃ فیأخذ الناس مصافہم قبل خروجہ لعلہ کان مرۃ او مرتین او نحو ھما لبیان الجواز اولعذر و لعل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاتقو مواحتی ترونی کان بعد ذالک قال العلماء والنہی عن القیام قبل ان یروہ لئلا یطول علیہم القیام ولانہ قد یعرض لہ عارض فیتأخر بسببہ . ان روایتوں کے درمیان تعارض ہے۔ اس کے دور ہونے کی صورت یہ ہے کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا انتظار ایسی جگہ سے کرتے تھے کہ آپ کو ان کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا تھا یا بہت کم آدمی دیکھتے تھے۔ بس اول خروج (یعنی جیسے ہی حضرت بلال کی نظر پڑتی اورلوگ نہیں دیکھتے) کے وقت ہی حضرت بلال اقامت کہتے اورلوگ اس وقت کھڑے ہوتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے۔ پھراپنے مقام پرنہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ لوگ صفیں سیدھی کرلیتے۔ اور ان کا قول حضرت ابوہریرہ کی روایت میں کہ لوگ آپ کے نکلنے سے پہلے کھڑے ہوجاتے غالباً ایسا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ہوا ہو، یا بیان جواز کے لئے ہو، یا کسی عذر کی بناء پر ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "جب تک مجھے دیکھ نہ لومت کھڑے ہو" بعد میں صادر ہوا ہو۔ علماء نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے سے پہلے کھڑے ہونے کی ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ طول قیام سے بچا جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی ایسا عذر پیش آیا ہو جس کے سبب سے نکلنے میں دیر ہوئی ہو"۔

مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۴۱۹ میں ہے۔

ولاتقوموا ای الی الصلواۃ اذا اقام المؤذن حتی ترونی، ای فی المسجد لان القیام قبل مجئی الامام تعب بلا فائدۃ، کذا قالہ بعضہم ولعلہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج من الحجرۃ بعد شروع المؤذن فی الاقامۃ ویدخل فی محراب المسجد عند قولہ حی علی الصلوٰۃ ولذ اقال ائمتنا ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ و یشرع عند قد قامت الصلوۃ .مت کھڑے ہو نماز کے لئے ،جب موذن اقامت کہنا شروع کرے ،یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو مسجد میں کیونکہ امام کے آنے سے پہلے کھڑا ہونا بلافائدہ تعب ہے۔ ایسا ہی بعض لوگوں نے کہا۔ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے اس وقت نکلتے تھے جب موذن اقامت شروع کردیتے۔ اورمحراب مسجد میں اس وقت داخل ہوتے تھے جب موذن حی علی الصلوٰۃ کہتا۔ اسی لئے ائمہ حضرات نے کہا" امام اورمقتدی حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں اور قدقامت الصلوٰۃ پر نمازشروع

کردیں۔

روایات وعبارات مندرجہ بالا نے واضح کردیا کہ تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ کی دوسری شق اور تیسری شق مراد نہیں لی جاسکتی اور اقامت سے قبل یا اقامت کے بعد محض امام کو آتا دیکھ کر مقتدی کا کھڑا ہونا ممنوع و مکروہ ہے اور عہد نبوت کے عمل کے خلاف ہے۔ جب یہ دونوں شقیں صحیح نہیں تو چوتھی شق بھی علی الاطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ صرف پہلی شق صحیح ودرست اور مراد ومقصود ہے کہ اقامت کہتے وقت امام کو آتا دیکھ کر مقتدی کھڑے ہوجایا کریں۔

سوال میں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت مندرجہ میں یہ چار جزئیات مسطور ہیں اور باقی دو جزئیات فتاویٰ عالمگیری میں اور ہیں ان کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے تاکہ بات پوری سامنے آجائے اور بحث وحکم میں مدد ملے۔ پانچواں جزئیہ یہ ہے۔

وان کان المؤذن والامام واحد افان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامة. یعنی اگر امام ومؤذن ایک ہی شخص ہو اور امام خود اقامت مسجد میں کہہ رہا ہو تو سارے مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب امام اقامت سے فارغ ہوجائے۔

اس صورت میں مسجد میں پہلے سے بیٹھنے والے سارے مقتدیوں کے لئے یہ حکم ہے کہ اقامت کہنے والا امام جب پوری اقامت کہہ کر فارغ ہوجائے جب نماز کے لئے کھڑے ہوں اور امام اقامت کہنے کیلئے پہلے سے کھڑا ہوجائے، محض امام کو قبل اقامت دیکھ کر سارے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

یہیں سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قیام کا حکم جن صورتوں میں دیا گیا ہے وہ قیام نماز کے لئے ہے۔ امام کی تعظیم کے لئے حکم قیام نہیں ہے ورنہ اس صورت میں امام کو قبل اقامت دیکھ کر مسجد کے بیٹھنے والے سارے مقتدیوں کو کھڑے ہوجانے کا حکم دیا جاتا، پھر امام اپنی جگہ پر آکر اقامت کہنا شروع کرتا۔ اس سے تیسرے جزئیہ اور چھوتھے جزئیہ کی شق ثانی اور رابع کو مراد لینے کی قباحت معلوم ہوتی ہے چونکہ قبل اقامت امام کو آتا دیکھ کر مقتدیوں کے کھڑے ہونے میں یہ قیام تعظیم امام کے لیے ہوگا نہ نماز کے لیے، نیز انتظار نماز بحالت قیام کی کراہت بھی پائی جائے گی جو پہلے جزئیہ میں گزری، لہٰذا تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ کی دوسری شق اور چوتھی شق مراد نہیں لی جاسکتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ میں تو امام کا خارج مسجد سے مسجد میں آنا مذکور ہے اور اس پانچویں جزئیہ میں امام کا قبل اقامت مسجد میں موجود ہونا ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا اس جزئیہ کا حکم وقیاس ان دونوں جزئیات پر نہیں کیا جاسکتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چھٹا جزئیہ جو آگے مذکور ہوگا اس میں بھی بعینہ یہی حال ہے۔ اس چھٹے جزئیہ کا حکم و قیاس تو تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ پر ضرور ہوسکے گا، چونکہ چھٹے جزئیہ میں امام کے خارج مسجد میں اقامت کہنے کا حکم درج ہے۔ چھٹا جزئیہ یہ ہے۔

وان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علی انھم لایقومون مالم یدخل الامام المسجد. یعنی اگر امام و مؤذن ایک ہی شخص ہو اور امام ہی اقامت خارج مسجد میں کہہ رہا ہو تو باتفاق مشائخ حنفیہ مسجد میں پہلے سے بیٹھنے والے سارے مقتدی امام کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوں بلکہ امام جب مسجد میں داخل ہوچکے جب یہ مقتدی نماز کے لئے کھڑے ہوں۔

اس چھٹے جزئیہ اور پانچویں جزئیہ میں بس اتنا ہی فرق ہے کہ پانچویں جزئیہ میں امام مسجد ہی میں پہلے سے رہ کر خود اقامت کہہ رہا ہے اور چھٹے جزئیہ میں امام خارج مسجد میں اقامت کہہ رہا ہے، باقی تمام تفصیلات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس جزئیہ نے بھی پتہ دیا کہ قیام مقتدی نماز کے لئے ہے نہ امام کی تعظیم کے لئے ورنہ امام کو قبل دخول مسجد، مسجد میں اقامت کہتا دیکھ کر ہی مقتدیوں کو قیام کا حکم دیا جاتا اور یہ حکم نہ دیا جاتا کہ جب امام مسجد میں داخل ہولے تب مقتدی کھڑے ہوں۔

اس چھٹے جزئیہ نے یہ بات اور بھی واضح کردی کہ تیسرے اور چوتھے جزئیہ کی شق ثانی اور شق رابع مراد نہیں ہوسکتی، ''کما مرّذکرہ و تفصیلہ فی الجزئیۃ السابعۃ'' اسی سلسلہ میں ساتواں جزئیہ بھی ہے جو فتاوی عالمگیری میں نہیں ہے، بلکہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے، اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے تاکہ سوال میں امام صاحب کے عمل کا جو ذکر ہے اس پر اس ساتویں جزئیہ سے بھی حکم کیا جاسکے۔

ساتواں جزئیہ یہ ہے طحطاوی علی مراقی الفلاح میں جزئیہ اولیٰ کو مضمرات اور قہستانی سے نقل فرمانے کے بعد علامہ طحطاوی جزم کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں ''ویفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون'' یعنی پہلے جزئیہ کے حکم سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ ابتدائے اقامت سے مقتدی کا کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

اس جزئیہ نے ظاہر و باہر طریقہ پر واضح کردیا کہ جب ابتدائے اقامت سے مقتدی کا کھڑا ہونا مکروہ ہے تو قبل اقامت مقتدی کا کھڑا ہونا بطریق اولی مکروہ ہوگا۔ لہٰذا تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ میں دوسری شق اور چوتھی شق مراد نہ لی جائے ورنہ ان بعض جزئیات مذکورہ کے احکام میں تعارض و تناقض پیدا ہوگا، پانچویں جزئیہ اور چھٹے جزئیہ میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ مقتدیوں کے لئے حکم قیام نماز کے لئے ہے نہ امام کی تعظیم کے لئے۔ اس پر چند جزئیات پیش کردیئے جائیں تاکہ یہ مسئلہ صاف ہوجائے۔ شرح کنز علامہ محمد مسکین میں ہے۔

والقیام الی الصلوۃ حین قیل حی علی الفلاح' (جب حی علی الفلاح کہا جائے تو نماز کے لئے کھڑا ہونا چاہئے۔

بدائع میں ہے۔

ولان القیام لاحل الصلوۃ ولا یمکن اداؤ ھا بدون الامام فلم یکن القیام مفیداً. اور اس لئے کہ قیام نماز کے لئے ہے اوراس کی ادائیگی امام کے بغیرممکن نہیں،لہٰذا اقامت سے پہلے قیام مفید ہی نہیں ہوگا۔

شرح الباس میں ہے۔

یقوم الامام و القوم للصلوۃ اذااقام المؤذن حی علی الفلاح. امام ومقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

ملاعلی قاری علیہ رحمتہ الباری زیر حدیث 'لا تقوموا حتی ترونی' مرقات شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

(ولاتقوموا) ای الی الصلوۃ اذا اقام المؤذن (حتی ترونی) ای فی المسجد.لان القیام قبل مجئی الام تعب بلا فائدۃ. مت کھڑے ہو یعنی نماز کے لئے،جب مؤذن اقامت کہے (جب تک مجھے دیکھ نہ لو) مسجد کے اندرکیونکہ امام کےآنے سے پہلے قیام بے فائدہ پریشانی مول لینا ہے۔

مؤطا امام محمد باب تسویۃ الصف میں ہے۔

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا ویسووا الصفوف و یحاذ وابین المناکب فاذا اقام المؤذن الصلوۃ کبر الامام و ھو قول ابی حنیفۃ .امام محمد نے کہا 'جب موذن حی علی الفلاح کہے لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں۔یہی مناسب ہے۔ پھرصفوں کو سیدھی کریں،کندھے سے کندھا ملائیں۔ جب مؤذن اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

ملا علی قاری شرح مؤطا میں زیر حدیث مذکورتحریر فرماتے ہیں۔

(قال محمد ینبغی للقوم) یشمل الامام وغیرہ (اذا قال المؤذن حی علی الفلاح) ای الاول والثانی و ھواقرب (ان یقوموا الی الصلوۃ) لیصح اخبارالمؤذن بقولہ قدقامت الصلوہ علی الحقیقۃ والافیکون مجازا قرب قیامھا فیصفوا.' (امام محمد نے کہا " قوم کے لئے مناسب ہے) قوم میں امام غیرامام دونوں شامل ہیں (جب مؤذن حی علی الفلاح کہے) یعنی پہلا اور دوسرا یہ اقرب ہے(نماز کے لئے کھڑے ہوں) تاکہ مؤذن کا قدقامت الصلاۃ کہہ کر نماز قائم ہونے کی خبر دینا حقیقی معنی میں صحیح ہوجائے۔

ان جزئیات نے روز روشن کی طرح ظاہر کردیا کہ قیام کا حکم نماز کے لئے ہے، امام کی

تعظیم کے لئے نہیں۔میں نے اس سلسلے میں جتنی کتابوں کا مطالعہ کیا مجھے تو کسی کتاب میں یہ نہ ملا کہ امام کی تعظیم کے لئے قیام کیا جائے۔

بعض ائمہ مساجد کا مقتدیوں کو یہ حکم دینا اور بتانا کہ مجھے آتا دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوجایا کرو، یا مقتدی کو ایسے قیام تعظیمی سے منع نہ کرنا اور مسئلہ صاف طور پر نہ بتانا نہایت غیر مناسب معلوم ہوتا ہے،چونکہ قبل آغاز اقامت امام کو آتا دیکھ کر مقتدیوں کا کھڑا ہونا ان جزئیات میں کہیں مذکور نہیں، بلکہ خلاف مستحب اور مکروہ تنزیہی ہے۔ مستحب پر عمل کرنے میں ثواب ملتا ہے اور مستحب کے ترک پر مکلف اس ثواب سے محروم رہتا ہے۔

مؤطا امام محمد کی روایت نے بعض حضرات کے اس عذر بیجا کو ناقابل اعتبار بنادیا کہ اگر پہلے سے کھڑے نہ ہوں گے تو صفیں کیسے درست ہوں گی،چونکہ روایت اور قول امام اعظم علیہ الرحمۃ کے مقابلہ میں ہمارے ایسے عذر بارد کی حنفی مسلک میں کوئی گنجائش نہیں۔

نیز ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کی عبارت مرقات نے حدیث 'لا تقوموا حتی ترونی' کے بعد شرحاً 'ای المسجد' لکھ کر یہ متعین کردیا کہ فرمان نبوی لاتقوموا حتی ترونی کا مطلب یہ ہے کہ اے صحابہ مقتدیو! تم لوگ پہلے سے کھڑے مت ہو جاؤ تاوقتیکہ مجھے مسجد میں نہ دیکھ لو،یعنی مطلقاً امام کو دیکھ کر کھڑے ہونے سے مکی سرکار مدنی تاجدار علیہ الصلوۃ و السلام نے منع فرمایا، بلکہ امام جب مسجد میں آجائے تب کھڑے ہوا کرو، بلکہ صاحب مضمرات امام طحطاوی سے ایک حدیث ذکر مسئلہ کے بعد بیان علت کے طور پر نقل فرماتے ہیں ' لقول النبی صلی الله علیه وسلم لا تقوموا حتی رأیتمونی قمت مقامی' اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوۃ السلام نے فرمایا کہ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ میں اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا تو اے صحابہ مقتدیو! تم کھڑے مت ہوا کرو۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے یہاں کا طریقہ ان سات مستحب ذکر کردہ طریقوں میں سے کسی طریقہ میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے جزئیہ اور تیسرے جزئیہ اور ساتویں جزئیہ کے خلاف ہے۔آپ کے یہاں کا جو طریقہ رائج و معمول ہے، اس پر دوسرے جزئیہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے،یعنی امام صاحب کو قبل اقامت آکر بیٹھ جانا چاہئے اور مقتدی کو امام کو آتا دیکھ کر کھڑا نہ ہونا چاہئے، بلکہ مقتدی بیٹھے رہیں، جب امام کے بیٹھنے کے بعد اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو امام و مقتدی سب کھڑے ہوا کریں تاکہ یہ طریقہ مستحب میں داخل ہوسکے اور خلاف مستحب اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے بچ کر سب لوگ مستحق ثواب ہوں۔

یا آپ کے یہاں کے طریقہ مروجہ کو تیسرے جزئیہ کے مطابق صحیح کرنا چاہئے کہ جب مؤذن امام کو نماز کے لئے تیار ہوکر آتے ہوئے دیکھے تو مؤذن اقامت کہنا شروع کردے اور جب امام

مقتدی کی جس صف میں پہنچے وہ صف مقتدی بھی کھڑی ہوتی جائے تاکہ یہ طریقہ عہد نبوت کے طریقہ کے مطابق صحیح ہو جائے اور سب لوگ مستحق اجر و ثواب ہوں۔

ہر ذی شعور اور سمجھدار دیندار امام و مقتدی کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب حق بات سامنے آجائے اور اس پر مطلع ہو جائے خواہ وہ مستحب ہی کیوں نہ ہو تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور ایسا ہرگز نہ کرے کہ مستحب پر عمل کرنے اور نہ کرنے کی بناء پر باہم برسرپیکار ہو جائے اور جنگ وجدال اور فتنہ وفساد پھیلائے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقرہ:۲۱۷] (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے)۔ هذا ما عندی واللہ تعالی اعلم.وعلمه عزاسمه اتم و احکم .

فوائد ضروریه نافعه

(۱): پہلے جزئیہ کا حکم صرف مقتدی کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے جزئیہ کا حکم امام و مقتدی دونوں کو شامل ہے اور تیسرے جزئیہ اور چوتھے جزئیہ کا حکم محض مقتدی کے ساتھ خاص ہے اور ساتویں جزئیہ کا حکم ظاہر ہے امام و مقتدی دونوں کو شامل ہوگا۔ وهذا ظاهر لاخفاء فیه.

(۲): مسئلہ حاضرہ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بنظر استحباب اور برعایت ادب واولیٰ لکھا گیا ہے، یعنی مستحب واولیٰ یہ ہے کہ ان جزئیات سبعہ مذکورہ پر عمل کیا جائے۔ ان جزئیات مذکورہ کے خلاف جو عمل ہوگا، وہ بھی جائز ہے، لیکن خلاف اولیٰ اور خلاف مستحب اور مکروہ تنزیہی ہوگا۔ جزئیات مذکورہ کا تذکرہ فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ذکر مندوبات و مستحبات ہی میں کیا ہے۔ علامہ شلبی حاشیہ تبیین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں۔

> قال فی الوجیز والسنة ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح اہ و مثله فی المبتغی، (الوجیز میں کہا "امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔ اسی بات کے مثل المستغی میں ہے۔

مالا بدمنہ میں ہے۔

> طریق خواندن نماز بروجہ سنت آن است کہ اذان گفتہ شود واقامت وزد حی علی الفلاح امام برخیزد۔ نماز پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اذان کہی جائے، پھر اقامت کہنے والا جب حی علی الفلاح کہے تو امام کھڑا ہو۔

اسی مقام پر اس کے حاشیہ میں ہے۔

> ومقتدیاں نیز برخیزند زیرا کہ ایں امریست کہ بجا آوردہ شود۔ اور مقتدی بھی کھڑے ہوں۔ کیونکہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا جس کی بجاوری کی گئی۔

مراقی الفلاح مصری میں ہے۔

> (و) من الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضر ابقرب المحراب (حین قیل) ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح لانه امربه فیجاب. ادب میں سے یہ ہے کہ قوم اور

امام اگر وہ محراب میں موجود ہو تو سب لوگ اس وقت کھڑے ہوں، جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔ کیونکہ اب کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تو اس کا مثبت جواب بھی دیا جانا ضروری ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری میں ہے۔

مکروه تنزيها وهو ماتر كه اولیٰ من فعله و كثير امايطلقونه فلابد من النظر فی الدليل فان كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم مالم يوجد صارف عنه الی التنزيه وان لم يكن الدليل نهيابل كان مفيداللترک الغير الجازم فهی تنزيهية قاله صاحب البحر. پہلے سے کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ یعنی جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے۔ اکثر و بیشتر لفظ مکرہ مطلقا مذکور ہوتا ہے۔ لہٰذا دلیل پر نظر کرنا چاہیے۔ اگر نہی دلیل ظنی سے ثابت ہو جائے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا اگر تنزیہی کی طرف لے جانے والا کوئی قرینہ نہ پایا جائے یعنی جزم کے طور پر مفید ترک نہ ہو تو وہ تنزیہی ہے۔ اس بات کے قائل صاحب بحرالرائق ہیں۔

ردالمحتار اور مراقی الفلاح میں ہے۔

وحكم الثواب بفعله وعدم اللوم علی تركه. مستحب یہ ہے کہ کرنے پر ثواب کا حکم کیا جائے گا اور نہ کرنے پر ملامت نہ کی جائے گی۔

درمختار میں ہے۔

ومستحبه ويسمی مندوباوادبا وفضيلة. مستحب کو "مندوب" ادب "فضیلت" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

زاد غيره نفلا وتطوعا. کچھ لوگوں نے اسے "نفل" اور "تطوع" بھی کہا ہے۔

اسی میں ہے۔

وقد يطلق عليه اسم السنة وصرح القهستانی بانه دون سنن الزوائد. مستحب کے لیے لفظ "سنت" بھی بولا گیا ہے۔ القہستانی نے تصریح کی کہ وہ سنن زوائد سے قریب ہے۔

اسی میں ہے۔

وهل يكره تركه تنزيها فی البحر لاونازعه فی النهر بما فی الفتح من الجنائز والشهادات ان مرجع كراهة التنزيه خلاف الاولیٰ قال ولاشک ان ترک المندوب خلاف الاولیٰ اه اقول لٰكن اشار فی التحرير الیٰ انه قديفرق بينهما بان خلاف الاولیٰ ماليس فيه صيغة نهی كترک صلوٰة الضحی بخلاف المكروه تنزيها. کیا ترک .... مکروہ تنزیہی ہے؟ بحرالرائق میں کہ نہیں۔ النہر الفائق میں اس کے برخلاف ہے۔ اس کی بنیاد فتح القدیر کے اندر جنائز وشہادات

کا باب ہے یہ کہ مکروہ تنزیہی کا مفاد خلاف اولیٰ ہے، کہا ترک مستحب خلاف اولیٰ ہے۔ میں کہتا ہوں۔ لیکن تحریر میں اشارہ کیا کہ خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی کے درمیان فرق ہے۔ بایں طور کہ خلاف اولیٰ میں صیغہ نہی نہیں ہوتا۔ جیسے نماز کا ترک بخلاف مکروہ تنزیہی کے۔

عبارات مندرجہ بالا کے علاوہ مثبت مدعا اور کثیر عبارات ہیں، لیکن عاقل ومنصف کے لیے اتنی عبارتیں کافی ہیں۔

(۳): نہی قیام ومنع وقوف کی متعدد نصوص ودلائل احادیث وشروح حدیث وکتب فقہ کی گزریں۔ ان کے علاوہ بھی بعض نصوص ہیں۔

بدائع میں اسی بحث کے ماتحت ہے۔

وروی عن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ انہ دخل المسجد فرای الناس قیاما ینتظرونہ قال مالی اراکم سامدین ای و اقفین متحیرین. حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مسجد داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے کھڑے انتظار کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے کہا۔ مجھے کیا ہوا ہے کہ تم لوگوں کو متحیر و پریشان کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

مجمع الانہر میں ہے۔

لانہ لافائدۃ فی القیام۔ کیونکہ کھڑے ہونے میں کوئی فائدہ نہیں۔

جامع الرموز میں ہے۔

یقعد لکراھۃ القیام والانتظار. بیٹھے کیونکہ قیام اور انتظار مکروہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

ویکرہ لہ الانتظار قائما. کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

بدائع میں ہے۔

ولنا ان قولہ حی علی الفلاح دعاء الٰی مابہ فلاحھم و امر بالمسارعۃ الیہ فلابد من الاجابۃالٰی ذالک ولن تحصل الاجابۃ الا بالفعل و ھوالقیام الیھا فکان ینبغی ان یقوموا عند قولہ حی علی الفلاح لما ذکر ناغیرانا نمنعھم عن القیام کیلا یلغو قولہ حی علی الفلاح لان من وجدت المبادرۃ الٰی شیٔ فدعاؤہ الیہ بعد تحصیلہ ایاہ لغومن الکلام اھ.

ہماری دلیل یہ ہے کہ موذن کا قول ''حی علی الفلاح'' انہیں فلاح کی طرف دعوت ہے۔ اور اس پکار پر جلدی کرنے کا حکم بھی۔ لہٰذا اس کا مثبت جواب دینا ضروری ہے اور یہ عملی جواب اس وقت تک ممکن نہ ہوگا جب تک کہ کھڑا نہ ہوجائے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں اس کی دلیل وہی ہے جو مذکور ہوا۔ تاہم ہم پہلے کھڑے ہونے سے منع کریں گے تاکہ قول ''حی علی الفلاح'' لغو نہ ہوجائے۔ کیونکہ کسی چیز کے لیے لوگوں نے جب پیش قدمی کرلی تو اب اس پیش قدمی کے بعد ان کو اس کی

طرف بلانا بداہۃً لغوکلام ہے۔

(۴): شرح مسلم للامام النووی اور عمدۃ القاری شرح بخاری کی عبارت جو گزری اس سے قیام طویل کا وجہ کراہت وممانعت ہونا ظاہر ہوا اور جزئیہ اولیٰ قیام قلیل کو بھی وجہ کراہت وممانعت ہونا ظاہر کرتا ہے، بظاہر دونوں کے مفہوم میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ رفع تعارض یوں ہوسکتا ہے کہ حدیث ابوقتادہ سے قیام طویل کا مکروہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور حدیث امام طحاوی منقولہ صاحب مضمرات سے قیام قلیل کا بھی مکروہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا قیام طویل وقیام قلیل دونوں مکروہ ہیں۔

(۵): طحطاوی علی الدرالمختار کی عبارت جو اس مسئلہ میں آئی ہے اس سے بھی شاید بعض حضرات کو ایسا وہم ہوسکتا ہے کہ قبل اقامت یا ابتدائے اقامت سے امام ومقتدی کے کھڑے ہونے میں کوئی حرج اور قباحت وکراہت نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔

> دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد الى قيام الامام فى مصلاه. مسجد میں داخل ہوا اور موذن اقامت کہہ رہا تھا تو بیٹھ جائے، یہاں تک کہ امام اپنی جائے نماز پر کھڑا ہو۔

اس کے ماتحت حاشیہ طحطاوی میں ہے۔

> (قوله والقيام للامام وموتم الخ) مسارعة لامتثال امره والظاهرانه احتراز عن القيام لاالتقديم حتى لوقام اول الاقامة لاباس وحرر.

لیکن یہ وہم صحیح نہیں، چونکہ علامہ طحطاوی کی یہ بحث اپنی طبع زاد اور خلاف متون ہے۔ اور رسم المفتی میں یہ مصرح ہے کہ متون کو شروح وحواشی پر تقدم وتفوق حاصل ہے، اس لیے علامہ نے لاباس کا لفظ استعمال فرمایا ہے، لفظ لاباس اکثر خلاف اولیٰ ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ابتدائے اقامت سے یا قبل اقامت کھڑا ہونا خلاف اولیٰ قرار پائے گا۔ وهذاهو المراد۔ پھر وحرر لکھ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ میرے اس اظہار خیال میں مجال تحریر ہے، چنانچہ خود علامہ کچھ آگے چل کر مندرجہ ذیل عبارت درمختار اذا اقام الامام بنفسه فى مسجد فلايقفوا حتى يتم اقامته ظهيريه. کے تحت فرماتے ہیں۔ (قوله فلايقفوا) اى اتفاقا وربمايوخذ منه كراهة تقديم الوقوف فى البحث السابق. خود علامہ طحطاوی نے ایک بحث فرمائی، پھر اس میں مجال تحریر کا اشارہ فرمایا، پھر آگے چل کر اپنی طبعزاد بحث کو رد کر کے کراہت کا حکم صادر فرمایا۔

ایسی عبارت سے استناد اور وہم استناد نہایت رکیک وضعیف ہے، بلکہ اگر اس موقع پر ''لاباس'' کا استعمال مستحب پر برسبیل ندرت وشذوذ بھی قرار دیا جائے تو بھی بعد کی عبارت سے استحباب کا خاتمہ ہوجائے گا اور حکم کراہت ظاہر ہوگا۔ ردالمختار میں ہے۔

> فكلمة لاباس وان كان الغالب استعمالها فيما تركه اولى لكنها قد تستعمل فى المندوب. لفظ ''لاباس'' اگرچہ کہ اس کا زیادہ تر استعمال ترک اولیٰ میں ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی مستحب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اسی میں دوسرے مقام پر ہے۔

قال فی النهاية لان لفظ لاباس دليل علیٰ ان المستحب غيره لان الباس الشدة. میں کہا۔النھایۃ ''کیونکہ لفظ''لاباس'' اس امر پر دلیل ہے کہ مستحب اس کے علاوہ ہے۔کیونکہ''باس'' کے معنیٰ''شدت'' ہے۔

اه وصلی الله علیٰ خير خلقه سيدنا محمد واله واصحابه واهل بيته وعلماء امته وشهداء محبته اجمعين. برحمتک يا ارحم الراحمين. ۔

مسئله ۱۰۶ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام ومقتدی ابتدائے اقامت میں کھڑے ہوں یا بروقت **حی علی الفلاح**،طریقہ مسنون وافضل کیا ہے،حنفیوں کے نزدیک کونسا فعل افضل ہے،چونکہ اس میں اشد اختلاف ہے،جواب از کتب فقہیہ صحیح تحریر فرمائی جائے؟ **بينوا توجروا۔**

مسئولہ حاجی عظیم اللہ فروٹ والے،سید شاہ پیر گیٹ،شہر میرٹھ،یوپی، ۱۶؍ستمبر ۱۹۶۶ء

الجواب: جب اقامت شروع کرنے سے پہلے مقتدی مسجد میں حاضر ہوں اور امام بھی اپنے مصلّٰی پر یا اس کے قریب میں موجود ہو اور اقامت کہنے والا شخص خود امام نہ ہو تو اس صورت میں سب کو **حی علی الصلوٰۃ** یا **حی علی الفلاح** پر کھڑا ہونا چاہیے،یہی مسنون ومستحب ہے۔اس صورت میں ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کو حنفی مسلک میں ہمارے فقہائے کرام نے مکروہ تحریر فرمایا ہے،جس کے دلائل میں مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں۔مراقی الفلاح ص ۱۶۶ میں ہے۔

ومن الادب القيام .... (پوری عبارت ......مسئلہ نمبر ۱۰۳...... میں دیکھیں)۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

واذا اخذ المؤذن .... (پوری عبارت ......مسئلہ نمبر ۱۰۳...... میں دیکھیں)۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۹۳ میں ہے۔

دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد الیٰ قيام الامام فی مصلاه. مسجد میں جب داخل ہوا تو مؤذن اقامت کہہ رہا تھا تو بیٹھ جائے۔جب تک کہ امام اپنے مصلّٰی پر کھڑا نہ ہو جائے۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله قعد) ويكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح. (ان کا قول بیٹھ جائے) کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے۔بلکہ بیٹھ جائے پھر اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن

ۓ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے''**حی علی الصلوٰۃ** یا **حی علی الفلاح** پر امام ومقتدی کا کھڑا ہونا'' سے متعلق اپنے اس مبارک فتویٰ میں اس قدر دلائل جمع فرما دیے ہیں،اور عبارات فقہاء سے صحیح مفہوم کے اخذ استنباط پر ایسی معرکۃ الآرا بحثیں فرمائی ہیں کہ عقلیں دنگ ہیں،پھر بھی علمائے دہلی کا اس جانب توجہ نہ دینا کمال تحسر کی بات ہے،۱۲ اکاپیمی۔

حی علی الفلاح پر پہنچے۔

درمختار ص ۳۵۲ و ۳۵۳ میں ہے۔

ولها آداب (منها) القيام لامام وموتم حين قيل حي على الفلاح خلافالزفر فعنده عند حي على الصلوٰة ابن كمال ان كان الامام بقرب المحراب. اور نماز کے کچھ آداب ہیں، ان میں سے ایک امام اور مقتدی کا اس وقت کھڑا ہونا ہے جب حی علی الفلاح کہا جائے۔ اس میں امام زفر کا اختلاف ہے ان کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا چاہئے......

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله حين قيل حي على الفلاح) كذا في الكنز ونور الايضاح والاصلاح والظهيريه والبدائع وغيرها والذى في الدررمتنا وشرحاعندالحيعلة الاولىٰ يعنى حين يقال حي على الصلوٰة وعزاه الشيخ اسماعيل في شرحه الىٰ عيون المذهب والفيض والوقايه والنقايه والحاوى والمختاراه قلت و اعتمده في متن الملتقىٰ وحكى الاول بقيل لكن نقل ابن الكمال تصحيح الاول ونص عبارته قال في الذخيرة يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائناالثلثة وقال الحسن بن زياد و زفراذاقال المؤذن قدقامت الصلوٰة قاموا الى الصف واذا قال مرة ثانيه كبروا والصحيح قول علمائناالثلثة اه (ان کا قول حی علی الفلاح کے پہلے امام ومقتدی نہ کھڑے نہ ہوں) ایسا ہی کنز، نورالایضاح.........وغیرہا میں ہے۔ دررالبحار کے متن وشرح میں حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا مذکور ہے۔ شیخ اسمٰعیل نے اسے اپنی شرح میں عیون المذہب اور الفیض.........کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ الملتقیٰ کے متن میں اس پر اعتماد کیا۔ اور پہلے کی حکایت لفظ قیل سے کی لیکن ابن کمال نے اس کی تصحیح نقل کی۔ ان کی عبارت یہ ہے۔ الذخیرہ میں کہا۔ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک۔ حسن بن زیاد اور امام زُفر نے کہا۔ جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوکر صف بندی شروع کریں۔ جب دوسری مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو تکبیر کہیں۔ مگر ہمارے تین علماء کا قول ہی صحیح ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۵۳ میں ہے۔

اذا دخل الرجل عندالاقامة ..... (پوری عبارت...مسئلہ نمبر ۱۰۴...میں دیکھیں)۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اوّل ص ۴۰ میں ہے۔

واذاقال المؤذن في الاقامة حي على الصلاة قام الامام والجماعة عند علمائناالثلثة للاجابة. مؤذن جب اقامت میں حی علی الصلوٰۃ کہے تو امام اور ساری جماعت کھڑی ہو جائے۔ یہی ہمارے

تینوں اماموں کا موقف ہے۔

جامع الرموز نولکشوری جلد اوّل ص ۵۸ میں ہے۔

لو دخل المسجد احد عند الاقامة يقعد لكراهة القيام والانتظار كما فى المضمرات.

اگر کوئی شخص مسجد میں اقامت کے وقت داخل ہوا تو بیٹھ جائے۔ کیونکہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے۔ ایسا ہی مضمرات قہستانی میں ہے۔

شرح وقایہ مجیدی جلد اول ص ۱۳۶ میں ہے۔

ويقوم الامام والقوم عند حی على الصلاة. امام اور مقتدی حی علی... کے وقت کھڑے ہوں۔

عمدۃ الرعایہ میں ہے۔

وفيه اشارة الى انه اذا دخل المسجد يكره له انتظار الصلاة قائما بل يجلس فى موضع ثم يقوم عند حى على الفلاح وبه صرح فى جامع المضمرات.

اسی طرح اقامت شروع ہونے کے بعد حی علی الفلاح، کے قبل بھی کوئی مقتدی آجائے تو اسے بھی بیٹھ جانا چاہیے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے، اس کے حوالے بھی اوپر گزرے، میں نے اس صورت کو خاص طور پر ذکر کیا، چونکہ اس صورت میں دیوبندی حضرات اختلاف ونزاع کرتے ہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۰۷: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس مسئلہ میں کہ مغرب کی نماز میں مؤذن جماعت میں شامل نہ ہونے پایا تھا کہ ایک صاحب جو بائیں طرف پانچ چھ نمازیوں کے بعد کھڑے تھے، تکبیر پڑھنی شروع کردی۔ کیا ان صاحب کا بغیر اذن مؤذن کے اور بغیر ان کے شامل ہوئے بائیں ہاتھ کی طرف کھڑے ہو کر تکبیر پڑھنا صحیح تھا۔ دائیں طرف کھڑے ہو کر یا بائیں طرف کھڑے ہو کر تکبیر پڑھنا ان دونوں صورتوں میں سے کون صورت جائز ہے؟

مسئولہ اصغر حسین، چورگلیا روڈ ۵، ہلدوانی، ضلع نینی تال، ۳۰ رشعبان المعظم ۱۳۸۳ھ

الجواب: جو اذان کہے اس کو تکبیر و اقامت کہنے کا حق ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے، من اذن فهو يقيم، (جو اذان دے، وہی اقامت کہے)۔ لہٰذا دوسرے شخص کو مؤذن کے آئے بغیر اور اس کی اجازت کے بغیر اقامت نہ کہنا چاہیے۔ اس کی یہ بات غلط ہے۔ اقامت کے وقت مؤذن کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے ہی کھڑا ہو۔ دائیں بائیں جانب بھی کھڑا ہو کر مؤذن اقامت وتکبیر کہے تو کوئی حرج نہیں اور بائیں جانب سے دائیں جانب اقامت کہنا افضل ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے اذان کہی اور تکبیر ایک داڑھی منڈانے والے سے پڑھنے کو کہا اور اپنے پیچھے کھڑا کیا، جب کہ وہ شخص تکبیر بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبد الرشید، پختہ باغ، مراد آباد، ۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ

الجواب: سائل کو اس سے قبل ایک سوال کے جواب میں بتایا جاچکا ہے کہ امام کے پیچھے تکبیر کہنے کیلئے ایسے شخص کو کھڑا کیا جائے جو امامت کرنے کے قابل ہو جس کی داڑھی بھی حد شرع کے مطابق ہو۔ یہی افضل واولیٰ ہے۔ اسی سے سائل کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس کے خلاف کرنا خواہ امام کرے، یا مقتدی خلاف اولیٰ وافضل ہے۔ لہٰذا امام کا داڑھی منڈانے والے سے تکبیر کہلوانا اور اس کو اپنے پیچھے کھڑا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مکبر تکبیر امام کے سامنے یا امام کے داہنے جانب کہے، افضل واولیٰ کون سی صورت ہے، اگر مکبر نے امام کے داہنے جانب یا بائیں جانب تکبیر پڑھی تو وہ تکبیر ہوئی یا نہیں، بحوالۂ کتب جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ محمد نورالزماں خاں، محلّہ قانون گو، مراد آباد، امام مسجد کھلو والی، ۳۰ ستمبر ۱۹۶۶ء

الجواب: اقامت کی نسبت تعیین جہت کہ داہنی جانب ہو یا بائیں جانب فقیر کی نظر سے اب تک نہ گزری بلکہ ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ امام خود اذان اور اقامت کہے۔ في الدر المختار۔

الافضل كون الامام هو المؤذن انتهیٰ و في فتح القدير الافضل كون الامام هو المؤذن وهذا مذهبنا وعليه كان ابوحنيفة انتهیٰ وفي ردالمحتار السنة ان يقيم المؤذن انتهیٰ وفيه عن السراج ان اباحنيفة كان يباشر الاذان والاقامة بنفسه. افضل یہ ہے کہ امام ہی موذن ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ امام ہی کا موذن ہونا افضل ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ سنت یہ ہے کہ موذن اقامت کہے۔ اسی میں السراج سے ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اذان اور اقامت خود پابندی کے ساتھ کہتے تھے۔

اور علماء جائز رکھتے ہیں کہ جہاں اذان ہوئی وہیں اقامت بھی کہی جائے اور ظاہر ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی، بلکہ مکروہ ہے۔ پھر جب بیان افضلیت پر آتے ہیں تو اسی قدر فرماتے ہیں کہ اقامت کا مسجد میں ہونا بہتر ہے اور یہاں لفظ کو مطلق چھوڑتے ہیں، تخصیص جہت کچھ نہیں کرتے۔ في البحر الرائق.

يستحب التحول للاقامة الى غير موضع الاذان انتهیٰ وفيه يسن الاذان في موضع عال والاقامة على الارض. مستحب یہ ہے کہ اقامت اذان کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ کہی جائے، اسی میں ہے۔ اذان اونچی جگہ مسنون ہے اور اقامت سطح زمین پر۔

ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ محاذات امام پھر جانب راست مناسب تر ہے، جو اقامت یعنی تکبیر داہنے یا بائیں جانب کہی گئی وہ یقیناً بغیر کسی کراہت کے صحیح ودرست ہوئی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ تکبیر اقامت کے لیے پہلی صف میں کھڑا ہونا ضروری ہے، یا دوسری اور تیسری صف میں بھی کھڑے ہو کر تکبیر کہہ سکتا ہے۔ تکبیر کے لیے کون سی جگہ مناسب اور جائز ہے۔ شریعت طاہرہ کی روشنی میں جواب عطا فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالرزاق، موضع جلال پور، ڈاکخانہ کھابری اول ضلع مرادآباد، ۱۹ر جولائی ۱۹۶۹ء

الجواب: ہم میں اکثر لوگ عادت ورواج کے خلاف کسی کام کو کرتے ہوئے دیکھ کر سمجھ لیا کرتے ہیں کہ یہ کام ناجائز ہوا یا غلط ہوا۔ ایسا سمجھ لینا غلطی پر مبنی ہے۔ حکم شریعت طاہرہ یہ ہے کہ ہر اذان خواہ نماز پنجگانہ کی ہو یا جمعہ کی خارج مسجد ہی میں ہونی چاہیے۔ یہی مسنون ومستحب ہے، اور اندرون مسجد ہر اس جگہ پر اذان دینی مکروہ وممنوع ہے، جو نماز پڑھنے کے لئے وضع کی گئی ہو۔ فنائے مسجد کے ہر حصے میں اذان صحیح وجائز ہے، مکروہ نہیں۔ اس لیے کہ مسجد کے دروازے پر امام کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دینے کو کوئی شخص رائج کرتا ہے تو اسی نظریئے کے لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ ایسا اعتراض اپنی جگہ پر غلط اور لغو وباطل ہے۔ اسی طرح عام طور پر تکبیر واقامت پہلی ہی صف میں ہوا کرتی ہے، مگر جب کوئی شخص پہلی صف کے علاوہ دوسری یا تیسری صف میں تکبیر واقامت کہتا ہے تو اسی خیال کے لوگ معترض ہوتے ہیں۔ یہ اعتراض بھی اپنی جگہ پر غلط وباطل ہے۔ تکبیر واقامت کے لیے زیادہ مناسب جگہ امام کے پیچھے یا داہنے طرف پہلی صف میں ہے، لیکن ہر صف میں خواہ دوسری ہو یا تیسری یا اور کوئی صف۔ تکبیر واقامت کہنا صحیح وجائز ہے۔ شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، اس پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱: مؤذن کو اقامت کس صف پر کہنی چاہیے۔ مؤذن اپنی جائے اقامت پر مصلیٰ وغیرہ بطور نشان رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ سید مولوی صالح ظہور رضوی، مقام ڈگبوئی آسام

الجواب: مؤذن اقامت پہلی صف میں کہے، یہی معمول ومروج ہے۔ اس کے لیے مصلیٰ اور جانماز بچھانا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

تثویب کا بیان

مسئلہ ۱۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اسلامیہ مسئلہ ذیل میں کہ:

زید اذان کے بعد نماز سے چند منٹ پیشتر تثویب یعنی صلوٰۃ پڑھتا ہے، **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللّٰہ،** وغیرہ، بکر اس صلوٰۃ کو ناجائز وحرام اور بدعت بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا ثبوت نہ تو قرآن کریم میں ہے، نہ حدیثوں میں ہے نہ اقوال صحابہ میں ہے۔ بکر کا ناجائز وحرام بتانا کہاں تک صحیح ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا صحابہ کرام نے یہ فعل کیا اور کرنے کا حکم دیا یا نہیں؟

مسئولہ نوراحسن رضوی، مدرسہ معین العلوم، جامع مسجد، نواب گنج، گونڈہ، ۱۰ر مئی ۱۹۶۳ء

الجواب: مذکورہ بالا اقوال بکر ظاہر ہے کہ فرقہ بندی پر مشتمل ہیں۔ زید سنی معلوم ہوتا ہے اور بکر وہابی دیوبندی۔ چونکہ طائفہ وہابیہ دیابنہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر جائز چیز کو حرام وناجائز اور بدعت وناروا بلا خوف وخطر کہہ دیا کرتا ہے اور ہر معاملہ میں قرآن وحدیث کی دلیلوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ وہابیت عظیم ترین جہل مرکب میں ہے کہ وہ کسی امر جواب کے لیے

قرآن وحدیث کے سوا اور دوسرے ادلۂ شرعیہ کو مستند دلیل نہیں جانتی، حالانکہ ہر معمولی پڑھا لکھا سمجھدار انسان اتنی بات جانتا ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں، (۱) کتاب اللہ، (۲) سنت رسول اللہ، (۳) اجماع امت، (۴) قیاس ائمۂ مجتہدین۔ لہٰذا بکر کا ہر معاملہ میں یہ کہہ دینا کہ یہ کام ناجائز وحرام وبدعت وناروا ہے، قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت نہیں۔ بکر کی جہالت پر دال ہے۔ نیز سنی حضرات جن امور کو جائز ومستحب اور مندوب ومستحسن قرار دیتے ہیں، وہ جواز واستحباب پر ادلۂ اربعہ میں سے کوئی نہ کوئی دلیل ضرور رکھتے ہیں۔ لیکن طائفۂ وہابیہ حرام، ناجائز، بدعت، ناروا کہنے کے بعد کوئی دلیل شرعی پیش نہیں کرتا۔ بکر نے جن امور کو ناجائز وحرام بتایا ہے، ان کی حرمت وعدم جواز کی دلیل شرعی پیش کرے، کیا صرف امورِ مستحبہ اور مباحہ کے لیے ہی قرآن وحدیث کی دلیل کا ہونا ضروری ہے اور حرام وناجائز کہنے کے لیے کسی دلیل شرعی کی حاجت نہیں رہتی۔ **هٰذا زعم الديابنه والوهابيه وهو ليس بصحيح فامعن بعين التحقيق وانظر بالنظر الدقيق۔**

بلاشبہ "تثویب" یعنی اذان کے بعد اور جماعت سے پہلے اپنے مخصوص کلمات سے بآواز بلند نمازیوں کو قیام نماز کی اطلاع کرنا شرعاً مستحب ومندوب ہے اور اس کو ممنوع قرار دینا سراسر جہالت وبطالت ہے کہ ایک امر مستحسن کو ناجائز وحرام بتانا بیّن طور پر زیادتی براحکام شریعت۔

یہ حکم استحسان قرآن کریم کی آیت سے ماخوذ ومستنبط ہے قال اللّٰہ تعالٰی ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ﴾ [فصلت:۳۳] (اس سے کس کی بات بہتر جو اللہ کی طرف بلائے)۔ علاوہ ازیں حنفی فقہ کی کثیر کتب مستندہ میں بھی یہ حکم استحسان مذکور ہے۔ درمختار مصری جلد اول ۲۸۵ میں ہے۔

> **ويثوب بين الاذان والاقامة فى الكل للكل بماتعارفوه الخ.** اذان واقامت کے درمیان "تثویب" کے الفاظ کہے جائیں ہر وقت کی نماز میں تمام لوگوں کے لئے۔ جس طرح کے بھی الفاظ سے لوگ وہاں مانوس ہوں۔

اسی کے ص ۲۸۶ میں ہے۔

> **التسليم بعد الاذان حدث فى ربيع الآخر سنة سبعمائة واحدى و ثمانين فى عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشرسنين حدث فى الكل الاالمغرب وهوبدعة حسنة (ملخصا).** اذان کے بعد سلام پڑھنے کا رواج ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں پڑا۔ پہلے شب دوشنبہ عشاء میں، پھر جمعہ کے دن پھر دس سال کے بعد مغرب کے علاوہ ہر نماز میں اس کا رواج ہو گیا۔ یہ اچھی بدعت ہے (ملخصا)

ردالمحتار ص ۲۸۵ میں ہے۔

> **قال فى العناية احدث المتاخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ماتعارفوه فى جميع الصلوٰت سوى المغرب مع ابقاء الاول يعنى الاصل وماراه المسلمون حسنا فهوعند اللّٰه حسن.** العناية میں کہا "متاخرین نے مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں اپنے عرف

درواج کے مطابق اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کی ایجاد کی۔ اصل یعنی اذان کو باقی رکھتے ہوئے اور
مسلمان جسے اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اوّل ص ۴۰ میں ہے۔

واستحسن المتاخرون التثویب فی کل الصلوات هوالاعلام بعد الاعلام حسب ماتعارفوه اهل کل بلدة بین الاذانین. متاخرین نے تثویب کو اذان واقامت کے درمیان مستحسن خیال کیا۔ یہ اعلان نماز کے بعد اعلان جماعت ہے۔ اس کے لیے مختلف شہر والوں نے مختلف طریقہ اپنالیا ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۷ میں ہے۔

ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظهور التوانی فی الامور الدینیه فی الاصح وتثویب کل بلدة بحسب ماتعارفه اهلها. اذان کے بعد تمام اوقات میں تثویب کہا جائے۔ کیونکہ سستی وکاہلی دینی معاملات میں ظاہر ہوچکی ہے۔ صحیح مذہب میں یہی ہے۔ ہر شہر کی تثویب وہاں کے رواج کے مطابق ہوئی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

استحسن المتاخرون، وقدروی احمدفی السنن والبزاروغیرهماباسناد حسن موقوفاً علی ابن مسعود ماراٰه المسلمون حسنا فهوعندالله حسن ولم یکن فی زمنه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ولافی زمن اصحابه. علماء متاخرین نے اس عمل تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے۔ امام احمد نے اپنی سنن میں اور بزار وغیرہما نے اسناد حسن کے ساتھ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ایک موقوف حدیث روایت کی۔ مسلمانوں کی جماعت جس عمل کو اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ یہ رواج نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، نہ آپ کے اصحاب کے زمانہ میں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۵۳ میں ہے۔

والتثویب حسن عندالمتاخرین فی کل صلوٰة الافی المغرب هٰذا فی شرح النقایه للشیخ ابی المکارم وهورجوع المؤذن الی الاعلام بالصلوٰة بین الاذان والاقامة، وتثویب کل بلدة علی ماتعارفوه. تثویب اچھا ہے مغرب کے علاوہ ہر نماز میں متاخرین کے نزدیک۔ شیخ ابوالمکارم کی شرح النقایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ یہ اذان اور اقامت کے درمیان موذن کا نماز شروع ہونے کا ایک مزید اعلان ہے۔ اور ہر شہر کی تثویب وہاں کے رواج کے مطابق ہوگی۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔

لاباس بالتثویب وهوزیادة الاعلام فی سائرالصلوات علی جواب المتاخرین و تثویب کل قوم علی ماتعارفوه. ''تثویب'' میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تو اعلان مزید ہے۔ تمام نمازوں میں

کر سکتے ہیں۔ متاخرین کے نزدیک ہر قوم کی تثویب اس کے عرف و رواج کے مطابق ہوگی۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ عشاء، فجر، عصر میں اذان کے بعد مخصوص الفاظ میں تثویب کی جاتی ہے اور اس کو امر مستحسن سمجھا جاتا ہے تو کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے اور ہے تو کہاں ہے؟

(۲): زید کہتا ہے کہ سرکار دوعالم کے اسم گرامی سن کر جو شخص انگوٹھا چوم کر آنکھوں سے لگاتا ہے، اس کی آنکھوں کی روشنی زیادہ ہوتی ہے اور بھی بہت سے فوائد ہیں، بکر یہ کہتا ہے کہ یہ بدعت ہے، کسی صحابی نے نہیں کیا، کیا اس کا ثبوت کسی حدیث یا قرآن کی کسی آیت یا صحابہ کرام کے اقوال سے ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالرحمٰن صاحب، محلہ گل شہید، مراد آباد، ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ

الجواب: (۱): ہر ادنیٰ عقل وتمیز والا انسان ومومن جانتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حضرت رب العزت جل وعلا ورسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوب اور شرعاً مطلوب ہے، تثویب میں نمازیوں کو نماز کی دعوت بتاکید دی جاتی ہے اس میں آخر سقم وخرابی کیا ہے، جو مانعین ومنکرین معلوم کرتے ہیں کہ اس کی اصل کہاں ہے۔ بلاشبہ تثویب میں امر بالمعروف کا حکم ہے، اور نماز جیسی اہم ترین عبادت کی دعوت، وامر بالمعروف فرمان ذی شان رب قدیر حنان ومنان ہے، ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ﴾ حکم جمیل رب جلیل ہے، ﴿تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ نیک بندوں کی صفت ہے، یہی نصوص تثویب کے جواز کی اصل ہیں۔ ان ہی نصوص مذکورہ کی روشنی میں فقہائے کرام متاخرین نے ہماری غفلت وکوتاہی، سستی وکاہلی کی بناء پر تثویب کو رائج فرمایا اور کتب فقہیہ میں یہ تحریر کردیا، یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ۔ درمختار ہاشمی ص ۴۴ اور استحسن المتاخرون التثویب فی الصلوٰۃ کلھا شرح وقایہ جلد اوّل مطبع انوار محمدی ص ۱۶۵، آج اہل زمانہ کی ستم ظریفیوں پر افسوس ہوتا ہے کہ ایسی ظاہر وباہر اور صریح امور خیر کے متعلق اصل کا سوال کیا جاتا ہے۔ کوئی تبلیغی جماعت کو نہیں دریافت کرتا کہ اس کی اصل کہاں سے ہے، جبکہ اس کے کم از کم سو میں سے نوے افراد تبلیغ سے نابلد اور بالکل نااہل ہوتے ہیں، جو روح اسلام تو بڑی چیز ہے۔ نماز کے مسائل ضروریہ سے بھی بے خبر ہوتے ہیں اور "خفتہ را خفتہ کے کند بیدار" کی مصداق صحیح۔ لیکن صرف نماز جماعت کی دعوت دینے یعنی تثویب کہنے پر دل کا بخار نکالنے لگتے ہیں۔ والی اللّٰہ المشتکیٰ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲): نام نامی اسم گرامی حضور احمد مختار علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کو اذان واقامت میں سن کر اپنے انگوٹھے یا شہادت کی انگلی کو چوم کر آنکھوں سے لگانا مندوب ومستحب اور علامت عقیدت ومحبت ہے، سیدنا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مؤذن کی زبان سے اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ، سنا تو اپنی انگلی کو چوم کر آنکھوں سے لگایا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد مشاہدہ فرمایا، من فعل مثل خلیلی فقد حلت له شفاعتی، یعنی جو شخص میرے خلیل یعنی (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے طریقہ کا اتباع کرتے ہوئے ایسا کرے گا، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

نیز طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۲۲ میں ہے۔

ذکر القہستانی عن ..... (پوری عبارت.....مسئلہ ۹۳...میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم نے بہت سی جگہوں پر دیکھا ہے کہ جب اذان ہو جاتی ہے تو اس کے بعد جب جماعت میں پانچ منٹ باقی رہ جاتے ہیں، تو ایک آدمی اس جگہ پر کھڑے ہو کر جس جگہ پر اذان دی جاتی ہے، ہاتھ باندھ کر قبلہ رو یا کچھ دائیں جانب ہو کر بآواز بلند یہ الفاظ کہتا ہے، **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ،** تاکہ جن لوگوں نے اذان نہ سنی ہو وہ صلوٰۃ سن کر آجائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اب جماعت کو کھڑے ہونے والے ہیں، لہٰذا اعلان کی نیت سے پکاری جاتی ہے، اور ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ ناجائز اور بدعت ہے اور حضور کے زمانہ میں نہیں تھی اور نہ صحابہ وتابعین کے یہ بدعتی لوگوں نے نئی نئی باتیں نکالی ہیں، اس سے بچنا بہتر ہے، ان کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

مسئولہ محمد لئیق احمد صاحب اشرفی، محلہ کوٹ غربی، سنبھل، ۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ پنجشنبہ

الجواب: اس کو شریعت کی زبان میں تثویب کہتے ہیں، یعنی وقت جماعت کے قریب ہونے کا اعلان کرنا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ نماز تیار ہے، اس کو متاخرین نے مندوب و مستحسن قرار دیا ہے۔ اس سے انکار کرنا شریعت مطہرہ سے جہالت کی علامت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا، مگر دین پاک میں ہر نئی نکالی ہوئی چیز کو بدعت سیئہ اور برا کہہ دینا سراسر جہالت وضلالت ہے، بہت سی چیزیں جو زمانہ اقدس میں نہ تھیں بعد کو وجود میں آئیں اور ان پر عمل کرنے کو علماء نے واجب قرار دیا اور بعض کو مستحب ومباح بتایا۔ بعد کی نکالی ہوئی چیزوں کے محمود (اچھا) اور مذموم (برا) ہونے کا ضابطہ خود سرکار نے یوں متعین فرمایا ہے۔

> قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ، فلہ اجرھا. واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شئی ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شئی (رواہ مسلم) ملتقطاً. یعنی جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس کا ثواب اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا۔ بغیر یہ کہ اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی ہو۔ اسی طرح جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس کا گناہ اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا، بغیر اس کے کہ اس پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی ہو۔

درمختار مطبوعہ کلکتہ ص ۵۰ میں ہے۔

> (و یثوب) بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ (ویجلس بینھما) بقدر مایحضر الملازمون مراعیا لوقت الندب (الا فی المغرب). اذان واقامت کے درمیان

''تثویب'' کے الفاظ کہے جائیں، جسطرح کے بھی الفاظ سے لوگ وہاں مانوس ہوں۔ تثویب ہر نماز میں کوئی فرد بھی کہہ سکتا ہے۔ اذان واقامت کے درمیان وقت مستحب کی رعایت کرتے ہوئے۔ اتنی دیر بیٹھے کہ جماعت کے پابند نمازی حضرات حاضر ہو جائیں۔ مغرب کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۷ میں ہے۔

ویثوب بعد الاذان .... (پوری عبارت...... مسئلہ ۱۱۲... میں دیکھیں)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

استحسن المتاخرون .... (پوری عبارت...... مسئلہ ۱۱۲... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب شروط الصلوٰۃ (نماز کی شرطوں کا بیان)

مسئلہ ۱۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے کرم ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے لیے دل سے یا زبان سے وقت کی تعیین ضروری ہے یا نہیں۔ یعنی اس طرح کہ میں آج کی نماز ظہر پڑھ رہا ہوں یا عصر کی، بہر حال اگر وقت کی تعیین ضروری نہیں ہے تو پھر صاحب نور الانوار کی مندرجہ ذیل تقریر کا کیا جواب ہے؟ مفصل تحریر کریں۔ نور الانوار مطبع یوسفی بحث الاداء والقضاء ص ۵۹ میں ہے۔

اشتراط نیة التعیین ای من حکم هذالقسم الذی هو ظرف اشتراط نیة التعیین بان یقول نویت ان اصلی ظهر الیوم ولا یصح بمطلق النیة لانه لما کان الوقت ظرفا صالحا للوقتی وغیره من النوافل والقضاء یجب ان یعین النیة۔

اس لیے مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تعیین وقت کے مطلق نیت سے نماز صحیح نہیں ہے، خواہ وہ وقتیہ ہو یا غیر وقتیہ، ادا ہو یا قضا، و نیز اس تقریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دل سے یا زبان سے کہنا ضروری ہے کہ میں آج کے ظہر کی نماز ادا کر رہا ہوں، یا اس ظہر کی۔ و نیز صاحب نور الانوار کے اس قول سے اردو کتابوں کی نیتیں بھی غلط و بیکار ہو جاتی ہیں۔ اس لیے کہ اردو کتابوں کے نیت ناموں میں دیکھا گیا ہے کہ آج کی قید نہیں ہے۔ بلکہ مطلق نیت ہے۔ اس کا کیا جواب ہے۔ کیا جتنے بھی نیت نامہ والی کتابیں ہیں ان کو لغو اور بیکار قرار دے دیا جائے، مدلل تحریر فرمادیں تاکہ سائل کو تشفی ہو جائے۔

(نوٹ): انما الاعمال الخ کے ماتحت کیا ارادہ دل میں رکھا جائے کہ آج کا جیسے کہ صاحب نور الانوار نے بتایا ہے، یا مطلق؟

مسئولہ محمد رئیس، محلہ طویلہ، مرادآباد، ۲ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

الجواب: ہر فرض نماز کے لیے دل سے نیت کرنے میں ایسی تعیین ضروری ہے کہ وہ نماز، تمام نمازوں سے ممتاز ہو جائے اور اس قلبی ارادے میں کسی دوسری نماز کا احتمال نہ باقی رہے اور زبان سے اس قسم کی نیت ضروری نہیں، بلکہ مندوب و مستحسن اور مستحب ہے اور بقول بعض فقہاء منت علمائے کرام ہے۔ لہٰذا ہر فرض نماز کے لیے نیت کرتے وقت دل

میں کامل درجہ کی تعیین وتمیز کا وجود ہونا ضروری ہے۔عبارت نورالانوار کی ساری بحث کا تعلق قلبی نیت اور دلی ارادے سے ہے اور زبان سے نیت کرنے کے متعلق عبارت نورالانوار کو کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ سائل کو خود تسلیم ہے۔درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۰۵ میں ہے۔

(والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ) فلا عبرۃ للذکر باللسان، ان خالف القلب، لانہ کلام، لانیۃ (وھو) ای عمل القلب (ان یعلم) عنہ الارادۃ (بداھۃ) بلاتامل (ای صلوٰۃ یصلی والتلفظ) عندالارادۃ (بہا مستحب) ھوالمختار (وقیل سنۃ) یعنی احب السلف، اوسنہ علمائنا، اذلم ینقل عن المصطفٰی ولاالصحابۃ ولاالتابعین۔(ملخصا). نیت کے اندر عمل قلب کا اعتبار ہے، جوارادہ کے لیے لازم ہے۔لہٰذا اگر دل میں کچھ ہو اور زبان سے کچھ اور نکل گیا تو اس کا اعتبار نہیں۔کیونکہ جو زبان سے نکلا وہ نیت نہیں ہے۔اور وہ یعنی عمل قلب، یعنی جس سے ارادہ بداھۃً بلاتامل معلوم ہو جائے۔یعنی جونماز وہ پڑھ رہا ہے، وہ غیر سے ممتاز ہو جائے۔نماز کی نیت کے وقت زبان سے بولنا مستحب ہے۔یہی مختار ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔یعنی اسلاف نے اس کو پسندیدہ سمجھا۔ یا یہ ہمارے علماء کی سنت ہے۔کیونکہ یہ نہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے، نہ صحابہ سے نہ تابعین سے منقول ہوا۔

مراقی الفلاح ص ۱۲۸ میں ہے۔

(و) تشترط (النیۃ) وھی الارادۃ الجازمۃ لتتمیزالعبادۃ عن العادۃ. نیت شرط ہے۔یعنی ایسا جازم (پختہ) ارادہ کہ عبادت، عادت سے ممتاز ہو جائے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

(قولہ لتتمیز العبادۃ عن العادۃ) اویتمیز بعض العبادۃ عن بعض مثال الاول الامساک عن المفطرات، فانہ یکون لعدم الحاجۃ الیہ والحمیۃ فلا یمتازالصوم عنہ الابالنیۃ ومثال الثانی فی الصلوٰۃ مثلاً فانہا تکون فرضا و واجبا، ونفلا، فشرعت فیہا النیۃ، لیتمیز بعضہا عن بعض. (ان کا قول عبادت، عادت سے ممتاز ہو جائے) یا بعض عبادت دوسری عبادت سے ممتاز ہو جائے۔پہلے کی مثال: روزہ توڑنے والی چیزوں سے باز رہنا۔کیونکہ یہ عدم ضرورت کے سبب سے بھی ہو سکتا ہے یا اس کا ایک سبب پرہیز بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے نواقض روزہ سے پرہیز کرنے اور روزہ کے درمیان امتیاز نیت ہی سے ہو سکتا ہے۔دوسرے کی مثال: نماز میں موجود ہے۔کیونکہ نماز فرض، واجب، نفل ہوتی ہے۔پس نیت فرض کی گئی تا کہ ایک نماز دوسری سے ممتاز ہو جائے۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۰۷ میں ہے۔

(ولابد من التعیین عند النیۃ) فلو جہل الفرضیۃ لم یجزولوعلم ولم یمیزالفرض من

غیرہ ان نوی الفرض فی الکل جاز و کذالوام غیرہ فی مالا سنة قبلها (لفرض) انه ظهر' او عصر' قرنه بالیوم او الوقت او لاهو الاصح. نیت کے وقت تعیین ضروری ہے کہ ظہر کا فرض پڑھ رہا ہے یا عصر کا۔ اس نیت کو وقت و یوم سے متصل کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا اگر فرضیت کی نیت نہیں کی تو نہیں جائز ہوگی۔ اور اگر اسے فرضیت نماز پنجگانہ کا علم ہوا۔ لیکن فرض کو واجب و سنت سے نیت میں ممتاز نہیں کیا تو اگر مجموعی طور پر فرض کی نیت کر لیا تو جائز ہے۔ اسی طرح جائز ہے اگر ایسی نماز کی امامت کی جس سے پہلے سنت نہیں ہے۔

اور نفل اور سنت مؤکدہ اور تراویح کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔ ان نمازوں میں تعیین وقت اور یوم اور نفل و سنت ضروری نہیں۔ درمختار مصری جلد اول ص ۳۰۷ میں ہے۔

(و کفی مطلق نیة الصلوة) وان لم یقل لله (لنفل و سنة) راتبة (و تراویح) علی المعتمد. بغیر قید نفل یا سنت یا تعداد مطلق نیت نماز کافی ہے، اگر چہ کہ یہ لفظ نہیں کہا کہ اللہ کے لئے نفل یا سنت موکدہ یا تراویح کی نیت کر رہا ہوں۔ قول معتمد یہی ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (و کفی الخ) ای بان یقصد الصلوة بلاقید نفلٍ اوسنة او عدد۔ یعنی نماز کا ارادہ کرے اور اس میں نفل یا سنت یا تعداد کی قید نہ ہو۔

اسی میں ہے۔

(قوله لنفل) هذا بالاتفاق (قوله و سنة) ولو سنة فجر حتی لو تهجد برکعتین' ثم تبین انها بعد الفجر نابتا عن السنة و کذالو صلی اربعاً و وقعت الاخریان بعد الفجر و به یفتیٰ خلاصه. (ان کا قول نفل) یہ بالاتفاق ہے۔ (ان کا قول سنت) اگر چہ کہ فجر کی سنت ہو۔ یہاں تک کہ اگر تہجد کی دو رکعت پڑھی پھر ظاہر ہوا کہ طلوع فجر ہو چکا ہے۔ تو دو رکعت فجر کی سنت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر چار رکعت پڑھی اور بعد کی دو رکعت جب پڑھی تھی، طلوع فجر ہو چکا تھا۔ تو یہ دو رکعت سنت فجر کی نائب ہو جائے گی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

اسی میں ہے۔

(قوله علی المعتمد) ای من قولین مصححین وانما اعتمد هذا لما فی البحر من انه ظاهر الروایة وجعله فی المحیط قول عامة المشائخ ورجحه فی الفتح ونسبه الی المحققین، (ان کا قول "قول معتمد کی بنیاد پر") یعنی دو قول مصحح میں سے قول معتمد کی بنیاد پر۔ اس پر اعتماد محض اس بنیاد پر کیا کہ البحر میں ہے کہ یہی قول ظاہر الروایۃ ہے۔ المحیط میں اسے عام فقہاء حنفیہ کا قول قرار دیا۔ الفتح میں اسے راجح ترین قرار دیا اور اسے محققین کی طرف منسوب کیا۔

عبارات مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نورالانوار کی عبارت جس میں کہ نیت کی تعیین کو شرط قرار دیا گیا ہے وہ مخصوص بالفرض ہے۔

سائل کا سوال میں یہ لکھنا ''نیز اس تقریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دل سے یا زبان سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میں آج کے فجر کی نماز ادا کر رہا ہوں یا اس ظہر کی'' علی الاطلاق صحیح نہیں، چونکہ زبان سے نیت کے الفاظ کا کہنا مطلقاً ضروری نہیں، جیسا کہ اوپر گزرا، بلکہ دل میں اس قسم کی نیت معینہ ممیزہ کا ہونا ضروری ہے۔ **کمامر آنفا۔**

نیز عبارت نورالانوار سے اور دوسری کتابوں کی نیت کا غلط ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، چونکہ جب زبانی نیت ہی ضروری نہیں ہے تو پھر زبانی میں وقت و یوم کی تعیین بھی بطریق اولیٰ ضروری نہ ہوگی، حتی کہ اگر کوئی شخص مطلقاً زبان سے نیت نہ کرے اور صرف دل کی نیت پر اکتفا کرے تو نماز یقیناً صحیح و درست ہوگی، سائل کو عبارت نورالانوار بان یقول سے یہ وہم نہ ہونا چاہیے کہ زبان سے کہنا ضروری ہے، اس لیے کہ یقول کا لفظ دل کے ارادے اور قلبی نیت کے ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسری معتبر اور مفتی بہ عبارت سے تعارض پیدا ہوگا، لہٰذا دفع تعارض کے لیے یہی ضروری ہے کہ یقول کی تاویل و توجیہ کی جائے، درمختار کی منقولہ عبارت قرینہ **بالیوم او الوقت اولا ھو الاصح،** سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یوم و وقت کی قید قول اصح پر ضروری نہیں چونکہ متون معتبرہ میں مطلق تعیین کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور وقت و یوم کی تعیین کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ سنن و نوافل کی نیت میں بھی سرکار کا نام پاک لینا منع ہے۔ عمرو نے کہا کہ ضرور لیا جائے گا، چونکہ سنن و نوافل کی تعلیم سرکار نے دی ہے اور طریقہ سرکار کا ہے۔ اس پر زید نے کہا کہ فرائض کی بھی تو تعلیم سرکار نے دی ہے، پھر فرائض کی نیت میں سرکار کا اسم گرامی کیوں نہیں لیا جاتا، نیز زید دعویٰ دار ہے کہ میں سنی اور دیوبندی علماء کی کتابوں کو چھوڑ کر علمائے متقدمین کی کتابوں سے ثابت کر سکتا ہوں کہ سنت نماز کی نیت میں سرکار کا اسم گرامی نہیں لیا جائے گا، اب حضور والا سے گذارش ہے کہ زید و عمرو میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر مدلل جواب ارشاد فرمائیں؟

مسئولہ محمد شمس الدین اشرفی، جامعہ نعیمیہ، ۱۱ر جون ۱۹۷۶ء

الجواب: نیت دل کے پختہ ارادے کا نام ہے۔ نیت کرتے وقت دل میں اور قلب میں یہ بات ہونی چاہیے کہ میں فلاں نماز کی اتنی رکعتیں فرض یا واجب، یا سنت، نفل کی اللہ تعالیٰ کے لیے قبلہ رو ہو کر پڑھ رہا ہوں۔ اصل نیت یہی ہے۔ زبان سے نیت کرنی فرض و لازم نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، تاکہ زبان سے بھی دل کے ارادے کی موافقت ہو جائے۔ سنت رسول اللہ کا لفظ کہنا اس لیے بہتر و مناسب ہے کہ کسی اور نبی یا رسول کی سنت یا صحابہ کرام اور صحابیات یا اہل بیت و آل اطہار و ازواج مطہرات کی سنت کا احتمال باقی نہ رہے۔ اس لیے کہ ہم جتنی سنتیں پڑھتے ہیں، وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت ہے، جو لفظ ''سنت رسول اللہ'' کے کہنے سے منع کرتا ہے، وہ غلطی پر ہے، چونکہ لفظ ''سنت رسول اللہ'' سے مزید تعیین و توضیح ہوتی ہے۔ نماز میں کوئی خرابی و نقصان لازم نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ منع کرنے والے کے دلی بغض

وعداوت کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ ذکر رسول اللہ کا روکنا رسول اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم کے دشمنوں کا کام ہے، محبین ومعتقدین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اپنے محبوب کے ذکر کو روکے اور منع کرے، اور عمرو کا لفظ سنت رسول اللہ کو نیت میں شامل کرنے کو ضروری بتانا اگر اولیٰ وافضل ہونے کی بناپر ہے تو صحیح ودرست ہے، اور فرض واجب ہونے کی بناپر ہے تو بھی برخطا ہے۔ چونکہ زبان سے نیت کرنی ہی فرض ولازم نہیں ہے۔ زید کی بحث لایعنی ہے اور اس کی حجت تام نہیں ہے۔ اگر زید کے پاس ایسی دلیلیں متقدمین کی کتابوں کے حوالے سے ہیں جن سے لفظ "سنت رسول اللہ کی ممانعت ہوتی ہے تو وہ دلیل میدان میں لائے۔ آخر دعویٰ کی دلیل لانے سے اسے کون روکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ نیت کی میں نے دو رکعت نماز سنت رسول اللہ کی واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر. اب عمر کہتا ہے کہ سنت رسول اللہ نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ حضور جس طرح نیت کرتے تھے ویسی کرنی چاہیے۔ اب حضور سے دریافت طلب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح نیت کرتے تھے، اور سنت رسول کہنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

مسئولہ چھوٹے، محلّہ پختہ باغ، مرادآباد، ۳ر ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ یکشنبہ

الجواب: عربی اور اردو میں نیت کی جتنی کتابیں پرانی چھپی ہوئی ہیں، سب میں جملہ نماز مسنون کی نیت میں لفظ "سنت رسول اللہ" مرقوم ہے۔ اسی پر سارے مسلمانوں کا عمل قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ ہمیں بھی ہمارے اساتذہ نے ہر نماز سنت کی نیت میں "سنت رسول اللہ" کہنا چاہیے بتایا ہے، ہر سنت نماز کو اسی لیے سنت کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ نماز حضور نے پڑھی تو امت کے لیے یہ سنت ہوگئی۔ لہٰذا ہم حضور کی پیروی میں جو نماز پڑھتے ہیں تو ہم کو "سنت رسول اللہ" کہنا چاہیے، اور حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کی پیروی میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ حضور کو سنت ابراہیم کہنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زبان سے نیت کرنا بھی ثابت نہیں۔ حضور کے قلب مبارک میں نیت ہوتی تھی اور قلب کا پورا رجحان حق تعالیٰ کی جانب رہتا تھا، اور ہم امت کے لیے دل کے ارادے کے ساتھ زبان کی موافقت بھی ہوجائے، اسی لیے زبان سے نیت کرنا ہمارے لیے مستحب ٹھہرا۔ لیکن لفظ "سنت رسول اللہ" کا کہنا ضروری جاننا بھی غلط ہے۔ اور منع کرنا بھی درست نہیں۔ منع کرنے والے کو "سنت رسول اللہ" کے لفظ سے اعتراض وانحراف کیوں ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے قلوب کی اصلاح فرمائے آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۱۸: ماقولکم رحمکم اللہ، کہ امام فرض جماعت کے ساتھ اپنی نیت کیسے باندھے گا، جب کہ اس کے پیچھے مقتدیوں کی جماعت ہو؟

مسئولہ عبدالرشید پیش امام، مسجد مجاوران پیران کلیر شریف، ۱۷ر جنوری ۱۹۶۳ء

الجواب: تنہا جس طرح فرض نماز کی نیت کی جاتی ہے اسی طرح امام کو بھی نیت کرنی چاہیے مگر امام اپنی نیت میں "ونویت امامۃ القوم"، یعنی میں نے قوم کی امامت کی بھی نیت کی، اتنے کا اضافہ کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ کی نیت کس طرح باندھی جائے، عربی اور اردو میں؟

مسئولہ رفیق احمد صاحب، سنبھل، ۲۳؍ربیع الاول ۱۹۸۷ء یکشنبہ

الجواب: عربی میں نماز جمعہ کی نیت یوں کی جائے۔ نویت ان اصلی رکعتی صلوٰۃ الجمعۃ فرضا للہ تعالیٰ متوجھا الی جھۃ الکعبۃ الشریفۃ اللہ اکبر، اور اردو میں اسی طرح نیت کی جائے، نیت کی میں نے دو رکعت نماز فرض جمعہ کی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر، امام ہو تو عربی لفظ نویت الامامۃ، اور اردو میں لفظ مع نیت امامت کا اضافہ کرے اور مقتدی ہو تو عربی میں لفظ نویت الاقتداء، اور اردو میں لفظ پیچھے اس امام کے اضافہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے اور امامت کی نیت اس طرح کرتا ہے "نیت کرتا ہوں، میں اس نماز کی دو رکعت نماز فرض اللہ تعالیٰ کے لئے آج کی فجر امام اس قوم کا اقتداء کرتا ہوں اگلے اماموں کی منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر" اس نیت سے نماز پڑھانے میں اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ جناب اختر پہلوان صاحب، موضع پیپلسانہ ضلع مراد آباد، ۵؍رجب المرجب ۱۳۸۶ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی نیت کہ "اقتداء کرتا ہوں اگلے اماموں کی"، اس سے اگر زید کی مراد یہ ہے کہ میں حنفی مسلک کے اماموں کا متبع اور پیروکار ہوں اور ان کا مقلد ہوں اور ان کے طریقہ کی اقتداء کرتا ہوں، تو اس میں حرج نہیں کہ ہر مقلد اپنے امام کی تقلید میں ان کا مقتدی ہے، اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ اس نماز میں ان کے پیچھے اور ان کا مقتدی ہوں، تو یہ مراد غلط و باطل ہے، اور لغو ولا یعنی اور محض فضول ہے۔ امام مذکور کے پیچھے نماز بہر دو صورت جائز ہے۔ نیت کا صحیح طریقہ یہ ہے، "نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز فجر فرض کی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے قبلہ رو ہو کر قوم کا امام بن کر اللہ اکبر"، اسی طرح وقت کا نام اور دو رکعت کی تعداد بدل کر اور سنت و نفل کا اور واجب کا لفظ بدل کر دوسری نمازوں کی نیت کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱): امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، آخری رکعت کے اندر قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھ لی ہے اور وضو ٹوٹ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں، زید کا کہنا ہے کہ نماز ہوگئی اور عمرو کہتا ہے نماز نہیں ہوئی۔ آپ فیصلہ فرمائیں؟

(۲): اگر اپنی نماز علحدہ پڑھ رہا ہوں اور آخری رکعت کے اندر قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھ لی ہے اور وضو ٹوٹ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ شفاعت علی، محلہ خواجہ نگری، ۶؍ستمبر ۱۹۶۹ء

الجواب: (۱) و (۲): نماز نہیں ہوئی، زید کا قول غلط ہے۔ عمرو صحیح کہتا ہے۔ نماز نہیں ہوئی چونکہ خروج بصنعہ جو ایک فرض یا واجب ہے (بر بنائے اختلاف اقوال) وہ نہ پورا ہوا، نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے باہر ہونا واجب ہے، یہ واجب رہ گیا، قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم، (اللہ اکبر کہتے ہی نماز کے باہر کی چیز اس پر حرام ہوگئی اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہی تمام چیزیں حلال ہوگئیں۔ اگر خروج بصنعہ فرض یا واجب تسلیم

دہ بھی کیا جائے تو واجب کا ترک ہوا، جس پر شرعی حکم یہ ہے کہ قصداً ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے اور سہواً ترک واجب سے سہو کا سجدہ واجب ہوتا ہے۔ بعض کتابوں میں جہاں یہ مسئلہ گزرا ہے تو تمت صلوته، کا لفظ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فرائض نماز پورے ہو گئے۔ غنیۃ المستملی کانپوری ص ۲۸۶ میں ہے۔

والسابعة (من الفرائض) و هى الخروج من الصلوة بفعل المصلى' فانه فرض عند ابى حنيفة خلافالهما........(حتى ان المصلى اذا احدث عمدا بعد ماقعد قدر التشهد' اوتكلم' او عمل عملا ينا فى الصلوة) كالاكل والشرب وغير ذالك (تمت صلوته' بالاتفاق) لتمام جميع فرائضها' عندهما' وكذا عنده' لوجود الخروج بصنعه ايضاً (وان سبقه الحدث) من غير عمد منه (فى هذه الحالة فكذالک) تمت صلوته(عندهما) ولم يبق عليه الاشئ واجب' وهو السلام واما الفرائض فقدتمت جميعا۔ نماز کا ساتواں فرض نمازی کا اپنے فعل سے نماز سے نکلنا ہے۔ کیونکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے۔ ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر مصلی نے مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر ریاح وغیرہ خارج کر دیا، یا بات کر لی، یا کوئی ایسا کام کر لیا جو نماز کے منافی ہے، جیسے کھانا، پینا وغیرہ تو اس کی نماز بالاتفاق پوری ہو گئی۔ کیونکہ وہ تمام فرائض کو صاحبین کے نزدیک ادا کر لیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی وہ فرض ادا کر چکا ہے کیونکہ خروج بصنعہ (نماز سے نکلنا) کا وجود یہاں ہے۔ اور اگر اس حالت میں نمازی کو بے ارادہ حدث لاحق ہو گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ صاحبین کے نزدیک ہاں۔ ایک واجب ضرور رہ گیا وہ ہے "سلام" البتہ فرائض سب پورے ہو گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۲: نماز کے اخیر میں سلام پھیرنے سے کیا مقصود ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ فناء اللہ، حسین پور، بھاگل پور

الجواب: حالت عبادت وغیر عبادت میں فرق و امتیاز کے لیے نماز کے آخر میں سلام رکھا گیا، جو دعاء پر مشتمل ہے۔ عبادت کے بعد دعاء مقبول ہوتی ہے، نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب تک عبادتِ الٰہی میں تھے، اِدھر اُدھر دیکھنے کی ممانعت تھی، اب عبادت سے فراغت ہوئی، اِدھر اُدھر دیکھنے کی اجازت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجد کے امام صاحب مقرر ہیں اور مقیم ہیں۔ نماز باجماعت پڑھانا ان کے ذمہ ہے۔ جس وقت نماز پڑھاتے ہیں بجائے ٹوپی کے دستی رومال یا تولیہ دو سال سے باندھ کر نماز جماعت پڑھاتے ہیں۔ کوئی مجبوری بھی نہیں ہے۔ ایسا کرنا اتفاقیہ نہیں ہے، بلکہ اکثر و بیشتر تولیہ باندھ کر نماز جماعت پڑھاتے ہیں، ایسی صورت میں یہ بات جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ حاجی احمد پارچہ فروش، قصبہ کیمری پوسٹ آفس خاص علاقہ رامپور

الجواب: نماز وہ بزرگ ترین اور افضل عبادت ہے کہ جس میں بندہ کی حاضری بارگاہ الٰہی میں ہوتی ہے۔ الصلوٰۃ معراج المومنین، کا یہی مطلب ہے۔ ایسی عبادت میں بندہ کو اچھے لباس کے ساتھ اپنے خالق و مالک عز شانہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا مستحب ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو ثیاب بذلہ (یعنی ایسا کپڑا جو میل کچیل سے محفوظ نہ ہو اور حقیر متصور کیا جاتا ہو کہ انسان اس کو پہن کر دنیا کے بڑے لوگوں کے پاس جانا عار جانتا ہو) میں نماز پڑھتا دیکھ کر فرمایا کہ تیرا کیا خیال ہے کہ اگر میں تجھے بعض دنیا والوں کے پاس بھیجتا تو کیا تو انہیں کپڑوں میں جاتا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی نسبت سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضری کے لیے بندہ زینت اختیار کرے اور اچھے کپڑے پہن کر نماز کے لیے حاضر ہو۔ بلاشبہ دستی رومال اور تولیا کی بہ نسبت ٹوپی سر کا عمدہ لباس ہے۔ چونکہ دستی رومال اور تولیا اور اعضا کے پونچھنے کے لیے ہے، نہ سر پر باندھنے کے لیے اور ٹوپی سر پر اوڑھنے کے لیے باوضع اور باوقار لباس ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں ٹوپی کے ہوتے ہوئے بغیر کسی عذر و مجبوری کے دستی رومال یا تولیا بوقت نماز سر پر باندھنا خلاف ادب و مستحب ہوگا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۲۴: گھروں میں عام طور سے کاروبار کی زیادتی یا گھر چھوٹے ہونے کی وجہ سے آمد و رفت زیادہ رہتی ہے۔ اگر نماز کی چوکی کے سامنے اوٹ کھڑی کی جائے تو اس لکڑی کی کم از کم موٹائی اور اونچائی کتنی ہونا چاہیے، جواب مرحمت فرما کر فقیر کو عزت بخشیں؟

مسئولہ غلام احمد خان، مغل پورہ

الجواب: سترہ کے لیے جو لکڑی چوکی میں لگائی جائے وہ کم از کم ایک ہاتھ اونچی ہو اور ایک انگلی موٹی ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۲۵: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ اگر مقتدی امام کے ساتھ پہلی رکعت میں اس وقت شامل ہوا، جب کہ امام قرأت شروع کر چکا تھا تو ایسی صورت میں مقتدی کو سبحانک، آخر تک پڑھنا چاہیے یا نہیں اگر پڑھنا چاہیے تو کس وقت پڑھے؟

مسئولہ وزیر الدین، موضع اومری، سبزی پور، ضلع مراد آباد، ۱۱ر فروری ۱۹۵۹ء

الجواب: صورت مذکورہ میں ایسا مقتدی سبحانک نہ پڑھے چونکہ مقتدی پر امام کی قرأت کا سننا، اگر امام زور سے قرآن شریف پڑھ رہا ہو اور مقتدی کا چپکے اور خاموش رہنا، اگر خاموشی سے امام قرآن شریف پڑھ رہا ہو لازم و واجب اور فرض ہے۔ لہٰذا قرأت شروع ہونے کے بعد یہ مقتدی سبحانک نہ پڑھے، سبحانک کا پڑھنا مقتدی و امام کے لیے سنت ہے۔ ادائے سنت کی خاطر فرض و واجب کو ترک نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ایسی صورت میں فرض و واجب ہی پر عمل کیا جائے گا اور سنت کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ جو شخص ایسی صورت میں سبحانک پڑھنے کو ضروری قرار دیتا ہو وہ مسائل نماز سے جاہل و بے خبر ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (جب قرآن

پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے)۔ مراقی الفلاح ص ۱۵۴ میں ہے۔

ویسن الثناء. ثناء پڑھنا سنت ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۵۵ میں ہے۔

ثم اعلم ان الثناء یاتی بہ کل مصل، فالمقتدی یاتی بہ مالم یشرع الامام فی القرأۃ، مطلقاً، سواء کان مسبوقا، اومدر کافی حالۃ الجھراو السر. پھر جانو کہ ثناء ہر مصلی پڑھتا ہے۔ مقتدی ثناء اسی وقت تک پڑھے گا جب تک کہ امام نے قرأت شروع نہیں کی۔ خواہ وہ پہلے سے نماز میں شریک ہو یا بعد میں ملا ہو، جہری نماز ہو یا سری۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: (۱): نماز میں الحمد شریف سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھی جاتی ہیں، کیا الحمد شریف کے بعد اور قرآن شریف کی آیتیں یا سورہ نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں۔ اس کے علاوہ التحیات اور درود شریف پڑھتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

(۲): سنت مؤکدہ میں تیسری رکعت میں الحمد شریف کے بعد کسی اور آیت کو نہ ملا کر رکوع میں چلا گیا۔ چوتھی رکعت میں الحمد شریف کے بعد دوسری سورت بھی ملالی۔ اب نماز کی کمی کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟

مسئولہ کلن، قاضی پورہ، مراد آباد، ۲ رنومبر ۱۹۶۰ء

الجواب: (۱): پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پوری پوری پڑھیں اور باقی رکعات میں سورۂ فاتحہ سے پہلے صرف بسم اللہ پوری پڑھیں۔ سورۂ فاتحہ کے بعد جس جس رکعت میں کوئی سورہ شروع سے پڑھیں تو بسم اللہ پوری پڑھیں، اور جس رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کسی سورہ کی درمیانی آیتیں پڑھیں تو بسم اللہ نہ پڑھیں۔ التحیات اور درود شریف سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): نماز میں یاد آنے پر چوتھی رکعت کے قعدہ میں تشہد و درود شریف پڑھ کر صرف داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے سہو کے کریں۔ پھر حسب دستور التحیات و درود شریف و دعا پڑھ کر سلام پھیریں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے تو دوبارہ اس سنت مؤکدہ کی چاروں رکعتیں پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷: اگر امام کے علاوہ اپنی نماز تنہا پڑھی جائے تو سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ربنا لک الحمد پڑھنا ضروری ہے، یا نہیں اور اگر ربنا لک الحمد نہ پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ اصغر حسین، چور گلیا روڈ نمبر ۵ ہلدوانی، ضلع نینی تال، ۳ رشعبان المعظم ۱۳۸۳ھ جمعہ

الجواب: منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کا کہنا سنت ہے، ضروری نہیں۔ جو اس سنت کو چھوڑے گا اس کی نماز تو ہو جائے گی، لیکن وہ سنت کا تارک ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: سنت، نفل، وتر میں الحمد شریف کے بعد کوئی سورت کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر بھری سورت نہ

ادا کرے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ اصغر حسین، چورگیا نمبر ۵ ہلدوانی ضلع نینی تال، ۲۰ رشعبان المعظم ۱۳۸۳ھ جمعہ

الجواب: ان نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کسی سورہ کا ملانا یا آیتوں کا ملانا واجب ہے۔ جو بھول کر نہ ملائے، اس پر سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا۔ اگر سجدہ سہو نہ کرے یا قصداً سورہ نہ ملائے تو نماز کا لوٹانا واجب ہے۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۱۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): نماز میں شہادت کے وقت انگشت شہادت سے اشارہ کے بعد دائیں ہاتھ کی کل انگلیوں کو پھر قبلہ رخ کر دیا جائے یا انگلیوں کو موڑے ہی رکھا جائے۔ جو لوگ کہ دوسری صورت کے قائل ہیں وہ ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔

عن عاصم ابن کلیب، عن ابیه، عن جده، قال، دخلت علی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم، وهویصلی، وقد وضع یده الیسریٰ علٰی فخده الیسریٰ، ووضع یده الیمنی علٰی فخده الیمنیٰ، وقبض اصابعه، وبسط السبابة، وهویقول یا مقلب القلوب، ثبت قلبی علٰی دینک. (رواہ الترمذی)

صاحب سعایہ نے اس حدیث پر جو عبارت لکھی ہے، اس کو بھی ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ:

فهٰذ الحدیث یدل علٰی ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم بعد ماعقد، استمرعلیه، ولم یرجع الٰی ماکان علیه، اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی کتاب تزئین العبارۃ کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ **والصحیح المختار عند جمهوراصحابنا، ان یضع کفیه علٰی فخذیه، ثم عند وصوله الٰی کلمة التوحید یعقد الخنصروالبنصر، ویحلق الوسطیٰ والابهام ویشیر بالمسبحة رافعا لها عندالنفی، وواضعاعند الاثبات، ثم یستمر علٰی ذالک.**

(۲): نماز میں درود شریف کے بعد جو حسب ذیل استغفار پڑھنے کا معمول ہے وہ حدیث کی کس کتاب سے ثابت ہے۔

اللّٰهم اغفرلی، ولوالدی، ولمن توالد، وارحمهما کماربیانی صغیرا، واغفرلجمیع المومنین والمومنات، والمسلمین والمسلمات، الاحیاء منهم والاموات، برحمتک یا ارحم الراحمین.

امید ہے کہ ان دونوں سوالات کا جواب مع حوالہ کتب جلدی دیا جائے گا؟

مسئولہ محمد مظاہر عالم، پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴ رشعبان المعظم ۱۳۸۳ھ، سہ شنبہ

الجواب: نماز کے قعدہ میں ابتدا سے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ سب انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہو، جب اشہد ان لاالہ شروع کرے تو خنصر و بنصر دو انگلیوں کو موڑے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے اور جب لاالٰہ الااللّٰہ کہہ لے تو سب انگلیوں کو بدستور سابق کھول کر قبلہ رخ کرے، میری تحقیق و تفتیش میں یہی قول راجح وارجح ہے۔

سوال میں ترمذی شریف کی جس روایت کا تذکرہ ہے، اس میں سبابہ کو پھیلا کر اور باقی انگلیوں کو موڑ کر اشارہ کرنے کا ثبوت مذکور ہے، لیکن اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اشارہ والی حالت ہی برقرار ہے۔ اور نہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اشارہ کے بعد پھر انگلیوں کو کھول لے۔ نہ معلوم مولانا لکھنوی نے حدیث مذکور کو کس طرح دلیل تصور فرمالیا۔ میرے خیال میں صاحب سعایہ نے ملا علی قاری کی عبارت تزئین العبارۃ کی مطابقت کے لیے حدیث مذکور کو دلیل قرار دیا ہے۔ ورنہ حدیث مذکور میں اشارہ کے بعد انگلیوں کو اپنے حال پر رکھنے یا حال سابق کی طرف پھیرنے کسی پر دلالت نہیں ملتی۔ میں نے حدیث مذکور کو ''ترمذی شریف'' میں تلاش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی، لیکن یہ حدیث شریف ترمذی میں نہ مل سکی۔ ترمذی شریف میں دوسرے لفظوں سے مختلف حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ لیکن سوال میں حدیث کے لکھے ہوئے لفظ مجھے نہ مل سکے، جہاں تک ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا تعلق ہے، میں نے اس بارے میں بھی جمہور احناف کے قول کی تلاش کی، لیکن کسی دوسرے فقیہ کی ایسی عبارت میرے پاس جتنی کتابیں موجود ہیں، ان میں نہ مل سکی، بلکہ انگلیوں کے کھولنے کا ذکر متعدد کتابوں میں ملا۔ علامہ بحر العلوم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل ارکان ص ۸۱ میں ہے۔

واذابلغ الشهادة، قبض الخنصر، والبنصر، وحلق الوسطى والابهام، ويشيربالسبابة فير فعها عندقول، اشهد ان الاالله ويضعها عند قول الاالله. جب ''اشهد'' تک پہونچے تو خنصر اور بنصر دو انگلیوں کو موڑے۔ بیچ والی اور انگوٹھے سے دائرہ بنائے اور شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے۔ اشهد ان لااله، کے وقت اٹھائے اور الااللہ کے وقت بچھادے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۱ میں ہے۔

(و) تسن (الاشارة فى الصحيح) لانه صلى الله تعالى عليه وسلم رفع اصبعه السبابة، وقد احنا هاشيئا، و من قال انه لايشيراصلافهو خلاف الرواية، والد راية، وتكون (بالمسبحة) اى السبابة من اليمنى فقط، يشير بها (عند)انتهائه الى (الشهادة) فى التشهد لقول ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ان رجلا كان يدعوباصبعيه، فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم احد احد (يرفعها) اى المسبحة (عند النفى) اى نفى الالوهية عماسوى الله تعالى بقوله لااله (ويضعها عندالاثبات) اى اثبات الالوهية لله وحده بقوله الاالله ليكون الرفع اشاره الى النفى والوضع الى الاثبات، (اشارہ کرنا سنت ہے۔ صحیح مذہب یہی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی کو اٹھاتے تھے اور تھوڑا موڑتے تھے اور جس نے کہا ''حضور بالکل ہی نہیں اشارہ کرتے تھے، وہ روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔ اشارہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی ہی سے ہونا چاہیے۔ تشہد میں شہادت کی انتہاء کے وقت اشارہ کرے۔ بسبب فرمانے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کہ ایک شخص دو انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شہادت کی انگلی کو نفی، یعنی ماسوی اللہ سے الوہیت کی نفی [illegible] ''لااله'' کہنے کے

وقت اٹھائے اور اثبات یعنی صرف اللہ کی الوہیت ہی کے اثبات کے وقت، یعنی "الا اللہ" کے وقت اسے پھیلا دے۔ تا کہ رفع سے (بلند کرنا) نفی کی طرف اشارہ ہو جائے اور وضع سے (بچھا دینا) اثبات کی طرف اشارہ ہو جائے۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والعقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوىٰ. انگلی تشہد ہی کے وقت موڑی جائے گی۔ نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): بعینہ یہ الفاظ اس وقت یاد نہیں پڑتے کہ کس حدیث کی کتاب میں ہیں، لیکن یہ دعاء کے کلمات منقول و ماثور معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه عز اسمه اتم واحکم.

مسئلہ ۱۳۰: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا مسائل ذیل میں:

(۱): نماز کی حالت میں پیر رکھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

(۲): سجدہ کی حالت میں پیر جگہ پر سے اٹھانا کیا درست ہے۔ پیر اٹھانے سے کیا نماز میں کوئی فرق آتا ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مراد آباد، ۱۹؍ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: (۱): حالت قیام میں دونوں پیر قبلہ کی جانب اس طرح رکھے جائیں کہ دونوں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کے مقدار فاصلہ ہو، اور دونوں پاؤں کی انگلیاں برابر رہیں اور حالت سجود میں انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ ہوں اور سب انگلیوں کے پیٹ فرش سے لگتے ہوں اور حالت قعود میں داہنے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھے کہ اس کی پانچوں انگلیاں فرش سے لگتی ہوں، اور بائیں پاؤں کو اس طرح بچھا کر اس پر بیٹھے کہ انگلیوں کے اوپر کے حصہ کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ اگر نمازی جماعت سے نماز ادا کرتا ہو اور صف میں کھڑا ہو تو پاؤں رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے دونوں بغل کے نمازی کے پاؤں کے گٹے کے مقابل میں اس کے پاؤں کا گٹا بھی ہو، ایڑیوں کی برابری اور انگلیوں کی مساوات معتبر نہیں۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۶۸ میں ہے۔

يفترض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة، والالم تجز، والناس عنه غافلون. پاؤں کی کم از کم ایک انگلی کا قبلہ کی طرف ہونا فرض ہے۔ ورنہ نماز نہ ہوگی۔ لوگ اس مسئلہ سے بے بہرہ ہیں۔

اسی کے ص ۳۷۴ میں ہے۔

يفترش رجله اليسرى، ويجلس عليها، وينصب رجله اليمنى، ويوجه اصابعه نحو القبلة، هو السنة. (ملخصا)۔ بائیں پاؤں کو بچھا دے اور اس پر بیٹھ جائے۔ اور داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دے۔ یہی سنت ہے۔

ردالمحتار ص ۳۲۷ میں ہے۔

وينبغي ان يكون بينهما مقدار اربع اصابع اليد لانه اقرب الى الخشوع. دونوں پاؤں کے

درمیان فاصلہ چار انگلیوں کے مقدار ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہی خشوع سے زیادہ قریب ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

(۲): سجدہ کی حالت میں اگر کوئی نمازی دونوں پاؤں کی انگلیاں سمیت فرش سے اٹھا دیگا تو ایسے شخص کی نماز صحیح نہ ہوگی بلکہ دوبارہ نماز پڑھنا فرض ہوگا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ درمختار جلد اول ص ۲۲۴ پر ہے۔ ''مسنون ہے ٹخنوں سے ٹخنے ملانا رکوع میں''۔ یہ عمل کس طرح کیا جائے چونکہ حالت نماز میں پیر ملانا نہیں چاہیے؟''

مسئولہ مولوی محمد شہاب الدین صاحب مدرسہ اسلامیہ عربیہ احسن البرکات، جلال پور، شاہجہاں پور، ۱۸؍ جولائی ۱۹۶۹ء

الجواب: کتب فقہیہ میں لفظ ''الصاق'' یا ''ان یلصق'' آیا ہے، الصاق کے حقیقی معنی وصل وچسپانیدن چیزے بچیزے، ہے یعنی ملانا اور چپکانا۔ رکوع میں ٹخنوں کا ٹخنے سے ملانا جس کو مسنون قرار دیا گیا ہے، حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے، بلکہ تقریب یعنی قریب کرنے کے معنی مراد لیے گئے ہیں۔ جس کا ماحصل وخلاصہ یہ ہے کہ رکوع میں ٹخنوں کا ٹخنے سے قریب کرنا مسنون ہے، اعلٰی حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے فتاوٰی رضویہ جلد ثالث ص ۵۴ تا ۵۶ میں اس معنی کی توضیح کی گئی ہے، جس پر کتب نحو وحدیث کی عبارت دلالت کرتی ہے۔ علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا کہ: ھذا ان تیسر۔ (یہ اگر آسانی سے ممکن ہو)۔ اور علامہ شامی نے فرمایا کہ: ای حیث لاعذر۔ (یعنی جہاں کوئی عذر نہ ہو)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں چٹائی بچھائی جاتی ہے، وہ چٹائی اوپر سے میلی ہوگئی۔ دوسری جانب صاف ہے تو الٹ کر بچھا سکتے ہیں کہ نہیں؟ اسی طرح مصلّٰی کی حیثیت سے دری بچھائی جاتی ہے اگر وہ اوپر سے میلی ہوجائے اور دوسری جانب سے صاف رہے تو الٹ کر بچھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ احمد یوسف متولی، جامع مسجد ٹنکاریہ وایا پالج، ضلع بھڑوچ، ۱۳؍ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

الجواب: جس چٹائی اور مصلّٰی میں الٹے اور سیدھے کا فرق ظاہر ہوتا ہو جیسے چھپی ہوئی چٹائی اور چھپا ہوا مصلّٰی اور چھپی ہوئی جاذب یا دری تو اس کو الٹا کسی حال میں نہ بچھایا جائے خواہ میلے ہونے کے باعث یہ کیا جائے یا اور کسی وجہ سے۔ الٹا بچھانا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولٰی وممنوع ہے اور جس چٹائی اور مصلّٰی اور جاذب ودری میں الٹے سیدھے کا فرق ظاہر نہ ہوتا ہو تو اس کو دونوں سمت سے بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج وقباحت نہیں ہے۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ از روئے قرآن وحدیث امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ مقتدی کو پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(۲): امام کے پیچھے مقتدی کو زور سے آمین بولنا چاہیے یا آہستہ؟

(۳): نماز میں رفع یدین کتنی بار کرنا چاہیے؟

مسئلہ ثلٰثہ کے غیر مقلدین کے مقابلہ پر جواب طلب ہیں، جب کہ وہ مذہب حنفی اور خود امام اعظم کو شرک وبدعتی بتا کر

جہلاء عوام پر اپنا اڈا جمانا چاہتے ہیں، لہٰذا مدلل بیان فرمائیں۔

مسئولہ...... ۲۳ رجون ۱۹۶۶ء پنجشنبہ

الجواب: (۱): امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی۔ پڑھنے والا احناف کے نزدیک فاسق وگنہگار ومرتکب کبیرہ ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ﴿ وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ، وَاَنْصِتُوْالَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [اعراف:۲۰۴] جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ **وعن مجاهد قال كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ فى الصلوٰة فسمع قرأة فتى من الانصار فنزلت واذا قرئ القراٰن فاستمعو اله وانصتوا ذكره البيهقى فى السنن الكبرىٰ،** مجاہد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءت کررہے تھے۔ اسی حالت میں ایک انصاری جوان کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی گئی تو آیت مذکورہ نازل ہوئی) **وقال ابوهريرة رضى الله تعالىٰ عنه "كنانقرأ خلف الامام، فنزل** ﴿ وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ، وَاَنْصِتُوْالَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی)، صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، **ليوفكم احدكم فاذاكبر فكبرو اواذاقال "غيرالمغضوب عليهم ولاالضالين" فقولوا آمين عن قتاده من الزيادة "واذا قرئ فانصتوا" فقال فحديث ابى هريرة هو صحيح،** (ضروری ہے کہ تم میں ہر ایک امام کی مکمل پیروی کرے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب کہے غیر المغضوب..... تو آمین کہو۔ قتادہ کی روایت میں یہ لفظ زیادہ ہے "واذاقرأ فانصتوا، جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو۔ کہا کہ ابو ہریرہ کی حدیث ہی صحیح ہے)۔ ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، **قال انما جعل الامام ليؤتم به' فاذا كبرفكبرو اواذا قرأ فانصتوا،** (امام کو اس لیے آگے کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ)۔ ابن ماجہ شریف میں ہے۔

> قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم اذاقرأ الامام فانصتوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب امام قرأت کرے تو تم لوگ خاموش ہو جاؤ"۔

ترمذی شریف میں ہے۔

> من صلى ركعة لم يقرأ فيها ام القراٰن، فلم يصل، الا ان يكون وراء الامام. جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

نسائی شریف میں ہے۔

> قال رسول الله صلى الله تعالىٰ وسلم انما الامام ليؤتم به' فاذاكبر هوفكبروا واذاقرأ فانصتوا. امام تو اس لیے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے، تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت

شروع کرے خاموش ہو کر سنو۔

سنن کبریٰ میں ہے۔

من صلی خلف الامام، فان قرأۃ الامام له قرأۃ۔ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرأت ہی اس کے لیے بھی قرأت ہے۔ اسی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، من قرأ وراء الامام فلاصلوٰۃ، جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز ہی نہیں۔

درمختار مصری جلد اول ص ۴۰۱ میں ہے۔

والمؤتم لایقرأ مطلقا، ولاالفاتحه فی السریه، اتفاقا، فان قرأ، کره تحریما، وتصح فی الاصح ویکون فاسقا، وهومروی عن عدة من الصحابة(ملخصا)۔ مقتدی مطلقاً قرأت نہ کرے۔ آہستہ سے سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے۔ اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اگر قرأت کیا تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ نماز ہو جائے گی۔ صحیح مذہب یہی ہے۔ البتہ فاسق ہوگا۔ یہی کئی صحابہ سے روایت ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (لاالفاتحة) بالنصب معطوف علی محذوف تقدیره لاغیرالفاتحة ولاالفاتحة، وقوله (فی السریه) یعلم منه نفی القرأة وفی الجهریة اولیٰ، قوله (مروی عن عدة من الصحابة) قال فی الخزائن و فی الکافی ومنع المؤتم من القرأة ماثور عن ثمانین نفراً من کبار الصحابة،(ولاالفاتحة) زبر پڑھا جائے۔ ایک محذوف کی طرف معطوف ہے۔ اور وہ ہے۔ نہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ پڑھا جائے نہ ہی سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔ اور ان کا قول (فی السریة) اس سے پتہ چلتا ہے مطلقاً قرأت نہ کی جائے جہری میں تو بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔ ان کا قول (اس کی روایت کئی صحابہ سے ہے) الخزائن اور الکافی میں کہا ''مقتدی کا قرأت کرنے سے منع کیا جانا بڑے بڑے صحابہ میں سے اسی (۸۰) حضرات سے منقول ہے۔

عبارت مسطورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ قرأت خلف الامام درست نہیں اور یہ کہ آیت کریمہ ﴿وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ، وَاَنْصِتُوْالَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾، کا نزول اس موقع پر ہوا کہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے، تو ان کو منع کیا گیا کہ تم پر حالت اقتداء میں سکوت واجب ہے۔ چنانچہ خزائن و کافی میں اسی صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی قرأت خلف الامام پر ممانعت منقول ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۲): آمین امام و مقتدی دونوں کو آہستہ کہنا چاہیے، یہی مسنون ہے اور عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام و عمل خلفائے راشدین و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت۔ احادیث اس بارے میں کثیر ہیں، مگر بنظر اختصار یہاں چند احادیث صحاح پیش کی جارہی ہیں، عن وائل، عن ابیه، ان النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم قرأ ''غیرالمغضوب علیهم ولاالضالین''، فقال آمین وخفض بها صوته، (ترمذی شریف) عن علقمه یحدث، عن وائل انه صلی

اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قرأ غیرالمغضوب علیهم ولاالضالین فقال آمین، خفض بها صوته (بیهقی شریف) ان عمرو علیا لم یکونا یجهران بآمین،(وائل سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے المغضوب علیهم ولاالضالین، پڑھا اور آمین کہا اور آواز پست رکھی علقمہ سے روایت ہے، وہ حدیث بیان کرتے ہیں وائل سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب...... پڑھا۔ پھر آمین آہستہ سے کہا، حضرت عمر اور علی زور سے آمین نہیں کہتے تھے)۔(طبرانی). غنیۃ المستملی ص ۳۶۶ میں ہے۔

وثامنها (السنن)التامین وتاسعهاالاخفاء بهن ای بالاربع المذکورة من الثناء والتعوذوالتسمیة والتامین. اورآٹھواں (سنتیں) یعنی آمین کہنا۔ اورنواں چاروں مذکورہ کوآہستہ سے کہنا۔ وہ یہ ہیں۔ ثناء، اعوذباللہ، بسم اللہ اور آمین۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۳): احناف کثر اللہ سوادھم کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سنت ہے، بعد رکوع کے وقت اس کی سنیت منسوخ ہوگئی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی رہا کہ تکبیر تحریمہ ہی کے وقت رفع یدین فرماتے، جیسا کہ اجلۂ صحابہ کرام حضرت ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سفر و حضر میں شریک رہنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے نقل فرمایا، اور اس پر عمل کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو رفع یدین عندالرکوع کے راوی ہیں، ان کا عمل بھی سرکار کے وصال فرمانے کے بعد یہی رہا کہ بجز وقت تکبیر تحریمہ اور کسی وقت رفع یدین نہ فرماتے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ عمل منسوخ ہوگیا۔ اس بارے میں بھی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ یہاں اختصاراً چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

عن علقمة قال قال عبداللّٰہ بن مسعود الااصلی بکم صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیه الامرة (ابوداؤد شریف) وعن البراء ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه الیٰ قریب من اذنیه ثم لایعود (ابوداؤد شریف) وعن علقمة عن عبداللّٰہ قال الااخبرکم بصلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال فقام فرفع یدیه اول مرة ثم لم یعد (نسائی شریف) عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال صلیت خلف النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم و ابی بکروعمر فلم یرفعوا ایدیهم الاعندافتتاح الصلوٰۃ (بیهقی شریف) عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه کان یرفع فی التکبیرة الاولیٰ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع فی شیی منها (بیهقی شریف). (علقمہ سے روایت ہے انھوں نے کہا، عبداللہ ابن مسعود نے کہا" کیا تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟" راوی کہتے ہیں۔ پھر نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔...... حضرت براء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے، اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے قریب تک اٹھاتے۔ ایک ہی بار ایسا کرتے۔...... علقمہ سے، وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں انھوں

نے کہا'' کیا تمھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق نہ بتاؤں؟'' راوی کہتے ہیں پھر وہ کھڑے ہوئے اور ایک ہی مرتبہ رفع یدین کیا، دوبارہ نہیں کیا...... عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا'' میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما کے پیچھے نماز پڑھی۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو افتتاح نماز کے وقت ہی اٹھایا'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ تکبیر اولیٰ میں ہی ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

واز طحاوی نقل کردہ اند کہ روایت کردہ از مجاہد گفت گزاردم نماز خلف ابن عمر بس نبود کہ برداشت دست خودرا مگر در تکبیر اولیٰ علمائے ما گویند کہ حکم رفع منسوخ است وچوں ابن عمر را کہ راوی حدیث رفع است دیدند کہ بعد رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمل بخلاف آں کردہ ظاہر شد عمل رفع منسوخ است (شرح سفرالسعادۃ)۔ طحاوی سے منقول ہے، مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی۔ انھوں نے صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھایا۔ ہمارے علماء کہتے ہیں کہ حکم رفع منسوخ ہوگیا۔ اور چونکہ ابن عمر جوراوی حدیث رفع ہیں کولوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس کے خلاف عمل کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عمل رفع منسوخ ہے۔

مذہب حنفی یا امامنا الاعظم وہمامنا الاقدم کو مشرک وبدعتی بتانا انہیں سفہاء وجہال اور امثال حمار کا کام ہے جنہیں یہ بھی شعور نہیں کہ شرک کے معنی کیا ہیں اور مشرک کسے کہتے ہیں۔ کیا امام اعظم یا چاروں ائمہ میں سے کسی نے احکام شرعیہ میں کسی ایسے مسئلہ کو شامل فرمایا، جس سے ذات باری عزاسمہ یا صفات مختصہ سبحانہ وتعالیٰ میں شرکت یا مماثلت ومساوات لازم آئے، معاذاللہ من ھٰذالخیال الفاسدالی الائمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، کوئی شتر بے مہار غیر مقلد یہ ثابت کرے کہ حضرت امام اعظم یا ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اس امر قبیح وشنیع کا ارتکاب کیا ہو، ورنہ غیر مشرک کو مشرک بتا کر خود کا شرک ہونا تسلیم کرے۔ حضرات ائمہ اربعہ نے ان موتیوں کو جوسمندر کی تہ میں مخفی تھے، باہر نکالا، یعنی مسائل اجمالیہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اظہار فرمایا۔ خصوصاً اس امر میں جس قدر ہمارے امام اعظم کو دسترس حاصل تھا دوسرے کو نہیں۔ جیسا کہ خود دوسرے ائمہ کے بیان سے ظاہر ہے تو پھر ایسے امام جلیل کو یا ان کے مذہب کو مشرک یا بدعتی بتانا گمراہ وبددین کا کام ہے۔ اہل اسلام اس سے ہوشیار رہیں، اس کے دام تزویر میں ہرگز نہ پھنسیں۔ تعجب ہے کہ غیر مقلدین جو تقلید کو ناجائز وحرام یا شرک کہتے ہیں، لیکن خود دوسروں کی تقلید کرتے ہیں۔ امام کو مشرک یا بدعتی بتانا غیر مقلدین کا بربنائے تقلید بعض فرق باطلہ ہے۔ قدیم زمانہ میں بعض اہل باطل نے امام اعظم کو مرجیہ قرار دیا ہے۔ انہیں کی تقلید میں غیر مقلدین نے بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عالی میں لفظ'' مشرک'' اور'' بدعتی'' استعمال کیا ہے۔ اسی طرح تقلید کو ناجائز وحرام اور شرک بتانے والے خود حرام وناجائز اور شرک کے مرتکب قرار پائے۔ شرح فقہ اکبر مجیدی ص ۸۹ میں ہے۔

ثم اعلم ان القونوی ذکران اباحنیفۃ کان یسمّٰی مرجیالتاخیرہ امرصاحب الکبیرۃ الیٰ مشیۃ اللہ تعالیٰ، والارجاء، التاخیر، وکان یقول انی ارجو صاحب الذنب الکبیرۃ

والصغيرة واخاف عليهما وانا ارجو لصاحب الذنب الصغير واخاف على الذنب الكبير. القونوی نے بیان کیا کہ حضرت ابوحنیفہ کو ''مرجیہ'' کہا جاتا تھا کیونکہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑتے تھے ''الارجاء'' کا مطلب ہے ''تاخیر کرنا''۔ میں مرتکب صغیرہ و کبیرہ کے معاملہ میں امید وخوف کے درمیان ہوں۔ مرتکب صغیرہ کی بخشائش کی پوری پوری امید ہے لیکن کبیرہ کے مرتکب کے سلسلہ میں بڑا خوف ہوتا ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۴: مذہب اہل سنت و جماعت میں آمین بلند آواز سے کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور رفع یدین کیسا ہے؟

مسئولہ مولوی غلام عباس خان، سوٹ امریکہ برٹش گیانہ دیلج ترائیون

الجواب: چاروں ائمہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیرو اور مقلدین اہل سنت و جماعت میں داخل ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک میں ''آمین'' آہستہ کہنا مسنون و سنت ہے اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک میں آمین بالجہر یعنی بلند آواز سے مسنون ہے۔ ہاں غیر مقلد جو اپنے آپ کو اہل حدیث بتاتا ہے اور تقلید ائمہ کو شرک وکفر کہتا ہے، اس کا بلند آواز سے آمین کہنا گمراہی اور ضلالت ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

ويسن الاسرار بها بالثناء ومابعده. نماز میں ثناء اور اسکے مابعد کو آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

درمختار میں ہے۔

وكونهن سرا. آمین آہستہ کہنا چاہیے۔

اسی طرح رفع یدین احناف کے یہاں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت مسنون ہے اور شوافع کے یہاں تکبیر تحریمہ کے بعد رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی مسنون ہے۔ غیر مقلدین کا یہ فعل بھی اتباع نفس اور گمراہی پر محمول ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

ولايرفع يديه الا فی التكبيرة الاولىٰ، خلافا للشافعی، فی الركوع، وفی الرفع منه، پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرے۔ امام شافعی کے نزدیک رکوع میں جانے میں اور اس سے اٹھنے میں بھی رفع یدین کرنا ہے۔

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔

هذه الطائفة الناجية قداجتمعت اليوم فی مذاهب اربعة، وهم الحنفيون، والمالكيون، والشافعيون، والحنبليون، رحمهم اللّٰه تعالىٰ ومن كان خارجا عن هٰذه الاربعة فی هٰذا الزمان، فهومن اهل البدعة والنار (یہ نجات پانے والا گروہ آج چار مذاہب میں منحصر ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی رحمهم اللّٰه تعالىٰ، اس زمانے میں ان چار سے جو نکلا ہوا ہے، وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔

واللّٰه تعالىٰ اعلم.

مسئلہ ۱۳۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام کے پیچھے سہواً الحمد کا پڑھنا اور زور سے آمین کہنا کیسا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ شاہ نواز، موضع بکینہ ضلع مرادآباد، ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۸۷ھ

الجواب: حنفی مذہب میں مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ الحمد شریف پڑھنا حرام وناجائز ہے، لہٰذا کوئی حنفی امام کے پیچھے الحمد شریف نہ پڑھے، قال اللہ تعالیٰ ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾۔ علامہ بحرالعلوم لکھنوی رسائل ارکان ص ۱۰۱ میں فرماتے ہیں۔

ولیس علی المقتدی قراۃ ویکفیہ قرأۃ امامہ، عندنا وعند الامامین احمد ومالک، خلافاللامام الشافعی لزعمہ ان قرأۃ الفاتحۃ رکن فلایختص بہ الامام، ویردعلیہ النقض بما اذادخل فی الرکوع، فانہ مدرک للرکعۃ، وکفیٰ قیام الامام وقرأتہ مع کونہما رکنین، وحجتنا ماروی جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من کان لہ امام، فقرأۃ الامام قرأۃ لہ ھذا حدیث صحیح رواہ الامام ابوحنیفۃ، (مقتدی کو قرآن نہیں پڑھنا ہے۔ اس کے امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔ ہم حنفیوں کا یہی مسلک ہے۔ نیز امام مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی موقف ہے۔ امام شافعی اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے۔ لہٰذا یہ امام کے ساتھ ہی خاص نہ ہوگا۔ اس قول پر یہ نقض وارد ہوگا کہ جب امام سے حالت رکوع میں ملا تو بالاتفاق رکعت کا وہ پانے والا ہے اور امام کا قیام اور اس کی قرأت ہی کافی ہے۔ باوجود کہ یہ دونوں رکن ہیں۔ ہماری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے لئے امام ہے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اسے امام ابوحنیفہ نے روایت کی۔

اسی کے ص ۱۰۲ پر ہے۔

فمذھب ائمتنا الثلٰثۃ الیٰ حرمۃ القرأۃ علی المقتدی قالوا ان قرأیا ثم. ہمارے تینوں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا حرام ہے۔ انھوں نے کہا "اگر قراءت کیا تو گناہ گار ہوگا۔

اسی طرح حنفی مسلک میں آمین کو چپکے اور آہستہ پڑھنا مستحب ہے، آمین بلند آواز سے نہ پڑھے، چونکہ خلاف مستحب ہے۔

اسی رسائل ارکان ص ۷۶ میں ہے۔

فان السنۃ التامین، واماالاسرار والاخفاء فندب، (آمین کہنا سنت ہے اور آہستہ کہنا مستحب۔ آمین کے آہستہ اور بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق حدیثیں آئی ہیں، ہمارے یہاں آہستہ پڑھنا ہی مستحب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل الذکر والدعاء (ذکرودعاءکا بیان)

مسئلہ ۱۳۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱): بعض حضرات بعد نماز پنجوقتہ اوراد اور دعاء کے بعد کلمۂ طیبہ شریفہ تین مرتبہ اور کلمۂ توحید ایک مرتبہ باآواز بلند تلاوت کرنا فرائض میں شمار کرکے عامل ہیں۔ اور بہت کچھ ثبوت جواز کا دیتے ہیں، اور اس فعل کو صوفیائے کرام کے فرائض اوراد میں شمار کرتے ہوئے سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتاتے ہیں؟

(۲): بعض حضرات بعد نماز عصر اور فجر تلاوت کرنے کا حکم لگاتے ہیں۔ بقیہ اوقات میں پڑھنے کو منع فرماتے ہیں؟

(۳): بعض صاحبان کہتے ہیں کہ یہ فعل سنت نہیں ہے۔ مسجد میں باآواز بلند پڑھنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔ کسی نماز کے بعد مسجد میں باآواز بلند نہ پڑھا جائے اور اس فعل کے کرنے والے کو مکار سے تعبیر کرتے ہیں چونکہ اس کے پڑھنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے؟ براہ کرم صحیح مسئلہ معہ ثبوت کے ارقام فرما کر ہم جاہل قوم کو آگاہ فرمائیں؟

مسئولہ محمد ذوالفقار حسین غفرلہ، ۲۵؍جنوری ۱۹۵۰ء

الجواب: (۱)و(۲): پہلے سوال میں کلمہ طیبہ تین بار اور کلمہ توحید ایک بار پڑھنے کو یہ لکھنا کہ ''فرائض میں شمار کرکے عامل ہیں اور بہت کچھ ثبوت جواز کا دیتے ہیں''، صحیح نہیں۔ اگر پڑھنے والا فرض جانتا تو ثبوت جواز کیوں پیش کرتا، اُسے تو اثبات فرض کے دلائل پیش کرنے تھے۔ نیز کسی کی نیت وارادہ پر اپنی طرف سے یہ حکم لگانا کہ فرض سمجھتے اور فرض شمار کرتے ہیں، یہ طریقہ اہل سنت وجماعت کے خلاف وہابیہ کا طرز عمل ہے۔ بہر کیف نماز پنجگانہ کے بعد کلمۂ طیبہ تین بار کلمۂ توحید ایک بار بلند آواز سے پڑھنا شریعت مطہرہ کی رو سے مستحب و مستحسن ہے۔ احادیث مصطفےٰ میں ہمارے آقائے نامدار سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد نماز اس قسم کے اوراد دعاء واذکار کا بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ اولیائے عظام وصوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی عمل اس پر رہا ہے۔ کتب فقہیہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس کا پڑھنا بلا شک وشبہ جائز ومستحب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ﴾ [النساء: ۱۰۳] (پھر جب نماز تم پوری کر چکے تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ لیتے) (معارف) الآیۃ. اس آیت کی تفسیر، تفسیرات احمدیہ میں اس طرح منقول ہے۔

> وثالثھا ان یکون معناھا فاذا فرغتم من الصلوٰۃ مطلقا سواء کان صلوٰۃ الخوف، اولا، ویکون المقصود من امرالذکر ان لایغفل المؤمن عن ذکراللہ تعالیٰ فی حال من الاحوال علیٰ ما قال الامام الزاھد عن ابن عباس ان اللہ تعالیٰ لم یفرض فریضۃ الاجعل لھا حدا معلوما، سوی الذکر، فانہ لم یجعل لہ حدا ینتھی الیہ حیث قال ﴿فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ﴾ فی اللیل والنھار والبر والبحر، والسفروالحضر، والغناء

والفقر، والصحة والسقم، والسر والعلانية، وحينئذ يجوز ان يتمسک به على شرعية كلمة التوحيد عقيب الصلوة من غير فاصل بشی كما هو داب بعض المشائخ فی زماننا،

تیسرا یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو، خواہ کسی بھی نماز سے، وہ نماز خوف ہو یا نہیں۔ ذکر کا حکم دینے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کسی بھی حال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہے۔ جیسا کہ امام زاہد نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ''اللہ تعالیٰ نے کوئی فرض ایسا نہیں بنایا جس کے لیے کوئی مقررہ حد نہ رکھی ہو، سوائے ذکر اللہ کے، کیونکہ اس کے لیے کوئی ایسی حد نہیں ہے، جہاں پر آکر یہ منتہی ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا ''اللہ کا ذکر اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے کرو۔ رات میں دن میں، خشکی میں، دریا میں، سفر میں، مالداری میں، محتاجی میں، صحت میں، بیماری میں، آہستہ، اعلانیہ۔ اس آیت سے نماز کے بعد کلمۂ توحید کے جواز پر بھی دلیل لائی جاسکتی ہے۔ کلمہ توحید پڑھا جاسکتا ہے، نماز سے فراغت کے ساتھ ساتھ جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض مشائخ کا یہ طریقہ ہے:۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

عن عبدالله بن الزبير كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا فرغ من صلاته قال بصوته الاعلى لااله الاالله، وحده لاشريک له، له الملک، وله الحمد، وهو على كل شئ قدير، ولاحول، ولاقوة، الابالله العلى العظيم، ولانعبدالا اياه، وله الفضل، وله الثناء الحسن، لااله الاالله مخلصين له الدين، ولو كره الكافرون، عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے ملک ہے۔ اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لیے فضل ہے، اسی کے لیے ثناء حسن ہے۔ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ ہم دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہیں۔ اگرچہ کافر اسے ناگوار سمجھیں۔

اسی حدیث مسلم کے متعلق علامہ احمد مصری رحمۃ المولیٰ تعالیٰ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں۔

ويستفاد من الحديث الاخير جواز رفع الصوت بالذكر والتكبير عقيب المكتوبات، بل من السلف من قال باستحبابه، وجزم به ابن حزم من المتاخرين، (اخیر والی حدیث سے ذکر باآواز بلند کے جواز پر دلیل ملتی ہے اور ہر فرض نماز کے بعد تکبیر کہنے پر بھی۔ بلکہ بعض اسلاف نے اسے مستحب کہا ہے۔ اور متاخرین میں ابن حزم نے اسی پر جزم کیا ہے)۔

پس جب کلام ربانی اور تفسیر وحدیث رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم وکتب فقہ سے ثابت ہوا کہ فرائض کے بعد بلند آواز سے مطلقاً ذکر کرنا کلمہ توحید وتکبیر ودیگر اوراد ادعاء واذکار کا پڑھنا حکم الٰہی ہے۔ اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل مبارک بھی ہے۔ فقہائے کرام نے بھی اسے مستحب فرمایا تو پھر جواز واستحباب کا انکار کرنے والا اور اس کو بدعت

بتانے والا کون ٹھہرا اس کے بتانے کی ضرورت نہیں۔ منکر خود ہی اپنے دل سے پوچھ لے۔ اس ذکر کا روکنا اہل سنت و جماعت کا کام نہیں، بلکہ گمراہوں کا ہے۔ چنانچہ ایک گمراہ فرقہ مہدویہ گزرا ہے، اس فرقہ کے لوگوں نے تو نماز کے بعد کلمہ توحید پڑھنے کو کفر بتایا ہے، مدارج النبوۃ جلد اوّل ص ۳۷۶ میں ہے، چنانچہ از فرقہ ضالہ کہ ایشاں را مہدویہ گویند، نقل می کنند کہ می گویند ہر کہ بعد نماز کلمہ توحید خواند کافر گردد، چنانچہ ایک گمراہ فرقہ موسوم بہ فرقہ مہدویہ ہے۔ ان سے منقول ہے یہ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز کے بعد کلمۂ توحید پڑھے گا، کافر ہو جائے گا۔ بلکہ فقہائے کرام نے تو اس کی تصریح فرمادی ہے کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے ہرگز نہ روکا جائے نہ منع کیا جائے، تاکہ روکنے والے آیت کریمہ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ [البقرہ : ۱۱۴] میں داخل ہونے سے بچے رہیں، جو شخص اس ذکر کو روکنے کے لیے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل آتا ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ ایام تشریق کی تکبیر کو بھی اسی عذر سے روکنے کی کوشش کرے، چونکہ بقرعید کی نویں تاریخ کی نماز فجر سے تیرہویں تاریخ کی نماز عصر تک ہر جماعت مستحبہ کے بعد ایک بار تکبیر بآواز بلند کہنی واجب ہے۔ اس سے بھی اس کی نماز میں خلل آتا ہوگا، اس لیے کہ ایام تشریق ہوں یا غیر ایام تشریق ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ نمازیوں کی بعض رکعت چھوٹ ہی جاتی ہے، جو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کی جاتی ہے، حالانکہ ان ایام میں بآواز بلند تکبیر پڑھنے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں آتا نہ کوئی خلل پڑنے کی شکایت کرتا ہے۔ جب ان ایام میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنے میں خلل نہیں آتا تو پھر غیر ایام تشریق میں کلمہ طیبہ اور کلمہ توحید بلند آواز سے پڑھنے پر بھی نماز میں خلل نہیں آسکتا۔ البتہ نماز کے بعد جہر مفرط یعنی بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں کسی نمازی کی نماز میں خلل پڑتا ہو تو ایسی صورت میں اتنی پست آواز سے پڑھے کہ مصلی کی نماز میں خلل نہ آئے۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۱۹۰ میں ہے۔

قال فی الفتاویٰ لایمنع من الجهر بالذكر فی المساجد، احترازا عن الدخول تحت قوله تعالیٰ، ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ [البقرہ : ۱۱۴] كذا فی البزازيه، ونص الشعرانی فی ذكر الذاكر للمذكور والشاكر للمشكور مالفظه واجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذكر اللّٰه تعالیٰ جماعة فی المساجد وغيرها من غير نكير الا ان يشوش جهرهم بالذكر علی نائم اومصل اوقاری قران كما هو مقرر فی كتب الفقه. فتاویٰ قاضی خاں میں فرمایا ''مساجد میں ذکر بالجہر سے نہیں روکا جائے گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ومن اظلم .... (یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکا) کی وعید میں داخل ہونے سے بچنا ممکن نہیں رہے گا۔ ایسا ہی البزازیہ میں ہے۔ امام شعرانی نے کہا...... سلف وخلف کے تمام علماء کا اجماع ہے کہ مساجد میں یا کہیں اور اکٹھا ہو کر اللہ کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ اس میں کسی کا انکار نہیں۔ مگر یہ کہ ان کی آواز سونے والے یا نمازی یا قرآن پڑھنے والے کو پریشانی میں ڈال نہ دے۔ یہی کتب فقہ میں ثابت شدہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۴): قرآن شریف کی تلاوت تمام اوقات میں جائز ہے، خواہ کسی نماز کے پہلے تلاوت کی جائے یا بعد میں یا اور کسی وقت میں۔ جو بعد نماز عصر و فجر کے سوا دیگر اوقات میں تلاوت قرآن کریم کو منع کرتا ہے، اس کا منع کرنا غلط و باطل ہے، اس لیے کہ قرآن کریم کی تلاوت ایسی عبادت ہے کہ اس کا شرعاً کوئی وقت معین نہیں۔ حتیٰ کہ بعض فقہائے کرام نے طلوع وغروب آفتاب کے وقت بھی تلاوت کلام پاک کو مستحب فرمایا۔ درمختار میں ہے۔

وتستحب القرأة عندالطلوع و الغروب. تلاوت کلام پاک طلوع وغروب آفتاب کے وقت بھی مستحب ہے۔ واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر نماز فرض جماعت کے بعد کلمہ بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا پست آواز سے جبکہ کسی کو ایک رکعت ملی ہے، اور کسی کو دو رکعت ملی ہے؟

مسئولہ انور بیگ، محلہ سرائے پختہ، مراد آباد

الجواب: ہر نماز فرض کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا جائز و مستحب ہے اور اس پر اجماع ہے اور اس سے روکنا روافض (شیعہ) کا طریقہ ہے۔ اگر کسی نمازی کی نماز میں بالجہر کلمہ پڑھنے کی وجہ سے ضعف ایمانی کے باعث کچھ خلل آتا ہو تو کلمہ پڑھنے والا اپنی آواز کو پست کردے۔ اس بارے میں فقیر کا مفصل وطویل فتویٰ لکھا ہوا ہے، جس کے نقل کی اس وقت فرصت نہیں۔ واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۳۸: کیا فرماتے ہیں علماء قرآن شریف وحدیث نبوی کی روشنی میں اس مسئلہ پر جب مسجد میں بلند آواز سے بولنے یا دنیاوی باتیں کرنے یا بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنے کو منع فرمایا ہے، اور دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پڑے، یہ بھی ضروری فرمایا ہے، جب کہ نماز جماعت ختم ہوجائے اور کسی کی ایک رکعت باقی ہے، کسی کی دو رکعتیں باقی ہیں، کلمہ بلند آواز سے پڑھنا ''سہی'' ہے یا پست آواز میں کلمہ پڑھنا ''سہی'' ہے اور ضرب لگانا ''سہی'' ہے یا نہیں ہر نماز میں؟

نوٹ: قرآن وحدیث سے ہی تسلیم کروں گا؟

مسئولہ جان عالم، فیض گنج، مراد آباد، ۲۱ر رجب ۱۳۸۴ھ جمعہ

الجواب: تحریر جواب سے قبل اس امر کا اظہار نہایت ضروری ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت ماتریدی، اشعری، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے یہاں دلائل شرعیہ چار ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ (ﷺ)، اجماع، قیاس ائمہ مجتہدین۔ ہم سب ان چاروں دلائل سے احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں۔ جن امور میں ہمیں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ (ﷺ) کی دلیل نہیں ملتی، تو اجماع سے احکام ثابت کرتے ہیں، اور جن امور میں اجماع کی بھی دلیل نہیں ملتی تو قیاس مذکورہ سے احکام ثابت کرتے ہیں۔ نہ معلوم سائل کس خیال کا آدمی ہے، جو اپنے سوال میں نوٹ کے بعد یہ لکھتا ہے کہ قرآن وحدیث سے ہی تسلیم کروں گا، اگر وہ سنی یعنی اہل سنت و جماعت کا فرد ہے، تو اس کا یہ لکھنا محض غلط و باطل ہے، چونکہ مندرجہ بالا چاروں دلائل شرعیہ کا مثبت احکام ہونا حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے آج تک اہل سنت و جماعت کا معمول رہا ہے، ہر عہد وقرن میں ان چاروں دلائل کو شرعاً معتبر مانا گیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اجماع وقیاس مذکور کا دلیل شرعی ہونا قرآن کریم وحدیث شریف سے ہی ثابت ہوا ہے، یہ دونوں دلیلیں قرآن کریم وحدیث شریف کے مخالف ومنافی نہیں ہیں۔ **کما ثبت فی اصول الفقه.**

اور اگر سائل سنی نہیں ہے تو اس کو سنیوں سے سوال ہی نہ کرنا چاہئے، بلکہ جس غیر سنی جماعت سے اس کا تعلق ہو اسی غیر سنی جماعت کے مفتی ومولوی سے اس کو معلوم کرنا چاہئے۔ ایک فرقہ چکڑالوی کے نام سے مشہور ہے، جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے، اور قرآن کریم کے سوا نہ سنت رسول ﷺ نہ اجماع، نہ قیاس مذکور کسی کو نہیں مانتا، جب اس فرقہ کو قرآن کریم سے کوئی مسئلہ نہیں ملتا، تو مجبور ہو کر اپنی عقل کو دلیل بنالیتا ہے، بلکہ ہوائے نفس سے جو چاہتا ہے، بکتا ہے۔ ایک فرقہ غیر مقلد کے نام سے مشہور ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے۔ یہ فرقہ قرآن کریم وحدیث شریف کے علاوہ اجماع وقیاس مذکور کو نہیں مانتا، مگر اس فرقہ کا بھی یہ حال ہے کہ جب اس کو قرآن کریم وحدیث شریف سے کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو مجبور ہو کر اپنی عقل ناقص اور خواہش نفس سے جو چاہتا ہے بکتا ہے۔

سائل کا نوٹ اسی فرقہ غیر مقلد یا نیچری یا مودودی کے مسلک سے ملتا جلتا ہے، چونکہ نیچری اور مودودی بھی کسی خاص مسلک کے پابند نہیں ہیں۔ غیر مقلد کی طرح ہر بات میں قرآن وحدیث کی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود اپنے کو قرآن کریم وحدیث شریف کے احکام کا پابند نہیں بناتے بلکہ خواہشِ نفس کے مقابلہ میں قرآن کریم وحدیث شریف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ سائل نے اگر سوال خود لکھا ہے، تو اس کا املا اتنا غلط ہے کہ جس سے معمولی پڑھا لکھا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہوگا کہ سائل معمولی قسم کا پڑھا لکھا آدمی ہے، حتیٰ کہ لفظ ''صحیح'' کو ''سہی'' لکھ کر اپنی قابلیت کا اظہار کیا ہے، اور اگر سائل تحریر سے واقف نہ ہونے کی بنا پر کسی دوسرے سے یہ سوال لکھوایا ہے تو اپنے اس عمل سے وہ خود ہی اپنی جہالت کا اعلان چوراہے پر کر رہا ہے۔

جب سائل خود ناواقف وجاہل ہے تو اتنی بڑی ہمت اور یہ اولوالعزمی کہ قرآن وحدیث سے ہی تسلیم کروں گا، کمال غباوت اور انتہائی بے عقلی پر دال ہے، بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس کا یہ قول تکبر وغرور پر مبنی ہے۔ جو شخص قرآن کریم کے ''قاف'' اور حدیث شریف کے ''حا'' سے بھی واقف نہ ہو وہ قرآن کریم وحدیث میں امتیاز بھی نہ کر سکے گا، اس کو کوئی دھوکہ دیکر غیر قرآن کریم اور غیر حدیث شریف کو قرآن شریف اور حدیث شریف باور کرا سکتا ہے یا قرآن شریف کو حدیث شریف یا حدیث شریف کو قرآن شریف ہونے کا یقین دلا سکتا ہے۔ اسی موقعہ کے مناسب حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ہے ۔

تو کارزمیں رانکو ساختی　　　　که با آسماں نیز پرداختی

قرآن شریف وحدیث شریف کا سمجھنا تو بڑی بات ہے، ان دونوں میں امتیاز بھی کرنے کی صلاحیت نہیں، لیکن حوصلہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے ہی تسلیم کرونگا۔

اور اگر سائل کافی پڑھا لکھا آدمی ہے، لیکن سوال اس نے کسی معمولی پڑھے لکھے آدمی سے سے لکھوایا ہے، تو اسکا راز سمجھ میں نہیں آتا۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ساتھ ہی سائل نے سوال میں کچھ احکام شرعیہ یعنی چند مسائل پر حکم یقینی صادر فرما کر اپنے نیم مفتی ہونے کے دعویٰ کا مظاہرہ بھی فرمایا ہے۔

آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا ضرور منع ہے، لیکن مطلقاً بلند آواز سے بولنا ہرگز منع نہیں ہے، نہ بلند آواز سے مسجد میں قرآن کریم کا پڑھنا مطلقاً منع ہے۔ سائل پہلے ان دونوں حکموں کو قرآن کریم وحدیث شریف سے ثابت کرتا اور ہمت ہو تو اب اپنے کسی معتمد سے یہ کام کرادے۔ علم سائل ماشاء اللہ اور قرآن وحدیث سے ہی تسلیم کروں گا کا بلند بانگ دعویٰ۔

اب ضمناً مختصر طریقہ پر ان دونوں مسئلوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اصل سوال کا جواب لکھتا ہوں۔

بلند آواز سے مسجد میں دین وایمان کی باتیں بذریعہ تقریر لاؤڈ اسپیکر لگا کر یا آہستہ آہستہ، ہر طرح جائز ہیں۔ اسی طرح بلند آواز سے مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت بھی جائز ہے، بشرطیکہ نماز کا وقت معین گذر چکا ہو اور کوئی نمازی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ اسی طرح اور بھی دوسری صورتیں جواز کی ہیں، اور بعض صورتیں عدم جواز کی بھی ہیں۔ مثلاً خاص نماز جماعت کے وقت کوئی شخص لاؤڈ اسپیکر لگا کر بلند آواز سے مسجد میں دینی تقریر کرے یا قرآن کریم کی تلاوت کرے یا حمد، نعت، منقبت کے اشعار پڑھے۔ بہر حال مطلقاً بلند آواز سے مسجد میں بولنا یا قرآن کریم کی تلاوت کرنا منع نہیں۔ لیکن سائل نے بلند آواز سے بولنے اور قرآن کریم کی تلاوت کو مطلقاً منع لکھ دیا۔ اس بارے میں کثیر احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ لکن ترکتھا اختصارا للجواب، شعر

این چہ شوریست کہ در دور قمری بینم ——— ہمہ آفاق پر از فتنہ وشری بینم

اس دور پُرفتن میں اور نئے نئے شگوفے اور جدید قسم کے عجوبے نمایاں ہو رہے ہیں۔ اغیار تو بیگانے ہی ہیں۔ اذان کو بند کرنا، نماز سے روکنا، کلمۂ طیبہ سے منع کرنا ان کا عین مقصود ہے۔ اغیار کو کبھی مسلمانوں کا اتحاد واتفاق، ترقی وبلندی عروج وارتقا دیکھنا گوارا نہیں، وہ ہمیشہ سے اسلام واسلامیات اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا عزم کرتے رہے ہیں۔ آج ہم اغیار کی زیادتی، جبر واستبداد اور ظلم وستم کی شکایت کیا کریں، جب کہ اپنے کہلانے والے ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے مسلمان نظر آنے والے اور کلمہ گو ہوتے ہوئے شعار اسلام کو مٹا دینے کے درپے ہیں۔ کوئی مسجد میں تلاوت قرآن کریم سے روکتا ہے، کوئی کلمہ طیبہ پڑھنے سے منع کرتا ہے، کوئی کلمۂ توحید اور نعرہ تکبیر سے باز رکھنے کے لئے حیلے تلاش کرتا ہے، کوئی مسجد میں بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنے اور کلمہ کی ضرب لگانے سے روکتا ہے۔ حالانکہ کلمۂ طیبہ وہ کلمۂ مبارکہ ہے، جس کے بلند وبالا کرنے کا حکم شریعتِ طاہرہ سے ملا ہے۔ جب اپنوں کی اس قسم کی باتیں سامنے آتی ہیں تو دل کی دنیا لرزہ براندام ہو کر یہ شعر پڑھنے لگتی ہے

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ——— کہ آنچہ کرد با من، آشنا کرد

بڑے تعجب کا مقام ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، خداوندِ قدوس کی یاد سے اس کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے

اس کے بندوں کو روک رہے ہیں۔ اکبرالہ آبادی پہلے ہی لکھ گئے ہیں۔

رقیبوں نے رپٹ جاجا کے لکھوائی ہے تھانے میں
کہ اکبر یاد کرتا ہے خدا کو اس زمانے میں

میں پہلے یہ سمجھتا تھا کہ اکبر نے یہ شعر بطورِ طنز و مزاح لکھا ہوگا، لیکن میرا یہ خیال غلط نکلا اور یہ حقیقتِ واقعہ سامنے آ گئی کہ مسلمان کہنے والے اور کلمہ پڑھنے والے اور کلمہ کی تبلیغ کرنے والے آج کلمہ کو بند کرنے کے لئے صف آرا ہو چکے ہیں۔ کلمہ طیبہ اور نعرہ تکبیر ہمارے ایسے دو شعار ہیں کہ ہمارے اسلاف نے ان دونوں کی گونج سے قصرِ باطل کو متحرک و متزلزل کر دیا تھا، ان کو پڑھ کر آگ میں کود پڑے تو آگ گلزار ہوگئی، ان کو پڑھ کر پانی میں چل پڑے تو پانی شاہراہ بن گیا، انکی برکتوں سے اہل اسلام نے ممالک کثیرہ کو فتح کیا۔ آج ان کلماتِ دینیہ کو روک کر اور دینی شعار کو بند کر کے ہمارے کرم فرمانہ معلوم ان کلموں کی بجائے کون سا نیا کلمہ ایجاد کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کون مسلمان ناواقف ہے کہ اذان اور لاحول کے پڑھنے سے شیطان اور ابلیس خبیث بھاگتا اور مومنین ذکر اللہ سے قرار اور آرام اور صحت و شفاء پاتے ہیں۔ نمازِ پنجگانہ کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اطلاقِ آیاتِ قرآنیہ سے اور رسول پاک صاحبِ لولاک، سیار افلاک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے اقوال و افعال سے ثابت ہے۔ اسی لئے مستند کتب حدیث بخاری شریف، مسلم شریف مشکوٰۃ شریف وغیرہا ان تمام کتابوں میں ایک مستقل باب بعنوان "باب الذکر بعد الصلوٰۃ" مرقوم ہے، جس میں صراحت سے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کی تفصیل درج ہے۔

آیت (۱): حق تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ [البقرہ: ۱۱۴] (یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں ذکر کرنے اور اس کا تذکرہ کئے جانے سے منع کرے) (منہ)۔ یہ آیت علی الاطلاق مسجد میں ذکر حق تعالیٰ خواہ بلند آواز سے ہو یا پست آواز سے، نماز سے سلام پھیرنے کے بعد متصل ہو یا منفصل، روکنے والے کو بڑا ظالم بتا رہی ہے، چونکہ مسجدیں نماز و عبادت، ذکر و تلاوت ہی کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ حاشیہ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۹۰ میں ہے۔

> **قال فی الفتاوی لا یمنع عن الجھر بالذکر فی المساجد احترازا عن الدخول تحت قولہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ ...... الخ﴾ کذافی البزازیہ.** یعنی کتب فتاویٰ میں مرقوم ہے کہ مساجد میں ذکر بالجہر سے منع نہ کیا جائے تاکہ منع کرنے والا آیت کریمہ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ ...... الخ﴾ کے حکم میں داخل نہ ہو جائے۔

آیت (۲): ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ [النساء: ۱۰۳] (یعنی جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ کے بل لیٹ کر) (منہ)۔

تفسیر مدارک مصری جلد اول ص ۲۴۸ میں زیر آیت مذکورہ بالا مرقوم ہے۔

> **ای دوموا علیٰ ذکر اللہ فی جمیع الاحوال.** یعنی تمام احوال میں ذکر الٰہی پر مداومت و ہمیشگی کرتے

رہو۔

تفسیرات احمدیہ مطبوعہ بمبئی کے ص ۲۰۷ میں ملا احمد جیون علیہ الرحمہ استاذ بادشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت مرقومہ بالا اس کے تیسرے معنیٰ کے بیان میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

وثالثها ان یکون معنا ها فاذا فرغتم من الصلوٰۃ مطلقا سواء کان صلوٰۃ الخوف، اولاویکون المقصود من امر الذکر ان لایغفل المُؤمن عن ذکر اللہ تعالیٰ فی حال من الاحوال علیٰ ماقاله الامام الزاهد عن ابن عباس ان اللہ تعالیٰ لم یفرض فریضة الاجعل لها حدا معلوما سوی الذکر، فانه لم یجعل له حدا ینتهی الیه، حیث قال ﴿اُذْکُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ﴾ فی اللیل والنهار، و البروالبحر، والسفروالحضر، والغناء والفقر، و الصحة والسقم والسروالعلانیة وحینئذ یجوز ان یتمسک به علی شرعیة کلمة التوحید عقیب الصلوٰ ۃ ِ من غیر فاصل بشئی، کما هوداب بعض المشائخین فی زماننا. یعنی جب تم مطلق نماز سے فراغت حاصل کرلو، خواہ نماز خوف ہو یا اور کوئی نماز تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، ہر حال میں، اور ذکر کے حکم سے مقصود یہ ہے کہ مومن اللہ کے ذکر سے کسی حال میں غافل نہ ہو، جیسا کہ امام زاہد نے فرمایا، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرائض کی ایک حد معین کردی علاوہ ذکر کے، اور ذکر کے واسطے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ اس حد پر ذکر ختم ہوجائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرو حالتِ قیام وقعود میں اور اپنی کروٹ پر، رات میں اور دن میں اور خشکی وسمندر میں، اور سفر وحضر میں، اور تونگری ومحتاجی میں اور صحت و بیماری میں، اور آہستہ آہستہ اور بلند آواز سے، اور خفیہ اور علانیہ طور پر، اور یہیں سے جائز ہے کہ نماز کے بعد بغیر کسی فصل کے کلمۂ توحید کے جائز ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا جائے، جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض مشائخ کا طریقہ ہے۔ (منہ)۔

حدیث (۱): بخاری شریف مجتبائی جلد اول ص ۱۱۶، باب الذکر بعد الصلوٰۃ اور مسلم شریف اصح المطابع جلد اول ص ۲۰۷ میں، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کلمات مروی ہیں۔

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علیٰ عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم و قال ابن عباس کنت اعلم اذا انصر فوابذالک اذا سمعته. یعنی فرض نماز کے سلام کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے عہد مبارک میں معہود و معروف تھا، اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنما نے فرمایا کہ میں (کم سنی کے ایام میں نماز کے لئے مسجد نہ جاتا تو) ذکر بالجہر کو سننے کی وجہ سے جانتا تھا کہ اب تمام حضرات نماز سے فارغ ہوچکے۔ (منہ)

حدیث (۲): مشکوٰۃ شریف مجتبائی جلد اول ص ۸۸ میں ہے۔

عن ابن عباس رضی الله (تعالیٰ) عنهما قال کنت اعرف انقضاء صلوٰة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالتکبیر متفق علیه (و اللفظ للبخاری). یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مسجد میں نہ ہونے کے باوجود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نماز کے ختم ہونے کو تکبیر کی بلند آواز سے جانتا تھا۔ (منہ)

حدیث (۳): مسلم شریف جلد اول باب استحباب الذکر بعد الصلوٰة و بیان صفته ص ۲۱۸ و مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۸۸، باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے۔

قال کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا سلم من صلاته یقول بصوته الا علیٰ لا اله الا الله وحده لاشریک لهٗ له الملک وله الحمد، وهو علیٰ کل شئی قدیر، لاحول، ولاقوة، الا بالله، لا اله الا الله، ولا نعبد الا ایاه، له النعمة، وله الفضل، وله الثناء الحسن، لا اله الا الله مخلصین له الدین، ولوکره الکافرون، (و اللفظ للمشکوٰة). یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تھے، تو بلند آواز سے یہ کلمات فرماتے تھے، لا اله الا الله الخ.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعدِ سلام بلند آواز سے ذکر فرماتے تھے۔ اس حدیث میں لا اله الا الله سے علیٰ کل شیء قدیر تک کلمہ توحید کے الفاظ ہیں، اوراب کلمۂ طیبہ کے ثبوت لیجئے۔
دلائل الاذکار مصنفہ مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی مطبوعہ فخر المطابع ص ۱۲ میں ہے۔

واخبار و آثار اندریں باب وارداند فی عمدة الابرار و فی فتاویٰ السمر قندی و فی شرح النواد رالبرهانی فی باب الاذکار سئل عمر رضی الله تعالیٰ عنه عمن یقول بعد اداء الصلوٰة متصلا الکلمة الطیبة قال اذایقول بعد اداء الصلوٰة متصلا مرة یغفر الله تعالیٰ ذنوبه، و بمرة ثانیة اعطاه الله ثواب الانبیاء و بمرة ثالثة اعطاه ثواب الملٰئکة الطیبة، و فی شرح شامل البیهقی وکان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول من قال بعد اداء الصلوة متصلا کان له افضل من عبادة الف سنة. یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال اس باب میں وارد ہیں۔ عمدۃ الابرار اور فتاویٰ سمرقندی اور شرح نوادر برہانی کے باب الاذکار میں یہ ہے کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں جو نماز کے بعد متصل کلمہ طیبہ پڑھتا ہے، دریافت کیا گیا تو حضرت امیر المومنین نے جواب دیا کہ جب ادائے نماز کے بعد ایک بار متصل کلمہ پڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا، اور دوسری مرتبہ کلمۂ طیبہ کے پڑھنے والے کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ثواب عنایت فرمائے گا، اور تیسری مرتبہ کے پڑھنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ پاک فرشتوں کا ثواب عنایت فرمائے گا، اور شرح شامل بیہقی میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ

الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے تھے کہ جو شخص زور سے نماز کے بعد متصل کلمہ طیبہ پڑھے گا، اس کا یہ عمل اس کے لئے ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (منہ)

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد متصل کلمہ طیبہ پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ فرمانِ حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قول حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔ رسالہ دلائل الاذکار مذکورہ بالا ص ۴۲ میں شرح المصفا سے منقول ہے

سئل امام المسلمین ابوحنیفة عن الذین یمنعون الکلمة الطیبة بعد اداء الصلوة فقال هم الرافضون، لان فی هذاالقول خلاف فعل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واصحابه رضوان الله تعالیٰ علیهم ، لان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قد کان یجهر مع اصحابه الکلمة الطیبة بعد اداء الصلوٰة متصلا، رجل یذکر الله تعالیٰ جهرا و اٰخر یمنعه یعزر المانع لا نه منع امر الله تعالیٰ لقوله ادْعُوا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً یعنی سرا و جهرا (انتهیٰ عبارته). یعنی امام المسلمین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لوگوں کا حکم پوچھا گیا، جو ادائے نماز کے بعد متصل کلمہ طیبہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں تو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ لوگ رافضی ہیں، اس لئے کہ منع کرنا حضور فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے فعل کے خلاف ہے، چونکہ خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اصحاب کرام کے ساتھ اور نماز کے بعد متصل کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ جو شخص ذکر اللہ بلند آوز سے کرے اور دوسرا شخص اس ذاکر کو ذکر سے منع کرے تو منع کرنے والوں کو تعزیر یعنی کوڑے مارنے کی سزا دی جائے، چونکہ منع کرنے والے نے امر خداوندی کو منع کیا، اس لئے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے رب کا ہر طرح سے ذکر کرو، اور اس سے دعاء مانگو پست آواز سے ہو یا بلند آواز سے۔ (منہ)

اس روایت سے مندرجہ ذیل فوائد معلوم ہوئے۔

(۱): سلام پھیرنے کے بعد علی الاتصال کلمہ طیبہ کے ذکر بالجہر کو روکنے اور منع کرنے والے رافضی ہیں۔ (۲): ذِکر مذکور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابۂ عظام کے فعل سے ثابت ہے۔ (۳): ذِکر بالجہر کے روکنے والے کو تعزیر (کوڑے مارنے) کی سزا دی جائے۔ (۴): ذِکرِ مذکور کا روکنے والا امر الٰہی کا مانع ہے۔ (۵): ذِکرِ مذکور کو منع کرنے والا فعل حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مخالف ہے۔ (۶): ذکر مذکور کا مانع فعل صحابہ کا بھی مخالف ہے۔ (۷): ذکر بالجہر امر الٰہی ہے۔ مدارج النبوت جلد اول ص ۴۷۶ میں ہے۔

ازفرقہ ضالہ را کہ ایشاں مہدویہ گویند نقل می کنند کہ می گوید، ہر کہ بعد نماز کلمہ توحید خواند الخ۔

مدارج النبوت کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ بعد نماز کلمہ توحید کے پڑھنے سے روکنا ایک گمراہ فرقہ مہدویہ کا کام ہے۔ درمختار وطحطاوی علی مراقی الفلاح وحاشیہ حموی و "ذکر الذاکر للمذکور و الشاکر للمشکور" میں ہے۔

اجمع العلماء سلفا و خلفا علیٰ استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃً فی المساجد و غیر ھامن غیر نکیر الا ان یشوش جھر ھم بالذکر علیٰ نائم او مصل اوقاری قران کما ھو مقرر فی کتب الفقہ۔ یعنی کتب مذکورہ میں ہے کہ مجتمع ہوکر بلند آواز سے اللہ کے ذکر کے مستحب ہونے پر مساجد وغیر مساجد میں کسی انکار کے بغیر علماء سلف وخلف نے اجماع فرمایا ہے۔لیکن بلند آواز سے ذکر کرنا کسی سونے والے یا نمازی یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کے حق میں سبب تشویش بنے تو ذکر کرنے والے آواز پست کردیں کہ دوسروں کے لئے سبب تشویش نہ بنیں۔

جولوگ اس ذکر کو روکنے کے لئے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ بلند آوز سے ذکر کرنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل آتا ہے،تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ ایام تشریق کی تکبیر کو بھی اسی عذر سے روکنے کی کوشش کریں، چونکہ بقرعید کی نویں تاریخ کی نماز فجر سے تیرہویں تاریخ کی نماز عصر تک تئیس نمازوں میں ہر جماعتِ مستحبہ کے بعد ایک بار تکبیر بآواز بلند کہنی واجب ہے، اس سے بھی ان کی نماز میں خلل آتا ہوگا،اس لئے کہ ایام تشریق ہوں یا غیر ایام تشریق ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ نمازی کی بعض رکعت چھوٹ ہی جاتی ہے، جو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کی جاتی ہے، حالانکہ ان یام میں بآوازِ بلند تکبیر پڑھنے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں آتا، نہ کوئی خلل پڑنے کی شکایت کرتا ہے۔ جب ان ایام میں بآوازِ بلند تکبیر پڑھنے سے نماز میں خلل نہیں آتا تو پھر غیر ایام تشریق میں کلمہ طیبہ اور کلمہ توحید بلند آواز سے پڑھنے سے بھی نماز میں خلل نہیں پڑتا۔

غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بلند آواز سے ذکرِ حق تعالیٰ کرنے سے نماز میں تشویش وخلل کا ہونا ہمارے ایمانوں کی کمزوری وضعف پر دال ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُھُمْ﴾[الانفال: ۲] کہ ایمان والوں کے دل ذکر اللہ سے خائف ہوتے ہیں، ان کے دلوں پر خشوع وخضوع کا غلبہ واستیلا ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾[الرعد: ۲۸] کہ ہوشیار خبردار ذکر الٰہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں، دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔تیسرے مقام پر رب العزت عزاسمہ کا ارشاد ہے، ﴿وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا﴾[الانفال : ۲] کہ جب مومنین پر آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں،تو ان کے ایمان میں نور کی زیادتی ہوتی ہے۔ بلا شبہ حق تعالیٰ کا فرمان سچا ہے،حق وبجا ہے، جس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ آخر اوپر کی لکھی ہوئی حدیثوں سے ظاہر ہوا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد نماز فرض علی الاتصال بلند آواز سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں بھی بعض صحابہ کرام کی کبھی ایک یا اس سے زائد رکعتیں چھوٹ جاتی تھیں تو یہ صحابہ سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ نمازیں پوری کرتے تھے،لیکن حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بلند آواز سے ذکر کرنے سے کسی صحابی کی نماز میں تشویش وخلل نہ واقع ہوتا تھا۔آج تک میری نظر سے ایسی ایک حدیث بھی نہیں گزری کہ کسی صحابی نے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں شکایت کی ہو،صحابہ کی نمازوں میں تشویش وخلل کا واقع نہ ہونا، ان کے ایمانوں کی قوت پر دلالت کرتا ہے،اور ہماری نمازوں میں ذکر الٰہی سے تشویش وخلل کا واقع ہونا ضعف ایمان پر دال ہے۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے ذکر الہیٰ کرنا، کلمہ طیبہ یا کلمۂ توحید پڑھنا یا اس قسم کے دوسرے ذکر کا کرنا اور ضرب لگانا شرعاً صحیح و جائز، بلکہ مستحب ہے۔ البتہ اگر ضعیف الایمان کی نماز میں خلل پڑتا ہو تو ذکر کی آواز میں جہر مفرط نہ کرے، بلکہ آواز میں اتنی پستی کردے کہ نمازی کی نماز میں خلل نہ پڑے۔ لیکن ذکر سے منع نہ کرے۔ خصوصاً کلمۂ طیبہ کا ذکر بعد نماز۔ اسی طرح تیجہ میں چنوں پر کلمہ طیبہ کا ورد، کلمہ طیبہ کی تبلیغ کا ایک ذریعہ ہے۔ کتنے ناواقف حضرات اس طرح کلمہ طیبہ سیکھ لیتے ہیں۔ نیز جب کلمہ طیبہ پڑھنے کی عادت بعد نماز پنجگانہ رہے گی تو ان شاء اللہ مولیٰ تعالیٰ دم نزع بھی کلمۂ طیبہ زبان پر جاری ہوگا اور یہ قبر و حشر میں بھی کام دے گا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار. هذا ما عندی و الله سبحانه و تعالیٰ اعلم و علمه عز اسمه اتم و احکم.**

مسئلہ ۱۳۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام بعد نماز اپنی بائیں جانب پھر کر تسبیح ودعاء کے لیے بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟ نیز سنت جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہے، جواب کتب معتبرہ سے مرحمت فرمائیں اور علمائے کرام کے دستخط ومہر ثبت ہوں؟

مسئولہ عبد العلی خاں، محلہ مغل پورہ، ۲؍رجب المرجب ۱۳۷۵ھ

الجواب: سلام پھیرنے کے بعد امام کے لیے داہنی طرف منہ کر کے بیٹھنا افضل ہے، چونکہ اکثر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا اور بائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اسی طرح مقتدیوں کی جانب منہ کر کے بیٹھنا بھی ثابت ہے۔ جب کہ امام کے مقابل کسی صف میں کوئی نمازی نماز نہ پڑھ رہا ہو، لہٰذا امام بعد سلام اکثر داہنی طرف رخ کر کے بیٹھے اور کبھی کبھی بائیں طرف رخ کر کے بیٹھے یا بشرط مذکورہ بالا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۳۹۳ میں ہے۔

وفي الخانية يستحب للامام التحول ليمين القبلة، يعني يسار المصلي لتنفل او ورود وخَيَّرَهُ في المنية بين تحويله يمينا وشمالا واماما وخلفا، وذهابه لبيته، واستقباله الناس بوجهه، ولودون عشرة، مالم يكن بحذائه مصل، ولو بعيد اعلى المذهب خانیہ میں ہے۔
امام کیلئے مستحب ہے کہ قبلہ کے دائیں طرف گھوم جائے۔ یعنی مقتدی کے بائیں طرف۔ نفل یا ورد و وظائف کی غرض سے۔ مقتدیوں کی طرف چہرہ کر کے بیٹھ سکتا ہے۔ منیۃ المصلی میں اختیار دیا گیا کہ دائیں بائیں، آگے پیچھے گھوم سکتا ہے۔ اپنے گھر جا سکتا ہے۔ نمازی کی طرف منہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ دس مقتدیوں سے کم ہو۔ بشرطیکہ کوئی مقتدی اسکے بالمقابل دور تک نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

کبیری کانپوری ص ۳۳۰ میں ہے۔

في حديث انس في مسلم ايضا كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ينصرف عن يمينه، ومافي الصحيحين وغير هما من حديث ابن مسعود قال لايجعل احد كم للشيطان شيئا من صلوته،يرى ان حقاعليه ان لاينصرف الاعن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله

تعالٰی علیه وسلم کثیرا ینصرف عن یساره، لایعارض ذالک لان فعله علیه الصلوٰة والسلام ذالک تعلیما للجواز مع محبته للتیامن واعتیاده به. مسلم شریف میں حضرت انس کی حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں طرف گھومتے تھے۔ صحیحین وغیرہما میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت ہے۔ تم میں کوئی اپنی نماز میں سے شیطان کے لئے کوئی حصہ نہ بنائے، یہ خیال کر کے کہ دائیں طرف ہی گھومنا ضروری ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بارہا دیکھا کہ آپ اپنے بائیں جانب بھی گھومے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فعل بائیں طرف گھومنے کے جواز کی تعلیم کے مقصد سے بھی ہوسکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کو دایاں جانب محبوب تھا اور آپ اس کے عادی بھی تھے۔

اسی میں ہے۔

فی الصحیحین وغیر هماعن سمرة ابن جندب کان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذاصلی صلوٰة اقبل علینا بوجهه، بخاری و مسلم وغیرہما میں سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو ہماری طرف اپنا چہرہ کردیتے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۴۰: امام کو نماز کے بعد دعاء کے لیے کس رخ بیٹھنا چاہیے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

مسئولہ امداد حسین، سہس پور ضلع مرادآباد، ۹ر جنوری ۱۹۶۴ء پنجشنبہ

الجواب: زیادہ تر ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سلام پھیرنے کے بعد دائیں جانب رخ مبارک کیا کرتے تھے، اور کبھی کے ساتھ بائیں جانب بھی پھر جایا کرتے تھے اور کبھی قبلہ کی طرف پیٹھ اور مقتدیوں کی طرف رخ انور کرلیتے، جبکہ کسی صف میں کوئی مقتدی بالکل مقابلہ میں مصروف نماز نہ ہوتا۔ لہٰذا ان تینوں طرف امام کو چہرہ پھیرلینا مسنون و مستحب ہے اور سب سے افضل دائیں طرف پھرنا ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ عمر جماعت سے نماز پڑھانے کے بعد سلام پھیر کر قوم کی طرف الٹ کر دعاء مانگتا ہے، لیکن زید کا کہنا ہے کہ یہ نئی بات ہے، بلکہ بہتر یہی ہے کہ قبلہ کی طرف دعاء مانگی جائے اور عمر کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ دیکھتا ہے۔ چاہے جدھر بھی رخ کر کے دعاء مانگیں، لیکن نماز جماعت میں قوم کی طرف رخ کر کے دعاء مانگنا افضل و بہتر ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے جو امام جماعت سے نماز پڑھائے قوم کی طرف رخ کر کے۔ دعا نہ مانگے، اس نے برا کیا، لہٰذا کون سی بات صحیح ہے؟

کھٹا کھوا، پوسٹ داسیارہ، وایا اسلامپور ضلع دیناج پور بنگال، ۲۳ر صفر ۱۳۸۶ھ

الجواب: عمر کی بات صحیح و صواب اور زید کا قول غلط و خراب۔ زید شرع سے ناواقف اور جاہل و بے خبر ہے کہ ایک امر مسنون و مستحب کو نئی بات کہہ رہا ہے اور اپنے قیاس فاسد کو حکم شرعی میں دخل دیتا ہے اور بے علم فتویٰ کی وعید شدید میں

داخل ہوتا ہے۔قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم.

من افتٰی بغیر علم الجم یوم القیامة بلجام من النار۔ جس نے علم رکھے بغیر فتویٰ دیا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

ہر نماز جماعت کے بعد امام کا قبلہ کی طرف رخ پھیر کر دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف بشرطیکہ اس کے پیچھے کسی صف میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو، متوجہ ہونا سنت متوارثہ ہے، جس کا ترک مکروہ۔ قال ابن امیر الحاج فی الحلیة شرح المنیة ناقلاعن الذخیرة.

اذاکان فرغ الامام من صلوٰة اجمعوا علی انه لایمکث فی مکانه مستقبل القبلة سائرالصلوٰت فی ذالک علی السواء وقد صرح غیر واحد بانه یکره له ذالک.

امیر الحاج نے حلیہ شرح المنیہ میں الذخیرہ سے نقل کر کے کہا" علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب امام نماز سے فارغ ہو تو امام اپنی جگہ قبلہ کی طرف منہ کیے نہ رہے۔ اس حکم میں تمام نمازیں برابر ہیں۔ کئی حضرات نے قبلہ کی طرف منہ کئے رہنے کو مکروہ لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں گجرات سوراشٹر میں یہ قدیمی طریقہ چلا آتا ہے کہ بعد نماز فرض اور نماز سنت و نفل وغیرہ سے فارغ ہو کر امام دعاء عربی قرآنی پڑھتے ہیں اور سب جماعت مقتدیوں کی آمین کہتی ہے۔ اب اس میں جو فارغ ہو جاتے ہیں نماز سے وہ شریک ہو جاتے ہیں، بعض اپنی نمازوں میں مشغول رہتے ہیں۔ معترض کہتا ہے کہ بعد نماز کے دعاء مانگنا جائز نہیں، کیونکہ بعض نفل و سنت واجب ہے، اس پر قرآنی دلیل لاتا ہے کہ قرآن کی آواز دوسری آواز پر بلند نہ کرو ایسی حالت میں وہ مناظرہ کرنے کو تیار ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ دعاء قرآنی باواز پڑھنا اور تمام مسجد کے لوگوں کا انتظار کرنا امام کو چاہیے یا نہیں؟ زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط۔ قرآن وحدیث و کتب معتبرہ سے جواب دیکر مستفیض فرمائیں؟

مسئولہ اسمٰعیل رحمت اللہ صابری، سوراشٹر، ۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۰ھ

الجواب: یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کا سننا خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز میں قول اصح پر واجب ہے۔ کمافی المدارک والاحمدی وغیرهمامن کتب التفاسیر قوله تعالیٰ

﴿وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ، وَاَنْصِتُوْالَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الاعراف:۲۰۴] ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراء ة القران. فی الصلوٰة وغیرها، وکان جمهور الصحابة علی ان الآیة فی استماع الموتم خاصة، وقیل فی الخطبة والاصح انه فیهما جمیعا،(جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) آیت کے ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت خواہ وہ نماز کی حالت میں ہو، یا غیر نماز کی حالت میں سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ جمہور صحابہ کا موقف یہ ہے کہ آیت خاص مقتدی کے سننے کے سلسلہ میں ہے۔ ایک

قول یہ ہے کہ خطبہ سننے کے متعلق ہے۔صحیح یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں واجب ہے۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۷ میں ہے۔

یجب الاستماع للقرأۃ مطلقا لان العبرۃ لعموم اللفظ. قرآن کا سننا مطلقا واجب ہے، کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے۔

ہر نماز کے بعد دعاء اور ذکر کرنا مسنون ہے اور احادیث نبوی علیہ السلام سے ثابت ہے۔اس سے روکنا نادانی اور جہل ہے، للہذا صورت مسئولہ میں اگر کوئی شخص اسی مقام پر نماز پڑھتے ہوں تو ان کا انتظار کیا جائے، ورنہ دعاء کے الفاظ اتنی آواز سے نہ پڑھے جائیں، جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہو۔طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۱۹۰ میں ہے۔

قال فی الفتاویٰ ... (پوری عبارت...مسئلہ ۱۳۶...میں دیکھیں)۔واللّٰہ سبحانہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز پنجگانہ وجمعہ میں سنت ونفل کے بعد امام صاحب مقتدیوں کو لے کر جو دعاء مانگتے ہیں وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ سید مولوی صالح رضوی چاٹگامی امام وخطیب جامع مسجد قبرستان، مقام ڈگبوئی آسام، ۲۸؍ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ

الجواب: ہر نماز کے بعد، خواہ نمازِ سنت ونفل اس نماز کے بعد ہو یا نہ ہو، دوبارہ امام کا مقتدیوں کے ساتھ دعاء مانگنا محبوب ومستحب ہے۔ چونکہ دعاء ذکر وعبادت ہے، اس کی تکرار شرعاً مطلوب ومحبوب ہے، اس کا منع کرنا درست نہیں۔ ﴿اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [المومن: ۶۰] (مجھ سے دعاء کرو میں قبول کروں گا) (کنزالایمان)۔ جو نص قرآنی ہے، اس میں مطلقاً دعاء مانگنے کا حکم ہے۔للہذا یہ دعاء بھی مطلوب ومحبوب اور مستحب ومرغوب ہے۔ اس مسئلہ پر کثیر علمائے اعلام ومفتیان عظام اہل سنت وجماعت نے مفصل فتوے لکھے ہیں، جو رسالہ کی شکل میں چھپے ہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۴۴: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ امام سے پہلے کھڑا ہونا جماعت میں اللہ اکبر پر کھڑا ہونا سنت ہے، یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا سنت ہے اور بعد جماعت کلمہ مبارک کو باآواز بلند پڑھنا یا آہستہ سے پڑھنا کونسا طریقہ سنت اور مستحب ہے از راہ کرم جواب عنایت فرمائیں؟

(۲): بعد نماز جماعت کلمہ کو زور سے پڑھنے والے کو برا کہنا اچھا ہے یا برا، گناہ ہے یا ثواب؟ اس فتویٰ کا جو مسلک دیوبند کے ترجمان قدیم ادارہ جامعہ عربیہ حیات العلوم کے مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی جواب دیا ہے وہ یہ ہے۔ وباللہ التوفیق.

مسئولہ بابو علی عرف تایا بقلم خود، ۱۵؍نومبر ۱۹۷۰ء

جواب جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد

(۱) و(۲): پہلے کھڑا ہونا اور صفوں کو سیدھا کرنا ضروری ہے اگر کوئی شروع میں کھڑا نہ ہوسکا تو زیادہ سے زیادہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہو جانا چاہیے۔ اور بعد جماعت حدیث میں آیا ہے کہ استغفر اللہ یا اللہ اکبر تین بار کہنا چاہیے، آہستہ اور کسی قدر زور سے بھی پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ اور نمازیوں کے پڑھنے میں

کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اگر اس سے خلل نہ ہوتا ہو تو برا نہ کہنا چاہیے، فقط بندہ حبیب الرحمٰن خیرآبادی عفی عنہ، خادم جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد، ۲۷رشوال ۱۳۹۰ھ، ۱۷ردسمبر ۱۹۷۰ء یوم یکشنبہ

الجواب: مدرسہ حیات العلوم کے مفتی سے بابو علی صاحب نے دوسوال کر کے جواب حاصل کیا اور اب میرے پاس لایا گیا ہے کہ اگر یہ جواب صحیح ہے تو میں تصدیق وتصحیح کردوں ورنہ اس کا رد کردوں۔ اور حوالہ سے جواب لکھدوں۔ اس لیے مجھے اس کا رد و جواب لکھنا پڑا۔ اس مسئلہ میں میرا ایک مفصل ومدلل فتویٰ دہلی گیا تھا، خوف طول مانع ہے ورنہ میں وہی جواب نقل کر دیتا، جس سے مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی پڑتی، لیکن بطور اختصار مفتی حیات العلوم کے جواب کا پوسٹ مارٹم کرنا ضروری ہوا۔

مفتی صاحب نے جواب میں لکھا ہے کہ ''پہلے کھڑا ہونا اور صفوں کو سیدھا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شروع میں کھڑا نہ ہوسکا تو زیادہ سے زیادہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے۔ مفتی صاحب میں اگر کچھ بھی علم و دیانت اور شرم وحیا ہو تو یہ بتائیں کہ آپ نے جواب میں کس معتبر کتاب سے یہ مضمون لکھا ہے۔ کتاب کا نام مع حوالہ جلد وصفحہ لکھیں ورنہ اپنے علم و دیانت کا جنازہ نکال کر ماتم کریں۔

نیز ''ضروری'' سے آپ کی مراد کیا ہے، فرض اعتقادی، فرض عملی، یا فرض کفایہ، یا واجب شرعی، یا سنت مؤکدہ، یا سنت مستحبہ، یا مباح۔ اور تعیین مراد کے بعد آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔

امام ومقتدی کے جماعت کے لیے کھڑے ہونے کی بابت میرے علم میں کل آٹھ صورتیں ہیں اور کوئی صورت ضروری نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔ جسے فقہائے احناف نے آداب نماز کے باب میں یا مسائل اذان واقامت کے باب میں لکھا ہے اور یستحب یا یکرہ، لفظ منقول ومذکور ہے۔ عمر طویل پڑھتے، پڑھاتے، فتویٰ نویسی اور مطالعہ کتب دینیہ میں گزری، آج تک میری نظر میں اس مسئلہ کے متعلق ''ضروری'' کا لفظ نہ آیا، بلکہ ابتدائے تکبیر واقامت سے کھڑے ہونے کی ممانعت حدیث نبوی میں بایں لفظ وارد ہے کہ فلاتقوموا حتیٰ ترونی؛ یہ کلمے صحیح حدیث میں آئے ہیں، اگر مفتی صاحب کو نہ ملے تو مجھ سے معلوم کرلیں۔ شکریہ کے ساتھ حوالہ مع نمبر جلد وصفحہ تحریر کردوں گا۔ فقہ حنفی کی مستند کتاب حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۶ میں ہے۔

> واذااخذالمؤذن فی الاقامة، ودخل رجل المسجد، فانه یقعد، ولاینتظرقائما، فانه مکروہ کمافی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة، والناس عنه غافلون، یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے اس لیے کہ کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے، اسی طرح مضمرات میں ہے اور قہستانی میں ہے۔ اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے، حالانکہ عوام اس سے غافل ہیں (منہ)۔

لیکن اس دور میں مفتی صاحب بھی غافل نکلے۔

نیز فقہ حنفی کی مشہور و معروف اور مستند کتاب فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۵۳ باب الاذان کی فصل ثانی میں مرقوم ہے۔

اذا دخل الرجل عندالاقامة يكره له الانتظار قائمالكن يقعد ثم يقوم اذابلغ المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلثة وهو الصحيح، یعنی جب کوئی نمازی اقامت وتکبیر ہوتے وقت نماز کے مقام میں داخل ہوتو اس کے لیے امام ومقتدی کے انتظار میں آ کر کھڑا رہنا مکروہ ممنوع ہے۔ داخل مقام نماز ہونے والا شخص بیٹھا رہے، پھر جب تکبیر وا قامت کا کہنے والا ''حي على الفلاح'' پر پہنچے تو وہ کھڑا ہو، ایسا ہی مضمرات میں ہے، اگر اقامت وتکبیر کہنے والا شخص امام نہ ہو اور مقتدی وامام پہلے سے مسجد میں ہوں تو سارے مقتدی وامام تکبیر وا قامت کہنے والے کے قول حي على الفلاح پر کھڑے ہوں یہی مذہب صحیح ہمارے تینوں اماموں کا ہے۔ (منه)

ہمارے اس علاقہ میں بھی عام طور پر دو صورتیں کثیر الوقوع ہیں، جن کا حکم فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوا۔ مفتی صاحب کو یہ دونوں صورتیں ضرور لکھنی تھیں، چونکہ یہ دونوں صورتیں کثیر الوقوع ہیں۔ عبارت مندرجہ بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ وقت اقامت آنے والا شخص بیٹھا رہے، قوم وامام کے کھڑے ہونے کے انتظار میں کھڑا رہنا مکروہ ہے، قول مکبر ''حي على الفلاح'' پر کھڑے ہوں۔ فتاویٰ عالمگیری میں مندرجہ بالا عبارت کے نیچے مزید چار صورتیں مذکور ہیں، مفتی صاحب ملاحظہ فرمائیں۔ درمختار ہاشمی جلد اول باب آداب الصلوٰۃ میں ہے۔

(والقيام) لامام ومؤتم، (حين قيل "حي على الفلاح") خلافالزفر، فعنده، عندحي على الصلوٰة ابن كمال (ان كان الامام بقرب المحراب، والا فيقوم كل صف ينتهي اليه الامام على الاظهر)، وان دخل من قدام، قاموا حين يقع بصرهم عليه الا اذا اقام الامام بنفسه في مسجد، فلايقفوا حتى يتم اقامته ظهيريه وان خارجه قام كل صف ينتهي اليه، بحر۔

ابتدائے جواب میں لکھ چکا ہوں کہ خوف طوالت کی بنا پر مختصر جواب لکھ رہا ہوں، ورنہ کم از کم چالیس یا پچاس کتابوں سے حوالے لکھتا۔ مفتی صاحب اپنے گھر کی بھی خبر رکھیں۔ ذرا فتاویٰ دار العلوم دیو بند بھی دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا۔ اونے پونے اندھا دھند فتویٰ لکھنے سے باز رہیں ورنہ ذلت ورسوائی اور زیادہ ہوگی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۲): مفتی صاحب سے کلمہ مبارکہ کے بارے میں پوچھا گیا تھا کہ بعد جماعت یعنی بعد سلام امام بلند آواز سے پڑھنا سنت ومستحب ہے، یا آہستہ پڑھنا؟ اس کے جواب میں مفتی صاحب نے استغفر الله یا الله اکبر تین بار پڑھنے کو آہستہ یا کسی قدر زور سے حدیث میں آنا بتادیا اور کلمہ مبارکہ پڑھنے کے بارے میں خاموشی اختیار کرلی۔ نہ معلوم مفتی صاحب نے پینترا کیوں بدلا؟ اصل سوال کا جواب نہ دے کر دوسری چیز کے پڑھنے کا ذکر کیوں فرمادیا۔ اصولی طور پر اصل سوال کے متعلق بھی نفی یا اثبات میں کچھ نہ کچھ جواب دینا تھا۔ نیز صرف استغفار وتکبیر کا ذکر مفتی صاحب نے کردیا، اور بھی تو دوسرے اذکار کا احادیث نبویہ میں ذکر آیا ہے جس کی کافی تفصیل مشکوٰۃ اور حصن حصین میں مذکور ہے۔ یہ مسئلہ بھی حل طلب ہے۔ کلمہ

طیبہ کے پڑھنے کا ذکر مفتی صاحب کو حدیث میں نہ ملا تھا، تو یہی لکھ دیتے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اب مفتی صاحب کان کھول کر سن لیں، آنکھ پھاڑ کر دیکھ لیں۔ کلمہ طیبہ کا بعد سلام امام پڑھنا بھی احادیث نبویہ اور معمولات مشائخ میں آیا ہے۔ رسالہ دلائل الاذکار مصنفہ مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی مطبوعہ فخر المطابع ص ۱۲ میں ہے۔

واخبار و آثار ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۱۳۸ ... میں دیکھیں).

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ نماز کے متصل کلمہ طیبہ پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت فرمان حبیب اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قول حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

اس رسالہ کے مصنف موصوف وہابیوں دیوبندیوں کے بڑے بھائی مقتدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاذ ہیں۔ اس رسالہ کے آخر میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی تقریظ بھی چھپی ہے، جس میں گنگوہی صاحب نے مصنف رسالہ دلائل الاذکار کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ اس تقریظ کے آخر کا ایک جملہ تو اس رسالہ کے ہر مضمون کے حق وصواب ہونے پر رجسٹری کرتا ہے، وہ یہ ہے:

''ونزد فقیر حق ہمیں است کہ حضرت استاذ مصنف رسالہ ہذا تحریر فرمودہ دام ظلہ العالی وانا الفقیر الراجی الی رحمۃ اللہ الصمد الموعود برشید احمد گنگوہی''

اس کے بعد کسی وہابی دیوبندی کو تو اس سے انکار ومنع کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مسلم شریف جلد اوّل باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ ص ۲۱۸، اور مشکوٰۃ شریف ص ۸۱ میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر (والحدیث طویل ذکرتہ بقدر الضرورۃ وھٰذا لفظ المشکوٰۃ) اس حدیث کا لفظ ''یقول بصوتہ الاعلیٰ'' بعد سلام ذکر بالجہر (یعنی بآواز بلند) کے جواز واستحباب پر دلیل واضح ہے۔

بخاری شریف مجتبائی باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۱۱۶ اور مسلم شریف اصح المطابع جلد اوّل ص ۲۱۷ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کلمات مروی ہیں۔

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وقال ابن عباس کنت اعلم اذا انصرفوا بذالک اذا سمعتہ، یعنی فرض نماز کے سلام کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں ذکر بالجہر کو سن کر جانتا تھا کہ اب نمازی حضرات فرض سے فارغ ہو چکے۔ (منہ)

اس حدیث سے بھی فرض نماز کے بعد مطلقاً ذکر بالجہر کا جواز و استحباب ثابت ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ذکر بالجہر معمول و معہود اور معروف و معتاد تھا۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ بعد سلام امام ذکر بالجہر کرنا (خواہ کلمہ طیب ہو یا کوئی کلمہ استغفار ہو یا تسبیح و تحمید یا تکبیر یا اور کوئی ذکر جس کا تذکرہ احادیث کریمہ میں آیا ہے) مسنون و مستحب ہے۔ جب یہ ذکر مسنون و مستحب ٹھہرا تو ذکر کرنے والے کو برا کہنے کی اجازت شرعاً نہیں ہوسکتی۔ اگر ذکر بالجہر سے کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو وہ کم آواز سے ذکر نے کو کہے، ذکر سے منع نہ کرے۔ حاشیہ علامہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۹۰ میں ہے۔

قال فی الفتاویٰ ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۱۳۶ ... میں دیکھیں)۔ هذا ماعندی والله سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم.

باب صفة الصلوٰة (نماز کی صفتوں کا بیان)

مصافحہ بعد نماز

مسئله ۱٤٥: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لکھنؤ کی بعض مساجد میں طریقہ ہے کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر تمام مقتدی و امام مصافحہ کرتے ہیں، اس پر بعض نمازی اس کو ایک نئی بات (بدعت) کہتے ہیں، اور کہتے ہیں، دین کی کسی کتاب میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ طریقہ کیسا ہے، اور اگر مسنون یا مستحب ہے، تو اس کا ثبوت کیا ہے۔ کتب معتبرہ کی اصل عبارت مع ترجمہ کے مرحمت فرمائی جائے؟ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ عبداللہ کیئر آف ڈاکٹر صبغۃ اللہ انصاری، روئل ہوٹل نمبر ۵۵ نیو بلڈنگ لکھنؤ، ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

الجواب: نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور نماز جمعہ اور عیدین کے بعد مصافحہ کرنا بلاشبہ جائز، بلکہ مسنون و مستحب ہے اور جس طرح عیدین میں اظہار فرح و سرور اور آپس میں تہنیت و مبارکباد دینا مستحب ہے اسی طرح مصافحہ کرنا بھی فقہاء نے مستحب بتایا ہے اور احادیث کثیرہ و کتب فقہیہ سے اس کا جواز و استحباب ثابت ہے۔ بخاری شریف میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قلت لانس، اکانت المصافحة فی اصحاب النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال نعم.

میں نے انس سے پوچھا۔ ''کیا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں مصافحہ کرتے تھے؟ کہا، ہاں۔

بیہقی نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی کہ حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینهما ذنب الاسقط، یعنی دو مسلمان جب باہم مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان کوئی گناہ نہیں رہتا مگر جھڑ جاتا ہے (منہ)۔

طحطاوی علی الدرالمختار جلد چہارم ص ١٩٠ میں یہ حدیث منقول ہے۔

من صافح اخاه المسلم وحرک یده تناثرت ذنوبه کماتنا ثرت الورق الیابس من الشجرة ونزلت علیهما مائة رحمة تسعة وتسعین لاسبقهما وواحدة لصاحبه. یعنی جس مسلمان نے اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیااوراس کے ہاتھ کوحرکت دی تواس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں، جیسے درخت سے خشک پتہ جھڑ جاتا ہےاوران دونوں پرسو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے رحمتیں ان دومصافحہ کرنے والوں میں سے سبقت کرنے والے کے لیے ہیں اور ایک رحمت اس کے ساتھ مصافحہ کرنے والے کے لیے(منہ)۔

ان احادیث کریمہ میں مصافحہ کوکسی وقت کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، بلکہ مطلق مصافحہ کاحکم دیا گیااوراس کی فضیلت بتائی گئی، لہٰذامعلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز کے بعد یا بعد نماز جمعہ وعیدین جب بھی مصافحہ کیاجائے، جائزومستحب ہے۔اسی کی جلد اوّل ٣٥٣ میں ہے۔

وتستحب المصافحة، بل هی سنة عقیب الصلوات کلهاوعند کل لقی. مصافحہ مستحب ہے، بلکہ سنت ہے۔ہرنماز کے بعد، بلکہ ہرملاقات کے وقت۔

اسی طرح حاشیہ ابوالسعوداورشرنبلالیہ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں بھی ہے، درمختار ہاشمی ص ٤٩٤و٤٩٥ میں ہے۔

کالمصافحة، ای کما تجوزالمصافحة، انها سنة قدیمة، متواترة لقوله علیه الصلوٰة والسلام من صافح اخاه المسلم،وحرک یده، تناثرت ذنوبه واطلاق المصنف تبعاللدرر، والکنز، والوقایة، والنقایه، والمجمع،والملتقیٰ وغیرها یفید جواز ها مطلقا، ولوبعدالعصر، وقوله انه بدعة، ای مباحة حسنة کماافاده النووی فی اذکاره، وغیره فی غیره. مثل مصافحہ، یعنی جیسا کہ مصافحہ جائز ہے۔یہ قدیم اورسنت متواترہ ہے۔کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا''جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اوراپنے ہاتھ کوحرکت دی اس کے گناہ جھڑ گئے۔الدرر، الکنز، الوقایه، النقایة، المجمع اور الملتقیٰ وغیرہ میں، مصافحہ کومطلق رکھا ہے ان کی اتباع کرتے ہوئے مصنف نے بھی اسے مطلق رکھا۔مصافحہ مطلقا جائز ہے(کسی وقت اورزمانہ کے ساتھ مقید نہیں)خواہ بعد عصرہی کیوں نہ ہو۔اوران کا قول بدعت ہے۔یعنی یہ بدعت حسنہ مباحہ ہے۔ جیسا کہ امام نووی نے اپنی اذکارمیں اس کاافادہ فرمایااوردوسروں نے دوسرے مقامات پر۔

مجمع البحار کشوری جلد دوم ص ٢٥٠ میں ہے۔

هی سنة مستحبة عندکل لقاء، وماعتادوه بعد صلوٰة الصبح والعصر، لااصل له فی الشرع ولکن لاباس به، وکونهم حافظین علیها فی بعض الاحوال، مفرطین فیها فی کثیر منها، لایخرج ذالک البعض عن کونه مماور دالشرع باصلها وهی من البدع

المباحة. مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے اور فجر و عصر کے وقت جو رواج لوگوں نے دے دیا ہے، اگر چہ کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ بعض حالتوں میں لوگوں کا پابندی کرنا اور کہیں کہیں مبالغہ کرنا، یہ طریقہ اس حقیقت کو متاثر نہیں کرے گا کہ شریعت میں اس کی اصل موجود ہے۔ یہ جائز بدعتوں میں سے ہے۔

عبارات مندرجہ بالا سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہوگیا کہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنا مسنون اور مستحب ہے، خواہ نماز فجر کے بعد کیوں نہ ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کی تخصیص جائز و مباح ہے اور اسی مصافحہ مسنونہ میں داخل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: زید بعد نماز فجر و عصر لوگوں سے مصافحہ کراتا ہے، اور خود بھی کرتا ہے اور بکر اس مصافحہ کو بدعت و حرام بتاتا ہے۔ بکر کا ایسا کہنا کیسا ہے، اور مصافحہ کیوں کیا جاتا ہے، اس میں کیا فائدہ ہے اور یہ کس کی سنت ہے؟

مسئولہ نور الحسن رضوی، مدرسہ معین العلوم، نواب گنج، گونڈہ، ۱۰ ارمئی ۱۹۶۳ء

الجواب: ہر نماز و ملاقات کے بعد مصافحہ سنت قدیمہ متواترہ ہے اس کی سنیت و استحباب کا منکر اور حرام و ناجائز کا مدعی غلطی پر ہے، حدیث پاک میں سید لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات فرماتے ہیں کہ ایک مومن جب دوسرے مومن سے ملتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں کی حرکت سے گناہ جھڑنے لگتے ہیں، تو جب عام اوقات نماز و ملاقات میں مصافحہ مسنون و مستحب قرار پایا تو فجر و عصر کے بعد تخصیص بھی اسی عام کے دو فرد خاص ہیں جو عموم کے تحت داخل ہو کر یقیناً مستحق جواز ہوں گے، لہٰذا اس کو ناجائز و حرام کہنا بہت سی احادیث نبویہ علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ اور احکام فقہیہ کے مخالف ہے۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۱۹۱ میں ہے۔

> و المصافحة، فهي سنة عقيب الصلوات كلها وعند كل لقي. مصافحہ مستحب ہے، بلکہ سنت ہے۔ ہر نماز کے بعد، بلکہ ہر ملاقات کے وقت۔

درمختار مصری جلد اول ص ۲۶۶ میں ہے۔

> كما تجوز المصافحة لانها سنة قديمة متواترة لقوله عليه السلام من صافح اخاه المسلم وحرک يده تناثرت ذنوبه واطلاق المصنف تبعاللدرروالكنزوالوقاية والنقاية والمجمع والملتقىٰ وغيرهايفيد جواز ها مطلقا ولوبعدالعصر. ... اسی طرح جیسا کہ مصافحہ جائز ہے کیونکہ یہ ایک قدیم اور متواتر سنت ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کے لئے اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑ گئے۔ درر البحار، کنز الدقائق، وقایہ، نقایہ، مجمع اور ملتقی الابحر وغیرہ کی پیروی کرتے ہوئے مصنف نے اس کو مطلق لایا۔ لہٰذا یہ مطلقاً جواز کا فائدہ دے رہا ہے۔ خواہ بعد عصر ہی کیوں نہ ہو۔

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے۔

اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء وما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوٰة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علیٰ هذاالوجه ولکن لاباس به فان اصل المصافحه سنة. جاننا چاہئے کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد لوگوں نے مصافحہ کا جو رواج دے دیا ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل تو نہیں ہے لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کیونکہ بہر حال اصل مصافحہ سنت ہے۔

عبارات مندرجہ بالا سے مصافحہ کا فائدہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے، اور تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے، جو مسلمانوں کے لیے باہم ہونا چاہیے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۰] (سارے مسلمان بھائی ہی ہیں تو صلح کرادو اپنے بھائیوں میں) (معارف)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ نماز فجر و نماز عصر کے بعد بعض حضرات مصافحہ کو ایک ضروری امر خیال کرتے ہیں تو کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام سے اس سلسلے میں کوئی نص صریح یا عملی حدیث وارد ہے، نیز بقیہ نمازوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالرحمٰن صاحب، محلہ گل شہید، مراد آباد، ۱۴ / شعبان ۱۳۸۶ء دوشنبہ

الجواب: شرعاً نماز پنجگانہ میں سے ہر نماز کے بعد باہم مصافحہ کرنا مسنون و مستحب ہے، جس کی اصل حدیث نبویہ سے ثابت ہے۔ فقہائے احناف نے احادیث کریمہ ہی کی روشنی میں اس مصافحہ کو مسنون و مستحب تحریر فرمایا ہے۔ نماز پنجگانہ میں سے نماز فجر و عصر کے بعد مصافحہ کی تخصیص اصل مصافحہ کو ناجائز و بدعت نہیں بتاتی، بعض حضرات کی جانب نماز فجر و عصر کے بعد مصافحہ کرنے کو ایک ضروری امر (بمعنی فرض و واجب) خیال کرنے کی نسبت بدگمانی پر مشتمل ہونے کے باعث صحیح نہیں۔ مومن کی طرف حسن ظن چاہیے۔ شاید ہی کوئی مومن، ضروری امر، بمعنی فرض و واجب خیال کرتا ہو، اگر فی الواقع کوئی ضروری امر بمعنی فرض و واجب جانتا ہو تو وہ غلطی پر ہے، ورنہ بغیر تحقیق کسی کی جانب ایسی نسبت غلطی پر مشتمل ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۹۱ میں ہے۔

> والمصافحة سنة فی سائر الاوقات لماخرج ابوداؤد عن ابی ذرمالقیت النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الاوصافحنی. (الحدیث) مصافحہ تمام اوقات میں سنت ہے۔ ابوداؤد نے ابوذر سے روایت کی میں جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا، آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا۔

اسی کے ص ۳۱۹ میں ہے۔

> وکذا تطلب المصافحة فهی سنة عقیب الصلوات کلها وعندکل لقی قال اللّٰه تعالٰی ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲] ایسا ہی مصافحہ مطلوب و محبوب ہے۔ ہر نماز کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے ایمان والو

بچو بہتیرے گمان سے بلاشبہ کوئی کوئی گمان گناہ ہوتا ہے)(معارف)۔

اس مصافحہ سے منع کرنے والے کے بڑے بھاری گروہ امام الطائفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنے رسالہ نذور میں (جو مجموعہ زبدۃ النصائح میں طبع ہوا ہے) تخصیص مصافحہ بعد فجر وعصر کو بدعت حسنہ لکھا ہے اوران کے دوسرے پیشوا مولوی خرم علی بلہوری نے اپنی کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ وشرح درمختار جلد چہارم ص ۲۱۳ میں اسی مصافحہ بعد فجر وعصر کو جائز و مشروع قرار دیا ہے۔ وقت وفرصت کی قلت مانع ہوئی ورنہ اس بارے میں فقیر اپنا طویل، مدلل ومفصل فتویٰ درج کر دیتا، ماننے والے کے لیے دوحرف کافی اور منکر کے لیے دفتر بھی ناکافی، **ھٰذا ماعندی واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔**

باب القراءۃ (قراءت کابیان)

مسئلہ ۱۴۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ نمازوں میں سورتوں کاترتیب سے پڑھنا واجب ہے یاغیرواجب مثلاً پہلی رکعت میں **قل ھو اللّٰہ احد،** پڑھا اور دوسری رکعت میں **الم تر کیف**، پڑھا، نماز درست ہوگی یانہیں بحوالہ کتب بیان فرمایاجائے؟

مسئولہ محمد مقیم الدین، محلہ مجاہد پور گڑھ، بھاگلپور، ۱۹ راگست ۱۹۵۹ء

الجواب: قرآن کریم کی سورتوں کاترتیب وار پڑھنا نماز کے اندر اور نماز سے باہر مطلقاً واجب ہے۔ اسی لیے سورتوں کاترتیب سے پڑھنا واجبات تلاوت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ یہ خاص واجبات نماز سے نہیں ہے۔ اس کا اثر ونتیجہ شرعایہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس واجب کی قصداً خلاف ورزی کرے یعنی قصداً نیچے کی سورت پہلی رکعت میں اوراوپر کی سورت دوسری رکعت میں پڑھے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور سجدہ سہولزوم کراہت وترک واجب کے سبب سے لازم نہ ہوگا، بلکہ نماز کا اعادہ (دوبارہ پڑھنا) ہی ضروری ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگرکسی نے قصداً پہلی رکعت میں **قل ھو اللّٰہ احد،** اور دوسری رکعت میں **الم تر کیف فعل،** پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی اورواجب الاعادہ ہوئی، اوراگر سہواً کسی سے ایسا ہوگیا تو نماز بلاکراہت صحیح ودرست ہوگئی اعادہ کی مطلقاً حاجت وضرورت نہیں نہ سجدۂ سہولازم ہوا۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۳۸ میں ہے۔

> **ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ، وان یقرأمنکوسا، الااذاختم، فیقرأ من البقرۃ، و فی القنیۃ قرأفی الاولیٰ، الکافرون، وفی الثانیۃ 'الم ترکیف' اوتبت، ثم ذکر، یتم.** چھوٹی سورت سے فصل کرنا مکروہ ہے۔ نیز خلاف ترتیب پڑھنا۔ مگر جبکہ ختم قرآن ہو۔ سورہ بقرہ سے پڑھے گا۔ القنیۃ میں ہے۔ پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھا، دوسری میں **الم تر کیف یا تبت یدا** پڑھا۔ پھر یاد آیا نماز پوری کرلے۔

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے۔

(قوله وان يقرأ منكوسا) بان يقرأ فى الثانية اعلىٰ مماقرأ فى الاولىٰ لان ترتيب السور فى القراة من واجبات التلاوة وانما جوز للصغار تسهيلا لضرورة التعليم. ((ان کا قول خلاف ترتیب پڑھنا) یعنی دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے اوپر والی سورت پڑھنا چونکہ قرأت میں سورتوں کی ترتیب کالحاظ کرنا واجبات تلاوت میں سے ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے جو خلاف ترتیب جائز قرار دیا گیا: تعلیم قرآن کی ضرورت کے پیش نظر سہولت کی خاطر ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۲ میں ہے۔

(و)يكره (قرأة سورة فوق اللتى قرأها) قال ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه من قرأ القران منكوسا فهومنكوس،وماشرع لتعليم الاطفال الاليتسيرالحفظ بقصر السورة. اوپر کی سورت بعد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس نے قرآن کو الٹا پڑھا۔ وہ خود اوندھا کردیا گیا ہے۔ بچوں کے لئے خلاف ترتیب پڑھنا محض اس لئے جائز کیا گیا ہے کہ چھوٹی سورتوں کا حفظ نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

(قوله ويكره قرأة سورة) كذاالأية فوق الأية مطلقاً سواء كان فى ركعتين، اوركعة. ان کا قول اوپر کی سورت بعد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ جس طرح بعد میں اوپر والی سورہ پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح اوپر کی آیت بھی پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ چاہے دو رکعت میں ہو یا ایک رکعت میں ....

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

لكون الترتيب من واجبات التلاوة. کیونکہ ترتیب واجبات تلاوت میں سے ہے۔

غنیۃ المستملی کانپوری ص ۴۵۹ ہے۔

ويكره ان يقرأ فى الثانية سورة فوق اللتى قرأ فى الاولىٰ، لان فيه ترك الترتيب اللذى اجمع عليه الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين هذا اذا كان قصداً اماسهوًافلا. دوسری رکعت میں اوپر والی سورہ یا آیت پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں اس ترتیب کا ترک ہے، جس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہے۔ کراہت اس وقت ہے جب سہواً پڑھا، عمداً میں نہیں۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۷۵ و ۲۷۶ میں ہے۔

يجب سجدتان بتشهد، وتسليم لترك واجب (ملخصا)۔ ترک واجب سے دو سجدہ واجب ہوتا ہے، تشہد پڑھ کر ایک سلام پھیرے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

(قوله لترك واجب) اى من واجبات الصلوٰة الاصلية، فخرج واجب ترتيب التلاوة،

واختلف فی تاخیرسجودالتلاوۃ عن التلاوۃ، وجزم فی التجنیس بعدم وجوب السھوفیہ، لانہ لیس بواجب اصلی فی الصلوٰۃ. ان کا قول ترک واجب کے سبب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اس سے مراد نماز کے اندر جو بنیادی واجبات ہیں۔ اس سے ترتیب تلاوت والا واجب نکل گیا، سجدۂ تلاوت کو تلاوت سے مؤخر کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ تجنیس میں خلاف ترتیب پڑھنے پر سجدۂ سہو واجب نہ ہونے پر جزم کیا ہے۔ کیونکہ یہ نماز کے اندر واجب اصلی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ للّٰہ مافی السمٰوٰت سے آخر آیت بقرہ تک دو رکعت میں ملانا جائز نہیں۔ بکر جو کہ امام بھی ہے کہتا ہے کہ دو رکعت کے اندر ملا سکتا ہے۔ زید کا کہنا درست ہے یا بکر کا؟ آیت الکرسی کو ایک رکعت میں پڑھنے سے نماز کامل ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

مسئولہ محمد مبین صاحب رحمانی امام مسجد ہری جگ، اصالت پورہ مراد آباد، ۱۷/ مارچ ۱۹۶۹ء دوشنبہ

الجواب: زید کا قول مطلقاً غلط و باطل ہے۔ سورۂ بقرہ کا یہ آخری رکوع تین بڑی آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کی ہر آیت کو بھی اگر دو رکعتوں میں بعد فاتحہ پڑھیں تو بھی نماز صحیح و جائز ہوگی، اور اس طرح دو رکعتوں میں ایک آیت کا پڑھنا اور نصف نصف ملانا صحیح و جائز ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ ایک ایک آیت کو ایک ایک رکعت میں پڑھے، لہٰذا بکر کا قول صحیح و درست ہے۔ یعنی پہلی رکعت میں دو آیتیں اور دوسری رکعت میں ایک آیت پڑھے، تو اس طرح پڑھنا اور آیتوں کا ملانا بغیر کسی کراہت کے صحیح و جائز ہے۔ آیت الکرسی کا ایک رکعت میں ملانا بھی صحیح و جائز ہے۔ اس میں کوئی نقصان و خلل نہیں ہے۔ بلاشبہ نماز کامل و مکمل ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب الضاد (ضاد کا بیان)

مسئلہ ۱۵۰: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لوگ اکثر دیار میں حرف ضاد کی صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض اس کو مشتبہ الصوت بظا کہتے ہیں، گو فرق ضرور ہے۔ بعض صورت متعارف (ذواد) کو کہتے ہیں۔ ان دونوں صورت میں کون صحیح ہے۔ نیز جو شخص حرف ضاد کو صورت متعارف (ذواد) کے ساتھ پڑھتے ہیں تو ان کی نماز جائز ہوگی، یا فاسد۔

(۲): اور اس بارے میں بھی کہ چند اشخاص حرف (ضاد) کو (دواد) قرآن شریف میں پڑھنے سے اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم قرآن میں دواد پڑھتے ہو تو عربی لفظ جو بزبان اردو بولتے ہیں تو وضو کو (ودو) کیوں نہیں کہتے، اور ضیاء الدین کو (دیاء الدین) کیوں نہیں کہتے، یہ بھی تو عربی لفظ ہیں تو قرآن شریف میں (زواد) کا پڑھنا صحیح ہے یا دواد پڑھنا چاہیے؟

مسئولہ محمد عمر گورکھپوری، ۲۵/ جنوری ۱۹۵۷ء

الجواب: (۱): ضاد کو مطلقاً ظا پڑھنا یا خالص دال پڑھنا دونوں میں سے کوئی صحیح نہیں، چونکہ ضاد کا مخرج ظا اور زا اور دال سب سے جدا ہے، عربی حروف میں ضاد کا اس کے مخرج وصفات کے ساتھ ادا کرنا نہایت دشوار و مشکل ہے۔ کتب تجوید میں اس کی تصریح ہے۔ نماز اور خارج نماز میں کلام باری تعالیٰ کی تلاوت کے وقت جو شخص ضاد کو اس کے صحیح مخرج وصفات کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو صحیح مخرج وصفات ہی کے ساتھ ادا کرے، اگر ایسے شخص سے نماز میں ضاد کی جگہ پر ظا یا دال ادا ہو جائے اور معنی میں فساد بھی لازم آتا ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر ایسا شخص نماز میں قصداً ضاد کو ظا یا دال خالص پڑھے، بشرطیکہ وہاں ضاد کی جگہ ظا یا دال کسی قرأت اور لغت میں نہ آیا ہو تو بعض فقہائے کرام نے تحریف اور تغیر کلام باری تعالیٰ لازم آنے پر حکم تکفیر صادر فرمایا ہے۔ جو شخص ضاد کو اس کے صحیح مخرج وصفات کے ساتھ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ شخص فن قرأت کے ماہرین سے اس کا صحیح مخرج اور ادا کرنے کا صحیح طریقہ معلوم کر کے ضاد کو اس کے صحیح مخرج وصفات کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش بلیغ کرتا رہے، حتی کہ اس کو صحیح طور پر ادا کرنے لگے۔ لیکن اگر ایسا شخص ضاد کو ظا یا دال کے مخرج سے ادا کردے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ غنیۃ المستملی ص ۴۴۸ میں ہے۔

اما اذا قرأ (مکان الذال المعجمة) ظاء معجمة اوقرأ الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة اوعلی القلب مثال الاول اما لوقرأتلظ الاعین مکان تلذومماظرأ مکان ذرأ ومثال الثانی المغظوب مکان المغضوب، ومثال الثالث ظعف الحیٰوۃ، مکان ضعف الحیٰوۃفتفسد صلوته وعلیه ای علی القول بالفساد(اکثر الائمة) للتغیرالفاحش البعید۔ ''ذال'' کی جگہ پر ''ظا'' پڑھ دیا یا ''ضاد'' کی جگہ ''ظا'' پڑھ دیا، یا برعکس پڑھا۔ پہلے کی مثال: ''تلذ الاعین'' کی جگہ ''تلظ'' اور ''مما ذرأ'' کی جگہ ''ظرأ'' پڑھا۔ دوسرے کی مثال: ''مغضوب'' کی جگہ ''مغظوب'' پڑھنا۔ تیسرے کی مثال: ''ضعف الحیٰوۃ'' کی جگہ ''ظعف'' پڑھنا۔ ان صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ فساد نماز کی قائل ائمہ کی اکثریت ہے۔ کیونکہ معنی میں بہت بڑی تبدیلی ہو رہی ہے۔

اسی مقام پر چند سطروں کے بعد ہے۔

وروی عن محمد بن سلمة انها لاتفسد لان العجم لایمیزون بین هذه الحروف. محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ عجمی لوگ ان حروف کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے۔

اسی میں ہے۔

(قرأ) غیرالمغظوب بالظاء والذال المعجمتین تفسد اذلیس لهما معنی ولاالضالین بالظاء المعجمة اوالدال المهملة لاتفسد. ''مغظوب'' پڑھا یا ''مغذوب'' پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ ان دونوں کا کوئی معنی نہیں۔ ''الظالین'' یا ''الدالین'' پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اسی میں ہے۔

ثم اختلفوا فی حکم الالثغ فذکر فی واقعات الناطفی عن ابی شجاع انه قال فی الالثغ قرأمکان رب لب اوماشبه ذالک تجوز صلوته وقال صاحب المحیط والمختار للفتویٰ فی جنس هذه المسائل انه ان کان یجتهدآناء اللیل واطراف النهار فی التصحیح ولایقدر علیه فصلوته جائزة وان ترک جهده فصلواته فاسدة وان ترک جهده فی بعض عمره لایسعه ان یترکه فی باقی عمره ولوترک تفسد صلوته انتهی.

توتلا کے بارے میں حکم لگانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ واقعات ناطفی میں ابوالشجاع سے روایت کر کے ذکر کیا کہ اگر توتلے نے رب کی جگہ لب پڑھ دیا یا اسکے مشابہ کچھ پڑھ دیا تو اسکی نماز صحیح ہو جائے گی۔ صاحب محیط اور مختار للفتویٰ نے اس طرح کے مسائل کے بارے میں کہا کہ اگر وہ تلفظ درست کرنے میں دن رات کوشش کرتا ہے لیکن درست نہیں ہو پاتا ہے تو اسکی نماز صحیح ہوگی۔ اور اگر کوشش کرنا چھوڑ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوتی رہے گی۔ اور اگر اس نے عمر کے ایک حصے میں کوشش کرنا چھوڑ دیا تو اس کے لئے گنجائش نہیں کہ باقی عمر میں بھی اپنی کوشش کو ترک کر دے۔ اور اگر چھوڑ دیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اسی میں ہے۔

فانهم عمموا هذا الحکم فی کل من لایمکنه النطق بحرف. فقہاء نے اس حکم کو ہر اس شخص کے لئے عام کر دیا ہے جس کو حروف کی ادائیگی پر قدرت نہیں۔

اسی میں ہے۔

والقاعدة عندالمتقدمین ان ماغیرتغییرایکون اعتقاده کفرایفسد فی جمیع ذالک.

متقدمین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ایسا تغیر جس کا اعتقاد کفر ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

شرح فقہ اکبر للملا علی قاری ص ۲۰۵ میں ہے۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمه مکان الضاد المعجمة اویقرأ اصحاب الجنة مکان اصحاب النار، اوعلی العکس فقال لاتجوزامامته،وان تعمد یکفر قلت اماکون تعمده کفرافلا کلام فیه اذ لم یکن فیه لغتان. محیط میں امام فضلی سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو "ضاد" کی جگہ "ظا" پڑھتا ہے یا "اصحاب النار" کی جگہ "اصحاب الجنة" پڑھتا ہے یا اسکے برعکس پڑھتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اسکی امامت جائز نہیں اور اگر عمداً ایسا پڑھا تو اسکی تکفیر کی جائے گی۔ میں کہتا ہوں جہاں تک جان بوجھ کر پڑھنے کا تعلق ہے تو اس کے کفر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ اس کے اندر دو لغت نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول میں ہے۔

وان جری علی لسانه او کان لایعرف التمیز، لاتفسد وهواعدل الاقاویل و هو المختار هکذا فی الوجیز الکردری ومن لایحسن بعض الحروف ینبغی ان یجهد، ولا یعذر فی ذالک. اگر اس کی زبان پر غلط ہی جاری ہو گیا یا وہ تمیز کی صلاحیت سے عاری تھا تو نماز نہیں فاسد ہو گی۔ یہی سب سے معتدل اور مختار قول ہے۔ ایسا ہی وجیز کردری میں ہے۔ جو شخص بعض حروف کو بہتر طور پر ادا نہیں کر پاتا اس کے لئے ضروری ہے کہ کوشش کرتا رہے، وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

ردالمحتار مصری جلد اول ص ۴۶۸ میں ہے۔

ان تعمد ذالک تفسدوان جری، علی لسانه اولایعرف التمیز لاتفسدوهو المختار حلیة وفی البزازیه وهواعدل الاقاویل وهو المختار۔ اگر جان بوجھ کر غلط پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان پر ہی غلط جاری ہو گیا یا وہ تمیز کی صلاحیت سے محروم تھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ یہی مختار ہے...... بزازیہ میں ہے کہ یہی سب سے معتدل اور مختار قول ہے۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا، قواعد متقدمین و متاخرین کا لحاظ کر کے لکھا گیا ہے۔ اب ضاد کو دال پر پڑھنے کا حکم علمائے دیوبند کے مستند اور مسلم بزرگ کی تحریر سے ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۱۲ و ۱۱۳ میں اس طرح ایک سوال کے جواب میں درج ہے۔

الجواب اصل حرف ضاد ہے اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے، اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

،فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۹۳ و ۹۴ میں اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

اور دال پر ظاہر ہے کہ خود کوئی حرف نہیں ہے، بلکہ ضاد ہی ہے۔ اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا نہیں ہوا تو جو شخص دال خالص یا ظاء خالص عمداً پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، مگر جو شخص دال پر کی آواز میں پڑھتا ہے، آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

ان دونوں جوابوں سے ظاہر ہوا کہ جو شخص عمداً ضاد کی جگہ ظا یا دال نہیں پڑھتا اس کی نماز ہو جائے گی، ورنہ نماز نہیں ہوگی، نیز جو لوگ دال پر پڑھتے ہیں وہ ضاد ہی ہے، جو اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا نہیں ہوا۔ هٰذاماعندی واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): قرآن کریم کلام باری تعالیٰ ہے، اس کے ہر لفظ و حرف کو اسی طرح ادا کرنا لازم ہے، جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔ خلاف مُنزّل قصداً کسی لفظ و حرف کو ادا کرنا تحریف و تغییر کلام الٰہی ہے، جس پر حکم کفر منقول ہے، لیکن اردو زبان میں جو عربی حروف مستعمل ہیں، ان میں سے کسی حرف کو اگر کوئی قصداً بدل ڈالے اور اس میں تغیر کر دے تو یہ کفر نہیں۔ ہاں بعض صورتوں میں قبیح و معیوب ہے، اور بعض صورتوں میں قبیح بھی نہیں جیسا کہ ہمارا روزمرہ کا محاورہ ہے کہ اردو کے الفاظ بولنے

میں تجوید و مخارج حروف کا کوئی شخص پورا لحاظ نہیں رکھتا، ''علم'' کو ''الم'' اور ''عطا'' کو ''عتا'' اور ''ظالم'' کو ''زالم'' اور ''خاص'' کو ''خاس'' اور ''میراث'' کو ''میراس'' اور ''غلیظ'' کو ''غلیز'' اور ''طریقہ'' کو ''تریقہ'' بولنا ہمارا اچھا خاصہ طریقہ ہو گیا ہے۔ اردو زبان میں ثاء و صاد کو سین بولنا اور ضاد و ظاء کو زاء بولنا اور طاء کو تاء بولنا اور عین کو الف بولنا ہمارا عام محاورہ ہے۔ اس کو کوئی مفتی، عالم، قاری جاہل غلط و باطل نہیں بتاتا، چونکہ اردو زبان میں عربی قواعد کے مطابق ہر لفظ کو تجوید و قرأت اور صحیح مخرج سے ادا کرنا لازم اور ضروری نہیں اور نہ اس پر گناہ یا کفر کا حکم شرعی عائد ہوتا ہے، لہٰذا اردو زبان میں ''وضو'' کو ''وظو''، ''فیض'' کو ''فیز'' اور ''غضب'' کو ''غظب'' اور ''ضلالت'' کو ''ظلالت'' بولنا گناہ و کفر نہیں اور عربی زبان میں لفظ ''وضو'' کو ''وظو'' بولنا یا ''ودو'' بولنا معیوب ہے، اور کلام اللہ میں ''مغضوب'' کو ''مغظوب'' یا ''مغدوب'' یا ''مغزوب'' سہوا و عجز کی بنا پر گناہ نہیں، اور قدرت علی الاداء کے باوجود قصداً ''مغضوب'' کو ''مغظوب'' اور ''ضالین'' کو ''ظالین'' یا ''دالین'' پڑھنا بعض فقہاء کے نزدیک کفر ہے، چونکہ اس طرح قرآن کی تحریف ہوتی ہے۔ ان تحقیقات کی بنا پر یہ اعتراض کہ کوئی ''وضو'' کو ''ودو'' نہیں بولتا، لغو اور باطل ہے۔ شریعت طاہرہ نے ہمیں کسی مومن کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے ہم ''مغضوب'' کو ''مغدوب'' یا ''مغظوب'' پڑھنے والے کو بغیر تحقیق کے کافر نہیں کہہ سکتے، لیکن اگر یہ امر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ ''ضاد'' کو صحیح مخرج سے ادا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود ''مغضوب'' کو ''مغدوب'' یا ''مغظوب'' کوئی شخص بقصد تحریف پڑھتا ہے تو اس پر حکم کفر منقول ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ کلام اللہ پر غیر کلام اللہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عربی پر اردو کو قیاس کرنا درست نہیں۔ **ھٰذا ماعندی واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مخرج ضاد کے ادا کرنے سے مجبور ہے اور کما حقہ ادائیگی نہیں ہو سکتی، اس لیے وہ دال مفخم پڑھتا ہے۔ بکر اس کو غلط قرار دیتا ہے اور بجائے ضاد کے ظاء یعنی **غیر المغظوب** اور ظالین پڑھتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں دال مفخم پڑھنا چاہیے، یا ظا۔ قصداً ظا پڑھنے والے کا کیا حکم ہے؟ نماز ہو گی یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب مدلل و محقق عنایت فرمائیں؟

مسئولہ مولوی عبدالشکور، ۲۳؍رجب ۱۳۸۲ھ

الجواب: جو شخص ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، مجبور ہو اس کو آخر دم تک برابر اس کی کوشش کرنی ضروری ہے کہ وہ صحیح مخرج سے ادا کر سکے۔ کوشش میں کامیاب ہونے سے قبل جو بھی ادا ہو گا، اس کی نماز میں کوئی قصور و فتور نہ ہو گا۔ سیدھا دال مفخم نہ پڑھے، زید کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ زید دال مفخم دیدہ و دانستہ نہ پڑھے، بکر کا بجائے ''ضاد''، ''ظا'' پڑھنا بھی غلط ہے، اگر اتفاقیہ ''ضاد'' کی جگہ ''ظا'' ادا ہو جائے تو مواخذہ نہ ہو گا، اور جو قصداً ''ضاد'' کی جگہ ''ظا'' پڑھے گا تو تحریف قرآن کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، جس کا جزئیہ یہ ہے۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۵۳ میں ہے۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی... (پوری عبارت ... مسئلہ ۱۵۰ ... میں دیکھیں)۔

غنیۃ المستملی ص ۴۴۵ میں ہے۔

اما اذا قرأ الظاء المعجمة مكان الضاد المعجمة مثاله المغظوب مكان المغضوب فتفسد

صلواته وعليه اى على القول بالفساد اكثر الائمة. (ملخصا)۔ مغضوب کے بجائے مغظوب پڑھ دیا۔ تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی۔ اکثر ائمہ فساد ہی کے قائل ہیں۔

اسی کے ص ۴۴۶ میں ہے۔

قرأ غير المغضوب بالظاء والذال المعجمتين تفسد اذليس لهما معنى ولا الضالين بالظاء المعجمة اوبالدال المهملة لاتفسد (ملخصا)۔ غیر المغضوب کو ''ظاء'' یا ''ذال'' سے پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگئی، کیونکہ ان کا کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ لیکن ضالین کو ''ظالین'' یا ''دالین'' پڑھ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قصداً نہ دال مفخم پڑھے نہ ظا، بلکہ ضاد ہی ادا کرنے کی کوشش کرے۔ دال مفخم پڑھنے سے مفتیان دیوبند کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی، **هكذافى رفع التضاد عن احكام الضاد وهو رسالة مؤلفة فى باب الضاد وفيها الفتاوىٰ المختلفة عن الاكابر من اهل ديوبند، وهكذا فى مواضع شتىٰ من الفتاوى الرشيدية. والله تعالىٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱): **غیر المغضوب** اور **لا الضالین** میں حرف ضاد کا بالدال یا بالظا یا بالزاء یا بالغین یا بالگاف پڑھنا کیسا ہے؟

(۲): **غیر المغضوب ولا الضالین** میں حرف ضاد کو بالظاء یا بالگاف پڑھنا یعنی مغظوب اور مغگوب پڑھنا اور **ولا الضالین** کو **ولا الظالین ولا الگوالین** پڑھنا کیسا ہے؟ اور ایسا پڑھنے والے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ شخص مستحق امامت ہے یا نہیں؟

(۳): **غیر المغضوب** اور **لا الضالین** میں قصداً جان بوجھ کر ضاد کو ظاء پڑھنا یا گاف پڑھنا تحریف قرآن ہے یا نہیں؟ اگر تحریف قرآن ہے تو قرآن میں تحریف کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ اور جان بوجھ کر ضاد کو ظا یا گاف پڑھنے والا امامت کے قابل ہے یا نہیں؟

(۴): **سئل الامام الفضلى عمن يقرأ الظاء المعجمة مكان الضاد المعجمة اوعلى العكس فقال لاتجوزا مامته و لو تعمد يكفر**، کیا یہ عبارت امام اعظم علیہ الرحمہ کی کتاب شرح فقہ اکبر میں موجود ہے، اگر موجود ہے تو کس صفحہ پر؟

مسئولہ عبد الوکیل خاں، سائیکل دوکان، اسٹیشن روڈ، باندہ، یوپی، ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ

الجواب: (۱): غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، دونوں جگہ ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ہی ادا کرنا ضروری ہے۔ دال یا ظا یا زا یا غین یا گاف کے ساتھ ضاد کا تلفظ ہرگز ہرگز نہ کیا جائے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ضاد کا مخرج مشکل ہے۔ تاہم ہر پڑھنے والا بقدر امکان صحیح مخرج سے پڑھنے کی کوشش ضرور کرے۔ کوشش کے باوجود اگر صحیح مخرج سے ضاد ادا نہ ہو سکے تو ایسے شخص کے لیے یہ حکم ہوگا کہ وہ جس طرح بھی ادا کر سکے، کرے لیکن صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش

ضرور کرتا رہے۔ اس کا صحیح مخرج یہ ہے کہ زبان کی ایک طرف کی کروٹ کو اسی طرف کی بالائی ڈاڑھوں سے ملا کر درازی کے ساتھ ادا کرنا اس طرح کہ زبان اوپر کو اٹھ کر تالو سے مل جائے اور ادا میں سختی وقوت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): جواب نمبر ۱ میں ابھی گزرا کہ "ضاد" کو اس کے صحیح مخرج ہی سے ادا کیا جائے۔ ظا یا گاف سے ادا کرنا صحیح نہیں۔ ایسے شخص کی اقتدا میں کوئی نماز نہ پڑھی جائے نہ ایسا شخص مستحق امامت ہے۔ نمبر ۱ و نمبر ۲ کے جوابات کی بنیاد اس پر ہے کہ پڑھنے والا قصداً ضاد کو حروف مذکورہ کے ساتھ بدل کر نہ پڑھے اور وہاں پر ضاد کے ساتھ ظا یا زا وغیرہ کی دوسری لغت یا قرأت منقول نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): قصداً اور عمداً ضاد کو دوسرے حرف کے مخرج سے ادا کرنا تحریف قرآن اور کفر ہے، بشرطیکہ اس مقام پر دوسری لغت یا قرأت دال یا ظا یا زا منقول ومروی نہ ہو۔ ایسے شخص کی امامت جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۴): امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب فقہ اکبر ہے، اور اس کی شرح مؤلفہ حضرت ملا علی قاری میں یہ عبارت مندرج ہے۔ شرح فقہ اکبر مجیدی ص ۲۰۵ میں یہ عبارت ان الفاظ میں مندرج ہے۔

وفی المحیط سئل الامام ... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۵۰... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۵۳: ہمارے یہاں جو امام ہیں وہ ظالین پڑھتے ہیں۔ ہم کو ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اردو کا خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

مسئولہ محمد اسماعیل ولد ابراہیم، موضع ڈھکیا پرگنہ امروہہ، ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ

الجواب: ضاد کو ظا کے مخرج سے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر بھول کر پڑھا تو بعض مواضع اور مقامات ایسے ہیں کہ نماز فاسد ہو جائے گی، اور بعض جگہ قصداً پڑھنے والا ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس پر حکم کفر عائد ہوتا ہے، لہٰذا کوئی سنی ایسے امام کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھے اور جتنی نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھی ہوں، سب کو لوٹائیں۔ اگر قدرت ہو تو ایسے امام کو منصب امامت سے علیحدہ کر دیں ورنہ اپنی نماز علیحدہ پڑھیں۔ اردو میں خطبہ کا پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے، لہٰذا اردو میں خطبہ ہرگز نہ پڑھا جائے۔ غنیۃ المستملی ص ۴۴۵ میں ہے۔

اذا قرأ الظاء المعجمۃ ... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۵۱... میں دیکھیں)۔

اسی کے ص ۲۲۶ میں ہے۔

قرأ العادیات ظبحابالظاء المعجمۃ مکان الضاد تفسد، غیرالمغضوب بالظاء والذال المعجمتین تفسد، اذ لیس لھما معنی، ولاالضالین بالظاء المعجمۃ اوالدال المھملۃ لاتفسد لو جود لفظھما فی القران وقرب المعنی لصحۃ تقدیر (ملخصا)

العادیات ضبحا کی جگہ ظبحا پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ غیر المغظوب یا غیر المغذوب پڑھ دیا تو بھی نماز فاسد ہو جائیگی۔ کیونکہ ان کا کوئی معنیٰ نہیں۔ مگر ضالین کو ظالین یا دالین پڑھ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیونکہ دونوں لفظ قرآن میں موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

شرح فقہ اکبر ص ۲۰۵ میں ہے۔

سئل الامام الفضلی ... (پوری عبارت ...مسئلہ ۱۵۰... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵٤: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو معلوم ہوتا ہے کہ بالذال پڑھتے ہیں جیسا کہ آواز شاہد ہے اور مقتدی بھی یہی محسوس کرتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسا پڑھنا اور ایسے پڑھنے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور اس کا صحیح مخرج کیا ہے اور مخرج کی ادائیگی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں کس طرح پڑھا جائے۔ جواب بحوالہ کتب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد ممتاز علی مونگیری، ۱۲ر صفر ۱۳۸۵ھ دوشنبہ

الجواب: قصداً ضاد کو ذال کے مخرج سے پڑھنا تحریف کلام الٰہی کو مستلزم ہوتا ہے، اسی لیے جو قصداً ایسا کرتا ہے، اس کو فقہائے کرام نے کافر بتایا ہے اور خطا کے طور پر ضاد کو ذال کے مخرج سے پڑھنا گناہ ہے۔ بعض جگہ فساد معنی کے باعث نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا جو شخص ضاد کو ذال یا ظا کے مخرج سے پڑھتا ہو، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، چونکہ وہ اپنی عادت کے مطابق خطأً سہی "ضاد" کو "ذال" کے مخرج سے پڑھے گا تو بعض مقام پر ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی بھی فاسد ہوگی اور قصداً پڑھنے والا شرعاً کافر قرار پاتا ہے۔ کافر کی اقتداء جائز نہیں۔ ہر مکلف پر فرض ہے کہ وہ ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج ہی سے ادا کرے۔ کوشش کرنے کے باوجود اگر کسی سے ادا نہ ہو سکے تو وہ مواخذہ سے بری ہوگا۔ جمہور فقہاء و قراء کے نزدیک ضاد کا مخرج زبان کا کنارہ اور اس کی متصل داڑھیں ہیں۔ نوادر الاصول ص ۱۷۸ میں ہے۔

مخرج ضاد یکے از دو جانب زبان است مع اضراس متصلاش۔

صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کے باوجود ادا نہ ہونے پر ظا یا ذال یا دال پر جو بھی ادا ہو، نماز ہو جائے گی۔

علمائے دیوبند کے بڑے معتمد مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں، "اصلی حرف ضاد ہے، اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے، اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری، دال پر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی"، دوسرے فتویٰ میں لکھتے ہیں "مگر جو شخص دال پر کی آواز میں پڑھتا ہے، آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں" ان دونوں فتووں سے صاف ظاہر ہے کہ جو کسی صحیح مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے دال پر کی آواز میں ضاد کو پڑھے، اس کی نماز اور اس کی اقتداء میں نماز ہو جائے گی، شرح فقہ اکبر مجیدی ص ۲۰۵ میں ہے۔

وفی المحیط سئل الامام الفضلی ... (پوری عبارت ...مسئلہ ۱۵۰... میں دیکھیں)۔

کبیری ص ۴۴۹ میں ہے۔

قرأ والعادیات ظبحاً بالظاء ... (پوری عبارت ...مسئلہ ۱۵۳... میں دیکھیں)۔

اسی میں ہے۔

غیر المغظوب بالظاء ... (پوری عبارت ...مسئلہ ۱۵۰... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۵ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نماز میں والذ الین پڑھتے ہیں، ایسے امام کے پیچھے اہل سنت و جماعت مقتدیوں کو نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اور ان امام صاحب کا عقیدہ بھی اہل سنت و جماعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے؟

مسئولہ ابرار حسین صاحب، ڈھکیا مسجد انصاریان، ضلع مراد آباد

الجواب : ضاد وظا وذال وزا یہ تمام حروف جدا جدا ہیں۔ ان کے مخارج اور طریق ادا بھی الگ الگ ہیں۔ ان کے صفات ذاتیہ اور اوصاف عرفیہ بھی مختلف ہیں۔ ان میں کوئی حرف کسی دوسرے حرف کے مخرج سے صحیح ادا نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص پر لازم ہے وہ ان سب کو ان کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اس کے باوجود ادا نہ ہو تو ایسا شخص معذور قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن قصداً کسی حرف کو دوسرے حرف کے مخرج سے ادا کرنا گناہ عظیم ہے، بلکہ بعض صورت میں فقہائے کرام و متکلمین عظام نے کفر قرار دیا ہے، چونکہ قصداً کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنا تحریف قرآن وتبدیل کلام اللہ ہے اور تحریف کفر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ضاد کا مخرج مشکل ہے، لیکن ظا اور ذال اور زا اور دال سے جدا ہے، بعض اس کو ظا سے اور بعض ذال سے اور بعض زا سے ادا کرتے ہیں۔ یہ سب طریقے غلط ہیں اور بعض بالکل دال پڑھتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں، اور بعض دال پر کے مشابہ پڑھتے ہیں۔ عرب، مصر، حجاز کے قاری حضرات سے آجکل بھی ریڈیو اور ریکارڈ سے قرآن کریم سنا جاتا ہے تو میری سماعت میں دال پر کے مشابہ ان کا پڑھنا سمجھ میں آتا ہے، چونکہ یہ عربی حرف ہے، ان سے بہتر ہم ادا نہیں کرسکتے، اس لیے کہ وہ عربی ہیں، ہم عجمی۔ لیکن ہمارے ملک ہند میں غیر مقلدین و دیو بندی لوگ ضاد کو ظا یا ذال یا زا پڑھتے ہیں۔ ایسا پڑھنا ان کا شعار ہوگیا ہے، لہٰذا کسی ایسے امام کے پیچھے ہم اہل سنت و جماعت کو ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھنا ہوگی، جو ضاد کو ظا یا ذال یا زا پڑھے، اور جب امام مذکور فی السوال کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو پھر اس کو کسی حال میں امامت کے منصب پر قائم نہ رہنے دیا جائے، فی الفور اس کو امامت سے معزول کر کے دوسرے سنی صحیح العقیدہ شخص ہی کو امام مقرر کیا جائے، چونکہ کسی غیر سنی کے پیچھے ہماری نماز ادا ہی نہیں ہوتی، جب کہ اس کا عقیدہ کفر کی حد کو پہنچتا ہو ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ **والمسئلة مصرحة فی الکتب الفقهیة والکلامیة ترکنا دلائلها طلبا الاختصار هذا ماعندی واللّٰه تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۵٦ : جب کہ مخرج ضاد اور ظا الگ الگ ہیں تو پھر ض کو مشابہ ظاء پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ حرف ض سوائے عربی زبان کے اور کسی زبان میں نہیں آیا، جیسا کہ اس بات کا اقرار دیوبندی علماء کے قاری عبدالوحید صاحب نے کتاب ہدیۃ الوحید میں یہی کہا ہے اور یہ بھی انہوں نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ ادائیگی حروف نقلی چیز ہے، جو چیز نقلی ہو وہ محض عقل سے نہیں حاصل ہوسکتی۔

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف محض مخرج سے ہی تعلق نہ رکھا، بلکہ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھا ہے اور حضور کے صحابہ نے اور تابعین اور تبع تابعین نے اور آج تک کثرت سے مسلمانوں نے جس آواز سے پڑھا ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ حضور نے خود اس کے متعلق حدیث شریف فرمائی ہے، **اقروا القرآن بلحون**

العرب و اصواتھا، یعنی قرآن کریم کو پڑھو عرب کے لہجہ میں اور ان کی آواز میں اور یہ صاحبان جو اس وقت میں مشابہ ظا پڑھتے ہیں، یہ خود اب سے کچھ پہلے اور ان کے سب بڑے عرب کی آواز میں یعنی (ضاد) پڑھتے تھے، اور یہ بدعت سیءہ پہلے روافض نے نکالی تھی اور اب سب کے سب دیوبندی پڑھنے لگے، ہر عام مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم تو مخرج سے نکالتے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے۔ حالانکہ مخرج کے ساتھ ساتھ نقل بھی ضروری ہے، جیسا کہ ثابت کیا جاچکا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن کریم میں تحریف ہے، یعنی بجائے ض (دواد) کے ظا پڑھتے ہیں، جیسا کہ دیوبندی علماء کے متفقہ بزرگ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے کتاب تصفیۃ العقاید میں لکھا ہے کہ ''جناب من ب کی بجائے ت اور د کی جگہ ذ، ح کی بدلے خ، ش کے عوض س اور ع کے مقام غ اور ل کے مقام م نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر کوئی اس بات کو سمجھتا ہے، ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے۔ یہ بات عقل اور نقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے، جس کی برائی کلام اللہ میں موجود ہے''۔

یہاں تک کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت جو ص ۳۷ پر مندرج ہے، اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم مخرج سے نکالتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، بلکہ یہ کلام اللہ میں تحریف ہے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے علماء کیا کرتے تھے۔

اب ان کے دوسرے بزرگ یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ سنئے۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں، علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں، چند اشخاص صرف ض کو دواد قرآن شریف میں پڑھتے ہیں، اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قرآن شریف میں دواد پڑھتے ہیں تو عربی لفظ کو جب اردو زبان میں بولتے ہیں تو وضو کو ودو کیوں نہیں بولتے، بلکہ کیوں نہیں کہتے، اے ضیاء الدین کے بجائے اے دواء الدین، یہ بھی عربی لفظ ہیں تو قرآن شریف میں (زواد) کا پڑھنا صحیح ہے یا (دواد) پڑھنا چاہیے؟

الجواب: اصل حرف (ض) ہے، اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی۔

اس فتویٰ پر مولوی رشید احمد صاحب کے ساتھ دیوبندی جماعت کے بڑے بڑے علماء کی تصدیقات ہیں۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا خوف دل میں ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور تمام علمائے دیوبند کے فتووں کا خلاصہ یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس سے اتنی باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ خاص و عام لفظ ضاد کو اس کے اصلی مخرج اور نقلی یعنی عقلی اور نقلی طور سے جس آواز سے آج کل پڑھتے ہیں، اس آواز کے علاوہ دوسری آواز سے پڑھتے تھے، جو صحیح ہے۔ یعنی عرب کے لہجہ میں اس لئے کہ معترض سوال میں یہ لکھ رہا ہے کہ ضیاء الدین وغیرہ اردو کے لفظ ہیں اور یہ آواز (دواد) کی نکلتی ہے تو اس طریقہ سے معاذ اللہ قرآن کریم میں (زواد) پڑھنا چاہئے۔ اس مسئلے میں مولوی رشید احمد گنگوہی حق جواب دیتے ہیں اور یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اصل صرف ضاد ہے۔ اور کیسی وضاحت سے لکھتے ہیں کہ بحالت معذوری دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے

گی۔ یعنی (زواد) جو اردو کا لفظ ہے اور ظاء جو عربی کا لفظ ہے۔ بحالت معذوری اگر ضاد کو ان دو لفظوں میں مشابہ پڑھے گا تو نماز نہیں ہونے کی اور اگر بحالت معذوری دال کے مشابہت پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی "الله اکبر"۔ کس قدر مسئلہ صاف ہو گیا کہ اب جو یہ صاحبان مشابہ ظاء پڑھ رہے ہیں یا یوں کہئے کہ معاذ اللہ اردو کا لفظ (ض) پڑھ رہے ہیں یہ قرآن کریم میں تحریف ہے اور اپنے بزرگوں یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور اشرف علی تھانوی وغیرہ سب کے خلاف ہے۔ اب آخر میں معتبر فتویٰ از شرح فقہ اکبر مصری ص ۱۵۳ میں لیجئے۔ لوقرأ الظاء مكان الضاد او على العكس لاتجوز امامته ولو تعمد يكفر، (اگر ضاد کے بجائے ظا پڑھے یا ظاء کے بجائے ضاد پڑھے تو اس کی امامت جائز نہیں اور اگر دانستہ ایسا کر رہا ہے یعنی بجائے ضاد کے ظاء پڑھ رہا ہے)۔ (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے) تو یہ کفر ہے؟

مسئولہ سید محمد عبد اللطیف حسینی صدیقی صابری نظامی نعیمی، بیکری ضلع مظفر نگر، ۵/مئی ۱۹۶۲ء

الجواب: بلاشبہ قصداً ضاد کو مخرج "ظا" سے پڑھنا حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے، بلکہ بتصریح بعض علمائے اعلام رضی اللہ عنہم عمداً ایسا کرنا بباعث تحریف کلام اللہ موجب کفر و عصیان ہے۔ ایسا شخص ہرگز ہرگز قابل امامت نہیں، جو اس امر کا ارتکاب دیدہ و دانستہ اور قصد و اختیار سے کرتا ہو اور پھر اس پر دریدہ دہنی جیسا کہ فی زمانناوہابیہ دیابنہ کا طریقہ ہے اور بھی اس میں شدت و غلظت پیدا کرتی ہے۔ اعاذنا الله تعالىٰ و كل مسلم من هٰذه الفرقة الضالة المضلة. شرح فقہ اکبر ص ۲۰۵ میں ہے۔

سئل الامام الفضلى ... (پوری عبارت ...مسئلہ ۱۵۰... میں دیکھیں)۔

غنیۃ المستملی ص ۴۴۵ میں ہے۔

اذا قرأ الظاء المعجمة ... (پوری عبارت...مسئلہ ۱۵۱... میں دیکھیں)۔

شرح فقہ اکبر ص ۴۴۲ میں ہے۔

قرأغير المغضوب بالظاء وبالذال المعجمتين تفسد اذاليس لهما معنى ولاالضالين بالظاء المعجمة او الدال المهملة لاتفسد (ملخصا)۔ غیر المغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ ان دونوں الفاظ کا کوئی معنی نہیں۔ اور ولا الضالین کو ظاء یا دال سے پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

طحطاوی علی الدر المختار ص ۲۶۷ میں ہے۔

وقال القاضي ابوالحسن والقاضي ابوالقاسم ان تعمد فسدوان جرىٰ على لسانه اوكان لايعرف التميز لاتفسد وهواعدل الاقوال۔ قاضی ابوالحسن اور قاضی ابوالقاسم نے کہا۔ جان بوجھ کر غلط پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کی زبان پر ہی غلط جاری ہو گیا یا تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں تو

۔ سائل صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں نہایت عظیم روحانی شخصیت ہیں اور بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ۱۰ اردسمبر ۱۹۸۹ء کو وفات پائی۔ آبائی وطن قصبہ بیکری، ضلع مظفر نگر میں مدفون ہیں۔

فاسد نہیں ہوگی، یہی معتدل ترین قول ہے۔

ردالمحتار ص ۴۹۷ میں ہے۔

وفی خزانة الاکمل قال القاضی ابوعاصم ان تعمد ذالک تفسدو ان جری علی لسانه اولایعرف التمیز لاتفسد وهوالمختار حلیة وفی البزازیه وهواعدل الاقاویل وهوالمختار۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۰۴ میں ہے۔

محل الاختلاف فی الخطاء والنسیان امافی العمد فتفسد به مطلقا بالاتفاق. اختلاف اس صورت میں ہے کہ غلطی سے یا بھول کر غلط پڑھا۔ لیکن اگر جان بوجھ کر غلط پڑھ دیا تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۵۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل میں کہ بکر عالم دین ہے، کسی مسجد میں امامت کرتا ہے، مگر وہ قرآن مقدس کی تلاوت میں غیر المغضوب بالضاد اور ولا الضالین بالضاد کی جگہ غیر المغصوب بالصاد ولاالصالین بالصاد پڑھتا ہے۔ جب لوگوں نے اس بارے میں بکر سے سوالات کئے تو جواب میں کبھی یہ کہتا ہے کہ یہی طریقۂ تلاوت قرآن پاک ہے، اور کبھی یہ کہتا ہے کہ میں بالضاد ہی دونوں مقام پر پڑھتا ہوں، مگر تم لوگوں کی قوت سامعہ میں سقم ہے۔ لوگ ان سے برہم ہوگئے اور ان کی اقتداء کرنے سے اعراض کیا۔ اس بارے میں تمامی لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ بالصاد پڑھتا ہے۔ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب وہ دوسرے مقام پر قرآن کی تلاوت میں ضاد ہی پڑھتے ہیں، جیسے کہ ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ اور ﴿وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ تو پھر کیا وجہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت میں ضاد کو صاد سے بدل دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔

نیز جب لڑکوں کو پڑھاتے ہیں تو ض کو اس کے مخرج ہی سے ادا کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ فعل قصداً ہوتا ہے اور قرآن کی تحریف قصداً کفر ہے۔ کبھی کبھی جب بکر سے زیادہ اصرار کیا جاتا ہے۔ تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ میں کوشش کرتا ہوں، مگر ادا نہیں ہوتا۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ کہنا کفایت نہیں کرے گا، آپ کسی قاری کی بارگاہ میں جاکر مشق کیجئے۔ اگر باوجود پوری کوشش کے ادا نہیں ہوتا تو یہ عندالشرع عذر ہے، ورنہ ہرگز نہیں۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ بکر سے زیادہ قرآن کریم میں دوسرا افضل ہے اور وہ نماز پڑھانے میں شرعی قیود کا بالکل پابند ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ بکر ہی کو امام بنایا جائے، جبکہ اس کی اقتداء یا اس کے دین وایمان میں شک ہے۔ عالمگیری کے حوالہ سے صاحب بہار شریعت نے فرمایا ہے کہ اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھا، اگر معنی فاسد ہوگیا تو نماز فاسد ہوگئی، ورنہ نہیں۔ تمامی لوگ سخت پریشان ہیں۔ براہ کرم گزارش ہے کہ جلد سے جلد دلائل اربعہ میں سے کسی ایک سے اس کا جواب عنایت فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

مسئولہ نسیم صدیقی کلیمی اشرفی بھاگلپوری، جامعہ نعیمیہ مرادآباد، ۱۳ر صفر ۱۳۹۳ھ دوشنبہ

الجواب: سوال میں جس بکر کا ذکر ہے، میں اس سے خوب واقف ہوں، اور ۱۹۴۶ء سے بکر کو میں نے قریب سے

دیکھا ہے اور اس کے علم وفضل اور تقدس وتقویٰ پر بھی مطلع اور باخبر ہوں۔ سائل بکر کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتا ہے۔ غالباً ۱۹۵۴ء سے بکر کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ عرصہ تک بکر ''غیر المغضوب علیھم ولاالضالین'' کو ہم غیر سند یافتہ قاریوں کی طرح دال پر کی آواز سے پڑھتا رہا ہے۔ اب تقریباً ۵ سال سے بکر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے کبھی تو ظاء کی آواز سنائی دیتی ہے کبھی ذال پر کی آواز سنائی دیتی ہے اور کبھی کچھ صاد کی رمق بھی آجاتی ہے۔ کبھی اس سے ضاد کچھ ایسے گول مول اور مبہم طریقہ پر ادا ہوتا ہے کہ میں کسی عربی حرف کی آواز قرار دینے سے قاصر رہتا ہوں۔ جامعہ نعیمیہ میں تشریف لانے والے بعض مفتیان کرام وعلماء نے بھی بکر کو بعض وقت میں ''غیر المغضوب علیھم'' کے ظا سے پڑھنے پر لقمہ دیا ہے اور اس بارے میں ان سے گفتگو بھی کی ہے۔ کچھ شہر کے عوام بھی جو بکثرت جمعہ کو آتے ہیں، مجھ سے بکر کے ''غیر المغضوب علیھم ولاالضالین'' کو ظا سے پڑھنے کی شکایت کرتے رہے ہیں۔ میں تو بکر سے تلاوت کلام پاک میں جہاں کہیں بھی ضاد آتا ہے، مختلف قسم کی آواز محسوس کرتا ہوں، صرف غیر المغضوب علیھم ولاالضالین ہی میں میرا یہ خاص احساس نہیں ہے، جو میں نے اوپر لکھا ہے۔

ان امور سے پتہ چلتا ہے کہ بکر ضاد کی جگہ صاد ہمیشہ نہیں پڑھتا ہے، بلکہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بکر تحقیق کے بعد ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی پوری کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا ہے، چونکہ ضاد وظا کے مخرج میں فرق کرنا دقت ومشقت کے ساتھ ممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا سائل کا یہ لکھنا کہ اس بارے میں تمامی لوگوں کا اتفاق ہے کہ وہ بالصاد پڑھتا ہے، میری تحقیق میں غلط ہے میں متفق نہیں ہوں۔

مجھ سے بارہا مختلف نمازیوں نے زبانی پوچھا کہ نماز ہوگی کہ نہیں ہوئی تو میں نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں، مگر ادا نہیں ہوتا، معذور ہیں، نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ سائل نے بکر کی طرف تین جوابات کی نسبت کی ہے۔ ایک یہ کہ ''جواب میں کبھی یہ کہتا ہے کہ یہی طریقہ تلاوت قرآن پاک ہے''، دوسرا یہ کہ ''اور کبھی یہ کہتا ہے کہ میں بالضاد ہی دونوں مقام پر پڑھتا ہوں، مگر تم لوگوں کی قوت سامعہ میں سقم ہے''، تیسرا یہ کہ ''تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ میں کوشش کرتا ہوں، مگر ادا نہیں ہوتا'' میری تحقیق میں یہ تیسرا جواب سنجیدہ وپسندیدہ ہے۔ شرعاً کسی مومن کی طرف بغیر تحقیق کسی گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ تو میں بغیر تحقیق کیسے حکم دے دوں کہ بکر قصداً ضاد کی جگہ صاد پڑھتا ہے، کفر کا مرتکب ہوتا ہے، یا نماز کو فاسد کر دیا کرتا ہے۔ بہر حال میں بکر کی جانب ایسے گمان کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ بکر مسائل نماز اور مسائل قرأت اور زلۃ القاری کے مسائل کو جاننے والا واقف وباخبر شخص ہے۔ کتب فتاویٰ وفتیہ شامی وعالمگیری، طحطاوی علی الدر وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں ضاد کی بابت جو کچھ درج ہے، اسے بخوبی جانتا ہے۔ اس کی اقتداء یا دین وایمان میں مجھے مطلقاً کوئی شک نہیں ہے، جسے شک ہو وہ اپنے شک کا علاج کرے کرائے۔ میں سائل کی الزامی دلیل میں کوئی وزن وقوت نہیں پاتا ہوں، جسے تسلیم کرکے بکر کو مجرم وناہل قرار دے کر امامت سے ہٹادوں اور دوسرے کو امام بنادوں۔ بخاری شریف مجتبائی جلد ثانی ص ۸۹۳ میں فرمان نبوی یہ ہے۔

لایرمی رجل رجلا بالفسوق ولایرمیہ بالکفر الاارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک۔

اگر کسی نے مسلمان پر فسق وکفر کا الزام رکھا اور حال یہ ہے کہ اس میں یہ باتیں نہیں ہیں تو یہ فسق اور کفر واپس اسی الزام رکھنے والے کی طرف لوٹے گا۔

احیاء العلوم وضوء المعالی وشرح فقہ اکبر للعلامۃ العلی القاری ص ۸۶ میں ہے۔

ولایجوز ان یرمی مسلم بفسق و کفر من غیر تحقیق. کسی مسلمان پر بغیر تحقیق فسق وکفر کا الزام ناجائز ہے۔

اسی میں ہے۔

ولایجوزنسبة مسلم الیٰ کبیرة من غیرتحقیق. بلاتحقیق ایک مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کو منسوب کرنا جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول کی **فصل خامس فی زلة القاری** کے ص ۷۴ میں ہے۔

(ومنها) ذکر حرف مکان حرف ان ذکر حرفامکان حرف ولم یغیرالمعنی بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وماشبه ذالک لم تفسدصلاته وان غیرالمعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیرمشقة کالطاء مع الصادفقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاته عندالکل وان کان لایمکن الفصل بین الحرفین ا لابمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال اکثرهم لاتفسد صلاته هکذا فی فتاویٰ قاضی خاں وکثیر من المشائخ افتوابه، قال القاضی الامام ابوالحسن والقاضی الامام ابوعاصم ان تعمد فسدت. وان جری علی لسانه اوکان لایعرف التمیز لاتفسدوهواعدل الاقاویل والمختارهکذا فی المجیز اللکردری و من لا یحسن بعض الحروف ینبغی ان یجهدولا یعذر فی ذالک والله تعالیٰ اعلم. اسی میں ہے ایک حرف کا دوسرے حرف کی جگہ ذکر کرنا ہے۔ اگر ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ ذکر کر دیا اور معنی نہیں بدلا، جیسے ان المسلمون، ان الظالمون وغیرہ پڑھ دیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اور اگر معنی ہی بدل دیا تو اگر دو حرف کے درمیان فصل بغیر کسی مشقت کے ممکن ہے جیسے ''صاد'' کے ساتھ ''طا'' کا فصل۔ اس نے الصالحات کی جگہ الطالحات پڑھ دی۔ اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ سب کے نزدیک۔ اور اگر دو حرف کے بیچ فصل بغیر مشقت ممکن نہیں جیسے ''ضاد'' کے ساتھ ''ظا'' ''سین'' کے ساتھ ''صاد'' اور تاء کے ساتھ طاء کا فصل۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ فاسد نہیں ہوگی۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ایسا ہی ہے۔ بہت سارے علماء نے اسی پر فتویٰ دیا۔ قاضی امام ابوالحسن اور قاضی امام ابوعاصم نے کہا ''اگر جان بوجھ کر فصل نہیں کیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ اور اگر اس کی زبان پر ہی غلط تلفظ جاری ہوگیا۔ یا اسے ان حروف میں تمیز کا شعور نہیں تو نہیں فاسد ہوگی۔ یہی اقوال میں درست ترین قول ہے۔ ایسا ہی الکردری کی الوجیز میں ہے۔

جو شخص بعض حروف کی ادائیگی صحیح طور پر کرسکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ کوشش کرے اور وہ معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر جان بوجھ کر غلط پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر اس کی زبان پر ہی غلط جاری ہوگیا یا وہ تمیز کی صلاحیت سے محروم تھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ بزازیہ میں ہے کہ یہی سب سے معتدل اور مختار قول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

لغزش کا بیان

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر نماز میں اس آیت کریمہ کا ایک کلمہ ﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ﴾ میں رَبُّکَ چھوٹ جائے سہواً تو کیا نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اس سے قبل تین آیت ہوچکی ہیں۔ عرض ہے کہ جواب بحوالہ کتب مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ حافظ محمد ابراہیم، محلہ کسرول، مراد آباد، ۱۵/ اگست ۱۹۵۳

الجواب: اگر کوئی مصلی نماز کی قرأت میں کوئی کلمہ سہواً چھوڑ دے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر کلام ربانی کے معنی میں تغیر نہیں ہوتا ہو یعنی معنی میں کوئی فساد وخرابی نہ لازم آئے تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر معنی میں فساد وتغیر پیدا ہوجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ یہ اصل قاعدہ شرعیہ ہے۔ اسی قاعدہ کے ماتحت آیت مذکورہ میں "ربک" سہواً چھوٹ جانے سے معنی میں فساد وتغیر نہیں ہوتا، جیسا کہ آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر کے قرائن وسباق وسیاق اس پر دال ہیں، لہٰذا نماز فاسد نہیں ہوگی، اعادہ کی حاجت وضرورت نہیں۔ غنیۃ المستملی ص ۴۵۷ میں ہے۔

وان ترک کلمۃ من آیۃ فان لم یتغیر المعنی کمالو قرأ "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا" وترک "ذَا" او قرأ "وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ" و ترک "مِنْ" اوقرأ "وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا" بترک "سَيِّئَةٌ" الثانیۃ لاتفسد. اگر آیت کا کوئی کلمہ چھوڑ دیا۔ اگر معنی میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ جیسے اگر پڑھا "مَاذَا تَكْسِبُ"...... میں "ذَا" چھوڑ دیا۔ یا پڑھا "وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ" ...... مِنْ بَعْدِ ...... میں مِنْ چھوڑ دیا۔ یا پڑھا وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ...... اور دوسری سَيِّئَةٌ کو چھوڑ دیا...... نماز فاسد نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱): امام صاحب نے نماز مغرب میں پہلی رکعت میں سورہ قریش اور دوسری میں انا اعطینک الکوثر پڑھی تو زید نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی، نماز دوبارہ ادا کی گئی کہ ایک سورہ کو درمیان میں چھوڑنے سے نماز نہ ہوگی؟

(۲): امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے کہ قرأت میں ایک لفظ جیسے "عند، احد" وغیرہ رہ گیا تو سجدہ سہو کرنا چاہیے، نماز ہوجائے گی یا دوبارہ پڑھنی چاہیے؟

مسئولہ حبیب الرحمٰن نعیمی، قاضی پورہ، اغوانپور، مراد آباد، اشرفی ۱۲ رنومبر ۱۹۵۸ء

الجواب: (۱): اگر امام مذکور نے قصداً "لایلاف" کے بعد انا اعطیناک پڑھ دیا تو نماز مکروہ واجب الاعادہ ہوئی اور اگر سہواً اس نے ایسا کیا تو نماز صحیح و درست ہوگئی کراہت و وجوب اعادہ کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۲): امام سے نماز کی قرأت میں جس جگہ لفظ "عند یا احد چھوٹ گیا اور اگر اس کے چھوٹنے سے معنی میں فساد ہوتا ہو تو نماز باطل ہوگئی اور دوبارہ پڑھنا لازم و ضروری ہوگا اور اگر اس کے چھوٹنے سے معنی میں کسی قسم کا فساد پیدا نہ ہوتا ہو تو نماز ہوگئی، نہ سجدہ سہو کی حاجت رہی نہ دوبارہ لوٹانے کی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۶۰: امام صاحب نے نماز شروع کی دوسری رکعت میں سورۂ یٰسین، انا جعلنا فی اعناقهم سے لایبصرون، تک دو آیتیں پڑھیں، سہواً سواء علیهم کی آیت رہ گئی اور انما تنذر من تبع الذکر کی آیت واجر کریم تک پڑھ کر رکوع کیا اور سجدہ سہو کر کے نماز ختم کی، نماز ہوئی یا نہیں۔ جواب سے مستفیض فرمائیں۔ عنداللہ ماجور ہوں؟

مسئولہ حبیب الرحمٰن نعیمی اشرفی، قاضی پورہ، اغوانپورہ، مراد آباد، ۳ رنومبر ۱۹۵۸ء

الجواب: صورت مسئولہ میں سواء علیهم کی آیت کے سہواً چھوٹنے سے معنی میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا، نماز صحیح ہوئی، سجدہ سہو کی بھی حاجت نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۶۱: مغرب کی نماز میں امام صاحب نے سورہ ناس پڑھی اور ہر جگہ ناس کی جگہ نس پڑھا، الف چھوڑ دیا۔ اس صورت سے پوری سورت ختم کی تو نماز ہوئی یا نہیں، اور کچھ آدمی امام صاحب سے متفق ہیں۔ ان کی طرفداری جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد ابراہیم ولد امیر، کتب خانہ محلہ نخاسہ، سنبھل، مراد آباد

الجواب: نماز نہ ہوئی، یہی احوط ہے۔ غنیۃ المستملی ص ۴۴۲ میں ہے۔

> تفسد صلاته ان لم یکن مثله فی القران ولا معنی له. نماز فاسد ہو جائے گی اگر اس جیسے لفظ کے مثل قرآن میں نہ ہو اور جس کا کوئی معنیٰ بھی نہ ہو۔ نس کا لفظ قرآن کریم میں نہیں ہے اور کوئی مفہوم بھی اس کا نہیں سمجھا جاتا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اندرون نماز تلاوت قرآن مجید اس طور پر کرتا ہے کہ زیر و زبر میں فرق ہو کر بیشتر معنی بدل جاتے ہیں۔ آیا نماز ہوئی یا نہیں، اور منع کرنے پر زید بہت مکروہانہ لہجہ اختیار کرتا ہے، اور وجعلنا کی بجائے وجعلن پڑھتا ہے آیا نماز ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ حافظ زاہد حسین، محلہ پختہ باغ، مراد آباد، ۲۱ رنومبر ۱۹۶۴ء

الجواب: ہر وہ جگہ جہاں زیر و زبر کا فرق کرنے سے معنی میں اتنا تغیر ہوتا ہو جو مفسد نماز ہو وہاں نماز فاسد ہوگی، ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن قرآن کریم کو غلط نہ پڑھا جائے۔ زید کو صحیح پڑھنے کی مشق کرنی چاہیے، اور صحیح بتانے والے پر غصہ نہ کرنا چاہیے، جعلنا کی بجائے جعلن پڑھنے میں اگر پڑھنے کی غلطی ہو سکتی ہے تو سننے کی بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ زبر کو

اتنا اونچا کر کے پڑھتے ہیں کہ الف سمجھا جاتا ہے، اور بعض لوگ الف کو اتنا نیچا کر کے پڑھتے ہیں کہ الف نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اور نماز دہرا لینی چاہیے۔ **وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۶۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز میں ثناء و فاتحہ کے بعد سورہ والتین، شروع کی۔ دو آیت پوری ہونے کے بعد امام بھول گیا۔ یاد نہ آنے پر دوسری بار شروع سے پڑھا، لیکن فلاھم لفظ یاد نہیں آیا، مقتدی نے پیچھے سے بتلایا، سورہ ختم کی۔ اس پر اعتراض ہوا کہ نماز نہ ہوئی۔ لیکن امام نے دوبارہ نماز نہ پڑھائی۔ کیا اس طرح سے نماز ہو سکتی ہے؟

مسئولہ ملا عبد المجید، کھنڈو تحصیل بلاری، ضلع مراد آباد

الجواب: صورت مسئولہ میں جب مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے لقمہ لے لیا یا نہ لیا، خواہ فلھم کا لفظ چھوٹ گیا، یا نہ چھوٹا۔ ہر صورت میں نماز ہو گئی۔ جس نے اعتراض کیا، غلط کیا۔ امام نے دوبارہ نماز نہ پڑھائی ٹھیک کیا۔ سوال میں فلھم کو فلاھم غلط لکھا گیا ہے، سافلین تک پانچ آیتیں ہوتی ہیں۔ یہ غلط مشہور ہو گیا ہے کہ تین آیت کے بعد مقتدی کے لقمہ دینے سے اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور امام اگر لقمہ لے لے تو امام اور سارے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، نیز امام نے دو آیت کے بعد بھولنے کی وجہ سے پھر دوبارہ ابتداء سے سورہ والتین پڑھی یہ بھی مفسد نماز نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۶۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید حافظ قرآن رمضان شریف کی تراویحوں میں قرآن شریف سناتا ہے۔ بکر حافظ قرآن زید کی اقتداء میں سامع ہوتا ہے۔ زید کے متشابہ لگنے پر بکر لقمہ دیتا ہے، مگر کبھی صحیح لقمہ دیتا ہے، اور کبھی خود تشابہ کی بنا پر غلط لقمہ دے جاتا ہے، نیز زید کبھی بکر کا لقمہ لے لیتا ہے اور کبھی غلط یا صحیح دیئے ہوئے لقمہ کو لیے بغیر خود آگے پیچھے سے درست کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر کا دیا ہوا لقمہ نہ لینے کی صورت میں بکر کی نماز کا کیا حکم ہوگا۔

مسئولہ منصور احمد صدیقی، باز پور، ضلع نینی تال، ۱۰ ر رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ

الجواب: سوال سے ظاہر ہے کہ زید امام ہوتا ہے اور بکر مقتدی ہوتا ہے۔ امام کے متشابہ لگنے پر مقتدی کا لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے، اور مفسد صلوٰۃ نہیں ہے، خواہ امام مقتدی کا لقمہ لے یا نہ لے، یا صحیح لقمہ کے بجائے غلط لقمہ دے دے۔ امام و مقتدی کسی کی نماز پر کوئی ایسا اثر نہیں پڑتا، جو نماز میں خلل انداز ہو یا مکروہ یا مفسد ہو۔ درمختار جلد اول ص ۴۱۸ میں ہے۔

بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لایفسد مطلقا لفاتح و آخذ بکل حال۔ اس کے برعکس اگر نمازی نے لقمہ دیا تو نماز مطلقاً فاسد نہیں ہوگی، نہ دینے والے کی، نہ لینے والے کی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۶۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ اگر امام عشاء کے فرض کی تیسری رکعت میں بھول سے بیٹھ گیا۔ مقتدی کے لقمہ دینے پر پھر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہوا اور چوتھی رکعت پوری کی، لیکن امام نے سجدہ سہو نہیں کیا۔ ایسی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

مسئولہ محمد معظم اشرفی، ۱۱ ر ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ پنجشنبہ

الجواب: اگر امام مذکور تیسری رکعت میں بھول کر تین بار تسبیح پڑھنے کی مقدار بیٹھا رہا، پھر مقتدی کے لقمہ دینے پر اٹھا اور چوتھی رکعت پوری کی اور سجدہ سہو نہیں کیا تو ایسی صورت میں سجدہ سہو امام پر واجب تھا، للہٰذا یہ نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ امام اور مقتدیوں کو یہ نماز دوبارہ بطور قضا پڑھنی ضرور ہوگی، اور اگر صورت مذکورہ میں امام تین تسبیح پڑھنے کی مقدار نہیں بیٹھا تھا کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر کھڑا ہو گیا اور چوتھی رکعت بغیر سجدہ سہو اس نے ادا کی تو اس صورت میں امام پر سجدہ سہو واجب نہ ہوا اور نماز صحیح ادا ہوگئی۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم.**

مسئلہ ١٦٦: (۱): امام اگر کوئی چیز بھول جائے یا اس سے کوئی واجب چھوٹ جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لیے کیا الفاظ اختیار کرنے چاہئیں؟

(۲): اگر کسی شخص نے امام کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے لفظ تکبیر تکبیر تین بار بآواز بلند کہا تو اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

مسئولہ ارشاد اللہ، محلہ کسرول، مراد آباد، ۴ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ، جمعہ

الجواب: (۱): اگر امام سے قرأت میں کوئی غلطی ہو جائے تو لقمہ دینے والا مقتدی قرآن کریم کے صحیح کلمات پڑھ کر اسے بتائے اور قرأت کے سوا کسی دوسری غلطی پر لقمہ دینے والا مقتدی سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کرے یہی مسنون ہے، اور اللہ اکبر کہہ کر بھی لقمہ دینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ آج کل عام طور پر رائج ہے۔

فان التکبیر من جنس الصلوٰۃ کماسیاتی فی الحدیث وعن سہل بن سعد قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من نابہ شئ فی صلوٰتہ، فلیسبح فانماالتصفیق للنساء وفی روایۃ قال التسبیح للرجال والتصفیق للنساء متفق علیہ (اللہ اکبر کہنا، یعنی تکبیر یہ نماز کی جنس ہی سے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آرہا ہے۔ سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ اگر نماز میں کوئی غلطی ہو جائے تو تکبیر کہے۔ کیونکہ تالی لگانا عورتوں کا کام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے۔

مشکوٰۃ المصابیح باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ ص ۱۵ میں ہے۔

قال ان ہٰذہ الصلوٰۃ لایصلح فیہا شئ من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القراٰن. یہ نماز ہے اور اس کے اندر لوگوں کی بولی کا کوئی لفظ مناسب نہیں۔ تکبیر، تسبیح اور قرآن پڑھنا ہی اس کے اندر اچھا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

(۲): جہاں تک میری عقل وفکر کی رسائی ہے نماز عیدین میں امام سے عیدین کی تکبیرات زائدہ چھوٹ گئیں، ناواقف مقتدی نے چھوٹی ہوئی تکبیرات کو یاد دلانے کے لیے تین بار لفظ تکبیر تکبیر تکبیر کہہ کر تین تکبیرات کہنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا، اگر واقعہ یہی ہے تو اس مقتدی کی نماز نہیں ہوئی اور فاسد ہوگئی اور اگر واقعہ کی نوعیت کچھ اور ہو تو معلوم ہونے پر اس کا جواب دیا جا سکے گا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ١٦٧: کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک حافظ قرآن عظیم سنارہا ہے، نماز تراویح میں اور سامع قرآن حکیم کھول کر پہلی صف میں بیٹھ کر ساعت کرتا ہے، اور جہاں جہاں غلطی آتی ہے، بتاتا ہے، اور جب امام دوسری رکعت کے رکوع میں جاتا ہے تو سامع صاحب شریک نماز ہوجاتے ہیں؟

مسئولہ شیخ سعدی، برہانپور ضلع مرادآباد، ۲۹ رمضان ۱۳۸۹ھ

الجواب: یہ طریقہ شرعاً غلط ہے۔ امام کو لقمہ وہی مقتدی دے سکتا ہے، جو امام کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہو۔ جو شخص نماز میں شامل نہ ہو وہ نماز تراویح میں صف مصلیان میں بیٹھ کر قرآن کریم کھول کر قرآن کریم سنتا ہے اور غلطی بتائے۔ ایسے شخص کا لقمہ دے کر امام کو بتانا مفسد نماز ہے۔ جس جس شفعہ میں یعنی دو رکعت کی نماز میں اس نے لقمہ دیکر امام کو بتایا وہ شفعہ فاسد ہوگیا۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۹۳ میں ہے۔

> وان فتح غیر المصلی علی المصلی فاخذ بفتحه، تفسد کذافی منية المصلی. اگر غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور اس نے لقمہ لے بھی لیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ فساد نماز کا حکم اس صورت میں ہے کہ امام اس غیر مصلی کا لقمہ لے بھی لے۔ واللہ تعالٰی اعلم.

باب الامامة (امامت کا بیان)

مسئلہ ١٦٨: علمائے کرام مسائل شرعیہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱): امام مقرر کرنے کا شرعی حق متولی یا مجلس منتظمہ کو ہے یا مصلیوں کو۔ اگر متولی مسجد یا مجلس منتظمہ اور مصلیان مسجد میں اختلاف ہوجائے تو تقدیم کس کو ہے؟ (۲): جمعہ وعیدین کی صحت کے لیے اذن سلطان بھی شرط ہے، مگر اس زمانہ میں جب کہ سلطان اسلام نہیں، تو سلطان اسلام کا اس خصوص میں قائم مقام کون ہوگا۔ کیا جامع مسجد اور عیدگاہ کا متولی یا اس کی مجلس منتظمہ سلطان اسلام کی قائم مقام اس خصوص میں ہوگی یا عامہ مسلمین؟ (۳): اگر جمعہ وعیدین کی امامت کے تقرر میں متولی یا مجلس منتظمہ اور عامہ مسلمین میں اختلاف رائے ہو تو ترجیح کسے ہوگی؟ (۴): اگر خود عامہ مسلمین میں تقرر امام کے سلسلے میں اختلاف رائے ہو تو ترجیح کی کیا صورت ہوگی۔ (۵): اگر سابق متولی نے کسی کو متولی نامزد نہیں کیا، یا سابق مجلس منتظمہ نے کوئی کمیٹی مقرر نہیں کی تو متولی یا مجلس منتظمہ مقرر کرنے کا حق کس کو حاصل ہے۔ اگر عامہ مسلمین کو ہے تو درصورت اختلاف رائے ترجیح کی کیا صورت ہوگی؟

مسئولہ قاری محمد حسن صاحب اشرفی، شفیع آباد، کانپور، ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ چہار شنبہ

الجواب: (۱): امام کے تقرر کا حق مذہب مختار میں بانی مسجد اور اس کی اولاد وخاندان والوں کو ہے۔ متولی اور مجلس منتظمہ یا نمازیوں کو نہیں۔ البتہ اگر نمازیوں کا انتخاب کردہ امام بانی مسجد اور اس کی اولاد وخاندان والوں کے مقرر کردہ امام سے اصلح ہو تو اس صورت میں نمازیوں کے امام منتخب کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی، نزاعی شکل میں بھی مذکورہ بالا

صورت پر عمل ہوگا۔ درمختار مصری جلد ثالث ص ۵۸۸ میں ہے۔

الباني للمسجد اولى من القوم بنصب الامام والمؤذن في المختار الااذاعين القوم اصلح ممن عينه الباني۔ (مسجد کا بانی امام ومؤذن مقرر کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔ مذہب مختار کے اندر۔ ہاں اگر قوم نے بانی سے بہتر اور صالح تر امام کو مقرر کردیا ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله الباني للمسجد اولى) وكذاولده وعشيرته اولى من غيرهم. تو اسی طرح بانی کے ساتھ ساتھ اس کی اولاد اور اعزاء زیادہ حقدار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): دور حاضر میں ہندوستان دار الاسلام ہے، لیکن یہاں اسلامی سلطنت نہیں۔ خصوص مذکور میں سلطان اسلام کا قائم مقام اور امامت عامہ کا مستحق یہاں ہر شہر کا اعلم علمائے دین ہوگا۔ اگر اس میں بھی خلاف ونزاع واقع ہو تو سلطان اسلام کا قائم مقام عامہ مسلمین ہوں گے۔ جامع مسجد اور عیدگاہ کا متولی یا اس کی مجلس منتظمہ سلطان اسلام کا قائم مقام نہ ہوگی۔ فتاویٰ امام عتابی اور حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۲۴۰ میں ہے۔

اذاخلاالزمان من سلطان ذی كفاية فالامور مؤكلة الى العلماء ويلزم الامة الرجوح اليهم ويصيرون ولاة فاذا عسر جمعهم على واحد استقل كل قطرباتباع علمائه فان كثروافالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بينهم، (جب زمانہ اقتدار کے حامل سلطان سے خالی ہوجائے تو معاملات علماء کے سپرد ہوں گے اور قوم کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ انہی کی طرف رجوع کریں اور یہی لوگ تمام معاملات کے انچارج ہوں گے۔ اگر قوم کا ایک فرد کی قیادت پر اجتماع مشکل ہوجائے تو ہر علاقہ والے وہاں کے علماء کی اتباع کریں گے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہو تو سب سے بڑے عالم دین کی اتباع کی جائے گی۔ اگر علم میں سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی۔

درمختار مصری جلد اول ص ۵۹۴ میں ہے۔

ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكرامامع عدمهم فيجوز للضرورة ۔ عام لوگوں کا خطیب کو مقرر کرنا غیر معتبر ہوگا، اگر مذکورہ بالا حضرات موجود ہیں اور اگر نہیں موجود ہیں تو ضرورۃً جائز ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے۔

فلوالولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة. اگر حکام کفار ہوں تو مسلمانوں کے لیے نماز جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز ہے۔

ردالمحتار مصری جلد ثالث ص ۳۵۰ میں ہے۔

واما فی بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد (جلد ثالث ...

ممالک کا تعلق ہے جہاں کے حکام کافر ہیں تو وہاں مسلمان جمعہ اور عیدین قائم کر سکتے ہیں)۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳): عامہ مسلمین کا تقرر صحیح وراجح ہوگا۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

(۴): ظاہر ہے کہ جب عامہ مسلمین میں بھی اختلاف ہو تو جمہور مسلمین کا تقرر معتبر ہوگا۔ **حملا علی القاعدۃ المقررۃ "للاکثر حکم الکل"**۔ (اس قاعدے کے مطابق کہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے)۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

(۵): صورت مسئولہ میں متولی اور مجلس منتظمہ کے تقرر کا اختیار عامہ مسلمین کو ہوگا، اگر ان میں اختلاف ہو تو جمہور مسلمین کا تقرر درباب تولیت و مجلس انتظامیہ قابل عمل ہوگا۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک مسجد میں زبردستی نماز پڑھاتا ہے۔ اور امامت کو اپنا موروثی حق بھی بتاتا ہے، جب کہ متولی نے نہ تو اس کو امامت کے لیے مقرر کیا ہے۔ نہ ہی وہ متولی کی طرف سے اس کا مجاز ہے بلکہ متولی نے تحریری طور پر اس کو مسجد کے معاملات اور انتظامات میں دخیل ہونے سے منع کیا ہے۔ نیز نماز پڑھانے سے منع کیا ہے۔ زید کے والد نے ایک وصیت کے ذریعہ جو والد کی وفات کے بعد ملی ہے، زید کو عاق کیا اور تحریر کیا کہ اس کی مغفرت صرف استغفار کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہو جائے گی؟ نیز مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں شرعی احکام کیا ہیں؟ کیا کسی بھی مسجد کی امامت موروثی طریقہ پر خاندان میں اولاد در اولاد چل سکتی ہے، نیز کیا زید کا یہ دعویٰ شرعی طور پر درست ہے کہ وہ بطور وراثت امامت کا مستحق ہے۔ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ جناب فیروز احمد صاحب قریشی دہلوی

الجواب: سوال سے یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ جس مسجد کی امامت کے متعلق اختلاف ونزاع ہے وہ کوئی شاہی مسجد ہے، جس میں اپنے زمانہ میں سلطان اسلام نے تعمیر کے بعد نماز جمعہ وعیدین و پنجگانہ کی امامت کے لیے شخص خاص کو مقرر کر دیا تھا اور آئندہ کے لیے بھی اس شخص کو تعیین امامت کا مختار و مالک بنا دیا تھا کہ وہ اپنی رائے اور صوابدید سے اپنی اولاد میں امام مقرر کرنے کے لیے کوئی خاص طریقہ مقرر کرے یا کوئی غیر شاہی مسجد ہے، جس میں بالعموم تعیین امام کا حق واختیار بانی مسجد یا متولی مسجد یا اہل شہر ومحلہ کو ہوا کرتا ہے۔ پہلی تقدیر پر اگر زید درباب امامت خاص مقرر طریقہ کے ماتحت امامت کا مستحق و اہل ہے تو اس پر زبردستی نماز پڑھانے کا الزام لگانا شرعاً غلط و باطل ہے۔ شاید اسی بنا پر زید امامت کو اپنا موروثی حق بتاتا ہے، بلکہ اس صورت میں متولی مسجد یا مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ زید کو امامت سے منع کرے۔ چونکہ شاہی مسجد کے بانی سلطان اسلام نے تعیین امام کے حق کو امام سابق کی طرف منتقل کر دیا ہے، لہٰذا اب تعیین امامت کا حق متولی مسجد یا اس کی منتظمہ کمیٹی کے کسی فرد کو نہیں پہنچتا۔ دوسری تقدیر پر اگر متولی مسجد کو تعیین امام کا حق حاصل ہے تو زید کا اس کی مرضی کے خلاف امامت کے کام کو انجام دینا متولی مسجد کے حق پر غاصبانہ قبضہ کرنا ہے، جو بلاشبہ امر قبیح و مذموم ہے۔ زید پر لازم ہے کہ وہ امامت کے اقدام سے باز آجائے اور متولی مسجد کو ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی منصب امامت کے قابل شخص کو عہدہ امامت پر مامور کرے۔ اگر یہ بہ تحقیق شرعی ثابت ہو جائے کہ زید کو اس کے والد

نے کسی جرم شرعی یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے باعث عاق ونافرمان قرار دیا تھا۔ اور زید کی مغفرت کو اس کے استغفار پر منحصر کیا تھا تو اس صورت میں زید فاسق وفاجر اور گناہ گار رہا۔ اپنی معصیت اور گناہ سے توبہ کیے بغیر زید کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔ اس کی اقتدا میں ہر صالح اور متقی مسلمان کی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ اور توبہ کرنے کے بعد زید کی امامت بغیر کراہت صحیح ودرست ہوگی۔ چونکہ بعد توبہ گناہ کبیرہ کے مرتکب فاسق وفاجر کا گناہ کالعدم ہوجاتا ہے اور شرعاً وہ صالح ومتقی قرار پاتا ہے، **فان التائب من الذنب کمن لاذنب له**، (کیونکہ گناہ سے توبہ کر لینے والا آدمی ایسا ہوجاتا ہے، گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں)۔ اس پر دلیل ناطق ہے گناہ کبیرہ کرنے والے کے متعلق عام قاعدہ شرعیہ یہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا خواہ وہ والدین کی نافرمانی وعقوق کے سبب سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو یا کسی اور دوسرے سبب سے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب فاسق وفاجر کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ شرعاً اس کی توہین واہانت واجب ہے۔ خواہ وہ عالم دین ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ بعض صورتوں میں مسجد کی امامت بطریق مخصوص، خاندان مخصوص میں موروثی طریقہ پر جاری ہوگی اور قائم رہے گی۔ زید کا دعویٰ اس بارے میں اگر برہان ودلیل سے صحیح ہے تو اس کو غیر صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا اور وہ موروثی طور پر امامت کا مستحق ہے ورنہ اس کے دعویٰ امامت کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا، نہ وہ مستحق امامت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد دوم ص ۴۱۲ میں ہے۔

قال فی جامع الفضولیین لوشرط الواقف ان یکون المتولی من اولادہ واولاداولادہ ھل للقاضی ان یولی غیرہ بلاخیانۃ ولوولاہ ھل یکون متولیا قال شیخ الاسلام برھان الدین فی فوائدہ لا کذا فی النھر الفائق، (جامع الفضولیین میں کہا، ”اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط لگادی کہ متولی اس کی اولاد در اولاد، یعنی اس کی نسل سے ہوگا تو کیا قاضی کو یہ اختیار ہے کہ کسی غیر کو متولی بنادے اور اس کا یہ عمل واقف کی اولاد کے حق میں خیانت نہ ہو؟ اور اگر اسے متولی بنادیا تو کیا وہ متولی ہوجائے گا؟ شیخ الاسلام برہان الدین نے اپنی ”فوائد“ میں کہا۔ ”نہیں“ ایسا ہی النہر الفائق میں ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین فتجب اھانتہ شرعا فلایعظم بتقدیمہ للامامۃ. فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دینی معاملات میں لاپرواہ ہے۔ اس کی اہانت شرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا امامت کے لیے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔

طحطاوی میں ہے۔

والفسق لغۃ خروج عن الاستقامۃ وشرعا خروج عن طاعۃ اللّٰہ تعالٰی بارتکاب کبیرۃ قال القھستانی ای اواصرار علی صغیرۃ (ملخصا) (قولہ فتجب اھانتہ شرعا الخ) تبع فیہ الزیلعی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ. فسق کا مطلب لغت کے اعتبار سے استقامت کا فقدان ہے۔ اور شریعت میں [illegible] کا مفہوم [illegible] گناہ کبیرہ کا ارتکاب [illegible]

سے انسان نکل جائے۔قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔(ان کا قول شرعاً اہانت واجب ہے) اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

وتعاد علٰی وجہ غیر مکروہ، وھوالحکم فی کل صلاۃ ادیت مع الکراھۃ کذا فی الھدایۃ فان کانت تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم، تجب الاعادۃ، اوتنزیہ تستحب فان الکراھۃ التحریمیۃ فی رتبۃ الواجب کذافی فتح القدیر. نماز کا غیر مکروہ طریقے پر لوٹانا ضروری ہے یہ حکم ہر اس نماز کے بارے میں ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔مکروہ تحریمی واجب کے مرتبے میں ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تلسی پور عیدگاہ میں عیدالضحیٰ کی دو نمازیں ہوئیں، پہلی جماعت ۱۰ بجے ختم اور دوسری جماعت ۳۰۔۱۱ بجے مع خطبہ ختم ہوئی، دونوں نمازیں صحیح ہوئیں یا کوئی صحیح اور کوئی غیر صحیح۔ مقرر امام جو تقریباً ۲۲ رسال تک بلا اختلاف امامت عیدگاہ و جامع مسجد کرتا رہا، تقریباً دو سال ہوئے کہ امام مقرر امامت تو کرتا ہے مگر عیدگاہ میں نہیں، بلکہ باہر عیدگاہ۔ متولی اور چند باشندگان تلسی پور نے ذاتی و دنیاوی اغراض کے ماتحت امام مقرر سے عداوت کی اور حکومت کا سہارا لیکر امام کی تذلیل کے مرتکب ہوئے۔ امسال عیدالضحیٰ کے موقعہ پر تھانہ کے آفیسران نے مخالف لوگوں پر دباؤ ڈال کر یہ کہا کہ نماز ایک ہی جگہ ہوگی۔ جب وہ لوگ آفیسروں سے مجبور ہوئے تو راضی ہوئے کہ پہلے ہم نماز ادا کریں گے، چنانچہ دونوں نے یکے بعد دیگرے نمازیں ادا کیں، لہٰذا کن لوگوں کی نماز صحیح ہوئی، اور کون مستحق امامت ہے؟

مسئولہ محبوب، تلسی پور، گونڈہ، ۴ر رجب المرجب ۱۳۸۸ھ جمعہ

الجواب: جہاں تک مجھے علم ہے کہ تلسی پور شرعاً مصر یا فنائے مصر نہیں ہے، بلکہ ایک گاؤں ہے، جہاں جمعہ وعیدین کی نماز کی صحت و جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، خواہ ایک جگہ ہو یا متعدد مقاموں پر وقت کے اندر ہو، یا وقت کے بعد، سابق امام پڑھائے یا کوئی دوسرا پڑھائے۔غنیۃ کے ص ۵۲۰ میں ہے۔

اماشرط الاداء، فستۃ، ایضاً الاول المصراوفناؤہ، فلاتجوز فی القریٰ عندنا،(جمعہ صحیح ہونے کے بھی چھ شرطیں ہیں۔(۱) شہر ہونا (۲) متعلقات شہر ہونا۔لہٰذا ہمارے نزدیک دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۰ میں ہے۔

ویشترط لصحتھا ستۃ اشیاء الاول المصراوفناؤہ. صحت جمعہ کے چھ شروط ہیں۔پہلی شرط شہر یا فناء شہر ہونا ہے۔

تنویر الابصار کتن میں ہے۔

ویشترط لصحتھا المصر۔ صحت جمعہ کیلئے شہر ہونا شرط ہے۔

غنیہ کے ص ۵۲۰ میں ہے۔

من شرائطھا المصر ویشترط لھا جمیع مایشترط للجمعة وجوبا واداء۔ اس کے شرائط میں سے ایک شہر ہونا ہے۔ جمعہ کے وجوب واداء کے جو شرائط ہیں وہ تمام اس کے بھی شرائط ہیں۔

ہاں جس گاؤں اور موضع میں جمعہ وعیدین کی نماز پہلے سے ہوتی آ رہی ہو وہاں ان نمازوں سے روکا نہ جائے، بند نہ کیا جائے اور اگر فی الواقع تلشی پور مصر یا فنائے مصر ہے تو جمعہ وعیدین کی صحت امامت کے لیے سلطان یا اس کا نائب یا ماذون ومجاز ہونا ضروری ہے۔ ان کے نہ ہونے پر وہی امامت کر سکتا ہے جس کو عام مسلمانوں نے امامت جمعہ وعیدین کے لیے منتخب کیا ہو۔ عامہ مسلمین کے مقرر کردہ امام کے علاوہ جو کوئی دوسرے امام کی اقتدا میں یہ نمازیں ادا کرے گا وہ ہرگز صحیح نہ ہوں گی۔

صورت مسئولہ میں جب کہ عام مسلمانوں کا مقرر کیا ہوا امام تقریباً ۲۲ سال سے جمعہ وعیدین کی امامت کر رہا ہے اور اس میں کوئی شرعی نقص نہیں، جو مخل امامت ہو تو اپنی دنیاوی ونفسانی اغراض کی بنا پر کچھ لوگوں کا دوسرے شخص کو امامت کے لیے مقرر کر لینا ہرگز صحیح نہیں، نہ اس کے پیچھے نماز عیدین صحیح ہوگی، لہٰذا مذکورہ بالا حکم شرع کی روشنی میں انہیں لوگوں کی نمازیں صحیح ہوئیں، جنہوں نے امام سابق عام مسلمانوں کے مقرر کردہ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ مراقی الفلاح ص ۳۰۴ و ۳۰۵ میں ہے۔

> (و)الثانی من شروط الصحة ان یصلی بھم (السلطان اونائبه) یعنی من امره باقامة (ملخصا) (جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے دوسرا یہ ہے کہ بادشاہ اسلام یا اس کا نائب یعنی جسے جمعہ پڑھانے کا حکم دیا ہو وہ پڑھائے۔

طحطاوی میں ہے۔

> واذا لم یکن استئذان السلطان لموته اوفتنة، واجتمع الناس علی رجل فصلی بھم، جاز لضرورة اور اگر موت یا کسی فتنہ کی وجہ سے سلطان کی اجازت حاصل نہ کی جا سکی اور لوگوں نے ایک شخص کو امام منتخب کر لیا اور اس نے امامت کر دی تو ضرورۃً جائز ہو جائے گی۔

درمختار مصری جلد ثانی ص ۵۹۳ میں ہے۔

> وفی السراجیة لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز. (فتاویٰ سراجیہ میں ہے اگر کسی نے خطیب کی اجازت کے بغیر نماز پڑھا دی تو جائز نہیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷۱: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو اگر کثرت رائے یا امام نہ ہونے کی وجہ سے امام منتخب کر لیا جائے تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اس کا اعتراض کرنے والا کیسا ہے؟

مسئولہ ادریس احمد، فتحپور خاص، پرگنہ بلاری، ضلع مرادآباد، ۲۶ر اگست ۱۹۷۰ء

الجواب: جس کو کثرت رائے سے امام منتخب کیا گیا ہے، اگر وہ سنی صحیح العقیدہ صالح اور متقی اور قابل امامت ہے تو اس کے پیچھے بلاشبہ نماز صحیح و درست ہوگی۔ بلاوجہ اس پر اعتراض کرنے والا مفسد و فتنہ انگیز ہے، ورنہ معترض کا اعتراض صحیح و درست ہوگا، چونکہ جو سنی صحیح العقیدہ نہ ہو یا فاسق و فاجر ہو، یا قابل امامت نہ ہو اس کی امامت اور اس کا تقرر برائے امامت بلاشبہ قابل الاعتراض ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز ہی نہ ہوگی، جب کہ اس کی بدعقیدگی حد کفر کو پہنچی ہو ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ شرح عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق والمبتدع، ھٰذا اذالم یؤدالفسق اوالبدعۃ الیٰ حدالکفر، اما اذاادیٰ الیہ فلاکلام فی عدم جواز الصلوٰۃ خلفہ، کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ کراہت اسی وقت تک ہے کہ اس کا فسق حد کفر تک نہ پہنچا ہو اور اگر حد کفر تک پہنچ گیا تو اس کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

لان امامۃ الجاھل مکروھۃ کیفما کان لعدم علمہ باحکام الصلٰوۃ، (کیونکہ جاہل کی امامت مکروہ ہے۔ وہ کیسا ہی متقی ہو۔ کیونکہ اسے احکام صلوٰۃ کا علم ہی نہیں۔

اسی میں ہے۔

ان امامۃ الفاسق مکروھۃ تحریما، فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

غنیۃ المستملی ص ۳۴۶ میں ہے۔

ویکون الامر بالاعادۃ لازالۃ الکراھۃ لانہ الحکم فی کل صلاۃ ادیت مع الکراھۃ ولیس للفساد. کراہت کو ختم کرنے کے لیے نماز کے لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا یہی حکم ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۷۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید مستقل ایک مسجد کا امام ہے اور اس مسجد میں پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں۔ مستقل امام زید کی موجودگی میں زید کے بلا اجازت (یعنی مستقل امام) بکر عیدین یا جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے کہ نہیں اگر بلا اجازت بکر نماز پڑھا بھی دے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں اگر نماز ہو بھی گئی تو بکر پر کچھ مواخذہ ہوگا یا نہیں جواب مع دلیل عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد نبی حسن، قاضی ٹولہ، ۲ر فروری ۱۹۷۱ء

الجواب: اگر زید صرف نماز پنجگانہ کا امام ہے یا پنجگانہ اور جمعہ کا ہی امام ہے اور عیدین کا امام دوسرا شخص پہلے ہی سے ہے تو اس صورت میں زید کی بغیر اجازت دوسرا امام عیدین (عیدوبقرعید) کی نماز کسی کراہت و ممانعت کے بغیر پڑھا سکتا ہے، ورنہ دوسرا شخص امام پنجگانہ و جمعہ و عیدین کی نماز اس مستقل امام کی اجازت کے بغیر نہ پڑھائے چونکہ اس

میں امام مستقل کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اگر دوسرا شخص بغیر اجازت عیدین و جمعہ یا عیدین کی نماز پڑھا دے گا تو امام مستقل کی حق تلفی کا مواخذہ دار ہوگا، نماز بکراہت ہو جائے گی۔ یہ حکم جب ہے کہ دوسرا شخص بدعقیدہ نہ ہو ورنہ دوسرے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا بدعقیدگی حد کفر کو پہنچ چکی ہو تو اس دوسرے شخص کے پیچھے نماز ہی نہ ہوگی۔ حدیث نبوی میں ہے۔ **لایومن الرجل فی سلطانہ** کوئی شخص کسی کے مسند پر امامت نہ کرے۔ **(رواہ احمدومسلم عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ)**، دوسری حدیث کریم میں ہے، **من زار قوما فلایؤمھم رجل منھم رواہ احمد وابو دائود والترمذی والنسائی عن مالک بن الحویرث رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ.** درمختار میں ہے۔

> **واعلم ان صاحب البیت و مثلہ امام المسجد الراتب اولیٰ بالا مامۃ من غیرہ مطلقا.** مسجد بیت میں گھر کا مالک اور اسی طرح جماعت پنج وقتہ میں مسجد کا امام امامت کے لئے دوسروں سے مطلقاً زیادہ مستحق ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

> **ای وان کان غیرہ من الحاضرین من ھواعلم واقرأ.** یعنی اگرچہ کہ حاضرین میں سے کوئی اس امام سے زیادہ صاحب علم اور قرآن کا عمدہ پڑھنے والا ہو۔

عبارات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوا کہ جس نماز کی امامت کا حق جس کو ہے، اس کی مرضی واجازت کے بغیر دوسرے کا امام بننا یا بنانا شرعاً ناپسندیدہ اور خلاف حکم حدیث وفقہ ہے۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۱۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید مسجد کے امام ہیں، اہل سنت وجماعت کے پابند ہیں اور مسائل ضروریہ سے بخوبی واقف ہیں، لیکن کمیونسٹ پارٹی کے رکن ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں پارٹی میں رہ کر اپنے مذہب کا پورا پابند ہوں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور انہیں شہر قاضی بنایا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا.**

مسئولہ عبدالرحیم خازن، جسپور، نینی تال، ۲۵/۲/۱۹۷۲ء

الجواب: اگر فی الواقع زید سنی صحیح العقیدہ صالح ومتقی ہے، اور اس کی دیانت جانچی پرکھی ہوئی ہو تو کمیونسٹ پارٹی کے کفر والحاد والے عقیدے سے بیزاری اور علاحدگی کی بات اس کی تسلیم کی جا سکتی ہے ورنہ جس پر سیاست دور حاضر کا غلبہ ہوتا ہے، وہ ہر بات سیاست ہی سے کہتے ہیں۔ دین میں بھی سیاست سے کام لیتے ہیں، اور شریعت میں بھی سیاست برتتے ہیں۔ میری تحقیق میں سیاسی آدمی کو امام نہ بنایا جائے، احتیاط اسی میں ہے۔ **واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۱۷۴: (۱): ایک پیش امام چند گاؤں کا چنا ہوا ہو وہ دنیاداری میں پڑ کر کچھ آدمیوں کا ساتھ دے اور کچھ آدمیوں کے خلاف رہے اور بلا کسی وجہ کے جن آدمیوں کے خلاف پیش امام ہو ایسی صورت میں ان آدمیوں کی نماز اس پیش امام کے پیچھے ہو سکتی ہے کہ نہیں؟

(۲): جس پیش امام کے خلاف پچاس فی صد آدمی ہوں اور اس پیش امام کے کھڑے ہونے سے فساد ہونے کا اندیشہ ہو وہ

پیش امام مصلی پر کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ اشفاق حسن خاں، مسجد کنڈے والی، ڈاکخانہ دیور پور، مراد آباد، ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۷۳ء

الجواب: (۱): اگر امام کسی فسق وفجور اور گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو، بلکہ صالح ومتقی اور پابند احکام شرعیہ ہو کسی بھی دنیوی جائز امر میں کسی کا ساتھ دے اور بعض دوسرے افراد کا دنیوی جائز امر میں ساتھ نہ دے تو ایسا امام شرعاً مجرم نہیں ہے۔ امام مذکور جن کا ساتھ نہ دے، بلکہ مخالف رہے ان افراد کی نماز اس امام کے پیچھے شرعاً صحیح ودرست بلغیر کراہت ہوگی، چونکہ یہ امام شرعاً فاسق وفاجر اور مجرم نہیں ہے۔ امام پر یہ لازم نہیں کہ وہ ہر دنیوی جائز امر میں ہر مقتدی کا ساتھ دے نہ اس پر یہ لازم ہے کہ ہر دنیوی جائز امر میں ہر مقتدی کی مخالفت کرے، بلکہ وہ ایسے جائز امور دنیویہ میں مخالفت سے بچتا ہے، اس کے لیے یہی انسب واولیٰ ہے کہ کسی بھی دنیا کے جائز معاملہ میں کسی کی موافقت یا مخالفت دونوں سے الگ رہے تاکہ کسی مقتدی کو اس سے شکایت پیدا نہ ہو، بلکہ ساری قوم کو اس قسم کی موافقت ومخالفت سے بچنے کی ہدایت کرتا رہے۔

خلاصہ یہ کہ اس تقدیر مذکور پر زیادہ سے زیادہ یہ امام مذکور خلاف اولیٰ کا مرتکب ہوا، جس سے اس کی امامت پر کوئی اثر خلاف شرع نہیں پڑتا کہ اس کے پیچھے نماز ناجائز ہو اور اگر امام مذکور کسی فسق وفجور میں مبتلا ہو اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔ اس کے پیچھے جو نماز صالح ومتقی پڑھے گا وہ نماز واجب الاعادہ ہوگی یعنی اس کو دوبارہ غیر مکروہ طریقہ پر ادا کرنا لازم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): امام کے خلاف پچاس فیصد ہوں اور موافق بھی پچاس فیصد ہوں یا موافق ومخالف کی تعداد کم وبیش ہو، بہر صورت اگر فی الواقع امام کے نماز پڑھانے سے باہم فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہو تو امام مذکور کو خود ہی امامت سے علیحدگی کر لینا چاہئے۔ اور قوم کے سارے افراد کو (خواہ امام کے مخالفین ہوں یا موافقین)۔ یہی کرنا ضروری ہے کہ امام مذکور کو امامت سے علیحدہ کر کے دوسرے امام کو مقرر کر لیں تاکہ بستی اور گاؤں کے سارے افراد فساد وفتنہ سے محفوظ رہیں، حق تعالیٰ نے اپنے کلام معجز نظام قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقرہ: ۲۱۷] (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لوازم الامامۃ (امامت کے لوازم)

مسئلہ ۱۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسجد میں کوئی امام مقرر نہیں۔ جماعت کے لوگ جس کو آگے بڑھاتے ہیں، وہی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ عمر بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ نماز میں اگر امام کو متشابہ لگا یا امام نے کھڑے لفظ کا پڑا یا پڑے کا کھڑا پڑھا۔ یا نماز ایسی غلط پڑھائی کہ اعادہ کی ضرورت ہوئی اور عمر نے کہا کہ تم نے نماز میں غلطی پڑھی۔ اس پر لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، اور عمر غلطی نہیں بتلاتا تو کچھ لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا۔ غلطی کے نہ بتلانے پر عمر گناہ گار تو نہ ہوگا اور اگر کھڑا پڑا لفظ نہ بتلائے تو عمر کے لیے کچھ تاوان تو نہیں۔ عمر کو کیا کرنا چاہیے، نماز جماعت سے

پڑھے یا نہیں؟ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کبھی نماز عصر چھوڑ دی تو مغرب کی پڑھا دی اور ظہر کی ترک کی تو عصر کی پڑھا دی۔ بہر حال عمر کو کیا کرنا چاہیے۔ دوسرے محلے کی مسجد ہے۔ کم از کم تین یا چار منٹ میں مسجد میں پہنچ سکتا ہے، وہاں نماز پڑھے یا نہیں بروئے شریعت مفصل تحریر فرمایئے؟

مسئولہ عبدالرحمٰن، موضع راجپور کسیریا ڈاکخانہ ڈلاری، ضلع مرادآباد، ۷؍فروری ۱۹۵۸ء

الجواب: ساکنان موضع کو چاہیے کہ امامت کے لیے کسی صالح و متقی اور پابند شرع شخص کو مقرر کردیں جو تمام نمازیں پابندی سے پڑھایا کرے۔ جس کی قرأت بھی صحیح ہو۔ جو لوگ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں، وہ نماز چھوڑنے والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ ہر مقتدی پر لازم ہے کہ جب امام سے کوئی ایسی غلطی ہو جس سے نماز خراب ہوتی ہو تو امام کو ضرور بتادیا کرے۔ اس پر بتانے والے سے لڑنا جھگڑنا محض جہالت ہے اور کمال نادانی ہے، زبر، زیر ہو یا اور کسی قسم کی غلطی ہو، جس سے نماز خراب ہوتی ہو صحیح جاننے والے ہر مقتدی پر بتانا ضروری ہے ورنہ وہ گنہ گار ہوگا۔ اگر عمر کے صحیح و جائز اقدام پر لوگ اس سے جھگڑتے ہیں تو وہ فتنے سے بچنے کے لیے دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کیا کرے۔ اس صورت میں عمر سے شرعاً کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کیسا ہونا چاہیے اور اس کی کیا کیا پابندیاں ہیں، حدیث و فقہ حنفیہ کی معتبر کتابوں سے جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ امیر احمد، شیر پور، ۸؍ستمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: امامت کے لیے چھ شرطیں ہیں، پہلی شرط مسلمان، کسی غیر مسلم کی امامت درست نہیں۔ دوسری شرط بالغ ہونا، نابالغ کی امامت بھی جائز نہیں۔ تیسری شرط مرد ہونا ہے۔ چوتھی شرط عاقل ہونا۔ پانچویں شرط بقدر فرض قرآن کریم کے پڑھنے پر قادر ہونا۔ چھٹی شرط تندرست مقتدیوں کے لیے اعذار مستقلہ سے محفوظ رہنا، جیسے دائمی نکسیر اور سلس البول وغیرہ۔ نیز امام ایسا ہو، جو مسائل نماز اور مسائل طہارت پر واقف اور باخبر ہو اور متقی اور پرہیز گار اور جملہ احکام شرعیہ پر عامل اور کاربند ہو اور تمام معاصی اور گناہ کے کاموں سے اجتناب کرنے والا ہو۔ ہر قسم کے فسق و فجور سے محفوظ ہو۔ مراقی الفلاح ص۱۷۲ میں ہے۔

> (وشروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء، الاسلام. والبلوغ، والعقل، والذكورة، والقراء ة)بحفظ اية تصح بهاالصلوة،(والسلامة من الاعذار). (ترجمہ اوپر کی تشریح میں ہے)۔

اسی کے ص۱۷۹ میں ہے۔

> (فالاعلم) باحكام الصلوة، الحافظ مابه سنة القراة، ومجتنب الفواحش الظاهرة، (احق بالامامة)، (صحت مند مردوں کیلئے امامت کے صحت کے شرائط چھ ہیں۔ (۱) مسلمان ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) عاقل ہونا (۴) مرد ہونا (۵) اتنی آیت قرآن کا حفظ جو نماز صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے (۶)

مفسد نماز عذر سے محفوظ ہونا)۔.........نماز کے احکام کا زیادہ جاننے والا، اتنی آیتوں کا حافظ جو سنت قرأت ہے اور فواحش ظاہرہ سے بچنے والا امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۷۷: مستحق امامت کون شخص ہے اور امام صاحب اگر قرآن شریف صحیح پڑھنے کی طاقت نہ رکھے، اور ایسی غلطی بھی کرتا ہو، جس سے معنی فاسد ہو جائے تو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ امام کا یہ کہنا کہ میں محلہ کا امیر اور بڑا آدمی ہوں اور امامت ہمارے باپ دادا سے چلی آرہی ہے، لہٰذا امامت کا حقدار میں ہی ہوں۔ اس پر طرہ یہ کہ امام مذکور رشوت لینے میں یکتا ہے تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

مسئولہ عبدالحکیم، موضع سونی، پوسٹ صدر پور، مالدہ، ۳۰ر جمادی الآخر ۱۳۸۵ھ سہ شنبہ

الجواب: مستحق امامت وہ شخص ہے، جو صحیح العقیدہ سنی اور صالح و متقی اور قرآن کریم صحیح طریقہ پر پڑھتا ہو۔ ایسا امام جو قرآن کریم صحیح پڑھنے پر قادر نہیں یا قراءت میں ایسی غلطی کرتا ہو، جس سے معنی میں فساد لازم آئے تو اس کی اقتداء میں صحیح پڑھنے والوں کی نماز صحیح نہیں۔ استحقاق امامت کے لیے اپنی امارت و تولیت اور آبائی طریقہ کو دلیل بنانا غایت جہل و نادانی ہے۔ یہ کوئی ترکہ نہیں کہ باپ کے مرنے پر بیٹے کو ملے۔ اس میں اہلیت کا اعتبار ہے۔ رشوت لینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر یہ دونوں باتیں امام کے اندر موجود ہیں تو پہلی بات کی بنا پر اس کے پیچھے صحیح پڑھنے والوں کی نماز صحیح نہیں اور دوسری وجہ سے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی جائیں، ان کا اعادہ واجب ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۲۷ میں ہے۔

ولا یصح اقتداء حافظ آیة من القران بغیر حافظ لها وهو الامی، جسے قرآن کی ایک بھی آیت یاد ہے، اس کی نماز اس کے پیچھے نہیں ہوگی، جسے قرآن کچھ بھی یاد نہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (بغیر حافظ لها) شمل من یحفظها او اکثر منها لکن بلحن مفسد للمعنی، لمافی البحر والامی عندنا من لایحسن القراۃ المفروضة، کچھ بھی نہ یاد ہونے میں وہ بھی شامل ہو جائے گا، جسے آیت یاد تو ہے، بلکہ ایک آیت سے زیادہ یاد ہے، مگر غلط تلفظ کے ساتھ یاد ہے۔ یعنی ایسے تلفظ کے ساتھ قرآن یاد ہونا جس سے نماز فاسد ہو جائے۔ اسے یاد نہ ہونا ہی کہا جائے گا خواہ پورا قرآن ہی کیوں نہ یاد ہو۔ البحر میں ہے کہ امی ہمارے نزدیک وہ ہے، قرآن پڑھنے میں جس کا تلفظ اتنا بھی صحیح نہیں کہ فرض ادا ہو جائے۔ فسق کا شرعی معنیٰ ہے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے نکل جانا۔ (ملخصا)۔

تفسیر احمدی میں زیر آیت ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُكَّامِ الآیة و قیل المراد من الحکام حکام الظلم ومعناه و تدلو ابهای تلقوا بعضها الی حکام السوء علیٰ وجه الرشوة لتاكلوا بحمايتهم الیٰ ان قال و هو حرام بالنص نعوذ بالله منه. آیت میں حکام

سے مراد ظالم حاکم ہیں۔ تُدْلُوْا بِھَا کا معنی یہ ہے کہ ناخدا ترس حکام کو رشوت دے کر ناجائز طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا، یہ نص سے حرام ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۱۶۹ ... میں دیکھیں)۔

طحطاوی میں ہے۔

والفسق لغۃ خروج ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۱۶۹ ... میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید امام ہے اور اس کی قرأت صحیح نہیں ہے، لیکن مسائل ماتجوز بھا الصلوٰۃ سے واقف ہے، اور عمر کی قرأت کسی قدر زید کی قرأت سے اچھی ہے، لیکن مسائل سے واقف نہیں اور زید عمر میں عمر سے بڑا ہے اور زید کی قرأت اتنی خراب ہے کہ ج کو ز اور ض کو ظ اور ش کو س پڑھتا ہے، اور عمر کی قرأت ایسی خراب نہیں، مگر وہ بھی پورے طور پر حرف کی ادائیگی نہیں کرتا۔ دونوں نے بہت کوشش کی کہ قرأت صحیح ہو جائے، مگر نہیں ہوئی، تو اس صورت میں زید کی امامت درست ہے اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں، اور ان میں افضل امامت میں کون ہے یا ان دونوں کے سوا کسی اور کو جو قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اس کو مقرر کیا جائے اور اگر نہ ملے تو کون صورت نکل سکتی ہے؟

مسئولہ محمد جمیل اختر مجیبی، خانقاہ محمد پور کانکی، پورنیہ، ۵/نومبر ۱۹۵۸ء

الجواب: صورت مستفسرہ میں زید و عمر کے سوا کسی تیسرے شخص کو امامت کے لیے مقرر کیا جائے، جو قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اور مسائل نماز پر کافی عبور رکھتا ہو۔ اگر ایسا شخص نہ ملے تو پھر زید ہی کو امام رکھا جائے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۱۷۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظ ہیں، قرآن پاک صحیح پڑھتے ہیں اور عرصہ دراز سے امامت کرتے ہیں۔ نماز میں کسی طرح کی غلطی نہیں ہوتی، لیکن وہ ہر شخص سے یہی کہتے ہیں کہ میں وکٹوریہ کا پوتا ہوں، اور نہرو میری جگہ پر کام کر رہا ہے۔ میری نہرو سے آدھی تنخواہ بڑی تھی، وہ ابھی تک نہیں دی۔ ہر ایک شخص سے کہتے ہیں کہ تمہارے سر پر میرا بونڈ آیا ہے، ڈاکخانہ سے میرا منی آرڈر فلاں شخص نے وصول کر لیا ہے، وہ وصول کر کے مجھے دلوایا جائے۔ ڈاکخانہ سے فوراً جانچ کی جاتی ہے، تو وہ غلط ثابت ہوتا ہے، اور اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ جو کہتے ہیں سچ ہے یا جھوٹ تو کہتے ہیں کہ میں سچ کہتا ہوں، لہٰذا صحیح مسئلہ سے آگاہ کیا جائے؟

مسئولہ عبداللہ، محلہ موتی باغ، مرادآباد، ۹/مئی ۱۹۶۱ء

الجواب: اگر فی الواقع امام مذکور کے حالات واقوال ایسے ہی ہیں جو سوال میں درج ہیں تو ایسا امام شرعاً معتوہ اور خفیف العقل ہے۔ جو بیہودہ بکواس اور لغو گوئی کا عادی ہے اور اسے سچی اور جھوٹی باتوں کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بظاہر امام مذکور کی عقل و دماغ پر مالیخولیا کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ ایسا شخص صحیح العقل مردوں کا امام نہیں ہو سکتا۔ ایسے امام کی اقتداء جائز نہیں۔ لہٰذا امام مذکور کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے، ان کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئیں، سب واجب الاعادہ ہیں۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۷۲ میں ہے۔

ولاتصح امامة المعتوه وهوالذی ینسب الی الخزف. معتوہ کی امامت جائز نہیں فاسد العقل کو معتوہ کہتے ہیں۔

غنیۃ المستملی المعروف بہ کبیری ص ۴۷۷ میں ہے۔

وکذالایجوز اقتداء العاقل بالمعتوه. عاقل کا خفیف العقل کی اقتداء جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۸۱ میں ہے۔

والاصل فی هذه المسائل ان حال الامام ان کان مثل حال المقتدی اوفوقه جازت صلاة الکل وان کان دون حال المقتدی صحت صلاة الامام ولاتصح صلوٰة المقتدی هکذا فی المحیط، (ان مسائل میں اصل یہ ہے کہ امام کا حال اگر مقتدی کے حال کے برابر یا اس سے بہتر ہے تو دونوں کی نماز صحیح ہے۔ اور اگر امام کا حال مقتدی کے حال سے کمتر ہے تو امام کی نماز جائز اور مقتدی کی نماز صحیح نہیں۔ یہ محیط کے اندر ہے)۔

ضروری نوٹ: جس امام کے متعلق فتویٰ لیا گیا ہے، مجھے علم ہے کہ وہ عرصہ سے امامت کر رہے ہیں، لیکن آج تک کسی نے اس قسم کا سوال نہ اٹھایا۔ نہ معلوم کسی بغض وعداوت کی بنا پر مسئلہ شرعیہ کی آڑ لے کر امام مذکور کو نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے یا اور کوئی سبب ہے۔ اللہ رب العزت کو بہتر معلوم ہے۔ اگر بغض وعناد اس استفتاء کا باعث ہے تو مسلمانوں کو اس قسم کے بغض وعناد سے دور رہنا چاہیے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۸۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان وشرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید کا ایک لڑکا ہے، اس کی عمر ۱۵ سال ہے اور کلام پاک حفظ کر چکا ہے۔ اس کے والدین چاہتے ہیں کہ ہمارا لڑکا امسال کلام پاک تراویح میں سنائے، اور آمیوں میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ ظاہری اعتبار سے اس کے لڑکے کی عمر کم معلوم ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں پر غور فرما کر جواب عنایت فرما دیجئے؟

مسئولہ ظہیر الدین، ۱۱ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

الجواب: اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ فی الواقع یہ لڑکا پندرہ سال کا ہو چکا ہے تو شرعاً یہ بالغ قرار پائے گا۔ اس کے پیچھے، اس کی اقتداء میں نماز تراویح اور ہر نماز جائز وصحیح ہوگی۔ لیکن میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ پندرہ سال کا ہو چکا ہے یا پندرہ سال کا نہیں ہوا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۱۸۱: گذارش یہ ہے کہ جس بچے کی عمر پندرہ سال سے تجاوز کر چکی ہو وہ رمضان المبارک میں تراویح میں کلام پاک سنا سکتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے فوری مطلع فرمائیں؟

مسئولہ نواب علی خاں، محلہ موتی باغ، مراد آباد، ۲۳ ر اکتوبر ۱۹۶۹ء

الجواب: اگر فی الواقع کسی لڑکے کی عمر پندرہ سال پوری ہونے کے بعد کچھ اس سے متجاوز بھی ہو چکی ہے، تو شرعاً وہ

لڑکا بالغ ہے۔ تراویح میں اس کی امامت صحیح وجائز ہے۔ بلکہ فرائض وواجبات میں بھی وہ امامت کرسکتا ہے، لہٰذا جس لڑکے کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ اگرچہ پندرہ سال سے کچھ زائد عمر کا نہ بھی ہوتا صرف پورے پندرہ سال ہی کا ہوتا جب بھی وہ امامت کرسکتا تھا، اور اب پندرہ سال سے زائد عمر ہونے کی صورت میں یہ لڑکا بطریق اولیٰ امامت کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دوکاندار، ڈاکٹر یا حکیم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ امتیاز حسین خاں، محلہ گوپاں، مرادآباد، ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

الجواب: دوکاندار ہو یا ڈاکٹر اور حکیم یا عالم اور حافظ جو بھی صحیح العقیدہ صالح ومتقی ہو اور جملہ فرائض وواجبات ادا کرتا ہو اور تمام منہیات وممنوعات سے دور رہتا ہو، اس کو امام بنا کر اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے اور جو دوکاندار یا ڈاکٹر اور حکیم یا حافظ وعالم نیک اور صالح ومتقی نیز صحیح العقیدہ نہ ہو بلکہ بدعقیدہ اور فاسق وفاجر، حرام کار مرتکب گناہ کبیرہ ہو، اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی، واجب الاعادہ ہوگی، یہ کہنا کہ کسی دوکاندار یا ڈاکٹر اور حکیم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، غلط اور باطل ہے۔ ہاں یوں کہا جائے کہ جو دوکاندار یا ڈاکٹر اور حکیم فاسق وفاجر حرام کار مرتکب گناہ کبیرہ یا بدعقیدہ ہو اس کو امام نہ بنایا جائے تو صحیح ودرست ہے۔ بہرحال امام کو سنی صحیح العقیدہ نیک صالح ومتقی اور مسائل نماز سے بالخصوص واقف کار ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۸۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک پرانا منشی اپنے عقیدہ کے ہیں، اور وہ مقرر کردہ امام ہیں۔ اور ایک عالم دین بھی اس جماعت میں موجود ہیں، وہ بھی اپنے عقیدے کے ہیں تو اس عالم دین کی موجودگی میں وہ منشی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں کس کو ترجیح دی جائے گی؟

مسئولہ محمد قمرالدین، بسیرائین ڈاکخانہ مندوہ ضلع مغربی دیناجپور، ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں منشی مذکور اگر طہارت ونماز کے ضروری مسائل کا جاننے والا اور پابند شرع صحیح القرأت ہے، اور اس کو اہل محلہ نے امامت کے لیے مقرر کیا تو امامت کا وہی حقدار ہے، لہٰذا بلاشبہ منشی مذکور عالم دین کی موجودگی میں نماز پڑھا سکتا ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۷۸ میں ہے۔

وامام المسجد احق بالامامة وان کان الغیر افقه واورع وافضل منه مسجد کا امام امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ اگرچہ دوسرا اس سے بڑا دین کی سمجھ رکھنے والا، زیادہ متقی اور افضل ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۸۴: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر میں دو مسجدیں ہیں۔ ایک چھوٹی مسجد، ایک جامع مسجد۔ دونوں مساجد میں امام صاحبان جماعت کی طرف سے مولوی حافظ قاری معین ہیں۔ مسائل دینیہ صوم وصلوٰۃ سے بخوبی واقف ہیں۔ لہٰذا آنجناب سے التماس ہے کہ از روئے شرع جب کہ دونوں جگہ امام صاحبان مذکورہ بالا خصوصیات کے حامل ہیں تو پھر نماز جمعہ وعیدین پڑھانے کے مستحق آیا جامع مسجد کے معین امام ہیں یا چھوٹی مسجد کے امام معین مستحق ہوں گے؟

(۲): جامع مسجد میں امام معین مسائل تجوید و مسائل دینیہ صوم و صلوٰۃ کی پوری معلومات رکھتا ہو، اور حافظ قرآن ہو یا غیر حافظ اور چھوٹی مسجد میں امام معین مولوی حافظ قاری ہو، ایسی صورت میں نماز جمعہ و عیدین جامع مسجد کے معین امام پڑھانے کے مستحق ہوں گے یا چھوٹی مسجد کے معین امام مستحق ہوں گے، براہ کرم ہر دو استفتاء کے جواب از روئے شرع شریف مفصل طور پر جلد از جلد ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے، نوازش ہوگی۔

مسئولہ حافظ محمد حنیف صاحب سکریٹری، انجمن اسلامیہ کمیٹی جامع مسجد، جگدل پور، ضلع بستر، ایم پی

الجواب: نماز جمعہ و عیدین و کسوف میں ہر شخص امامت نہیں کرسکتا، اگرچہ وہ حافظ، قاری، مولانا مفتی، متقی وغیرہ صفات کا جامع ہو مگر وہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم ان سب پر استحقاق امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون و مقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے، اولاً وہ سلطان اسلام ہو ثانیاً جہاں سلطنت اسلامیہ نہیں وہاں یہ امامت عامہ اس شہر کے سنی اعلم علمائے دین کو ہے، ثالثاً جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بہ مجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں۔ بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام، نہ ایسے امام کا نائب و ماذون و مقرر کردہ ہو، اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں۔ اگر امامت کرے گا، نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا۔ ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے۔ اعلم علمائے بلد کہ اس شہر کے تمام سنی عالموں میں زیادہ فقیہ ہو، نماز کی مثل مسلمان کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن عظیم ان پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے۔ جمعہ و عیدین و کسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے۔ اس کے ہوتے ہوئے ان کے خلاف پر عوام بطور خود اگر کسی کو امام بنالیں گے، صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بہ مجبوری اس حالت میں روا رکھا گیا ہے، جب امام عام موجود نہ ہو اس کے ہوتے ہوئے ان کی قرارداد کوئی چیز نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے۔

یشترط لصحتها السلطان اومامور ہ باقامتها، (جمعہ و عیدین وغیرہ کی صحت امامت کی شرط یہ ہے کہ وہ بادشاہ اسلام ہو یا اس کا مامور و ماذون ہو۔

درمختار میں ہے۔

فی السراجیة لوصلی احد بغیراذن الخطیب لایجوزالخ، (السراجیہ میں ہے۔ اگر کسی نے خطیب کی اجازت کے بغیر نماز پڑھادی، نماز جائز نہیں ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے۔

حاصله انه لاتصح اقامتها الالمن اذن له السلطان بواسطة اوبدونها امابدون ذالک فلا،
اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر اجازت سلطان خواہ یہ اجازت براہ راست ہو یا بالواسطہ جمعہ قائم کرنا جائز نہیں۔

تنویر و درمختار میں ہے۔

(ونصب العامة) الخطیب (غیر معتبر مع وجودمن ذکر) امامع عدمهم فیجوز للضرورة.
اگر سلطان یا اس کا ماذون ہے تو اس کے ہوتے ہوئے عوام الناس کا جمعہ و عیدین کے لئے خطیب مقرر کرنا

غیر معتبر ہے۔ ہاں ان کی عدم موجودگی میں ضرورۃً جائز ہے۔
فتاویٰ امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد اول ص ۲۴۰ میں ہے۔

اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذاعسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثر وافالمتبع اعلمھم۔ اگر صاحب اختیار بادشاہ اسلام سے زمانہ خالی ہو جائے تو جملہ معاملات دینی علماء کے سپرد ہوں گے۔ قوم کے لیے ان سے رجوع ہونا لازم ہوگا۔ یہ حضرات ان کے قائد ہوں گے۔ اگر کسی ایک پر متفق ہونا دشوار ہو رہا ہو تو ہر شہر اپنے علماء کے اتباع میں آزاد ہوگا۔ اگر ایک شہر میں کئی عالم ہیں تو سب سے بڑے عالم کی اتباع کی جائے گی۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ۵۹] (کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا اور حکومت والوں کا تم میں سے) (معارف)۔ ائمۂ دین فرماتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں، نص علیہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب، وغیرہ، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

خطب بلااذن الامام والامام حاضر لم یجزالاان یکون الامام امرہ بذالک، (امام کی موجودگی میں بغیر اجازت امام کسی نے جمعہ کا خطبہ دے دیا تو نماز جائز نہیں، ہاں اگر امام نے اجازت دے دی تھی تو ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جامع مسجد کا امام ہی مستحق امامت ہے، چونکہ وہ بظاہر بصورت مجبوری عام مسلمانوں کا مقرر کردہ امام برائے جمعہ وعیدین وغیرہ ہوگا، اور اگر دونوں مسجدوں کے اماموں سے کوئی امام سلطان اسلام کا ماذون ومقرر کردہ نہ ہو، نہ شہر کے اعلم علمائے دین میں سے ہو اور نہ عام مسلمانوں کا مقرر کردہ امام برائے جمعہ وعیدین وغیرہ ہوں تو دونوں میں سے کوئی جمعہ کی امامت کا مستحق نہیں، اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک تینوں اقسام مذکورہ بالا کے مطابق امام ہو تو مستحق امامت وہی ہوگا۔ حافظ اور غیر حافظ کے فرق سے اس امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور اگر دونوں امام برطبق قاعدہ مذکورہ بالا اقسام ثلثہ میں سے مقرر کردہ امام برائے جمعہ وعیدین ہو تو پھر ان دونوں میں اعلم بالسنہ جو ہو وہ مستحق ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ نیوریا ضلع پیلی بھیت کی جامع مسجد میں امام صاحب قصبہ ہی کے رہنے والے ہیں، جو وہاں کے ہوتے ہوئے حقوق مسجد نکاح وغیرہ کی آمدنی اپنے مصرف میں لاتے اور مسجد متعلقہ کو کچھ نہیں دیتے اور اوقات نماز کے جو مقرر ہیں، پابندی نہیں کرتے، مثلاً جمعہ کا وقت دو بجے کا ہے تو سوا دو بجے اور کبھی ڈھائی بجے کھڑے ہوتے ہیں، جس سے نمازیوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ نماز پڑھانا میری مرضی پر ہے، سب نمازی میرے پابند ہیں۔ کیا ان صورتوں میں نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اور کیا ایسے امام صاحب کو امامت کا

حق حاصل ہوسکتا ہے، اور حق مسجد کا پیسہ اپنے استعمال میں لانے کا اختیار ہوسکتا ہے؟

مسئولہ حاجی وصی اللہ صاحب، فارم بھلیا، ڈاکخانہ نیوریا ضلع پیلی بھیت، ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

الجواب: امام مسجد پر جملہ نماز کے اوقات متعینہ کی پابندی عموماً اور نماز جمعہ کے وقت کی پابندی خصوصاً لازم وضروری ہے۔ اتفاقاً کبھی دس پانچ منٹ کی دیر ہونے پر نمازی حضرات کو سکوت ہی کرنا چاہیے، بلکہ مؤذن کے سوا کوئی دوسرا مقتدی ادباً امام کو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ چلئے نماز شروع کیجئے وقت ہوگیا ہے۔ لیکن امام جمعہ کے روز بالخصوص تاخیر کی عادت اختیار کرکے پندرہ منٹ یا اس سے زائد وقت دیر کرکے خطبہ کے لیے ممبر پر آئے جس سے وقت معین پر آنے والے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہو اور مقتدیوں کے لیے امام کا یہ فعل باعث تنفیر از جماعت ہوتا ہو تو امام کو اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔
سیدنا حضرت معاذ صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز عشاء کافی دیر کرکے پڑھانے آتے اور طویل قرأت کیا کرتے تھے، تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ان کی یہ شکایت بعض مقتدی نے کردی، جس سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر بے حد غصہ اور ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نمازیوں کو جماعت سے نفرت دلانے کا کام کرتے ہو ایسا نہ کرو، بلکہ نماز مختصر پڑھاؤ، چونکہ مقتدیوں میں بوڑھے ضعیف، کمزور اور ضرورت مند ہر قسم کے افراد ہوتے ہیں، سب کا خیال امام کو کرنا ہوگا۔ اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ امام پر بھی مقتدی کا لحاظ ضروری ہے کہ امام زیادہ تاخیر نہ کرے، اور نماز کو زیادہ طویل بھی نہ کرے۔ امام پر اس امر کی پابندی ضروری ہے، جہاں امام کو اعزاز ووقار عطا فرمایا گیا ہے، اس کے ادب واحترام کا حکم دیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایسے فعل سے بھی منع کیا گیا، جس سے نمازیوں کو جماعت میں حاضر ہونے سے نفرت ہوتی ہو۔ کسی امام کا حاکمانہ وجابرانہ انداز میں یہ کہہ دینا کہ نماز پڑھانا میری مرضی پر ہے، سب نمازی میرے پابند ہیں، اس کی کج خلقی کا آئینہ دار ہے۔ ایسے امام کو اس وقت دن میں تارے نظر آئیں گے جب سارے مقتدی مل کر اسے امامت ہی سے معزول کردیتے ہیں۔ نماز تو ایسے امام کے پیچھے ہو ہی جاتی ہے، لیکن امام پر لازم ہے کہ وہ وقت معین کی بقدر امکان پابندی کرے اور مقتدیوں کو جماعت سے نفرت دلانے کا کوئی کام نہ کرے۔ اخلاق ومحبت سے نرم جواب دے، حاکم وڈکٹیٹر بن کر جواب نہ دے۔ اگر امام مذکور مسجد کا ایسا پیسہ اپنے مصرف میں لاتے ہوں، جن کا ان کے لیے اپنے مصرف میں لانا جائز نہ ہو تو امام مذکور اس فعل کا ارتکاب کرکے فاسق اور علیحدہ کردینے کے قابل ہوئے۔ اس صورت میں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، ورنہ مسجد کا پیسہ اپنے استعمال میں لانا صحیح وجائز ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۶: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد میں نماز عشاء کا وقت مقتدی اور امام صاحب کی رائے سے قائم ہوا، تو بھی امام صاحب نے صحیح وقت مقررسے نماز میں دیر کی۔ امام صاحب نے مقرر وقت سے انکار فرمایا اور حکم فرمایا کہ میں ضرور تاخیر کرونگا، تم لوگوں کو مسجد میں بیٹھنا بار معلوم ہوتا ہے۔
(۲): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد میں نو بجے عشاء کی نماز ہوتی ہے، اگر دو ایک آدمی سنتیں پڑھ رہے ہوں، یا چار یا پانچ آدمی وضو کررہے ہوں، تو امام کو ان کی وجہ سے دو تین منٹ ٹھہرنا چاہئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

مسؤلہ حاجی بشیر و حافظ عبدالغفور و دکاندار ریاض الدین صاحبان، چوکی حسن خان، مراد آباد، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ

الجواب: نماز پنجگانہ کے جو اوقات امام و مقتدی کی رائے سے مقرر ہوئے۔ ان اوقات کی پابندی امام و مقتدی سب کو کرنی چاہئے۔ امام کو اگر بعض اوقات کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو مقتدی اس پر معترض نہ ہوں، یا امام بعض ایسے نمازیوں کا خیال کر کے جو سنتیں پڑھنے کے لئے کھڑے ہو چکے ہوں، یا وضو کر رہے ہوں کچھ تاخیر کرے تو اس صورت میں بھی امام پر اعتراض نہ کیا جائے، اور بلا وجہ معتمد و بلا عذر معتبر امام کو وقتِ مقرر سے تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ وقت مقررہ پر ہی کھڑا ہو جانا چاہئے۔ امام کے لئے یہ طریقہ اختیار کر لینا کہ ہر حال میں تاخیر ہی کریں اور آمرانہ طریقہ پر یہ کہنا کہ میں ہمیشہ وقتِ مقرر سے دیر کر کے ہی کھڑا ہوں گا، سراسر غلطی پر مبنی ہے، اور باعث تنفیر قوم و تقلیل جماعت ہے۔ امام کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ وہ عام نمازیوں اور مقتدیوں کو بد دل کرے کہ وہ جماعت چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ کسی دیہات کی مسجد میں وہیں کا ساکن امام ہے، لیکن سوائے جمعہ کے اور کسی دن نہیں آتا۔ دوسرا امام رکھنے پر فساد پر تیار ہو جاتا ہے اور پابندی شروع کر دیتا ہے۔ چند دن کے بعد پھر غیر حاضری ہو جاتی ہے۔ نمازیوں کو امام نہ ہونے سے پریشانی ہوتی ہے اور وہ امام کہتا ہے کہ میں اپنا مصلیٰ نہیں چھوڑوں گا اور پابندی کرتا نہیں، صورت مذکورہ بالا میں کیا کیا جائے، اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو بلا کراہت یا بکراہت مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی؟

مسئولہ رضا علی عفی عنہ، کھریا، ضلع رامپور، ۱۷ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ، سہ شنبہ

الجواب: جو امام خود امامت کی پابندی نہیں کرتا۔ اور دوسرے کو بھی امامت کرنے نہیں دیتا، بلکہ فتنہ و فساد پھیلاتا ہے، جب کہ عام طور پر اہل محلہ اس کی امامت سے پابندی نہ کرنے کی بنا پر متنفر ہیں، تو ایسے امام پر لازم ہے کہ وہ منصب امامت سے خود سبکدوش ہو جائے۔ امامت کسی شخص کی جاگیر نہیں ہے۔ اہل قریہ کی رضا مندی ہی سے امام امامت کر سکتا ہے۔ جب اہل قریہ راضی نہیں ہیں، تو اس کو امامت سے از خود علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ اس کا یہ کہنا کہ میں اپنا مصلیٰ نہیں چھوڑوں گا، غلط و باطل ہے۔ آمادہ فساد ہونا اور فتنہ انگیزی گناہ عظیم ہے۔ شخص مذکور فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی، اس کے پیچھے جو نماز بھی پڑھی جائے گی، وہ مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۰ میں ہے۔

لو ام قوما وهم له كارهون فهو على ثلثة اوجه ان كانت الكراهة لفساد فيه او كانوا احق بالامامة منه يكره۔ اگر کسی امام سے لوگ متنفر ہیں تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ یہ تنفر یا تو امام کے اندر کسی گڑبڑی سے ہے۔ یا قوم کے اندر اس امامت کے اس سے زیادہ حقدار موجود ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قال الحلبي وينبغي ان تكون الكراهة كراهة تحريمية لخبرا بی داؤد ثلثة لايقبل الله منهم صلاةً وعدمنهم من تقدم قوما وهم له كارهون. (حلبی نے کہا ''نماز مکروہ تحریمی ہونا

چاہئے۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ابوداود نے روایت کی۔تین اشخاص ایسے ہیں، اللہ تعالیٰ جن کی نماز قبول نہیں کرے گا۔ان تین میں اسے بھی شمار کیا جوامامت کے لئے آگے بڑھ گیااور قوم اس سے متنفر ہیں۔

اسی میں ہے۔

ان امامة الفاسق مکروهة تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت...مسئلہ ۱۶۹...میں دیکھیں)۔واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسے آدمی کے حق میں جوامام ہےاوراس کی بیوی بے پردہ عورت ہے۔اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں غیر آدمی اس کے گھر آتے جاتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتا ہے،اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد یوسف، سنبھل، ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۹ء

الجواب: شخص مذکوراپنی زوجہ کے ایسے افعال پراگر راضی ہے، یابقدر طاقت اس کو روکتا ہی نہیں، نہ منع کرتا ہے تو بلاشبہ دیوث ہے۔اس شخص کوامامت سے معزول کرنا واجب اوراس کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ اور اس نماز کا پھیرنا یعنی دوبارہ لوٹانا لازم ہے،قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَاتَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: ۲] (گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو)۔وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من رای منکم منکرافلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالک اضعف الایمان۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اگر تم میں کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اسے روک دے۔اگراس کی طاقت نہیں تو زبان سے اور اگراس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے براجانے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے)۔واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۸۹: (۱): ایک شخص ہے جو کام کپڑے دھونے اور ہندو مسلم کی خدمت کرتا ہےاور پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔ مسائل سے بھی واقف نہیں اور پڑھتا بھی غلط ہےتو وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲): ہیجڑا اور خنثیٰ نسبندی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۳): قوم کا نائی ہے لیکن کام بابوری کا نہیں کرتا ہے۔علم بھی ہےاور مسائل سے واقف ہےاور مکہ شریف ہوآیا ہے۔اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بہت عرصہ ہوگیا ہے امامت کرتے ہوئے؟

مسئولہ غلام شبیر احمد، بھاؤپور، ڈریال، ضلع رامپور، ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ جمعرات

الجواب: (۱): کپڑا دھونے کا کام شرعاناجائز یا قبیح وممنوع نہیں ہے۔اسی طرح ہندو یا مسلمان کی خدمت کا وہ کام بھی جو جائز ومباح ہے حرام ومنع نہیں ہے۔ہاں جو مسائل نماز سے واقف نہیں ہواور قرآن کریم بھی غلط پڑھتا ہو،اس کوامام نہ بنایا جائے۔امامت بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔جوشخص مسائل نماز سے ناواقف ہو،اس کی امامت خطرہ والی ہے۔بلکہ جو شخص مسائل نماز پرواقف ہواور قرآن کریم صحیح پڑھتا ہو متقی اور پرہیز گار ہواس کو نماز کا امام بنایا جائے۔بعض صورت میں

اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی، اور بعض صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): ہیجڑے اور خنثیٰ کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، اس کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے اور نسبندی کرانے والا فاسق و فاجر ہے، اس کو امام بنانا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے، ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، جس کا غیر مکروہ طریقہ پر لوٹا کر دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): نائی ہونا جبھی برا ہے، جب کہ نائی اپنے پیشہ کرنے میں خلاف شرع داڑھی مونڈتا اور منڈاتا ہو۔ اگر یہ شخص مسائل نماز سے واقف ہو اور حاجی بھی ہو چکا ہے اور متقی و پرہیزگار بھی ہو، قرآن شریف بھی صحیح پڑھتا ہو تو اس کو امام بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز بلا کراہت صحیح و درست ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

اوصاف الامام (امام کے اوصاف)

مسئلہ ۱۹۰: زید امامت کرتا ہے اور وہ کسی وقت اس قسم کا رومال اوڑھتا ہے، جس سے کہنی کھلی رہ جاتی ہے۔ اس صورت میں امامت کرنا یا نماز منفرد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالرشید، چکمیاں، پوسٹ رجون، ضلع بھاگل پور، ۱۱ر جون ۱۹۵۸ء

الجواب: نماز اہم ترین فرض اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ احکم الحاکمین کے سامنے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے بندہ حاضر ہوتا ہے اور اپنے رکوع و سجود کے ذریعہ اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ اے مالک ہم تیرے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ہم تیرے سامنے اشرف اعضاء کو تیری بارگاہ میں اظہار بندگی کی خاطر جھکائے ہوئے ہیں۔ جبین نیاز تیری بارگاہ عالی میں خم ہے تو زید ہی سے سوال کیا جائے تمہارا قلب و جگر اسی بات کی اجازت دیتا ہے کہ اپنے خالق کے سامنے اس حال میں حاضر ہوں کہ بدن لباس سے خالی نظر آتا ہو۔ حاکمان دنیا کے سامنے بوقت حضور اچھے اچھے لباس زیب تن ہوں۔ اب ذرا ان منقولات کو ملاحظہ فرمایئے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۱۱ میں ہے۔

> وفی البحرعن فتح القدیر ان السدل یصدق علیٰ ان یکون المندیل مرسلاً من کتفیه کما یعتاده کثیر، (البحر الرائق میں فتح القدیر سے منقول ہے کہ سدل یہ ہے کہ رومال کاندھوں سے لٹکا ہوا ہو۔ اس کی بہتوں کو عادت ہے۔

درمختار مصری ص ۴۷۲ میں ہے۔

> وکرہ (سدل) تحریما للنھی (ثوبه)ای ارساله بلالبس معتادکذاالقباء بکم الی وراء ذکرہ الحلبی کشدومندیل یرسله من کتفیه، (سدل مکروہ تحریمی ہے۔ یعنی خلاف عادت کپڑے کو لٹکا ہوا چھوڑ دینا۔ اسی طرح قباء کے آستین کا پیچھے تک لٹکنا۔ اسے حلبی نے ذکر کیا۔)

ان منقولہ عبارت سے صاف اور واضح ہو گیا کہ اس طرح رومال اوڑھ کر اور لٹکا کر نماز پڑھنی یا پڑھانی مکروہ تحریمی اور

واجب الاعادہ ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: ایک امام صاحب نے ایسے پیر سے بیعت حاصل کی کہ وہ پیر پابند نماز نہیں، اور جمعہ بھی کبھی پڑھ لیتے ہیں اور ان مجالس کے جن مجالس میں ڈھولک باجہ بجایا جاتا ہے، منتظم و مہتمم بنتے ہیں اور عوام سے چندہ لے کر ڈھولک، باجے سے قوالی کہنے والے کو روپیہ دیتے ہیں، وہ امام صاحب بھی ان پیر صاحب کی اتباع کرتے ہیں۔ آپ سے عرض ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ قاضی محمد سلیمان، سبالی کہدر، پوسٹ ڈلاری، ضلع مرادآباد، ۲۳ ر ستمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: قوالی کا مسئلہ متقدمین و متاخرین میں مختلف فیہ رہا ہے۔ قوالی سننے والے پر حکم فسق جاری کرنے سے میں احتراز و اجتناب لازم سمجھتا ہوں۔ رہا امام صاحب کے پیر کا نمازوں کو چھوڑنا یہ سخت گناہ اور فسق ہے۔ ایسے پیر سے بیعت جائز نہیں۔ امام پر لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے صحیح العقیدہ سنی متبع شریعت کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرے ورنہ اس امام کے پیچھے فاسق پیر کی تعظیم و تکریم کے باعث نماز مکروہ ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: (۱): بعد سلام گذارش یہ ہے کہ ہماری بستی میں کم سے کم تین چار مہینہ سے جھگڑا چل رہا ہے، امامت کے پیچھے۔ لہٰذا گاؤں میں جو امام تھے ان کے یہاں بھتیجے کی شادی تھی، بستی والوں کا جو کھانا تھا، وہ نہیں دیا تو بستی والے ناراض ہو گئے، لہٰذا ممبر پر سے اتارے گئے، جس کو دو ڈھائی مہینے ہو گئے، اس کے بعد پھر ان لوگوں نے اس سے کھانے کی رقم لے کر پھر اسی ممبر پر کھڑا کر دیا، تو اب اس امام کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

(۲): یہ کہ جو امام ہفتہ کی نماز جمعہ کی مقرر کرے اس کی اجرت لیویں اور وقتی نماز کی اجرت مقرر نہیں، لہٰذا وقتی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(۳): یہ ہے کہ جس شخص کی امام سے ناراضگی ہوئے وہ وقتی نماز تو اپنی ادا کر لیتا ہے تو وہ جمعہ کی نماز کس صورت سے ادا کرے؟ امام شریعت کا پابند نہیں ہے، اسے تو دھڑی کی فکر ہے اور ان کی نمازیں قضا ہوتی ہوں تو یہ شخص کیا کرے؟

(۴): یہ کہ پیشہ بال بری کا کام کرتا ہے وہ قوم کا نائی ہے، اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اور یہ شخص شرع کا پابند ہے اور نمازی بھی ہے اور گاؤں میں اس کے قابل نہیں ہے؟ اور جس امام کے گھر میں عورت نہیں ہے، اس کی امامت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ غلام شبیر احمد، موضع بھاؤ پورا، ۲۴ ر ستمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: (۱): گاؤں کے لوگوں کا یہ خیال کہ گاؤں میں امام صاحب یا کسی اور شخص کے یہاں کوئی شادی، بیاہ کی تقریب ہو تو اس موقع پر اس کے یہاں سے برادری اور اہل قریہ کا کھانا وصول کرنا ہمارا حق ہے، یہ خیال و تصور سراسر ناحق اور ناروا ہے۔ اسلام اس قسم کی رسوم جاہلیت کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ مسلمان کی لکڑی بھی اس کی مرضی کے خلاف بیجا دباؤ

ـــــــــ یہی حکم فقیر کلیمی کے نزدیک ویڈیو، لاؤڈ اسپیکر اور تصویر کشی کا ہے، یعنی جو علمائے اہل سنت اپنی تحقیقات کی روشنی میں ان چیزوں کے جواز کے قائل ہیں، ان پر فسق و فجور کا حکم جاری کرنے سے احتراز و اجتناب لازم ہے۔ ۱۲ کلیمی

ذلیل کر لینا جائز نہیں۔ جو شادی بیاہ کے موقع پر خوشی سے کھانا کھلائے، فبہا ورنہ ہرگز ہرگز کسی پر جبر وتشدد کھانا وصول کرنے کے لیے نہ کیا جائے، جو جبر وتشدد سے خلاف حق کھانا وصول کرے گا، وہ حرام کار وگنہگار ہوگا۔ اس بیجا خیال کے ماتحت گاؤں کے جن لوگوں نے بھتیجے کی شادی کے موقع پر امام مسجد کے کھانا نہ کھلانے سے ناراض ہو کر امام کو منبر سے اتارا پھر امام مسجد نے کھانے کی رقم دیدی تو امام کو منبر پر بٹھایا۔ یہ سب لوگ جہالت کے شکار اور گنہگار ٹھہرے۔ امام کو منبر سے اتار دینا گناہ عظیم ہے، چونکہ امام قوم کا محترم وباعظمت شخص ہے۔ اس قسم کے تمام لوگ امام مسجد سے معافی مانگیں اور راضی کریں، ورنہ بروز قیامت حق العباد کے شدید مواخذہ میں گرفتار ہوں گے، اور اپنی جہالت کے اس ناجائز اقدام سے بارگاہ حضرت ذوالجلال عزاسمہ میں صدق دل سے توبہ کریں، اور یہ عہد کریں کہ آئندہ کبھی ایسا کام نہ کریں گے، قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرۃ:۱۸۸] (اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) (معارف)۔ وقال النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

من لم یرحم صغیرنا ومن لم یوقر کبیرنا فلیس منا. جس نے ہمارے چھوٹے پر شفقت نہیں کی اور ہمارے بڑے کا احترام نہیں کیا۔ وہ ہم میں سے نہیں۔

ان امام صاحب کی اقتداء میں نماز بلاشبہ صحیح جائز ہوگی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۲): امام خواہ کسی نماز کی امامت پر اجرت لے یا نہ لے، ہر حال اور ہر نماز میں اس کی امامت جائز ہے اور اس کی امامت میں اقتداء کر کے جو نماز پڑھی جائے گی، وہ بالیقین صحیح ودرست ہے۔ اس امام کے پیچھے ہر نماز جائز ہے، جب کہ اور کوئی دوسری چیز مخل امامت نہ پائی جائے۔ یہ خیال غلط ہے کہ امام جس نماز کی امامت پر اجرت لیتا ہے وہ نماز صحیح ہوگی اور جس پر اجرت نہیں لیتا وہ صحیح نہیں ہوتی ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۳): جو امام مذکور کے پیچھے وقتی نماز ادا کر لیتا ہے، تو جمعہ کی نماز بھی اسی کے پیچھے پڑھے۔ یہ محض حماقت اور نری جہالت ہے کہ جس امام کے پیچھے اوقات پنجگانہ کی نمازیں ادا کرتا ہے، اس کے پیچھے جمعہ کی نماز کے پڑھنے کو ناجائز متصور کرتا ہے۔ اگر فی الواقع امام میں کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی امامت مکروہ قرار پاتی ہے تو، پنجگانہ نماز اور جمعہ کی نماز کا حکم یکساں ہے۔ ہر نماز اس کے پیچھے مکروہ ہوگی، نیز نماز کا قضا ہو جانا کسی عذر شرعی کی وجہ سے گناہ نہیں۔ بہت کم ایسے نمازی ہیں، جن کی نماز کبھی قضا نہ ہوتی ہو، البتہ قصداً بغیر عذر شرعی نمازوں کا قضا کر دینا فسق وگناہ ہے، ایسے امام کی امامت مکروہ ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۴): اگر قوم کا نائی متبع احکام شرعیہ ہے اور نماز کے مسائل پر واقف وباخبر ہے اور گاؤں کے تمام افراد سے وہ افضل ہے تو اس کی امامت بلا کراہت جائز اور درست ہے، نیز اسی طرح جو امام احکام شرعیہ کا پابند ہو، اگرچہ اس کی شادی نہ ہوئی ہو، اس کی امامت بھی بالیقین صحیح ودرست ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۱۹۳: زید پر اس قسم کا بہتان لگایا کہ زید نے کہا "اب دنیا میں ایمان کہاں ہے۔" اگر زید نے ایسا کلمہ نہ کہا ہو تو بہتان لگانے پر شرعی کیا جرم ہے اور زید کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ حافظ اسرار احمد صاحب، موضع و ڈاکخانہ میناٹھیری، ضلع مرادآباد، ۳؍رجون ۱۹۶۰ء

الجواب: اگر فی الواقع زید نے ایسا کلمہ نہیں کہا تھا اور اس پر کسی نے بہتان لگایا تو زید پر بہتان لگانے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ زید کی امامت صحیح و درست ہے اور بہتان لگانے والا گنہ گار ہوا، اس کو اپنے اس گناہ سے توبہ کرنی ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی صاحب نے امام صاحب کو مبلغ بیس روپے دیئے اور رقم دینے والے نے یہ نہیں کہا کہ یہ رقم آپ کی ہے یا مسجد کی۔ امام صاحب نے رقم لے کر خرچ کر دیا اور انہیں کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ یہ رقم مسجد کی ہے، جس کی وجہ سے کچھ محلہ والوں نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا، اب امام صاحب یہ کہتے ہیں کہ حاشا وکلا مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ رقم مسجد کی ہے یا میری۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ رقم مسجد کی ہے، اب میں اہل محلہ سے معافی چاہتا ہوں کہ خدا کے واسطے میری غلطی کو معاف کر دیں اور میں اس رقم کو اپنی ذاتی کمائی سے ادا کروں گا اور امام صاحب اہل محلہ سے کہتے ہیں کہ میری غلطی ہوئی خدا اور خدا کے رسول کے واسطے مجھے معاف کر دیا جائے۔ اب امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ امام مسجد علی احمد صاحب، محلہ نواب پورہ مسجد حاجی نیک، ۲۱؍جنوری ۱۹۶۳ء

الجواب: اگر فی الواقع امام مسجد نے لاعلمی میں مسجد کی رقم خرچ کر دی تھی اور علم میں آنے کے بعد وہ اس کے ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور اپنی لاعلمی کی غلطی پر معافی چاہتا ہے، تو اس کو معافی دیدی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ امام کو رقم دینے والے سے پوچھ کر خرچ کرنا تھا اور رقم دینے والے کو بھی بتانا تھا کہ یہ رقم مسجد کی ہے امام جب اپنی اس غلطی کی معافی چاہتا ہے تو اسے معاف کر دینا چاہیے، امام مذکور کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسے امام کے بارے میں، جس میں مندرجہ ذیل باتیں پائی جاتی ہیں؟

(۱): امام موصوف نے صبح کی جماعت بغیر سنت پڑھے پڑھایا۔ مقتدی کے اعتراض کرنے پر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے دو بجے تہجد کے بعد صبح کی سنت پڑھی ہے اور یہ ہمارا معمول ہے۔ تہجد کے وقت صبح کی سنت پڑھنا کہاں تک درست ہے؟ از روئے شرع مطلع فرمائیں۔ (۲): امام موصوف ہر معمولی بات پر قرآن پاک اٹھا کر قسم کھایا کرتے ہیں؟ (۳): وضو کرنے میں صرف فرائض ادا کرتے ہیں؟ **بینوا توجروا**

مسئولہ عطا محمد، مسجد کمیٹی ٹیٹا گڑھ، اے پی بی روڈ، ۲۴؍پرگنہ، ۳۰؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۳ھ، دوشنبہ

الجواب: (۱): تہجد کے وقت صبح صادق ہونے سے پہلے جو سنت فجر پڑھے گا، وہ سنت فجر صحیح نہ ہوگی، چونکہ سنت فجر کو فجر کے وقت ہی میں پڑھنا صحیح ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): بات بات پر قرآن کریم کو لے کر قسم کھانا نہایت برا طریقہ ہے، امام کو اس سے احتراز واجتناب لازم ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳): وضو کے صرف فرائض ادا کرنا اور سنتوں کو چھوڑنا غلط طریقہ ہے۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو چھوڑنے والے کے بارے میں یہ وعید حدیث شریف میں آئی ہے۔ **من ترک سنتی لم ینل شفاعتی** (کہ جو میری سنت چھوڑے گا، وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا)۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک حافظ صاحب نے کسی بستی میں امامت کی۔ عرصہ چار سال تک وہاں پر امام مقیم رہے، کسی خاص وجہ کی بناء پر بستی والے حضرات میں آپس میں نا اتفاقی ہو کر دو پارٹی قائم ہو گئیں، جس پارٹی سے امام صاحب کا تعلق تھا، دوسری خلاف پارٹی والوں نے امام صاحب پر آپس کی نا اتفاقی کی بناء پر زنا کا الزام رکھ کے نکال دیا۔ نیز امام صاحب نے روبرو معزز حضرات کے کہا کہ یہ گناہ میں نے کیا نہ کیا، مگر میں اللہ کو اور اس کے رسول کو حاضر وناظر جان کر یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا فعل مجھ سے نہ ہوگا۔ اس واقعہ کو عرصہ دس سال کا ہو چکا ہے۔ امام مذکور برابر جگہ بجگہ امامت کرتے چلے آرہے ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لہو ولعب سے گریز کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ کے علاوہ آج تک کوئی اس قسم کی افواہ امام صاحب کے متعلق ظہور میں نہیں آئی۔ مگر مذکورہ بالا واقعہ کی بنا پر زید یہ کہتا ہے کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ چنانچہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام مذکور کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ شریعت مطہرہ کے پابند ہیں۔ بحوالہ کتب جلد از جلد جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں، تاکہ یہ فتنہ دور ہو جائے؟

مسئولہ حاجی ننھے، کاشی پور، محلہ مہیش پور، ضلع نینی تال، ۱۶؍جنوری ۱۹۶۴ء پنجشنبہ

الجواب: جب حافظ صاحب نے کردہ اور ناکردہ معصیت وگناہ سے توبہ کرلی اور توبہ کے بعد سے اب تک ان سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہ ہوا ہو تو ان حافظ صاحب کے پیچھے بغیر کراہت کے نماز صحیح اور درست ہوگی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں وہ غلطی پر ہے۔ قال النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ. گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۷۸ میں ہے۔

فکل من کان اکمل، فھوافضل لان المقصود کثرۃ الجماعۃ ورغبۃ الناس فیہ اکثر کذافی التبیین. جو شخص اکمل ہے، وہی افضل ہے، کیوں کہ مقصد کثرت جماعت ہے اور لوگوں کا اس طرف کثرت سے مائل ہونا ہے۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۱۹۷: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید از روئے خاندان ملک گھرانا سے تعلق رکھتا ہے اور بکر کا کہنا ہے کہ ملک گھرانا ناخاندان اور رذیل قوم ہے، گو متقی کیوں نہ ہو۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ اب اس پر اختلاف بین المسلمین ہو گیا ہے، کیا ملک گھرانا والا شخص امامت کے لائق نہیں ہے؟

(۲): شیخ، سید اور مغل اور پٹھان ان القاب کی اصلیت کیا ہے؟

مسئولہ عبدالغفور

الجواب: شرعاً مسئلہ کفائت میں رذالت ودنائت اور شرافت وعلوضرور معتبر ہے، جس کا تعلق محض نکاح سے ہے۔ باقی امور میں بحکم رب العالمین، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ہروہ شخص شرافت وکرامت والا ہے، جو دین دار، صالح، متقی پرہیز گار ہو۔ لہٰذا مسئلہ امامت میں بکر کا یہ کہنا کہ ملک کے پیچھے نماز درست نہیں ہوگی، ملک رذیل قوم ہے، مطلقاً قابل اعتبار نہیں۔ جو ملک صالح، متقی، دین دار، پرہیز گار اور مسائل نماز کا واقف کار ہو، اس کی امامت میں کوئی نقصان اور حرج نہیں۔ بلاشبہ اس کی امامت صحیح ودرست اور جائز وروا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

(۲): سید وہ حضرات ہیں، جو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد میں داخل ہوں۔ چونکہ ان کی والدہ سیدۃ نساء اھل الجنۃ ہیں، اور یہ دونوں سید اشباب اھل الجنۃ ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دوسری بیویوں سے جو اولاد پیدا ہوئی، وہ سید نہیں، علوی ہیں۔ شیخ یہ ایسا لفظ ہے، جس میں بڑی کھپت ہے۔ اس میں تمام برادری کے افراد بآسانی داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کی اولاد شیخ صدیقی کہلاتی ہے اور حضرت فاروق اعظم کی اولاد شیخ فاروقی کہلاتی ہے اور حضرت عثمان غنی کی اولاد شیخ عثمانی کہلاتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی کثیر برادریاں شیخ میں سما جاتی ہیں، مغل اور پٹھان یہ قومیں ترک اور افغانستان سے منسلک ہیں۔ اس سے زیادہ بتانے سے میں قاصر ہوں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

مسئلہ ۱۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں پیش امام کی تنخواہ نہیں ہے۔ اس کی گذر اوقات کے لیے زکوٰۃ، فطرہ وچرم قربانی وغیرہ دے کر سال بھر پورا کیا جاتا ہے۔ آیا صدقہ فطر، زکوٰۃ، چرم قربانی لینے والے پیش امام کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ پیش امام کا کہنا ہے کہ تم میری تنخواہ ماہوار یا سالانہ کچھ بھی مقرر کر دو تو میں مذکورہ بالا چیزوں کو استعمال نہیں کروں گا۔ اگر میری تنخواہ مقرر نہ کروگے تو میں مجبوراً ان چیزوں کو لے کر اپنا خرچ پورا کروں گا، اور تمھاری نمازیں عند اللہ صحیح ہوں گی۔ کیا امام صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے، از روئے شرع جواب دیں؟

مسئولہ محمد شفیع ولد کریم بخش، تھانہ چھوٹا پورہ، مقام ڈیسہ، بناس کانٹھا

الجواب: اگر امام مذکور محتاج، مسکین اور ضرورت مند ہو تو اس کو صدقہ فطر اور زکوٰۃ کی رقم کا دینا درست ہے، بشرطیکہ فطرہ اور زکوٰۃ کی رقمیں بطور معاوضہ واجرت نہ دی جاتی ہوں اور امام مذکور سید یا ہاشمی نہ ہو، اور چرم قربانی کی رقم سے بہرصورت ہر امام کی امداد کی جا سکتی ہے، مگر اولیٰ یہ ہے کہ چرم قربانی کی رقم کسی ضرورت مند اور مستحق کو دی جائے۔ اگر امام مذکور ہی مستحق اور ضرورت مند ہو تو اس کو دینا افضل ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

مسئلہ ۱۹۹: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا کتنا بڑا مرتبہ ہے؟ (۲): مقررہ امام مسجد کو جو کچھ ماہانہ دیا جاتا ہے، وہ کس نیت سے دینا چاہیے؟ (۳): مقررہ امام کو بعض مقتدی خواہ وہ مقتدی متولی مسجد ہو ذلیل جانتے ہیں اور نوکر سمجھ کر مسجد کے دیگر کاموں کا امام کو حکم دیتے ہیں۔ مثلاً سقایہ میں پانی بھرنا، آگ جلانا، جھاڑو لگانا، غسل خانہ کی نجاست ونالیاں صاف کرنا۔ اگر ان میں سے کسی بھی کام میں کمی ہو جائے، تو دیگر مقتدیوں کے سامنے بداخلاقی سے

پیش آتے ہیں۔ کیا ایسے مقتدیوں کی نماز اس امام کے پیچھے درست ہوسکتی ہے، اور کیا شریعت میں امام کو ان کاموں کا انجام دینا فرض ہے؟ (۴): امام مسجد ان مندرجہ بالا کاموں کو صرف ثواب کی نیت سے انجام دیتا ہے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا یا نہیں؟ جواب سے مطلع کیا جائے؟

۲۵/ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ

الجواب: (۱): کتب احادیث میں مرتبہ امامت کے فضائل ومناقب بے شمار مذکور ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین نے مواظبت اور ہمیشگی فرمائی۔

مختصر یہ کہ امام کی عظمت کا ظہور اس سے ہوتا ہے کہ مؤذن جس کا مرتبہ امام کے مرتبہ سے کم ہے، اس کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مؤذن کی گردنیں قیامت کے روز لمبی اور بلند وبالا ہوں گی، تو ظاہر ہے کہ امام کا کتنا اونچا اور بلند مقام ہوگا۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۷۱ میں ہے۔

> قدمنا شيئا يدل على فضل الاذان، وعندنا، هي، اى الامامة، افضل من الاذان. ہم نے کچھ شواہد پیش کیے جو اذان کی فضیلت پر دلالت کر رہے ہیں اور ہمارے نزدیک امامت اذان سے افضل ہے۔

طحطاوی میں ہے۔

> منه ان المؤذنين اطول الناس اعناقا يوم القيامة. اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت کے دن لمبی ہوں گی۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۲): قول مفتیٰ بہ پر امام کو اس کی امامت کی اجرت کی نیت سے تنخواہ دینا جائز وصحیح ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ امام کو بطور نذرانہ دیا جائے۔ ردالمحتار مصری جلد اوّل ص ۴۱۵ میں ہے۔

> ان المفتىٰ به مذهب المتاخرين من جواز الاستيجار على تعليم القرآن، والامامة، والاذان، للضرورة، (متاخرین علماء کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم قرآن، امامت اور اذان کے لیے اجرت لے سکتے ہیں۔ ضرورۃً اسی پر فتویٰ ہے)۔ والله تعالىٰ اعلم

(۳): امام کو نوکر اور ذلیل سمجھنا اور بنظر حقارت اس سے امور مسجد آگ جلانے، جھاڑو لگانے اور غسل خانے کی نجاست اور نالیوں کو صاف کرنے کا حکم دینا انتہائی قبیح ومذموم اور غایت ذلت وحرماں نصیبی ہے کہ امامت کی بنیاد ہی تعظیم وتکریم پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاسق کی امامت کو فقہائے اعلام نے مکروہ تحریمی بتایا کہ اس میں اس کی تعظیم ہوگی اور فاسق واجب التوہین ہے۔ شرعاً ان امور کا انجام دینا فرائض میں سے ہرگز نہیں جو مقتدی یا متولی امام سے اس قسم کی خدمت متحکمانہ طور پر لینا چاہتا ہے، وہ امام کی توہین واہانت کا مجرم ہے، اس کو اس فعل قبیح سے توبہ کرنی چاہیے، لیکن ایسے مجرم مقتدیوں کی نماز امام مذکور کے پیچھے جائز وصحیح ہے۔ والله تعالىٰ اعلم.

مسئلہ ۲۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب تکبیر کے بعد مصلیٰ پر کھڑے ہو کر نیت کر کے تکبیر کہنے والے ہی تھے کہ ایک صاحب نے ہاتھ پکڑ کر امام صاحب کو مصلیٰ سے ہٹا دیا۔ لہٰذا اس صاحب کے بارے میں

شرعی حکم کیا ہے؟

مسئولہ حافظ محمد حسین صاحب، محلہ کچا باغ، مرادآباد، ۱۴ رصفر ۱۳۸۴ھ پنجشنبہ

الجواب: ہر مسلمان جانتا ہے کہ امام سارے مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہوتا ہے۔ جب امام کی نماز صحیح ہوگی تو مقتدیوں کی بھی نماز صحیح ہوگی اور امام کی نماز درست نہ ہوگی تو مقتدیوں کی بھی درست نہ ہوگی۔ امام کا مقام شرعاً اتنا بلند اور اونچا ہے اور اس کی تعظیم شرعاً اتنی مطلوب ہے کہ کسی مقتدی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نماز کا وقت معین ہوجانے پر امام سے امامت کا تقاضا کرے اور یہ کہے کہ وقت ہوگیا ہے امام صاحب نماز پڑھایئے۔ ظاہر ہے کہ امام کو مصلّٰی پر سے ہٹادینے میں امام کی توہین ہوتی ہے، لہٰذا جو امام واجب التعظیم ہو، اس کی توہین کرنا یقیناً بلاشبہ حرام و گناہ ہے۔ جس شخص نے بھی امام کو مصلّٰی پر سے ہٹادیا، وہ حرام کار اور گنہ گار ہوا۔ اس کو اس گناہ سے توبہ کرنی چاہیے۔ یہ حکم مذکور اس صورت میں ہے، جب کہ امام فاسق وفاجر نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی امام فاسق وفاجر ہو تو اس کو مصلّٰی پر سے ہاتھ پکڑ کر ہٹادینے والا گنہ گار نہ ہوگا، چونکہ فاسق کی توہین واجب ہے۔ ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۱۳ میں ہے۔

> **واماالفاسق فقد عللوا کراھة تقدیمه بانه لایھتم بامر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیھم اھانته شرعا،** (فاسق کو آگے بڑھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ دین کے معاملات کا اہتمام نہیں کرتا۔ نیز یہ کہ امامت کے لیے اس کے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے، حالانکہ اس کی اہانت شرعیہ واجب ہے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۱۱۷ میں ہے۔

> **لاینبغی لاحدان یقول لمن فوقه فی العلم والجاہ حان وقت الصلوٰۃ سوی المؤذن لانه استفضال لنفسه،** کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سے علم اور مرتبہ میں اوپر والے سے یہ کہے کہ نماز کا وقت آگیا، سوائے مؤذن کے۔ کیونکہ اس صورت میں گویا اپنی برتری جتاتا ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱: ہمارے گاؤں میں دو نیم حافظ ہیں اور دو منشی جو صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ اور نماز پڑھا سکتے ہیں۔ لیکن کچھ آدمیوں نے باہر سے ایک عالم کو تنخواہ دے کر نماز پڑھانے کے لیے مقرر کیا ہے، ہم لوگ اس عالم کے پیچھے نماز پڑھیں یا اپنی جماعت کے منشی وحافظ کے پیچھے؟ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ مدرسہ انوار الاسلام، اسلامپور، ضلع مغربی دیناجپور، ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ

الجواب: عالم دین کی اقتدا میں جو نماز پڑھی جائے سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نماز کی مقبولیت کی بشارت دی ہے، اور متاخرین فقہائے کرام کے قول پر امامت کی اجرت لینا اور دینا صحیح و درست اور جائز وروا ہے، لہٰذا دونوں نیم حافظ اور دونوں منشی کے مقابلہ میں عالم دین ہی کی اقتداء میں نماز ادا کرنا افضل واولیٰ ہے۔ **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم۔**

> **ان سرکم ان تقبل صلواتکم فلیؤمکم علماء کم فانھم وفدکم بینکم وبین ربکم۔ اگرتم**

مقبولیت نماز کی مسرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہاری امامت تمہارے علماء کو کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ حضرات تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ذریعہ واسطہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عالم ہے۔ اور وہ لفظ ظا کو زا پڑھتا ہے، اور لفظ ع کو ظاہر نہیں کرتا اور کسی کے حکم کو بھی نہیں مانتا، اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ حاجی مہدی حسن چوڑی فروش، محلہ سنبھلی گیٹ، مراد آباد، ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

الجواب: حرف ظا کو زا پڑھنا اگر قصداً ہے تو بڑی سخت غلطی اور انتہائی درجہ کی خطا ہے اور عین کو اس کے مخرج سے ادا نہ کرنا بھی مبنی برغلط ہے۔ قصداً ایسا کوئی شخص ہرگز ہرگز نہ کرے، چونکہ قصداً ایسا کرنا بعض مقام پر بلاشبہ کفر ہے اور ظا کو اس کے مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کرنے کے باوجود زا کا ادا ہو جانا اور عین کا اپنے مخرج سے ادا نہ ہونا معاف ہے۔ جو عالم اس بارے میں بیجا ضد کرے ظا کو زا قصداً پڑھے اور عین کو اس کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے۔ کوشش کرنے کے باوجود ان دونوں حرفوں کے ادا نہ ہونے کی صورت میں اس کی امامت صحیح و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۳: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ ہے، نہایت ہی ضعیف العمر کہ کسی وقت بھی اس کا سینہ سیدھا نہیں ہوتا۔ عمرو طالب علم یہ دونوں ایک ہی مسجد میں رہتے ہیں تو عمرو کے ہوتے ہوئے زید کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ (۲): سینما دیکھنے والے کے پیچھے اور پتلون پہنے ہوئے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ عبدالرحیم، محلہ سرائے حسینی بیگم، مراد آباد

الجواب: زید ضعیف العمر اور عمرو طالب علم دونوں کے پیچھے نماز صحیح و درست ہوگی، جب کہ دونوں صالح اور متقی ہوں، اور فسق وفجور سے پاک وصاف ہوں۔ اسی طرح عمرو کی موجودگی میں زید کے پیچھے نماز صحیح و درست ہوگی۔ زید کے ضعیف العمر ہونے اور سینہ کے جھک جانے سے اس کی امامت پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ خیال کرنا کہ زید ضعیف العمر کا سینہ جھک گیا ہے، لہٰذا اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، غلط و باطل ہے۔ البتہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ زید کو اب خود ہی امامت سے ضعیف العمر ہونے کے باعث اجتناب کرنا چاہیے اور کسی مجبوری ہی کی حالت میں امامت کے لیے قدم آگے بڑھانا چاہیے اور عمرو ہی کو امامت کے لیے آگے بڑھانا افضل و بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): سینما دیکھنے والا فاسق وفاجر ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی جائیں گی، مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوں گی، لہٰذا اس کو امام نہ بنایا جائے۔ عام طریقے سے پتلون پہننے والے صحیح طور پر سجدہ اور قعدہ انجام نہیں دے سکتے، بلکہ پتلون پہننے والے کو مسنون طریقہ پر سجدہ کرنے اور قعدہ میں دقت ہوتی ہے، لہٰذا پتلون پہننے والے کو بہتر یہ ہے کہ امام نہ بنایا جائے، نیز پتلون کا پائینچہ اٹھا ہوا رکھا جاتا ہے، اس سے بھی نماز میں کراہت آتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھر میں جو بھنگن کماتی ہے، بڑی لڑکی سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، تین روز تک پڑا رہا۔ بوجہ تعفن میں نے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ جب سے محلہ کی یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے، میرے والد بزرگوار حافظ انور شاہ صاحب اپنی حیات تک نماز پڑھاتے رہے ان کے بعد میرے بڑے بھائی حافظ علی شاہ صاحب نے امامت کی اور ان کے بعد اب میں امامت کرتا ہوں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم نے چونکہ اپنے ہاتھ سے غلاظت پھینکی ہے، تمہارے پیچھے نماز درست نہیں؟

مسئولہ حافظ منور علی شاہ، محلہ بروالان، متصل کوکا شاہ مسجد، مراد آباد، ۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ

الجواب: آپ کا یہ اتفاقی فعل ایسا نہیں ہے، جس کی بنا پر یہ کہنا صحیح و درست قرار دیا جائے کہ آپ کے پیچھے نماز درست نہیں ہوگی۔ جو لوگ مخالف بن کر ایسی بات کہتے ہیں، ان کا قول مذکور شرعاً صحیح و درست نہیں ہے۔ شرعاً آپ کی امامت صحیح و درست جب کہ اور کوئی دوسری چیز ایمان و اسلام سے خارج کرنے والی آپ کے اندر نہ پائی جاتی ہو۔ اگر آپ کے اندر فسق و فجور کی کوئی چیز یا کوئی عیب جو امامت پر اثر انداز ہو، یا پائی جائے تو بعض صورت میں آپ کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی اور بعض صورت میں مکروہ تنزیہی ہوگی۔ لیکن اس فعل کی بنا پر امامت کا صحیح و درست نہ ہونا اور آپ کا قابل امامت نہ رہنا غلط و باطل ہے۔ آپ کی امامت بلاشبہ صحیح و درست ہے۔ جو لوگ مخالف ہو کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کو نادرست بتاتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو نیک توفیق دے کہ وہ مخالفت سے باز آجائیں اور آپ کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص غیر مختون ہے جو اولاً بکثرت الفت والدین اور ثانیاً زیادت عمر کے باعث اس سعادت سے محروم رہا۔ واضح رہے کہ شخص مذکور عالم دین ہے، بلکہ جید علماء میں ان کا شمار ہے۔ کیا اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ حافظ احمد رضا صاحب، محلہ مقبرہ، مراد آباد، ۶ر ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ جمعہ

الجواب: ختنہ امر مسنون اور شعار اسلام ہے، جو شخص کسی مجبوری کی بنا پر ختنہ نہ کرا سکا وہ مسلمان بھی ہے، اور عالم دین ہے تو عالم دین بھی رہے گا۔ اس کے پیچھے نماز بھی بغیر کراہت تحریمی صحیح و جائز ہوگی۔ ترک امر مسنون کی بنا پر خلاف اولیٰ سے بڑھ کر اور دوسری بات نہیں کہی جا سکتی۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۷۸ میں ہے۔

> فکل من کان اکمل، فھوافضل لان المقصود کثرۃ الجماعۃ ورغبۃ الناس فیہ اکثر کذافی التبیین. جو شخص اکمل ہے، وہی افضل ہے، کیوں کہ مقصد کثرت جماعت ہے اور لوگوں کا اس طرف کثرت سے مائل ہونا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کچھ عرصہ تک محلہ کی مسجد کا باضابطہ امام رہا اور محلہ کے مسلمان مقررہ تنخواہ دیتے رہے۔ پھر کچھ ذاتی اختلاف کی بنا پر کچھ لوگوں نے ان کو تنخواہ دینے سے انکار کر دیا۔ امام صاحب ضروریات زندگی سے مایوس ہو کر نیز مسجد کی تعمیر و ترقی کے خیال سے کئی گولکیں رکھیں، اور اس کی آمدنی کو بطور امانت اپنے

پاس محفوظ رکھا۔ امام نے سفر حج کے لئے جانے کے موقع پر چند مقامی معززین کی موجودگی میں کچھ رقم بطور قرض اس شرط پر لیا کہ جس وقت آپ لوگ میری تنخواہ ادا کردیں، اس میں سے پہلے یہ رقم کاٹ لیں۔ اس کے بعد ایک شخص جو امام کی تنخواہ ادا کرنے کا ذمہ دار بنا تھا۔ اور اس کے چند ہم خیال لوگوں نے امام سے لوگوں کی رقم کا مطالبہ کیا، اور جب امام نے کہا کہ میری تنخواہ جو واجب الادا ہے، اس کو ادا کرو تو ان لوگوں نے صاف انکار کردیا، اور کہنے لگے کہ تم ہمارے امام نہیں ہو، جنھوں نے تمھیں امام مقرر کیا ہے وہ تنخواہ دیں۔ لہٰذا جو امام اپنی پوری ذمہ داری ادا کرتا رہا ہو اور اس کا معاوضہ نہ دیا جائے تو کیا یہ جرم نہیں ہے۔ جب امام نے لوگوں کی رقم حوالہ کرنے سے انکار کردیا تو مذکورہ شخص اور اس کے ہم خیال امام کو ڈاکو بے ایمان وغیرہ کہنے لگے، لہٰذا فرمایا جائے کہ امام نے جس شرط پر رقم بطور قرض لی ہے، اور لوگوں کی رقم بھی ادا کرنے کو تیار ہے، اس شرط کو ناجائز کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ امام کو موجودہ شکل میں برا کہہ رہے ہیں، ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔

بینوا توجروا۔

مسئولہ خلیل احمد انصاری، محلہ پکھریا، پیلی بھیت، ۱۰ ستمبر ۱۹۶۵ء

الجواب: ظاہر ہے کہ گولکوں کے رکھنے کا مقصد اور اس میں امداد کرنے والوں کی نیت یہی ہے کہ اس کی آمدنی سے امام کی تنخواہ و دیگر ضروریات مسجد پوری کی جائے تو امام نے اگر اس سے بطور قرض اہل معاملہ کے علم میں لاکر جو رقم اس شرط پر لی کہ جب آپ لوگ مجھے تنخواہ دیں گے، اس وقت اتنی رقم وضع کرلیں، تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، نہ یہ خیانت و بے ایمانی ہے۔ ظاہر سوال سے یہی پتہ چلتا ہے کہ امام نے مسجد کی فلاح و بہبودگی کے لیے جو کام کیا اور جو خدمت انجام دی وہ سب صحیح و درست ہے۔ اہل معاملہ پر لازم ہے کہ وہ امام صاحب کی تنخواہ ادا کریں، اور لوگوں کی وہ رقم جو انہوں نے بطور قرض لی ہے، ان سے وصول کریں۔ لہٰذا امام صاحب کا نظریہ اور قول صحیح و درست ہے، ناجائز نہیں۔ جن لوگوں نے امام مذکور کو ڈاکو، بے ایمان اور دیگر ناشائستہ کلمات ان کی شان میں استعمال کیے وہ سب کے سب گنہ گار، خطاوار ٹھہرے۔ ان سب پر لازم ہے کہ اپنے ناگفتہ بہ کلمات سے رجوع کریں اور تائب ہوں۔ صرف ذاتی اختلاف کی بناء پر امام کو برا کہنا اور اس کو وظیفہ مقررہ سے محروم رکھنا سراسر زیادتی اور ظلم ہے۔ واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص بازار میں کپڑا بیچتا ہو اور ایسا جھوٹ بول کر بیچتا ہو کہ کپڑا اگر ایک روپیہ کا ہو اور سوا روپیہ مانگ کر ایک روپیہ کا فروخت کرتا ہو اور پھر وہ شخص امامت بھی کرتا ہو تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سوا روپیہ کہہ کر ایک روپیہ میں فروخت کرنا شرعاً جھوٹ نہیں، اس کو جھوٹ سمجھنا ہی خطا پر مبنی ہے، یا باہمی بغض و عداوت کا آئینہ دار ہے۔ لہٰذا اگر کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو تو شخص مذکور امامت کرسکتا ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، مناسب حال تنخواہ اور دس بیگھے زمین کا مالک ہے، کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہوگی اگر وہ صدقہ فطر اور چرم قربانی اور دیگر بیت المال میں اپنا حصہ لیتا پھرے؟

مسئولہ جناب محمد نورالاسلام صاحب، ملکی جامع مسجد ضلع مالدہ، ۲۶/رجب المرجب ۱۳۸۶ھ پنجشنبہ

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر زید کی مقرر تنخواہ اور زمین کی پیداوار اس کے اور اس کے نفقہ اہل وعیال کے لیے کافی نہیں ہوتی، تو وہ صدقہ فطر، چرم قربانی وغیرہ لے سکتا ہے، بشرطیکہ ہاشمی نہ ہو۔ اس سے اس کی امامت میں کوئی خرابی نہیں۔ بلاشبہ اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔ اور اگر مذکورہ بالا آمدنی اس کے نفقہ ضروریہ سے بچ کر نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو اس کا صدقہ فطر لینا حرام وگناہ اور فسق ومعصیت ہے۔ اس صورت میں زید شرعاً فاسق ٹھہرے گا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ ردالمحتار مصری جلد ثانی ص ۶۷ میں ہے۔

سئل محمد عمن له ارض یزرعها، او حانوت یستغلها، او دار غلتها ثلثة الاف، ولاتکفی لنفقته، ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکاة، وان کانت قیمتها تبلغ الوفاوعلیه الفتویٰ.

امام محمد رحمۃ اللہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ جس کے پاس زراعتی زمین ہے یا دوکان ہے۔ جس سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ مکان ہے۔ جس کی آمدنی تین ہزار سالانہ ہے۔ مگر یہ تمام آمدنیاں مل کر بھی اس کے اور اس کے اہل وعیال کے سال بھر کے نفقہ کے لیے کافی نہیں ہوتیں۔ وہ زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ اگرچہ اس کی آمدنی کی قیمت ہزاروں میں پہنچ جائے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے عین اس مسئلہ میں کہ پولنگ پر مسلمان بھی کھڑے ہیں اور کافر بھی۔ جس نے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافر کو ووٹ دیا، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ کریم بخش صاحب، موضع شاہ پور، ضلع مرادآباد، ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ چہارشنبہ

الجواب: کافر کو ووٹ دینا نہ کفر ہے نہ فسق۔ لہٰذا جس مسلمان نے کسی مسلمان امیدوار کے مقابلہ میں کافر کو ووٹ دیا، وہ نہ کافر ہوا، نہ فاسق۔ لہٰذا اس کے پیچھے بغیر کراہت نماز صحیح ودرست ہوگی۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: انگریزی بال رکھنے کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے؟ ایسے مولینا جو انگریزی بال رکھتے ہوں ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ احمد رضا خان صاحب انصاری اشرفی، محلہ کسرول، مرادآباد، ۲۶/ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

الجواب: انگریزی بال رکھنا بلاشبہ خلاف سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ بال برابر کر کے رکھے، یا پٹھے کی شکل میں رکھے۔ ظاہر ہے کہ انگریزی بال رکھنے والا فیشن پرستی کے شوق میں انگریزی بال رکھتا ہے۔ اور انگریزوں کی [illegible]ہت کا قصد نہیں کرتا، لہٰذا انگریزی بال رکھنے والا ترک سنت کا مجرم ہے۔ میری تحقیق میں اس کو فاسق قرار دینا درست نہیں، لہٰذا اس کی امامت مکروہ تحریمی نہیں قرار دی جائے، بلکہ خلاف اولیٰ قرار دی جائے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۱: زید قمیص کے گلے میں لوٹ کالر کا استعمال کرتا ہے، اور امامت بھی کرتا ہے۔ عمر نے زید سے کہا یہ کالر کا استعمال کرتا ہے، اور امامت بھی کرتا ہے۔ عمر نے زید سے کہا یہ کالر کا استعمال، انگریزی بال رکھنا، لوٹ کف۔ یہ سب

شرع میں منع ہے۔ زید کہتا ہے کہ قمیص کے گلے میں لوٹ کالر وغیرہ کا استعمال منع نہیں، لہٰذا شرعاً ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ ابراہیم عرف غالب، فیض گنج، مراد آباد

الجواب: قمیص میں لوٹ کالر لگوانا اور انگریزی بال سر پر رکھنا، یہ دونوں چیزیں خلاف سنت ہیں۔ ہر مسلمان اس سے احتراز کرے اور خلاف سنت کے ارتکاب سے بچے۔ خصوصاً امام کو اس سے بطریق اولیٰ بچنا چاہیے، جو خلاف سنت ہو وہ شرعاً منع ہے، لہٰذا عمر کا قول صحیح ہے اور زید کا قول غلط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲: ایک شخص حالت نماز میں توبہ توبہ یا شکر ہے شکر ہے، کہتا ہے اور جب ان کو منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تم جب میرے درجہ تک پہنچو گے تب معلوم ہو گا میں کہتا نہیں ہوں، بلکہ میری زبان سے خود بخود اردو کے یہ الفاظ نکل جاتے ہیں۔ ایسا شخص شرع کے نزدیک کیسا ہے۔ کیا ایسا شخص امامت کر سکتا ہے؟

مسئولہ حافظ تہور حسین صاحب، محلہ ڈیریا، مراد آباد، یکم محرم الحرام ۱۳۸۸ھ دوشنبہ

الجواب: اتباع شریعت ہر مکلف پر لازم ہے اور ہر مکلف احکام میں مساوی ہے۔ درجہ کی بات نکالنا تکبر کی جانب اشارہ کرتی ہے، اور ولایت کے دعویٰ پر مشتمل ہے۔ مجذوب کے سوا ہر قسم کے ولی پر بھی لازم ہے کہ وہ احکام شرعیہ کا اتباع کرے۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے، اور اس سے اذان بھی نہ کہلوائی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص ہندو کے ساتھ مل کر کھاتا پیتا ہو یعنی ایک ہی برتن میں کھاتا ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والے کے پیچھے نماز ہو گی یا نہیں؟

مسئولہ عبدالحکیم متعلم، جامعہ نعیمیہ، مراد آباد، ۳ ربیع الآخر ۱۳۸۸ھ یکشنبہ

الجواب: کوئی غیر مسلم ہو یا بدمذہب ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، محبت و دوستی رکھنا شرعاً منع ہے۔ کوئی مومن صالح کسی غیر مسلم یا بدمذہب کے ساتھ اس قسم کا معاملہ نہ کرے۔ حتیٰ کہ جو مومن فاجر و فاسق معلن ہو، اس کے ساتھ بھی اس قسم کا تعلق نہ رکھے، تاکہ اس کی بری صحبت کے برے اثر سے محفوظ رہے۔ نیز اگر عالم فاجر و فاسق ہو تو شرعاً اس کی توہین واجب ہے، اور مذکورہ بالا تعلق تو دوستی و محبت اور تعظیم و تکریم پر دال ہے، قال اللہ تعالیٰ، ﴿وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلاوا دے دے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) وقال عزاسمہ ﴿وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ﴾ [المائدہ: ۵۱] (تم میں جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے)۔ حدیث پاک میں ہے۔

مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیران لم یصبک من سوادہ اصابک من دخانہ.

بری صحبت کی مثال بھٹی والے کی طرح اگر تمہیں اس کی سیاہی نہیں پہنچی تو دھواں تو ضرور پہنچے گا۔

دوسری حدیث شریف میں ہے۔

ونافخ الکیراماان یحرق ثیابک، واما ان تجد منہ ریحا خبیثۃ. بھٹی کی تیز ہوا یا تو تیرے

کپڑے کو جلا ڈالے گی یا تجھے اس سے گندی مہک ملے گی۔

تیسری حدیث شریف میں ہے۔

اياک وقرين السوء فانک به تعرف. خبردار برے ساتھی کے قریب نہ جانا ورنہ اسی سے تیری پہچان ہوگی۔

چوتھی حدیث پاک میں ہے۔

لاتجالسوهم، ولاتشاربوهم، ولاتوأكلوهم، ولاتناكحوهم۔ نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ، پیو، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کا رشتہ کرو۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

الفاسق العالم تجب اهانته ... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۶۹... میں دیکھیں)۔

شرح مقاصد میں ہے۔

حكم المبتدع البغض، والعداوة، والاعراض عنه، والاهانة والطعن واللعن. بدعتی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس سے بغض وعداوت رکھا جائے، اس سے اعراض کیا جائے اور اس کی اہانت اور لعن طعن سب جائز ہے۔

لہٰذا شخص مذکور کے پیچھے نماز بکراہت تحریمی ادا ہوگی، جس کا لوٹانا واجب ہوگا۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۲۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان وشرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کے عقد کا اقرار چند معزز اشخاص کے روبرو ان لفظوں سے کیا ''کہ میں اپنی لڑکی بکر کے لڑکے کے ساتھ کر چکا، عقد کی تاریخ بعد عیدالاضحیٰ کے مقرر ہوگی۔ جب میرا لڑکا عیدالاضحیٰ کی چھٹی میں آجائے گا اور میں مشورہ لے کر بکر کو عقد کی تاریخ بتادوں گا''، بعد عیدالاضحیٰ بکر زید سے عقد کی تاریخ معلوم کرنے پہونچا، تو زید نے بکر سے صاف لفظوں میں یہ انکار کیا کہ میں اب اپنی لڑکی کا عقد آپ کے لڑکے سے نہیں کروں گا۔ ہر طرح سے اس کا سبب معلوم کیا۔ سبب کچھ نہیں۔ لڑکی والی انکار کرتی ہے۔ جب کہ زید مسجد میں پیش امام ہے اور مدرسہ میں بھی معلم ہے، ایسی حالت میں شریعت امامت کے لیے یا اور کیا دیگر حکم کرتی ہے؟

مسئولہ منشی عبداللطیف، ۲۴ ر اگست ۱۹۶۹ء

الجواب: زید کا یہ جملہ اقرار شرعی نہیں ہے، بلکہ کسی معاملہ کی پختگی کا اظہار کرنے کے لیے اس قسم کا جملہ بولا جاتا ہے کہ زبان دیدی تو بات پختہ ہوگئی۔ درحقیقت یہ وعدہ ہے۔ زید کا یہ جملہ کہ ''عقد کی تاریخ بعد عیدالضحیٰ مقرر ہوگی'' اسی پر دال ہے۔ زید پر وعدہ کی خلاف ورزی کا الزام قائم ہوتا ہے، جو یقیناً مکروہ وناپسندیدہ امر ہے۔ وعدہ کو پورا کرنا شان ایمان ہے اور وعدہ کو پورا نہ کرنا شان نفاق۔ زید کا یہ عمل مذموم وقبیح ہے، لیکن گناہ کبیرہ نہیں ہے، جس کے باعث اسے امامت کی اہلیت سے خارج کردیا جائے۔ وعدہ کی خلاف ورزی سے انسان کے قول وقرار کا اعتبار باقی نہیں رہتا۔ اشباہ

وقنیہ میں ہے۔

وعدہ ان یاتیہ فلم یأته لایاثم و لایلزم الوعد الا اذا کان معلقا. کسی سے وعدہ کیا کہ آؤں گا مگر نہیں آیا، گناہ گار نہیں ہوگا، نہ اس پر اس وعدہ کو پورا کرنا شرعاً لازم ہے۔ مگر یہ کہ وہ وعدہ معلق ہو۔

فتاویٰ عالمگیری میں ظہیریہ اور خانیہ سے ہے۔

ان انجز وعده کان حسنا و الافلایلزمه الوفاء بالمواعید. اگر اپنے وعدہ کو پورا کردیا تو کیا کہنا، ورنہ اس پر اس طرح کے وعدوں کا پورا کرنا لازم نہیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے گاؤں سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر بکر سے کردی۔ لڑکی مذکور دو سال اپنے شوہر کے یہاں رہی۔ اس کے بعد وہ کسی مصلحت سے اپنے باپ کے یہاں چلی آئی۔ دو ایک مہینہ بعد جب بکر اپنی بیوی کو اس کے باپ کے گھر سے لینے کو آیا تو لڑکی نے جانے سے انکار کردیا کہ میں تیرے یہاں نہیں رہوں گی۔ بعد دو سال کے وہ اپنی شادی دوسری جگہ عمر سے کرتی ہے۔ نکاح پڑھانے کے واسطے جب قاضی جی کو بلایا گیا تو انہوں انکار کردیا کہ یہ آزاد نہیں ہوئی ہے۔ جب دو آدمیوں ذی ہوش نے شہادت دی کہ یہ ہمارے سامنے آزاد کی گئی تو قاضی صاحب نکاح پڑھانے کے واسطے جاتے ہیں اور چند آدمیوں کے سامنے باقاعدہ نکاح پڑھا دیا گیا۔ بعد میں جب تصدیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ آزاد نہیں کی گئی۔ اب معلوم طلب یہ امر ہے کہ قاضی صاحب موصوف کے ذمہ کیا جرم عائد ہوتا ہے یا جرم سے بری ہیں۔ قاضی موصوف مسجد کے امام بھی ہیں۔ کچھ آدمی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ کیا ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ انوار الحق، ضلع مراد آباد، ۱۸؍رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ پنجشنبہ

الجواب: نکاح خواں صاحب محتاط و متقی معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ قاضی صاحب کا پہلے نکاح پڑھانے سے انکار کرنا کھلی دلیل ہے کہ وہ ناجائز پڑھانے سے باز رہے۔ لیکن جب دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ عورت ہمارے سامنے آزاد کی گئی۔ ان سے شہادت کے بعد قاضی نے نکاح پڑھایا تو قاضی صاحب شرعاً مجرم نہیں ہیں، ان کی امامت صحیح و درست اور بغیر کراہت جائز ہے۔ جو ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے وہ غلطی پر ہیں۔ اس نکاح کا سارا وبال وعذاب اور جرم شرعی ان دو گواہوں پر اور عورت پر ہے۔ یہ سب کے سب فاسق فاجر اور گنہ گار اور مستحق عذاب روز شمار ہیں۔ تحقیق کے بعد موجودہ شوہر اور اس عورت پر لازم ہے کہ فوراً بلا تاخیر دونوں علٰحدہ ہوجائیں اور یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے پاس جا کر رہے، ورنہ یہ سب کل بروز قیامت عذاب نار میں مبتلا ہوں گے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسجد کے امام صاحب وقت امامت اپنے لباس میں پائجامہ کرتا، شیروانی کے اوپر ایک عبا پہنتے ہیں۔ اس عبا میں گوٹا لگ رہا ہے، یعنی گلے میں گوٹے کا ہار بن رہا ہے۔ دامن و آستین میں گوٹے کی بیل لگ رہی ہے۔ دونوں کاندھوں پر گوٹے کا ایک ایک پھول لگ رہا ہے۔ اس قسم کا عبا پہن کر نماز پڑھاتے ہیں۔ آیا یہ عبا پہن کر نماز میں کسی قسم کی کوئی کراہت یا ناجائز یا مکروہ ہے؟ شرع کی روشنی میں جواب سے

مستفیض فرمائیں؟

مسئولہ صابر سین، موضع فتح پور، مرادآباد، ۱۹/ دسمبر ۱۹۷۰ء

الجواب: گوٹے کا ہار ہو یا بیل بوٹے یا پھول اگر اس کی چوڑائی چار انگل سے زائد ہو تو ایسے لباس کا پہننا مکروہ تحریمی، اس کو پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا مکروہ اور اگر چار انگل کے برابر یا اس سے کم ہو تو جائز اور امامت و نماز بلا کراہت درست ہے۔ لہٰذا پہلی صورت میں امام صاحب کی امامت مکروہ ہوگی اور دوسری میں بغیر کراہت جائز۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسجد میں رہتا ہے اور امام ہے، سردی کا موسم ہے۔ سقایہ میں جو لکڑی جلتی ہے، اس کا کوئلہ لے جاتے ہیں، کیا زید اس کوئلہ کو جو دہک رہا ہے اپنے خرچ میں لا سکتا ہے؟

مسئولہ عبدالمجید عفی عنہ، ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۰ء

الجواب: سقایہ میں جو لکڑی جلتی ہے اگر وہ مسجد کے وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہے تو واقف کی اجازت وتصریح کے بغیر اس لکڑی کے کوئلہ کو امام یا اہل محلہ میں سے کوئی شخص اپنے کام میں نہ لائے۔ اور اگر وہ لکڑی چندہ کی آمدنی سے خریدی گئی ہے، تو بھی چندہ دینے والوں کی اجازت کے بغیر امام یا محلّہ کا کوئی شخص اپنے خرچ میں نہ لائے۔ واقف نے زبانی یا تحریری اجازت دیدی ہو، یا چندہ دینے والوں نے اجازت دیدی ہو کہ امام صاحب سقایہ میں جلنے والی لکڑی کا جلتا ہوا کوئلہ اپنے خرچ میں لا سکتے ہیں، تو امام صاحب اپنے خرچ میں یہ کوئلہ لا سکتے ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ دراز سے مسجد کا امام ہے۔ عمر بھی تقریباً ساٹھ سال سے زائد ہوگی۔ کچھ عرصہ ہوگیا، اپنی اہلیہ کو کسی بنا پر طلاق دیدی۔ شادی شدہ لڑکوں نے کہا ”ہم اپنی ماں کو جدا نہ کریں گے۔ ہماری ماں ہمارے پاس رہے گی“۔ چنانچہ وہیں رہتی ہے، امام صاحب بھی اپنے بیٹوں کے یہاں جاتے آتے کھانا کھاتے ہیں۔ بعض معتبر شہادتوں سے معلوم ہوا کہ یہ مطلقہ عورت سے بات چیت بھی کرتے ہیں۔ کیا ازروئے شرع کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ مطلقہ عورت سے بے پردہ بات چیت کی جا سکے اور بلا کراہت نماز اس کے پیچھے جائز ہو۔ کچھ لوگوں نے اس بنا پر نماز پڑھنا چھوڑ دی اور دوسری مسجد میں جانے لگے؟ **بینوا توجروا.**

مسئولہ سید منظور علی نقوی، بہیڑی محلّہ شیخوپور، ضلع بریلی، ۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ جمعہ

الجواب: بظاہر میں سوال سے یہی سمجھ پایا ہوں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی ہے۔ جس عورت کو مغلظہ طلاق دی گئی ہو، اس پر لازم ہے کہ اپنے طلاق دینے والے شوہر سے صحیح طور پر پردہ کرے اور بات چیت نہ کرے، مطلقاً ربط وضبط نہ رکھے۔ اور شوہر پر بھی یہی لازم۔ چونکہ طلاق مغلظہ دینے کے بعد مطلقہ عورت اور اس کے شوہر کے درمیان اجنبیت ہو جاتی ہے، جب میاں، بیوی عرصہ دراز تک بے تکلفی کی زندگی گذار لیتے ہیں، پھر جدائی اور تفریق کے بعد بے پردہ بات چیت کرنے کی صورت میں حرام وگناہ میں مبتلا ہونے کا شدید ترین خطرہ واندیشہ ہے، لہٰذا دونوں اپنے اس عمل سے تائب ہو کر دائرہ شرع کے اندر رہیں۔ بعد توبہ زید نماز بغیر کراہت ان کی اقتداء میں صحیح ہوگی، ورنہ بکراہت۔ **واللہ تعالیٰ**

اعلم۔

مسئلہ ۲۱۹: (۱): بغیر طلاق کے کسی لڑکی نے دوسرا نکاح کیا اور اس کا فتویٰ یہ ملا کہ قاضی صاحب اور وکیل وگواہ ان سبھوں کا نکاح ٹوٹ گیا، جس میں کہ ان لوگوں کا دوبارہ نکاح پڑھایا گیا، بعد میں اس لڑکی سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا عقیقہ ہوا اس کا چمڑا مولوی صاحب نے لیا تو کیا ایسے مولوی صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲): کوئی شخص اگر چہلم کا چالیس دن پڑھے اور بعد میں روپیہ معاوضہ اور جو کچھ دیا جاتا ہے، مولوی صاحب لے تو کیا ایسے مولوی صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۳): اگر کوئی مولوی صاحب وعدہ خلافی کرے تو ایسے مولوی صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ شیخ عبدالمقیم، شنکر پور بازار، پوسٹ بھدرک ضلع بالیسر اڑیسہ، ۲۴ر جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ

الجواب: (۱): جس نکاح حرام وناجائز سے عورت کو لڑکا پیدا ہوا اس لڑکے کے عقیقہ میں جو جانور ذبح کیا گیا اس کی کھال لینا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے، جس کی بنا پر کھال لینے والے مولوی صاحب کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے یا ناجائز ہونے کا حکم دیا جاسکے۔ عقیقہ کی کھال کا صدقہ نافلہ ہونے کی وجہ سے امیر ونادار سب کا لے کر اپنے مصرف میں لانا صحیح و جائز ہے۔ یہ فسق اور گناہ کبیرہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو غریب ونادار کو دیا جائے۔ لیکن مولوی صاحب کا یہ عمل تقویٰ کے خلاف ضرور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲): قرآن کریم کے پڑھنے کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے نہ کوئی اس موقعہ پر بطور معاوضہ کچھ دیا کرتا ہے، بلکہ بطور اعانت وخدمت بغیر معاوضہ طے کیے پڑھنے والے کو میت کے وارث وولی کچھ رقم دیا کرتے ہیں۔ ایسی رقم کے لینے میں کوئی حرج وقباحت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی رقم کے لینے والے مولوی صاحب کے پیچھے نماز بغیر کراہت صحیح وجائز ہوگی۔ لیکن اگر کوئی مولوی صاحب قرآن کریم پڑھنے کا معاوضہ طے کر کے لیتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ ردالمحتار جلد اوّل ص۴۵۲ میں ہے۔

> وان القرأة لشئ من الدنیا لاتجوز، وان الآخذ، والمعطی آثمان، لان ذالک یشبه الاستیجار علی القرأة ونفس الاستیجار علیها لایجوزفکذاما اشبهه، کماصرح بذالک فی عدة کتب من مشاهیرکتب المذهب وانما افتی المتاخرون بجوازالاستیجار علی تعلیم القرآن لاعلی التلاوة. کسی دنیاوی چیز کے عوض تلاوت قرآن جائز نہیں۔ لینے اور دینے والے دونوں گناہگار ہوں گے، کیونکہ ایسا کرنا تلاوت قرآن پر اجرت حاصل کرنے کی طرح ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں۔ جب نفس استیجار علی القراءۃ جائز نہیں تو جو اس کے مشابہ ہے، وہ بھی جائز نہیں ہوگا۔ اس کی تصریح مذہب کی متعدد مشہور کتابوں میں موجود ہے۔ متاخرین علماء نے تعلیم قرآن پر اجرت مقرر کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، نہ کہ تلاوت قرآن پر اجرت مقرر کرنے کے جواز کا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳): حدیث میں مردمومن کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ اذا وعد وفی اور منافق کی صفت ونشانی یہ بتائی گئی ہے،

اذاو عدا خلف، لہٰذا وعدہ خلافی کرنے والے مولوی صاحب میں نفاق عمل پایا گیا، اس لیے ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): ایک مسجد کے امام صاحب اکثر چشمہ لگاتے ہیں۔ خاص کر نماز جمعہ میں نماز پڑھاتے وقت بھی چشمہ لگاتے ہیں۔ ایک شخص نے امام صاحب پر اعتراض کیا اور کہا کہ چشمہ نماز پڑھاتے وقت لگانا جائز نہیں ہے۔ کیا یہ اعتراض صحیح ہے؟ چشمہ لگانا مکروہ یا ناجائز ہے، یا جائز؟

(۲): امام صاحب اس وقت جب کہ مکبر تکبیر پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے اور صفیں سیدھی ہو رہی ہو، اس وقت امام صاحب نے قوم کی طرف منہ کر کے قوم سے کہیں ایسے فعل سے جو مفسد نماز ہوتا ہو، مثلاً کہا کہ جن لوگوں کے گلے کا بٹن کھل گیا ہو وہ بٹن لگالیں، دونوں یا ایک کاندھے پر رومال لٹک رہا ہو تو رومال اتار کر نیچے رکھدیں۔ اس قسم کا کوئی جملہ اس وقت امام صاحب کا استعمال کرنا، جب کہ ضرورت ہو کیسا ہے؟

(۳): زید کہتا ہے کہ امام قریشی ہونا چاہیے۔ قریشی کے سوا اور کی امامت جائز نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ شرع شریف کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

مسئولہ حکیم چھٹن، بموضع فتح پور، مراد آباد

الجواب: (۱): امام ہو یا مقتدی سب کے لیے نماز کی حالت میں چشمہ لگانا بغیر کراہت وممانعت صحیح وجائز ہے۔ معترض کا اعتراض محض غلط وباطل ہے۔ ہاں اگر چشمہ لگانے سے سجدہ میں ناک اور پیشانی کا جائے سجود سے مس ہونے میں مسنون طریقہ پر دشواری ہو تو بہتر یہ ہے کہ چشمہ اتار لے۔ نیز چشمہ کا فریم اگر سونے چاندی کا ہو تو ایسے چشمہ کا لگانا ہی جائز نہیں، اور اگر چشمہ کا فریم تانبے، پیتل یا رول گولڈ اور کسی دھات کا ہو تو بہتر ہے کہ چشمہ اتار کر نماز پڑھے۔ آج کل عام طریقے پر چشمہ کا فریم مصالحہ کا ہوتا ہے، اس میں مطلقاً کوئی کراہت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): امام کا صفوں کو سیدھا کرنے کے بعد مقتدیوں کے خلاف شرع کام یا کوئی حرکت دیکھنے پر صحیح حکم بتا کر رہنمائی اور نصیحت کرنا بلاشبہ صحیح وجائز ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مشتمل ہونے کے باعث ثواب کا کام ہے۔ سائل نے اس سوال میں گلے کے بٹن کے کھلے رہنے کو اور رومال کے سر پر یا گلے میں لٹکانے کو مفسد صلاۃ لکھ دیا ہے، یہ غلط ہے۔ گلے کا بٹن کھلا رکھنا مکروہ تنزیہی اور رومال کا لٹکانا مکروہ تحریمی ہے، مفسد نماز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): نماز پنجگانہ یا نماز عیدین اور نماز جنازہ اور کسی نماز میں امام کا قریشی ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ امامت کبریٰ یعنی امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کے لیے قریشی ہونا شرط ہے، لہٰذا زید کا قول غلط وباطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱): روزانہ بعد نماز عشا باآواز بلند نعت شریف اور صلوٰۃ وسلام اس وقت پڑھا جاتا ہے جب کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اسی وجہ سے نمازی بھی مسجد میں کم ہو گئے ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ لوگ امام مسجد کو بھی نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں؟

(۲): امام جو خوش آواز ہیں ان کے لیے یہ درست ہے کہ وہ زیادہ تر وقت نعت گوئی میں بلند آواز سے بلاوجہ صرف کرتے ہیں، جب کہ لوگوں کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے؟ **(۳):** امام مسجد کو کالردار قمیص پہننا کیسا ہے، اور ہر وقت رنگ برنگ کے کپڑوں میں ملبوس رہنا کیسا ہے؟

موضع بیر پور پتریا، ڈاکخانہ گنورہ، ضلع مرادآباد، ۲۶؍شعبان ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: (۱): نعت شریف وسلام پڑھنا اور ورد درود شریف کرنا یہ امور بھی عبادت ہیں، ان کو بھی روکنا جائز نہیں اور نماز بھی عبادت ہے، اس کو منع کرنا درست نہیں۔ لہٰذا مناسب طریقہ یہ ہے کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہولیں تو نعت شریف اور صلوٰۃ وسلام کا سلسلہ شروع کیا جائے تا کہ دونوں کام صحیح طریقہ پر انجام پاجائیں اور کسی کا روکنا بھی نہ ہو۔ بعد میں آ کر نماز پڑھنے والوں کا لحاظ ضروری نہیں، بلکہ جو نمازی پہلے سے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کے نماز پڑھنے کی حالت میں نعت شریف اور صلوٰۃ وسلام کو شروع نہ کیا جائے، تا کہ نمازیوں کی کمی نہ ہو، بلکہ یہ کمی دور ہو جائے۔ امام صاحب کے لیے نازیبا کلمات استعمال کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ مقتدی اور نمازی اس سے باز رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): امام مسجد اپنا زیادہ وقت نعت گوئی میں صرف کرتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سائل کا بلاوجہ لکھنا اپنی جگہ پر درست نہیں۔ اوپر لکھا گیا ہے کہ نعت خوانی عبادت ہے۔ عبادت میں وقت صرف کرنے کو "بلاوجہ" بتانا نادانی ہے۔ آخر سائل کو نعت خوانی سے تکلیف کیوں ہوتی ہے۔ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا خالی وقت جس طرح چاہے گزارے، یعنی جائز کام میں گزارے اور امام تو اپنا وقت عبادت میں گزارتا ہے۔ سائل کا اعتراض لغو ہے، قابل اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳): امام کالردار قمیص پہننے سے اجتناب کرے، یہ نصاریٰ کی اصل وضع ہے۔ اگر امام ذی حشمت ہے تو رنگ برنگ کے کپڑے بار بار پہننے اور بدلنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ اظہار نعمت کے ارادہ اور نیت سے موجب ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲: ریڈیو کی خبر سے چاند کا ثبوت صحیح جاننے والا قابل امامت ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ خبر عام ہے کہ بغیر ثبوت شہادت شرعی چاند ہونا نہ مانا جائے؟

عبد المصطفیٰ اسحاق خان قادری، اریانواں، ڈاکخانہ شکر گنج تیلائی ضلع رائے بریلی، ۸؍دسمبر ۱۹۷۲ء جمعہ

الجواب: شخص مذکور قابل امامت نہیں، اس کو امام نہ بنایا جائے، کیونکہ ریڈیو کی خبر ثبوت شرعی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳: کوئی شخص امامت پر مامور ہو اور عمر بھی ۵۰؍سال تک آگئی ہو، مگر اس نے سنت رسول سے گریز کیا ہے۔ نکاح نہیں کیا ہے اور نہ چارپائی پر سوتا ہے۔ اس کی امامت میں کچھ خلل تو نہیں ہے یا بلا کراہت نماز ہوتی ہے؟

مسئولہ شیخ عبد الحمید، مہلک پور معانی، ڈاکخانہ پاکبڑہ، ضلع مرادآباد، ۲۸؍صفر ۱۳۹۳ھ سہ شنبہ

الجواب: شادی ہر حال میں سنت نہیں ہے، اس کے حالات مختلفہ کی بناء پر مختلف احکام ہیں۔ جس صورت میں شادی و

نکاح حرام ہے اور بعض میں مکروہ تحریمی اور بعض میں مکروہ تنزیہی۔ ہوسکتا ہے کہ نکاح و شادی اس کے حق میں حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہو۔ اس بناء پر امام مذکور نے شادی نہ کی ہو۔ چارپائی پر نہ سونا براہ تقویٰ ہو تو اچھی بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ کسی عالم دین نے نماز کے مسئلہ پر مشتمل ایک کتاب لکھی اور اس میں لوگوں کو تصویر کی شکل میں نماز پڑھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ لوگوں نے اعتراضات کیے کہ یہ تصویر جاندار کی ہے اور یہ عندالشرع جائز نہیں ہے۔ مگر ایک عالم یہ کہتا ہے کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے، اس لیے جائز ہے اور اس کو کتاب میں دے دینے سے کوئی قباحت نہیں ہے۔ گذارش ہے کہ اس کے بارے میں احکام شرع سے مطلع فرمائیں۔ کیا اس عالم کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے اور اس کو امام بنانا جائز ہے، اور اس امر سے بھی آگاہ فرمایئے کہ امام بننے کے لیے کتنی چیزوں کا ہونا ضروری ہے؟

سئولہ چھوٹے میاں، ہڑتلہ، مراد آباد، ۲۹ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ، پنجشنبہ

الجواب: نماز کی ترکیب میں جو کتاب تصویر والی لکھی گئی ہے، غلط و باطل ہے اور بدعت پر مشتمل ہے۔ نماز کی ترکیب سکھانے کے لیے حرام تصویر سازی کی بات نئی ہے۔ اب تک نماز کا طریقہ اساتذہ و معلمین و والدین وغیرہم عمل کر کے دکھاتے تھے۔ اب فوٹو اور تصویر حرام سے یہ کام لیا جا رہا ہے۔ ایسی کتاب بچوں کو ہرگز نہ پڑھائیں، نہ خریدیں۔ جو عالم اسے جائز بتاتا ہے غلطی کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی اصول میں تصویر سازی کو ممنوع و حرام قرار دیا گیا، جس میں ذی روح کے چہرے کی تصویر ہو۔ اس مولوی کو امام نہ بنائیں، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی۔ امام کے لیے مسائل نماز سے واقف ہونا اور صالح و متقی ہونا پابند احکام شریعت طاہرہ ہونا حرام و گناہ سے بچنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبرستان کے اندر میت کی صورت دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میری لڑکی کا نکاح خالد سے ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کے سسرال والوں سے میرا جھگڑا ہوگیا۔ اسی اثناء میں لڑکی بیمار ہوگئی۔ میں عیادت کے واسطے مکان پر گیا تو گھر والوں نے مجھے برا بھلا کہہ کے مجھے لڑکی کے پاس نہیں جانے دیا۔ لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ میت قبرستان لے جائی گئی۔ میں نے وہاں بھی لڑکی کی صورت دیکھنے کی درخواست کی، لیکن ایک مولانا صاحب نے کہا کہ قبرستان کے اندر میت کی صورت دیکھنا جائز نہیں۔ اگر ان کی بات سچ ہے تو ٹھیک اور غلط ہے تو ان پر شریعت کا کیا فتویٰ ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالستار، مراد آباد، ۶ رجمادی الآخر ۱۳۹۴ھ، پنجشنبہ

الجواب: میرے علم میں قبرستان میں یا میت کو لٹانے کے بعد بھی میت کی صورت کا دیکھنا صحیح و جائز ہے، شرعاً کوئی قباحت و ممانعت نہیں ہے۔ جن مولانا صاحب نے روکا ہے اور منع کیا ہے، بلکہ ناجائز بتایا ہے، ان کی بات غلطی یا کم علمی پر مبنی ہے۔ کسی جائز بات کو ناجائز بتانا خطائے عظیم ہے، خاص کر مولانا صاحب کو ایسی بات ہرگز ہرگز نہیں کہنی چاہئے۔ مولانا

صاحب اپنی غلطی سے توبہ کریں، تو ٹھیک ہے ورنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتیاطاً بچتے رہیں، یہی افضل واولیٰ ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۲۶: سوال یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں پہلی رکعت میں ایک مقتدی نے آمین بجہر بولا۔ دوسری میں پھر آمین بجہر بولا۔ امام صاحب نے سلام پھیر کر اس مقتدی سے بات چیت کی۔ یہ کام امام صاحب نے جائز کیا یا ناجائز؟ دو رکعت پر سلام پھیرنا کیسا ہے مغرب کی نماز ہے؟

مسئولہ مولینا لیاقت علی، قصبہ پاکبڑا، مراد آباد، ۱۶ر تمبر ۱۹۷۴ء

الجواب: امام کا درمیان نماز ہی سلام پھیر کر آمین بالجہر کہنے والے سے بات چیت کرنا اور اس کو روکنا حماقت وجہالت کی بات ہے اور اپنی نیز تمام مقتدیوں کی نماز کو بے کار کرنا اور ضائع کر دینا ہے، شرعاً اس کی اجازت نہیں۔ جن صورتوں میں نماز کی حالت میں نماز کو ختم کرنے کی اجازت دی گئی ہے، یہ صورت اس میں داخل نہیں ہے۔ امام کا یہ اقدام غلط وباطل ہے۔ **قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد:۳۳]** (اور نہ برباد کرڈالو اپنے اعمال کو) (معارف)۔ کسی کے آمین بالجہر کہنے سے امام یا مقتدی کی نماز ختم یا خراب اور باطل وفاسد نہیں ہوتی۔ بغیر ضرورت شرعیہ نماز کو درمیان میں ختم کرنا پھر دوبارہ پڑھنا شرعاً ممنوع ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان متین ان مسائل میں کہ:

(۱): زید نے جو ایک مسجد کا امام ہے رمضان میں تراویح کے واسطے دو قابل اعتماد قسم کے حفاظ کو اپنی مسجد میں مقرر کیا۔ ختم کے بعد ایک حافظ دوسرے حافظ کے متعلق یہ انکشاف کرتا ہے کہ یہ قرآن غلط پڑھتا تھا، نیز اس کے چھ پارے سرے سے یاد نہیں ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ حافظ مذکور کا الزام اگر صحیح ہے تو اس کی ذمہ داری زید پر آتی ہے یا نہیں، جب کہ وہ ان کو قابل بھروسہ سمجھتا تھا؟

(۲): ختم کے وقت مسجد کے منتظمین نے نذرانہ زید کے ہاتھ میں دیا اور یہ کہا کہ یہ نذرانہ ہم آپ کو دیتے ہیں۔ آپ جو چاہیں ان حضرات کو دیں یا نہ دیں آپ مالک ہیں۔ زید نے اس میں سے کچھ روپے ان حضرات پر تقسیم کر دیئے۔ باقی اپنے پاس رکھ لیے۔ اب ان میں سے ایک حافظ کچھ زیادہ نذرانہ طلب کرتا ہے اور زید انکار کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ حافظ صاحب موصوف کا یہ مطالبہ حق بجانب ہے یا نہیں۔ اگر حق بجانب ہے تو زید کے اس فعل پر زید کی امامت میں کوئی کراہت واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ حبیب الرحمٰن، بھوجپور ضلع مراد آباد، ۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۴ء

الجواب: (۱): ختم کے بعد ایک حافظ کا دوسرے حافظ پر الزام لگانا کہ یہ قرآن شریف غلط پڑھتا ہے، یا اس کو چھ پارے یاد ہی نہیں ہیں، میری نظر اور میرے خیال میں مبنی بر تعصب وعداوت ہے، صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ چونکہ الزام لگانے والے حافظ کو جہاں پر دوسرا حافظ غلط پڑھتا تھا، وہیں پر بتا دینا ضروری تھا اور چھ پارے کی بابت وقت پر ہی آگاہ وخبردار کرنا ضروری تھا۔ ختم کے بعد اس کا اظہار وانکشاف آخر کیوں کیا جا رہا ہے۔ میری سمجھ اور میری عقل کام نہیں کرتی کہ اصل

وقت اور موقع پر نہ بتانا اور بعد میں بتانا محض الزام تراشی اور بدنام کرنے کے واسطے ہے۔ لیکن اگر فی الحقیقت یہ الزام صحیح ہو اور اس کا علم زید کو بھی پہلے سے ہو تو زید پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ قابل مواخذہ ہے کہ اس نے جان بوجھ کر نا اہل شخص کو قابل اعتماد و بھروسہ کیوں بتایا۔ یہ مکر وفریب اور دھوکہ دہی کی بات قرار پائے گی، اور اگر زید کو اس کا علم نہ تھا تو پھر زید پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، چونکہ زید نے اس کو اپنے حسن ظن کی بناء پر قابل اعتماد و بھروسہ قرار دیا تھا، اور اپنے سابق تجربہ اور علم کی بنا پر اس کو منتخب کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): حافظ صاحب کا زید سے زیادہ نذرانہ کا مطالبہ غلط ہے۔ کیونکہ پوری رقم کا مالک تو زید کو بنایا گیا، وہ اس میں سے کچھ بھی اسے نہ دیتا، جب بھی زید برحق تھا اور حافظ صاحب کا مطالبہ ناحق اور بیجا ہوتا۔ لہٰذا زید کی امامت پر کوئی حرف یا کسی قسم کی کراہت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۸: زید نماز کے قعدہ اخیرہ میں درود پاک سے فارغ ہونے کے بعد کی دعائیں نہیں پڑھتا، اور وتر میں دعائے قنوت کی جگہ سورہ اخلاص پڑھتا ہے اور یاد کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ تقریباً تیس سال سے زید کا یہ معمول ہے اور وہ اکثر امامت بھی کرتا ہے۔ زید کے لیے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ خورشید عالم، اہرولہ ضلع مراد آباد، ۱۶ر جنوری ۱۹۷۵ء پنجشنبہ

الجواب: درود شریف کے بعد کی دعاء اور دعائے قنوت زید کو یاد کرنی چاہئے۔ دعائے ماثورہ کے بغیر اور دعائے قنوت کی بجائے یاد نہ ہونے کی صورت میں قل ھو اللہ پڑھنے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ زید کو جلد از جلد یہ دونوں یاد کر لینا چاہیے، اس کے بغیر وہ امامت سے الگ رہے، یہی بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ امام صاحب تو مصلّٰی پر ہیں اور باقی تمام مقتدی پرال کے اوپر ہیں اور امام کے مصلّٰی کے نیچے پرال نہیں ہے۔

مسئولہ خورشید عالم، موضع اہرولہ، ضلع مراد آباد، ۱۶ر جنوری ۱۹۷۵ء، پنجشنبہ

الجواب: اس صورت میں امام مقتدی کسی کی نماز میں کوئی خرابی و کراہت نہیں ہے، سب کی نماز صحیح و درست ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامة المبتدع (اہل بدعت کی امامت)

مسئلہ ۲۳۰: سنی مسلمان اگر دیوبندی امام کے پیچھے جان بوجھ کر بلا اکراہ نماز پڑھے اور پڑھتا ہی رہے، تو یہ اہل سنت و جماعت میں رہا یا نہیں؟ یا دیوبندی ہوگیا؟

الجواب: اگر وہ امام کے حال پر مطلع ہے اور جانتا ہے کہ امام وہی عقائد کفریہ رکھتا ہے، جن پر علمائے عرب و عجم نے کفر کے فتوے صادر فرمائے ہیں، پھر بھی اس کو مومن جانتا ہے اور امامت کے قابل سمجھتا ہے تو وہ دیوبندی ہوگیا، اس پر توبہ

اور تجدید اسلام لازم ہے اور اگر اس دھوکہ میں ہے کہ امام دیوبندی عقائد نہیں رکھتا، باوجودیکہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو وہ دیوبندی تو نہیں ہوا نہ ایمان سے خارج ہوا، لیکن اس نے جس قدر نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں، سب ضائع کر دیں۔ ان سب کی قضا لازم ہے۔ درمختار میں ہے۔

وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورۃً کفر بھا کقولہ ان اللہ تعالیٰ جسم کالاجسام، وانکارہ صحبۃ الصدیق فلایصح الاقتداء بہ اصلاً. اگر دین اسلام کی کسی ایسی بدیہی بات کا انکار کیا جس کا دین اسلام میں سے ہونا ظاہر وباہر ہے۔ جیسے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے دیگر اجسام کی طرح، یا حضرت ابوبکر صدیق کی صحبت رسول کا انکار کیا تو وہ کافر ہوگیا، اس کے پیچھے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

فلا تصح امامۃ منکر البعث او خلافۃ الصدیق او صحبتہ او یسب الشیخین او ینکر الشفاعۃ او نحو ذالک ممن یظہر الاسلام مع ظہور صفتہ المکفرۃ لہ. بعث کے منکر یا خلافت صدیق یا ان کی صحابیت کے منکر یا شیخین کو گالی دینے والے یا شفاعت کا انکار کرنے والے۔ کی امامت صحیح نہیں۔...............

شرح عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق والمبتدع، ھذا اذالم یؤد الفسق اوالبدعۃ الیٰ حدالکفر، امااذاادیٰ الیہ فلاکلام فی عدم جواز الصلوٰۃ خلفہ، کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ کراہت اسی وقت تک ہے کہ اس کا فسق حد کفر تک نہ پہنچا ہو اور اگر حد کفر تک پہنچ گیا تو اس کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): ہمارے یہاں ایک مسجد کا امام وہابی ہے، اگرچہ بستی میں سنی اکثریت ہونے کی وجہ سے درود فاتحہ میں بھی کبھی شریک ہوتا ہے، لیکن اس کی وہابیت بالاعلان ظاہر ہو چکی ہے، نیز اسی بنا پر اہل سنت کا جلسہ بھی ہوا جس میں وہ شخص قطعی شریک نہ ہوا۔ کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲): یہاں کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نماز علم سے درست ہوتی ہے اور عقیدہ کی خرابی سے نماز میں کچھ خلل نہیں ہوتا، یعنی ہم لوگ علم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، عقیدہ کے پیچھے نہیں پڑھتے، کیا یہ قول درست ہے؟

مسئولہ منشی احمد جان مدرس، مدرسہ اسلامیہ خازن العلوم، قصبہ دڑھیال، ضلع رامپور

الجواب:(۱): وہابی اور دیوبندی امام کی بدعقیدگی اگر حد کفر تک پہونچ گئی ہو تو اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی۔ بالعموم کچھ پڑھے لکھے وہابی دیوبندی اسی قسم کے ہیں اور اگر اس کی وہابیت وبدمذہبی حد کفر کو نہ پہونچی ہو تو اس کو امام بنانا مکروہ اس کے پیچھے نماز بھی مکروہ ہوگی، نماز کا اعادہ واجب ہے۔ شرح

عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۳۰...میں دیکھیں)۔

دیدہ و دانستہ وہابی کے کفر پر مطلع ہونے اور اس کو کافر اعتقاد کرنے کے باوجود اس کو امام بنانا اس کے پیچھے نماز پڑھنی سخت گناہ کبیرہ ہے، اور اپنی عبادت و عمل کو ضائع و برباد کرنا ہے، جتنی نماز اس کے پیچھے پڑھی گئی، سب کا اعادہ فرض ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر توبہ لازم ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک ... (پوری عبارت...مسئلہ ۱۶۹...میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

(۲): یہ خیال و عقیدہ صحیح نہیں، باطل محض اور مبنی بر جہالت ہے، بعض غیر مسلم عالم ہوتے ہیں، جیسے بعض نصرانی (انگریز) کو شریعت مصطفویہ کا کافی علم ہوتا ہے، اس کے پیچھے کوئی سنی مسلمان نماز پڑھنے کو آمادہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح مرزائی قادیانی عالم، رافضی تبرائی عالم کے پیچھے کوئی سنی مسلمان نماز نہیں پڑھتا۔ پھر وہابی دیوبندی عالم کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے سنی مسلمان کا یہ حیلہ تراشنا اور بہانہ تلاش کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ خود وہابی، دیوبندی بھی رافضی اور قادیانی عالم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، نہ نماز پڑھنے کا حکم وفتوی دیتے ہیں۔ نیز جب ہماری شریعت مطہرہ نے صاف ظاہر کر دیا کہ کافر کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی اور مبتدع کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، تو شریعت مقدسہ کے خلاف کسی سنی مسلمان کو اپنا عقیدہ ظاہر کرنا اور اپنی جہالت و نادانی سے حکم شرعی کے مقابلہ میں کوئی خیال و قیاس کا ذکر کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ حتی کہ کتب دینیہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ اگر کوئی عالم فاسق ہو تو کوئی ایسا عمل شریعت حقہ کے خلاف کرتا ہو جو گناہ کبیرہ ہو تو اس عالم کی توہین و تذلیل واجب ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے اس کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے۔ تو پھر لوگوں کا یہ کہنا کہ نماز علم سے درست ہوتی ہے اور عقیدہ کی خرابی سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، ہرگز صحیح نہیں۔ جن لوگوں نے حکم شرع کے خلاف ایسا کہا، ان کو توبہ کرنی چاہیے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت...مسئلہ ۱۶۹...میں دیکھیں)۔

کبیری ص ۴۷۶ میں ہے۔

ویکرہ تقدیم المبتدع ایضاً لانہ فاسق من حیث الاعتقاد و ھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق و یخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علیٰ خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذا لم یکن ما یعتقدہ یؤدی الیٰ الکفر عند اھل السنۃ و اما لو کان مؤدیا الیٰ الکفر فلا یجوز اصلاً. بدعتی کا بھی امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے فاسق ہے۔ اور یہ فسق عملی سے سخت ہے، کیونکہ فاسق عملی اپنے فاسق ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اللہ سے ڈرتا ہے اور استغفار کرتا ہے برخلاف بدعتی کے۔ بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہل سنت و

جماعت کے عقیدہ کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہو۔ اس کے پیچھے کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی بشرطیکہ اس کا عقیدہ ایسا نہ ہو جو کفر کی طرف لے جا رہا ہو اور اگر اس کا عقیدہ مؤدی الی الکفر ہو تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں۔

اسی میں ہے۔

وفیہ اشارۃ الیٰ انھم لوقد موافاسقا یا ثمون بناء علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ، اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں نے فاسق کو آگے کر دیا تو گنہگار ہوں گے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ فاسق کو آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ وہ دینی معاملات کو اہمیت نہیں دیتا۔ اور مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

صغیری مجتبائی ص ۲۶۴ میں ہے۔

و یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم. فاسق کو امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۳۲: (۱): اہل حدیث امام کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲): دیوبندی امام کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئولہ عبدالحکیم صدر مدرس، مدرسہ نورالاسلام جین گاؤں ڈاکخانہ گوال پوکھر، ضلع پورنیہ

الجواب: (۱) و (۲): وہابی، دیوبندی اور غیر مقلد امام کی بدعقیدگی اگر حد کفر کو پہونچ گئی ہو تو اس کو امام بنانا ناروا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ اس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، بالعموم کچھ پڑھے لکھے وہابی دیوبندی اور غیر مقلد اسی قسم کے ہیں، اور اگر وہابی، دیوبندی اور غیر مقلد امام کی بدمذہبی اور بدعقیدگی حد کفر کو نہ پہنچی ہو تو اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا اعادہ واجب ہوگا۔ شرح عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۳۰... میں دیکھیں)۔

کبیری ص ۴۷۶ میں ہے۔

ویکرہ تقدیم المبتدع ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۳۱... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک ... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۶۹... میں دیکھیں)۔

بہرکیف کسی قسم کا بدعقیدہ ہو اس کے پیچھے کوئی نماز ہرگز نہ پڑھی جائے۔ دیدہ و دانستہ وہابی، دیوبندی اور غیر مقلد امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والا گنہگار ہے، اپنی عبادت و عمل کو ضائع کرتا ہے۔ جتنی نماز ایسے امام کے پیچھے پڑھی گئی، سب کا اعادہ ضروری ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام ہمارے موضع کی مسجد میں عرصہ تین سال سے نماز اور بچوں کو پڑھاتے تھے۔ اس جلسہ میں جو لال پور میں ابھی ابھی ہوا تھا، اس میں ہمارے علماء نے اس کا امتحان لے کر ان کے اعتقاد میں غلطی ثابت کیا اور لکھ کر دیا کہ ان کو عزت کے ساتھ اپنے مدرسہ سے اور مسجد سے علٰحدہ کر دو، اب ہم نے اپنا دوسرا امام چن لیا ہے۔ کچھ آدمی پہلے امام کے موافق ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ سابق امام سے اجازت لے کر نماز پڑھاؤ۔ اب اس حالت میں ہم لوگوں کو یا امام کو جو چنے گئے ہیں، اجازت لے کر نماز پڑھانی چاہیے یا بغیر اجازت نماز ہو جائے گی؟

مسئولہ شفیع احمد، للوارہ، مراد آباد، ۱۱ر فروری ۱۹۵۹ء

الجواب: میں نے جو واقعات اور حالات امام مذکور کے سائل سے زبانی طور پر سنے اور مولانا عبدالرب و مولینا سیف الحق محمد عوض صاحب اور مولینا اصغر حسین صاحب اور مولانا امداد حسین صاحب کی وہ تحریر بھی دیکھی، جس میں امام مذکور کو مسجد کی امامت اور مدرسہ سے علٰحدہ کرنے کا تذکرہ ہے۔ ان امور سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ بلاشبہ امام مذکور وہابی، دیوبندی ہے اور تقیہ کر کے اہل سنت و جماعت کے افراد کو بگاڑنے اور اس کے عقائد کو تباہ و برباد کرنے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کر رہا ہے، لہٰذا سارے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امام اور مدرس کو فوراً بلا تاخیر علٰحیدہ کر دیں۔ کوئی شخص ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے اگر امام مذکور کے بعض ماننے والے اسی کے پیچھے نماز پڑھنے پر اصرار کریں تو اکثر مسلمانوں کو شرعاً حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی نماز دوسرے انتخاب کردہ سنی صحیح العقیدہ امام کے پیچھے اذان و اقامت کے ساتھ پہلے ہی مسجد میں ادا کریں۔ بالفرض اگر اس پر اکثر لوگ قادر نہ ہوں تو پھر بعد میں باجماعت تمام سنی نماز ادا کریں۔ دوسرے سنی امام کو سابق بدمذہب و بدعقیدہ امام سے اجازت لینے کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شاہی مدرسہ کے طالب علم کے پیچھے سنیوں کی نمازیں ہو جائیں گی یا نہیں؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ عبدالغنی، سرائے حسینی بیگم، مرادآباد، ۲۸ر اگست ۱۹۶۲ء

الجواب: ہر وہ شخص جو کتب ملعونہ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان وغیرہا کو (جن کے ناپاک اور توہین آمیز کلمات سے گستاخی رسالت مآب علیہ الصلوات والتسلیمات واضح اور لائح ہے) اچھی کتاب اور ان کتب کے مضامین کفریہ کو صحیح اور ان کے لکھنے والے کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتا ہو، وہ ہرگز قابل امامت نہیں، اس کی اقتداء زینہار جائز نہیں۔ خواہ وہ کسی مدرسہ کا طالب علم ہو یا غیر طالب علم۔ امامت کے واسطے سنی صحیح العقیدہ کا ہونا ضروری و لازم ہے۔ بالفرض اگر کوئی طالب علم صحیح العقیدہ سنی ہو تو بھی اس کا ایسے دیوبندی مولویوں کو استاد بنانا، ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا، ان کی تعظیم و تکریم کرنا یہ چیزیں حرام و گناہ کبیرہ ہیں اور ان افعال کا مرتکب فاسق و فاجر ہوگا اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسی نماز کا لوٹانا دوبارہ پڑھنا واجب و لازم ہے۔ لہٰذا کسی حال میں دیوبندی مدارس کے طلبہ کو امام نہ بنایا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک صاحب نے ایک امام کی دعوت کرنے والے ایک

دیوبندی کی بھی دعوت کی۔ اس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ وہ وہابی ہے۔ مگر اس کے یہاں گیارہویں، تیجہ دسواں وغیرہ بھی ہوتا ہے دیوبندی کے ساتھ امام نے کھانا کھایا یہ جان کر کہ یہ جو کھانے والا دوسرا شخص ہے وہ وہابی ہے، اب اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

انجمن قصبہ بلاری، مراد آباد

الجواب: اگر فی الواقع سنی امام نے دیوبندی کے ساتھ اس کو دیوبندی بدعقیدہ جان کر اتفاقیہ طریقہ پر دعوت میں کھانا کھالیا تو اس کا یہ فعل معصیت اور گناہ پر مشتمل ہے۔ امام سے اس معصیت پر توبہ لی جائے اور بعد توبہ اس امام کے پیچھے نماز بغیر کراہت جائز و درست ہوگی اور اگر امام مذکور اپنی اس معصیت سے توبہ نہ کرے یا وہ دیوبندی کے ساتھ کھانے پینے کا عادی ہو تو ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کے ساتھ روا ہوگی، جس کا لوٹانا واجب ہے۔ ﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلا وادے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم، لا تجالسو هم ولا تشاربو هم ولا توا کلو هم ولا تناکحو هم. نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ، پیو، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کا رشتہ کرو۔ والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۳۶: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع اس بارے میں کہ زید عالم اہل سنت ہے، جب وہ ملازمت کے لیے باہر آئے تو پڑھے لکھے کئی لوگوں نے ان کو بتایا کہ جامع مسجد میں جو امام ہیں، ان کا عقیدہ درست نہیں ہے، زید کئی ماہ سے مدرسہ میں ملازم ہے ان کا کہنا ہے کہ میں بھی اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ امام کا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے اور میں اپنی نمازیں دہرالیتا ہوں۔ عوام اس طرز عمل سے امام صاحب کی جانب سے مطمئن ہوگئے ہیں اور سمجھنے لگے ہیں کہ جب مولوی صاحب کی نماز ہوجاتی ہے تو ہماری کیوں نہ ہوگی مولوی صاحب نماز دہرانے کے متعلق انھیں لوگوں سے بیان کرتے ہیں، جنھوں نے ان کو آگاہ کیا تھا کہ امام کا عقیدہ درست نہیں ہے، امام عالم نہیں ہے، عوام میں قاری مشہور ہے۔ ان حالات کے پیش نظر زید کی نماز امام مذکور کے پیچھے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور مولوی صاحب کا طرز عمل یا طریقہ کار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ صدر جمعیت اہل سنت، جسپور ضلع نینی تال، ۲۳ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۳ھ

الجواب: امام مذکور کی بدعقیدگی اگر حد کفر کو پہونچ گئی تو اس کے پیچھے نہ زید کی اور نہ کسی سنی صحیح العقیدہ کی نماز درست ہوگی، اس کی اقتداء سے ہرگز ہرگز فریضۂ نماز ساقط نہ ہوگا، اور اگر حد کفر کو نہیں پہونچی تب بھی جو نماز اس کی اقتداء میں پڑھی جائے، اس کا لوٹانا واجب۔ بہر حال زید کے لیے یہ ہرگز لائق نہیں کہ وہ ایسے بدعقیدہ کے پیچھے نماز پڑھے اور اپنے ساتھ ساتھ قوم کی نمازیں خراب کرے اور زید کا یہ عمل اور اقدام ہرگز لائق نہیں کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ کر دہرایا کرے۔ چونکہ اس سے بے خبر سنیوں کو دھوکا ہوتا ہے، اور کسی عالم کا ایسا فعل جس سے عوام دھوکے اور غلطی میں مبتلا ہوں، شرعاً مذموم و قبیح ہے، اور عالم اہل سنت کی کمزوری پر دال ہے۔ شرح عقائد نسفی ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی ... (پوری عبارت، مسئلہ ۲۳۰ میں دیکھیں)۔ والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں خطبہ ثانیہ میں اسلامی بادشاہوں کے لیے جو دعائیہ کلمات استعمال کیے جاتے ہیں، یہاں کے ایک پیش امام خطبۂ ثانیہ میں شاہ ابن سعود کے لیے دعائیہ کلمات کہتا ہے، مثلاً ''اے اللہ شاہ ابن سعود جیسی اسلامی حکومت کو قائم و دائم رکھ اور بادشاہ کی عمر دراز کر۔ آج کل اسلامی حکومت اور بادشاہ نہیں ہیں، اب یہ کلمات کہنا صحیح ہیں یا نہیں؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ محمد شفیع ولد کریم بخش، تھانہ چھوٹا پورہ، مقام ڈیسہ، بناس کانٹھا

الجواب: دور حاضر میں جمعہ کے خطبہ کے اندر کسی مسلم سلطان کی ایسی تعریف اور توصیف نہ کی جائے جو خلاف واقع امور پر مشتمل ہو، لیکن جو مسلم سلطان سنی صحیح العقیدہ ہو، اس کے لیے دعائیہ کلمات ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، جو امام شاہ ابن سعود کے لیے دعائیہ کلمات کہتا ہے، وہ غلطی پر ہے، چونکہ شاہ ابن سعود بالیقین سنی نہیں ہے، بلکہ اپنے پیشوا محمد بن عبدالوہاب۔ کے غلط اور باطل عقائد و مسلک کا معتقد اور رائج کرنے والا ہے۔ اس کے لیے کوئی سنی ہرگز ہرگز دعاء نہ کرے، اس کے دادا پر عالم اسلام کے علماء نے خارجی بددین ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اگر امام مذکور دیدہ و دانستہ اس کے لیے دعائیہ کلمات کہتا ہے تو وہ نجدی وہابی ہے، اس کو امامت سے علٰحدہ کر کے کسی خالص سنی کو امام بنایا جائے، اور اگر وہ لاعلمی سے اب تک شاہ ابن سعود کے لیے دعاء کرتا ہے تو اس سے توبہ صحیحہ صادقہ کرانے کے بعد اس کے پیچھے سنی نماز پڑھ سکتے ہیں ورنہ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نہ پڑھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۲۳۸: کیا فرماتے ہیں مفتیان اہل حق اس مسئلہ میں کہ دیوبندی کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز دیوبندی یا اس جیسے خیال والوں کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

مسئولہ محمد حنیف متعلم، مدرسہ شاہی مسجد، مراد آباد

الجواب: ہر وہ دیوبندی جس کے عقائد باطلہ حد کفر کو پہنچتے ہوں، اس کے پیچھے نماز صحیح و جائز نہیں ہوگی، نہ ایسے عقائد باطلہ کے معتقدین کا ذبیحہ حلال ہوگا اور ہر وہ دیوبندی جس کے عقائد کاسدہ حد کفر نہ پہنچتے ہوں، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ شرح عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۳۰... میں دیکھیں)۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۳۲۳ میں ہے۔

ویبطل اتفاقا نکاحه وذبیحته وکذاصیده بالکلاب (ملخصاً) اس کا نکاح، اس کا ذبیحہ نیز اس کا کتے کے ذریعے شکار کرنا سب اتفاقاً باطل ہے۔

غنیۃ المستملی کانپوری ص ۴۷۶ میں ہے۔

ویکره تقدیم المبتدع ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۳۱... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۲۳۹: اگر کسی مسجد کا امام وہابیوں کو اچھا سمجھ کر دیدہ و دانستہ اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتا ہو، اور جلسہ وقعدہ کی

حالت میں دونوں پیروں کو بچھا کر بیٹھتا ہو اور دونوں ہاتھوں سے اپنے دامن کے پھیلانے کا عادی ہو تو ایسے امام کے پیچھے سنی حضرات کی نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ سردار حسین، مقبرہ دوئم، ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ دوشنبہ

الجواب: جو امام وہابیوں کو اچھا جانتا ہو اور برضا و رغبت ان کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتا ہو وہ بھی وہابی دیو بندی ہی ہے، اس کے پیچھے سنیوں کی نماز نہیں ہوگی۔ ایسے شخص کو سنی ہرگز امام نہ بنائے۔ امام مذکور کا دونوں پاؤں بچھا کر بیٹھنا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے دامن کو پھیلانا یہ بھی بڑی خامی کی بات ہے، بعض صورتوں میں یہ فعل عمل کثیر کی حد میں داخل ہو کر نماز کو فاسد کر دیتا ہے، اور اس کے مکروہ ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۹۹ میں ہے۔

یکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او لحیتہ او جسدہ وان یکف ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذافی معراج الدرایۃ۔ نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ اپنے کپڑے یا داڑھی یا جسم سے کھیل کرے۔ نیز سجدہ میں جاتے وقت اپنے آگے یا پیچھے کے کپڑے کو پکڑنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محلہ میں دو عقیدے کے اشخاص رہتے ہیں اور مسجد میں امام اٹھارہ ماہ سے نہیں ہے، اور امام اس وجہ سے نہیں کہ ایک عقیدہ کے اشخاص کہتے ہیں کہ ہمارے عقیدے کے موافق آئے گا اور دوسروں کا کہنا ہے یہ کہ امام ہمارے عقیدہ کا رہے گا۔ اسی حالت میں اٹھارہ ماہ کی مدت گذر گئی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اس کشمکش میں ایک میٹنگ متولی مسجد کی جانب سے منعقد ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ ہر دو جانب سے سات سات ممبر چن لیے جائیں اور ایک صدر ہو، لہٰذا ایسا ہی ہوا ان چودہ ممبران کو دونوں عقائد کے اشخاص نے پورا یقین دلایا کہ جو فیصلہ چودہ ممبران کریں گے ہم سب کو منظور ہوگا۔ ان ممبران کی میٹنگ ہوئی مع صدر اور ڈھائی گھنٹے کی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ قرعہ ڈال لیا جائے اور جس عقیدے کا قرعہ نکل آئے، اسی کا امام آئے اور قرعہ قرآن شریف پر رکھ کر پرچے کھولے جائیں لہٰذا اہل محلہ ایک جگہ جمع ہوئے اور چودہ ممبران اور صدر صاحب بھی، اور قرآن پاک پر قرعہ کھولنے کی ممانعت کی گئی، اس وقت کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوا۔ چنانچہ قرعہ کے پرچے لکھے گئے اور دونوں عقائد کے نام دو پرچوں پر جدا جدا تھے، سب کو دکھلا دیئے گئے، اور ایک برتن میں ان کو ملا جلا کر ڈال دیا، ایک بچہ پرچہ نکالتا ہے اور وہ دونوں پرچہ نکالتا ہے۔ پھر ان کو برتن میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر وہ بچہ ایک پرچہ نکالتا ہے جو اس میں لکھا تھا اس کے موافق امام آجاتا ہے۔ دو دن کے بعد دوسرے عقیدے کے اشخاص قرعہ کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اور اپنا امام لا کر دوسری جماعت بنا کر نماز پڑھتے ہیں اس حالت میں ہم چار ممبران میں سے کسی ممبر کی نماز دوسری جماعت کے ساتھ ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نماز ہوئی تو وضاحت فرمائیے اور اگر نہیں ہوئی ہے، تب بھی ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کس طرح نہیں ہوتی ہے؟

مسئولہ عبدالمجید (۱۴ ممبران میں سے ایک)، محلہ کچا باغ، مراد آباد، ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۵ء

الجواب: سنیوں کو اس قسم کی قرعہ اندازی کو قبول ہی نہ کرنا تھا، چونکہ قرعہ اندازی میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اگر غیر سنی

عقیدے کے لیے قرعہ نکل آئے گا۔ تو غیر سنی عقیدہ ہی کا امام رکھنا ہمیں منظور ہوگا۔ یہ پہلو صحیح نہیں ہے، نیز قرعہ اندازی میں تمام شرطوں کی پابندی ضروری تھی۔ آخر صدر نے قرعہ اندازی کی ایک شرط قرآن مجید پر رکھ کر قرعہ نکالنے پر عمل حسب قرار داد کیوں نہ کیا۔ جس بچے سے قرعہ کا پرچہ نکلوایا گیا تو اس کو پہلے سے سمجھا دیا ہوگا کہ اس برتن میں دو پرچے ہیں، ایک ہی پرچہ نکالنا اور دوسرا برتن میں چھوڑ دینا، پھر بھی پہلی بار بچے نے دونوں پرچوں کو نکال لیا تو اسی کو فیصلہ قرعہ سمجھنا تھا کہ دونوں عقیدے کے دو امام رکھے جائیں لیکن ایسا نہ کر کے دوسری بار قرعہ کیوں نکلوایا گیا، جبکہ دوبارہ نکلوانا باہم طے نہ پایا تھا اور نہ یہ طے پایا تھا کہ کسی وجہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو پہلا قرعہ ناقابل عمل اور دوسرا قرعہ قابل اعتبار ہوگا۔ شاید ان امور میں خلاف ورزی کے باعث یا پہلی بار کے قرعہ کو صحیح سمجھ کر سنیوں نے اس دوسرے قرعہ کو غلط قرار دیا ہو۔ ان امور کو صحیح طور پر اہل محلہ جانتے ہوں گے۔ مندرجہ بالا سوال سے جو کچھ سمجھ سکا، اس کا اظہار میں نے کر دیا۔ میں سنی ہوں، سنی حضرات ہی میری بات اور میرا لکھا ہوا حکم شرعی مان سکتے ہیں۔ میرا خطاب سنیوں سے ہے کہ سنی حضرات اپنے سنی ہی امام کی اقتداء میں اپنی اپنی نمازیں ادا کریں۔ غیر سنی کے پیچھے ہرگز ہرگز کوئی نماز نہ پڑھیں چونکہ سنی کی نماز غیر سنی کے پیچھے صحیح و درست نہیں ہوتی سنیوں کی دوسری جماعت جو کہ حکم شرع کے مطابق ہوتی ہے، یقیناً درست و صحیح ہے۔ لہٰذا جو بھی دوسری جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھے گا خواہ ممبران مذکور ہوں یا صدر سب کی نماز دوسری جماعت کے ساتھ صحیح و جائز ہوگی۔ اتنی بات پر سنی و غیر سنی سب پوری پوری توجہ کریں اور خیال رکھیں کہ آپس میں فتنہ و فساد کوئی کام ہرگز نہ کریں، چونکہ دونوں کے حقوق مسجد سے وابستہ ہیں اور سب کو محلہ میں رہنا ہے، تو پھر باہم نزاع و جدال کی صورت پیدا کر کے اپنے سکون و اطمینان کو ختم کرنا کسی کے لیے مناسب نہیں ہے، بلکہ کمال نادانی و حماقت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ نہایت اطمینان کے ساتھ رہیں ورنہ اپنے اپنے کیے کا انجام خود سوچ لیں کہ کیا ہوگا۔ میں بطور احتیاط غیر سنیوں کی نماز و جماعت کے بارے میں کچھ لکھنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: یکے بعد دیگرے کچھ دقفہ کے بعد دوسرا سوال کچھ اضافہ و تغیر کے ساتھ پہلے سوال کے بعد آیا، میں نے دونوں سوالوں کو ڈورے سے منسک کر کے ۱ و ۲ لکھ دیا ہے اور جواب دوسرے سوال کی پشت پر لکھا ہے۔ نیز سوال کے کنارے نوٹ میں جو لکھا ہے کہ ''نماز عقیدے کے ماتحت پڑھتے رہیں گے'' اس جملہ کی تفصیلی مراد معلوم نہ ہو سکی۔ اگر یہ مراد ہے کہ دونوں فریق اپنے عقیدہ کے مطابق نماز پڑھتے رہیں گے تو پھر کسی فریق کو دوسرے فریق کی نماز جماعت پر اعتراض کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ (منہ)

مسئلہ ۲۴۱: ہمارے یہاں ایک امام صاحب ہیں جو دیوبندیوں سے میل جول رکھتے ہیں، ان کو اپنا پیشوا بھی مانتے ہیں، جیسے فرقانیہ گونڈہ، نور العلوم بہرائچ وغیرہ کے علماء مگر اس کے باوجود اپنے آپ کو سنی کہتے ہیں، اور پروپیگنڈہ میں بھی سنی رہتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ نیز وہ سنی ہے یا دیوبندی اگر کسی دیوبندی کو دیوبندی جانتے ہوئے کوئی شخص اس کو اپنا امام یا پیشوا تسلیم کرے، اس کے لیے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ ڈاکٹر محمد عمر شاہ گورنمنٹ رجسٹرڈ، گھر گوپور، گونڈہ، یوپی، ۱۰ ر جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ

الجواب: امام صاحب ہرگز ہرگز سنی قرار نہیں دیئے جا سکتے ہیں، جو وہابی، دیوبندی کو اپنا پیشوا مانے وہ سنی ہو ہی نہیں سکتا، اس کا دعویٰ پروپیگنڈہ غلط ہے، وہ یقیناً وہابی ہے، اس کے پیچھے ہرگز ہرگز کوئی نماز نہ پڑھیں، بلکہ ممکن ہو تو اسے امامت سے علیحدہ کر دیں۔ وہابی، دیوبندی کو جانتے ہوئے پیشوا جاننا ماننا شخص مذکور کو وہابی دیوبندی بنا دے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک بار غلطی سے وہابی حافظ سے نماز پڑھوا دی۔ اب لوگ ہمارے پیچھے نماز پڑھنے سے یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ آپ وہابی ہو گئے، جب تک آپ دوبارہ مسلمان نہ ہوں، ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ مجھے تقریباً وہاں امامت کرتے ہوئے سولہ سال ہو گئے۔ لہٰذا اب میں امامت کر سکتا ہوں یا نہیں، لوگوں کی نماز میرے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ حافظ علی محمد صاحب، موضع چک ڈاکخانہ کندری، ضلع مرادآباد، ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۸۷ھ پنجشنبہ

الجواب: آپ نے جس حافظ سے نماز پڑھوائی ہے، اگر وہ فی الواقع وہابی ہی تھا تو آپ پر توبہ لازم وضروری ہے، آپ اس گناہ سے توبہ مجلس عام میں کر کے آئندہ کے لیے عہد کریں کہ کبھی کسی وہابی مشتبہ الدین فرد سے نماز نہیں پڑھواؤں گا۔ تو آپ کے پیچھے سب سنی نماز پڑھیں، آپ نے گناہ کبیرہ کیا خارج از اسلام نہیں ہوئے، لہٰذا مسلمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ گناہ سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، بعد توبہ صادقہ آپ کے پیچھے سب کی نماز بغیر کراہت صحیح و جائز ہوگی۔ استحقاق امامت کے لیے سولہ سال کا ذکر بیکار ہے۔ پچاس سال امامت کرنے کے بعد بھی امام گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا تو اس کو توبہ کرنا ہی ہوگا۔ بغیر توبہ کیے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ توبہ صادقہ کے بعد آپ کے پیچھے سب کی نماز صحیح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے مدرسہ سعیدیہ میں حافظہ کی تعلیم حاصل کی اور وہ وہابیوں سے تعلق رکھتے ہیں لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی۔ صرف کچھ لوگ ان کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں۔ ان جمعہ پڑھنے والوں سے نماز پنجگانہ پڑھنے والوں نے جدوجہد کی کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں، کیونکہ یہ دیوبندی عقیدہ کے ہیں اور ان لوگوں نے ایک بار مولانا نذیر الاکرم صاحب کی لال مسجد میں نماز پڑھی تو انھوں نے مسجد دھلوانے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو وہابیوں سے مصافحہ کرے ان پر غسل کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا دریافت کرنا یہ ہے کہ ہم لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟

مسئولہ حافظ علی محمد صاحب، موضع چک ڈاکخانہ کندری، ضلع مرادآباد، ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۸۷ھ پنجشنبہ

الجواب: مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مدرسہ سعیدیہ اس وقت خالص سنیوں کا مدرسہ نہیں ہے۔ اس میں ہر قسم کے لوگ شامل و داخل ہیں، جس میں سنیت اور وہابیت کا کوئی خاص امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ زیادہ رجحان وہابیت کی طرف ہے اسی لیے وہاں کا ہر پڑھنے والا نہ پختہ سنی ہوتا ہے نہ پختہ وہابی الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ بالعموم وہاں کے پڑھے ہوئے حافظ سنی بھی ہوتے ہیں، تو پلپلے اور دبے لچے کمزور سنی ہوتے ہیں جن کو وہابیہ دیابنہ سے نفرت نہیں ہوتی ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا

کرتے ہیں، ان سے نماز پڑھوا دیتے ہیں، لہٰذا امام مذکور جن کا ذکر سوال میں ہے، جب وہ عقیدہ کے اعتبار سے مشتبہ ہیں اور عمل کے اعتبار سے بھی پختہ سنی نہیں ہیں، تو نماز جیسی مقدس عبادت کے لیے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے اور ان کو منصب امامت سے ہٹا دیا جائے۔ آخر اہل موضع ایسے مشتبہ الدین والدیانۃ شخص کو منصب امامت کے لیے رکھتے ہی کیوں ہیں؟ پہلے ہی تحقیق کر کے سنی اور پختہ سنی ہو تو اس کو رکھیں اور پختہ سنی نہ ہو تو نہ رکھیں۔ اس بات کی نسبت مولینا نذیر الاکرم صاحب[۱] کی طرف غلط ہے کہ وہابی مسجد میں گیا تھا تو انہوں نے مسجد دھلوائی تھی اور وہابی سے مصافحہ کرنے پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ نہ ایسا کرنا شرعاً ضروری ہے، انہوں نے ایسا نہ کیا ہے اور نہ کہا ہوگا۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۴۴: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا امام بدعقیدہ ہے، اس کی وہابیت اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ موضع کے لڑکوں کا داخلہ دیوبندی مدارس میں کراتا ہے تبلیغی جماعت کی مدارات کرتا اس کو مسجد میں سلاتا ہے۔ موضع کے لوگوں کو سنی پا کر اپنی بدعقیدگی ظاہر نہیں کرتا کیا ایسے امام کے پیچھے سنی صحیح العقیدہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲): اگر کوئی امام اپنی بدعقیدگی سے توبہ کرے، تو قابل قبول ہے یا نہیں؟

مسئولہ مولوی عبد السلام صاحب، موضع فتحپور، ضلع مراد آباد، ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ سہ شنبہ

الجواب: (۱): کسی پڑھے لکھے اور واقف کار آدمی کا اہل سنت کے بچوں کو دیوبندیوں کے مدرسہ میں داخل کرانا ہی اس کے فسق و فجور اور گمراہی و بے دینی کے لیے کافی ہے، پھر سونے پر سہاگہ کہ تبلیغی جماعت کی تعظیم اور تبلیغ والوں کی خاطر داری شخص مذکور کی بدمذہبی پر دلیل وافی، لہٰذا ایسے شخص کو ہرگز ہرگز اہل سنت و جماعت اپنی مسجد کا امام نہ بنائیں بلکہ منصب امامت سے علٰحدہ کر دیں، وہابیہ دیابنہ کے بڑے بوڑھے اور مقدس پرکھوں کا شیوا تقیہ کرنا رہا ہے، لہٰذا ایسے تقیہ باز اور مشتبہ فی الدین والاعتقاد کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے اگر فی الواقع یہ شخص وہابی، دیوبندی ہے تو اس کے پیچھے نماز ہی نہ ہوگی،

---

[۱] فخر ملت حضرت علامہ مفتی شاہ محمد نذیر الاکرم نعیمی علیہ الرحمہ کا شمار جماعت اہل سنت کے مشاہیر علماء میں ہوتا ہے، آپ ۲۹ رصفر المظفر ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی الحاج محمد ظہور نعیمی علیہ الرحمۃ سے حاصل کی اور پھر حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ درس نظامیہ اور فقہ وافتاء کے حصول کے لیے مرکز اہل سنت جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل ہوئے اور صدر الافاضل علامہ مفتی سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ و دیگر اساتذۂ وقت کے زیر نگرانی تعلیم کی تکمیل کی۔ اور فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ قطب الاقطاب حضرت سیدی سرکار اشرفی میاں کچھوچھوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت تھے اور خلافت واجازت حضرت صدر الافاضل مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی علیہم الرحمہ سے حاصل تھی، علمی و عملی خوبیوں کے حامل تھے۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے افریقہ کے ملکوں میں درجنوں تبلیغی دورے آپ نے کئے۔ آپ کی علمی وروحانی یادگاروں میں آپ کا نعتیہ دیوان ''روح ایماں'' اور اہم علمی موضوعات پر ''متفرق مضامیں وفتاویٰ'' ہیں۔ جدید علمی تقاضوں سے ہم آہنگ ایک دینی ادارہ کے قیام کے لیے تیس ایکڑ پر مشتمل وسیع وعریض پلاٹ آپ نے حاصل کیا۔ جو نعیمیہ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے جاری وساری ہے۔ ۱۸ ر محرم الحرام ۱۴۰۱ھ کی تاریخ میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ورنہ فسق وفجور کی بناء پر اور گمراہی وبدعقیدگی کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔شرح عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۳۰...میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): اگر کوئی امام اپنی بدعقیدگی اور فسق وفجور سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔فان التائب من الذنب کمن لاذنب لہ. (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل امور میں کہ:

(۱): زید پکا اور کھلا ہوا دیو بندی ووہابی ہے اس کے پیچھے نماز یا اس کی اذان واقامت یا اس کو سلام کرنا یا اس کا سلام لینا درست ہے یا نہیں؟

(۲): عمر ایک سنی صحیح العقیدہ شخص ہے اس نے اکثر نمازیں فتنہ وفساد کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ دیو بندی بھی مسجد میں نماز پڑھا دیتا ہے،محلہ کی مسجد میں باجماعت نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنی قیامگاہ یا دیگر مساجد میں باجماعت ادا کی جائے انفرادی طور پر بھی بعذر ادا کی دریں صورت حال عمر کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟بینوا توجروا،

مسئولہ محمد گلزار کشمیری، متعلم مدرسہ فاروقیہ عزیز العلوم،قصبہ بھوجپور ضلع مراد آباد، ۲۴؍ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ

الجواب: (۱): جو کھلا ہوا وہابی دیو بندی ہے اور شان الوہیت عز اسمہ اور شان رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں توہین آمیز عبارتوں کا قائل ومعتقد ہے اور گستاخ ودریدہ دہن ہے، ایسے وہابی کے پیچھے نماز جائز نہیں، نہ اس کی امامت و اذان قابل اعتبار ہے، اس کو سلام کرنا اور اس کے سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، چونکہ وہ مرتد، بے دین خارج از اسلام ہے۔شرح عقائد نسفی مطبوعہ کانپور ص ۱۱۵ میں ہے۔

اذلا کلام فی ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۳۰...میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): عمر کا وجوہ مذکورہ فی السوال کی بنا پر نماز جماعت سے احتراز واجتناب صحیح وجائز ہے، وہ شرعی مجرم نہیں، اس کی اقتدا بلاشبہ صحیح ودرست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ مسائل کے متعلق:

(۱): دور حاضرہ میں جو مختلف جماعتیں وہابی، دیو بندی، غیر مقلد وغیرہ موجود ہے، ان تمام حضرات کو امام بنانا درست ہوگا یا نہیں؟ (۲): اگر کسی نے معلوم نہ ہونے کے باعث ان کے پیچھے نماز ادا کی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہابی یا دیو بندی ہے تو اسے اپنی نماز لوٹانی پڑے گی یا وہی نماز کافی ہوگی؟ (۳): اگر کسی نے معلوم ہوتے ہوئے پھر بھی اس کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے، اور یہ بیان دیتا ہے کہ میری نماز سبھوں کے پیچھے ہو جاتی ہے، آخر یہ بھی تو مسلمان ہے، تو ایسے شخص کو شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ (۴): عقیدہ اہل سنت وجماعت کے علاوہ کے پیچھے نماز نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ تفصیلی طور پر بحوالہ قرآن وحدیث جواب عنایت فرمائیں۔

مسئولہ محمد ادریس، موضع برمسیا، پوسٹ برمسیا ضلع بھاگلپور، ۲۰؍ مارچ ۱۹۷۱ء شنبہ

الجواب: (۱)و(۲): کسی وہابی، دیوبندی، غیر مقلد، مودودی، رافضی، خارجی یا اور کسی بدعقیدہ شخص کو کسی نماز میں امام ہرگز ہرگز نہ بنایا جائے اگر ان میں سے کسی کی بدعقیدگی حد کفر کو پہنچی ہوئی ہے، جب تو اس کے پیچھے نماز ہی درست نہ ہوگی، ورنہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا دوبارہ صحیح طریقہ پر لوٹا کر پڑھنا واجب ہوجاتا ہے۔ شرح عقائد نسفی کانپوری ص ۱۱۵ میں ہے۔

وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلوٰة خلف الفاسق والمبتدع فمحمول علی الکراهة اذلا کلام فی کراهة الصلوٰة خلف الفاسق والمبتدع، هذا اذالم یؤدالفسق اوالبدعة الی حدالکفر، اما اذاادیٰ الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلوٰة خلفه، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے منع کی جو روایت اسلاف سے منقول ہوئی ہے یہ کراہت پر محمول ہے۔ کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ کراہت اسی وقت تک ہے کہ اس کا فسق حد کفر تک نہ پہنچا، اور اگر حد کفر تک پہنچ گیا تو اس کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔

کبیری کانپوری ص ۴۴۶ میں ہے۔

ویکون الامربالاعادة لازالة الکراهة لانه الحکم فی کل صلاة ادیت مع الکراهة ولیس للفساد. کراہت کو ختم کرنے کے لیے نماز کے لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا یہی حکم ہے۔

اسی کے ص ۴۷۶ میں ہے۔

ویکرہ تقدیم المبتدع ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۳۱... میں دیکھیں)۔

اسی سے لاعلمی میں ان کے پیچھے نماز پڑھ لینے کا حکم بھی معلوم ہوا کہ اگر کفر معلوم ہوا جب تو دوبارہ وقت کے اندر معلوم ہونے پر اعادہ (لوٹانا) فرض ہے، ورنہ اعادہ واجب ہے، اور وقت گزرنے پر معلوم ہوا تو قضا فرض یا واجب ہے۔ **واللّٰه تعالیٰ اعلم.**

(۳): یہ شخص خود بدعقیدہ اور صلح کلی ہے، اس کا یہ قول کہ "میری نماز سب کے پیچھے ہوجاتی ہے، غلط و باطل ہے اور جہالت و بے دینی پر مبنی ہے نماز کی صحت کا دارومدار ایمان واعتقاد صحیح پر ہے۔ صرف عرف میں مسلمان کہلانے پر نہیں ہے۔ کوئی شخص رافضی کے پیچھے قادیانی کے پیچھے نماز پڑھنا گوارہ نہیں کرتا۔ **واللّٰه تعالیٰ اعلم.**

(۴): فرمان خداوندی وحکم نبوی میں فاسقوں اور بے دینوں کی توہین کا حکم آیا ہے، حتیٰ کہ ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، ربط وضبط، میل جول سب سے منع کیا گیا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو امام بنا کر معظم قرار دینا درست نہیں ہے۔ ﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلاوا دے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) **و قال جل شانه** ﴿وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ [المائدہ: ۵۱] (تم میں جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے) ارشاد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

ہے۔ ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔ (خبردار ان سے دور رہو کہیں تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں) نیز حدیث نبوی میں ہے۔ من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام۔ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں تعاون کیا۔

حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتؤاکلوھم ولاتناکحوھم۔ نہ ان کے ساتھ بیٹھو، نہ کھاؤ پیو، نہ شادی بیاہ کا رشتہ قائم کرو۔

نیز فرماتے ہیں۔

اھل البدع شر الخلق والخلیقۃ۔ یعنی بدمذہب تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔

علامہ محقق سعد الملۃ والدین تفتازانی شرح مقاصد میں تحریر فرماتے ہیں۔

حکم المبتدع البغض ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۲۱۳ ... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس بارے میں کہ زید سنی صحیح العقیدہ ایک مسجد کا امام ہے بکر جو دیوبندی ہے، اس کی والدہ کی نماز جنازہ زید نے پڑھائی، جب کہ زید کو تحقیق سے بکر کی والدہ کا دیوبندی ہونا معلوم نہ تھا، اور زید کو یہ مسئلہ بھی معلوم نہ تھا کہ دیوبندی کی نماز جنازہ پڑھانی چاہیے یا نہیں، اور پڑھانے سے ازروئے شرع کیا جرم عائد ہوتا ہے۔ اس جنازہ میں شریک ہونے والے چند سنی مقتدیوں نے زید پر یہ اعتراض کیا کہ زید نے دیوبندی عورت کی نماز جنازہ کیوں پڑھائی، حالانکہ یہی چند مقتدی مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود دیوبندیوں کی نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں شرکت کرتے آئے ہیں، اور مذکورہ عورت کی نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں بھی شریک ہوئے ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید (امام) اور معترضین (چند مقتدیوں) پر ازروئے شرع علٰحدہ علٰحدہ کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ ملا محمد صدیق ٹیلر ماسٹر، محلہ بٹوارہ، جسپور، ضلع نینی تال، ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ

الجواب: کسی شخص کے دیوبندی ہونے سے اس کی والدہ کا دیوبندیہ ہونا لازم وضروری نہیں ہوتا ہے۔ نیز دیوبندی کس درجہ کا تھا یا دیوبندیہ کس درجہ کی تھی، سوال سے یہ معلوم نہ ہوسکا، بعض کی دیوبندیت حد کفر وارتداد تک پہنچتی ہے اور بعض کی دیوبندیت حد کفر وارتداد تک نہیں پہنچتی۔ اگر زید کو مرنے والی کا دیوبندیہ ہونا معلوم نہ تھا، نہ یہ علم تھا کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھانی صحیح ودرست ہے یا نہیں لیکن فی الواقع مرنے والی کی دیوبندیت حد کفر وارتداد کو پہونچی ہوئی تھی تو زید کا گناہ ہلکے درجہ کا ہے اور جن مقتدیوں کو صحیح علم تھا کہ مرنے والی دیوبندیہ درجہ کفر وارتداد تک پہونچی ہوئی ہے تو ان کا گناہ شدید درجہ کا ہے۔ یہ امام ومقتدی سب کے سب اپنے اپنے گناہ سے توبہ کریں، اور عہد کریں کہ آئندہ کبھی ایسے دیوبندی اور دیوبندیہ کی نماز جنازہ نہ پڑھیں گے۔ جاننے والے مقتدیوں کا اعتراض امام مذکور پر نامناسب ہے اور لم تقولون مالا تفعلون (ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے) کا مصداق ہے، ان مقتدیوں پر لازم تھا کہ

امام مذکور کو بھی بتاتے کہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، نہ خود پڑھتے اور اگر مرنے والی کی دیوبندیت حد کفر وارتداد کو نہیں پہنچتی ہے تو بھی کراہت سے بچنے کے لیے نماز جنازہ پڑھانے سے اجتناب ہی کرنا تھا۔ اس صورت میں بھی امام و مقتدی سب کو توبہ کرنی چاہیے، خلاصہ یہ کہ دیوبندی مرتد کی نماز جنازہ پڑھنی یا پڑھانی ناجائز و حرام ہے، اور دیوبندی غیر مرتد کی نماز جنازہ پڑھنی یا پڑھانی مکروہ تحریمی ہے، پھر لاعلمی اور علم واطلاع کی بنا پر حرمت و کراہت میں فرق ہوگا۔ نماز جنازہ کے فرض کفایہ ہونے کی شرط میت کا صحیح العقیدہ مسلمان ہونا چاہیے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۴۸: اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ دیوبندی کے ہاتھ کا حلال کیا ہوا جانور کا گوشت خرید لیا جائے تو اس کا کھانا کیسا ہے ایک شخص کے یہاں کوئی تقریب تھی تو امام صاحب جامع مسجد نے تو کھانا کھا لیا اور صاحب خانہ کی اذان و تکبیر امام صاحب نے بند کر دی اور منع کر دیا کہ آج کی تاریخ سے آپ نہیں ہوں گے، امام صاحب کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ رسول بخش، منڈی رام نگر، ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۹۷۲ء

الجواب: دیوبندی دو درجہ کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو حد کفر وارتداد تک ان کی بدعقیدگی پہنچ گئی ہے۔ دوسرے وہ جس کی بدعقیدگی حد کفر وارتداد کو نہیں پہنچی ہے۔ پہلے درجہ کے دیوبندی کا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا، بلکہ حرام ہے۔ اور اس کا کھانا بھی حرام ہے، چونکہ ذبح کرنے والے کا مومن ہونا ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد پنجم کتاب الذبائح کے ص ۴۳۵ میں ہے۔

ومنها ان يكون مسلما اوكتابيا فلاتوكل ذبيحة اهل الشرك والمرتد. ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کتابی، لہٰذا مشرک یا مرتد کا ذبیحہ کھانا حرام ہے۔

امام صاحب نے تقریب میں کھانا کھا لیا یہ بات تو سمجھ میں آئی، گھر والے کی اذان و تکبیر کیوں بند کر دی، اور اذان و تکبیر کے لیے آگے بڑھنے کو کیوں منع کر دیا، اس کی وجہ نہ معلوم ہوسکی، نہ یہ معلوم ہوسکا کہ امام صاحب نے کون سے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا، جس کے متعلق بتایا جاسکے کہ امام صاحب کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔ اس کی تفصیل معلوم ہو تو کچھ جواب دیا جاسکتا ہے۔ ورنہ مجھے معذور متصور کیا جاوے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید مسجد کا امام ہے، اہل سنت و جماعت مسلک کا معتقد پختہ ہے۔ مدرسہ حیات العلوم مراد آباد سے قرأت میں فارغ ہے۔ جمعہ کی نماز مدرسہ مذکور کے صافہ و جبہ کو پہن کر پڑھاتا ہے۔ صافہ پر مدرسہ حیات العلوم کا پتہ کشیدہ ہے۔ دریں حالت نماز درست ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ عبد الرحمٰن صدر جامع مسجد، جسپور، نینی تال، ۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۲ء

الجواب: اگر فی الواقع زید سنی صحیح العقیدہ صالح و متقی ہے تو اس کی امامت بلاشبہ اور بغیر کراہت صحیح و درست ہے، اس کے پیچھے بھی نماز صحیح اور درست کراہت کے بغیر ہوگی، کسی وہابی، دیوبندی مدرسہ سے ملے ہوئے صافہ و جبہ کے استعمال سے نماز میں کوئی کراہت و قباحت نہیں آتی یا پتہ کے کاڑھنے اور کڑھوانے سے نماز خراب نہیں ہوتی۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۵۰: کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، اور وہ ہمیشہ شروع ہی سے تکبیر میں کھڑا ہو جاتا ہے اور تکبیر واذان میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سن کر کبھی انگوٹھے بھی نہیں چومتا۔ حالانکہ اس سے بار بار کہا گیا مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ مسجد کے بالکل متصل حجرہ ہے اور وہ حجرہ کے باہر بیٹھ کر حقہ پیتا ہے، جس کی بدبو اور دھواں مسجد میں بخوبی پایا جاتا ہے اور وہ نماز میں اپنے گلے کا بٹن بھی کھلا رکھتا ہے، اور مسجد میں چارپائی بچھا کر سوتا ہے، جب کہ خارج مسجد اس سے کہیں زیادہ مناسب جگہ موجود ہے، ایسے امام کی اقتدا کرنا کیسا ہے؟

مسئولہ محمد شریف، محلہ کسرول مراد آباد، ۵ رشوال ۱۳۹۳ھ پنجشنبہ

الجواب: تکبیر کی ابتدا ہی سے کھڑا ہو جانا مطلقا اور اذان واقامت میں نام اقدس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر انگوٹھا نہ چومنا خلاف مستحب یعنی امر محبوب ومندوب کو چھوڑنا ہے، اور وہابیہ دیابنہ وغیرہ مقلدین کا شعار وطریقہ ہے۔ اسی طرح گلے کے بٹن کا کھلا رکھنا بھی معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔ مسجد کے حجرے کے باہر اس طرح پر حقہ پینا کہ اس کی بو اور دھواں مسجد میں پہونچے، بڑی غلط بات ہے۔ اسی طرح مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا بھی نہایت قبیح اور امر معیوب ہے۔ ان باتوں سے امام کا غیر محتاط ہونا یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ ایسے امام کی اقتداء مکروہ تنزیہی وناپسندیدہ ہے، اس کی اقتداء سے بچنا بہتر ہے، امام کو بڑا محتاط ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۱: حج کو جانے میں وہاں کے نجدی اماموں کے پیچھے جس نے نماز پڑھی تو کسی سنی کو اس کی اقتداء کرنا کیسا ہے، اہل سنت اسے امام بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ جو شخص بذات خود اتنا علم نہ رکھتا ہو کہ قرآن پاک کا ترجمہ صحیح کر سکے یا حدیث شریف سے واقف نہ ہو اور وہ کوئی حکم جاری کرے اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

مسئولہ محمد حنیف امام مسجد، مہلک پور معافی، مراد آباد، ۲۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ شنبہ

الجواب: اگر اس نے جان بوجھ کر نجدی امام کے پیچھے نماز پڑھ لی ہو تو جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہو سب کی قضاء پڑھیں، اور اپنے اس گناہ سے توبہ کریں۔ اس کے بعد اس حاجی کی اقتداء صحیح وبلا کراہت ہوگی ورنہ اس حاجی کو امام نہ بنائیں۔ بغیر علم شریعت مطہرہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ احکام شرعیہ کا اجراء کریں یا حکم شرعی بیان کریں کل بروز قیامت ایسے شخص کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ ہاں جس بات کا اسے صحیح ویقینی وتحقیقی علم ہو اس کو بیان کر دے تو کوئی حرج وقباحت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامة المشتبه (مشتبہ شخص کی امامت)

مسئلہ ۲۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید عمر کے یہاں ایک شب مہمان رہا۔ ایک مکان میں تنہا جو بہت محفوظ مکان ہے۔ جس میں کوئی دوسرا شخص نہیں آیا، رات کو سویا۔ عمر کی شیروانی جس میں تیس

(۳۰) روپئے کے نوٹ پڑے تھے، رکھی ہوئی تھی۔ صبح کو عمر نے اس کے چلے جانے پر دیکھا تو جیب سے پندرہ روپئے غائب ہیں۔ یہ روپیہ دوپہر کو رکھا تھا، اور صبح تک جب کہ زید اپنے مکان کو گیا، کوئی غیر شخص مکان میں داخل نہ ہوا۔ عمر بھی نہایت سچا اور نیک شخص ہے۔ عمر کی زید سے کوئی مخالفت نہیں۔ جب زید سے دریافت کیا تو وہ منکر ہو گیا کہ مجھے الزام لگاتے ہیں۔ ایسی صورت میں زید کی امامت درست ہے یا نہیں اور جن لوگوں نے اس چوری کی وجہ سے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے، ان کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ شمشاد حسین، موضع تلکوئی تحصیل ٹھاکردوارہ ضلع مرادآباد، ۷؍فروری ۱۹۵۸ء

الجواب: زید کا چور ہونا اور روپیہ چرانا جب تک شریعت طاہرہ کے مطابق ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک زید کی امامت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس کی امامت صحیح و درست ہے اور اس کی اقتدا میں نماز جائز ہے، محض چوری کے الزام سے زید کا چور ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ چوری کے ثابت کرنے کے لیے شہادت شرعیہ ضروری ہے۔ اس صورت میں جب عمر کوئی ثبوت چوری کا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تو زید قسم شرعی کھا کر یہ کہہ دے کہ میں نے عمر کا روپیہ نہیں چرایا ہے، تو زید شرعاً بالکل بری ہو جائے گا اور پھر کسی کو الزام لگانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ **قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام البینۃ علی المدعی والیمین علیٰ من انکر۔** (مدعی ثبوت پیش کرے ورنہ منکر کو قسم دلایا جائے گا) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید کسی مدرسہ کا مدرس ہے جو کہ اطراف میں کافی شہرت رکھتا ہے اس کے خلاف شرع کردار کے متعلق مبینہ شہادتیں موجود ہیں۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا کیسا ہے؟ پیدا ہونے والے اعتراضات کا موقعہ نہ دیا جائے۔ واقعات کو اس لیے نہیں تحریر کیا گیا کہ اس سے اہانت دین متین ہوتی ہے۔ اگر ضرورت واقع ہوئی تو پیش بھی کیا جا سکتا ہے؟

...بھائی صاحب وعلیکم السلام۔

عرض گذارش ہے کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ بھی بخیریت ہوں گے، آپ کا ایک کارڈ اور ایک لفافہ موصول ہوا۔ کارڈ لفافہ سے پہلے آیا تھا، جس کا میں جواب نہ دے سکی، کیونکہ کوئی ملتا نہیں ہے۔ جس سے ڈاکخانہ میں خط ڈلوایا جائے۔ اگر اور کہیں پر بھیجا جائے تو کوئی ڈر نہیں، یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے، اور صاف صاف لکھیں کہ آپ کا گھر جانا کیوں رک گیا، میں آپ کا شدت سے راستہ دیکھ رہی تھی، کب آئیں اور کب کہیں۔ جس کا مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ آپ اپنے گھر نہیں جا رہے ہیں اور نہ ابھی یہاں آئیں گے۔ مجھے بہت افسوس ہوا، میں عید کے موقعہ پر صاحب کے گھر گئی، صرف چار دن رہ کر اماں کے گھر آئی۔ اس وجہ سے کہ شاید آپ آئیں اور میں آپ کو نہ مل سکوں، تو لیکن آپ نہیں، آپ صاف لکھیں کہ گھر جانا کیوں رک گیا، مجھے آپ کی یاد ہر وقت رہتی ہے، آپ جلدی یاد نہیں کرتے ہوں گے، نہ جانے آپ سے اتنی کیوں محبت ہے، ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ راز افشاء نہ ہو جائے جو زندگی بھر کو بدنام ہو جاؤں، اور مرتے دم تک رہے گی، چاہے آپ کتنی ہی دور

پہونچ جائیں پھر بھی ہم نہیں ہوں گے، یہ پاک محبت ہے، مجھے یا آپ کو لالچ نہیں، آپ میرے متعلق بند لفافہ میں لکھیں کہ کیا رائے ہے، اب کی تو یہ سوچا تھا کہ جب آئیں گے منہ زبانی بات ہوجائے گی۔ میرا بھی اب بڑا دل گھبراتا ہے، اکیلے پڑے پڑے روتی ہوں، کوئی آہ وزاری کا سننے والا نہیں ہے، سوائے خدا کے۔ اماں کو ظاہر نہیں کرتی ہوں، انہیں صدمہ ہوگا۔ اگر میرے پاس خط کے جواب میں دیر لگے تو اس کی کوئی شکایت نہ کریئے گا، باقی دعائیں۔ آپ کی غم نصیب بھابھی...

مذکورہ بالا تحریر پیش کرنے کا منشاء صاف ظاہر ہے کہ جس شخص کا ایک اجنبی عورت سے ایسا تعلق ہو اس کو کسی بڑی جگہ کا امام بنانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالحمید، محلہ سقہ متصل مسجد بہشتیان جسپور ضلع نینی تال، ۳۰ر صفر المظفر ۱۳۸۲ھ

الجواب: غم نصیب بھابی کا خط جو بنام بھائی صاحب سوال میں درج ہے شرعاً تحقیق کئے بغیر محض اس خط کے مضمون سے زید پر کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا، چونکہ اس کے متعلق کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ یہ خط کس کا ہے اور اس کا مضمون صحیح ہے یا غلط۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کسی نے گمنام طریقہ پر ایسا خط لکھ کر زید کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہو۔ چونکہ اس زمانے میں اس قسم کا واقعہ بکثرت ظہور میں آتا ہے۔ کسی مومن کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنی بغیر تحقیق شرعی جائز نہیں۔

البتہ فی الواقع اگر زید کے افعال قبیحہ واعمال شنیعہ حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے بدلائل شرعیہ وشہادت معتبرہ فسق وفجور تک پہنچ گئے ہوں تو زید کو کسی بڑی مسجد یا چھوٹی مسجد کا امام ہرگز نہ بنایا جائے، اس کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا جو نماز اس کی اقتداء میں پڑھی جائے گی اس کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا شرعاً واجب ہے۔ شرح فقہ اکبر مجیدی کے ص ۸۶ میں ہے۔

ولا یجوز ان یرمی مسلم بفسق و کفر من غیر تحقیق. کسی مسلمان پر بغیر تحقیق فسق وکفر کا الزام ناجائز ہے۔

اسی میں ہے۔

ولا یجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق. بلا تحقیق ایک مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید کسی مسجد کا امام ہے اور ایک مدرسہ کا مدرس بھی ہے۔ اس کے کردار میں شرعی لحاظ سے کچھ خامیاں پائی گئی اور زید اس کے متعلق دبے الفاظ میں اقرار بھی کرتا ہے۔ وقوع واقعہ میں جو صاحب اس وقت موجود تھے وہ اس کے متعلق اور کچھ انکشاف کرتے ہیں۔ ان صاحب کے علاوہ دیگر صاحب بھی اسی قسم کی باتوں کا انکشاف کرتے ہیں جس کو ظاہر کرنا شریعت مطہرہ کی اہانت ہے۔ علاوہ ازیں اس امام کا ایک اجنبیہ عورت کے خطوط ان کے پاس آئے ہیں، وہ امام صاحب ان خطوط کے بارے میں اقرار بھی کرتے ہیں کہ یہ میرے ہی خطوط ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ان کو کسی مسجد کا امام بنانا کیسا ہے، اور اب تک ان کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئی ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ چند اشخاص نے عوام کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے

مجبور بنا رکھا ہے، جبکہ ان کے علاوہ اچھے چال چلن کا امام با[illegible]ں سکتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل اسلام کے نزدیک کیسا ہے؟

نوٹ: (۱): خطوط کے مضمون کو شرعی مصلحت کی بناء پر اس تحریر میں شامل نہیں کیا گیا، اگر ضرورت سمجھی گئی تو اس کو بھی پیش کر دیا جائے گا۔

(۲): ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ ہماری نماز تو ہر ایک کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ ایسے کہنے والے مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ جواب میں پیدا ہونے والے اعتراضات کا موقع نہ دیا جائے یہ استفتاء چند مقامات کو بھیجا جا رہا ہے۔

مسئولہ امین الدین تمباکو والے، جسپور ضلع نینی تال، ۲۷؍جولائی ۱۹۶۲ء

الجواب: ۱۸؍جولائی ۱۹۶۲ء کو دو سوالات مرسلہ عبدالحمید بذریعہ رمضان الدین تمباکو فروش محلہ سقہ مسجد بہشتیان قصبہ جسپور، ضلع نینی تال و محمد صدیق ٹیلر ماسٹر محلہ جٹوارہ قصبہ جسپور ضلع نینی تال زید کے متعلق آئے تھے اور سوال مندرجہ بالا کا تعلق بھی بالیقین اسی زید سے ہے۔ میں اس سوال کے مضمون سے اس نتیجے پر پہونچا، لہٰذا جناب ان دونوں صاحبان کے نام روانہ کئے ہوئے جوابات کو ملاحظہ فرمالیں، اس میں زید کے متعلق حکم شرعی معلوم ہو جائے گا، مزید جواب سوال نمبر ۱ کا درج ذیل ہے۔

زید کے کردار میں کیا شرعی خامیاں ہیں، ان کی تفصیل معلوم کیے بغیر کوئی شرعی حکم صادر نہیں کیا جا سکتا اور زید کے ان خلاف شرع کردار پر مستند و معتبر و پابند شرع مطہرا فراد کی شہادتیں ہیں یا نہیں۔ سوال سے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا۔ ان کا حال بھی معلوم ہونا ضروری ہے اور بغیر شہادت شرعیہ مذکورہ کے زید کو فاسق و فاجر اور نا قابل امامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آخر کیا سبب ہے کہ سائل گول مول طریقہ پر زید کو شرعی مجرم قرار دے کر سوالات کرتا ہے اور ثبوت فسق کا کوئی واقعہ قابل اعتماد ذکر نہیں کرتا اور یہ عذر بارد بیان کرتا ہے کہ "جس کو ظاہر کرنا شریعت مطہرہ کی اہانت ہے" اور زید کی اہانت ہوتی ہے یا نہیں اس کا سائل کچھ لحاظ نہیں کرتا۔ کسی شرعی مجرم کے جرم کے بیان کرنے میں شریعت طاہرہ کی اہانت نہیں ہوتی اور کسی غیر مجرم کو اپنے ظنون فاسدہ و اوہام باطلہ کی بناء پر مجرم و فاسق قرار دینا اور مجرم و فاسق ٹھہرانے کے لئے شرعی فتویٰ کی آڑ لینا خود بدترین جرم ہے اور زید جو امام و مدرس ہے، اس کی اہانت ہوتی ہے اور کسی مومن کامل اور مرد صالح کی اہانت جائز نہیں ہے۔

سائل کا یہ لکھنا کہ "علاوہ ازیں ان امام صاحب کا ایک اجنبیہ عورت سے تعلق ہے ظاہر ہے کہ اس تعلق سے ناجائز تعلق ہی مراد ہے جو حرام و گناہ اور فسق و فجور ہے۔ کسی مومن کی طرف فسق و فجور کی نسبت کرنا حرام و ناجائز ہے، تاوقتیکہ شرعاً فسق و فجور کی تحقیق نہ ہو جائے کسی مومن کو فاسق و فاجر نہیں کہا جا سکتا ہے، لہٰذا زید کو بھی فاسق و فاجر نہیں کہا جا سکتا نہ اس کی امامت پر کوئی حکم کراہت صادر کیا جا سکتا ہے۔ زید کا امام بنانا صحیح و درست ہے اور اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی گئیں وہ صحیح و جائز ہوئیں۔ جن اشخاص نے عوام کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے مجبور بنا رکھا ہے ان کا اقدام صحیح ہے۔ **واللہ تعالیٰ**

اعلم.

(۲): جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ ہماری نماز تو ہر ایک کے پیچھے ہو جاتی ہے اس سے اس کے اس جملہ کا مقصد دریافت کیا جائے اگر وہ اپنی مراد یہ بتائے کہ ہماری نماز تو ہر سنی امام کے پیچھے ہو جاتی ہے تو اس مسلمان کا کہنا حق بجانب اور صحیح و درست ہے اور اگر مسلمان مذکور اپنے اس جملہ کا کوئی دوسرا مطلب اس کے سوا بیان کرے تو سائل دوبارہ لکھ کر دریافت کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: سائل نے اخیر میں یہ لکھا ہے۔ ''جواب میں پیدا ہونے والے اعتراض کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ استفتا چند مقامات کو بھیجا جا رہا ہے''۔ ان دو جملوں سے ظاہر ہے کہ سائل نے مفتی کو ڈرانے دھمکانے ڈرانے اور مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں سائل کو چیلنج کرتا ہوں کہ میرے جوابات پر جتنے وہ اعتراضات کر سکتا ہو کرے۔ میں ان سارے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں اور سائل سے میری گذارش ہے کہ چند مقامات پر استفتا بھیجنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ جملہ بلا عرب و عجم سے فتوے منگائے اور مجھے مرعوب نہ کرے۔

مسئلہ ۲۵۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مخصوص پیپل کا درخت جس کے نیچے بھیرن استھان کا تودہ بنا ہوا ہے۔ ہندو وہاں اس کی پرستش وغیرہ کرتے ہیں۔ اس درخت کی ایک بڑی شاخ کٹانے کی غرض سے ایک مولوی صاحب نے وہاں شیرینی رکھی، اپلے کی آگ پر لوبان جلایا اور ہاتھ اٹھا کر کچھ پڑھا پھر شاخ پر اپنے ہاتھ سے پانچ مرتبہ کلہاڑی لگائی۔ پھر مزدور نے کاٹ دیا۔ مولوی صاحب کا یہ عمل ایسے مقام پر از روئے شرع متین درست ہے یا نہیں۔ اس پر کیا حکم ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد رفیق عالم، موضع و ڈاکخانہ سجان پور، کٹوریہ، ضلع بھاگل پور، بہار، ۲۶ محرم ۱۳۸۵ھ

الجواب: کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا بغیر تحقیق جائز نہیں، چہ جائیکہ مولوی صاحب کی طرف بغیر ثبوت و تحقیق کسی گناہ کبیرہ یا کفر کی نسبت کی جائے، جہاں تک ہر مومن کے ساتھ حسن ظن کا تعلق ہے اس کے ماتحت تو مولوی صاحب کے لئے بھی یہی نیک گمان کیا جائے گا کہ مولوی صاحب نے اللہ کے نیک بندوں کے نام فاتحہ و ایصال ثواب کر کے درخت کی شاخ پر خود کلہاڑی ماری تا کہ اس فاتحہ کی برکت سے اگر درخت پر کچھ شیطانی اثر ہو تو دفع ہو جائے اور جاہل مزدور کو پیپل کی شاخ پر کلہاڑی چلانے کی ہمت ہو سکے۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ عمل ہرگز ہرگز خلاف شرع قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ مولوی صاحب نے شیرینی آگے رکھ کر لوبان جلا کر وید و شاستر کے کلمات یا اور کوئی دوسرے کلمات کفر پڑھے ہوں۔ لہٰذا مولوی صاحب کا یہ عمل قابل مواخذہ نہیں ہے، ان کے پیچھے ان کی اقتدا میں نماز کا ادا کرنا صحیح و درست ہے۔ مولوی صاحب مذکور سے احتیاطاً دریافت بھی کر لیا جائے کہ آپ نے اس موقع پر کیا پڑھا تھا، اگر وہ پڑھنے کی کچھ تفصیل بتائیں جو قابل مواخذہ ہوں تو دوبارہ دریافت کیا جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲] (اے ایمان والو بچو بہتیرے گمان سے بلا شبہ کوئی کوئی گمان گناہ ہوتا ہے) (معارف)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں زید حافظ قرآن ہے، اور وہابیوں کے مدرسہ میں تعلیم پائی اور ایک عرصہ سے وہابیوں کے ہی مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہے اور تقریباً دو سال سے مولوی منظور نعمانی سنبھلی کا ایک بھائی ہے جو سخت وہابی ہے، اس نے ایک مدرسہ کھولا ہے اب زید یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ میں سنی ہوں۔ کیا سنیوں کی مسجد میں ایسے حافظ کا تراویحوں میں قرآن شریف پڑھنا اور سنیوں کو اس کی اقتدا کرنا صحیح ہے، اور اگر کوئی سنی ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھے تو احتیاط کے خلاف ہے یا نہیں جب کہ یہ بھی خطرہ ہو کہ وہابی اعتراض کریں گے کہ ہمارے مدرسہ کے مدرس کے پیچھے سنی نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ عمل دوسرے سنی عوام کے لئے گمراہی کا سبب بھی بن سکتا ہے اور وہابی اس سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں؟

مسئولہ جناب سلامت اللہ صاحب، سنبھل، ۱۱ر شعبان ۱۳۸۶ھ

الجواب: اگر فی الواقع زید کے متعلق بیان کردہ حالات مبنی بر حقیقت ہیں تو بلا شبہ زید مشتبہ الحال وہابی ہے۔ کوئی سنی اس کی اقتدا میں تراویح ہو یا فرض و وتر کوئی نماز ہرگز ہرگز نہ پڑھے۔ نہ سنی اس زید کو اپنی مسجد میں تراویح پڑھانے کا موقع دیں۔ سنی عوام سے زیادہ احتیاط سنی مولوی پر لازم ہے، کہ وہ خود نہ اس کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھے اور نہ دوسروں کو پڑھنے کی اجازت دے یا حکم و مشورہ دے بلکہ دوسرے سنیوں کو بھی اس کی اقتدا میں تراویح کی نماز پڑھنے سے منع کرے۔ یہ امر یقینی ہے کہ متصلب وہابی اپنے مدرسہ میں کبھی متصلب سنی کو مدرس نہیں رکھ سکتا، لہٰذا زید کا یہ ظاہر کرنا کہ میں سنی ہوں، ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ اگر وہ سنی ہوتا تو وہابیہ کے مدارس میں ملازمت نہیں کرتا، نہ اس کی چاپلوسی میں رہتا اور سنی ہے تو کھل کر وہابیہ دیابنہ کی تکفیر و تضلیل ان کے عقائد باطلہ کی بنا پر تحریر و تقریر سے کرے۔

فرمان نبوی ہے۔ **دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يَرِيبُكَ** شک کو چھوڑ کر یقین کی طرف جاؤ اور وقال **بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا**۔ خوش خبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔ (و قد ورد) **اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمِ** (تہمت کے مقامات سے بھی بچو) کے تحت اس سے بچنا چاہئے۔ اگر یہ سب پیسہ حلال کمائی کا نہ تھا تو پھر سب کچھ ناجائز و باطل ہوا۔ علم ہونے پر سب لوگ توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایسی کمیٹی کے انتظام کے تحت ہے جس کے کچھ ممبران دیوبندی خیال کے ہیں اور کچھ سنی۔ اس مسجد کا امام فی الحال سنی صحیح العقیدہ ہے جو جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے فارغ ہے اور دار العلوم شاہ عالم احمد آباد سے سند قرأت بھی حاصل کیا ہے۔ ہر جمعہ کو سنیت کی نشر و اشاعت بھی کرتا ہے۔ لیکن کمیٹی کے دیوبندی افراد امام مذکور کو نکالنے کی انتھک کوشش کر رہے ہیں اور طرح طرح کے فتنہ و فساد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس غرض سے کہ سنی امام کا جرم ثابت کر کے امامت سے برطرف کر دیا جائے اور اس کی جگہ پر دیوبندی عقائد کا امام مقرر کر دیا جائے۔ اس غرض فاسد کے نظریہ سے ایک ایسے حافظ مؤذن کو مقرر کیا ہے جو اذان کے علاوہ امام مذکور کی غیر موجودگی میں نماز بھی پڑھائے۔ اس کو کچھ لوگ وہابی کہتے ہیں اور امام مذکور بھی لوگوں کے کہنے سے وہابی سمجھتے تھے لیکن جب امام مذکور نے مؤذن مذکور سے عقائد کے متعلق گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ وہ دیوبندی علماء کے اقوال کفریہ کو کفر جانتا ہے

اوراس کے قائل کو کافر جانتا اور مانتا ہے لیکن علیٰ سبیل التعیین کسی کی تکفیر نہیں کرتا ہے۔ جب مؤذن مذکور نے نماز تراویح پڑھائی، تو امام مذکور مصلحتاً بلانیت صلاۃ صرف صف میں کھڑے ہو جاتے تھے کیونکہ اگر جماعت کرتے اور صف میں کھڑے نہ ہوتے تو فتنہ شدید برپا ہونے کا ظن غالب تھا اور اگر امام مذکور اپنی نماز کی حفاظت کے لئے رخصت لے کر چلے جاتے تو پانچوں وقت کی امامت مؤذن مذکور ہی کرتا، کیونکہ وہ اسی لئے مقرر ہی ہوا ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اعذار مذکورہ سے مصلحتاً بلانیت نماز صف میں امام کا کھڑا ہونا ازروئے شرع درست ہوا یا نہیں۔ برتقدیر ثانی امام مذکور پر حکم شرع کیا ہے۔ ایسے امام کی اقتدا صحیح ہے یا نہیں؟ ایسے ماحول میں امام مذکور کو مسجد بچانے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالحلیم بہاری، ۴، ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ پنجشنبہ

الجواب: سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ موذن مذکور سنیت اور دین وایمان کے اعتبار سے مشتبہ ہے چونکہ مؤذن مذکور کو کچھ لوگ وہابی کہتے ہیں اور امام مذکور بھی وہابی سمجھتا رہا نیز عقائد کے متعلق گفتگو کے بعد والی بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مؤذن کھلا ہوا وہابی نہیں ہے لیکن بر سبیل تعیین کسی کی تکفیر نہ کرنے سے اس کی سنیت کمزور قسم کی معلوم ہوتی ہے، ایسی صورت میں امام مذکور نے اگر کمال احتیاط کی بنا پر محض سد باب فتنہ کی خاطر مؤذن مذکور کی نمائشی اقتدا اور بغیر نیت نماز تراویح میں کرلی تو امام مذکور پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ یہ اس کا فعل واقدام اس کے کمال تقویٰ اور غایت احتیاط پر دال ہے، امام مذکور کی امامت صحیح وجائز اور اس کی اقتداء بغیر کراہت درست وروا ہے، امام مذکور پر مسجد کو بے دینوں کے قبضہ سے بچانے کے لئے ہر جائز ومناسب تدبیر وعمل بروئے کار لانا ضروری ہے۔ فان النبی علیه الصلوٰۃ والسلام قال انما الاعمال بالنیات و انما لکل امریٔ مانویٰ و قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالک اضعف الایمان۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔ ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ نیز فرمایا "جس نے کوئی برائی دیکھی تو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کو دور کردے اگر اس کی طاقت نہیں تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو اپنے دل سے برا جانے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸: علمائے دین شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں پر امام مسجد اغوان پور والے ہیں لیکن ایک دن گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں پہلے اہل سنت وجماعت تھا لیکن جب میری بیوی کا انتقال ہوگیا تو میں نے ایک رافضن سے نکاح کیا اور نکاح سے پہلے میں اس کو فرار کر چکا تھا۔ بعد فرار کرنے کے اس نے اپنے نکاح میں لیا اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے اور میں بھی اس شنیع مذہب میں رہا۔ اب اس رافضن کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ بچے ابھی تک شنیع مذہب میں ہیں اور ان کی یہ امام پرورش کرتے ہیں۔ اب وہ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ میں اب تقریباً اٹھارہ سال سے سنی ہو چکا ہوں اور گھر کی حالت رافضی معلوم ہوتی ہے جب آدمی ان کی طرف سے کراہت کرنے لگے تو جمعہ میں قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہا کہ میں اب اہل سنت ہوں۔ بغیر کسی کے کہے ہوئے یہ قسم کھائی تھی لیکن اس قسم پر بھی آدمی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسجد کی آمدنی سے رافضی شیعہ کی پرورش پر صرف کرتے ہیں؟

مسئولہ ایم شہاب الدین اکرمی، قاضی پورہ، ۹ ر رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ پنجشنبہ

الجواب: جب یہ امام اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے مشکوک اور مشتبہ الحال معلوم ہوتا ہے تو ایسے شخص کو سنی ہرگز ہرگز امام نہ بنائیں، بلکہ امامت سے علیحدہ کر کے دوسرے ایسے شخص کو امامت پر مامور کریں جو عقیدہ و عمل کے اعتبار سے مشکوک و مشتبہ الحال نہ ہو۔ رافضی کے یہاں تقیہ جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس امام نے قرآن مجید لے کر قسم کھانے کا کام تقیۃً ہی کیا ہو۔ لہٰذا امامت کے لیے دوسرا سنی صحیح العقیدہ امام مقرر کیا جائے۔ فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک ’’یعنی جو چیز تم کو شک میں مبتلا کرے اور شبہ میں ڈالے اس کو چھوڑ کر بلا شک و شبہ والی چیز کو اختیار کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۵۹: عرض یہ ہے کہ ایک شخص پیش امام ایک موضع میں نماز پڑھاتا ہے اور بچے بھی پڑھتے ہیں۔ اتفاق سے انھیں پڑھنے والے بچوں میں سے ایک لڑکی سے امام کے لڑکے کا رشتہ قرار ہو جاتا ہے۔ جب رشتہ قرار ہو گیا تو اس لڑکی کو اپنی سمجھ کر نماز عشاء کے بعد سبق پڑھانے جایا کرتے تھے، سب گھر والوں کی محبت کافی بڑھ گئی۔ سبق کے بعد زنانہ مکان سے بیس قدم کے فاصلہ سے سونے جگہ تھی، وہاں جا کر سو جایا کرتا تھا اور وہیں لڑکی کا ادا بھی سوتا تھا۔ دو چار مہینہ کے بعد کسی وجہ سے وہ رشتہ امام نے چھوڑ دیا اور اپنے لڑکے کا رشتہ و شادی دوسری جگہ کر لی لیکن اس گھر کی محبت امام کی کچھ اچھائی یا برائی سمجھ کر پہلے جیسی ہی رہی، لیکن امام اپنی شرم یا رشتہ چھوڑنے کی وجہ سے ان سے محبت نہیں کرتا تھا اور نہ ان کے گھر جاتا تھا، گھر والوں کی محبت دیکھ کر خاص ہمسایہ اور پڑوسیوں نے نہ کوئی بات سمجھی نہ امام کو کہا بلکہ ۵۰۰ آدمیوں کی بستی میں سے کل چار یا پانچ آدمیوں نے یہ شبہ اور بدنامی کی کہ امام کا اور لڑکی کی ماں کا ناجائز تعلق ہے، یہ امام نہیں رہنا چاہیے اور پانچ سو آدمی کہتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ امام پاک ہے اور یہی رہنا چاہیے، اب دیکھئے پانچ آدمی ایک طرف اور (۵۰۰) پانچ سو آدمی ایک طرف ہیں، اور لڑائی و جھگڑا کو تیار ہیں اور امام اپنے گھر جاتا ہے تو وہ پانچ سو آدمی گھر سے بھی لے آتے ہیں، اب برائے مہربانی اس کا پورا فتویٰ دید یجیے؟

مسئولہ تصدق حسین، موصع ادمان والا، ڈاکخانہ بھگت پور، مراد آباد، ۱۶ ر جولائی ۱۹۷۰ء

الجواب: سوال سے ظاہر ہے کہ بستی کے اکثر آبادی کے مسلمانوں کو امام صاحب پر مکمل اعتماد و وثوق ہے، کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے، صرف چار پانچ آدمیوں کو محض بے بنیاد اور بغیر ثبوت شرعی کے امام صاحب پر شک و شبہ ہے کہ ان کا ناجائز تعلق اس لڑکی کی ماں سے ہے جس سے امام صاحب نے اپنے لڑکے کا رشتہ پہلے طے کیا تھا۔ اگر فی الواقع یہی بات صحیح ہے تو امام صاحب پر الزام رکھنا اور ناجائز تعلق کی بات کی نسبت امام صاحب کی طرف کرنا ناجائز و گناہ وحرام و ممنوع ہے۔ حکم شریعت مقدسہ یہ ہے کہ کسی بھی مومن صالح کی طرف کسی گناہ کبیرہ کی نسبت بغیر تحقیق کرنا ناجائز ہے۔ یہ چار پانچ آدمی ناجائز وحرام کے مرتکب ہوئے اور امام صاحب شرعاً صحیح و درست اور صالح ہی قرار پائے، ان کو ہی امام رکھا جائے، ان کو ایسی صورت میں امامت سے علیحدہ کرنے کی وجہ جواز نہیں ملتی۔ ہاں اگر فی الواقع امام کے فسق و فجور کی بابت ثبوت شرعی مل جائے تو امام کو معزول کر دیا جائے، ورنہ امام اپنے حال پر برقرار رکھا جائے۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں

ہے۔

ولایجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق. بلاتحقیق ایک مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

امامۃ الفاسق (فاسق کی امامت)

مسئلہ ۲۶۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱): جس تقریب میں سہرا اور بری ہو اس میں شریک ہونا صحیح ہے یا نہیں؟

(۲): جس تقریب میں انگریزی باجہ اور گراموفون باجہ ہو، اس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۳): اگر امام یا اور کوئی شخص ایسی دونوں تقریبوں میں شامل ہوں تو ان کو اس میں کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور ان کی اقتدا میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد امام الدین، سلطان پوری، ۱۶؍شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ پنجشنبہ

الجواب: (۱): سہرے اور بری سے کوئی تقریب ناجائز نہیں ہوتی، لہٰذا ایسی تقریب میں شریک ہونا صحیح و جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): ایسی تقریب میں شریک ہونا جس میں انگریزی باجہ اور گراموفون کے ریکارڈ بجائے جائیں جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): ہر امام پر لازم ہے کہ کسی ناجائز تقریب میں شرکت نہ کرے اور ایسی تقریبات میں کھانا کھانے سے پرہیز کرے۔ جو امام کسی ناجائز تقریب میں شریک ہوگا، وہ فاسق و گنہ گار ہوگا، اس کی اقتدا میں جو نماز پڑھی جائے گی واجب الاعادہ ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۶۱: ایک لڑکے نے اپنے والد صاحب کو زہر دیا تھا، جس کی بنا پر اس کے والد نے (جو ایک متبحر عالم ہیں) اس کو عاق قرار دے دیا ہے۔ پس کیا ایسے شخص کو امام مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

مسئولہ ابوبکر اینڈ سنز، کمرشیل اسٹریٹ، بنگلور نمبر ۱

الجواب: جس شخص نے اپنے باپ کو اذیت پہنچائی اور اسے زہر دیا، وہ مرتکب گناہ کبیرہ و فاسق ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۶۲:

استفتاء

اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ محمد نذیر خریدار ۱۰۲۱

الجواب : جائز نہیں۔ (آستانہ ماہ فروری ۱۹۵۰ء ص ۶۹، کالم ۳)

اس مسئلہ کے مطابق ایک مسجد کا مؤذن جو نیا امام ہوا ہے، پہلے کانگریس کے ووٹ کے زمانہ میں امام کے موجود ہوتے ہوئے اپنے آپ کو امام لسٹ میں لکھوا کر کانگریس سے سو روپیہ وصول کر لیا۔ اس کے علاوہ کثرت سے جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلاف ہے، امانت میں خیانت کرتا ہے، بلکہ امانت کا پیسہ جو متولی صاحب کو دینے کے واسطے دیا تھا وہ امام کے بغیر اجازت خرچ کر لیا اور امام سے کہا کہ ہمارے یہاں دو روز کا فاقہ تھا، ہم نے راشن منگوالیا ہے، ہم پرسوں دیں گے، مگر وعدہ خلافی ہی نہیں کی، بلکہ وہ پیسہ ہضم کر لیا۔ اسی طرح بیسیوں لوگوں سے قرضہ لے کر وعدہ کیا کہ فلاں دن یا ہفتہ میں یا تنخواہ ملنے پر دے دوں گا، مگر وعدہ ہوتے ہوتے ہوئے مانگنے والا تھک گیا اور وہ اس کو ہضم کر گیا۔ ایک شخص سے ساڑی کی تجارت زیادہ تعداد میں کرنے کو یہ کہہ کر روپیہ لیا کہ منافع میں آدھا ساجھا دیا جائے گا، مگر اصل و منافع سب غائب۔ جب وہ شخص لوگوں کے سامنے گڑگڑایا اور شکایت کی تو تین حصہ اصل میں دیا۔ ایک حصہ غائب۔ اسی مسجد کا امام جو دو ماہ قبل استعفیٰ دے چکا، بیسیوں شکایت اہل محلہ سے مقتدیوں نے کرتا رہا، حتیٰ کہ متولی صاحب تک شکایات پہونچائیں، مگر متولی صاحب جہاں دیدہ تجربہ کار ہیں، انھوں نے مطلق خیال نہ کیا اور اس کی کچھ نہ چلی۔ اب ایک موقع مسجد مذکور کی مرمت کا آتا ہے، امام مسجد جو ماہ جون ۱۹۵۲ء تک امام تھا، وہ مسجد میں ہر مہینہ کے اعمال طبع کیے ہوئے یا قلمی تحریر کیے ہوئے بورڈ پر چسپاں کر کے پریگ مسجد میں لٹکا دیتا تھا، جس میں چاندرات کے نوافل، روزہ اور اوراد درج رہتے تھے۔ متولی صاحب نے کبھی اعتراض نہیں کیا، اور مقتدیان مسجد اور دیگر مسلمین کو ان سے فوائد ہوتے رہے حتیٰ کہ رجب المرجب کی ۲۷؍ شب اور شب برات و دیگر اور شبیں بھی اللہ کے پیارے بندے نوافل اور اوراد وغیرہ میں مصروف نظر آتے تھے۔

رجب المرجب میں مؤذن کو اطلاع ملی کہ اس مرتبہ متولی صاحب باقاعدہ مسجد کی مرمت کرادیں گے، اتنا معلوم کرنے پر مؤذن صاحب نے فوراً اسلامی مسائل کے بورڈ اتار کر مسجد کی مشرقی دیوار میں جو اندرون مسجد الماری کی شکل میں محرابی صورت میں بنی ہیں، وہاں رکھ دیئے۔ امام نے ایک ڈاکٹر صاحب جو محلہ کے معزز لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں، ان سے شکایت کی کہ ان میں آیات قرآن حکیم، احادیث رسول کریم لکھی ہیں اور نماز باجماعت کے وقت لوگوں کی پشت پڑتی ہے، اور بے ادبی ہوتی ہے، انھوں نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر پھر جہاں تھے وہاں ٹانگ دیئے مگر مؤذن نے غصہ میں آکر یہ بات کہی کہ امام نے مسجد کو صنم خانہ بنا رکھا ہے مگر ان کو کوئی جواب نہ دیا گیا شعبان المعظم میں مسجد کی مرمت شروع ہوئی تو مسجد کے اندر ۱۴؍ فریم میں کاغذات جو حضرت مولینا عبدالمسجود صاحب وجودی قادری جبلپوری نے دیئے تھے، وہ لگے ہوئے تھے، جس میں مسائل زکوٰۃ، مسائل نماز، مسائل وضو، مسائل تیمم، مسائل حجامت، مسائل لباس، مسائل زکوٰۃ، مسائل استنجا، مسائل یورات، آداب مسجد، مسئلہ اعتکاف، مسئلہ داخل مسجد، کھانے پینے کے آداب، آداب خطبہ، یہ فریم میں کرا کے امام نے لٹکا دیئے تھے، مرمت کے وقت اتار دیئے گئے اور مرمت ختم ہونے پر متولی صاحب کا حکم آیا کہ اب مسجد میں ایک بورڈ یا ایک فریم بھی نہیں لگایا جائے گا، یہ حکم بذات خود متولی صاحب کا سمجھا نہیں جاتا، کیونکہ وہ دیندار شخص ہیں، مگر ان کو سمجھایا گیا ہوگا، غرض کہ جب یہ حکم آیا، تب امام نے کہا، یہ مخالفت احکام خدا اور رسول کے خلاف ہے، حکم خدا اور فرمان رسول

کے مقابلہ میں آپ کا حکم ماننے کو تیار نہیں، یہ کہہ کر ۵ر جولائی ۱۹۵۲ء کو استعفاء داخل کر کے علحدہ ہوگیا، اب اسی مقام پر وہ موذن وامام دونوں کا کام انجام دیتا ہے، اور اتنے ہی دنوں میں جو کمرہ امام کے واسطے منتخب تھا اور کبھی کسی امام نے اپنے بیوی و بچوں کو مسجد کا احترام کرتے ہوئے نہ رکھا تھا، مگر موجودہ امام نے امام ہوتے ہوئے اسی کمرہ میں اپنے بیوی بچوں کو لاکر رکھا ہے، اور خانہ خدا کا کچھ احترام نہ کیا مسجد کا رقبہ بہت زیادہ نہیں ہے، جو کمرہ دور جا کر پڑتا، بلکہ مسجد سے بالکل ملا ہوا ہے۔ ایسے امام کے واسطے شریعت کا کیا حکم ہے، کیا اس کے واسطے جائز ہے، اگر اس نے متولی کی اجازت سے بال بچوں کو رکھا ہے تو متولی کے واسطے شریعت کا کیا حکم ہے؟ **بینوا بالکتاب توجروا۔**

مسئولہ محمد علی، دین اسٹریٹ، کلکتہ

الجواب: فی الحال جو امام ہے جس کے احوال وکوائف بالتفصیل سوال میں درج ہیں اگر واقعی اس کے یہ احوال صحیح ہیں اور اس کا کذب و بہتان اس کی مکاری وکیادی ثابت ہے تو وہ فاسق ہے۔ اس کا امام بنانا اس کو امام مقرر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئیں یا پڑھی جائیں گی ان کا لوٹانا، دوبارہ غیر مکروہ طریقہ پر پڑھنا واجب ہے۔ امام مذکور کا مسائل دینیہ کے فریم والے کتبوں کے لٹکانے اور اس کے احترام کرنے پر یہ کہنا ''کہ مسجد کو صنم خانہ بنا رکھا ہے'' سخت مذموم وقبیح ہے۔ اس کی جہالت و نادانی پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ ایسے کاغذات کا جن میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ ومسائل دینیہ لکھے ہوں شریعت مطہرہ نے احترام ضروری قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ سارے کاغذات اور حروف کی تعظیم شرعا مطلوب ہے۔ بلکہ جس قلم سے لکھنے کا کام لیا جا چکا ہو، دوبارہ اس قلم کے بناتے وقت جو برادہ نکلے اس کا احترام شرعا مطلوب ہے۔ صغیری ص ۲۶۴ میں ہے۔

و یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم . فاسق کو آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۰۷ میں ہے۔

والمکروہ تحریما الی الحرمۃ اقرب و تعاد الصلوۃ مع کو نھا صحیحۃً لترک واجب وجوبا وتعاد استحبابا لترک غیرہ قال فی التجنیس کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ فانھا تعاد لا علی وجھہ الکراھۃ. مکروہ تحریمی حرمت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو اگرچہ کہ مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لیکن ترک واجب کی وجہ سے اس کا لوٹانا واجب وضروری ہے۔ اور اگر مکروہ تحریمی کا ارتکاب نہیں ہوا تو لوٹانا مستحب ہے۔ تجنیس میں کہا کہ ہر وہ نماز جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی اسے غیر مکروہ طریقہ پر لوٹایا جائے۔

مراقی الفلاح ص ۸۵ میں ہے۔

لا یجوز لف شئی فی کاغذ کتب فیہ فقہ او اسم اللہ تعالی او النبی صلی اللہ علیہ وسلم و نھی من محو اسم اللہ تعالیٰ بالبزاق ومثلہ النبی تعظیما و بستر المصحف

لوطی زوجة استحیاءً ولا یرمی برایة قلم ولا حشیش المسجد فی محل ممتهن. ہر وہ کاغذ جس میں کوئی دینی مسئلہ یا اللہ تعالیٰ یا نبی کریم ﷺ کا نام لکھا ہو اس میں کسی چیز کا لپیٹنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیز نبی کریم ﷺ کا نام پاک تھوک سے مٹانا ممنوع ہے۔ شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی سے ہمبستری کے وقت قرآن پاک کو چھپا دیا جائے۔ قلم کے برادے اور مسجد کی گھاس کو کسی ایسی جگہ نہ پھینکا جائے جہاں اس کی توہین ہو۔

رسائل ارکان ص ۹۸ میں ہے۔

و یکرہ امامة الفاسق لعدم الاعتماد علی الاتیان بشروط الصلوة علی وجه الاحتیاط. فاسق کی امامت مکروہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسق نماز کے جملہ شرائط کی ادائیگی احتیاط کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے پورا نہیں کرسکتا۔

امام مسجد کا اپنے اہل وعیال کو مسجد کے ایسے کمرہ میں رکھنا جس کا راستہ مسجد سے ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو درست نہیں۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں اگر بچوں کے مسجد میں آکر کھیلنے کودنے یا بول و براز کر کے مسجد کو نجس کرنے کا گمان غالب ہو تو بچوں کا داخل کرنا مکروہ تحریمی اور قریب حرام ہے۔ اگر مسجد کے نجس کرنے کا گمان غالب نہ ہو تو مکرہ تنزیہی ہے۔ اس حرام ومکروہ کے ارتکاب کا سبب امام مسجد ہوگا۔ جنہوں نے ایسے کمرہ میں بچوں کو رکھا۔ نیز ایسی صورت میں جب کہ کمرہ کا دوسرا راستہ ہی نہیں ہے مرد وعورت کے حالت جنابت وناپاکی اور حیض ونفاس میں مسجد سے عبور کرنے اور گذرنے کا قوی گمان ہے جو حرام ہے۔ اس حرام کے ارتکاب کا سبب بھی امام مسجد ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور دروازے جو مسجد میں تھے، انہیں بند کرنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد میں آنے جانے کو حلال نہیں سمجھتا۔ سید عالم ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ جب مسجد میں راستہ ہوگا تو جنبی وحائضہ کا مسجد سے گذرنا اغلب ہے۔ لہٰذا راستوں اور دروازوں کو بند کرادیا۔ نیز تاجدار کونین ﷺ نے فرمایا کہ اپنی مساجد کو بچوں سے بچاؤ یعنی بچوں کو مساجد سے دور رکھو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یا تو اس کمرہ کے دروازے کو جو مسجد کی طرف کھلتا ہے بند کرادیا جائے اور دوسری جانب اس کا دروازہ نکال کر امام مسجد مع اہل وعیال اس کمرہ میں رہیں۔ ورنہ امام صاحب کسی دوسرے مکان میں رہیں تاکہ حرمت وکراہت کے ارتکاب سے بچے رہیں۔ درمختار جلد اول ص ۴۸۶ میں ہے۔

و یحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجسهم و الا فیکرہ. مسجد میں بچوں اور پاگلوں کا داخل کرنا حرام ہے جب ان کے نجس ہونے کا غالب گمان ہو، ورنہ بہرحال مکروہ تنزیہی ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله و یحرم الخ) لما اخرجه المنذری مرفوعا جنبوا مساجد کم صبیا نکم و مجا

نبنکم الحدیث. منذری نے یہ مرفوع حدیث تخریج کی۔ اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو۔

اسی میں ہے۔

والمراد بحرمة كراهة التحريم لظنيه الدليل و عليه فقوله "والافيكره" اى تنزيها (ملخصا). حرمت سے مراد مکروہ تحریمی ہے اس کی وجہ دلیل ظنی ہے۔ ان کا قول ''والا فیکرہ'' یعنی مکروہ تنزیہی۔

درمختار جلد اول ص ۱۲۶ میں ہے۔

و يحرم بالحدث الا كبر دخول مسجد ولو للعبور الا لضرورة حيث لا يمكنه غيره (ملخصا). حدث اکبر یعنی جنابت وغیرہ کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا خواہ گذرنے ہی کے لئے کیوں نہ ہو، حرام ہے۔ البتہ اگر کوئی اور راستہ گذرنے کے لئے ہے ہی نہیں، تو ضرورۃً جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله و لو للعبور) المراد لما اخرج ابوداؤد وغيره عن عائشة قالت جاء رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وبيوت اصحابه شارعة في المسجد فقال وجهوا هذه البيوت فاني لا احل المسجد لحائض ولا جنب. (ان کا قول اگرچہ کہ گذرنے کے لئے) ابو داؤد وغیرہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے یہ حدیث تخریج کی انہوں نے کہا۔ ''رسول ﷺ آئے تو کیا دیکھا کہ بعض صحابہ کے گھر کے دروازے مسجد میں کھلے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان گھروں کا رخ موڑ دو، میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں سمجھتا''۔

اسی میں ہے۔

(قوله حيث لا يمكنه غيره) كان يكون باب بيته الى المسجد (درر) ولا يمكن تحويله ولا يقدر على السكنى في غيره (بحر). (ان کا قول حیث لا یمکنه غیره) وہ اس طرح کہ گھر کا دروازہ مسجد سے متصل ہے اور اس کا رخ پھیرنا ممکن نہیں، اور نہ کہیں دوسری جگہ رہائش اختیار کرنے کی سکت ہے۔

لیکن اگر کمرہ کا دروازہ دوسری جانب نکالنا غیر ممکن ہو اور امام مسجد اس کمرہ کے سوا کسی دوسری جگہ سکونت پر قادر نہ ہو تو اس کمرہ میں امام مسجد کو احتیاط کے ساتھ مع اہل وعیال رہنا مسجد سے گذرنا جائز ہے۔ مسجد کے متولی کا بھی یہی حکم ہے کہ مکروہ کی صورت میں امام کو ایسے کمرہ میں رہنے کی اجازت نہ دے اور اگر مسجد کے حجرہ کا دروازہ مسجد میں نہ ہو بلکہ خارج مسجد سے حجرہ کا راستہ ہو تو ایسے حجرہ میں امام کا مع اہل وعیال رہنا احترام مسجد کے منافی نہیں۔ واللہ سبحانہ

و تعالی اعلم.

مسئلہ ۲٦۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): اگر کوئی شخص سینما یا نوٹنکی دیکھتا ہو تو نماز میں اس کی اقتداء کرنی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو شریعت کی جانب سے اور کوئی حکم وارد ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲): اس شخص کو مجلس پاک یعنی مجلس سماع، فاتحہ ومیلاد کا صدر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳): برسرعام مذکورہ تماشہ دیکھنا جائز ہے یا حرام؟ بحوالہ کتب فقہ؟ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ محمد یوسف پورنوی بذریعہ عبدالجبار متعلم، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد

الجواب: سوال میں جن کھیلوں اور تماشوں کی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا کھیلنا اور دیکھنا ناجائز وحرام ہے، ان امور محرمہ کا ارتکاب گناہ عظیم ہے۔ جو شخص ان کھیلوں کو دیکھے یا کھیلے وہ فاسق معلن ہے، اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، نماز میں ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے، ایسے شخص کو کسی دینی مجلس کا صدر بنانا ممنوع ومکروہ ہے، چونکہ شخص مذکور ان حرام چیزوں کا ارتکاب کر کے فاسق معلن ہوگیا، شریعت طاہرہ نے ایسے شخص کی توہین واجب قرار دیا ہے، اس کو امام بنانے اور دینی مجلس کا صدر بنانے میں اس کی تعظیم واعزاز کا اظہار ہوتا ہے۔ مجمع الانہر استنبولی ص ٦۱۸ و ٦۱۹ میں ہے۔

یحرم اللعب بالنرد و الشطرنج والاربعة عشر و هو لعب یستعمله الیهود و کل لهو لقوله علیه الصلوٰة والسلام کل لعب ابن آدم حرام (الحدیث) و فی البزازیة صوت الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق. (ملخصا). گوٹی، چوسر، شطرنج کھیلنا حرام ہے۔ یہ کھیل یہودیوں کے معمولات میں سے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''ابن آدم کا ہر لہو ولعب حرام ہے''۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ لہو ولعب کی آواز کا سننا گناہ کا کام ہے اور اس کے قریب بیٹھنا فسق ہے۔

درمختار مصری جلد خامس ص ۲۴۵ میں ہے۔

ان الملاهی کلها حرام. تمام قسم کے لہو ولعب حرام ہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

فاللعب و هو اللهو حرام بالنص قال علیه الصلوٰة والسلام لهو المومن باطل الا فی ثلث تادیبه فرسه و فی روایة ملاعبته بفرسه و رمیه عن قوسه و ملاعبته مع اهله کفایه. لعب کا مطلب 'لہو' ہے یعنی خدا سے غافل کر دینے والی چیز۔ یہ نص حدیث سے حرام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' کہ مومن کا لہو باطل ہے۔ تین کو اس سے مستثنیٰ کیا۔ (۱): گھوڑے کو سدھانا ایک روایت میں آیا ہے کہ گھوڑے کے ساتھ کھیل کرنا۔ (۲): تیراندازی کرنا۔ (۳): اپنی بیوی کے ساتھ لہو ولعب کرنا۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۱٦۹... میں دیکھیں)۔

طحطاوی میں اسی مقام پر ہے۔

ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ. اس کا حاصل یہ ہے فاسق کے سلسلے میں کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

اسی میں ہے۔

والفسق لغۃ خروج عن الاستقامۃ وشرعا خروج عن طاعۃ اللّٰہ تعالیٰ بارتکاب کبیرۃ قال القھستانی ای اواصرار علی صغیرۃ (ملخصا) (قولہ فتجب اھانتہ شرعا الخ) تبع فیہ الزیلعی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ. فسق کا مطلب لغت کے اعتبار سے استقامت کا فقدان ہے۔اور شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔(ان کا قول شرعاً اہانت واجب ہے) اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

ایسے شخص کے پیچھے جو نماز پڑھ لے اس پر اس نماز کا لوٹانا واجب ہے۔فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم تجب الاعادۃ وتنزیہ فتستحب فان الکراھۃ التحریمیۃ فی رتبۃ الواجب کذا فی فتح القدیر. لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔مکروہ تحریمی واجب کے مرتبے میں ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٢٦٤: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک دینی ادارہ میں معلم کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، اور چندے کا کام بھی اس کے ذمہ سپرد ہے اراکین مدرسہ کی رائے سے زید رمضان المبارک کے مہینہ میں چندہ کرنے کے لیے باہر نکلا مدرسہ کے ناظم نے مع مشاہرہ کے سفر کا خرچ برداشت کیا زید بجائے اس مدرسہ کے کہ جس میں وہ ملازم تھا، دوسرے مدرسہ کا چندہ کیا، جس میں اس کو آدھا کمیشن چندے میں ملتا ہے۔اگر سو روپئے چندہ کئے تو پچاس روپئے زید کے ہوئے گویا اس نے مدرسہ کے ساتھ غداری کی اور اس نے اپنی غداری کا اقرار بھی کیا؟

(۲): زید مدرسہ کے معلم کے علاوہ جامع مسجد کا امام بھی ہے۔جھوٹ بولنے میں اول نمبر ہے۔تمام مقتدی حضرات اس کے جھوٹ سے واقف ہیں۔مقتدیوں نے زید کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا، چند لوگ ایسے ہیں جو زید کی اس غلطی کو غلطی نہیں سمجھتے ہیں،۔ابھی بھی زید کو انتخاب کرتے ہیں؟

(۳): زید کے اندر لوط علیہ السلام کے قوم کی عادت پائی گئی ہے۔مع شہادت اراکین مدرسہ نے زید کو معلمی سے برطرف کر دیا۔اور امامت سے بھی۔چند حضرات کی رائے ہے کہ زید اگر عوام کے سامنے توبہ کر لے تو زید کو امامت وتعلیم کے لیے رکھ سکتے ہیں لیکن عوام کی اکثریت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زید اس سے قبل جہاں جہاں تعلیم کا کام انجام دیا اور

امامت کی ہے، انہیں عیوب کی بنا پر نکالا گیا ہے، جو نمبر ۱ و ۲ و ۳ میں درج ہے۔ اب عوام کو ان کی توبہ پر اعتماد نہیں رہا۔ اب آپ تینوں نمبر کے مسائل مدنظر رکھ کر یہ فرمائیں کہ زید امامت اور معلم کے لائق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا.**

مسئولہ محمد عثمان، براری، بھاگل پور

الجواب: اگر فی الواقع زید کے حالات وواقعات وہی ہیں جو سوال میں نمبروار درج ہیں کہ اس نے غداری اور عہد شکنی کی، جس کا زید کو خود بھی اقرار ہے، اور زید کا جھوٹ بولنا بھی قطعی اور یقینی ہے اور زید کا فعل لواطت بھی شہادت سے ثابت ہے۔ تو زید شرعا فاسق وفاجر ہے، اور فاسق اگر چہ عالم دین ہو، اس کی اہانت وتذلیل وتوہین شرعا واجب ولازم ہے۔ ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اس کو امام بنایا جائے، یا اس سے تعلیم وتربیت کا کام لیا جائے۔ بزرگوں نے صحیح فرمایا ہے کہ:

عالم کہ کامرانی وتن پروری کند   اور خویشتن گم است کرا رہبری کند

علم چنداں کہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی

"خفتہ را خفتہ کے کند بیدار" جب زید خود ہی تعلیم وتربیت کے اعتبار سے غلط روی میں مبتلا ہے، تو دوسرے بچوں اور طلبہ کو صحیح تعلیم وتربیت نہیں دے سکتا۔ ایسے فاسق وفاجر کو امام بنانا مکروہ ہے جب زید کے متعلق یہ معلوم ومتیقن ہے کہ وہ بار بار اس قسم کے برے افعال کا مرتکب ہو کر نکالا گیا ہے، تو بمصداق **المؤمن لایلدغ من جحر واحد مرتین والمجرب لایجرب**، اور "آزمودہ را آزمودن جہل است" زید کو دوبارہ تعلیم وتربیت اور امامت کے لیے ملازم رکھنا جہالت ونادانی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زید کو ہرگز ہرگز ایسے امور دینیہ کو انجام دینے کے لیے ملازم نہ رکھا جائے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۱۶۹... میں دیکھیں)۔

طحطاوی میں ہے۔

والفسق لغة خروج ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۶۳... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح ص ۵۴ میں ہے۔

"امام علامہ فخر الدین زیلعی، تبیین الحقائق، پھر علامہ سید ابو السعود ازہری فتح المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں۔ **قد وجب علیهم اهانته شرعاً.** شرعا ان کی توہین واجب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۶۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید امامت کرنا چاہتا ہے وہ اپنی بیوی کو پردہ میں نہ رکھتا ہو اور اس کے مکان میں خاص پردہ نہ ہو۔ اس کی بیوی اس کی رضامندی سے باہر بے پردہ آتی جاتی ہے۔ زید مردہ کا تیجہ ودسواں کا کھانا کھاتا ہو۔ اس کو امام بنانا کیسا ہے، نماز صحیح ہو جاتی ہے یا نہیں، حدیث وفقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ بنے، شیر پور، ۱۲ ستمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: جو امام علم و اطلاع کے باوجود اپنی بیوی کو بے پردہ نکلنے اور باہر آنے جانے سے نہ روکے بلکہ بیوی کی اس غلط روی پر وہ راضی ہو، ایسا امام فاسق و گنہ گار ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے اس کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے۔ رہا امام کا تیجہ دسویں وغیرہ کا کھانا کھالینا یہ کوئی جرم کی بات نہیں، جس سے امام کی امامت پر اثر پڑتا ہو، چونکہ ایسے کھانے صدقات نافلہ میں داخل ہیں، جو ہر غنی و فقیر کے لیے حلال و جائز ہیں۔ البتہ غنی ایسا کھانا نہ کھائے، اس کے حق میں نہ کھانا ہی بہتر ہے۔ امام کی عداوت میں ایسی بات ہرگز نہ کہی جائے، جو امام کی امامت پر اثر انداز نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خود اور اس کا لڑکا امامت کرتے ہیں، حالانکہ زید کی بیوی اپنی پرچونی کی دوکان پر بیٹھ کر سودا بیچتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس شخص کی بیوی یا والدہ اس طرح بے پردہ رہتی ہے، اس کی امامت جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر جائز ہے تو بغیر کراہت یا مع الکراہت تفصیلی جواب عطا فرمائیں۔

مسئولہ عبد المجید، قصبہ بلاری، مراد آباد، ۱۸ ستمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: جو امام علم و اطلاع کے باوجود اپنی بیوی کو بے پردہ نکلنے اور باہر آنے جانے سے نہ روکے بلکہ بیوی کی اس غلط روی پر وہ راضی ہو، ایسا امام فاسق و گنہ گار ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے، اس کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے، نیز اسی طرح امام مذکور پر لازم ہے کہ وہ اپنی والدہ کو بے پردہ نکلنے سے روکے اور اس کو اچھے عنوان میں پردے کی اہمیت اور بے پردگی کے گناہ اور عذاب سے ڈرا کر پردہ کرنے کی ترغیب دے۔ لیکن اس بارے میں ماں پر کچھ جبر و تشدد نہ کرے اور بیوی کو جبر و تشدد کے ساتھ بے پردگی سے روکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید گائے رکھتا ہے، جس کا مالک نامعلوم ہے، اس گائے پر تصرف کرتا ہے، یعنی دودھ پیتا ہے، اور بچے فروخت کرتا ہے، اس کی قیمت اپنے مصرف میں لاتا ہے۔ اس کے علاوہ نجومیوں کے پاس جاتا ہے، اور حالات معلوم کرتا ہے اور ان کی باتوں پر یقین کرتا ہے اگر اس کے گھر چوری ہوتی ہے تو وہ نجومیوں کے یہاں جا کر حالات دریافت کرتا ہے، اس کے بعد اس کی خانہ تلاشی لیتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا کیسا ہے، اور ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ عید کی نماز میں اسی وجہ کر شکل نزاعی ہو گئی۔ کوئی کہتا ہے اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی، اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں ہوگی۔ ان کے مقابلہ میں ایک دوسرے مفتی عالم تھے، ان کو کچھ لوگوں نے کھڑا کیا، اکثر لوگوں نے اقتداء کی، اور زید بھی خود رفتہ امامت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ان کی بھی کچھ لوگوں نے اقتداء کی۔ اسی طرح دونوں اماموں کے پیچھے لوگوں نے نماز پڑھی۔ دونوں امام کے درمیان تقریباً تین گز کا فاصلہ تھا۔ عالم صاحب زید سے پہلے نماز سے فارغ ہو گئے، ان صورتوں کا جواب عنایت فرمایا جائے؟

مسئولہ محمد غیاث الدین، موضع ماہی نگر، ضلع پورنیہ، بہار، ۲۲ مئی ۱۹۵۹ء

الجواب: زید کا ایسی گائے کو رکھ کر اس کے دودھ اور بچے سے فائدہ حاصل کرنا، دودھ اور اس کی قیمت نیز گائے کے بچے کی قیمت کو اپنے مصرف میں لانا حرام و ناجائز ہے۔ اس حرام کے ارتکاب سے زید شرعاً فاسق قرار پایا، اور اس کی

امامت مکروہ ہوئی۔ زید کا منجمین کے پاس جانا اور سوال کر کے اس کے بتائے ہوئے امور پر اعتقاد کرنا حرام بلکہ اشد ترین حرام حتیٰ کہ کتب عقائد میں بحوالہ حدیث اس کو کفر اور خروج عن الایمان بتایا گیا ہے۔ لہٰذا زید پر فرض ولازم ہے کہ وہ ان گناہوں سے توبہ کرے اور تجدید ایمان واستغفار نیز تجدید نکاح و بیعت کرے۔ اس دوسری بات کے ارتکاب سے زید کی امامت ناجائز ہوئی۔ زید کا ایسی حالت میں جب کہ قوم مسلم اس کے ان امور شنیعہ اور افعال قبیحہ کے باعث اس کی امامت سے بیزار و متنفر تھی، امامت کے لیے آگے بڑھنا سخت مکروہ وممنوع تھا، بلکہ ناجائز تھا۔ عالم دین کی اقتداء میں جن لوگوں نے نماز پڑھی، ان کی نماز صحیح ہوئی اور زید کے پیچھے جن لوگوں نے نماز پڑھی، ان کی نماز نہیں ہوئی۔ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة: ۱۸۸] (اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) (معارف)۔ شرح عقائد نسفی ص ۱۲۲ میں ہے۔

و تصديق الكاهن بما يخبره عن الغيب كفر لقوله عليه الصلوٰة والسلام من اتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل الله على محمد (صلى الله عليه وسلم) والكاهن هوالذى يخبر عن الكوائن فى مستقبل الزمان و يد عى معرفة الاسرار و مطالعة علم الغيب و كان فى العرب كهنة يدعون معرفة الامور فمنهم من كان يزعم ان له رئيا من الجن و تابعه يلقى اليه الاخبار و منهم من كان يزعم انه يستدرك الامور بفهم اعطيه والمنجم اذا ادعى العلم بالحوادث الآتية فهو مثل الكاهن. کاہن کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جو کاہن کے پاس آیا اور اس کے قول کی تصدیق کی اس نے محمد پر نازل کئے ہوئے کا انکار کیا۔ کاہن وہ ہے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور اسرار کی معرفت اور غیب کے مطالعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ عرب میں بہت سے کاہن تھے جو امور غیب کے جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان میں کوئی یہ دعویٰ کرتا کہ قوم جن میں ان کا موکل اور ان کا مطیع ہے جو پوشیدہ خبریں اس کے پاس لاتا ہے۔ دوسرا یہ دعویٰ کرتا کہ اسے مخصوص فہم عطا کی گئی ہے جس سے وہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے۔ نجومی اگر آئندہ واقعات کے جان لینے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کاہن ہی کی طرح ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۰ میں ہے۔

لوام قوما وهم له كارهون فهوعلى ثلثة اوجه ان كانت الكراهة لفساد فيه او كانوا احق بالامامة منه يكره. اگر کسی امام سے لوگ متنفر ہیں تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ یہ تنفر یا تو امام کے اندر کسی گڑبڑی سے ہے۔ یا قوم کے اندر اس امامت کے اس سے زیادہ حقدار موجود ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے۔

وفی شرح الرھبانیۃ ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح و اولادہ او لاد زنا و مافیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح. جس بات کا کفر ہونا اتفاقی ہے، اس سے عمل اور نکاح باطل ہو جائے گا۔ اس کی اولاد، اولاد زنا ہوگی۔ اور جس میں اختلاف ہے، اس پر توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائیگا۔

مسئلہ ۲٦۸: ایک شخص امام ہے وہ نماز پڑھاتا ہے، ساتھ ساتھ نمک مرچ وغیرہ کی دکان کرتا ہے، کم تولتا ہے، چوری کا اناج خریدتا ہے۔ ایسا شخص امامت کے لائق ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

مسئولہ عبدالسلام متصل نئی مسجد، شریف نگر، ضلع مرادآباد

الجواب: کم تولنا اور چوری کی شے کو علم ہوتے ہوئے خریدنا، یہ دونوں کام گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے۔ فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام نہ بنایا جائے، فاسق کی اقتدا میں جو نماز ادا کی گئی ہے، اس کا لوٹانا واجب ہے۔ وھذا مصرح فی الکتب الفقھیۃ من الدرالمختار وردالمحتار وفتح القدیر وغیرھما من الاسفار. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲٦۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید امامت کرتا ہے، لیکن عقائد بدعت کے ماتحت رکھتا ہے، جیسے تعزیہ یعنی محرم داری مروجہ علانیہ بلاشبہ جائز کہتا ہے۔ مزارات پر کسی طریقہ سے ہو سجدہ جائز کہتا ہے۔ نکاح پڑھانے میں کچھ دیکھ بھال نہیں کرتا، چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کوئی عورت کہیں سے بھاگ آئی ہو تو اس کا کاغذ فارغ خطی وغیرہ کا کچھ خیال نہیں وغیرہ وغیرہ آیا اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ احمد حسین، محلہ پیرزادہ، مرادآباد، ۳ ستمبر ۱۹۵۹ء

الجواب: اگر زید فی الواقع اپنی نادانی کے باعث مروجہ تعزیہ داری کو مطلقاً جائز بتاتا ہے اور مزارات پر سجدۂ تعظیمی کو بھی جائز بتاتا ہے، جو حرام اور شرعاً ناروا ہے۔ اسی طرح اگر زید حلال وحرام کی تحقیق کیے بغیر نکاح پڑھا دیتا ہے اور اس میں احتیاط وتحقیق سے کام نہیں لیتا تو زید فاسق وگنہگار ہے۔ اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اس کو امامت کے لیے آگے بڑھانا مکروہ وممنوع ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی یعنی جو نماز پڑھی جائے گی، اس کو لوٹانا اور دوبارہ پڑھنا اور ادا کرنا ہوگا۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین فتجب اھانتہ شرعا فلایعظم بتقدیمہ للامامۃ، والمبتدع بارتکابہ ماحدث علی خلاف الحق المتلقیٰ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من علم اوعمل اوحال بنوع شبھۃ اواستحسان (ملخصا)۔ فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دینی معاملات میں لاپرواہ ہے۔ اس کی اہانت شرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا امامت کے لیے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔ نیز بدعتی کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم (جیسے رویت باری تعالیٰ کا انکار) یا عمل (جیسے حی علی الفلاح کے بجائے حی علی خیر العمل

اذان میں کہنا) یا حال (جیسے مطلق خاموشی کی حالت کو قربت و عبادت سمجھنا) کی شکل میں اس حق کے خلاف ایجاد کا مرتکب ہوا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت نے حاصل کیا اور اسی کو دین قویم اور صراط مستقیم قرار دیا، اس کے اندر ایک قسم کا شبہہ پیدا کر کے یا خلاف قیاس سمجھ کر۔

عام طریقہ پر مسلمان مروجہ تعزیہ داری کو گناہ جانتے ہیں اور مزارات پر سجدۂ تعظیمی نہیں کرتے اور نہ جائز جانتے ہیں، لیکن بعض متعصب لوگ اپنی رائے اور خیال سے مسلمانوں پر اس قسم کا الزام دھرتے ہیں اور بغیر تحقیق اس قسم کے گناہ کبیرہ کی نسبت مسلمانوں کی طرف کر کے خود امر ناجائز و حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شرح فقہ اکبر کانپوری ص ۸۶ میں ہے۔

لایجوز نسبة مسلم الٰی کبیرة من غیر تحقیق، ولایجوز ان یرمٰی مسلم بفسقٍ و کفرٍ من غیر تحقیق(ملخصا). بلا تحقیق ایک مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کو منسوب کرنا، نیز ایک مسلمان کے اوپر کفر و فسق کا بغیر تحقیق الزام رکھنا جائز نہیں۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۲۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ چند ایسے جہلا بد طینت و بد عقیدہ افراد ہیں، جو اپنے کو پیر اور صاحب سجادہ کا غلط القاب و آداب اپنائے ہوئے ہیں، اور اہل حق پیران طریقت کے ناموس پر ایک کلنک کا ٹیکہ بنے ہوئے ہیں، جس سے عامۂ مسلمین میں شدید ہیجان ہے اور ان کے دام تزویر میں بری طرح گرفتار ہیں۔ حال ہی میں ایک پیر نے مہدی زمان ہونے کا دعویٰ کیا اور قربانی کا غلط مسئلہ پیش کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد حقہ پر ضرب کاری کی ہے کہ ایک بکرا پر سات نام کی قربانی جائز و مندوب ہے۔ مثلاً ان میں تین افراد ایسے ہیں، جن کے جرائم و جہالت و بد کرداری و بد فعلی عام ہو چکی ہے۔

(۱): بدعقیدہ جاہل ہونے کے باوجود اس شخص کا کردار انتہائی بدترین ہے۔ یہ شخص زانی ہے اور حد سے زیادہ اس کا خوگر ہے جو عام ہے؟

(۲): یہ شخص بھی اس قسم کا پیشہ ور ہے اور یہ شخص دوسرے کے مال کو غصب کئے ہوئے ہے؟

ایسے اشخاص کے متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے، ایا بالفرض مان بھی لیا جائے کہ خلافت و اجازت صحیح ہے، مگر عقیدہ و کردار اس حد تک گرے ہوئے ہیں اور مذکورہ اوصاف ہوں تو ایسے پیروں کی بیعت و امامت جائز ہے؟ واضح طور پر جواب حق سے مطمئن فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

مسئولہ محمد حسین خان قادری رضوی، کنٹوفر لین کلکتہ ۱۴، ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

الجواب: جن اشخاص کا سوال میں ذکر ہے، ان کے فاسق و فاجر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ یقیناً یہ لوگ فاسق و فاجر ہیں، کسی فاسق و فاجر کو کسی نماز میں امام نہ بنایا جائے، ایسوں کو امام بنانا مکروہ ہے۔

چونکہ شریعت طاہرہ نے فاسق کی توہین کو واجب قرار دیا ہے، اور ایسوں کو امامت کے لیے آگے بڑھانے سے ان کی تعظیم ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے اشخاص کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے۔ ان کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی، مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔

اسی طرح ایسے آزاد کی بیعت بھی جائز نہیں۔ پیروی ہو سکتا ہے جو مکمل طور پر متبع احکام شرعیہ اور متبع سنت نبویہ ہو، جو ایسا نہ ہو وہ خود منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا ہے، تو مرید کو واصل الی اللہ کیسے بنا سکے گا، شعر۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

جن افراد کا سوال میں ذکر ہے، اگر پہلا شخص فی الواقع بدعقیدہ بھی ہے، تو مبتدع بھی ہوا، اس کی امامت، بیعت اشد ترین مکروہ و ممنوع ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں کہ جس نے دو عدد تھان اچکن کے کپڑے اور دو مصلّٰی چوری کئے۔ معلوم کرنے کے بعد قسم کھائی کہ میں نے نہیں چرائے ہیں اور میرے پاس نہیں ہیں اس کے بعد یہ سامان انھیں کے پاس سے نکلا؟

مسئولہ ابرار حسین، موضع اللہ پور، ۱۴؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ شنبہ

الجواب: اگر فی الواقع امام مذکور نے چوری کی اور پھر جھوٹی قسم بھی کھائی تو امام مذکور ان دونوں فعل کے ارتکاب کے باعث فاسق و فاجر ہو گیا۔ ایسے امام کو امام نہ بنایا جائے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس کے پیچھے کوئی غیر فاسق یعنی صالح نیک مرد نماز نہ پڑھے، جو صالح و متقی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا، اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۲: ایک آدمی امامت کرتا ہے، اس نے اپنی بیوی کو فروخت کیا تھا، لہٰذا اس کے متعلق میں نے اپنے حضرت شیخ سید خلیل احمد صاحب امروہوی سے معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس نے دیوثی کا کام کیا۔ دیوثی کا جو گناہ ہے، اس کی مغفرت نہیں ہے اور اس شخص کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔ جن لوگوں کو معلوم نہ ہو اور ان کو یہ بات معلوم ہو جائے تو انہیں اپنی نمازیں اعادہ کرنی ہوں گی، اور اس کے پیچھے نماز قریب حرام کے بتائی، لہٰذا اس کے متعلق علمائے دین کیا فرماتے ہیں، برائے مہربانی جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ شبیر حسین صاحب امام مسجد، موضع کالا کھیڑہ، ڈیڈولی، امروہہ، ۲۴؍رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

الجواب: شخص مذکور فی الواقع گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اور فاسق و فاجر ہے لیکن اس کا یہ گناہ ایسا نہیں کہ قابل مغفرت نہ ہو۔ کفر و شرک اور اس کے تمام انواع و اقسام تو نہ بخشے جائیں گے۔ ان کے علاوہ اور گناہ مشیت خداوند قدوس کے تحت ہے۔ اگر چاہے، بخشدے اور جنت بھیجدے اور نہ چاہے تو اس گناہ کی سزا بھگت کر پھر وہ جنت میں جائے گا۔ جہاں کہیں حدیث وغیرہ میں دیوث کی عدم مغفرت کا ذکر ہے، وہ محمول برزجر ہے۔ نیز ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا لوٹانا واجب ہوگا۔ ہر مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے لاعلمی میں شخص مذکور کے پیچھے نماز پڑھ لی ہے وہ علم کے بعد اپنی وہ نماز ضرور لوٹائیں۔ وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۳: ایک مسئلہ درپیش ہے کہ یہاں مسجد میں جو امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں، ان کو انلام کرانے کا مرض ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ شرعی حکم کے مطابق فتویٰ دے کر ممنون و مشکور فرمائیں؟

مسئولہ فراست حسین، موضع مہر کہ ڈاکخانہ کانکا ٹھیر

الجواب: شخص مذکور فاسق وفاجر اور گناہ عظیم کا مرتکب ہے۔ اور جب اس کو اس فعل شنیع کی عادت اور اس بدکاری کا مرض ہے تو پھر اس کا چھوٹنا بھی مشکل ہے، دوبار نکالنے کے بعد پھر سہ بار اس برائی میں مبتلا ہونا توبہ کی بدنامی بلکہ مذاق واستہزاء ہے۔ اس شخص کو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔ اس کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھی جائے جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے گی، اس کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: زید امام مسجد خائن ودروغ گو ہے، نیز مشتبہ العقیدہ اور غیر معلوم المذہب ہے جس کی تفصیل سوال میں درج ہے اور عام مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے بچتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اور منتظمین مسجد پر ایسے امام کا معزول کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالعزیز حسین، ڈھائی دن کا جھونپڑا، اندرکوٹ اجمیر، ۳؍رجب المرجب ۱۳۷۵ھ، ۱۴؍مارچ ۱۹۵۶ء

الجواب: اگر فی الواقع شخص مذکور مشتبہ الدین اور غیر معلوم المذہب اور خائن ودروغگو ہے، اور ان وجوہ کی بنا پر تمام مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے متنفر وبیزار ہیں تو ایسا شخص فاسق ہے۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی اور اس کا امام بنانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اس شخص کو امام نہ بنایا جائے اور مسجد کے منتظمین پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کو عہدۂ امامت سے معزول کردیں ورنہ نمازی دوسری قریب کی مسجد میں صالح امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۱ میں ہے۔

> **کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب اهانته شرعا فلایعظم بتقدیمه للامامة. و اذا تعذر منعه ینتقل عنه الی غیر مسجده للجمعة و غیر ها.** فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دینی معاملات میں لاپرواہ ہے۔ اس کی اہانت شرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا امامت کے لیے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔ اور اگر اس کا امامت سے روکنا مشکل ہو تو جمعہ وغیرہ کے لئے دوسری مسجد کی طرف منتقل ہوجائیں۔

اسی کے ص ۱۸۰ میں ہے۔

> **لوام قوما وهم له کارهون فهو ...** (پوری عبارت... مسئلہ ۲۶۷... میں دیکھیں)۔

درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۳ میں ہے۔

> **ولوام قوما وهم له کارهون ان الکراهة لفساد فیه اولانهم احق بالامامة منه کره له ذالک تحریما لحدیث ابی داؤد ولا یقبل اللہ صلوٰۃ من تقدم قوما و هم له کارهون.** اور اگر کسی نے لوگوں کی امامت کی حالانکہ لوگ اس سے متنفر ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ نفرت کرنا اس امام کے اندر کسی خرابی کی وجہ سے ہے یا لوگوں میں ایسے ہیں جو اس امام سے زیادہ مستحق امامت ہیں۔ تو ایسی صورتوں میں اس امام کا امامت کے لئے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل وہ

حدیث ہے جو ابوداؤد نے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرمائے گا کہ جو قوم کی امامت کے لئے آگے بڑھ گیا اور صورت حال یہ ہے کہ قوم اس سے متنفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں:

(۱): زید کا مسلک سلسلہ وارثیہ ہے اور امامت کرتا ہے۔ ہمہ وقت احرام کی حالت میں رہتا ہے۔ لیکن امامت کے وقت یعنی نماز پڑھاتے وقت تین کپڑے استعمال کرتا ہے۔ پائجامہ، کرتا، تہبند اور عمامہ بمعہ ٹوپی۔

(۲): داڑھی بہ سبب نہ نکلنے کے حد شریعت سے چھوٹی ہے۔ داڑھی کترواتا یا منڈواتا نہیں ہے۔

(۳): سر کے بال کاندھوں تک یعنی کانوں کی گدیہ سے نیچے رہتے ہیں۔ بوقت امامت بالوں کو کاندھے پر کر کے عمامہ باندھتا ہے۔

(۴): زید کے جو بال قدرتی طور پر اگے ہیں وہ موجود ہیں ان صورتوں میں زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے مستفیض فرمائیے۔

مسئولہ حاجی محمد صدیق، محلہ وموضع گوٹ، ضلع مراد آباد، یوپی، ۳ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

الجواب: سوال کا نمبر (۳) مجمل ومبہم ہے۔ پہلے کاندھوں تک پھر "یعنی" لکھ کر کانوں کی گدیہ سے نیچے رہتے ہیں۔ میرے ذہن میں اشکال پیدا کرتا ہے۔ اکثر وبیشتر وارثی حضرات کے سر کے بال دوش یعنی کاندھے کے نیچے پیٹھ اور سینہ تک لٹکتے رہتے ہیں۔ اگر زید کے بال کاندھے سے نیچے پیٹھ یا سینہ تک لٹکے ہوتے ہیں تو ایسے بال کا رکھنا مردوں کے لئے جائز نہیں، حرام وگناہ ہے۔ اور عورتوں سے تشبیہ کی بناء پر بفرمان رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم موجب لعنت ہے۔ قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء۔ اس صورت میں زید فاسق معلن ٹھہرا۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔ اسکا امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی وہ واجب الاعادہ ہوگی۔ یعنی نماز کا لوٹانا ضروری ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ کاندھوں تک بالوں کا ہونا کہ اس سے آگے بال مطلقاً نہ بڑھے ہوں جائز بلکہ سنت مستحبہ ہے۔ اور کاندھوں سے بال کا نیچے مردوں کے لئے حرام وناجائز ہے اور اگر زید کے بال کاندھے سے نیچے نہیں ہیں بلکہ کاندھے تک ہی ہیں لیکن وہ قبل نماز بالوں کو اوپر کر کے عمامہ باندھ لیا کرتا ہے تو یہ کف شَعْر یعنی بالوں کا روکنا ہے۔ مردوں کو بالوں کا اس طرح روکنا مکروہ وممنوع ہے۔ اس صورت میں بھی نماز مکروہ ہو گی۔ غنیۃ المستملی ص ۳۳۵ میں ہے۔

(و یکرہ العقص) ای عقص شعرہ و ھو ضفرہ و فتلہ (و ارادبہ) فی الجامع فی ھذا الموضع ان یجعل شعرہ علی ھامتہ و یشدہ بصمغ (اوان یلف ذو ابتیہ حول راسہ کما یفعلہ النساءؑ فی بعض الاوقات و ان یجمع الشعر کلہ من قِبل) ای من جھۃ القفا و یمسکہ ای یشدہ (بخیط او خرقۃ کیلا یصیب الارض اذا سجد) و جمیع ذالک مکروہ اذا فعلہ قبل الصلوٰۃ و صلی بہ علی تلک الھیئۃ ...... وجہ

الكراهة ما روى الطبرانى عن الثورى عن مكحول بن راشد عن سعيد المقبرى عن رافع عن ام سلمة انه عليه السلام نهى ان يصلى الرجل وراسه معقوص ...... و اخرج الستة عنه عليه السلام امرت ان اسجد على سبعة اعضاء و ان لا اكف شعرا ولا ثوبا وفى العقص كف الشعر فيكون منهيا (ملخصا). عقص شعر مکروہ ہے۔ اس کا مطلب بالوں کو گوتھنا اور چوٹی بنانا ہے۔ جامع الفتاوی میں اس سے یہی مراد ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ بالوں کو کھوپڑی پر کر کے گوند وغیرہ سے چپکا لے یا چوٹیوں کو سر کے چاروں طرف لپیٹ لے جیسا کہ عورتیں کرتی ہیں، اور سارے بال کو گدی کی طرف سے جمع کر کے کسی دھاگے یا ربن (کپڑے کا ٹکڑا) سے باندھ دے۔ تاکہ سجدہ کی حالت میں زمین سے نہ لگے۔ یہ سب مکروہ ہے۔ کراہت کی وجہ امام ثوری سے طبرانی کی روایت ہے، جس کی راویہ حضرت امہ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کہ حضور ﷺ نے مرد کو اس حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا کہ اس کا سر 'معقوص' ہو۔ صحاح ستہ نے حضور ﷺ کی یہ حدیث تخریج کی۔ ''مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بال اور کپڑے کو نہ روکوں''۔ ظاہر ہے کہ چوٹی گوتھنے میں کف شعر یعنی بال کو روکنا ہے، لہٰذا ممنوع ہوگا۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۰ میں ہے۔

(كره) عقص شعره و هو شده على القفا اوالراس لانه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر برجل يصلى و هو معقوص الشعر فقال دع شعرك يسجد معك. عقص شعر مکروہ ہے۔ یہ بال کو گدی یا سر پر باندھنا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص کے پاس سے گذرے جو اس حال میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کا بال معقوص یعنی چوٹی گتھا ہوا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بال کو چھوڑ دو وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کرے۔

اسی میں ہے۔

قوله عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم امرت ان اسجد على سبعة اعضاء و ان لا اكف شعر اولا ثوبا متفق عليه. آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بال اور کپڑے کو نہ روکوں''

عبارات مذکورہ سے ظاہر ہوا کہ سر کے بالوں کو جمع کر کے کسی ڈورے یا کپڑے یا چپک دار چیز گوند وغیرہ سے سر کے کسی حصہ پر روکنا مکروہ وممنوع ہے۔ مردوں کو چاہئے کہ خلاف شرع بال نہ ہوں تو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔ لہٰذا امام صاحب کو چاہئے کہ بغیر تعصب وتامل حکم شرع کو قبول فرمائیں۔ خود بھی معصیت سے بچیں اور اپنی نیز مقتدیوں کی نمازوں کو کراہت سے بچائیں۔ ورنہ ان کو امامت سے معزول کر دیا جائے۔ باقی امور تمام درست ہیں کوئی امر منافی امامت موجب کراہت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جو شخص اپنے نسب کو تبدیل کر دے اور اپنے اصل نسب کو چھپائے۔ اس شخص کے لئے از روئے شریعت کیا حکم ہے، ایسا شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ سید مبشر علی محسن، بھیڑی، ۷ر نومبر ۱۹۶۲ء

الجواب: نسب کو بدلنا اور اس پر پردہ ڈالنا حرام وگناہ ہے۔ احادیث صحیحہ میں ایسے اشخاص کے لئے وعید وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا شخص مذکور حرام وگناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔ الزواجر جلد ثانی ص ۱۵ میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادعی الی غیر ابیہ و ھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام اخرجہ الشیخان و ابو داؤد عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و من ادعی من لیس لہ فلیس منا و یتبوأ مقعدہ من النار (ملخصا) و قال علیہ الصلوٰۃ والسلام کفر باللہ من تبرأ من نسب او رق اوادعی نسباً لا یعرف و من ادعی الی غیر ابیہ لم یرح رائحۃ الجنۃ رواہ احمد.

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۷۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام مسجد حسب ذیل امور قبیحہ کے مرتکب ہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ باوجودیکہ قرآن شریف بخوبی پڑھتا ہو۔

(۱): یہ بہشتی زیور کے ضمیمہ میں لکھا ہے کہ برانڈی شراب، دودھ یا عرق میں ملا کر پینا جائز ودرست ہے۔ (۲): یہ کہ غیر ذبیحہ چڑیا بھون کر کھانا جائز ہے اور اس نے ایسا عمل بھی کیا۔ (۳): یہ کہ مسجد کی نالیوں میں سے تخم کھجور اٹھا کر دھو کر پانی کے ساتھ کھانا ناپاک نہیں ہے جائز ہے۔ اور وہ کھاتا بھی ہے۔ (۴): یہ کہ غلاظت آلودہ مستعملہ اینٹوں کے ڈھیلوں سے استنجا کرتا ہے اور درست سمجھتا ہے۔ (۵): یہ کہ ہمیشہ رمضان المبارک میں بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھنا اس کا معمول ہے۔ (۶): یہ کہ کھانا اور روغن جو چراغ روشن کرنے کے لئے مسجد میں آتا ہے اسکو فروخت کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ (۷): یہ کہ خلاف شرع وقانون غلط اور لغو درخواستیں حکام کو روزانہ لکھ کر بھیجنا اس کا معمول ہے۔ (۸): یہ کہ میں ملکہ وکٹوریہ کا پوتا اور ساری دنیا کا مالک ہوں۔ (۹): یہ کہ پاکستان میرے روپے سے بنا۔ جناح کو میں نے روپے اور کاغذات دیے تھے۔ (۱۰): مکہ معظمہ میں میں نے تیل اور دیگر کارخانے کھلوائے۔ (۱۱): یہ کہ ایک مرتبہ کچھ عرصہ ہوا کہ لوگوں کے سمجھانے پر تائب بھی ہوئے مگر پھر وہی لغو خلاف شرع وقانون جاری ہے۔ حتی الامکان سب لوگ سمجھاتے ہیں مگر وہ نہیں مانتے کہتے ہیں کہ کوئی غلط بات نہیں کرتا، سب صحیح کرتا ہوں، ثابت کر سکتا ہوں۔ اور بہت سی باتیں خلاف قانون شرعی ظہور میں آتی رہتی ہیں جن کو وہ ہرگز نہیں چھوڑتے۔ جو لوگ ایسے امام کے حق میں ہوں۔ ان کے متعلق بھی شرعی حکم صادر فرمایا جائے؟

الجواب: مندرجہ بالا مضمون میں اکثر افعال واقوال سفاہت وجہالت اور فسق ومعصیت پر مشتمل ہیں، اور بعض امام

مذکور کی طبعی دناءت پر دال ہیں اور بعض اس کے دماغی توازن کے بگڑنے اور مالیخولیا کے مریض ہونے کی نشانی اور علامت ہے اگر واقعی امام مذکور کے اندر یہ امور موجود ہیں تو وہ شرعاً فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی، جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی جائیں، ان کا اعادہ واجب ہے ایسے امام کی اعانت وحمایت امور نامشروعہ وممنوعہ میں شرعاً گناہ ہے، منتظمین مسجد پر لازم ہے کہ ایسے امام کو علحدہ کر کے دوسرے سعید وصالح امام کو رکھیں تا کہ لوگوں کی نماز صحیح طریقہ پر ادا ہو۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: ۲] (نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو)۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۰ میں ہے۔

ان امامة الفاسق مكروهة تحريما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

اسی کے ص ۱۸۱ میں ہے۔

والفسق لغة خروج ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۶۳... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

وتعاد على وجه غير مكروه، وهو الحكم في كل صلاة اديت مع الكراهة كذا في الهداية فان كانت تلك الكراهة كراهة تحريم، تجب الاعادة، اوتنزيه تستحب فان الكراهة التحريمية في رتبة الواجب كذافي فتح القدير. نماز کا غیر مکروہ طریقے پر لوٹانا ضروری ہے یہ حکم ہر اس نماز کے بارے میں ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبے میں ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے قصبہ میں جامع مسجد میں امام عرصہ دس بارہ سال سے مقرر ہے، اس سے نمازیوں کو شکایت ہے کہ وہ بدافعال ہے، اس کی حرکات حسب ذیل تحریر ہیں۔

یہ کہ امام مذکور نے اپنے لڑکے کی بیوی کا بوسہ لیا اور جب اس کی معلومات کی تو یہ عمل صحیح ثابت ہوا، جس پر ان کو سخت کیا، تو انھوں نے توبہ کی۔ دوسرے یہ کہ یہ میلاد شریف پڑھتے ہیں، ان کے ہمراہ جو میلاد خواں ہیں وہ نماز تک کے پابند نہیں۔ ان سے جب کہا گیا تو انھوں نے کہا کہ اگر میرے ساتھ کے میلاد خواں نماز نہیں پڑھتے ہیں، تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے تیسرے یہ کہ نماز باجماعت پابندی سے نہیں پڑھاتے ہیں اور فجر کی نماز نوے فیصدی قضا ہو جاتی ہے اور بیچارے نمازی اپنی اپنی پڑھ کر راہ لیتے ہیں۔ ان سے جب باز پرس کیا تو انھوں نے کہا کہ میری آنکھ نہیں کھلتی۔ اکثر لوگوں نے ایک ماہ تک ان کو اٹھایا تا کہ عادت ہو جائے مگر جب اٹھانا بند کیا تو ان کا وہی معمول رہا جو کہ پہلے تھا۔ سیکڑوں بار اس کی توبہ کر کے وعدہ کر چکے ہیں۔ چوتھے یہ کہ انھوں نے معلوم ہونے کے باوجود ایک ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس کا شوہر زندہ ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی ہے۔ از راہ کرم مندرجہ بالا مسائل کا سنی عقائد کے مطابق فتویٰ دے کر مستفیض کریں گے۔ کیا ایسے امام کا رکھنا درست ہے اور جو اس کی ہمدردی کرتا ہے، وہ کس سزا کا مستحق ہے؟

مسئولہ مدرسہ منصور عالم، مرغوب لاج، قصبہ کچھا، ضلع نینی تال

الجواب: اس امام کو جس طرح ممکن ہو امامت سے علٰحدہ کردیا جائے اور علٰحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کسی دوسری مسجد میں جاکر لوگ نماز ادا کریں۔ چونکہ یہ امام فاسق و فاجر ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے، اور جو شخص اس امام کی ہمدردی کرتا ہے وہ بھی گنہگار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلاوا دے دے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) و قال عز اسمہ ﴿تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان﴾ [المائدہ: ۲] (نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے امام نے مسجد کو اپنی ذاتی ملکیت قرار دیا اور مسجد کے اندر کھونٹا گاڑ کر اپنا گھوڑا باندھ دیا اور بھینس کو بھی کھول کر مسجد میں باندھنے کا قصد کیا، یہ بھی کہا، میں گھوڑا اور بھینس دونوں مسجد میں باندھکر رہوں گا، اور فحشانہ گالی دیتے ہوئے مسجد کو اپنا گھر بتایا اور اعلان دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں ممبر میں توڑ کر اپنے گھر میں لوں گا، اگر کسی میں طاقت ہو تو مقدمہ لڑے چاہے فوجداری کرے، میں مسجد کو ہرگز نہیں دوں گا میں اس کا جو چاہوں سو کروں، میری طبیعت ہے، کوئی روک نہیں سکتا، یہ شخص اس مسجد کا امام بھی ہے، کیا حکم ہے، شریعت کا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ بشیر احمد ولد عبدالکریم انصاری صاحب، محلہ نئی بستی قصبہ نرولی، ضلع مراد آباد، ۲ر فروری ۱۹۶۴ء

الجواب: امام مذکور کا ایسا غلط اقدام سخت گناہ اور عظیم ترین معصیت ہے، وہ اس جرم کے ارتکاب سے فاسق و فاجر ہوگیا۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا لوٹانا دوبارہ صحیح طریقہ پر پڑھنا لازم و واجب ہوگا۔ اس امام کو امامت کے لیے آگے بڑھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ شرعاً فاسق کی توہین و تذلیل واجب ہے۔ اس کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے لہٰذا جس تدبیر سے ممکن ہو اس کو امامت کے منصب سے علٰحدہ کردیا جائے اور یہ ممکن نہ ہو تو اس کی اقتداء میں کوئی مقتدی نماز ادا نہ کرے۔ اس بدلگام امام پر واجب ہے کہ وہ اپنی اس معصیت سے توبہ کرے۔ یہ سارا حکم اس تقدیر پر ہے کہ جب اس نے محض نفسانیت یا کسی باہمی ضد و عداوت کی بنا پر ایسا کیا ہو اور اگر اس امام نے یہ غلط اقدام مسجد خانۂ خدا کی توہین و استخفاف کے لیے کیا ہو تو یہ امام خارج از اسلام ہوگیا۔ اس پر کفر و ارتداد کا حکم عائد ہوگا۔ اس صورت میں اس پر توبہ تجدید ایمان و اسلام، تجدید نکاح، تجدید بیعت فرض و لازم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): میاں جان دفعہ دار گورنمنٹ کا ملازم ہے، دفع داری کے پوسٹ پر کام کرتا ہے، اور وہ اپنے پوسٹ پر ہمیشہ اپنے کاموں کو انجام دیتا رہتا ہے۔ روزانہ دو ایک نماز میں شریک ہوتا ہے اور ہفتہ میں دو چار روز موقع بے موقع گھر پر رہتا ہے اور جب گھر میں موجود رہتا ہے اور جب اذان ہوتی ہے تو لوگ ان کے انتظار میں وقت کھو کر بے وقت ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ (۲): گاؤں کے سب لوگوں نے مل کر تقریباً پانچ سو روپے میانجان صاحب کی بطور امانت داری کے رکھنے

کو دیا۔ عرصہ پانچ سال ہوا، اب لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا تو میانجان نے انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں تم لوگوں کا روپیہ نہیں جانتا ہوں۔ (۳): میانجان دفعدار قرب وجوار کی بستیوں میں اہل ہنود کے یہاں جاجا کر بعض موقع پر مقیم بن کر ہندوؤں کے گھر میں اس کے ہاتھ کا کھانا بنا ہوا، اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا اور پانی پیتا ہے۔ (۴): کسی چیز کے متعلق دس آدمیوں کے سامنے کوئی بات طے کی گئی اور دس آدمی کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ میاں جان کہتے ہیں کہ غلط ہے۔ اب ایسی صورت میں کس کی بات قابل قبول ہوگی اور میانجان پر کیا فتویٰ ہوگا۔ (۵): پاک شخص پر تہمت لگانا۔ (۶): ہمیشہ فخر کی بات بولنا۔ (۷): گندے الفاظ سے گالیاں استعمال کرنا اور بے حرمتی کی باتیں کہنا۔ (۸): جماعت سے الگ الگ رہنا اور برادری کے دس مشہور آدمیوں کے فیصلہ پر نہ رہنا۔ (۹): گاؤں کے سبھی آدمی نے مل کر ربیع الاول شریف کے موقع پر سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلسہ منعقد کیا۔ میانجان صاحب کے دروازے پر کافی لوگوں کا اجتماع ہوا، جلسہ کا آغاز ہوا، سیرت پاک پر وعظ شروع ہوا۔ میانجان نے آکر جلسہ کو روک دیا اور یہ کہا کہ پہلے بھی اسی جگہ جلسہ ہر موقع پر ہمیشہ ہوتا تھا لیکن ابھی جا سہ نہ ہونے دوں گا، چونکہ مجھے تم لوگوں نے کھانیکی دعوت نہیں دی۔ حالانکہ کھانے کی دعوت کسی کو نہیں دی گئی تھی بلکہ پڑھنے اور سننے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس نے جلسہ کے سارے سامان کو الٹ پلٹ کر وہاں سے لوگوں کو اٹھایا۔ تب لوگوں نے دوسری جگہ جلسہ کے کام کو از سر نو انجام دیا۔ میانجان کا پوتا بنام نصیر الدین جلسہ میں شریک رہا، اور آخر میں شیرینی لے کر جب مکان پہنچا تو میانجان نے اسے ڈانٹا اور اس طرح مارا کہ وہ لڑکا رونے لگا اور اس سے کہا کہ تم جلسہ میں کیوں گئے۔

جس شخص میں مندرجہ بالا باتیں موجود ہوں اس کے پیچھے نماز درست ہوگی؟ ایسے شخص کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، ایسے شخص کو امام بنانا چاہیئے یا نہیں؟ ایسی حالت میں دوسرے آدمی کو امام بنانا چاہیے یا نہیں، ایسے شخص کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ وفرمان مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا ہے؟

مسئولہ محمد جنت حسین صاحب قادری، مدرسہ اسلامیہ، موضع پچھی، دربھنگہ، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ

الجواب: سوال میں ذکر کردہ ۲ اور ۵ اور ۶ اور ۷ اور ۹ کے اقوال وافعال فسق ومعصیت اور اثم وگناہ پر دال ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر فی الواقع میانجان مذکور کے اندر یہ باتیں موجود ہیں، تو وہ فاسق ومرتکب گناہ کبیرہ ہے، اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور ہر ایسی نماز کا جو بکراہت تحریمی ادا کی گئی ہو اس کا لوٹانا واجب ہے بلکہ اس کی بجائے کسی دوسرے ایسے شخص کو امام بنایا جائے، جو پابند شرع اور فسق ومعصیت سے اجتناب کرتا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[الانفال:۲۷]

(اے! وہ جو ایمان لا چکے نہ خیانت کرو اللہ کی اور نہ رسول کی اور نہ خیانت کرو آپس کی امانتوں میں، جان بوجھ کر) (معارف) وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا، ومن کانت فیہ خصلة منهن، کانت فیہ خصلة من النفاق، حتی یدعها اذا حدث کذب واذا اؤتمن خان واذا عاھد غدر، واذا خاصم فجر

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام سباب المؤمن فسوق، (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے ایمان والو اللہ ورسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' چار باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ منافق خالص ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک بھی خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ تاوقتیکہ اسے چھوڑ نہ دے جب بات کرے جھوٹ بولے، جب امانت رکھی جائے، خیانت کرے جب کوئی معاہدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اختلاف کرے تو بھر جائے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے)۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۴... میں دیکھیں)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ. اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

وتعاد علی وجہ .... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۷۷... میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کا شوہر موجود ہے اور شوہر نے طلاق بھی نہیں دی ہے، اس عورت غیر مطلقہ کا نکاح ایک امام صاحب نے دوسرے شخص کے ساتھ پڑھا دیا، حالانکہ وہاں کے لوگوں نے ہر چند امام صاحب کو منع کیا اور کہا کہ اس کا شوہر موجود ہے ونیز امام صاحب کو اس کا علم ہے۔ ایسی صورت میں اس امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ ملا عبدالرب صاحب، اڈھیارسی، حسن پور، مراد آباد، امام جامع مسجد ۸/ رجمادی الاخری ۱۳۸۴ھ

الجواب: جس امام نے سوال میں ذکر کردہ عورت کا نکاح علم واطلاع کے باوجود پھر منع کرنے کے بعد بھی پڑھا دیا، یہ امام گناہ عظیم اور زنا کا معاون ہو کر فاسق وفاجر ہو گیا، اس کو امام بنانا گناہ اور اس کو امام کی جگہ پر آگے بڑھانا مکروہ وممنوع ہوا، لہٰذا امام مذکور کو امامت کے لیے ہرگز ہرگز آگے نہ بڑھایا جائے، جو نماز اس امام کے پیچھے پڑھی جائے گی، اس کا لوٹانا یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے، اس امام کو امامت سے معزول کر دیا جائے، ہاں بعد توبۂ صادقہ صحیحہ اس شخص کو پھر امام بنایا جاسکتا ہے اور اگر امام مذکور نے اس ناجائز وحرام نکاح کو جائز وحلال اعتقاد کر کے نکاح پڑھا دیا ہو تو اس کا ایمان بھی رخصت ہو گیا۔ اس صورت میں امام پر توبہ صادقہ صحیحہ تجدید ایمان وتجدید نکاح وتجدید بیعت بھی فرض ولازم ہے، بغیر اس کے اس کے پیچھے نماز صحیح وجائز نہ ہوگی اس عورت پر اور اس کے دوسرے ناجائز شوہر پر فرض ولازم ہے کہ دونوں فوراً بلاتاخیر علٰحدہ ہو جائیں۔ ان کا باہم کسی قسم کا تعلق جائز نہیں بلکہ حرام وگناہ ہے۔ یہ عورت اپنے پہلے شوہر ہی کے نکاح میں ہے اسی کے پاس رہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۸۲: کوئی شخص صرف اس بناء پر کہ وہ اپنی دکان میں مشغول تجارت ہو اور نماز جماعت میں شریک نہ ہو صرف

جمعہ میں مسجد میں آتا ہو اور اپنے کو معصوم کہتا ہو، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو شخص مذکور کے متعلق کہے کہ وہ نماز ہی نہیں پڑھتا ہے حالانکہ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ اپنے مکان ہی میں نماز پڑھ لیتا ہے؟

مسئولہ شہاب الدین، موضع ماضی پورہ، مرادآباد، ۱۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۰ھ

الجواب: نماز پنجگانہ بلا عذر جماعت کے ساتھ اعلیٰ ترین سنت مؤکدہ قریب واجب ہے، حتیٰ کہ بڑے بڑے فقہاء کی جماعت کثیرہ نے جماعت کو واجب ہی کہا ہے لہٰذا جو شخص بلا عذر جمعہ کے سوا تمام نمازیں تنہا گھر پر پڑھ لینے کا عادی ہے وہ مستحق ملامت اور مستوجب اثم و معصیت ہے، بعض فقہاء ایسے شخص کی شہادت کو قابل قبول نہیں قرار دیتے بلکہ شخص مذکور کو فاسق و فاجر قرار دیتے ہیں، بناءً علیہ شخص مذکور کو امام نہ بنایا جائے لیکن شخص مذکور پر جس شخص نے پنجگانہ نماز چھوڑنے کا جھوٹا الزام لگایا اور بعد میں ثابت ہوا کہ شخص مذکور گھر میں پڑھتا ہے تو یہ جھوٹا الزام لگانے والا بھی گنہگار اور معصیت شعار قرار پایا یہ شخص بھی اپنے اس گناہ کے باعث لائق امامت نہیں اپنے آپ کو معصوم بتانا بڑی غلطی کی بات ہے حضرات انبیاء ورسل علیہم الصلوات والتسلیمات اور ملائکہ کے سوا شرعاً کوئی معصوم نہیں ہوسکتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان شخص حافظ ہو یا عالم ہو یا جاہل جو پنجوقتہ نماز کا پابند نہ ہو، گنڈے دار نماز پڑھ لیتا ہو تو کیا ایسے شخص کے پیچھے یعنی امام بنا کر نماز پڑھی جاوے خواہ وہ فرض نماز ہو یا نماز تراویح ہو، درست ہوگی یا نہیں؟ یعنی اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد یٰسین بیگ، محلہ ڈیریا، مرادآباد، ۲۱ر شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ شنبہ

الجواب: جو شخص نماز پنجگانہ کا پابند نہ ہو وہ فاسق و فاجر ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی وممنوع ہے۔ اگر نماز پڑھی جائے تو وہ نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ خواہ یہ شخص عالم ہو یا حافظ وقاری یا جاہل کسی غیر پابند صلوٰۃ کو امام نہ بنایا جائے۔

اسی میں ہے۔

وفیہ اشارۃ الیٰ انہم ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۳۱... میں دیکھیں)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۴: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ ایک شخص حافظ قرآن صرف کبھی کبھی کسی وقت نماز ترک کر دیتا ہے، گنڈے دار نماز پڑھتا ہے، اب رمضان المبارک میں قرآن شریف صرف تراویحوں میں پڑھ رہا ہے، نیز اب نماز بھی پابندی سے پڑھ رہا ہے: صرف ایک شخص جو پڑھے لکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حافظ کبھی کبھی کسی وقت کی نماز نہیں پڑھتا ہے اور تارک صلوٰۃ کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ ہم اس حافظ کے پیچھے تراویح نہیں پڑھیں گے، نیز نہ پڑھنے والوں میں اور اس کے علاوہ دو شخص اور بھی ہیں۔ باقی تمام لوگ حافظ مذکور کے پیچھے تراویح ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا برائے کرم شرعی حکم سے آگاہ فرمائیے کہ اس حافظ کے پیچھے صرف نماز تراویح درست ہے یا نہیں؟ مولائے کریم جزائے خیر دے؟

مسئولہ عبدالرحیم خطیب مسجد، کٹھرا، نینی تال، ۵ر رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ شنبہ

الجواب: جو شخص گنڈے دار نماز پڑھتا ہے یعنی کبھی نماز کی پابندی کرتا ہے اور کبھی نماز کی پابندی نہیں کرتا۔ ایسا تارک الصلوٰۃ شخص شرعاً فاسق و فاجر ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس کے پیچھے جو نماز ادا کی جائے گی وہ مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ لہٰذا ایسے شخص کو کسی نماز فرض، واجب، سنت، نفل حتیٰ کہ تراویح میں بھی امام نہ بنایا جائے۔ کوئی صالح متقی اور دیندار سنی مسلمان ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ ادا کرے، اگر اس کے پیچھے کوئی نماز ادا کرے گا تو اس نماز کا لوٹانا واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر صالح و متقی و پابند شرع دیندار مسلمان کی نماز اس شخص کے پیچھے درست تو ہوگی لیکن کراہت تحریمی کے باعث واجب الاعادہ ہوگی۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۱ میں ہے۔

والفسق لغة خروج ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۶۳... میں دیکھیں)۔

کبیری ص ۴۷۵ میں ہے۔

وفیه اشارة الیٰ انهم لوقد موا فاسقا یا ثمون بناء علیٰ ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساهله فی الاتیان بلوازمه. فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰة و فعل ما ینا فیها بل هو الغالب بالنظر الیٰ فسقه. اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں نے فاسق کو آگے کر دیا تو گنہگار ہوں گے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ فاسق کو آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ وہ دینی معاملات کو اہمیت نہیں دیتا۔ اور مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی بعید نہیں ہے اس سے کہ وہ بعض شروط نماز کا خیال نہ کریں اور ایسا کام کر دے جو اس کے منافی ہوں، بلکہ اس کے فسق کی وجہ سے یہی غالب گمان ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

الصلوٰة جائزة فی جمیع ذالک لاستجماع شرائطها وارکانها وتعاد علیٰ وجه غیرمکروه، وهوالحکم فی کل صلاة ادیت مع الکراهة کذا فی الهدایة فان کانت تلک الکراهة کراهة تحریم، تجب الاعادة، اوتنزیه تستحب فان الکراهة التحریمیة فی رتبة الواجب کذافی فتح القدیر. نماز کے شرائط و ارکان کے جمع ہونے کے سبب سے ان تمام صورتوں میں نماز جائز ہو جائے گی مگر نماز کا غیر مکروہ طریقے پر لوٹانا ضروری ہے یہ حکم ہر اس نماز کے بارے میں ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبے میں ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ **واللّٰه تعالیٰ اعلم.**

مسئله ۲۸۵: (۱): زید اچھی طرح مسائل شرعیہ کا جاننے والا نہیں ہے نہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی برتتا ہے، شہر میں دوسرا اس سے اچھا جاننے والا عالم مسائل سے واقف کارسند یافتہ موجود ہے۔ ایسی صورت میں زید عیدگاہ میں عیدین کی نماز

پڑھانے کے لیے ضد کرتا ہے۔ اہل شہر بھی اس سے خوش نہیں ہیں۔ کیا ایسی صورت میں زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اس کے پیچھے نماز عیدین درست ہے یا نہیں؟

(۲): میت کو اجرت لے کر غسل دینے والا اور کفن دفن کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا.

مسئولہ عبدالشکور غفرلہ نعیمی اشرفی، ۴؍صفر ۱۳۸۵ھ

الجواب: فی الواقع اگر زید عمداً صوم وصلوٰۃ کی پابندی نہیں کرتا اور اسی وجہ سے ان کی امامت سے لوگ خوش بھی نہیں تو زید مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق ہے۔ اس کا امام بننا اور بنانا کسی نماز میں خواہ عیدین کی نماز ہو یا پنجگانہ اور جمعہ مکروہ تحریمی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کو امام نہ بنایا جائے بلکہ اس کی بجائے اس عالم دین کو امام بنایا جائے جو مسائل طہارت وصلوٰۃ اور دیگر ضروری مسائل کا جاننے والا اور اس پر عمل کرنے والا ہو اور احکام شرعیہ کا پابند ہو۔ اس کے پیچھے جو نماز بھی پڑھی جائے گی، اس کا لوٹانا اور دوبارہ غیر مکروہ طور پر ادا کرنا شرعاً واجب ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۴... میں دیکھیں)۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والفسق لغۃ خروج عن الاستقامۃ وشرعا خروج عن طاعۃ اللّٰہ تعالٰی بارتکاب کبیرۃ قال القہستانی ای او اصرار علی صغیرۃ الخ (قولہ فتجب اہانتہ) و مفادہ کون الکراہۃ فی الفاسق تحریمیۃ. فسق کا مطلب لغت کے اعتبار سے استقامت کا فقدان ہے۔ اور شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔ قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ ان کا قول فاسق کی اہانت واجب ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ فاسق کے بارے میں کراہت تحریمی ہے۔

کبیری ص ۴۷۵ میں ہے۔

وفیہ اشارۃ الی انہم ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۸۴... میں دیکھیں)۔

درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۳ میں ہے۔

ولو ام قوما وہم لہ کارہون ان الکراہۃ لفساد فیہ اولانہم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذالک تحریما لحدیث ابی داؤد ولا یقبل اللہ صلوٰۃ من تقدم قوما و ہم لہ کارہون. اور اگر کسی نے لوگوں کی امامت کی حالانکہ لوگ اس سے متنفر ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ نفرت کرنا اس امام کے اندر کسی خرابی کی وجہ سے ہے یا لوگوں میں ایسے ہیں جو اس امام سے زیادہ مستحق امامت ہیں۔ تو ایسی صورتوں میں اس امام کا امامت کے لئے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرمائے گا کہ جو قوم کی امامت

کے لئے آگے بڑھ گیا اور صورت حال یہ ہے کہ قوم اس سے متنفر ہے

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲/۱ میں ہے۔

وتعاد علی وجه .... (پوری عبارت.. مسئلہ ۲۷۷.. میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): شخص مذکور میں امور مذکورہ کے سوا کوئی بات فسق وضلال کی نہ ہو تو اس کی امامت جائز ہے چونکہ میت کا غسل دینا اور کفن و دفن کرنا اور اس کی اُجرت لینا شرعاً امر ممنوع اور ناجائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۸٦: ایک امام چوری کی بتی جلاتے ہیں میٹر سے الگ تار ہٹا دیتے ہیں اور غیبت بھی کرتے ہیں۔ اس کے لیے حکم شرع کیا ہے؟ ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئولہ عاشق حسین، نئی آبادی، مراد آباد، ۵؍جون ۱۹٦۵ء

الجواب: جو امام ناجائز طور پر سرکاری بجلی سے روشنی حاصل کرتا ہو اور فی الواقع غیبت جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب بھی کرتا ہو تو ایسا شخص بلاشبہ شرعاً فاسق و فاجر ہے۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے اور اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے چونکہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں، ۱۔ ایک مرتبہ اعلانیہ توبہ کرنے کے بعد کوئی شخص اگر اسی فعل کو مکرر کرے، ۲۔ عوام سے جھوٹ بول کر چندہ وصول کرے، ۳۔ جس مد کے لیے چندہ وصول کرے اس مد میں اس رقم کو خرچ نہ کرے۔ کیا ایسے شخص کو مستقل امام بنایا جاسکتا ہے، اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے، ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئولہ عبد الرحمٰن صاحب، سبزی منڈی، رام نگر، ضلع نینی تال، یکم رجب ۱۳۸۵ھ چہار شنبہ

الجواب: ظاہر ہے کہ توبہ کسی فعل ممنوع کے ارتکاب ہی پر کی جاتی اور کرائی جاتی ہے۔ اگر یہ فعل گناہ کبیرہ کے درجہ کا ہے جیسے جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے تو شخص مذکور دوگنا کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ یہ بات بھی خیانت کو مستلزم ہوتی ہے کہ جس مقصد کی خاطر چندہ دیا یا لیا گیا ہو، اس میں رقم خرچ نہ کرے۔ اگر فی الواقع یہ تمام باتیں شخص مذکور میں پائی جاتی ہیں تو شخص مذکور فاسق و فاجر ہے۔ اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی، اس کے پیچھے جو نماز بھی پڑھی جائے گی وہ واجب الاعادہ ہوگی یعنی اس نماز کا دوبارہ غیر مکروہ طریقہ پر لوٹانا ضروری ہوگا۔ اگر یہ شخص توبہ کرے اور ان گناہوں سے بچنے کا پختہ عہد کرے تو کچھ عرصہ تک اس کا تجربہ کیا جائے کہ وہ اپنے عہد و توبہ پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔ اگر قائم رہے تو اس کو امام بنایا جاسکتا ہے ورنہ امام نہ بنایا جائے۔ فاسق کے پیچھے نماز ہو تو جاتی ہے مگر اس کا لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۸۸: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ زید امام مسجد ہے۔ نکاح پڑھانا اس کے ذمہ ہے۔ اس نے ایک نکاح پڑھایا اور بعد میں رشوت لے کر نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا اور قسم کھا کر بیان دیا کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے جمعہ اور پنجگانہ جائز ہے یا نہیں؟ ناقص ہوگی یا کامل؟

(۲): جو امام تارک الصلوٰۃ ہو اس کے پیچھے قائم الصلوٰۃ کی نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ حاجی علی حسین صاحب، موضع تمڑیاں کلاں، ڈلاری، مرادآباد، ۱۸/رجب المرجب ۱۳۸۵ھ

الجواب: (۱): فی الواقع اگر امام مسجد نے نکاح پڑھایا اور پھر اپنی کسی مصلحت کی بناء پر کچھ رشوت لے کر نکاح پڑھانے سے انکار کردیا اور حلفیہ بیان بھی دیا کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا ہے تو امام مذکور فاسق وگنہگار اور مرتکب کبیرہ ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز خواہ جمعہ ہو یا پنجگانہ مکروہ تحریمی اور ناقص ہوگی۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۴... میں دیکھیں)۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والفسق لغة خروج ..... (پوری عبارت ... مسئلہ ۲۶۳... میں دیکھیں)۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): قصداً نماز کا ترک کرنے والا فاسق وفاجر ہے۔ اگر فی الحقیقت امام ایسا ہی ہے، تو اس کے پیچھے غیر فاسق کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے سے اس کا فریضہ ذمہ سے ساقط تو ہوجاتا ہے لیکن اس میں نقصان رہتا ہے کہ اس کا غیر مکروہ طریقہ پر دوبارہ ادا کرنا لازم ہے، **قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [مریم: ۵۹]** (پھر جانشین ہوئے ان کے بعد کچھ ناخلف کہ نمازیں گنوادیں اور شہوتوں میں لگ گئے، اب جلد پائیں گے جہنم کی وادی "غی" کو) (معارف)۔

وقال عزاسمه ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ [الماعون: ۵] تو ہلاکی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نمازوں کو بھول جانے والے ہیں (معارف)۔ **وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم** من ترک الصلوٰة متعمد افقد کفر. جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۰ میں ہے۔

امامة الفاسق مکروهة تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ردالمحتار مصری جلد اوّل ص ۳۳۶ میں ہے۔

قال فی فتح القدیر والحق التفصیل بین کون تلک الکراهة کراهة تحریم فتجب الاعادة اوتنزیه فتستحب. فتح القدیر میں کہا حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے کہ یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو اعادہ واجب ہے یا تنزیہی ہے تو اعادہ مستحب ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۸۹: زید جو عالم بھی ہے، تارک جماعت وجمعہ وعیدین وتراویح باجماعت ہے، ایسے شخص کی اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد افروز عالم، ۱۲/ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

الجواب: عالم مذکور اگر بغیر عذر شرعی ان امور کے ترک کا عادی اور اس پر مصر ہے تو فاسق ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۴... میں دیکھیں)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۸۱ میں ہے۔

والفسق لغة خروج ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۶۳...میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک ... (پوری عبارت ...مسئلہ ۲۷۷...میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص تاش کھیلتا ہے اور وہ کبھی نماز بھی پڑھاتا ہے۔ جب لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو جواب دیتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ کہاں ناجائز آیا ہے؟ اس میں کوئی گناہ نہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کے لیے شرع کا کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمایئے عین نوازش ہوگی؟

مسئولہ اللہ دین، محلہ چمن سرائے، سنبھل، ۲۷ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ شنبہ

الجواب: شخص مذکور فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے، یعنی جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا لوٹانا واجب ہے، فان کل لھو حرام الاما استثنی منه وھو لیس من المستثنیٰ، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کل لعب ابن آدم حرام الاثلٰثة ملاعبة اھله وتادیبه لفرسه ومناخلته بقوسه، (آدمی کا ہر لہو ولعب حرام ہے، سوائے تین کے۔ بیوی سے لعب کرنا، گھوڑے کو ٹرینڈ (trained) کرنا اور تیر اندازی کرنا)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۲۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص قصداً تین وقت کی نماز قضا کرتا ہو، ظہر، عصر، مغرب اور عشا میں قضا پڑھ کر نماز پڑھاتا ہو یعنی امامت کرتا ہو اور پھر فجر کی نماز قضا کرتا ہو۔ کیا ایسے امام کی امامت درست ہے، مع ثبوت اور مہر مدرسہ تحریر فرمایئے؟

از بیر کھیڑا

الجواب: شخص مذکور اگر فی الواقع نماز قصداً وعمداً قضا کرتا ہو تو صورت مسئولہ میں شخص مذکور فاسق وفاجر قرار پایا، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی۔ اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی اس کا لوٹانا واجب ہوگا۔ مراقی الفلاح مصری ص۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۷۴...میں دیکھیں)۔

اس کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والفسق شرعا خروج عن طاعة اللّٰہ تعالٰی بارتکاب کبیرة قال القھستانی ای اواصرار علی صغیرة. فسق کا شریعت میں مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔ قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۲۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد میں جمعہ وعیدین کی

امامت کرتا ہے اور علم دین بھی جانتا ہے اور پنجگانہ جماعت سے نماز کبھی نہیں پڑھتا ہے۔ پوچھنے پر زید نے بتایا کہ پنجگانہ نماز گھر میں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ جھوٹ بھی بولتا ہے اور مسائل بھی بہت غلط بتاتا ہے تو کیا ایسے شخص کی امامت جمعہ وعیدین وغیرہ میں جائز ہے اور ایسا شخص کیسا ہے اس کے لیے کیا حکم ہے اور فاسق کی کیا تعریف ہے؟

مسئولہ عبدالوالی صاحب، محلہ بازار سدانند، وارانسی، ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

الجواب: اگر واقعی زید بلا وجہ شرعی قصداً ترک جماعت کا عادی ہے جھوٹ بولتا، غلط مسائل عمداً بیان کرتا ہے تو فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی۔ جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا لوٹانا واجب ہے۔ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے یا صغیرہ پر ہیشگی کرنے والے کو شرعاً فاسق کہتے ہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۷۴...میں دیکھیں)۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والفسق شرعاخروج عن طاعة اللّٰه تعالٰی بارتکاب کبیرة قال القهستانی ای اواصرارعلی صغیرة. فسق کا شریعت میں مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔ قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ **واللّٰه تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱): زید اکثر جھوٹ بولتا ہے، وہ مولوی بھی ہے، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(۲): زید کبھی کبھی نماز ظہر اور نماز فجر جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ کیا ایسا آدمی امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

(۳): زید ایک مدرسہ میں بچوں کو پڑھاتا ہے جب غیر حاضری کرتا ہے، تب بھی رجسٹر حاضری میں دستخط کر کے تنخواہ لے لیتا ہے۔ کیا ایسا کام خیانت ہے یا نہیں؟ خیانت کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

(۴): زید جو ایک مولوی ہے اس کے متعلق کئی بار برے فعل کرنے کی آواز اٹھ چکی ہے۔ کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۵): زید سے اگر کسی بات پر خدا و رسول کا واسطہ دے کر معافی مانگی جائے اور انکار کر دے لیکن کسی دولت مند کا کہنا مان لے تو اس پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب دے کر اللہ اور اس کے رسول کے واسطے ہم لوگوں کو مطمئن کیا جائے؟

مسئولہ حاجی چھدا فدا حسین، بھوجپور، مرادآباد، ۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ پنجشنبہ

الجواب: (۱): اگر فی الواقع زید مولوی ہو کر جھوٹ بولتا ہے تو وہ جھوٹ بولنے کے باعث مرتکب گناہ کبیرہ اور فاسق ہوا۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا لوٹانا واجب ہوگا۔ درمختار مصری جلد خامس ص ۴۲۲ میں ہے۔

لان عین الکذب حرام. کیونکہ عین کذب حرام ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۴... میں دیکھیں)۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والفسق شرعاخروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة قال القهستاني اى اواصرارعلى صغيرة الخ (قوله فتجب اهانته) و مفاده كون الكراهة فى الفاسق تحريمية. فسق کا شریعت میں مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ ان کا قول فاسق کی اہانت واجب ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ فاسق کے بارے میں کراہت تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان كانت تلك الكراهة كراهة تحريم، تجب الاعادة، اوتنزيه تستحب. لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): جان بوجھ کر نماز کے چھوڑنے سے مراد اگر یہ ہے کہ وہ ان نمازوں کو بالکل پڑھتا ہی نہیں ہے، نہ ادا نہ قضا تو نمازوں کا چھوڑنا اور ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔اس صورت میں بھی زید کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر چھوڑ دینے سے مراد یہ ہے کہ قصداً اور عمداً ان نمازوں کو جماعت سے ادا نہیں کرتا اور ترک جماعت کا عادی ہے تو ایسا کرنا بھی گناہ ہے۔اس صورت میں بھی زید کی امامت مکروہ ہوگی اور اگر جان بوجھ کر چھوڑ دینے سے مراد یہ ہے کہ صرف سائل کے نظریہ میں زید قصداً وعمداً نماز کا تارک اور فی الحقیقت زید ان نمازوں کو کسی عذر کے باعث بعد جماعت پڑھ لیا کرتا ہے تو اس صورت میں زید کی امامت بغیر کراہت صحیح و درست ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۳): اگر فی الواقع زید غیر حاضری کے ایام میں بھی رجسٹر حاضری میں دستخط کر کے ناجائز طور پر تنخواہ لیتا ہے تو اس کا یہ فعل ناجائز وگناہ ہے۔اس گناہ کے ارتکاب سے فاسق قرار پایا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۴): زید کے متعلق چند بار برے فعل کرنے کی شہرت اگر بغیر ثبوت وشہادت اور محض افتراء اور الزام تراشی کے طور پر ہے جب تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر ایسی شہرت مبنی برحقیقت اور ثبوت وشہادت ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے ضرور اجتناب کرنا چاہیے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۵): زید کا یہ اقدام اچھا نہیں اس سے غرباء اور غیر متمول کو اس الزام کا موقع ملے گا کہ زید امیر پرستی اور چاپلوسی میں رہتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۲۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ:

(۱): زید ایک مسجد کا امام ہے اور اس نے طلاق شدہ عورت کا نکاح بغیر عدت گذارے ہوئے پڑھا دیا تو اس صورت میں زید پر از روئے شرع کیا حکم ہے اور زید امام ہونے کے قابل ہے یا نہیں؟

(۲): بکر نے بازار سے سامان خریدا اور اس کو لے کر گھر آیا۔ گھر پر خالد سے ملاقات ہوئی تو خالد نے بکر سے کہا کہ یہ سامان خراب وعیب دار ہے، تو بکر نے کہا کہ جناب خالد عیب کس کے اندر نہیں ہے، عیب تو اللہ کے علاوہ سب کے اندر ہے تو اس پر خالد نے کہا کہ کیا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اندر بھی عیب ہے، تو بکر نے کہا کہ ہاں۔ پھر خالد نے کہا کہ کیا فرشتوں کے اندر بھی عیب ہے، تو بکر نے کہا کہ ہاں فرشتوں کے اندر بھی عیب ہے۔ پھر بکر کے اس کہنے پر خالد نے کہا کہ توبہ کرو تو بکر نے کہا کہ میں برابر توبہ کرتا رہتا ہوں۔ ایسے توبہ کرنے سے کیا فائدہ۔ تو مذکورہ صورت میں بکر اسلام سے خارج ہوا یا نہیں اور اس پر توبہ لازم ہے یا نہیں اور بعد توبہ تجدید نکاح کرے یا نہیں اور امامت کے قابل ہے یا نہیں؟

مسئولہ جناب عبد المجید صاحب، بستی، ۳۰ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ

الجواب: (۱): ظاہر ہے کہ زید نے عدت کے اندر جو نکاح پڑھایا وہ جان کر ہی پڑھایا ہوگا، لہٰذا اس کا یہ نکاح پڑھانا حرام و ناجائز ہوا اور زید حرام کار اور فاسق ٹھہرا، اس پر توبہ صحیحہ واجب، قبل توبہ اس کی امامت مکروہ تحریمی جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے گی، اس کا لوٹانا واجب ہوگا بعد توبہ اس کی امامت بغیر کراہت صحیح و جائز ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۴... میں دیکھیں)۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

والفسق شرعا خروج..... (پوری عبارت ...مسئلہ ۲۶۷... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک ..... (پوری عبارت... مسئلہ ۲۷۷... میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): بکر کا یہ جملہ کہ عیب تو اللہ کے علاوہ سب کے اندر ہے، غلط و باطل اور بیہودہ بکواس ہے اس قسم کے جملے وہابیہ دیابنہ ملاعنہ گستاخ اور دریدہ دہن افراد اپنی زبان سے نکالا کرتے ہیں خالد کا یہ طریقہ کہ اس نے اچھے عنوان سے سمجھانے کی بجائے فی الفور وہ یہ سوال کر بیٹھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر بھی عیب ہے صحیح نہیں ہے نہایت غیر موزوں اور نامناسب ہے۔ خالد پر یہ لازم تھا کہ وہ بکر کو دوسرے اچھے انداز میں اس جملہ کے بطلان پر دلیل پیش کرتا لیکن خالد کے سوال مذکور کے جواب میں بکر کا ہاں کہہ دینا بلاشبہ تخفیف شان رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صراحۃً دال ہے، اسی طرح بکر کا کہنا ''ہاں فرشتوں کے اندر بھی عیب ہے تخفیف شان ملکیت پر صراحۃً دال ہے حضرات انبیاء و رسل وملائکہ علیہم الصلوات والتسلیمات کی شان ہائے مبارکہ میں کسی عیب کا قائل ہونا توہین اور اہانت اور تخفیف واستخفاف ہے جو بلاشبہ کفر وارتداد ہے لہٰذا بکر کافر و مرتد خارج از اسلام ہوگیا اس پر توبہ صحیحہ صادقہ اور تجدید ایمان و تجدید نکاح و بیعت فرض و لازم ہے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص سرکار کی سنت اور حدیث کے متعلق بھی کوئی گرا ہوا خفیف کلمہ استعمال کرے گا وہ کافر قرار پائے گا سرکار کی ذات والا تو بہت بلند و بالا وارفع واعلیٰ ہے، سرکار کے نائب کسی عالم دین کو اگر کوئی بطور استخفاف عویلم کہہ دے تو وہ

بھی کافر ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ سرکار کو کدو محبوب تھا اس کے جواب میں اگر دوسرا شخص یہ کہہ دے کہ میں کدو کو محبوب نہیں رکھتا تو یہ دوسرا شخص شرعاً کافر ہو جائے گا۔ مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۳۲۸ میں ہے۔

ومن استخف سنة اوحديثا من احاديثه عليه السلام اوحديثا متواتر اوقال سمعناه كثيرا بطريق الاستخفاف كفر۔ جس نے کسی سنت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث متواتر کا استخفاف کیا اور یہ کہا۔ "ہم نے بہت سنا ہے۔" اگر یہ توہین کے طریقے سے کہا تو کفر ہے۔

اسی میں ہے۔

ولوقيل كان النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يحب كذامثلاالقرع فقال رجل انالااحبه كفر. اگر کسی سے یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں چیز پسند کرتے تھے مثلاً آپ ﷺ کدو پسند کرتے تھے اس کے جواب میں بولا میں پسند نہیں کرتا۔ تو یہ کفر ہے۔

اسی کے ص ۳۲۹ میں ہے۔

ومن قال للعالم عويلم قاصداً به الاستخفاف كفر. اگر کسی عالم کو توہین واستخفاف کی نیت سے "عُوَيْلَمْ" کہہ دیا تو یہ کفر ہے۔

اسی میں ہے۔

ويكفر بعيبه ملكا من الملائكة اوبالاستخفاف به۔ کسی فرشتے کی طرف عیب کی نسبت کی یا اس کا استخفاف کیا تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۹۵: نماز تراویح ایسے حافظ کے پیچھے جو نماز کا پابند نہیں، یا قرآن مجید سنانے کے لیے رقم ٹھہرا کر کلام پاک سناتا ہے، جائز ہے یا نہیں، اسی طرح جو سامع کہ رقم ٹھہرا کر کلام پاک سنے تو اس کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ یٰسین بیگ صاحب، محلہ ڈیریہ، مرادآباد، ریٹائر ہیڈ کانسٹبل

الجواب: جو حافظ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں ہے۔ وہ فاسق معلن ہے۔ اس کے پیچھے ہر نماز فرض ہو یا واجب وسنت مکروہ تحریمی ہوگی جس کا لوٹانا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت وسماعت پر معاوضہ ٹھہرا لینا درست نہیں ناجائز ہے۔ جو حافظ وسامع ایسا کرتا ہے وہ بھی فاسق ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو جواب میں اوپر ذکر کیا گیا۔ البتہ جتنا وقت وہ تلاوت وسماعت میں صرف کرتا ہے اس وقت کا معاوضہ ٹھہرا کر لینا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۲۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے باوجود امام ہونے کے مسجد کے وقف پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور وقف کی آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتا ہے اور اپنی امامت کی اجرت بھی لیتا ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد جمیل صاحب اشرفی، سیتاپور ضلع، مرادآباد، ۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ جمعہ

الجواب: اگر فی الواقع امام مسجد نے مسجد کے وقف پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور وقف کی آمدنی کو بغیر استحقاق اپنے

مصرف میں لاتا ہے تو امام مذکور کا یہ فعل ناجائز و گناہ ہے وہ اس بناء پر فاسق و فاجر قرار پایا۔ اس کو امام بنانا مکروہ و ممنوع ہے۔ اس کے پیچھے نماز بکراہت تحریمی ادا ہوگی جس کا لوٹانا دوبارہ بغیر کراہت ادا کرنا واجب ہے۔ **کذا فی الھندیۃ وردالمحتار وغیرھا من الاسفار. واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۲۹۷: ایک شخص نے اپنے آپ کو فاسق ہونے کا اقرار کیا وہ امامت کرتا ہے تو اس کی اقتداء میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں تو ان نمازیوں پر شرعاً کیا حکم نافذ ہوگا؟ ایسے شخص کو امامت کی جگہ پر رکھنا عندالشرع کیسا ہے؟

مسئولہ کریم خان صاحب، ہنومان گڑھ ٹاؤن، ضلع گنگا نگر، راجستھان، ۱۸ر ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ پنجشنبہ

الجواب: اگر فی الواقع شخص مذکور فاسق ہے اور اس کا اقرار صحیح ہے تو اس کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئی ہیں، سب کا وجہ غیر مکروہ پر لوٹانا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، **کمامر فی فتاوانا تفصیلا**، ایسے شخص کو امامت سے معزول کر دیا جائے تاکہ نمازیوں کی نمازیں بغیر کراہت صحیح و درست ہوں اور نمازیں لوٹانی نہ پڑیں۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۲۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہمارے شہر مراد آباد میں جو امام شہر جناب صائم علی عرف ولی جی صاحب ہین، جن کو سارا شہر عزت اور وقعت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور مذہبی عقیدت ہے، ان کو اگر کوئی مسلمان فاسق و فاجر کہے اور جھوٹا کہے اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور دوسرے مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کرے کہ جن مسلمانوں نے ایسے شہر امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو وہ اپنی اپنی نمازوں کو دہرائیں جب کہ وہ مسلمان نہ کوئی مفتی ہے نہ کوئی عالم دین؟

مسئولہ مسرت حسین صاحب، محلہ مانپور، مراد آباد، ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ پنجشنبہ

الجواب: حافظ صائم علی صاحب امام شہر ہوں یا اور کوئی مفتی یا عالم ہو یا کوئی مسلمان متقی ہو یا مومن صالح ہو۔ اگر ان کو کوئی شخص ثبوت شرعی کے بغیر فاسق و فاجر اور جھوٹا بتائے تو شخص مذکور کا فاسق و فاجر کہنا اور جھوٹا بتانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرنا صحیح و درست نہیں، بلکہ گناہ و معصیت ہے۔ چونکہ کسی مومن صالح کی طرف بغیر تحقیق گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ ایسی صورت میں کہنے والے پر اس گناہ و معصیت سے توبہ لازم و ضروری ہے اور اگر ان کو کوئی شخص ثبوت شرعی کی بناء پر فاسق و فاجر اور جھوٹا بتاتا ہے تو عقیدت مندوں کو اس قائل سے ثبوت شرعی کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ اگر قائل ثبوت شرعی پیش کر کے فسق اور جھوٹ ثابت کر دے تو اس کا فاسق و فاجر کہنا اور جھوٹا بتانا صحیح و درست ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں عقیدت مندوں کو خوش فہمی سے باز آ جانا چاہیے۔ بخاری شریف مجتبائی جلد ثانی ص ۸۹۳ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق. ایک مسلمان آدمی دوسرے مسلمان آدمی پر فسق کی تہمت نہ رکھے۔

احیاء العلوم اور شرح فقہ اکبر مجیدی ص ۸۶ میں ہے۔

لایجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق. بغیر تحقیق کسی مسلمان پر گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں۔

اسی میں ہے۔

ولایجوز ان یرمی مسلم بفسق و کفر من غیر تحقیق. بغیر تحقیق ایک مسلمان پر فسق وکفر کا الزام رکھنا جائز نہیں۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۲۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک مسجد کا پیش امام ہے۔اس میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں۔ (۱): قرآن کریم غلط پڑھتا ہے، جس سے معنی بدل جانے کا امکان ہے۔ (۲): مسجد کی جائداد پر غیر قانونی طور پر قبضہ کررکھا ہے۔ (۳): ایک بچی کی نعش کو دفن کرنے کے بعد امام مذکور نے اپنے لڑکے سے اس نعش کو باہر نکال کر ڈلوا دیا۔ (۴): امام مذکور رشوت خوار ہے۔ (۵): امام مذکور اپنے منہ سے فحش گالیاں بکتا ہے۔براہ کرم یہ بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا**

مسئولہ لڈن خان، محلہ علی خان، کاشی پور، ضلع نینی تال، ۵/اپریل ۱۹۶۹ء

الجواب: اگر یہ تمام باتیں جو سوال میں درج ہیں صحیح ودرست ہیں تو امام مذکور ہرگز ہرگز قابل امامت نہیں چونکہ وہ ان افعال کے باعث فاسق وفاجر ہوگیا۔شرعاً فاسق عالم بھی ہو تو اس کی توہین واجب ہے۔ایسے شخص کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم وتکریم ہوتی ہے۔لہٰذا اس کو امامت کے لیے آگے نہ بڑھایا جائے اور امامت سے معزول کر دیا جائے تاکہ اس کی تعظیم نہ ہو، بلکہ توہین ہو جو شرعاً مطلوب ہے۔ ہے جو غیر فاسق اس کے پیچھے کوئی نماز پڑھے گا، اس نماز کا لوٹانا یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔چونکہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۷۴...میں دیکھیں)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ. اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۰ میں ہے۔

ان امامۃ الفاسق مکروھۃ تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

الصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع..... (پوری عبارت ...مسئلہ ۲۸۵...میں دیکھیں)۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۳۰۰: زانی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ صوفی شمشیر علی، موضع تمریاں کلاں ڈاکخانہ ڈلاری، ضلع مرادآباد، ۱۰/اپریل ۱۹۶۹ء پنجشنبہ

الجواب: زانی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو کر شرعاً فاسق وفاجر ہوگیا، اس کے پیچھے غیر فاسق کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ **کذافی الفتاوی الھندیہ. واللّٰہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۳۰۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام بینک سے روپے لیتے ہیں، اور سالانہ اس کا سود ادا کرتے ہیں، ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ مولانا عبدالرب صاحب، موضع ڈینگر پور، ضلع مرادآباد، ۲۷؍صفر ۱۳۸۹ھ پنجشنبہ

الجواب: امام ہو یا مقتدی خاص ہو یا عام سود کا لینا دینا کسی کے لیے جائز نہیں۔ سود مطلقاً حرام ہے، **واحل اللہ البیع وحرم الربوٰ**، اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔ حضرت حق تعالیٰ کا فرمان واجب الاذعان ہے، سود لینے دینے والا حرام قطعی کا ارتکاب کر کے فاسق و فاجر ہو گیا۔ اس کا امامت کے لیے آگے بڑھانا اس کی تعظیم کو مستلزم ہوتا ہے۔ حالانکہ شرعاً اس کی توہین واجب ہے۔ لہٰذا اس کو امام نہ بنایا جائے۔ اس کے پیچھے مومن غیر فاسق کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۲: خدمت میں یہ عرض ہے کہ میں نے دو شخصوں کے درمیان واقع ایک ناجائز تعلق کو چھڑانے کے لیے ایک کام کیا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہانڈی میں اس آدمی کا پتلا یعنی اس لڑکے کا بنا کر رکھدیا، اور یہ آیت پڑھی، جس طرح کتاب میں لکھی ہوئی ہے، **اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ** ۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ وہی ہے، جیسا کہ نماز جنازہ میں پڑھتے ہیں۔ میں نے ایک آدمی کو جو کہ میرے مقتدی ہیں، نماز میں کھڑا کرلیا، وہ سمجھے کہ مولینا بھاگ رہے ہیں، اسی لیے نماز پڑھنا چھوڑ دی اور انھوں نے مجھ سے معلوم بھی کیا تھا تو میں نے ہاں ہاں کر دیا تھا۔ اب ان کے کہنے سے بہت سے آدمی نماز پڑھنے نہیں آتے ہیں۔

(۱): آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں جو اوپر لکھا ہوا ہے۔ (۲): پیش امام صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے پیچھے نیت باندھ لینا، جب نماز پڑھائی تو وہ نماز جنازہ کی جیسی تھی، پڑھنے کے بعد میں نے گھر معلوم کیا کہ یہ نماز تو مرنے سے پہلے کی پڑھادی، میں نے کہا یہ تو برا کیا، اس کا اثر تو آپ پر ہوگا، جواب دیا کہ نہیں وہ ایسا ہی دشمن ہے، وہ مر جائے گا؟ اب ہم کو بتلایا جائے کہ امام صاحب کے پیچھے ہماری نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالرزاق، ۱۴؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ یکشنبہ

الجواب: امام صاحب کی پہلی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اس عمل میں اپنے ایک مقتدی کو شامل کرلیا۔ اس قسم کے اعمال میں دوسرے کسی مقتدی کو کبھی شریک نہ کیا جائے، بلکہ جائز عمل کو تنہا کیا جائے تاکہ کسی مقتدی کو غلط نتیجہ نکالنے کا موقعہ نہ ملے اور بدگمانی کی راہ نہ پیدا ہو۔ ع

اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست

ناجائز تعلق کو ختم کرنے کے لیے ہر جائز عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس عمل میں ایک بات ناجائز ہے کہ اس میں اس کا پتلا بنانا پڑتا ہے۔ کسی ذی روح کا پتلا بنانا جس میں اس کے چہرے کی تصویر بنائی جاتی ہے، خواہ کاغذ پر ہو یا مٹی وغیرہ کا بنایا جائے، شرعاً حرام وناجائز وگناہ کبیرہ ہے۔ دوسرا گناہ کبیرہ امام صاحب نے یہ کیا کہ مقتدی سے کہہ دیا کہ وہ شخص مر جائے گا، حالانکہ یہ عمل ہلاکت کا نہیں ہے، بلکہ تفریق کا ہے۔ یہ جھوٹ ہے، اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ امام صاحب پر ان دونوں گناہوں سے علی الاعلان توبہ کرنا ضروری ہے۔ توبہ کے بعد ان کے پیچھے نماز پڑھنا بغیر کراہت جائز ہوگی، ورنہ ان کے پیچھے نماز بکراہت تحریمی ہوگی، جس کا دوبارہ بغیر کراہت ادا کرنا شرعاً واجب ہوگا۔ چونکہ فاسق مرتکب گناہ کبیرہ کے پیچھے نماز

بکراہت تحریمی ادا ہوتی ہے۔ آئندہ کے لیے امام صاحب کبھی پتلا بنانے والا عمل نہ کریں اور جھوٹ بھی نہ بولیں۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): قصابان نے روزانہ کچھ پیسے مسجد کے لیے جمع کیے۔ پیش امام صاحب کے پاس جمع کرنے کے لیے رکھتے تھے۔ سات برس کے بعد قصابان کے ایک فرد نے پیش امام صاحب سے جمعہ کی نماز سے پیشتر سب نمازیوں کے سامنے حساب مانگا، پیش امام صاحب نے ایک ہفتہ کا وعدہ کیا۔ ایک ہفتہ کے بعد حساب نہیں سمجھایا، تیسرے جمعہ کو پیش امام صاحب نے ڈھائی سال کا حساب بنا کر دوسرے آدمی سے سنوایا، اس پر ایک دوسرے قصابان کے ایک فرد نے پیش امام صاحب سے کہا "ساڑھے چار سال کا حساب کہاں ہے۔" پیش امام صاحب نے جواب دیا کہ وہ میں نے نہیں لکھا، وہ خرچ ہو گئے، تب ان سے پوچھا گیا کہ کہاں خرچ ہوئے پیش امام صاحب نے کہا کہ لکڑی اور صفیں خریدی ہیں۔ اس پر اس آدمی نے کہا کہ لکڑی ہم دیتے تھے اور محلہ والے دیتے تھے، آپ نے کس سے پوچھ کر خریدی، پیش امام صاحب خاموش ہو گئے، اس کے بعد جو شخص پرچہ سنا رہے تھے، انھوں نے کہا کہ رقم کہاں ہے، پیش امام صاحب نے کہا کہ پندرہ یوم میں دوں گا، تب اس آدمی نے کہا کہ آپ کو رقم بھی ساتھ ہی دینی چاہیے تھی، تب پیش امام نے ایک ہفتہ کا وعدہ کیا؟

(۲): پیش امام صاحب کا لڑکا ایک شادی شدہ بچے والی عورت کو فرار کر کے گھر لایا، ایک رات لڑکا اپنے گھر رہا، دوسرے دن وہ لڑکا کسی دوسری جگہ چھپا رہا اور عورت پیش امام صاحب کے گھر رہی، دو دن تک اس عورت کا کھانا پینا پیش امام صاحب کرتے رہے، جب عورت کا شوہر اور رشتہ داروں نے محلہ میں آ کر کہا کہ پیش امام صاحب کے گھر ہماری عورت ہے، تب محلہ والوں نے پیش امام صاحب سے کہا کہ یہ بہت بری بات ہے اور حافظ صاحب سے کہا کہ پولس میں کیس چلا گیا، تو آپ کا کیا حشر ہوگا، سب لوگوں نے اس عورت کو اس کے شوہر کو دلوا دیا؟

(۳): پیش امام کا لڑکا چوری سے جو لکڑی ٹھیکہ داروں کی جمع رہتی ہے، پھاڑ پھاڑ کر بیچی، اس کا علم پیش امام صاحب کو بھی ہے، اور وہ لڑکا پیش امام صاحب کے ساتھ ہی رہتا ہے، آیا اس حالت میں ایسے پیش امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد یامین ممبر میونسپل بورڈ، ہلدوانی ضلع نینی تال، ۲۴ / اگست ۱۹۷۰ء دوشنبہ

الجواب: اگر فی الواقع امام صاحب کے متعلق سوال میں درج کردہ باتیں صحیح ہیں تو امام مذکور خلاف استحقاق مسجد کے مال کو خرد برد کرنے اور اپنے مصرف میں لانے کے باعث اور مال مسجد میں بیجا تصرف کرنے کی بناء پر شرعاً فاسق و فاجر ہو گیا، اور ہر فاسق و فاجر خواہ حافظ ہو یا عالم اس کی بھی اہانت و توہین شرعاً واجب ہے، اور فاسق کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے، لہٰذا اس کو امامت کے لیے ہرگز ہرگز آگے نہ بڑھایا جائے، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی، وہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، یعنی جس کا دوبارہ بغیر کراہت لوٹانا شرعاً واجب ہوگا، امام مذکور کو امامت سے علحدہ کر کے دوسرے صالح و متقی شخص کو امام بنایا جائے۔

قال الله تعالى ﴿وَ اِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيطٰنُ فَلاَ تَقعُدْ بَعدَ الذِّكرىٰ مَعَ القَومِ الظّٰلِمِينَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلا وادے دے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) و قال عز اسمه ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَ التَّقوىٰ وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الاِثمِ وَ العُدوَان﴾ [المائدہ: ۲] (نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو)۔ و قال جل مجده ﴿قُوا اَنفُسَكُم وَ اَهلِيكُم نَاراً﴾ [التحريم: ۶] (اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ)۔ قال النبی صلی الله علیه وسلم کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته (الیٰ ان قال) والرجل راع فی اهل بیته. تم میں ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا ...... مرد اپنے گھر والے کا نگہبان ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب اهانته شرعا فلايعظم بتقديمه للامامة. فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دینی معاملات میں لاپرواہ ہے۔ اس کی اہانت شرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا امامت کے لیے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۰ میں ہے۔

ان امامة الفاسق مکروهة تحريما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

ومفاده کون الکراهة فی الفاسق تحريمية. اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

وتعاد علی وجه .... (پوری عبارت...مسئلہ ۲۷۷...میں دیکھیں)۔ والله تعالیٰ اعلم.

مسئله ۳۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید باوجود یہ کہ حافظ وعالم ہے، کسی ایک شخص کے زرِ ثمن وزر بیع نامہ پر گواہی کے دستخط دیتا ہے، جب کہ اس تاریخ میں وہ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد عبدالمتین، خنجر پور، بھاگل پور، ۱۰ ارتمبر ۱۹۷۰ء

الجواب: سائل اپنے مقصد کو سوال میں واضح نہ کر سکا۔ زمانۂ تحصیل علم میں ایک عالم وحافظ بھی زر بیعانہ کے کاغذ پر فی الواقع موجود رہ کر گواہی کے صحیح دستخط بنا سکتا ہے۔ میں عنوان سوال سے جو کچھ سمجھ سکا وہ یہ ہے کہ اگر اس حافظ وعالم نے بیع نامہ کے کاغذ پر جعلی دستخط بنا دیا ہے، تو یہ جعل سازی گناہ ومعصیت ہے، جعل بنانے والا فاسق وفاجر ہے، اور غلط کار ہے۔ اگر شرعی طریقہ پر یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص جواب حافظ وعالم ہے، اس نے ایک مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لیے گواہ کا جعلی دستخط خلاف واقعہ بنایا ہے، تو وہ شخص فاسق وفاجر ہوگا۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہوگی، جب کہ شرعاً اس کی توہین واہانت واجب ہے۔ لہٰذا اس کو امام نہ بنایا جائے۔ لیکن اگر اس جعل سازی کے بعد شخص مذکور نے اس گناہ سے توبہ کر لی ہو تو پھر اس کی امامت بغیر کراہت صحیح وجائز ہوگی، اس کے پیچھے

ہر نماز صحیح و درست ہوگی۔ کراہت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے، التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔ سوال سے یہ ظاہر ہے کہ جعلی دستخط بناتے وقت شخص مذکور عالم دین نہ تھا۔ اگر عالم دین ہونے کے بعد توبہ صحیحہ شرعیہ شخص مذکور نے کرلی ہو تو فبہا ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارے میں کہ جو امام وقت کی پابندی نہ کرتا ہو، دنیاوی کاموں میں معروف رہتا ہو، نماز کے پڑھنے پڑھانے کی فکر نہ رکھتا ہو، کیچوے، کانٹے میں لگا کر مچھلی کا شکار کرتا ہو، اور اسی دھن میں قصداً نماز چھوڑ دیتا ہو۔ حق و باطل کو نہ پہچانتا ہو، غیبت جھوٹ میں شامل رہتا ہو۔ کیا ایسا امام امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ فجر پڑھادی تو ظہر میں غائب اور ظہر پڑھادی تو عصر میں غائب روزانہ کا یہی شغل ہے؟

مسئولہ دولہ جان، باز پور گاؤں، ڈاکخانہ باز پور، ضلع نینی تال، ۲۳ ر رمضان شریف ۱۳۹۰ھ

الجواب: جو امام مچھلی کے شکار کے دھن میں قصداً نماز چھوڑ دیتا ہو اور غیبت اور جھوٹ میں مبتلا ہو وہ امام شرعاً فاسق و فاجر اور گنہگار و حرام کار ہے، ایسے شخص کی توہین و تذلیل شرعاً واجب ہے، لہٰذا اس کو امامت کے لیے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم ہرگز ہرگز نہ کی جائے، اس کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم لازم آنے کی وجہ سے حکم شرع واجب الاہانۃ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ اس کے پیچھے ہر نماز مکروہ تحریمی ہو کر ادا ہوگی، جس کا اعادہ یعنی دوبارہ کراہت کے بغیر پڑھنا اور ادا کرنا واجب ہوگا۔ امام زندہ کیچوا کانٹے میں لگا کر شکار نہ کرے اور تمام برائیوں اور گناہوں سے توبہ صادقہ صحیحہ کرے تو اس کو امامت کے منصب پر رہنے دیا جائے، ورنہ اس کو منصب امامت سے معزول کردیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد میں ایک مولوی صاحب امامت کرتے ہیں۔ وہ غریب مسلمان کو جلاوطن کردیتے ہیں، لوگوں کی زمین کو غصب کر کے کھاتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں۔ پولس کے ذریعہ دیگر لوگوں کو ستاتے ہیں اور گرفتار کرواتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ امام صاحب کو بواسیر کی بیماری ہے۔ کیا شرعی نقطہ نظر سے ان کی امامت جائز ہے؟ اور امام بننے کیلئے کیا شرائط ہیں، تفصیل سے لکھیں؟

مسئولہ عبدالستار، موضع بستہ ڈانگی، سور جاپور، ضلع مغربی دیناجپور، بنگال، ۱۵ ر شوال المکرم ۱۳۹۰ھ

الجواب: امام صاحب کے جو اعمال اور افعال سوال میں درج ہیں وہ گناہ کبیرہ پر مشتمل ہیں جو امام گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، وہ فاسق ہے، اس کی توہین و تذلیل شرعاً واجب ہے، اس کے آگے بڑھانے میں برائے امامت اس کی تعظیم ہوتی ہے، لہٰذا اس کو امام نہ بنایا جائے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، بواسیر کی بیماری امامت پر اثر انداز نہیں ہوتی، قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة:۱۸۸] (اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) (معارف)۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۰ میں ہے۔

امامۃ الفاسق مکروھۃ تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

تندرست مردوں کے لیے امامت کی شرط صحت، اسلام، بلوغ، عقل، مرد ہونا، قرأت پر قادر ہونا بقدر فرض، نماز کی شرکے نہ

پائے جانے سے محفوظ ہونا، کمامر فی مراقی الفلاح. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ یہاں پر ایک امام صاحب ہیں جو اپنے بیل کو لے کر دوسرے کی جائداد کو نقصان کرتا ہے اور جادو، سحر پر یقین رکھتا ہے اور لوگوں کے سامنے بولتا ہے کہ جادو کے ذریعہ سے آدمی کو مار سکتا ہے اور سنی ہوئی باتوں سے لوگوں پر غلط الزام لگاتا ہے، اور جھوٹ بولتا ہے اور اپنے ماں باپ کو بدزبان کہتا ہے، ایسی صورت میں امام مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

مسئولہ محمد سیف الدین، موضع بگوڑا، پوسٹ اعظم نگر ضلع پورنیہ، بہار، ۱۹؍مارچ ۱۹۷۱ء

الجواب: اپنے بیل سے دوسرے کی کھیتی کو نقصان پہنچانا اور ہر سنی سنائی بات سے دوسرے پر الزام قائم کر دینا اور جھوٹ بولنا اور والدین کو گالی گلوچ کرنا، یہ تمام کام ناجائز وگناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح غیر کفری کلمات سے جادو کرنا بھی گناہ عظیم ہے، لہٰذا امام مذکور ان امور کا مرتکب ہو کر فاسق وفاجر ہوگیا، اور ہر فاسق وفاجر خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو واجب الاہانت شرعاً ہے، اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہوگی۔ لہٰذا اس کو امام ہرگز ہرگز نہ بنایا جائے، اس کے پیچھے ہر مومن صالح کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ **ھکذا فی الغنیۃ و ردالمحتار وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح والفتاوی الھندیہ. واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۰۸: عرض خدمت شریف میں یہ ہے کہ اگر کوئی امام یہ لفظ کہہ دے کہ ''بہن کی.... میں جائے امامت'' تو اس امام کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں، اس کی امامت درست ہے یا غیر درست؟ اس کا جواب صاف لفظوں میں عنایت کیجئے۔ یہاں پر کافی جھگڑا ہونے کو ہے۔ آپ اپنے دستخط اور مدرسہ کی مہر لگا کر جواب دیجئے؟

مسئولہ مسلمانان، تحصیل بلاری، ضلع مرادآباد، ۱۶؍ربیع الآخر ۱۳۹۱ھ جمعہ

الجواب: امام مذکور بدلگام فاسق وفاجر ہے، اس کا یہ کلمہ نہایت قبیح ومذموم ہے، اس گالی میں بظاہر اہانت معلوم ہوتی ہے، اس گالی اور توہین آمیز کلمہ کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لہٰذا یہ امام فاسق وفاجر ہو کر قابل امامت نہ رہا، اس کی امامت اور اس کو امام بنا کر آگے بڑھانا مکروہ تحریمی ہے۔ شرعاً فاسق وفاجر خواہ وہ عالم دین وحافظ قرآن کریم ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی توہین وتذلیل واجب ہو جاتی ہے۔ شخص مذکور کو امام نہ بنایا جائے، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی۔ وہ مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا اعادہ یعنی دوبارہ غیر مکروہ طریقہ لوٹانا واجب ہے۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

> **والفسق شرعاخروج عن طاعۃ اللہ تعالیٰ بارتکاب کبیرۃ قال القھستانی ای اواصرار علی صغیرۃ .** فسق کا شریعت میں مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔ قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۳۰۳... میں دیکھیں)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ. اس کا حاصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۰ میں ہے۔

ان امامۃ الفاسق مکروھۃ تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم تجب الاعادۃ وتنزیہ فتستحب فان الکراھۃ التحریمیۃ فی رتبۃ الواجب کذا فی فتح القدیر. لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبے میں ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب نے جان بوجھ کر ایک گھڑی چوری کی۔ رمضان شریف میں وقت دیکھنے کے واسطے لی۔ رمضان شریف کے بعد امام صاحب سے گھڑی والے شخص نے اپنی گھڑی امام صاحب سے طلب کی تو امام صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے تو آپ کو دے دی ہے۔ بعد میں امام صاحب کی بات غلط ثابت ہوئی؟

مسئولہ رفیق احمد صاحب، محلہ بانس پھوڑان، کاشی پور، ضلع نینی تال، ۱۷ رجب ۱۳۹۲ھ پنجشنبہ

الجواب: اس کا نام چوری نہیں ہے، بلکہ سینہ زوری ہے یا جھوٹ اور دروغ گوئی۔ چوری تو یہ ہے کہ غیر کے محفوظ مال کو خفیہ طریقہ پر چھپا کر کوئی غائب کر دے، اور لے لے۔ یہ تو ایسی صورت ہے کہ کسی سے بطور عاریت کوئی چیز لے کر پھر اس کو مار لینے کی نیت سے دینے والے سے کہہ دے کہ میں نے تمھاری چیز واپس کر دی۔ بہر حال یہ چوری نہیں ہے، بلکہ غصب اور جھوٹ ہے۔ یہ دونوں عمل گناہ کبیرہ ہیں۔ اس کے باعث امام صاحب فاسق و فاجر ہو گئے اور امامت کے قابل نہ رہے، ان کو امام نہ بنایا جائے، چونکہ یہ واجب الاہانۃ ہو گئے۔ اور امامت کے لیے آگے بڑھانے میں ان کی تعظیم ہو گی، جو خلاف شرع ہے۔ لہٰذا امام مذکور کو امامت سے علحدہ کر دیا جائے، ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہو گی۔ ھکذا فی مراقی الفلاح وحاشیۃ الطحطاوی والدر المختار والقنیۃ والفتاوی الھندیہ. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۱۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص مولوی ہے، اس کو اعزازی طور پر امام بنا رکھا ہے، جس کی پرہیزگاری مشکوک ہے۔ وہ یہاں پر مسلمان مذہب کے خلاف ہندوؤں سے سازش کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے، اور راز افشا کرتا ہے، اور یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ دار العلوم دیو بند میں بیس سال قبل سفیر تھے، جس کا نام حکیم عارف صاحب نگینوی ہے۔ انھوں نے مدرسہ کے حساب میں مبلغ پانچ صد روپیہ کا غبن کیا تھا۔ بجنوری نے منت سماجت سے ان کو چھڑایا تھا اور سفارت سے علحدہ کر دیا گیا تھا۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ان کے گھر میں ایک

عورت ہے، جس کو وہ اپنی زوجہ بنائے ہیں، مگر اس کے نکاح کی تصدیق اور گواہ نہیں ہیں۔ خود ان کا کہنا ہے کہ میں خود اپنا نکاح پڑھ لیا تھا، دوسری بات یہ ہے کہ قاضی وقت جس کا تقرر گورنر کے یہاں سے ہوتا ہے اور عام رائے سے ہوتا ہے، ان کی اجازت کے بغیر صرف کمائی کی خاطر نکاح خوانی کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں شہر کے سب لوگ جانتے ہیں، مگر آں صاحب نے ہماری برادری میں تفرقہ بازی اور پارٹی بازی سے کچھ لوگوں کو ہمنوا بنالیا ہے۔ جس سے بڑا نقصان برادری کا ہوا ہے، اس صورت کیا شرع اسلام میں ایسے شخص کو امام بنانا اور نکاح خوانی کرنا جائز ہے؟

مسئولہ عبد المالک، محلہ حرم علی، سرائے، نگینہ ضلع بجنور، ۱۷ رجب ۱۳۹۱ھ پنجشنبہ

الجواب: اگر فی الواقع سوال میں درج کردہ باتیں صحیح و درست ہیں تو یہ مولوی صاحب قابل امامت نہیں، چونکہ ناحق ایذائے مسلم حرام ہے۔ غیر مسلم کو مسلم کے مقابلہ میں فائدہ پہنچانا اور مسلم کو نقصان پہنچانا بھی گناہ عظیم ہے۔ راز مسلم کا غیر مسلمانوں پر اظہار کہ غیر مسلم کو مدد و تقویت ملے اور مسلمانوں میں اختلاف و تفریق پیدا کرنا کہ مسلمان کمزور ہوں، ایسا کرنا معصیت ہے۔ پھر خیانت اور ناجائز طریقہ پر عورت کو رکھنا فسق و فجور ہے۔ لہٰذا شخص مذکور فاسق و فاجر ہونے کے باعث امامت کا مستحق نہیں، شرعاً فاسق کی توہین اور تذلیل و اہانت واجب ہے، اس کو امامت و نکاح خوانی کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے، لہٰذا اس مولوی کو امامت و نکاح خوانی کے کام سے بالکل علٰحدہ کر دیا جائے، اور اس کی بجائے دوسرے امام صالح و متقی کو امام بنایا جائے، اور نکاح خوانی کرائی جائے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ: ۲] (نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو)۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامۃ الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۳۰۳... میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ محترمہ زید سے سخت ناراض تھیں۔ اہل محلہ کے لوگوں کو بلا کر کہہ دیا کہ میرے جنازے کو ہاتھ نہ لگائے، میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں نے آج سے عاق کیا۔ اسی ناراضگی کے دوران والدہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ زید قبرستان میں جا کر قبر میں اتارنے کے لیے اپنی والدہ کو ہاتھ لگاتا ہے تو ایک حیرت انگیز واقعہ گذرا، جس کو سبھوں نے ملاحظہ فرمایا، اور اس کے شاہد بھی موجود ہیں۔ ہر چند کوشش کی کہ زید اپنی والدہ کو چارپائی سے اٹھالے مگر معلوم یہ ہوتا تھا کہ میت کا سر چارپائی سے بالکل چپک گیا ہے۔ چند منٹ کوشش کرنے کے باوجود بھی سر نہ اٹھ سکا، تو لوگوں نے منع کر دیا کہ آپ سے نہیں اٹھیں گی اور غیر لوگوں نے فوراً اٹھالیا۔ میت کو دفن کر دیا گیا۔ میت کی یہ کرامت دیکھ کر لوگوں کو یقین کامل ہو گیا کہ واقعی والدہ ناخوش مریں۔ اپنے چھوٹے بیٹے سے والدہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ جب یہ میرے جنازے کو ہاتھ لگائے تو منع کر دینا۔ اس پر چھوٹے بیٹے نے کہا کہ تم خود منع کر دینا، میں اپنی ہڈیاں نہیں تو ڑواؤں گا۔ تم مری ہوگی اور مجھے بھائی مارنے کو چمٹ گیا تو کون بچائے گا، اس پر والدہ نے بے ساختہ یہ کہا، اچھا موذی تو بھی اسی سے مل جا۔ میں اپنا انتظام خود کرلوں گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کو امام

بنانا اور اس سے مرید ہونا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ سید منظور علی، ۸ رصفر ۱۳۹۲ھ

الجواب: والدہ کی ناراضگی کا سبب کیا تھا، اگر اس کی پوری تفصیل اور مکمل تحقیق بحوالہ ثبوت شرعی لکھیں تو اس سوال کا جواب دیا جا سکے گا، ورنہ ایسے مجمل سوال کا جواب صرف اتنا دیا جا سکتا ہے۔ اگر والدہ کی ناراضی بسبب ارتکاب گناہ کبیرہ تھا تو زید اس گناہ کبیرہ سے توبہ صادقہ کرے ورنہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ چونکہ فاسق مرتکب گناہ کبیرہ کا امام بنانا گناہ اور مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے شخص کی بیعت میں کوئی داخل نہ ہو، یعنی ان سے مرید ہونا منع ہے۔ اور اگر والدہ کی ناراضگی کا سبب کوئی گناہ صغیرہ تھا، تو پھر زید کی امامت بغیر کراہت صحیح و درست ہوگی اور اس سے مرید ہونا بھی جائز ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۱۲: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب بازار میں جا کر دلالی کرتے ہیں، اور جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں، اور ان کے یہاں بے پردگی بہت زیادہ ہے۔ محلہ کے عام آدمی جانتے ہیں، جس سے شرع نے منع بھی کیا۔ کیا غیر محرم سے ان کی بیوی اور ہمشیرہ کو بات کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲): اور امام صاحب کے ایک بھائی ہیں جنھوں نے راستہ میں کہیں خنزیر مارا اور مار کر اس کو غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کیا، اور اس پیسہ کو گھر میں لا کر استعمال کیا، اس میں امام مسجد بھی شامل ہیں۔ کیا یہ امام صاحب کے لیے جائز ہے اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اور محلہ کے چند بڑے بڑے آدمی ہیں، جن کی وجہ سے وہ امامت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ سب باتیں معلوم ہیں، پھر بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، تو ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئولہ محمد نثار حسین، تمڑیاں کلاں، تحصیل ٹھاکردوارہ، ضلع مرادآباد، ۲۱ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

الجواب: نمبر ایک اور نمبر دو میں جو باتیں امام صاحب کے لیے لکھی گئی ہیں، اگر یہ باتیں صحیح و درست ہیں تو امام صاحب فاسق و فاجر شرعاً واجب الاہانۃ اور لازم التوہین ہوئے۔ امامت کے لیے آگے بڑھانے میں ان کی تعظیم و تکریم ہوگی، جب کہ شرعاً اہانت کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے، لہٰذا امام صاحب کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، ان کے پیچھے جو نماز پڑھی گئی ہے، یا پڑھی جائے گی، وہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ آج کل کی مروجہ دلالی اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ بے پردگی اور غیر محرم اجنبی سے کلام کرنے پر بیوی بہن کو نہ روکنا بھی گناہ عظیم ہے، امام صاحب کے بھائی کا خنزیر کو مار کر بیچنا اور اس کے دام کو گھر میں خرچ کرنا بھی حرام و ناجائز ہے۔ اگر امام صاحب نے دیدہ و دانستہ اس مردار خنزیر کی قیمت سے خریدی ہوئی چیز کو استعمال کیا تو وہ بھی حرام کار اور حرام خور ہوئے۔ امام صاحب پر لازم ہے کہ وہ اپنے ان گناہوں سے توبہ صحیحہ صادقہ کریں، پھر آئندہ ایسے گناہ کرنے سے بچتے رہیں۔ جو لوگ دیدہ و دانستہ ایسے لوگوں کو امام بناتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی گناہ کے مرتکب ہیں۔ بااثر لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایسے امام کو امامت سے معزول کر دیں، اور جو لوگ امام کو معزول کرنے سے قاصر ہوں، وہ اپنی نماز دوسری مسجد میں صحیح الحال امام کے پیچھے ادا کریں، ورنہ اپنی نماز علٰحدہ علٰحدہ پڑھیں اور جماعت ثانیہ سے پڑھ سکیں تو جماعت ثانیہ سے پڑھیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کا بیٹا بکر ہے۔ بکر ناچتا گاتا ہے، بھانڈوں کے ساتھ ناچ کود کھیل تماشا کرتا ہے۔ زید اس کا باپ بھی اسی کے ساتھ گھر میں رہتا ہے، اور وہی ناچ گانا والی کمائی بھی گھر کی کمائی میں شامل ہوتی ہے، یا الگ رہ جاتی ہے، نہیں کہا جاسکتا ہے اور دونوں ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں، تو کیا بکر ناچنے والے کے باپ زید کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور زید قابل امامت ہے؟ **بینوا توجروا.**

مسئولہ محمد اسحاق خاں قادری، ۷/ شوال ۱۳۹۲ھ سہ شنبہ

الجواب: زید پر لازم ہے کہ اپنے بیٹے بکر کو کسب قبیح سے روکے اور طاقت سے روکے۔ روکنے کی طاقت جسمانی نہ ہو تو زبان سے روکے۔ زبان سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے براجانے۔ اس کے بعد زید اس کی ناجائز کمائی سے ہرگز کچھ نہ کھائے نہ پہنے اور اس کی کمائی کو اپنی نیک کمائی میں نہ ملائے۔ اگر زید ان امور مذکورہ پر عمل کرتا ہے، تو اس کی امامت بلاشبہ درست بغیر کراہت صحیح وجائز ہوگی۔ اگر وہ ان امور مذکورہ پر عمل نہ کرتا ہو اور پابند نہ ہو تو وہ شرعی مجرم وفاسق وفاجر ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی اسے امام نہ بنایا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ گاؤں کی مسجد میں ایک امام چالیس سال سے امامت کرتا ہے اور شرع کا بھی پابند ہے، اور نہ کسی سے کچھ لیتا ہے، یہاں تک کہ کسی کا کھانا بھی نہیں۔ قرآن شریف بھی اچھا پڑھتا ہے اور مسائل خوب جانتا ہے۔ اب اس سے ایک گناہ سرزد ہوگیا ہے۔ وہ یہ کہ اس کا لڑکا بہت دنوں سے اپنا حصہ لے کر اپنے بھائیوں سے علحدہ ہوگیا ہے۔ اب وہ ناجائز طریقے سے اپنے بھائیوں سے جو باپ کی شرکت میں ہے، ان سے لینا چاہتا ہے اور مکان ان کے حصہ کا، اسی بنا پر جھگڑا ہوگیا ہے، اور اس کے باپ نے جو درجہ امامت پر فائز ہے، اس کے لڑکے کو ایک طمانچہ مارا اس کے لڑکے نے اپنے باپ کو بہت مارا، اس مارنے پر اس کے باپ نے جو کہ امام ہیں، اس کی زبان سے حالت غصہ میں اس کی لڑکی کو گالی دے دیا، اب جب کہ جمعہ کا دن آیا تو گاؤں کے کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس نے اپنی لڑکی کو گالی دی ہے، ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ یہ ہم لوگوں سے معافی طلب کرے۔ اس امام نے اپنے دل میں یہ سوچا کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا ہے، اس کی معافی خداوند تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ اگر میں ان لوگوں سے معافی مانگوں تو اس گناہ سے معافی نہیں ہوسکتی، اگر مجھ کو کچھ لالچ ہوتا تو ان لوگوں سے معافی مانگتا، اسی بنا پر کچھ لوگ مسجد سے چلے گئے اور انھوں نے چوپال پر جاکر نماز ادا کی، اور جو لوگ زیادہ تعداد میں تھے، انھوں نے مسجد ہی میں امام کے پیچھے نماز ادا کی اور وہ امام جس نے چوپال میں نماز پڑھائی نہ شرع کا پابند ہے اور نہ نماز کا پابند، نہ قرآن شریف اچھا پڑھتا ہے اور نہ ہی مسائل سے واقف ہے۔ فاسق معلن ہے۔ لہٰذا ہم لوگ بھی مسجد میں اسی امام کے پیچھے نماز پڑھیں، یا اس کے پیچھے جس نے چوپال میں نماز پڑھائی، اور اس پہلے امام کو علحدہ کر کے اس کو امام بنالیں۔ کیونکہ گاؤں میں کوئی قابل امامت نہیں ہے، گاؤں والے دوسرے امام کو رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ نہ کھانا کھلا سکتے ہیں اور نہ کچھ دے سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ وہ سود بھی کھاتا ہے؟

مسئولہ منور چوکیدار، ڈلاری، ضلع مرادآباد، وزیر ٹھیکدار، یکم ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: امام سابق وقدیم نے لڑکے کی مار پر غصہ میں آ کر اپنے لڑکے کو بیٹی کی گالی دے دی یہ گناہ ہوا، امام صاحب کا یہ گناہ فرمان خداوندی اور حکم رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلاف ورزی کے باعث ہے اور لڑکے کی مار کے جواب میں ہے۔ گاؤں کے مقتدیوں کو تو امام صاحب نے گالی نہیں دی، لہٰذا گاؤں والوں کا یہ مطالبہ کہ مجھ سے معافی مانگو، غلط و باطل ہے۔ امام صاحب کو رب کریم سے معافی مانگنی چاہیے اور وہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اس کے بعد امام صاحب پر کسی گناہ کا کوئی الزام باقی نہیں رہتا۔ صحیح حدیث میں ہے، **سباب المسلم فسوق**، یعنی ایک مومن کا دوسرے مومن کو گالی دینا فسق و گناہ ہے، لہٰذا امام کا بارگاہ رب العزت میں توبہ کر لینا کافی ہے۔ لڑکے کو امام صاحب سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ چونکہ وہ اپنے باپ کو مار پیٹ کر فاسق و فاجر ٹھہرا اور فاسق کی توہین و تذلیل شرعا واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ سارے گاؤں والے نمازی اسی امام سابق و قدیم کے پیچھے نماز پڑھیں۔ دوسرا امام داڑھی کٹانے والے سود لینے یا دینے والے کو ہرگز ہرگز امام نہ بنائیں۔ چونکہ دوسرا امام داڑھی کٹانے اور سود لینے یا دینے کے باعث فاسق و فاجر ہے۔ کسی فاسق کو امام بنانے میں اس کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ جب کہ شرعاً اس کی توہین و تذلیل واجب ہے۔ فاسق امام کے پیچھے جو غیر فاسق نماز پڑھے گا، اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا دوبارہ بغیر کراہت لوٹا کر پڑھنا شرعاً ضروری ہے۔ گاؤں کے نمازیوں کا حال بھی عجیب و غریب ہے کہ جس بیٹے نے زیادتی کی کہ دوسرے بھائیوں کے حصے میں سے ناجائز طور پر حصہ لینا چاہتا ہے۔ اور باپ کو مارتا ہے، اس کو ہر طرح مناسب سزا دیتے اور تنبیہ کرتے تاکہ وہ غلط کاری سے بچتا، بجائے اس کے امام صاحب کے سر ہو گئے۔ بہر حال جن لوگوں نے فاسق امام کے پیچھے علیحدہ چوپال میں نماز ادا کی، وہ غلطی پر ہیں۔ جن لوگوں نے امام سابق کے پیچھے مسجد میں نماز ادا کی، وہ صحیح راستہ پر ہیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص نے نسبندی کروائی ہو، اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جو شخص داڑھی کٹواتا ہو یا منڈواتا ہو، اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد صابر، قصبہ بہیڑی، برہمنان، ضلع مراد آباد، ۶ رذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: نسبندی کرنا یا کرانا حرام و ناجائز ہے اور مخالف نص قرآن شریف و حدیث شریف ہے، اور منشا تخلیق انسانی کے منافی ہے۔ اسی طرح داڑھی کا ایک مشت سے یعنی ایک قبضہ سے کم کرا دینا اور منڈوانا بھی حرام و ناجائز ہے۔ ایسا کرنے اور کرانے والے شرعاً فاسق و فاجر قرار پاتے ہیں اور فاسق کی توہین و تذلیل شرعا واجب ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے، جس میں ترک واجب لازم آتا ہے۔ لہٰذا فاسق کو کسی نماز میں امام نہ بنایا جائے۔ جو صالح و متقی اس کے پیچھے کوئی نماز پڑھے گا، اس کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے، جس کا دوبارہ لوٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کہتا ہے کہ بکر ایک فاسق معلن شخص ہے، کیونکہ بکر کی بیوی تقریباً تین سال سے میکہ میں ہے، اور بکر کسی ضد میں آ کر اسے وہاں سے نہیں لاتا ہے اور حرام کاری سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی بکر کوئی خیال نہیں کرتا کہ میری بیوی غلط کام اپنائے ہوئی ہے اور نہ ہی اس کو طلاق دے

کر بری کرتا ہے، تو زید چند اشخاص کو لے کر مشورہ کیا کہ ہم لوگ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نماز یں ہوتی بھی ہیں یا نہیں؟ زید اور چند نادار مفلس لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا تو بکر کہتا ہے کہ تم لوگ یہ ثابت کر دو کہ میرے پیچھے نماز نہیں ہوتی؟ اگر ثابت کر دیئے تو سو روپئے انعام دوں گا، ورنہ تم لوگوں سے دو سو روپئے لوں گا، تو جب وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے تو کیا اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد عبدالرحیم اشرفی نعیمی، جھوڑا پکھ، ضلع مغربی دیناجپور، ۲ر فروری ۱۹۷۳ء

الجواب: بکر مذکور شرعاً ضرور فاسق و فاجر ہے، چونکہ وہ حکم قرآن ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء: ۱۹] (اور ان سے اچھا برتاؤ رکھو) کا تارک و مخالف ہوا۔ نیز بیوی کو معلقہ چھوڑ دینا اور اس کو نان ونفقہ نہ دینا، اس کی ضروریات و مصارف کو پورا نہ کرنا اور دیگر حقوق زوجیت کو پورا نہ کرنا۔ یہ ساری چیزیں حرام و گناہ ہیں۔ فاسق شرعاً وہی قرار پاتا ہے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔ بکر کا بیوی کو معلق چھوڑ دینا بھی زنا کاری میں مبتلا ہونے کا سبب بنا۔ بکر اپنے ان گناہوں سے توبہ صادقہ کرے اور اپنی بیوی کو بموجب حکم خداوندی، ﴿وَاَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ﴾[الطلاق: ٦] (اور انہیں رہنے کی جگہ دو جہاں تم رہتے ہو) اپنے گھر لاکر رکھے، ورنہ اس کو طلاق دیکر آزاد کر دے، تاکہ وہ بعد عدت دوسرا نکاح کر سکے۔ پھر بکر کی امامت بغیر کراہت صحیح و درست ہوگی، ورنہ بکر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ بکر کا بازی لگانا اور یہ کہنا کہ میرے پیچھے نماز نہ ہونے کی بات ثابت کر دوگے تو میں سو روپئے دوں گا، ورنہ تم لوگوں کو مجھے دو سو روپئے دینے ہوں گے، یہ بھی غلط و حرام و ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک مسجد میں نماز پڑھاتا ہے اور اپنے آپ کو اسی مسجد کا متولی سمجھتا ہے اور کہتا ہے، جب کہ اس مسجد کا کوئی متولی یا کمیٹی نہیں ہے، نہ تحریراً نہ تقریراً، بلکہ ہمیشہ اس محلہ کے ایک دو فرد اس کا انتظام کرتے رہے، اور مسجد کا کام چلتا رہا۔ موجودہ دور میں شخص مذکور نے مسجد کے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اس کے ہاتھ میں انتظامات آنے کے بعد سارے کام درہم برہم ہوگئے۔ اہل محلہ کی تشویش کے بعد یہ راز معلوم ہوا کہ اس نے مسجد کی آمدنی کو غبن کیا، مسجد کی موقوفہ جائداد جو چندے سے تعمیر شدہ تھی اور کرایہ داران اس پر قابض ہیں، اس کی ادائیگی کرایہ کی رسیدوں پر اپنے ایک ہمنوا کی ملکیت ظاہر کرتے ہوئے رسیدیں کاٹنا شروع کر دیں۔ علاوہ ازیں مسجد کا سامان مکمل اپنے تصرف میں لاتا ہے اور مسجد کی زمین اپنے ذاتی روپئے سے فروخت کر دی اور روپیہ کا کوئی پتہ نہیں دیا، ایسے بھی مسجد کے نام سے چندہ بھی کیا تھا اس کا بھی پتہ نہیں اور عدالت میں سالمنٹ بھی ہے۔ کیا مذکورہ صفات سے متصف ہونے والے کے پیچھے ہم تمام اہل محلہ نماز پڑھیں؟ ایسے شخص کے پیچھے ہماری نماز درست ہے یا نہیں؟ اور وہ قابل امامت ہے یا نہیں؟

مسئولہ صدر عبدالشکور سکریٹری محمد صاحب وغیرہ، ۲۱ر صفر ۱۳۹۳ھ سہ شنبہ

الجواب: امام کے متعلق سوال میں لکھی ہوئی تمام باتیں یا بعض باتیں بھی صحیح و درست ہیں، تو یہ امام فاسق و فاجر ہوگیا۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی یعنی واجب الاعادہ ہوگی، جس کو دوبارہ غیر مکروہ طریقہ پر ادا کرنا لازم و واجب ہوگا، شرعاً فاسق

وہ شخص قرار پاتا ہے، جو کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، غبن کرنا، مال مسجد کو بیجا طور پر اپنے صرف میں لانا، مسجد کی زمین کو بغیر استحقاق بیچ دینا، مکانات مسجد یا دوکان مسجد کو کسی دوسرے کی ملک قرار دینا۔ یہ ساری باتیں گناہ کبیرہ ہیں، فاسق و فاجر کو امامت کے لیے آگے ہرگز نہ بڑھایا جائے، اس کو امامت کے لیے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے، جب کہ شرعاً اس کی توہین لازم ہے، لہٰذا امام مذکور کو امامت سے علحدہ کر دیا جائے، یہ شخص فاسق ہو کر امامت کا اہل نہیں رہا۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

والفسق شرعاخروج عن طاعة الله تعالٰی بارتکاب کبیرة قال القهستانی ای اواصرارعلی صغیرة . فسق کا شریعت میں مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔ قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کره امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۳۰۳... میں دیکھیں)۔

طحطاوی میں ہے۔

ان امامة الفاسق مکروهة تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

غنیۃ المستملی ص ۳۴۶ میں ہے۔

ویکون الامربالاعادة لازالة الکراهة لانه الحکم فی کل صلاة ادیت مع الکراهة ولیس للفساد. کراہت کو ختم کرنے کے لیے نماز کے لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا یہی حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۳۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو حکم عدولی کرتے ہیں، میں نے کہا حکم عدولی تو شیطان کا کام ہے، تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ تو انھوں نے کہا کہ میں بھی شیطان ہوں۔ اس وقت میں نے کہا، شیطان کے پیچھے نماز کیوں پڑھیں، تو انھوں نے کہا مت پڑھو۔ ایا ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

مسئولہ.........۱۱ / رجب ۱۳۹۳ھ

الجواب: امام مذکور بلاشک وشبہ فاسق و فاجر ہے، اس کو منصب امامت سے فی الفور علحدہ کر دیا جائے، جو حکم عدولی و نافرمانی کو برا نہ سمجھے اور اپنے آپ کو شیطان بتائے، اس امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جس کا دوبارہ غیر مکروہ طریقہ پر لوٹانا واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۳۱۹: ایک شخص کے ذمہ دو سال کی زکوٰۃ باقی ہے، اس کو کہا گیا کہ جلد ادا کر دے، پھر بھی خاموش رہا تو ایسی حالت میں اس کے پیچھے نماز میں اقتداء کریں یا نہ کریں؟

مرسلہ شفیق احمد، لائن ۷، ہلدوانی ضلع نینی تال، ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ شنبہ

الجواب: ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھیں یہی بہتر واولیٰ ہے۔ اگر وہ ادا کر دے گا، تو فاسق نہ رہے گا ورنہ فاسق رہا، سکوت سے یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ دینا نہیں چاہتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): جو شخص ایک سال قبل باغ کی فصل کو خریدتا ہے اور وہ حیلہ کرتا ہے کہ میں نے نہیں خریدا بلکہ میرے گھر والوں نے خریدا ہے۔ لیکن دیکھ بھال اور فروخت کرتا ہے اور گھر والوں کا کھانا پینا اور اس کا ساتھ ہی ساتھ ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں کیا مسئلہ ہے وہ قوم کا رہنما اور امام بھی بن سکتا ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز کراہت سے ہوگی یا بلا کراہت؟

(۲): جو شخص لوگوں کو دھوکہ دیکر باسی چیز کو تازہ کی آواز لگا کر بازار میں فروخت کرتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۳): ایک شخص ہے جس کے نکاح کو قریب دو سال ہوئے جا رہے ہیں اور وہ لڑکی اس کے مکان پر نہیں جانا چاہتی، وہ کہتی ہے کہ مجھے دھوکہ دیکر اذن لیا گیا ہے اور جسمانی حالت بھی کمزور ہے۔ اکثر دوائی کھاتا ہے، میرا نبھاؤ اس کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اور لڑکی کے گھر والوں کو جس وقت حالات کا پتہ چلا تو وہ بھی اپنی لڑکی کو نہیں بھیجنا چاہتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں بھیجیں گے اور لڑکی کو آزاد کر دیا جائے لیکن وہ لوگوں کے بہکانے میں آکر لڑکی کو آزاد نہیں کرتا، بلکہ اس کا خیال ہے کہ میں غنڈوں کے ذریعہ اس کو مکان پر لے آؤں، اور وہ شخص عالم، حافظ، قاری ہے اور قوم کا پیشوا اور رہنما مانا جاتا ہے، ایسے شخص کو امام بنانا اور رہنما ماننا کس درجہ تک درست ہے؟

(۴): جو شخص محلہ میں نااتفاقی کراتا ہو، اور ایک دوسرے کی غیبت کرتا ہو، رات دن اس کا مشغلہ یہی ہو، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئولہ محمد نبی، محلہ چوہان قصبہ جسپور، ضلع نینی تال، ۲۹ / اکتوبر ۱۹۷۴ء

الجواب: (۱): اگر فی الواقع یہ شخص خود باغ خریدنے کے بعد اپنی خریداری سے منکر ہوتا ہے تو جھوٹ بولنے والے کی صف میں آ گیا، اور شرعاً جھوٹا قرار پایا۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور جو آدمی گناہ کبیرہ کرے وہ فاسق وفاجر شرعاً ہو جاتا ہے، وہ امامت کا مستحق نہیں، اس کو امام بنانا درست نہیں، اس کے پیچھے ہر نماز بکراہت تحریمی ادا ہوگی جس کا بغیر کراہت دوبارہ لوٹانا واجب ہے، **ھکذا فی ردالمحتار وغیرھا من الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے جس کا لوٹانا واجب ہے، چونکہ دھوکہ دینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳): یہ نکاح صحیح ہوگیا، جب لڑکی نے اجازت دیدی۔ اور لڑکی کے گھر والوں نے بھی اجازت دیدی اور سب کی رضامندی سے نکاح ہوا تو یہ نکاح بلاشبہ صحیح و درست ہوا۔ لڑکی کا شوہر کے یہاں جانے سے انکار کرنا اور اس کے گھر والوں کا بھی بھیجنے سے منع کرنا صحیح و درست نہیں۔ لڑکی اور اس کے گھر والے سب گنہگار ہو رہے ہیں، شوہر کو حق تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے یا نہ دے۔ اس پر طلاق دینے پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ اور طلاق نہ دینے پر شوہر گنہگار بھی نہ

ہوگا چونکہ شوہر شرعاً مجرم وقصور وار نہیں ہے بلکہ لڑکی اور اس کے گھر والوں کا قصور ہے وہ اپنی بیوی کو جبراً اپنے گھر لانے میں حق بجانب ہے لیکن غنڈوں کے ذریعہ لانے کے بجائے کوئی دوسرا شریفانہ طریقہ اختیار کرے۔ شخص مذکور کی امامت میں کوئی کراہت وقباحت نہیں، نہ اس کی رہنمائی میں کوئی خاص گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۴): تفریق بین المسلمین اور غیبت کرنا اگر فی الواقع ثابت ہو رہا ہے تو یہ شخص بھی فاسق وفاجر شرعاً ہو گیا چونکہ یہ دونوں کام گناہ کبیرہ ہیں۔ اس کو امام بنانا مکروہ وممنوع ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ وتحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی، جیسا کے اوپر لکھا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جیل کے اندر قیدیوں کے کمبل کیلئے اون تیار کیا جاتا ہے، اس کو جیل کے اندر کے محافظ چوری سے باہر لاتے ہیں اور دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔ پھر وہ خریدنے والے عام پبلک کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں اور عام لوگ اس اون کو خرید کر اس کی چادر بنواتے ہیں۔ ایسی چادر کی اون میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس چادر کی اون چوری کی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ نماز ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ حکومت کافر ہے اور اون جو جیل میں تیار ہوتا ہے وہ اس کی ملک نہیں اور ہو بھی تو مال کافر کا ہے لہٰذا صحیح حکم شرع تحریر فرمادیں۔

مسئولہ محمد معظم اشرفی، ۶ ر فروری ۱۹۷۵ء

الجواب: چوری کیسی بھی ہو چوری ہی ہے اور ہر چوری حرام وناجائز وگناہ کبیرہ ہے۔ شرعاً کسی بھی چوری کی اجازت واباحت ثابت نہیں ہے۔ چوری مومن صالح یا مومن فاسق کی کی جائے یا کافر ومرتد ومشرک کی کی جائے۔ بہر حال چوری ہے۔ علم ہوتے ہوئے اور دیدہ ودانستہ چوری کی چیز کو خرید کر اپنے استعمال میں لانا مکروہ وممنوع ہے۔

ایسی چادر یا کمبل یا کپڑے کا استعمال نماز کو مکروہ بنا دیتا ہے۔ یہی حکم غصب کردہ چیز کا بھی ہے، لہٰذا نماز بکراہت جائز ہوئی۔ زید کا قول کہ نماز نہیں ہوگی اگر اس کی یہ مراد ہے کہ نماز بغیر کراہت نہیں ہوگی۔ بلکہ بکراہت ہوگی تو صحیح ودرست ہے ورنہ غلط ہے۔ بکر کا قول کہ نماز ہو جائے گی، اگر اس کی یہ مراد ہے کہ نماز بکراہت ہو جائے گی صحیح وجائز ہے ورنہ غلط ہے۔

بکر کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے "اس لئے کہ یہ حکومت کافر کی ہے" کیا شریعت میں کافر کی حکومت کی کسی چیز کا چرانا جائز ہے، ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اگر کافر یا کافر کی چیز کا چرانا جائز ہو جائے تو، کافر کی چیز کا چرانا مومن کا معمول ہو جائے گا۔ جس سے ملک و وطن کا نظام گڑبڑ وخراب ہو جائے گا اور چوری کی برائی دل میں باقی نہیں رہے گی اور چوری کا عادی بن کر مسلمان خود مسلمان کی خوب دل کھول کر چوری کرنے لگے گا۔ حکومت کافر کی نہیں ہے بلکہ جمہوری یا لادینی ہے۔

اسی طرح بکر کا یہ کہنا کہ "اون جو جیل میں تیار ہوتی ہے وہ اس کی ملک نہیں۔ اور ہو بھی تو مال کافر ہے" آخر وہ اون حکومت کی ملک نہیں تو کس کی ہے۔ اگر رعایا کی ملک ہے تو رعایا کی چوری ہوئی ورنہ حکومت کی چوری تو ضرور ہے۔ چوری کی ہوئی چیز کے جواز واباحت کے لئے ایسی بات کا کہنا لغو وقبیح ہے، شرعاً قابل قبول نہیں۔ کسی نے مسجد کا مال چرایا تھا۔ جب حاکم کے سامنے اس کا یہ مقدمہ پیش ہوا تو چور نے کہا کہ ہم نے متولی کے مال کی چوری نہیں کی ہے۔ لہٰذا متولی کو دعویٰ

کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، میں نے خانہ خدا کی چیز چرائی ہے اوندقدوس کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے۔حاکم نے جواب میں کہا کہ مجھے خدا نے ہی حاکم بنایا ہے کہ کوئی شخص کسی بندے کی کوئی چیز یا خانہ خدا کی کوئی چیز چرائے تو میں اسے سزا دوں۔لہٰذا میں تجھے سزا کا حکم سناتا ہوں۔حکم سنا کر اسے جیل بھیج دیا۔جس طرح اس چور کا عذر، عذر صحیح نہیں، بلکہ عذر لنگ ہے،اسی طرح بکر کا عذر در باب جواز سرقہ عذر لنگ ہے بلکہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۵ میں ہے۔

وتکره فی ارض الغیر بلا رضاه. دوسرے کی زمین میں اس کی مرضی کے خلاف نماز مکروہ ہے۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۶ میں ہے۔

تکره الصلوة فی الثوب المغصوب و ان لم یجد غیره لعدم جواز الانتفاع بملک الغیر قبل الاذن اواداء الضمان. غصب کئے ہوئے کپڑے میں نماز مکروہ ہے۔خواہ دوسرا کپڑا موجود ہو یا نہ ہو۔کیونکہ دوسرے کی چیز سے بغیر اس کی اجازت اور ضمانت دیئے ہوئے فائدہ حاصل کرنا ناجائز ہے۔

اقول: بھذه العلة تثبت کراهة الصلوٰة فی الثیاب المسروقة فان السرقة اشد من الغصب کمالا یخفیٰ علی من له مهارة فی الفقه فان الشیء المسروق لایصیر ملکا للسارق ولاملکا للمشتری من السارق والظاهر ان الکراهة تحریمیة۔ (میں کہتا ہوں۔چوری کئے ہوئے کپڑے میں جو نماز مکروہ ہے،اس کی کراہت کی علت یہیں سے ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ چوری کرنا،غصب کرنے سے زیادہ برا ہے۔یہ بات اس پر مخفی نہیں جسے فقہ میں مہارت حاصل ہے۔کیونکہ مسروقہ چیز سارق کی ملکیت نہیں ہو جاتی اور نہ اس کی ملکیت ہوتی ہے جو چور سے خریدتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے)۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۰۷ میں ہے۔

والاصل فی اطلاقها ای الکراهة التحریم. مطلق کراہت میں اصل یہ ہے کہ مراد کراہت تحریمی ہے۔

جو نماز بکراہت تحریمی پڑھی جاتی ہے اس کا دوبارہ بغیر کراہت پڑھنا اور لوٹانا واجب ہے۔مراقی الفلاح مصری ص ۲۰۶ میں ہے۔

وماکان النهی فیه ظنیا کراهة تحریمة الالصارف. جس مسئلہ کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہے وہ ممانعت مکروہ تحریمی کے درجے میں ہوگی۔مگر یہ کہ کوئی صارف آجائے۔

اسی کے ص ۲۰۷ میں ہے۔

وتعاد الصلواة مع کونها صحیحة لترک واجب وجوبا وتعاد استحبابا بترک غیره قال فی التجنیس کل صلوة ادیت مع الکراهة فانها تعاد لاعلی وجه الکرهة.

بکر کے قول میں ''یہ حکومت کافر کی ہے اور مال کافر ہے'' کا لفظ آیا ہے۔بکر کو معلوم ہونا چاہئے کہ کافر کی حکومت ہونے سے دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو جاتا، ہندستان ابھی تک دارالاسلام ہی ہے البتہ یہاں کے کفار حربی کافر ہیں۔

بلکہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں بھی حربی تھے، حربی کافر کا مال دارالاسلام میں مباح نہیں ہوتا بلکہ دارالحرب میں مومن کے لئے حربی کافر کا مال مباح ہو جاتا ہے۔ ہدایہ اخیرین ص ۷۰ میں ہے۔

ولان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالامباحاً اذالم یکن فیه غدر. حربی کافر کا مال دارالحرب میں مباح ہے۔ مسلمان اسے جس طریقہ سے بھی لے لیں تو جائز ہوگا بشرطیکہ دھوکا نہ ہو۔ **هذاما عندی والله تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۲۲: (۱): سجدۂ تعظیمی کرنے والے کی امامت کیسی ہے؟

(۲): جس کا یہ خیال ہو کہ عورتوں پر پیر آتے ہیں، اس کی امامت کیسی ہے؟

مسئولہ محمد یوسف عرف بابو، ڈھکیہ ضلع مراد آباد، ۱۴؍اپریل ۱۹۷۵ء

الجواب : (۱): سجدۂ تعظیمی حرام و ناجائز ہے اور حرام و ناجائز کا مرتکب شرعاً فاسق و فاجر قرار پاتا ہے۔ فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ اس کا دوبارہ بغیر کراہت لوٹا کر پڑھنا واجب ہے۔ **وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم.**

(۲): کسی مرد یا عورت پر پیر کے آنے کا خیال خالص اوہام پرستی اور نادانی پر مبنی ہے۔ ایسے جاہلانہ تخیلات کے رکھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ **وهو سبحانه وتعالیٰ اعلم.**

امامة مقطوع اللحية (داڑھی کٹے ہوئے کی امامت)

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا امام سنی المذہب صحیح العقیدہ ہے مگر داڑھی منڈاتا ہے، دوسری مسجد کا امام عالم ہے، سند یافتہ ہے، داڑھی بھی باقاعدہ ہے، لباس بھی اسلامی ہے، مگر بدعقیدہ ہے۔ میلاد شریف فاتحہ و درود ایصال ثواب کا منکر ہے۔ ایسی صورت میں کس مسجد میں نماز پڑھی جائے۔ کس امام کے پیچھے نماز ہوگی، ازروئے شریعت جواب مرحمت فرمائیے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ محمد بشیر الدین، کلکتہ

الجواب: جس مسجد کا امام سنی صحیح العقیدہ ہے، اور داڑھی منڈاتا ہے اس کے پیچھے نماز صحیح و جائز ہے، مگر داڑھی منڈوانے کے باعث وہ عمل کے اعتبار سے فاسق ہو گیا، اس کا امام بنانا مکروہ ہے۔ نماز بکراہت ادا ہوگی اور جس مسجد کا امام وہابی بدعقیدہ ہے اور اس کی بدعقیدگی حد کفر تک پہونچ گئی ہو تو اس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی اور اگر وہابی کی بدعقیدگی حد کفر تک نہ پہونچی ہو بلکہ حد بدعت تک اس کی بدعقیدگی پہونچی ہو تو اس کا امام بنانا بھی مکروہ ہے۔ بہرصورت کسی قسم کا وہابی بدعقیدہ ہو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، کفر کی صورت میں تو اس کے پیچھے نماز ہی نہ ہوگی، اور دوسری صورت میں وہابی فاسق من حیث الاعتقاد ہے یہ فسق داڑھی منڈانے والے کے فسق سے اشد اور زیادہ ہے، اور اگر کسی تیسری مسجد میں امام

صالح غیر فاسق سنی صحیح العقیدہ ہوتو وہاں جا کر نماز ادا کی جائے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کرہ امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۳۰۳... میں دیکھیں)۔

کبیری ص ۴۷۶ میں ہے۔

ویکرہ تقدیم المبتدع ایضاً لانہ فاسق من حیث الاعتقاد و ھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق و یخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علیٰ خلاف ما یعتقدہ اھل السنة والجماعة وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھة اذا لم یکن ما یعتقدہ یؤدی الیٰ الکفر عند اھل السنة و اما لو کان مؤدیا الیٰ الکفر فلا یجوز اصلاً۔ بدعتی کا بھی امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے فاسق ہے۔اور یہ فسق عملی سے سخت ہے، کیونکہ فاسق عملی اپنے فاسق ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اللہ سے ڈرتا ہے اور استغفار کرتا ہے برخلاف بدعتی کے۔ بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہو۔ اس کے پیچھے کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی بشرطیکہ اس کا عقیدہ ایسا نہ ہو جو کفر کی طرف لے جا رہا ہو اور اگر اس کا عقیدہ **مؤدی الی الکفر** ہو تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۱ میں ہے۔

واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعة و غیرھا۔

راجح یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ جو نماز مکروہ تحریمی کے ساتھ اداء کی گئی اس کا لوٹانا وجہ غیر مکروہ پر واجب ہے۔اور جو نماز مکرہ تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا مستحب ہے۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۳۰۸... میں دیکھیں)۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ آستانہ ماہ اکتوبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۴۴ کالم نمبر ۳ میں استفتا درج ہے:

(۱): استفتاء: زید حافظ قرآن ہے لیکن داڑھی کترواتا ہے اور صاف کراتا ہے۔ کیا اس کے پیچھے نماز درست ہے، المستفتی، ضیاء الدین، پٹنہ

الجواب: داڑھی ایک مشت سے کم کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، جس کا لوٹانا واجب ہے۔

(۲): آستانہ ماہ فروری ۱۹۵۰ء صفحہ ۶۰ کالم ۲

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ولد الحرام ہے لیکن صوم وصلاۃ کا پابند ہے اور باقاعدہ داڑھی رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے بکر اچھے نسب کا صوم وصلاۃ کا بھی پابند ہے، حافظ

قرآن بھی ہے لیکن داڑھی منڈواتا ہے ہر دو میں کس کے پیچھے نماز پڑھی جائے، محمد یعقوب خریدار نمبر ۱۴۸۶۶۔

الجواب: اگر ولد الزنا شخص متقی ہے اور نماز پڑھانے کی قابلیت رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے اور داڑھی منڈانے والا شخص متقی خواہ حافظ ہو یا قاری یا عالم اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ فاسق ہے، اس کے امام بنانے میں اس کا اعزاز ہے حالانکہ شرعاً اس کی اہانت واجب ہے، اس کے حافظ یا عالم ہونے کی وجہ سے اس کی کراہت زائل نہیں ہوسکتی، صغیری مجتبائی ص ۲۶۴ میں ہے" ولو علم ان العبد اوالاعرابی او ولد الزنا عالم فلاکراهة " واللہ تعالی اعلم۔ اگر یہ معلوم ہوا کہ غلام یا دھقانی یا ولد الزنا عالم ہے تو اس کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے۔

اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ مسائل کی صحت میں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ غلط تصور کئے جائیں، مگر براہ کرم واضح طریقہ پر بحوالہ کتب تحریر فرما کر کثیر تعداد میں مہر ودستخط مزین کر کے واپس دیجئے تاکہ اشتہاری صورت میں یا تعداد زیادہ ہونے پر کتابی صورت میں شائع کئے جائیں۔ رمضان المبارک میں کثرت سے داڑھی منڈے اور داڑھی کترے حافظ صاحبان دیگر شہروں سے آتے ہیں، اور مساجد میں مقرر ہو کر تراویح پڑھاتے ہیں اور لوگ بلاکراہت ان کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں، اور متولیان مساجد ان کو مقرر کرتے ہیں۔ اس کے متعلق بالتشریح واضح کر دیا جائے تاکہ احتیاط برتی جائے؟

مسئولہ محمد بشیر الدین، کلکتہ

الجواب: مسائل مذکورہ بالا منقولہ از رسالہ آستانہ دہلی صحیح ہیں۔ اس کے دلائل شرعیہ مع حوالہ کتب درج ذیل ہیں:

ایک قبضہ یعنی ایک مشت سے داڑھی کا کم کرنا یا کرانا یا منڈانا یا منڈوانا حرام ہے۔ اس کو کسی نے مباح نہیں قرار دیا۔ درمختار مطبوعہ ہاشمی میرٹھ ص ۱۳۱ میں ہے۔

وتطویل اللحیة اذا کانت بقدر المسنون وهو القبضة واما الاخذ منها وهی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحها احدو اخذ کلها فعل یهود مجوس الاعاجم فتح. ایک مشت داڑھی بڑھانا سنت ہے۔ اس سے کم کرانا جیسا کہ بہت سارے مغربی ممالک کے رہنے والوں اور مخنثوں کا طریقہ ہے، اسے کسی نے جائز نہیں کہا۔ اور پورا ہی صاف کرا دینا، یہ عجمیوں میں یہودیوں اور مجوسیوں کا عمل ہے۔

درمختار ہاشمی ص ۶۰۰ میں ہے۔

یحرم علی الرجل قطع لحیته. مرد کے لئے داڑھی کاٹنا حرام ہے۔

حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔ لہٰذا داڑھی حد شرع سے کم کرنے والا یا منڈانے والا فاسق ہوا۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

والفسق شرعا خروج عن طاعة الله تعالیٰ بارتکاب کبیرة قال القهستانی ای او اصرار علی صغیرة و ینبغی ان یراد بلا تاویل . فسق کا شریعت میں مفہوم یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے انسان نکل جائے۔ قہستانی نے کہا صغیرہ پر اصرار بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ بغیر کسی تاویل کے یہی مراد لیا جائے۔

ردالمحتار مصری جلد اول ص ۱۱۴ میں ہے۔

والفسق و هو الخروج عن الاستقامة و لعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر او الزانی و اکل الربا و نحو ذالک کذا فی البر جندی اسمٰعیل. فسق سیدھے راستے سے ہٹ جانا ہے۔ غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جیسے کہ شراب پینے والا، زانی، سود خور، غیرہ وغیرہ۔

فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ وہ امور دینیہ میں تساہل سے کام لیتا ہے۔ امور دینیہ کا اہتمام نہیں کرتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ طہارت کاملہ کا لحاظ کئے بغیر نماز پڑھادے۔ نیز فاسق اگرچہ عالم ہو اس کی توہین و اہانت شرعاً واجب ہے اور اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہوگی۔ لہٰذا اس کو امام نہ بنایا جائے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

کره امامة الفاسق ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۳۰۳ ... میں دیکھیں)۔

کبیری ص ۴۷۵ میں ہے۔

وفیه اشارة الیٰ انهم ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۲۸۴ ... میں دیکھیں)۔

ردالمحتار جلد اوّل ص ۴۱۳ میں ہے۔

واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لایهتم بامر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا. فاسق کو آگے بڑھانا مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ دین کے معاملات کا اہتمام نہیں کرتا۔ نیز یہ کہ امامت کے لیے اس کے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے، حالانکہ اس کی اہانت شرعیہ واجب ہے۔

جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اسکا لوٹانا واجب ہے، اور جو نماز کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا مستحب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۳۰۸ ... میں دیکھیں)۔

جو شخص امام فاسق کو امامت سے روکنے پر قادر نہ ہو وہ کسی دوسری مسجد میں امام صالح سنی صحیح العقیدہ کے پیچھے جا کر نماز ادا کرے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۱ میں ہے۔

واذا تعذر منعه ینتقل عنه الی غیر مسجده للجماعة و غیرها۔

تراویح وفرائض کا حکم ایک ہی ہے، کسی نماز میں فاسق کو امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص حد شرع سے داڑھی کتروانے والا امام ہے اور محلہ والے ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، تو اس صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں، اور ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا نماز لوٹانی واجب ہے یا نہیں، اور نیز داڑھی کتروانے والے اور منڈوانے والے کے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن وحدیث میں کیا فرمایا ہے، بصراحت جواب عنایت فرما کر ممنوع ومشکور فرمائیں۔

مسئولہ امیر حسین، محلہ کچا باغ مرادآباد، ۲۸/اکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب: شرعاً مرد کے لئے داڑھی رکھنا واجب ولازم ہے اور داڑھی رکھنا شعار اسلام میں داخل ہے۔ داڑھی کاٹنا، کٹوانا، مونڈنا، مونڈوانا حرام وناجائز ہے اور فرنگی مردوں اور مطلقاً عورتوں کی مشابہت کی بنا پر عظیم ترین گناہ ہے۔ یہی حکم داڑھی کے حد شرع سے کم کرانے کا ہے۔ داڑھی مونڈانے اور مونڈنے والا اور کاٹنے کٹوانے والا اور حد شرع سے کم کرانے والا شرعاً فاسق وگنہگار دنیا میں خوار وبے اعتبار اور عقبیٰ میں عذاب نار میں گرفتار ہوگا۔ داڑھی مونڈانے والے کو امام نہ بنایا جائے۔ اس کا امامت کے لیے آگے بڑھانا مکروہ تحریمی یعنی قریب حرام ہے۔ چونکہ اس کی اہانت واجب ہے۔ اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی مکروہ تحریمی ہوگی جس کا لوٹانا واجب ولازم ہوگا۔ داڑھی منڈانے والے فاسق کے لیے قرآن مجید اور حدیث نبوی میں بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں حتیٰ کے اس پر لعنت بھی وارد ہوئی ہے۔ درمختار ہاشمی ص ۶۰۰ میں ہے۔

يحرم على الرجل قطع لحيته. مرد کے لئے داڑھی کاٹنا حرام ہے۔

اسی کے ص ۱۳۱ میں ہے۔

واما الاخذ منها وهي دون ذالک کما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحها احد واخذ كلها فعل يهود هند ومجوس الاعاجم فتح. (ترجمہ... مسئلہ ۴۲۴... میں دیکھیں)۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۰ میں ہے۔

ان امامة الفاسق مكروهة تحريما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

كره امامة الفاسق ... (پوری عبارت... مسئلہ ۳۰۳... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان كانت تلك ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۳۰۸... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۲۶: مقتدی داڑھی منڈانے والے سے نماز پڑھوانا چاہیں، اس وجہ سے کہ وہ نماز کا پابند اور اس کے متعلق

اچھا علم رکھتا ہو بمقابلہ داڑھی والوں کے تو شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ ذاکر مصطفےٰ بی، اے، ادیب کامل، یکم جمادی الاولی ۱۳۸۲ھ

الجواب: فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی جائیں گی ان کا لوٹانا واجب، لہٰذا اس کی اقتداء ہرگز نہ کی جائے۔ البتہ اگر داڑھی رکھنے والا قرآن کریم پڑھنے میں ایسی غلطی کرتا ہو جس سے معنی فاسد ہو جائیں تو اس کو بھی امام نہ بنایا جائے بلکہ دوسرے کسی ایسے شخص کی اقتداء کی جائے جو احکام شرعیہ کا پابند اور داڑھی رکھتا ہو، و نیز صحیح قرأت پر قادر ہو۔ اور اگر داڑھی رکھنے والا ایسی قرأت پر قادر ہو کہ جس سے نماز ہو جاتی ہے تو اسی کو امام بنایا جائے، اور اگر داڑھی منڈانے والے کو امامت سے روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر کسی دوسری مسجد کی طرف نماز جماعت کے لئے منتقل ہو جائے اور یہ بھی ناممکن ہو تو غیر جمعہ وعیدین میں علیحدہ علیحدہ اپنی نماز پڑھیں۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۸۰ میں ہے۔

ان امامة الفاسق مکروهة تحریما. فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۱ میں ہے۔

> **کره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب اهانته شرعا فلایعظم بتقدیمه للامامة. و اذا تعذر منعه ینتقل عنه الی غیر مسجده للجمعة و غیر ها.** فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دینی معاملات میں لاپرواہ ہے۔ اس کی اہانت شرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا امامت کے لیے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔ اور اگر اس کا امامت سے روکنا مشکل ہو تو جمعہ وغیرہ کے لئے دوسری مسجد کی طرف منتقل ہو جائیں۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۰۳ میں ہے۔

> **فان تقدیم الفاسق اثم و الصلوة خلفه مکروهة تحریما والجماعة واجبة فهما فی درجة واحدة و درء المفاسد اهم من جلب المصالح.** کیونکہ فاسق کو آگے بڑھانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور جماعت بھی واجب ہے، لہٰذا یہ دونوں ایک درجہ میں ہو گئے۔ اور خرابی کو دور کرنا فائدہ کے حاصل کرنے سے اہم ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۳۲۷. ایک داڑھی منڈا نماز پڑھا رہا ہے، ایک شخص بعد کو آیا تو جماعت میں شریک ہو یا الگ پڑھے؟

مسئولہ محمد حنیف صاحب بذریعہ مولوی یامین صاحب، بلاری، ضلع مراد آباد، ۱۲ر مارچ ۱۹۶۶ء

الجواب: بعد میں آنے والا شخص اگر صالح و متقی ہے اور امام کا اسے علم ہے کہ داڑھی منڈانے والا ہے، تو وہ جماعت میں شریک نہ ہو، نہ مسجد میں جماعت کے وقت علیحدہ نماز پڑھے بلکہ وہ کسی دوسری ایسی مسجد میں نماز با جماعت ادا کرے جس کا امام بھی صالح و متقی ہو یا جماعت ختم ہونے پر اسی مسجد میں اپنی نماز علحدہ پڑھے، **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱): وہ حفاظ جو رمضان المبارک میں تراویح سناتے ہیں، اس کی داڑھی شرعی انداز پر نہیں ہوتی، ان کے پیچھے تراویح یا

نماز پنجگانہ درست ہے یا نہیں؟ (۲): ایسے حفاظ پر کیا حکم شرعی نافذ ہوگا؟ (۳): کیا جب ایسا حافظ ہو تو بجائے قرآن مجید تراویح میں سننے کے الم ترکیف سے تراویح پڑھی جاسکتی ہے یا قرآن مجید ہی سننا ضروری ہے؟ (۴): بہت سے طلباء مدارس عربیہ جو باوجود داڑھی کے شرعی حد میں داڑھی نہیں رکھتے، ان کے پیچھے نماز درست ہے، جب کہ ایک داڑھی والا جوان کے برابر نہیں وہ نماز پڑھائے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ (۵): ایسے حفاظ بھی ہیں جو نماز پنجگانہ میں شریک جماعت نہیں ہوتے اور صرف تراویح پڑھانے کی غرض سے رمضان المبارک ہی میں نمازیں پڑھاتے ہیں ان کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

مسئولہ حاجی شوکت علی جنرل مرچنٹ، نیا سرائے، مرادآباد، ۱۹ رمحرم ۱۳۸۶ھ

الجواب: (۱)، (۲) و (۴): داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرانا حرام و ناجائز ہے۔ ایسا کرنے والا حرام کا مرتکب فاسق و فاجر ہے، شرعاً اس کی توہین و تذلیل واجب ہے، ایسے شخص کو نماز کے معاملہ میں امامت کے لئے آگے بڑھا کر اس کی تعظیم و تکریم کا مظاہرہ کرنا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے، نہ تراویح میں نہ نماز پنجگانہ میں خواہ حافظ ہو یا مدارس کا طالب علم، اس کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ کما **هو مصرح فی الكتب الفقهية**۔

(درمختار جلد رابع ص ۶۰۰، اسی کے جلد اول ص ۱۳۱، شامی جلد اول ص ۴۱۳، طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۰ و ص ۱۸۱، عالمگیری جلد اول ص ۱۰۳ کے حوالے متعدد بار گذر چکے)۔

(۳): رمضان المبارک میں تراویح کے اندر پورے قرآن شریف کا سننا سنت ہے، واجب و ضروری نہیں۔ فاسق امام سے پورا قرآن شریف تراویح میں نہ سنا جائے بلکہ امام صالح کے پیچھے سورہ تراویح پڑھے، تاکہ فاسق کی تعظیم کے گناہ میں مبتلا نہ ہو اور نمازوں کے لوٹانے کی ضرورت نہ پڑے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵): ایسے حافظ کو بھی امام نہ بنایا جائے جو فرائض کا تارک ہو کر فاسق ہو چکا ہو ورنہ ہر نماز کا لوٹانا واجب ہوگا۔ کما مر **تفصيله فی الجواب السابق**. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک امام صاحب نماز پڑھاتے تھے قریب ایک سال تک نماز پڑھانے کے بعد داڑھی کتروالی، اس پر ان کو نصیحت کی گئی تو اور زیادہ کتروالی دوبارہ نصیحت کی گئی تو اور زیادہ کتروالی، اس کے بعد سہ بارہ نصیحت کی تو اور زیادہ کتروالی، یہاں تک کہ تھوڑی تک پہنچادی، اس کے بعد میں نے اور چند آدمیوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی بند کردی، کچھ دنوں بات یونہی چلتی رہی، اس کے بعد انھوں نے نماز پڑھانے سے منع کردیا اور کہا تم لوگوں نے میرے نکاح کے پیسے نہیں دیئے، تو میں نے داڑھی کتروادی، اب میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ اب کسی دوسرے کو بھی نماز نہیں پڑھانے دیتے ہیں، اور ان کے اندر اعتراض نکالتے ہیں۔ یہاں پر ایک حافظ نابینا ہیں جو پہلے سے ہی وقتاً فوقتاً نماز پڑھاتے رہتے تھے اور سب ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے مگر اب ان کے اندر بھی اعتراض ہے۔ اب گاؤں کے لوگوں نے دوبارہ ان کو امام بنایا ہے اور یہ بات قرار پائی ہے کہ نکاح کی اُجرت میں سے دو روپے امام صاحب

کو دیئے جائیں، اب امام صاحب یہ کہتے ہیں کہ جو شخص میرے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا یا نکاح کی اُجرت نہیں دے گا اس کے مردے کی نماز مسجد کے چبوترے پر نہیں ہوگی، کیونکہ ہمارے یہاں مردے کی نماز مسجد کے چبوترے ہی پر ہوتی ہے اور جو میرے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا وہ مسجد میں تنہا بھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اب ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ جب کہ شرعی طور پر داڑھی نہیں رکھی بلکہ اجرت سے رکھوائی جاتی ہے؟

مسئولہ خدابخش انصاری، موضع اوبری، ڈاکخانہ شہبار پور کلاں، مرادآباد، ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

الجواب: سوال میں ذکر کردہ امام جب تک اپنے تمام گناہوں سے توبہ صادقہ نہ کرے اور اپنی ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں پر نادم ہو کر خالق و مالک کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور آئندہ کے لئے یہ عہد مصمم نہ کرے کہ میں کبھی کوئی گنا کبیرہ نہ کروں گا تو اس شخص کو امامت کے لئے ہرگز ہرگز مقرر نہ کیا جائے اور ایسی توبہ کے بعد ہی اس کو امامت کے کام پر مامور کیا جائے۔ شخص مذکور کا بار بار منع کرنے کے بعد داڑھی کے کٹوانے میں اضافہ کرتے جانا اس کے کھلے فاسق وفاجر ہونے کی صریح دلیل ہے۔ داڑھی کٹانا حد شرع سے کم کرنا یا کم کرانا حرام وگناہ کبیرہ ہے، صغیرہ گناہ پر اصرار کرانا بھی اس کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔ پھر کبیرہ گناہ پر اصرار کرنا یقیناً گناہ عظیم ہے۔ امام مذکور جہالت و نادانی کا مرقع معلوم ہوتا ہے اور حماقت ولاعلمی کا مجسمہ۔ اس کا یہ قول کہ تم لوگوں نے میرے نکاح کے پیسے نہ دیئے تو میں نے داڑھی کٹوادی نہایت رکیک و غلط ہے۔ داڑھی جو اسلامی شعار ہے اس کی وقعت شخص مذکور کی نگاہ میں اتنی بھی نہیں کہ خدا کا خوف کھاتا اور داڑھی نہ کتر واتا، بلکہ پیسے نہ ملنے کی صورت میں اس کی یہ حرکت قابل صد نفرت وملامت ہے، شخص مذکور کی باتیں اور حرکتیں بے حد غلط ہیں وہ تو امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے بڑھ کر اونچی باتیں کہتا ہے اور غلط فتوی دیتا ہے بلکہ اس کی بعض باتیں فرعونیت اور آمریت یعنی ڈکٹیٹری پر دال ہیں۔ اس کا یہ کہنا کہ جو میرے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا یا نکاح کی اُجرت نہیں دے گا اس کے مردے کی نماز مسجد کے چبوترے پر نہیں ہوگی اور یہ کہنا کہ جو میرے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا وہ مسجد میں تنہا بھی نہیں پڑھ سکتا ہے۔ شخص مذکور کی نادانی وآمریت پر دال ہے، یہ شخص بلاشبہ فاسق وفاجر ہے، اس کو امامت کے لئے مقرر کرنا اور آگے بڑھانا اس کی تعظیم وتکریم پر دال ہے، حالانکہ عالم دین بھی فاسق ہو تو اس کی توہین واہانت واجب ہے، تو شخص مذکور کی اہانت بطریق اولیٰ شرعاً واجب ہے، بغیر توبہ صادقہ کرائے ہرگز ہرگز اس شخص کو امام نہ بنایا جائے جو قبل توبہ امام بنائے گا وہ بھی گنہگار ہوگا، شخص مذکور کے کردار کا بظاہر کوئی اعتبار نہیں آتا، چونکہ پیسے کی خاطر جو داڑھی کٹوادے، اس کے قول وفعل پر کوئی اطمینان نہیں ہوسکتا۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الانعام: ۶۸] (اور اگر بھلا وادے تم کو شیطان تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ) (معارف) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصاحب الا مومنا ای کاملا. مومن کامل کے علاوہ کسی سے دوستی نہ کرو۔

(درمختار جلد رابع ص ۶۰۰، اسی کے جلد اول ص ۱۳۱، شامی جلد اول ص ۴۱۳، طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۰ وص ۱۸۱ کے حوالے متعدد بار گذر چکے)۔

فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے جس کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ کذا فی الکتب المعتبرۃ. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۳۰: جماعت میں سب کے سب داڑھی منڈے ہیں اور کوئی داڑھی والا شخص امام نہیں ہے اور نماز جماعت کا وقت ہو گیا ہے، اب اس میں کوئی داڑھی منڈا آگے بڑھ کر امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی مجبوری پر داڑھی منڈا جمعہ کی نماز بھی پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمایا جائے؟

مسئولہ محمد زین العابدین، محلہ مولانا آزاد مارگ، پوسٹ علی راج پور، ضلع جھالوا، ایم پی، ۳۰ر صفر ۱۳۹۵ھ جمعہ

الجواب: مندرجہ مسئلہ مومن صالح کے لئے ہے۔ یعنی مومن صالح کی نماز فاسق کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی اور جب سبھی فاسق ہوں تو ان میں فاسق امامت کر سکتا ہے۔ لہٰذا تمام داڑھی منڈوں اور داڑھی کٹوں میں داڑھی منڈانے اور کٹوانے والا امامت کر سکتا ہے، حتیٰ کہ جمعہ کی نماز بھی پڑھا سکتا ہے، اگر پنجگانہ یا جمعہ میں مومن صالح کے پیچھے دوسری مسجد میں نماز ادا کر سکتا ہو تو دوسری مسجد کی طرف منتقل ہو جائے ورنہ نماز پنجگانہ تنہا پڑھے اور جمعہ میں مجبوری ہو تو فاسق کے پیچھے ہی جمعہ پڑھ لے، چونکہ جمعہ کی نماز تنہا نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

امامۃ الشخص المکروہ (ناپسندیدہ شخص کی امامت)

مسئلہ ۳۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): ایک شخص حافظ قرآن ہے۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی بیوی کی چھوٹی بہن کو کسی صورت نکال لائے جو کہ دوسری جگہ بیاہی ہوئی تھی اور اس کا شوہر زندہ تھا۔ (۲): اس نکالی ہوئی مسماۃ کو اتنی مدت تک بلا نکاح کے رکھے کہ دو بچے پیدا ہوئے اور جواب تک ذی حیات ہیں اور سن تمیز کو پہنچ چکے ہیں اور حافظ صاحب کے ہمراہ رہتے ہیں۔ بچوں کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد حافظ صاحب اس نکالی ہوئی مسماۃ کے شوہر سے کسی صورت سے طلاق لیتے اور عدت گذار کر اپنا نکاح کر لیتے ہیں۔ (۳): حافظ صاحب کا بایاں پیر بھی کٹا ہوا ہے ایڑی ہے اور کچھ تھوڑا سا حصہ ہے پنجہ نہیں ہے۔ حافظ صاحب امامت کرتے ہیں اور کچھ مسلمان ان کی پچھلی باتوں کو خیال کرتے ہوئے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لیا ہے لوگوں کو ان پر اطمینان نہیں ہے۔ (۴): اور حافظ صاحب امامت کے متمنی بھی ہیں تو ایسی صورت میں حافظ صاحب کے پیچھے نماز پنجگانہ و جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع حکم سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ محمد حسن فروٹ مرچنٹ، الہ آباد ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب: حافظ صاحب کے جو احوال نمبر (۱) و (۲) میں مذکور ہیں، ان امور کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ اور حافظ صاحب مرتکب گناہ کبیرہ ہوئے۔ چونکہ ان گناہوں کا ارتکاب حافظ صاحب نے علی الاعلان کیا ہے، تو ان گناہوں سے توبہ

بھی حافظ صاحب کو علی الاعلان کرنا ہوگی۔ ان کا صرف یہ کہنا کہ میں نے توبہ کرلی ہے، کافی نہیں۔ **فان توبة السر بالسر و العلانية بالعلانية.** جب تک حافظ صاحب اپنے گناہوں سے علی الاعلان توبہ نہ کریں، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے عوام مومنین کا نفرت کرنا حق وصواب ہے۔ ایسی صورت میں حافظ صاحب کو امامت کے منصب سے علحدہ ہو جانا چاہئے۔ چونکہ حافظ صاحب کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۳ میں ہے۔

ولو ام قوما وهم له كارهون. جو قوم کی امامت کے لئے آگے بڑھ گیا اور صورت حال یہ ہے کہ قوم اس سے متنفر ہے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے

اور جو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اس کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان كانت تلك ... (پوری عبارت ... مسئلہ ۳۰۸ ... میں دیکھیں)۔

حافظ صاحب جب اعلانیہ طور پر اپنے گناہوں سے توبہ کریں تو بحکم **التائب من الذنب كمن لا ذنب له.** ان کے پیچھے نماز مکروہ نہ ہوگی۔

حافظ صاحب کے متعلق نمبر (۳) میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حافظ صاحب کا پاؤں سالم نہیں ہے اور امامت کے متعلق یہ اصولی بات ہے کہ جس امام کا کوئی عضو بیکار ہو، اعمیٰ (نابینا) و اعشیٰ جسے صرف رات میں یا رات دن میں کم نظر آتا ہو یا جس امام کا سر یا کوئی عضو تناسب سے زیادہ بڑا ہو یا زیادہ چھوٹا ہو یا عضو ناقص، عیب دار ہو تو یہ چیزیں نفرت کا باعث ہوتی ہیں۔ اور ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے۔ جس کا لوٹانا مستحب ہے۔ نیز امامت کے متعلق یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب امام موجود سے دوسرا شخص تمام اوصاف امامت کے اعتبار سے افضل اور مستحق امامت ہو تو دوسرے مستحق و افضل شخص ہی کو امام بنانا اولیٰ ہے اور امام مفضول یعنی اس کے مقابل میں غیر افضل کو بنانا خلاف اولیٰ ہے۔ لہٰذا (۳) کے احوال کی بناء پر حافظ صاحب کی امامت مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے۔ جو نماز ان کی اقتداء میں پڑھی جائے گی، وہ بھی مکروہ تنزیہی ہوگی جس کا اعادہ مستحب ہے۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۴۱۳ و ۴۱۴ میں ہے۔

(و يكره) تنزيها (امامة عبدو اعمى) و نحوه الاعشى نهر، (ملخصا). غلام، نابینا یا کمزور بینائی والے کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔

اسی کے ص ۴۱۲ میں ہے۔

(والاحق بالا مامة) تقديمابل نصبا (مجمع الانهر) (الاعلم باحكام الصلوٰة) فقط صحة و فسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة ثم الاكبر راساوالا صغر عضوا. امامت کے لئے آگے کرنے یا منصب امامت کے لئے سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو نماز کے احکام یعنی کس طرح نماز صحیح ہوتی ہے اور کیسے اس میں فساد آتا ہے کا زیادہ جاننے والا ہو۔ بشرطیکہ وہ برائیوں سے پرہیز کرتا ہو، پھر بڑے سر اور متناسب اعضاء والا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ (ثم الاکبر راسا الخ) لانہ یدل علی کبر العقل یعنی مع مناسبۃ الاعضاء والافحش الراس کبرا والاعضاء صغرا کان دلالۃ علی اختلال ترکیب مزاجہ المستلزم لعدم اعتدال عقلہ اھ. (اس کا قول پھر بڑے سر والا) کیونکہ بڑا سر بڑی عقل کا پتہ دیتا ہے، جبکہ اس کے دیگر اعضاء بھی موزوں اور متناسب ہوں، اس کے برعکس جس کا سر بہت بڑا ہو اور دیگر اعضاء بہت چھوٹے ہوں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اندر پیدائشی خلل ہے اس صورت میں لازمی طور پر اس کی عقل خلل سے محفوظ نہیں ہوگی۔

درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۵ میں ہے۔

و کذا تکرہ خلف امرد وسفیہ و مفلوج و ابرص شاع برصہ. اسی طرح امرد، کمینہ، مفلوج اور سفید داغ والے کے پیچھے مکروہ ہے۔ یعنی جس کا داغ پھیل گیا ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ (و مفلوج و ابرص شاع برصہ) و کذالک اعرج یقوم ببعض قدمہ فالا قتداء بغیرہ اولیٰ تاتر خانیۃ کذا اجزم (بر جندی) و مجبوب و حاقن من لہ یدواحدۃ (فتاویٰ صوفیہ عن التحفۃ) و ظاھرہ ان العلۃ النفرۃ. (اس کا قول مفلوج، سفید داغی) اسی طرح لنگڑا۔ اولیٰ یہ ہے کہ ان کی اقتداء نہ کی جائے۔ اسی طرح مقطوع الاعضاء، عضو مخصوص کٹے ہوئے شخص، پیشاب روکے ہوئے اور ایک ہاتھ والے کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے...... ظاہر یہی ہے کہ سبب نفرت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی امام سے لوگ اتنے متنفر و بیزار ہوں کہ ان کے پیچھے کسی صورت میں بھی نماز پڑھنے کو تیار نہ ہوں اور ان کے امامت پر رہنے کی شکل میں جماعت میں تفریق وانتشار پھیل رہا ہو۔ گاؤں میں ایک مسجد ہونے کی وجہ سے نمازوں اور نمازیوں کی اکثر و بیشتر کمی ہو رہی ہے۔ وہ امام صاحب کسی گھر کی بدنامی کے باعث بنے ہوئے ہوں اور وہ بدنامی ان کے وہاں امام رہنے کی شکل میں دور نزدیک کثرت سے پھیل رہی ہو۔ جس سے گھر والوں کو از حد روحانی تکلیف ہو تو ایسی حالت میں مذکورہ بالا شخص کی وہاں امامت درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ انصار حسین، مرادآباد ۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

الجواب: جب امام کی کسی ناشائستہ حرکت اور کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب کرنے کے باعث تمام مسلمان اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے متنفر ہیں تو ایسے شخص کو امامت سے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔ شرعاً ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۰ میں ہے۔

> **لو ام قوما وهم له كارهون فهو على ثلثة اوجه ان كانت الكراهة لفساد فيه او كانوا احق بالامامة منه يكره۔** اگر کسی امام سے لوگ متنفر ہیں تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ یہ تنفر یا تو امام کے اندر کسی گڑبڑی سے ہے۔ یا قوم کے اندر اس امامت کے اس سے زیادہ حقدار موجود ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۳: ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، جس کے سیکڑوں لوگ خلاف ہیں اور اس امام کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجد میں معمولی جماعت ہوتی ہے۔ اب ایسی شکل میں امام پر کیا عائد ہوتا ہے؟ جب کہ لوگوں کے اندر دشمنی ہو رہی ہے، اور اختلاف بڑھتا جا رہا ہے۔ اور یہ چیزیں صرف امام کی وجہ سے ہیں تو کیا امام پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی امامت کو چھوڑ کر لوگوں میں اختلاف پیدا نہ ہونے دے۔ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ مرزا عزیز بیگ، مقام کالی

الجواب: امام مذکور کی اقتداء سے لوگوں کا اعتراض کرنا اگر کسی کراہیت شرعیہ کی وجہ سے ہے، تو بالیقین امام موصوف کی امامت مکروہ ہے۔ اور اگر وہ لوگ یوں ہی بلاوجہ شرعی اس کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں تو شرعاً ایسے امام کی امامت میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ امام پر لازم ہے کہ وہ امامت سے علحدہ ہو جائے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ امام مسلمانوں میں آپس کی کشیدگی و لڑائی اور دفع فتنہ کے تحت اپنی امامت سے دست بردار ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۴: کیا حکم ہے شریعت کا اس بارے میں کہ رمضان شریف میں اپنی آنکھوں کا علاج کرانے مراد آباد گیا تھا۔ میری عدم موجودگی میں میرے خسر میرے مکان پر آئے اور اپنی لڑکی کو بہکا کر میرے یہاں سے لے جا کر دوسری جگہ نکاح کرا دیا۔ اس بارے میں مقدمہ بھی چل رہا ہے۔ ایسی صورت میں میری امامت جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ مستری امیر حسن صاحب، موضع مہوا کھیڑے کی منڈیاں، ڈاکخانہ کاشی پور، ضلع نینی تال

الجواب: آپ کی زوجہ آپ کی مرضی کے خلاف خود یا کسی کے بہکانے سے آپ کے یہاں سے ماں باپ کے گھر چلی گئی تو وہ ناشزہ یعنی شوہر کی نافرمان و گنہ گار ہوئی۔ پھر اس کا بغیر شرعی آزادی حاصل کیے دوسرا نکاح کر لینا یا کسی کا اس کا دوسرا نکاح کرا دینا محض ناجائز و حرام اور خالص زنا ہے، یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔ اس پر لازم ہے کہ فوراً دوسرے شوہر سے علیحدہ ہو کر بالکل قطع تعلق کرے اور آپ کے پاس رہے۔ جب آپ اس کی ان تمام ناجائز حرکات کو برا جانتے ہیں تو آپ پر کوئی الزام نہیں آتا، آپ کی امامت بلاشبہ جائز ہے، آپ کی امامت میں کوئی کراہت بھی نہیں۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امامۃ المعذور (معذور کی امامت)

مسئلہ ۳۳۵: معذور امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا معذور امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

مسئولہ: چھٹن خان، مراد آباد، جولائی ۱۹۶۱ء

الجواب: غیر معذور مسلمان مکلف کسی معذور شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اگر کوئی پڑھے گا تو اسکی نماز نہیں ہوگی۔ اور دوبارہ اس پر نماز کا پڑھنا لازم و ضروری ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب ہمارے یہاں امامت کرتے ہیں۔ جن کا ہاتھ سجدے کی حالت میں زمین پر نہیں ٹکتا بلکہ سرین کے نیچے رہتا ہے۔ ان کا ہاتھ بالکل مڑا نہیں ہے، اس وجہ سے یہ بات ہے۔ حالانکہ ان کی موجودگی میں چند اور بھی مستند مولوی ہوتے ہیں، جن میں ایک صاحب تو ان کے پیچھے بالکل نماز پڑھتے ہی نہیں۔ بلکہ کئی تو ان کی امامت سے بیزار ہیں اور امام صاحب موصوف امامت کے لئے بضد ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

مسئولہ عبداللہ، محلہ چمن سرائے، مراد آباد، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں جب دوسرے عالم دین صحیح الاعتقاد موجود ہیں، امام مذکور جب کہ ہاتھوں میں ایک ہاتھ زمین پر نہیں ٹکتا، ان کی امامت خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور دوسرے عالم دین جن کے اعضاء صحیح و درست ہوں، ان کی امامت اولیٰ و افضل ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۴ و ۴۱۵ میں ہے۔

> و کذا تکره خلف امر دو سفیه و مفلوج و ابرص شاع برصه. اسی طرح امرد، کمینہ، مفلوج اور سفید داغ والے کے پیچھے مکروہ ہے۔ یعنی جس کا داغ پھیل گیا ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔

> قوله (و مفلوج و ابرص شاع برصه) و کذالک اعرج یقوم ببعض قدمه فالا قتداء بغیره اولیٰ تاتر خانیة کذا اجذم (بر جندی) و مجبوب و حاقن من له یدواحدة (فتاویٰ صوفیه عن التحفة) و ظاهره ان العلة النفرة و لذاقید الا برص بالشیوع لیکون ظاهرا او لعدم امکان اکمال الطهارة ایضافی المفلوج والا قطع والمجبوب. (اس کا قول مفلوج، سفید داغی) اسی طرح لنگڑا۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی اقتداء نہ کی جائے۔ اسی طرح مقطوع الاعضاء، عضو مخصوص کٹے ہوئے شخص، پیشاب روکے ہوئے اور ایک ہاتھ والے کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے...... ظاہر یہی ہے کہ سبب نفرت ہے۔ اسی لئے ابرص کو "شیوع" سے مقید کر دیا یعنی جس کا داغ بہت ظاہر ہو گیا ہو اور مفلوج، اعضاء کٹے ہوئے شخص اور مقطوع الذکر کے بارے میں کمال طہارت کا یقین نہیں ہو سکتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۷: ہم مقتدیان ایک مسئلہ پر حکم شرعی چاہتے ہیں۔ ہماری مسجد میں دو امام ہیں۔ جس میں ایک امام کے پیدائشی پیر پیچھے کی جانب مڑے ہوئے ہیں، وقت ضرورت ہٹائے نہیں سکتے۔ اس مسئلہ پر غور فرما کر حکم صادر فرمایا جائے۔

نماز درست ہے یا نہیں؟ جب کہ دوسرے امام موجود ہوں۔

مسئولہ مقتدیان مسجد ہجڑے والی، مقبرہ، مرادآباد ۷ رجمادی الاولی ۱۳۹۱ھ پنجشنبہ

الجواب: صورت مسئولہ میں اس امام کی امامت صحیح و درست ہے، جبکہ پاؤں میں نقصان مذکور ہے۔ اس کے پیچھے ہر نماز بھی صحیح و درست و جائز ہے۔ اگر یہ امام پہلے سے مستقل امام ہے اور دوسرے امام سے حفظ و قرأت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے، جب تو اس کی امامت بہتر ہے، ورنہ دوسرا امام بہتر ہوا۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں امام شرائط صحت و جواز امامت کے جامع ہوں، صحیح خواں و صحیح الطہارۃ سنی صحیح العقیدہ، غیر فاسق معلن ہوں۔ ورنہ جو جامع شرائط ہوگا وہی امام ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۷۹ میں ہے۔

> ولو کان تقدم الامام اعرج و قام علی بعضها یجوز و غیره اولی کذافی التبیین. اگر مقطوع الاعضاء کو آگے کیا، اور وہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ دوسرے کو آگے کیا جائے۔

ردالمحتار میں ہے۔

> و کذالک اعرج یقوم ببعض قدمه فالا قتداء بغیره اولیٰ تاتر خانیه. اسی طرح لنگڑا۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی اقتداء نہ کی جائے۔

درمختار مصری جلد اول ص ۳۹۶ میں ہے۔

> و صح اقتداء قائم با حدب و ان بلغ حدبه الرکوع علی المعتمدة و کذا باعرج و غیره اولیٰ. کبڑے کی اقتداء جائز ہے اگر چہ کہ اس کا کبڑا پن رکوع تک پہنچ گیا ہو، اسی طرح لنگڑا کی اقتداء جائز ہے اگر کوئی دوسرا ہے تو اسی کی امامت اولیٰ ہے۔

درمختار مصری جلد اول ص ۳۷۴ میں ہے۔

> (والاحق بالا مامة) تقدیمابل نصبا (مجمع الانهر) (الاعلم باحکام الصلوٰة) فقط صحة و فسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة و حفظه قدر فرض و قیل واجب و قیل سنة ثم الاحسن تلاوة و تجوید اللقراة. امامت کے لئے آگے کرنے یا منصب امامت کے لئے سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو نماز کے احکام یعنی کس طرح نماز صحیح ہوتی ہے اور کیسے اس میں فساد آتا ہے کا زیادہ جاننے والا ہو، بشرطیکہ وہ برائیوں سے پرہیز کرتا ہو۔ اور اسے قرآن فرض کی حد تک یاد ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ واجب کی حد تک اور ایک قول یہ ہے کہ سنت کی حد تک۔ پھر جو تلاوت و تجوید میں سب سے بہتر ہے۔

اسی کے ص ۳۷۵ میں ہے۔

> و علیه یقاس سائر الخصال فیقال یقدم اقدمهم علما و نحوه. اسی پر تمام عادات و خصائل کو قیاس کیا جائے گا، لہٰذا جو علم میں سب سے آگے ہے اسے ہی پہلے آگے کیا جائے گا۔

اسی میں ہے۔

و فی الفصل الثانی والثلاثین من التاتر خانیة و فی طلبة العلم یقدم السابق...... طالب علم میں سے جو علم میں آگے ہو اسے ہی آگے بڑھایا جائے گا۔

اسی میں ہے۔

واعلم ان صاحب البیت و مثله امام المسجد الراتب اولیٰ بالامامة من غیره مطلقا. گھر والا اور اسی طرح جماعت پنج وقتہ مسجد کا امام امامت کے لئے دوسروں سے مطلقاً زیادہ مستحق ہے۔

ردالمحتار جلد اول مصری ص ٣٧٥ میں ہے۔

قال فی التاتر خانیة لو ان رجلین فی الفقه والصلاح سواء الاان احد هما اقرأ فقدم القوم آخرا فقد اساؤوا و ترکوا السنة. اگر دو آدمی مسائل کی معلومات اور شرافت وتقویٰ میں برابر ہوں مگر ان میں ایک زیادہ بہتر قرآن پڑھتا ہے، اگر قوم نے اس کو نہیں بلکہ دوسرے کو آگے بڑھا دیا تو انہوں نے اچھا نہیں کیا اور سنت کے تارک ہوئے۔

ردالمحتار کی یہ آخری عبارت صاف بتا رہی ہے کہ جو دو شخص فقہ وصلاح میں برابر درجہ کے ہیں لیکن ان میں ایک شخص اقرأ ہو یعنی قرأت وتجوید میں بہتر ہو تو ایسی صورت میں قوم کا دوسرے شخص کو امامت کے لئے آگے بڑھانا برائی اور ترک سنت کا سبب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٣٣٨: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امامت کے سلسلے میں کہ ایک طالب علم دین حافظ قرآن فارغ قرأت عرصہ دو سال سے امامت کر رہے تھے۔ وضع قطع، قد وقامت مناسب ہے، لیکن دونوں پیران کے پیدائشی طور پر اس طرح مڑے ہوئے ہیں کہ ان کو چلنے پھرنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہے۔ برابر درسگاہ آتے جاتے ہیں۔ ابھی چند یوم پیشتر ان کی شادی ہوئی ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں عارضی طور پر ایک دوسرے طالب علم کو کچھ دن کے لئے امامت کے لئے رکھ لیا گیا تھا وہ بھی اول الذکر طالب علم کے ہم سبق ہیں۔ سر پر انگریزی طرز کے بال ہیں۔ امامت نماز کے عوض کچھ مشاہرہ ماہانہ کے طلبگار ہیں۔ خطبہ نماز جمعہ میں اردو کے اشعار پڑھتے ہیں، حالانکہ منع بھی کیا گیا ہے۔ اب اول الذکر طالب علم بھی تشریف لے آئے ہیں۔ ایسی صورت میں از روئے شریعت مذکورہ بالا ہر دو اشخاص میں امامت کے لئے کون مستحق ہے؟ مفصل جواب تحریری عنایت فرمائیں۔

مسئولہ خلیل الرحمن خان، محلہ کٹگھر، مرادآباد ٨/ جمادی الاولیٰ ١٣٩١ھ جمعہ

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر یہ حالت درج کردہ صحیح ہیں، تو پہلے والے امام حافظ قرآن کریم وقرأت وتجوید امام و مستقل ہونے کی وجہ سے دوسرے امام کے مقابلہ میں امامت کے زیادہ حقدار و مستحق ہیں۔ جب کہ دوسرے امام خطبہ میں اردو کے اشعار پڑھ کر خلاف سنت متوارثہ کے مرتکب ہو کر غیر محتاط ثابت ہوئے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ٧٩، شامی ص ٣٧٨، درمختار ص ٣٩٦ و ٣٧٤ و ٣٧٥ یہ سب حوالے اسی باب کے پچھلے

مسئلوں میں گذر چکے ہیں)۔
ردالمحتار جلد اول مصری ص ۴۷۵ میں ہے۔

قال فی التاتر خانیة لو ان رجلین فی الفقه والصلاح سواء الاان احد هما اقرأ فقدم القوم آخرا فقد اساؤوا وترکوا السنة. اگر دو آدمی مسائل کی معلومات اور شرافت وتقویٰ میں برابر ہوں مگر ان میں ایک زیادہ بہتر قرآن پڑھتا ہے، اگر قوم نے اس کو نہیں بلکہ دوسرے کو آگے بڑھادیا تو انہوں نے اچھا نہیں کیا اور سنت کے تارک ہوئے۔

ردالمحتار کی یہ آخری عبارت صاف صاف بتارہی ہے کہ جب دو شخص فقہ وصلاح میں برابر درجہ کی حیثیت میں ہوں، لیکن ان میں ایک شخص اقرأ ہو یعنی قرأت وتجوید میں بہتر ہو تو ایسی صورت میں قوم کا دوسرے شخص کو امامت کے لئے آگے بڑھانا برائی اور ترک سنت کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۳۹: ایک شخص کا ہاتھ بیاری کی وجہ سے ٹیڑھا ہو گیا ہے اور جب وہ ہاتھ کو پورا موڑتا ہے، تو پورا مڑتا نہیں۔ لیکن نماز میں نیت کرتے وقت انگلیاں کانوں سے چھو جاتی ہیں، اور سجدوں میں بھی قاعدہ کے اعتبار سے ہاتھوں کو زمین پر رکھ لیتا ہے۔ اب اس شخص کی امامت میں تو کوئی کراہت نہیں، اگر ہے تو بیان کیجئے؟

مسئولہ حافظ عبدالمجید صاحب، تیلیوں والی مسجد، مرادآباد، ۸/ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ دوشنبہ

الجواب: اگر سوال صحیح ہے تو شخص مذکور کی امامت میں کوئی کراہت وممانعت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

امامة الاعمیٰ (نابینا کی امامت)

مسئلہ ۳۴۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید جو حافظ قرآن ہے اور ایک مسجد کا عرصہ سے امام ہے، تقریباً ۸ سال سے نابینا ہو گیا ہے مگر امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے اور احتیاط یہ کرتا ہے کہ نماز کے لئے دوسرا کپڑا رکھتا ہے، اور ہر وقت پہننے کے لئے دوسرا کپڑا اور ایک لڑکا نابالغ ہر وقت زید مذکور کے ساتھ خدمت کے لئے رہتا ہے۔ اب منتظمین مسجد کا اعتراض ہے کہ نابینا کی اقتداء دیکھنے والے مقتدی کے لئے جائز نہیں۔ لہذا سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، کیا منتظمین دوسرے بینا کا تقرر کر سکتے ہیں؟

مسئولہ حافظ مولا بخش معرفت مولانا عبدالاحد صاحب، مدرسہ مسعود العلوم اشرفیہ چھاونی بازار، بہرائچ

الجواب: نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی (معمولی قسم کا مکروہ) ہے، اس کراہت کی علت فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ جب نابینا کو عدم بصارت کے باعث نجاست نظر نہیں آتی تو وہ نجاست سے اپنے بدن اور کپڑے کو کماحقہ محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اگر اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست لگ گئی تو وہ اسے بینا کی طرح مبالغہ کے ساتھ پاک بھی نہیں

کرسکتا، اس طرح اس کی طہارت میں شبہ ہوتا ہے نیز وہ اس باعث توجہ الی القبلہ میں بھی غلطی کرسکتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ لہذا اگر امام مذکور باوجود اس احتیاط کے جس کا بیان سوال میں درج ہے کراہت کی ان وجوہ مذکورہ میں مبتلا ہو اور بینا مقتدی لوگ ان سے علم و فضل میں بھی فائق ہوں تو ان کے پیچھے نماز جائز بکراہت تنزیہی ہوگی، اور اگر امام مذکور اپنی ان احتیاط کے باعث کراہت کی علت سے خالی اور مبرا ہوں اور اپنے بینا مقتدیوں سے علم و فضل میں تفوق رکھتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز بغیر کسی کراہت کے جائز ہوگی، بلکہ ایسی صورت میں امام مذکور ہی کی امامت اولیٰ ہے، چنانچہ خود فخر آدم و بنی آدم سرور عالم ﷺ نے غزوۂ تبوک کی روانگی کے موقعہ پر حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اہل مدینہ کا امام بنایا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں صحابی ظاہری طور پر عدیم البصر تھے، لیکن اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں کے موجودہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل و اصلح تھے۔

منتظمین مسجد کا یہ اعتراض کہ "نابینا کی اقتدا دیکھنے والے مقتدی کے لئے جائز نہیں" صحیح نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

> (و کرہ امامة العبد) ان لم یکن عالما تقیا، (و الاعمیٰ) لعدم اھتد انه الی القبلة و صون ثیابه عن الدنس و ان لم یوجد افضل منه فلا کراھة. غلام کی امامت اگر وہ عالم متقی نہیں ہے مکروہ ہے۔ اسی طرح نابینا کی امامت۔ کیونکہ وہ قبلہ طرف راہ نہیں پاتا اور کپڑے کو گندگی سے محفوظ رکھنا بھی اس کیلئے مشکل ہے۔ اگر اس سے بہتر امام موجود نہیں تو کوئی کراہت نہیں۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

> قوله (فلا کراھة) لاستخلاف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ابن ام مکتوم و عتبان بن مالک علی المدینة حین خرج الیٰ غزوة تبوک و کانا اعمیین. (اس کا قول کوئی کراہت نہیں) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم اور عتبان بن مالک کو اپنا نائب بنایا جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کیلئے مدینہ سے باہر تھے۔ یہ دونوں حضرات نابینا تھے۔

درمختار میں ہے۔

> (ویکرہ) تنزیھا (امامة عبدواعرابی و فاسق و اعمیٰ الا ان یکون) ای غیر الفاسق (اعلم القوم) فھو اولیٰ (ملخصا) . غلام، جاہل دیہاتی، فاسق اور نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر غیر فاسق زیادہ جانکار ہے۔ تو امامت کیلئے اولیٰ ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

> قوله (ویکرہ تنزیھا الخ) لقوله فی الاصل امامة غیرھم احب الی، (بحر) عن المجتبیٰ و المعراج ثم قال فیکرہ لھم التقدم، ویکرہ الاقتداء بھم تنزیھا، فان امکن الصلوة خلف غیرھم فھوافضل، و الا فالاقتداء اولیٰ من الانفراد. (ان کا قول مکروہ تنزیہی ہے) کیونکہ ماتن نے کتاب "الاصل" میں کہا۔ "میرے نزدیک مذکورہ حضرات کے علاوہ ہی کی

امامت پسندیدہ ہے۔" .... پھر کہا۔ "لہٰذا ان کا آگے بڑھانا اور ان کی اقتداء کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر ان لوگوں کے علاوہ دوسرے حضرات کے پیچھے نماز ادا کرنا ممکن ہو تو یہی افضل و اعلیٰ ہے۔ ورنہ تنہا نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔"

اسی میں ہے۔

قوله (ای غیر الفاسق) تبع ذالک صاحب البحر حیث قال قید کراهة امامة الاعمیٰ فی المحیط و غیره بان لایکون افضل القوم فان کان افضلهم فهواولیٰ. (ان میں کوئی فاسق نہ ہو) اس مسئلہ میں صاحب البحر الرائق نے صاحب درمختار کی اتباع کی، چنانچہ کہا۔ "المحیط وغیرہ میں نابینا کی امامت کی کراہت کو اس قید کے ساتھ مقید کیا کہ نابینا قوم میں افضل نہ ہو۔ لیکن اگر وہ فضیلتِ علمی واخلاقی میں فوقیت رکھتا ہے تو اسی کی امامت اولیٰ ہے۔

اسی میں ہے۔

وردفی الاعمیٰ، نص خاص هواستخلافه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا بن ام مکتوم و عتبان علی المدینة و کانا اعمیین، لانه لم یبق من الرجال من هواصلح منهما. نابینا کے سلسلہ میں مخصوص نص وارد ہوئی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزندِ ام مکتوم اور عتبان رضی اللہ عنہما کو، جو نابینا تھے، مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ کیونکہ اس وقت مدینہ میں موجود حضرات میں ان دونوں سے زیادہ اہل تر کوئی نہیں تھے۔

اسی میں ہے۔

مابحثه فی البحر صرح به فی الاختیار حیث قال: ولوعدمت ای علة الکراهة بان کان الاعرابی افضل من الحضری، والعبد من الحر، وولدالزنامن ولد الرشد، و الاعمیٰ من البصیر، فالحکم بالضد اه ونحوه فی شرح الملتقی للبهنسی و شرح درر البحار. البحر میں جو بحث کی اسی کی تصریح الاختیار میں کیا۔ چنانچہ کہا: "اگر علت کراہت معدوم ہو جائے بایں طور کہ، دیہاتی شہری سے افضل ہے، غلام آزاد سے، ولد الزنا، ولد الحلال سے، نابینا بینا سے، تو حکم بھی اس کے برخلاف ہو جائے گا۔

رسائل ارکان میں ہے۔

ویکره امامة الاعمیٰ لان فی تطهیره شبهة لمالایُبْصِرُ موضع النجاسات و لا مواقعها فی الثوب ولا یغسلهابالمبالغة، واما اذاکان اعمیٰ مقتدی القوم فی الدین ویکون عین بصیرته مفتوحة ویکون مجمعاللعلم و الفضائل فلایکره الاقتداء به، لان احتیاطه یزید بکثیر علیٰ احتیاط عوام اهل البصر و قد نقل الشیخ عبدالحق عن بعض شروح الکنز

نقلا عن المحيط لا يعلم كراهة امامة الاعمىٰ اذا كان مقتدى، ذاورع وقد جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم عبدالله بن ام مكتوم يؤم الناس وهو اعمىٰ رواه ابو داؤد. اندھے کی امامت مکروہ ہے، کیونکہ اس کی پاکی میں شبہ ہے۔ کیونکہ وہ دیکھنے سے قاصر ہے کہ نجاستیں کہاں کہاں ہے اور کپڑے میں کہاں لگ گئی ہے۔ اسے اچھی طرح دھو بھی نہیں سکتا۔ لیکن اگر وہ نابینا قوم کا دینی پیشوا ہے، اس کی بصیرت کی آنکھ کھلی ہوئی ہے اور وہ علم وفضیلت کا جامع ہے تو اس کی اقتداء میں کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ اس کا احتیاط بہت سارے عام آنکھ والے کی احتیاط سے اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ شیخ عبدالحق نے کنز کی بعض شروح سے مبسوط کے حوالہ سے نقل کیا۔" اگر نابینا مقتدائے قوم صاحب تقویٰ بھی ہے تو اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن ام مکتوم نابینا کو امامت کے منصب پر فائز کیا۔ اس حدیث کی روایت ابوداؤد نے کی۔" واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

ضروری تنبیہ: امام صاحب مذکور بظاہر محتاط آدمی معلوم ہوتے ہیں، ان کا نماز کے لئے الگ کپڑے رکھنا اور اپنی احتیاط کے لئے خادم رکھنا اس پر دال ہے، نیز وہ ۸ سال سے امامت کرتے ہیں، جب سے کسی منتظم مسجد کا امامت پر اعتراض نہ کرنا اور اب اعتراض کرنا اور انکی امامت کو ناجائز بتانا تعجب نہیں کہ کسی ذاتی یا دنیوی مناقشہ اور اختلاف کے باعث ہو۔ اگر واقعۃً ایسا ہی ہے تو کراہت معترضین ہی پر ہے۔ اور اگر فی الواقع امام صاحب میں کوئی فساد ہے یا معترضین میں امامت کا کوئی زیادہ مستحق ہے، تو امام صاحب کی امامت مکروہ ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۲ میں ہے۔

ولو ام قوما وهم له كارهون ان الكراهة لفساد فيه او لانهم احق بالامامة منه كره له ذالك تحريما لحديث ابى داؤد ولا يقبل الله صلوٰة من تقدم قوما و هم له كارهون و ان هو احق لا والكراهة عليهم. اور اگر کسی نے لوگوں کی امامت کی حالانکہ لوگ اس سے متنفر ہیں تو دیکھنا ہے کہ یہ نفرت کرنا اس امام کے اندر کسی خرابی کی وجہ سے ہے یا لوگوں میں ایسے ہیں جو اس امام سے زیادہ مستحق امامت ہیں۔ تو ایسی صورتوں میں اس امام کا امامت کے لئے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرمائے گا کہ جو قوم کی امامت کے لئے آگے بڑھ گیا اور صورت حال یہ ہے کہ قوم اس سے متنفر ہے۔ اور اگر وہی زیادہ حق دار ہے تو کوئی کراہت نہیں۔ بلکہ ان کا نفرت کرنا ہی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۴۱: زید نابینا ہے، حافظِ قرآن ہے، صوم وصلوٰۃ کے ضروری مسائل سے واقف ہے، کپڑوں کی پاکی کا خیال رکھتا ہے، پھر ایسے نابینا کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ رئیس احمد صاحب، ڈبائی ضلع بلندشہر، یوپی، ۹ رذی الحجہ ۱۳۸۶ھ سہ شنبہ

الجواب: ایسے نابینا کے پیچھے جو پابند شرع ہو، مسائل طہارت وصلوٰۃ سے واقف ہو اور ان پر عامل ہو نماز جائز ہے، لیکن اگر کوئی غیر نابینا ان صفات کے ملیں، تو ان کو امام بنانا زیادہ بہتر ہے۔ کما فی عامة الکتب الفقهية. وھو

سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:
(۱): نابینا حافظ قرآن پابند صوم وصلوٰۃ کی امامت بغیر کراہت جائز ودرست ہے یا نہیں؟ (۲): نابینا حافظ کی موجودگی میں ناظرہ خواں کو امام بنایا جائے گا یا حافظ نابینا ہی کو ترجیح دیجائے گی؟ (۳): اگر کوئی طالب علم مسجد میں امام مقرر ہو اور نابینا حافظ بھی تو ان دونوں میں کس کو ترجیح دی جائے گی؟

از باغ گلاب رائے، مراد آباد، رضوان احمد صاحب صدیقی، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

الجواب: (۱): نابینا حافظ قرآن پابند فرائض وواجبات اور صالح ومتقی کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، جس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے، ایک تو عوام کی نفرت' دوسرے طہارت ونجاست کے معاملہ میں وہ شخص بینا کی طرح احتیاط کر ہی نہیں سکتا، بلکہ نابینائی کے سبب وہ نجاست کے لگنے نہ لگنے کا ادراک نہیں کر سکتا، اور صحیح معنی پر طہارت میں کوتاہی کر سکتا ہے، اگر نابینا کے سوا کوئی صالح امام مل ہی نہ سکے تو اس کو مستقل امام بنادیں ورنہ اس کو امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.
(۲): ناظرہ خواں بینا کو امام بنایا جائے۔ اسی کو معاملہ امامت میں ترجیح ہوگی، جب کہ وہ ناظرہ خواں پابند شرع اور نماز پڑھانے کا اہل ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.
(۳): امام معین طالب علم ہو یا غیر طالب علم اس کے ہوتے ہوئے اسکی اجازت کے بغیر کوئی بڑا عالم دین بھی امامت کا مستحق نہیں ہے، پھر نابینا حافظِ قرآن بطریق اولیٰ مستحق امامت نہیں ہوگا، ترجیح بہر حال امام معین کو شرعاً حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

امامة ولدالزنا (ولدُ الزنا کی امامت)

مسئلہ ۳۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولد الزنا کی امامت جائز ہے یا نہیں، اور وہ جماعت میں سب سے بہتر پڑھنے والا ہے، وہ نماز پڑھا رہا ہے، اور اس سے بہتر کوئی اور صاحب جماعت میں شامل ہو گئے تو ان کی نماز ہوئی یا نہیں، کیونکہ باہر کے مسافر وغیرہ بھی نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بروئے شریعت مفصل تحریر فرمائیے؟

مسئولہ عبد الرحمٰن صاحب، موضع راجپور کسریا، ڈاکخانہ ڈلاری، ضلع مراد آباد

الجواب: اگر ولد الزنا تمام مقتدیوں سے علم وتقویٰ میں فائق ہو تو اس کی امامت بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اور اگر کسی مقتدی سے ولد الزنا علم وتقویٰ میں کم ہو تو اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہوگی، اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے، ہلکی سی کراہت نماز میں آئے گی جس کی وجہ سے نماز خلاف مستحب ہوگی، اور نماز کا لوٹانا مستحب ہوگا۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

(وکرہ امامۃ العبد) ان لم یکن عالما تقیا،(و الاعمیٰ) لعدم اهتد انہ الی القبلۃ (والاعرابی) الجاهل، او الحضری الجاهل، (وولد الزنا) الذی لاعلم عندہ ولا تقویٰ فلذ اقیدہ مع ماقبلہ بقولہ الجاهل لوکان عالما تقیا، لا تکرہ امامتہ، لان الکراهۃ للنقائص، حتی اذاکان الاعرابی افضل من الحضری، والعبد من الحر، و ولدالزنامن ولد الرشد، والاعمیٰ من البصیر، فالحکم بالضد کذا فی الاختیار (ملخصاً). غلام کی امامت اگر وہ عالم متقی نہیں ہے مکروہ ہے۔ اسی طرح نابینا کی امامت۔ کیونکہ وہ قبلہ طرف راہ نہیں پاتا۔ جاہل دیہاتی اور ولدالزنا جس کے پاس علم اور تقویٰ نہیں ہے۔ اسی لئے (جاہل) کی قید لگائی، کیونکہ اگر عالم متقی ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں۔ کیونکہ کراہت نقائص کے سبب سے ہے۔ بلکہ اگر دیہاتی شہری سے افضل ہے اور غلام آزاد سے، ولدالزنا صحیح النسب سے اور نابینا، بینا سے، تو حکم اسکے برخلاف ہوگا۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۱۸۰ میں ہے۔

افاد الحموی ان کراهۃ الاقتداء بالعبد و ما عطف علیہ تنزیهیۃ ان وجد غیر هم و الا فلا. الحموی نے افادہ کیا کہ غلام اور اس پر جتنے لوگوں کو عطف کیا گیا ہے، ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جبکہ دوسرے لوگ موجود ہوں۔ ورنہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب الجماعۃ (جماعت کا بیان)

مسئلہ ۳۴۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گاؤں کا رہنے والا ہے جو سابق میں اپنی گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھتا تھا۔ اس عرصہ میں گاؤں والوں سے ایک اراضی پر اس کا جھگڑا چل گیا، جس کی وجہ سے اس شخص نے مسجد میں نماز پڑھنے سے قسم کھالی جب ہی سے یہ ملا اپنے گاؤں کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتا۔ اور اپنے مکان پر نماز پڑھتا ہے۔ لوگ گاؤں والے اور باہر کے سب اس سے کہتے ہیں کہ اب تو تمھاری گاؤں والوں سے رضامندی ہوگئی، آپ مسجد میں نماز کیوں نہیں پڑھتے، مکان پر پڑھتے ہو؟ جس کے جواب میں یہ ملا کہتا ہے کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے، میری نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص کی نماز کا صحیح ہونا یا غلط ہونا کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان فرمایا جائے؟ بہت مناسب ہوگا۔

مسئولہ ملاحمیدالدین صاحب، امام مسجد، موضع جھرک جھنڈی، ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور، ۱۱ رمحرم الحرام ۱۳۸۵ھ جمعہ

الجواب: ملاجی کا یہ کہنا بالکل صحیح و درست ہے کہ میری نماز گھر میں بغیر جماعت بھی صحیح ہوتی ہے۔ چونکہ نماز کی صحت کے لئے مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا شرط اور لازم وضروری نہیں ہے، نماز بغیر جماعت اور مسجد کے علاوہ گھر اور دوسری جگہوں میں بھی بلاشبہ صحیح و درست ہوتی ہے، لیکن فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا زیادہ ثواب کی بات ہے، اسی طرح

جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے میں تنہا پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنا اعلیٰ ترین سنت مؤکدہ، بلکہ واجب کے قریب ہے۔ شخصِ مذکور اس اعلیٰ ترین سنت کا چھوڑنے والا اور جماعت کا تارک ضرور ہے۔ ثوابِ عظیم سے محروم رہتا ہے، لیکن پھر بھی ان تمام باتوں کے باوجود اس کی نماز گھر میں تنہا صحیح و درست ہے۔ شخص مذکور نے چونکہ مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی قسم کھالی ہے، اس لئے وہ مسجد میں نماز نہیں پڑھتا ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے قسم توڑنے کے باعث مجھے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے، لیکن ایسی صورت میں شرعاً حکم یہ ہے کہ جب کوئی شخص نیک کام کرنے کے متعلق قسم کھائے کہ میں نہیں کروں گا، تو وہ نیک کام کر کے قسم کا کفارہ ادا کرے۔ لہذا ملاجی صاحب کو یہی کرنا چاہئے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے لگیں، اور اپنی قسم توڑنے کا کفارہ یہ دیں کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلادیں، یا دس مسکینوں کو جوڑے پہنائیں، اگر ان دونوں طرح سے قسم کا کفارہ ادا کرنے کی اہلیت اور حیثیت نہ ہو تو پھر تین دن کا روزہ رکھ کر ملاجی کفارہ ادا کریں۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ ایک امام صاحب حافظِ قرآن نماز پڑھا رہے ہیں، اور ایک حافظ صاحب اپنی الگ نیت باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ شرعی حکم کیا ہے، ان کی نماز ہوگی۔ حافظ صاحب نے جماعت کو ترک کیا ہے۔

مسئولہ ابوالحسن پردھان، موضع بیروا پوسٹ ساگر پور، ضلع رامپور، برانچ بلاری ۲۶ر جنوری ۱۹۶۶ء

الجواب: جس حافظ نے جماعت کے وقت میں جماعت سے الگ اپنی نماز علیحدہ نیت باندھ کر ادا کی، ان سے اس کا سبب معلوم کیا جائے اگر کوئی سبب ایسا بیان کریں، جو شرعاً قابلِ اعتبار ہو تو خیر و فبھا۔ اس صورت میں وہ گنہگار نہ ہوں گے، ورنہ دوسرے حافظ صاحب جس نے کسی عذر شرعی کے بغیر جماعت سے اعراض کیا اور جماعت کی نماز چھوڑ دی وہ گنہگار ہوئے۔ ان کو اپنے اس گناہ سے توبہ صحیحہ کر کے آئندہ کے لئے یہ عہد کرنا چاہئے کہ بغیر عذرِ شرعی کے کبھی جماعت کی نماز نہ چھوڑوں گا۔ **وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین حسبِ ذیل مسئلہ میں کہ ہمارے موضع میں عید الاضحیٰ کے موقع پر تمام مسلمان عیدگاہ میں نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے اور ہمارے موضع کے ایک حافظ ہیں جو اکثر و بیشتر نماز پنجگانہ و جمعہ وعیدین کی امامت بھی کرتے تھے۔ عیدگاہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ تشریف لائے اور اپنی بیوی صاحبہ کو تمام نمازی کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑا کیا، چند ہی منٹ کے بعد ان کی بیوی نے آواز دی کہ حافظ صاحب میری نماز ان لوگوں کے پیچھے نہیں ہوگی، تب حافظ صاحب نے اپنی بیوی صاحبہ کو صف اول میں بلالیا اور بیچ میں سے ایک شخص کو پیچھے کر کے ان کو یعنی اپنی بیوی صاحبہ کو کھڑا کر دیا اور اس عورت کے داہنے بائیں غیر محرم کھڑے تھے اور نماز پڑھائی، اور تمام لوگوں نے نماز پڑھ لیا۔ بعد نماز جمیع مسلمان نے اعتراض کیا کہ یہ کام جو آج ہوا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، اس پر حافظ نے جواب دیا کہ اپنی بیوی کو اپنے بغل میں کھڑا کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، لہذا یہ کام میں نے ٹھیک کیا ہے۔

ضروری امر دریافت طلب یہ ہے کہ ہم جمیع مسلمانانِ نوگڑھ کی نماز ہوئی یا نہیں، اور عورت کو ساتھ لے کر عیدگاہ میں

نماز پڑھنا جائز ہے [illegible]

مسئولہ پیر محمد نوگڑھ ضلع وارانسی، ۲۳؍صفر ۱۳۸۶ھ شنبہ

الجواب: اس دورِ پُر فتنہ و فساد میں عورتوں کو جمعہ و عیدین و دیگر نماز پنجگانہ کے لئے مسجد یا عیدگاہ لے جانا یا ان کا خود جانا مکروہ و ممنوع و مخلوط ہے، لہٰذا حافظ صاحب کا یہ فعل ممنوع قرار پایا۔ یہ کسی طرح صحیح و درست نہیں۔ حافظ صاحب کا یہ قول کہ اپنی بیوی کو بغل میں کھڑا کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، بفرضِ غلط اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو عورت کو دوسرے غیر محرم مردوں کے بغل میں کھڑا کر کے نماز پڑھنا تو جائز نہیں ہے۔ حافظ صاحب نے اپنے بغل میں تو اپنی بیوی کو کھڑا نہیں کیا تھا۔ صورت مسئولہ میں اگر امام نے عورت کی بھی امامت کی نیت کی ہے تو ان دو شخصوں کی جو عورت کے بغل میں کھڑے ہوئے تھے اور اس شخص کی جو عورت کے پیچھے اس کے مقابلہ میں کھڑا تھا، اس طرح کہ ان دونوں کے درمیان ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی، نماز نہ ہوئی اور باقی لوگوں کی ہوگئی، اور اگر امامِ مذکور نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی ہے، تو اس عورت کی نماز فاسد اور تمام مردوں کی نماز صحیح ہوئی۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۲ میں ہے۔

ولا یحضرن الجماعات لما فیه من الفتنة. عورتیں جماعت میں شریک نہ ہوں۔ کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔

اسی کے ص ۱۸۴ میں ہے۔

فهن ممنوعات عن حضور الجماعات. وہ جماعت میں حاضر ہونے سے روک دی گئیں۔

درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۷ میں ہے۔

و یکره حضور هن الجماعة، و لو لجمعة، وعید، مطلقا و لو عجوزا لیلا، علی المذهب المفتی به لفسادالزمان. (ملخصا) ان کا جماعت میں حاضر ہونا ممنوع ہے، اگر چہ جمعہ ہو یا عیدین۔ اگر چہ بوڑھی ہو یا رات ہو۔ اس کا سبب زمانے کی بگڑی ہوئی حالت ہے۔ مفتی بہ مذہب یہی ہے۔

اسی کے ص ۴۲۲، ۴۲۳ و ۴۲۴ میں ہے۔

واذاحاذته امرأة مشتهاة، ولا حائل بینهما فی صلاة مطلقة، مشترکة، تحریمةً واداء واتحدت الجهة فسدت صلوته ان نوی الامام وقت شروعه امامتها، و(الا) ینوها (فسدت صلاتها). رکوع وسجود والی نماز باجماعت ہورہی ہو اور کوئی مشتہاۃ عورت سامنے آجائے اور بیچ میں کوئی حائل بھی نہ ہو اور جہت بھی متحد ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جس کے محاذات میں وہ عورت ہے۔ بشرطیکہ امام نے نماز کے شروع میں عورت کی امامت کی بھی نیت کی ہو۔ اور اگر عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔

وفی معراج الدرایة لوکان بینهما فرجة تسع الرجل و اسطوانة قیل لاتفسدو کذا

اذا قامت امامهٔ و بینهما هذه الفرجة. معراج الدرایہ میں ہے کہ اگر دونوں کے درمیان ایک آدمی کے قد کے برابر گنجائش ہو اور ستون ہو تو ایک قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت مرد کے آگے کھڑی ہوگئی اور درمیان میں یہ گنجائش ہو تو بھی نہیں فاسد ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۴۷: ایک شخص بلا عذر تکبیر اولیٰ چھوڑ دے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

مسئولہ ادریس احمد، تجور، بلاری، ضلع مراد آباد ۲۱ راگست ۱۹۷۰ء

الجواب: بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ یا امام کے بعد ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہو جائے۔ پہلی رکعت کے رکوع میں بھی شریک ہو جانے سے تکبیر اولیٰ (جسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور تکبیر افتتاح بھی کہتے ہیں) کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۲۴ میں ہے۔

اما فضیلة تکبیرة الافتتاح، فتکلموا فی وقت ادراکها و الصحیح ان من ادرک الرکعة الاولیٰ فقد ادرک فضیلة تکبیرة الافتتاح کذا فی العصیر فی باب ابی یوسف. جہاں تک تکبیر اولیٰ کی فضیلت کا تعلق ہے، تو کب تک اس کا ملنا کہا جائیگا اس میں علماء نے کلام کیا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ جس نے پہلی رکعت پالی۔ اس نے تکبیر اولیٰ کی بھی فضیلت کو پالیا۔

سائل نے زبانی بتایا کہ شخص مذکور سورۂ فاتحہ کی قراءت شروع ہونے پر نماز میں شریک ہوا۔ اس صورت میں وہ بلا عذر تکبیر اولیٰ کا چھوڑنے والا نہ ہوا، بلکہ افضل طریقہ کا چھوڑنے والا ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۴۸: نماز پنجگانہ میں ایک امام اور ایک مقتدی ہے، کیا ان دو آدمی پر جماعت کا اطلاق کر سکتے ہیں، اور جماعت کا ثواب مل سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ محمد رئیس الدین کامل نعیمی، جامع مسجد چورو، راجستھان ۲۳ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ دوشنبہ

الجواب: ایک امام اور ایک مقتدی مل کر نماز پڑھیں تو اس نماز کو نماز با جماعت شرعاً کہا جائے گا اور نماز با جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ ہمارے فقہاء نے اس صورت کو بھی جماعت ہی میں ذکر فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۴۹: نابالغ بچوں کی جماعت ہوگئی، اسی جگہ پر بالغ بھی پڑھ سکتے ہیں، یا اس جگہ سے ہٹ کر بغیر اقامت کہے؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم، رتن پور کلاں، ضلع مراد آباد ۹ رجولائی ۱۹۷۰ء

الجواب: جس مسجد میں صرف نابالغ بچوں کی جماعت ہو چکی ہو اس میں بالغ نابالغ نمازیوں کی جماعت اسی جگہ اقامت و تکبیر کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، اصل جماعت بالغ نمازیوں کی ہے۔ نابالغ بچوں کی جماعت کا اعتبار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

الجماعة الثانیة (دوسری جماعت)

مسئلہ ۳۵۰: ایک مسجد عام راستہ پر واقع ہے اور امام بھی مقرر ہے۔ مقرر امام نے جماعت سے نماز پڑھادی۔ بعد کو کچھ آدمی اور آ گئے وہ اسی مسجد میں دوسری جگہ جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مسؤلہ فرحت علی صاحب، مراد آباد

الجواب: جو مسجد شارع عام یعنی عام راستہ پر واقع ہو، اس میں جماعتِ ثانیہ بالا جماع بغیر کراہت کے جائز ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۰۸ و ۴۰۹ میں ہے۔

ویکرہ تکرار الجماعة باذان و اقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق. محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت ثانی کرنا مکروہ ہے، شاہراہ کی مسجد میں کوئی کراہت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

ولو كرر اهله بدونهما او كان مسجد طريق جاز اجماعاً. اگر اہلِ محلہ نے دوبارہ جماعت بغیر اذان و تکبیر کے کی یا راستے کی مسجد تھی تو اجماعاً جائز ہے۔

اسی میں ہے۔

هو كمسجد شارع و قدمر انه لا كراهة في تكرار الجماعة فيه اجماعا.

وہ جیسے شاہراہ پر واقع مسجد ــــــــ یہ بات اوپر گزری کہ اس کے اندر تکرار جماعت میں اجماعا کوئی کراہت نہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۵۱: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مسجد میں ایک جماعت ہوگئی ہو تو جماعت ثانی اسی حد میں کرنا کیسا ہے؟ اور اگر جماعت ثانی مسجد کی حد میں کی جاسکتی ہے تو تکبیر کہنا چاہئے یا نہیں۔

(۲): جب جماعت کو کھڑے ہوتے ہیں، تو مقتدیوں کو مکبر کے ساتھ کھڑا ہونا درست ہے یا حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا درست ہے؟

مسئولہ محمد صابر، امام مسجد بڑھیا والی، محلہ کسرول، مراد آباد ۵ رصفر المظفر ۱۳۸۴ھ شنبہ۔

الجواب: جماعتِ ثانیہ محراب سے علیحدہ ہو کر اور جماعت اولیٰ کی ہیئت بدل کر حدودِ مسجد میں ہر جگہ بلا اذان و اقامت کرنا بلا شبہ جائز و مباح ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۰۷ میں ہے۔

و يكره تكرار الجماعة باذان واقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق او مسجد لا امام له ولا مؤذن. اذان و اقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت محلہ کی مسجد میں مکروہ ہے۔ راستے پر واقع مسجد میں کوئی کراہت نہیں۔ اور نہ ایسی مسجد میں جہاں نہ امام ہے نہ مؤذن۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔

ولو كرر اهله بدونهما او كان مسجد طريق جاز اجماعا. شاہراہ کی مسجد یا ایسی مسجد میں جہاں امام و مؤذن نہیں وہاں مکروہ نہیں۔

اسی کے ص ۴۰۸ میں ہے۔

عن ابی یوسف انہ اذالم تکن الجماعۃ علیٰ الھیئۃ الاولیٰ لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذافی البزازیہ. ابویوسف سے روایت ہے کہ اگر جماعت پہلی شکل پر نہ ہوتو مکروہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔ یہی صحیح ہے۔ محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): امام اگر پہلے سے مصلّی پر یا اس کے قریب موجود ہوتو امام ومقتدی سبھوں کے لئے ادب اور بہتر یہی ہے کہ قولِ مکبر حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ابتدائے تکبیر سے کھڑا ہونا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۶ میں ہے۔

ومن الادب القیام ای قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح لانہ امربہ فیجاب. جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے تو ادب یہی ہے کہ اسی وقت لوگ کھڑے ہوں۔ امام صاحب بھی اگر وہ محراب کے قریب ہوں۔ کیونکہ اب کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تو اس کا جواب دیا جانا چاہیے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۶ میں ہے۔

واذا اخذالمؤذن فی الاقامۃ و دخل رجل المسجد فانہ یقعد ولاینتظر قائما فانہ مکروہ کمافی المضمرات قھستانی ویفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون. جب مؤذن اقامت کہنا شروع کرے اگر اس حالت میں کوئی آئے تو بیٹھ جائے، کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے۔ یہ مکروہ ہے۔ جیسا کہ **المضمرات القھستانی** میں ہے۔ اس سے ابتداء اقامت میں قیام کا مکروہ ہونا سمجھا جاتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دومرتبہ جماعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ایک جماعت ہونے کے بعد دوسری جماعت کس جگہ ہوسکتی ہے، اسی جگہ یا کچھ فاصلہ سے ہوگی؟

مسئولہ رفیع احمد، مقبرہ حصہ دوم، مرادآباد ۲۷رذیقعدہ ۱۳۸۴ھ شنبہ

الجواب: محلہ اور گاؤں کی ہر وہ مسجد جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں، پنجگانہ نماز ہوتی ہو، ایسی مسجد میں دوسری جماعت ہیئت وجگہ بدل کر بغیر اذان واقامت بغیر کراہت صحیح وجائز اور مباح و حلال ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہیئت اور جگہ بدل کر دوسری جماعت ایسی مسجد کے ہر حصے میں بغیر اذان واقامت صحیح وجائز ہے، اس کے جواز پر اجماع ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۰۷ میں ہے۔

و یکرہ تکرار الجماعۃباذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق اومسجد لا امام لہ ولا مؤذن. اذان واقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت محلہ کی مسجد میں مکروہ ہے۔ راستے پرواقع مسجد میں کوئی کراہت نہیں۔ اور نہ ایسی مسجد میں جہاں نہ امام ہے نہ مؤذن۔

ردالمحتار میں ہے۔

یکرہ تکرارا لجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ الااذا صلی بھمافیہ اولا غیر اھلہ اواھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اھلہ بدونھما او کان مسجد طریق جازا اجماعاً کما فی مسجد لیس لہ امام و لامؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الا فضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامۃ علحدۃ کما فی امالی قاضی خان اہ و نحوہ فی الدرر والمُراد بمسجد المحلۃ مالہ امام و جماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرھا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع و بالأذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا۔ محلے کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر اس میں غیر محلّہ والوں نے پہلے آکر نماز پڑھ لی، یا اہل محلّہ نے بغیر اذان پڑھ لی اور اگر محلّہ والوں نے بغیر اذان واقامت نماز پڑھ لی یا وہ راستہ کی مسجد تھی تو اجماعاً جائز ہے جیسا کہ اس مسجد میں جہاں امام مؤذن نہیں ہیں، اور لوگ اس میں مختلف گروپ کی شکل میں آکر نماز پڑھتے ہیں۔ افضل یہ ہے کہ ہر فریق اذان واقامت کے ساتھ علیحدہ پڑھیں۔ محلّہ کی مسجد سے مراد یہ ہے کہ اس کے متعین امام ہوں، جماعت ہونے کا بھی علم ہو، مسجد کا مختص بالمحلہ کی قید شارع عام سے احتراز کے طور پر ہے۔

اسی میں ہے۔

وقدمنا فی باب الاذان عن آخرشرح المنیۃ عن ابی یوسف انہ اذالم تکن الجماعۃ علی الھیئۃ الاولیٰ لا تکرہ والا تکرہ و ھوا لصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیۃ انتھیٰ و فی التتارخانیۃ عن ا لولو الجیۃ و بہ ناخذ..... امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر جماعت اپنی پہلی ہیئت پر نہیں ہے تو کوئی کراہت نہیں، ورنہ کراہت ہے۔ یہی صحیح ہے۔ محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے ایسا ہی بزازیہ میں ہے......... **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں عشاء کی جماعت کی نماز ہوگئی ہے، چند افراد اس جماعت کے بعد آتے ہیں، وہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ دوسری جماعت ہوجائے۔ کچھ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ امام کا مصلّٰی تبدیل کردیا جائے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصلّٰی یہیں رہے اور تکبیر و قرأت نہ ہو اور کچھ لوگ فرماتے ہیں کہ قرأت وتکبیر ہو مصلّٰی تبدیل کردیا جائے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دوسری جماعت ہی نہ ہو۔ شرع کی رو سے تحریری بیان وجواب درکار ہے؟ **بینوا و توجروا.**

مسئولہ سید جمیل میاں صاحب، مالک خواجہ ہوٹل، بازار نصر اللہ خان، رامپور

الجواب: محلوں کی ہر وہ مسجد جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں، اس میں جماعت ثانیہ ہیئت بدل کر بغیر اذان کی جائے

تو یہ بغیر کسی کراہت وممانعت کے جائز ومباح ہے۔ بعض روایت ایسی بھی ملتی ہے کہ جس میں اقامت یعنی تکبیر کی بھی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا پہلی جماعت میں امام کا مصلیٰ جس جگہ پر تھا، اس مصلیٰ کو کچھ آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں ہٹا کر بغیر اذان واقامت جماعت ثانیہ کی جائے تو اس کے جواز وصحت میں کوئی خلاف واختلاف نہیں، بالاتفاق صحیح وجائز ہے۔ اور بازار ومسافر خانہ اور شارع عام واسٹیشن وسرائے کی مسجد، یا محلوں کی ہر وہ مسجد جس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں، وہاں جماعت ثانیہ اذان وتکبیر کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ جتنی باتیں کہی جاتی ہیں وہ غلط وباطل ہیں۔ مسئلہ کی تفصیل اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے رسالہ "**القطوف الدانية عن احسن الجماعة الثانية**" ملاحظہ فرمائیں۔ یہ رسالہ رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی سے ملے گا۔ **والله عالى اعلم.**

مسئلہ ۳۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی دیوبندی کی جماعت کے بعد اگر سنی حضرات دوبارہ بعد میں بلکہ اسی جگہ نماز با جماعت پڑھیں تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ سردار حسین، مقبرہ دوئم، مراد آباد ۱۵ ر شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ یکشنبہ

الجواب: ہم اہل سنت وجماعت ہر ایسے وہابی دیوبندی کو جو بارگاہ رب العزت جل شانہ اور شان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں گستاخ اور دریدہ دہن ہیں، خارج از اسلام جانتے ہیں۔ لہذا ایسے وہابیوں کی نماز، نماز ہی نہیں پھر ان کی جماعت بھی کیا قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ سنی حضرات ایسی مسجد میں مقام سابق پر نماز با جماعت ادا کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ مسجد میں سنیوں کی جماعت مقام سابق پر صحیح ودرست ہے۔ شرح عقائد نسفی کانپوری ص ۱۱۵ میں ہے۔

> وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلوٰة خلف الفاسق والمبتدع فمحمول على الكراهة اذلا كلام فى كراهة الصلوٰة خلف الفاسق والمبتدع، هذا اذالم يؤدالفسق او البدعة الى حدالكفر، امااذاادىٰ اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلوٰة خلفه، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے منع کی جو روایت اسلاف سے منقول ہوئی ہے یہ کراہت پر محمول ہے۔ کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ کراہت اسی وقت تک ہے کہ اس کا فسق حد کفر تک نہ پہنچا ہو اور اگر حد کفر تک پہنچ گیا تو اس کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں۔ **والله تعالىٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۵۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے، جس میں عقائد کے اختلاف کی بنا پر باقاعدہ ایک اذان اور دو اقامت سے دو جماعت ہوتی ہے، جس کی نوعیت یہ ہے کہ جماعت ثانیہ چند منٹ وقفہ کے بعد قائم ہوتی ہے۔ اب زید کا کہنا یہ ہے کہ جماعت ثانیہ میں شریک ہونے والوں کی نماز نہیں ہوتی۔ لوگوں کو جماعت ثانیہ سے روکتا ہے، نفرت دلاتا ہے، لہٰذا عرض خدمت یہ ہے کہ شرعاً جماعت ثانیہ کا قائم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبد المجید، محلہ باغ بہادر گنج، مراد آباد ۲۸ ر جولائی ۱۹۶۵ء

الجواب: سائل نے زبانی طور پر یہ بتایا کہ پہلے وہابی کی نماز باجماعت بعد اذان واقامت ہوتی ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد اہلِ سنت وجماعت کی نماز باجماعت صرف اقامت کہنے کے بعد ہوتی ہے اس طرح کی جماعت ثانیہ بلاشبہ جائز و درست ہے۔ وہابیہ کے پیچھے اہلِ سنت وجماعت کی نماز نہیں ہوتی، چونکہ وہابیہ کی بدعت حد کفر کو پہنچی ہوئی ہے، لہذا کوئی سنی کسی ایسے وہابی کے پیچھے جو عقائد کفریہ کا قائل ومعتقد ہو، ہرگز ہرگز کوئی نماز نہ پڑھے۔ ان کی جماعت کے بعد صرف اقامت کہہ کر اپنی دوسری جماعت اہل سنت وجماعت قائم کریں تا کہ کسی قسم کا کوئی نزاع بھی نہ ہو۔ کسی سنی کی کوئی نماز وہابی مذکور کے پیچھے جائز ودرست نہ ہوگی۔ شرح عقائد نسفی کانپوری ص ۱۱۵ میں ہے۔

وما نقل عن بعض السلف..... (پوری عبارت ...مسئلہ ۳۵۴... میں دیکھیں)۔

جب جماعت ثانیہ ہر مسجد میں جماعت اولیٰ کے بعد ہیئت بدل کر بغیر اذان صحیح و جائز ہے، جس پر اجماع بھی منقول ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں، ایسی جماعت ثانیہ بغیر کراہت جائز ہے، تو امام ومقتدی کے عقائد میں ایمان وکفر کا فرق و اختلاف ہو تو بلاشبہ بطور مذکور جماعت ثانیہ بغیر کراہت صحیح و جائز ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے۔

قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع و بالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعا. (ترجمہ... مسئلہ ۳۵۲... میں دیکھیں)۔

اسی کے ص ۴۰۸ میں ہے۔

عن ابی یوسف انه اذالم تکن الجماعة علیٰ الهیئة الاولیٰ لاتکرہ والاتکرہ وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذافی البزازیه. ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر جماعت پہلی شکل پر نہ ہو تو مکروہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔ یہی صحیح ہے۔ محراب سے ہٹ جانے سے ہیئت مختلف ہو جاتی ہے۔

جو لوگ اہل سنت وجماعت سے یہ کہتے ہیں کہ جماعت ثانیہ کرنے والوں کی نماز نہیں ہوتی ہے، ان کا قول غلط و باطل ہے۔ شرعاً ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ جماعت ثانیہ سے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا مطلقاً نہ ہونا کسی کا قول نہیں۔ بعض صورتوں میں جماعت ثانیہ سے نماز مکروہ تحریمی ہے، لیکن نماز کا بالکل نہ ہونا، سرتاپا غلط و باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۵۶: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک مسجد میں امام صاحب نماز پڑھانے کے لئے مقرر ہیں۔ امام حافظ قاری سنی صحیح العقیدہ ہیں۔ سب مسلمان ان سے راضی اور خوش ہیں۔ نیز قرآن مجید صحیح اور باتجوید پڑھتے ہیں، مگر دو چار آدمی اپنی نفسانی شرارت کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں اور بالقصد دوسری جماعت کا بجوقتہ اہتمام کرنا چاہتے ہیں، بلکہ یہاں تک ہے کہ جماعت اولیٰ ہوتی رہتی ہے، اور لوگ مسجد میں آ کر وضو کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ جیسے ہی جماعت اولیٰ کا سلام پھرتا ہے وہ لوگ فوراً اندرون مسجد ہی دوسری جماعت کا مصلیٰ بچھ کر تکبیر شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں کو سنتیں نفل پڑھنا دشوار ہوتا ہے۔ اس سے مسجد میں سخت انتشار پھیلا ہوا ہے، اور نقضِ

امن کا بھی اندیشہ ہے۔ براہِ کرم یہ فرمانے کی زحمت گوارہ کریں کہ آیا جماعت ثانیہ روزانہ کرنا از روئے شرع ایسی مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲): وہ لوگ جو روزانہ پنجوقتہ جماعت ثانیہ کرتے ہیں، اس صورت میں ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبد العزیز صاحب صدر کمیٹی مسجد وممبر میونسپل بورڈ، سابق کاشی پور، نینی تال، ۳۰ رجمادی الاول ۱۳۸۹ھ

الجواب: (۱): اگر فی الواقع امام صاحب سنی صحیح العقیدہ نیک اور متقی ہیں اور چند افراد ذاتی عداوت یا نفسانی شرارت کے باعث ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور پہلے سے آکر وضو کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور شریک جماعت نہیں ہوتے اور پہلی جماعت کے ختم ہوتے ہی دوسری جماعت شروع کر دیتے ہیں جس سے سنن ونوافل پڑھنے والوں کی نمازوں میں خلل پیدا ہوتا ہے، اور ان چند افراد کا منشا ومقصد انتشار پھیلانا اور فتنہ پیدا کرنا ہے تو یہ سب لوگ گنہگار ہوئے۔ جماعت اولیٰ سے اعراض سنن ونوافل کی ادائیگی میں خلل اندازی، باہم مسجد میں انتشار یعنی تفریق بین المسلمین اور فتنہ انگیزی یہ سب باتیں گناہ اور معصیت ہیں۔ ان افراد کو ان باتوں سے توبہ کرنی ہوگی۔ جماعت ثانیہ کا عادی بننا یا بنانا بھی مکروہ وممنوع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرہ:۱۹۱] (اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے) (معارف) اگر چہ مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ بغیر اذان ہیئت بدل کر جائز ہے۔ لیکن ایسی صورت میں کہ فتنہ انگیزی کی بناء پر نقض امن کا خطرہ ہوتا ہو تو جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جماعت سے نماز ادا کرنے میں اتحاد بین المسلمین اور اتفاق کا مظاہرہ ہوتا ہے، جو جماعت تفریق بین المسلمین کے لئے کی جائے۔ اس کے جواز کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): نماز تو ہو جاتی ہے، چونکہ فرائض وارکان وشرائط وواجبات کا ترک اور مکروہات تحریمیہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مکروهات الجماعة (جماعت کے مکروہات)

مسئلہ ۳۵۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام کو نماز کی حالت میں محراب سے کتنی دوری کے فاصلہ پر کھڑا ہونا چاہئے، نیز تحریر فرمائیں کہ اگر قعدہ یا سجدہ کی حالت میں امام کا پورا جسم محراب کے اندر ہو جائے تو نماز کے اندر کوئی خرابی ہوگی یا نہیں؟ بحوالہ کتب حنفیہ مفصل جواب دیں؟

مسئولہ.......

الجواب: امام کا محراب کے اندر اس طرح کھڑا ہونا کہ تمام اعضاء وجوارح محراب میں داخل ہوں، مکروہ ہے، اور اگر امام کے دونوں قدم بحالتِ قیام محراب سے خارج ہوں اور وقت سجودہ وقعدہ بعض اعضاء محراب کے اندر ہوں تو مکروہ نہیں۔ در مختار جلد اول استنبولی ص ۲۰۴ میں ہے۔

و (کره) قیام الامام فی المحراب، لا سجوده و قدماه خارجه لان العبرة للقدم. امام کا محراب

میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، محراب میں سجدہ مکروہ نہیں، اگر پاؤں خارج محراب ہیں۔ کیونکہ اعتبار پاؤں کا ہے۔
ردالمحتار میں ہے۔

لان المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کماهو السنة لا لان یقوم فی داخله فهو وان کان من بقاع المسجد لکن اشبه مکانا اخر فاورث الکراهة. کیونکہ محراب کی تعمیر ہی امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کی علامت کے طور پر ہوئی ہے۔ تاکہ امام صف کے بیچوں بیچ کھڑا ہو۔ یہی سنت ہے۔ محراب اس غرض سے نہیں بنایا گیا ہے کہ اس کے اندر امام کھڑا ہو۔ اس لئے کہ محراب اگرچہ مسجد ہی کا ایک حصہ ہے تاہم دوسری جگہ کے مشابہ ضرور ہے، اس بناء پر کراہت پیدا ہوگی۔

جس وقت قیام کی حالت میں امام کے دونوں قدم محراب سے خارج ہونگے، تو امام کا پورا جسم سجود وقعود میں محراب کے اندر نہیں ہوگا، بلکہ بعض اعضاء یا بعض اعضاء کے اجزاء محراب سے ضرور خارج ہوں گے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے ذی وقار و مفتیان ستودہ اطوار مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے وہ برآمدہ یا مسجد کے ٹین کے نیچے تنہا کھڑا ہوتا ہے اور جمیع مقتدیان برآمدہ یا ٹین کے باہر ہوتے ہیں۔ دریں صورت نماز جائز اور درست ہے یا نہیں۔ بصورت عدم جواز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے یا مکروہ تنزیہی ہے۔ جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

مسئولہ مقصود حسن مستری، موضع ڈھکیا پیرو ضلع مرادآباد، ۱۹ر اگست ۱۹۵۶ء

الجواب: امام کا تنہا دالان یا دالان کے چھجے کے اندر یا کسی قسم کے برآمدے یا چھت کے اندر اس طریقہ پر کھڑا ہونا کہ اس کے دونوں پاؤں چھت یا برآمدے کے اندر ہوں اور تمام مقتدیوں کا باہر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ مسئلہ اس فقہی جزیہ سے مستنبط ہوتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ تنہا امام کا بتمامہ محراب مسجد میں اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے دونوں قدم محراب کے اندر ہوں، مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں امام کا بہ نسبت تمام مقتدیوں کے ایک ایسے ممتاز مقام میں یعنی محراب میں کھڑا ہونا پایا جاتا ہے، جو شرعاً امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک دوسرے مکان کے مشابہ یا دوسرے مکان کے حکم میں ہے، اگرچہ فی الحقیقت محراب مسجد، مسجد ہی ہے، اور یہ اہل کتاب کا خاص نشان مذموم اور شعار قبیح ہے اور ان کی امر مذموم میں مشابہت سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ کراہت کی یہ علت اکثر فقہاء کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمائی ہے اور اسی کو راجح اور مختار اور اوجہ بتایا ہے، اور علامہ شامی نے اسے بغیر رد وقدح کے مقرر رکھا ہے کہ اگر امام و مقتدی دونوں کے مکان قیام فی الحقیقت متباین اور جدا ہوں تو نماز جائز نہیں ہوگی، اور اگر دونوں کے مکان قیام حکماً وصورتاً مختلف ہوں، یعنی دو مکانوں کے مشابہ ہوں، تو نماز مکروہ ہوگی۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۷۷ باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے۔

(قیام الامام فی المحراب لا سجوده فیه) و قدماه خارجه لان العبرة للقدم (مطلقاً) وان لم یتشبه حال الامام ان علل بالتشبه وان بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه فی نفی الکراهة.

محراب کے اندر امام کا کھڑا ہونا مطلقاً مکروہ ہے۔ محراب ــ مد امام کا سجدہ کرنا مکروہ نہیں اگر اس کے پاؤں محراب سے باہر ہیں۔ کیونکہ اعتبار قدم کا ہے۔ یہ کراہت مطلقاً ہے اگر چہ کہ امام کا حال اہلِ کتاب سے مشابہ نہ ہو۔ اگر کراہت کی علت تشبہ قرار دیا جائے۔ اور اگر کراہت کی علت دائیں بائیں کھڑے ہوئے مقتدیوں پر امام کی حالت کا مشتبہ ہونا قرار دیا جائے۔ اور اشتباہ موجود نہ ہو تو اب اس صورت میں کراہت کے ختم ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قال فی الولو الجية و غير ها اذالم يضق المسجد بمن خلف الا مام لا ينبغی له ذالک لا نه يشبه تباين المكانين انتهىٰ يعنی: و حقيقة اختلاف المكان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف توجب الكراهة والمحراب و ان كا ن من المسجد فصورته و هيئته اقتضت شبهة الاختلاف الخ (ملخصا)قلت ای لان المحراب انما بنی علامة لمحل قيام الامام ليكون قيامه وسط الصف كماهو السنة لا لان يقوم فی داخله فهو وان كان من بقاع المسجد لكن اشبه مكانا آخر فاورث الكراهة. ولايخفی حسن هذا الكلام فافهم لكن تقدم ان التشبه انما يكره فی المذموم و فيما قصد به التشبه لا مطلقا لعل هذا من المذموم تامل هذا و فی حاشية البحر للرملی الذی يظهر من كلامهم انما كراهة تنزيه الخ. الواجیہ وغیرہ میں کہا۔ ''مقتدیوں کی کثرت سے اگر مسجد تنگ نہ ہو رہی تو امام کے لئے ایسا کرنا یعنی محراب میں کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس میں دو مختلف مکان ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔''............مطلب یہ ہے کہ اختلاف مکان اگر حقیقت ہو جائے تو یہ نماز کے جواز کو روک دیگا۔ لیکن چونکہ اختلاف مکان حقیقت نہیں، بلکہ شبہ کی منزل میں ہے۔ اس لئے کراہت کا موجب بن رہا ہے۔

میرا کہنا یہ ہے ''محراب کی تعمیر کا بنیادی مقصد تو یہ ہیکہ یہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کی علامت بن جائے، تا کہ امام صف کے بیچوں بیچ کھڑا ہو۔ یہی سنت بھی ہے۔ محراب اس لئے تو نہیں بنایا گیا کہ امام اس کے اندر داخل ہو۔ خلاصہ یہ کہ محراب اگر چہ کہ مسجد ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن ایک دوسرے مکان کے مشابہ ضرور ہے۔ لہذا کراہت پیدا کر دیا۔ اس کلام کا حسن خوب ظاہر ہے۔ اسے سمجھو۔ لیکن اوپر گزرا کہ تشبہِ اہل کتاب اگر مکروہ ہے تو ''امر مذموم'' ہی میں مکروہ ہے۔ نیز اس وقت مذموم ہے جب تشبہ کا قصد کیا جائے۔ مطلقاً مذموم نہیں ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ، یعنی امام کا محراب میں کھڑا ہونا مذموم میں سے ہے۔ خوب غور کرو۔ خیر الرملی کے حاشیہ بحر الرائق میں ہے۔

''علماء کے کلام سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔''

جب یہ مسئلہ مدلل طریقہ پر واضح ہو گیا تو ان ہی علتوں کے پائے جانے کی بناء پر امام کا تنہا دالان یا دالان کے پیچھے

کے اندر یا ٹین کی چھت یا برآمدے یا کسی دوسری قسم کی چھتوں کے اندر بطریق مذکور کھڑا ہونا اور جملہ مقتدیوں کا باہر کھڑا ہونا بلاشبہ مکروہ قرار پائے گا، اس لئے کہ ان صورتوں میں بھی امام کا مقتدی کی بہ نسبت ایک ممتاز مکان میں کھڑا ہونا پایا جاتا ہے، جو اہل کتاب کا خاص نشان مذموم وشعار قبیح ہے، اور ہمیں اس سے روکا گیا ہے، اور ایسے امر میں ان سے تشبہ مکروہ ہے، نیز جب مسجد ومحراب مسجد حکماً وصورتاً دو مکان قرار دیئے گئے تو مکان مسقف (چھت والا مکان) وغیر مسقف بطریق اولیٰ دو مکان حکماً وصورتاً قرار پائیں گے اور جب اس صورت میں نماز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے تو اس صورت میں بھی بطریق اولیٰ نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، جو نماز بکراہت تحریمیہ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب اور جو بکراہت تنزیہیہ ادا کی جائے اس کا اعادہ مستحب ہے۔ **كذافي الهداية** لہٰذا کراہت کی مذکورہ صورتوں میں جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ مستحب ہے۔ **والله تعالىٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۵۹: عام طریقہ پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مساجد میں صرف امام دو دروں کے درمیان بیچ والے دروازے میں یا کسی دروازے میں یا امام تنہا دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی سب کے سب باہر کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی رائج ہے کہ امام تنہا مسجد کے دالان یا دالان کے چھجے کے اندر کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی سب کے سب دالان یا اس کے چھجے کے باہر کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض مساجد میں دالان کی بجائے لوہے کی چادروں کی چھت یا سیمنٹ کی چھت ستونوں پر قائم کی جاتی ہے۔ امام تنہا ان ستونوں کے درمیان یا ان چھتوں کے اندر کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی سب باہر۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان صورتوں میں نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں، اگر مکروہ ہوتی ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

مسئولہ.........

الجواب: مسجد کے دو دروازوں کے درمیان بیچ والے دروازے میں یا مسجد کے کسی دروازہ میں یا دو ستون کے درمیان تنہا امام کا اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے دونوں قدم دروازوں اور ستونوں کے اندر ہوں، مکروہ تنزیہی ہے، خواہ وہ دروازے یا ستون اینٹ کے ہوں یا لکڑی کے یا لوہے یا پتھر وغیرہ کے ہوں۔ اس کا جزئیہ کتب فقہیہ میں مسطور ہے۔ ردالمحتار جلد اول ص ۴۲۰ میں معراج الدرایہ اور مبسوط میں البحر کے حوالہ سے منقول ہے۔

> والا صح ماروى عن ابى حنيفة انه قال اكره للامام ان يقوم بين الساريتين اوفى زاوية اوفى ناحية المسجد، اوالىٰ سارية، لانه خلاف عمل الامة. صحیح تر وہی ہے جو حضرت ابوحنیفہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا "میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ امام دو ستون کے بیچ، یا کسی گوشے میں یا مسجد کے کسی کنارے یا کسی ستون کے نیچے کھڑا ہو۔ کیونکہ یہ امت کے عمل کے برخلاف ہے۔

اسی کے ص ۴۲۸ میں ہے۔

> في معراج الدرايه من باب الامة الا صح ماروى عن ابى حنيفة انه قال اكره للامام ان يقوم بين الساريتين اوفى زاوية اوفى ناحية المسجد اوالىٰ سارية لانه خلاف عمل الامة.

اور امام کا تنہا دالان یا دالان کے چھجے کے اندر یا کسی قسم کی چھت کے اندر طریقہ مذکور پر کھڑا ہونا اور تمام مقتدیوں کا

باہر کھڑا ہونا یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ مسئلہ بالتصریح کتب فقہیہ میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ **لکن سمعت مرارا من سیدی و سندی و أستاذی استاذالعلماء فخر الکملاً بدر الاماثل صدر الافاضل العلامہ السید نعیم الدین المرادآبادی قدس سرہ العزیز.**

اب سوال آنے پر کتب فقہیہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اس فقہی جزئیہ سے مستنبط ہوتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ تنہا امام کا بتمامہ محراب مسجد میں اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے دونوں قدم محراب کے اندر ہوں، مکروہ تنزیہی ہے، اس لئے کہ اس صورت میں امام کا بہ نسبت تمام مقتدیوں کے ایک ایسے ممتاز مقام میں، یعنی محراب میں کھڑا ہونا پایا جاتا ہے، جو شرعا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے مکان کے مشابہ یا دوسرے مکان کے حکم میں ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت محراب مسجد، مسجد ہی ہے، اور یہ اہلِ کتاب کا خاص نشانِ مذموم وشعارِ قبیح ہے۔ امرِ مذموم میں ان کی مشابہت سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ کراہت کی یہ علت اکثر فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیان فرمائی، اسی کو راجح ومختار اوراوجہ بتایا۔

بعض فقہاء نے کراہت کی علت یہ بیان فرمائی کہ امام کے اس طرح کے قیام میں امام کا حال مقتدیوں پر جو دائیں بائیں طرف صف میں ہوتے ہیں، مشتبہ ومشکوک ہوتا ہے، لیکن علامہ ابن نجیم مصری صاحب بحرالرائق شرح کنزالدقائق نے فرمایا کہ جامع صغیر جو کتب ظاہرالروایہ میں سے ہے، اس میں اس طرح کے قیام کو بغیر کسی تفصیل کے مطلقاً مکروہ بتایا گیا ہے۔ نیز دوسری علت کارد بھی فرمایا، اسی بحث میں فتاویٰ ولوالجیہ وغیرھا سے نقل فرمایا اور علامہ شامی نے اسے بغیر رد وقدح کے مقرر رکھا کہ اگر امام ومقتدی دونوں کے مکان قیام فی الحقیقت متبائن اور جدا ہوں تو نماز جائز نہیں ہوئی اور اگر دونوں کے مکان قیام حکماً وصورۃً مختلف ہوں، یعنی دو مکانوں کے مشابہ ہوں تو نماز مکروہ ہوگی۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۷۷ باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے۔

(قیام الامام فی المحراب لا سجوده فیه) و قدماه خارجه لان العبرة للقدم (مطلقاً) وان لم یتشبه حال الامام ان علل بالتشبه وان بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه فی نفی الکراهة.

محراب کے اندر امام کا کھڑا ہونا مطلقاً مکروہ ہے۔ محراب کے اندر امام کا سجدہ کرنا وہ نہیں اگر اس کے پاؤں محراب سے باہر ہیں۔ کیونکہ اعتبار قدم کا ہے۔ یہ کراہت مطلقاً ہے اگرچہ کہ امام کا حال اہلِ کتاب سے مشابہ نہ ہو۔ اگر کراہت کی علت تشبہ قرار دیا جائے۔ اور اگر کراہت کی علت دائیں بائیں کھڑے ہوئے مقتدیوں پر امام کی حالت کا مشتبہ ہونا قرار دیا جائے۔ اور اشتباہ موجود نہ ہو تو اب اس صورت میں کراہت کے ختم ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (لان العبرة للقدم) ولهذا تشترط طهارة مکانه روایة واحدة بخلاف مکان السجود اذفیه روایتان و کذالو حلف لا یدخل دارفلان یحنث بوضع القدمین وان کان باقی بدنه خارجها و الصید اذا کان رجلاه فی الحرم و رأسه خارجه فهو صید الحرم ففیه الجزاء.

(بحر) (ان کا قول چونکہ اعتبار قدم کا ہے)۔ اسی لئے پاؤں کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ اس میں ایک ہی روایت ہے۔ بخلاف سجدہ کی جگہ کے، اس لئے کہ اس میں دو روایتیں ہیں۔ اسی طرح اگر قسم کھایا کہ فلاں کے گھر میں نہیں داخل ہوگا تو پاؤں کے گھر میں رکھتے ہی حانث ہو جائیگا۔ اگر چہ اس کا باقی جسم کا حصہ اس کے باہر ہے۔ اسی طرح اگر شکار کا دونوں پاؤں حرم کے اندر ہے تو وہ حرم کا شکار ہی ہے۔ اور اس میں سزا ہے۔

اسی میں ہے۔

قوله (ان علل بالتشبه الخ) قيد للكراهة و حاصله انه صرح محمد في الجامع الصغير بالكراهة ولم يفصل، فاختلف المشائخ في سببها فقيل: كونه يصير ممتازا عنهم في المكان، لان المحراب في معنى بيت اخروذالک صنيع اهل الكتاب، و اقتصر عليه في الهداية واختاره الامام السرخسي و قال انه الا وجه وقيل اشتباه حاله علىٰ من في يمينه ويساره، فعلى الاول يكره مطلقا و على الثاني لايكره عند عدم الاشتباه، وايد الثاني في الفتح بان امتياز الامام في المكان مطلوب و تقدمه واجب ، و غايته اتفاق الملتين في ذلک وارتضاه في الحلية، وايده لكن نازعه في البحر بان مقتضٰى ظاهر الرواية الكراهة مطلقا، و بان امتياز الامام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف في مكان آخر، ولهذا قال في الولوالجية وغيرها اذالم يضق المسجد بمن خلف الامام لاينبغي له ذلک لانه يشبه تباين المكانين انتهىٰ يعني وحقيقة اختلاف المكان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف تُوْجِبُ الكراهة، والمحراب و ان كان من المسجد فصورته وهيئته اقتضت شبهة الاختلاف اه (ملخصا) قلت اى لان المحراب انما بني علامة لمحل قيام الامام ليكون قيامه و سط الصف كماهو السنة لالان يقوم في داخله فهو و انكان من بقاع المسجد لكن اشبه مكانا آخر فاورث الكراهة ولا يخفى حسن هذا الكلام فافهم لكن تقدم ان التشبه انما يكره في المذموم، وفيما قصد به التشبه لامطلقا ولعل هذا من المذموم تامل هذا و في حاشية البحر للرملي الذى يظهر من كلامهم انها كراهة تنزيه تامل اه.

ان کا قول اگر علت ''تشبہ'' قرار دیا جائے۔ یہ کراہت کے لئے قید ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں کراہت کی تصریح تو کی مگر تفصیل نہیں بتایا۔ اس وجہ سے علماء اس کے سبب کے سلسلہ میں مختلف الخیال ہو گئے۔ بعض نے کہا۔ ''اگر امام محراب میں کھڑا ہوگا تو وہ مقتدیوں سے ایک معنی میں ممتاز مقام میں کھڑا ہوگا۔ کیونکہ محراب ایک معنی میں 'دوسرا گھر' ہے۔ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔ ہدایہ میں اسی سبب کے بیان پر اقتصار کیا، اسی کو امام سرخسی نے اختیار کیا اور کہا یہی اوجہ ہے''۔ ایک قول یہ ہے کہ کراہت کی علت

دائیں بائیں کھڑے ہوئے مقتدیوں پر امام کی حالت کا مشکوک ومشتبہ ہو جاتا ہے۔ پہلی علت کی بنیاد پر تو مطلقاً مکروہ ہے اور دوسری کی بنیاد پر اگر اشتباہ نہ ہو تو مکروہ بھی نہیں۔ فتح القدیر کے اندر دوسری علت کی تائید کی گئی ہے، یہ کہتے ہوئے کہ امام کا جگہ کے اعتبار سے ممتاز ہونا شریعت میں مطلوب ہے اور اس کا آگے ہونا واجب ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلے میں ملت اسلام اور ملت اہل کتاب کا اتفاق ہے۔ حلیہ کے اندر اسی کو پسندیدہ کہا اور اس کی تائید کی۔ لیکن بحر الرائق میں اس کے برخلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ظاہر الروایہ کا مقتضیٰ تو مطلقاً کراہت ہے اور امام کا ممتاز مقام پر ہونا جو مطلوب فی الشرع ہے وہ تو آگے ہونے ہی سے حاصل ہو رہا ہے۔ کسی دوسری جگہ میں بغیر کھڑے ہوئے۔ اسی لئے الواجیہ وغیرہ میں کہا۔ ''مقتدیوں کی کثرت سے اگر مسجد تنگ نہ ہو رہی تو امام کے لئے ایسا کرنا یعنی محراب میں کھڑا ہونا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس میں دو مختلف مکان ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔'' .... مطلب یہ ہے کہ اختلاف مکان اگر حقیقت ہو جائے تو یہ نماز کے جواز کو روک دیگا۔ لیکن چونکہ اختلاف مکان حقیقت نہیں، بلکہ شبہ کی منزل میں ہے۔ اس لئے کراہت کا موجب بن رہا ہے۔

میرا کہنا یہ ہے ''محراب کی تعمیر کا بنیادی مقصد تو یہ ہیکہ یہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کی علامت بن جائے، تاکہ امام صف کے بیچوں بیچ کھڑا ہو۔ یہی سنت بھی ہے۔ محراب اس لئے تو نہیں بنایا گیا کہ امام اس کے اندر داخل ہو۔ خلاصہ یہ کہ محراب اگرچہ کہ مسجد ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن ایک دوسرے مکان کے مشابہ ضرور ہے۔ لہذا کراہت پیدا کر دیا۔ اس کلام کا حسن خوب ظاہر ہے۔ اسے سمجھو۔ لیکن اوپر گزرا کہ تشبہ اہل کتاب اگر مکروہ ہے تو ''امر مذموم'' ہی میں مکروہ ہے۔ نیز اس وقت مذموم ہے جب تشبہ کا قصد کیا جائے۔ مطلقاً مذموم نہیں ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ، یعنی امام کا محراب میں کھڑا ہونا مذموم میں سے ہے۔ خوب غور کرو۔ خیر الرملی کے حاشیہ بحر الرائق میں ہے۔

''علماء کے کلام سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔''

مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۷ میں ہے۔

(و)یکره(قیام الامام) بجملته (فی المحراب) لا قیامه خارجه، و سجوده فیه و الکراهة لا شتباه الحال علی القوم، و اذا ضاق المکان فلا کراهة. امام کا اپنے مکمل جسم کے ساتھ محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اگر ''قیام'' محراب کے باہر ہے۔ اور ''سجدہ'' محراب کے اندر ہے تو کراہت نہیں۔ کراہت کا سبب امام کا حال مقتدیوں پر مشتبہ ومشکوک ہونا ہے۔ اور اگر جگہ تنگ ہے تو محراب کے اندر بھی کھڑے ہونے میں کراہت نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (لا شتباه الحال علی القوم) فان انتفی الاشتباه انتفت الکراهة وهذا التعلیل

لجماعة منهم الفقيه ابو جعفر الهندواني وذهب الا كثر الیٰ ان العلة التشبه باهل الكتاب لا نهم يخصون امامهم بمكان واحد و التشبه بهم مكروه . ان کا قول (سبب کراہت قوم پر امام کے حال کا مشتبہ ہونا ہے) لہٰذا اگر اشتباہ ختم ہو جائے تو کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ تعلیل فقہاء کی جماعت نے کی ہے۔ جس میں فقیہ ابوجعفر ہندوانی ہیں۔ اکثر حضرات اس نظریہ کی طرف گئے ہیں کہ علت اہل کتاب سے تشبہ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے امام کیلئے ایک جگہ مخصوص کرتے تھے اور اہل کتاب سے تشبہ مکروہ ہے۔

غنیۃ المستملی ص ۳۴۷ و ۳۴۸ میں ہے۔

(ولا باس بان يكون مقام الامام) اى موضع قيامه و محل قدميه (فى المسجد) اى خارج المحراب (و يكون سجوده في الطاق) اى فى المحراب لان العبرة لموضع القدم كمافي الصيد اذاكان رجلاه في الحرم وراسه خارجه فهو صيد الحرم و بالعكس لا (ويكره ان يقوم فى الطاق) بان يكون قدماه فى المحراب و عللوا الكرا هة بوجهين احد هما التشبيه باهل الكتاب فى امتياز الامام عن القوم بمكان مخصوص و الآخرانه يشتبه حاله علیٰ من عن يمينه اويساره فعلیٰ هٰذا لو كان بجنبى الطاق عمودان وراء همافرجتان بحيث يطلع اهل الجهتين علیٰ حاله لايكره و علیٰ الاول يكره مطلقا قال السروجى هذا هوالاوجه يعنى الكراهة فى الوجهين قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام ولا يخفیٰ ان امتياز الامام مقرر مطلوب فى الشرع فى حق المكان حتى كان التقدم واجبا عليه وغاية ماهناک كونه فى خصوص مكان ولااثرلذالک فانه بُنِیَ فى المساجد المحاريب من لدن رسول اللهﷺصلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولو لم تبن كانت السنة ان يتقدم فى محاذات ذالک المكان لانه يحاذى وسط الصف وهو المطلوب اذقيامه فى غير محاذاته مكروه و غايته اتفاق الملتين فى بعض الاحكام ولابدع فيه علیٰ ان اهل الكتاب انما يخصون الامام بالمكان المرتفع علیٰ ماقيل فلاتشبه انتهى. ولقائل ان يقول لايلزم من تخصيص الامام بالتقدم تخصيصه بالمكان عليحدة لامكانه مع اتحاد المكان فان المسجد كله مكان واحد فلايكون فى شرعية التقديم دليل على شرعية تخصيص الامام بمكان على الوجه الذى خصصه اهل الكتاب فلم يعلم كون الملتين متفقتين علیٰ هذا الحكم بدليل شرعي فكان تشبها بهم وهو مكروه نعم يرد ما طعن به بعضهم على ابى حنيفة بانه لم يجعل المحراب من المسجد و اجاب فى الحواشى بان المرادمن المسجد هنا موضع سجود الناس و مصلاهم والطاق ليس بمسجد بهذا الاعتبار

انتھی. (اس میں کوئی حرج نہیں کہ امام کے کھڑے ہونے اور اس کے قدم کی جگہ مسجد میں ہو اور سجدہ محراب کے اندر ہو۔ کیونکہ اعتبار پاؤں کے رکھنے کی جگہ کا ہے۔ جس طرح شکار کے معاملہ میں اگر جانور کے دونوں پاؤں حرم کے اندر ہیں اور سر خارج حرم تو وہ حرم کا شکار ہے۔ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو وہ حرم کا شکار نہیں ہوگا۔ (محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے) مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں محراب کے اندر ہوں۔ علماء نے کراہت کی علت دو طریقے سے بیان کی ہے۔ (۱) اگر قوم سے امام مخصوص جگہ میں ہو کر ممتاز ہے تو اس کے اندر اہل کتاب سے تشبہ ہے۔ (۲) امام کا حال اپنے دائیں بائیں والوں پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر اگر محراب کے دونوں گوشوں میں دو پائے ہوں جن کے پیچھے دو سوراخ ہوں اس طرح کہ دونوں جہت والے امام کے حال پر مطلع ہو جاتے ہوں۔ تو کوئی کراہت نہیں۔ پہلی صورت پر مطلقاً کراہت ہے۔ امام سروجی نے کہا ''دونوں صورتوں میں کراہت ہی اوجہ ہے۔'' شیخ کمال الدین ابن ہمام نے کہا۔ ''اس میں کوئی خفا نہیں کہ جہاں تک جگہ کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں امام کا امتیاز مقرر مطلوب فی الشرع ہے۔ یہاں تک کہ اس کا آگے ہونا واجب ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہاں یہ ہے کہ امام کی جگہ کو مقتدی کے مقابلہ میں ایک خصوصیت ہے جس کا کوئی خاص اثر نہیں۔ مساجد میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے محراب بنانے کا رواج ہے اور اگر نہیں بنایا جاتا تو سنت یہ ہوتی کہ امام اس مقام کے بالمقابل آگے ہو۔ کیونکہ یہ صف کے بیچوں بیچ کے سامنے ہے۔ اور یہی مطلوب ہے۔ کیونکہ امام کا وسط صف کے بالکل سامنے نہ کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بعض احکام میں دونوں ملتوں (اہل اسلام و اہل کتاب) کا اتفاق ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی انوکھا پن نہیں۔ اس لئے کہ اہل کتاب اپنے امام کے لئے اونچی جگہ مخصوص کرتے تھے لہٰذا تشبہ نہیں۔ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ امام کیلئے آگے جگہ مخصوص کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے لئے علٰحدہ مکان مخصوص ہو گیا۔ اس لئے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اتحاد مکان بھی ہو اور امام کے لئے جگہ کی تخصیص بھی ہو جائے...... کیونکہ پوری مسجد ایک مکان ہے لہٰذا امام کو آگے کرنے کا مشروع ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ امام کے لئے اس طریقہ پر جگہ مخصوص کی جا رہی ہے، جیسے اہل کتاب اپنے امام کے لئے جگہ مخصوص کرتے تھے۔ کیونکہ دونوں ملتوں کا اس حکم پر متفق ہونا دلیل شرعی سے معلوم نہ ہو سکا جس کی بنیاد پر ان سے تشبہ ہو جو مکروہ ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے محراب کو مسجد کا حصہ قرار نہیں دیا۔ حواشی کے اندر اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مسجد سے یہاں مراد لوگوں کے سجدے اور خاص نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور محراب اس اعتبار سے مسجد نہیں۔

جب یہ مسئلہ مدلل طریقہ پر واضح ہو گیا تو ان ہی علتوں کے پائے جانے کی بناء پر امام کا تنہا دالان یا دالان کے پیچھے کے اندر یا کسی دوسری چھت کے اندر کھڑا ہونا اور جملہ مقتدیوں کا باہر کھڑا ہونا بلا شبہ مکروہ قرار پائے گا، اس لئے کہ ان صورتوں میں بھی امام کا مقتدی کی بہ نسبت ایک ممتاز مکان میں کھڑا ہونا پایا جاتا ہے، جو اہلِ کتاب کا خاص نشان مذموم و

شعار قبیح ہے اور ہمیں اس سے روکا گیا ہے اور ایسے امر میں ان سے تشبہ مکروہ ہے، نیز جب مسجد و محراب مسجد حکماً و صورتاً دو مکان قرار دیئے گئے تو مکان مسقّف (چھت والا مکان) اور مکان غیر مسقّف دونوں بطریق اولیٰ دو مکان حکماً و صورۃً قرار پائیں گے اور جب اس صورت میں نماز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے، تو اس صورت میں بھی بطریق اولیٰ نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ جن تمام صورتوں میں کراہت کا حکم ذکر کیا گیا، ان میں اگر امام کے دونوں قدم دروں اور ستونوں اور محراب اور مکان مسقّف (چھت والا مکان) اور مکانِ غیر مسقّف دونوں بطریق اولیٰ دو مکان حکماً و صورۃً قرار پائینگے اور جب اس صورت میں نماز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے تو اس صورت میں بھی طریق اولیٰ نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ جن تمام صورتوں میں کراہت کا حکم ذکر کیا گیا، ان میں اگر امام کے دونوں قدم دروں اور ستونوں اور محراب اور مکانِ مسقّف کے باہر ہوں اور امام کا سجدہ دروں و ستونوں کے درمیان میں ہو یا محراب اور مکانِ مسقّف کے اندر ہو تو نماز میں کوئی کراہت نہیں ہوگی۔ **فان العبرة للقدمین کما مر فی العبارات المنقولة**۔ نیز جب جگہ کی تنگی ہو جیسا کہ عیدین کے موقعہ پر اکثر دیکھا جاتا ہے، ایسی صورت میں اگر امام بتمامہ تنہا محراب میں کھڑا ہو اور تمام مقتدی محراب کے باہر تو بھی نماز مکروہ نہیں ہوگی۔ **کما سبقت العبارات**۔ جو نماز بکراہت تحریمیہ ادا کی جائے، اس کا اعادہ واجب ہے اور جو نماز بکراہت تنزیہہ ادا کی جائے اس کا اعادہ مستحب ہے۔ **کذافی الهداية**۔ لہٰذا کراہت کی مذکورہ صورتوں میں جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا اعادہ مستحب ہے۔ **هذا ما عندی والله سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه اعز اسمه اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۶۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا لینٹر مسجد کی بنیاد سے تین فٹ باہر نکلا ہوا ہے، کیا اس کے اندر نماز ہوگی؟

مسئولہ شبیر حسین، محلہ عیدگاہ نئی آبادی، مرادآباد، ۲۵ / ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ جمعہ

الجواب: امام کا تنہا لنٹر کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے، چونکہ یہ دو مختلف مقام کے مشابہ ہیں۔ اور دو مختلف مقام یا دو مختلف مقام کے مشابہ میں تنہا امام کا کھڑا ہونا نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے۔ کراہت سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ امام لینٹل کے باہر کھڑا ہو، اس طرح کہ اس کے دونوں قدم خارج لینٹل رہیں، سجدہ لینٹل کے اندر ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ اعتبار قدم کا ہے، سوال میں مطلقاً نماز کا تذکرہ کیا گیا ہے، حالانکہ مجھ سے زبانی طور پر امام و مقتدی کے متعلق دریافت کیا گیا تھا کہ تنہا امام لینٹل کے اندر کھڑا ہو اور مقتدی سب لینٹل کے باہر ہوں، تو نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں۔ لہٰذا میں نے سوال مندرجہ بالا کو زبانی سوال سے مطابق کرنے کے لئے یہ جواب لکھا۔ غنیۃ المستملی ص ۳۴۷ و ۳۴۸ میں ہے۔

> (ولا باس بان یکون مقام الامام) ای موضع قیامه و محل قدمیه (فی المسجد) ای خارج المحراب (و یکون سجوده فی الطاق) ای فی المحراب لان العبرة لموضع القدم کمافی الصید اذاکان رجلاه فی الحرم ورأسه خارجه فهو صید الحرم و بالعکس لا (ویکره ان یقوم فی الطاق) بان یکون قدماه فی المحراب و عللوا الکراهة بوجهین احدهما التشبه باهل الکتاب فی امتیاز الامام عن القوم بمکان مخصوص و الآخرانه یشتبه

حالہ علیٰ من عن یمینہ اویسارہ فعلیٰ ھذٰ الو کان بجنبی الطاق عمودان وراء ھما فرجتان بحیث یطلع اھل الجھتین علیٰ حالہ لایکرہ و علیٰ الاول یکرہ مطلقا قال السرخسی ھذا ھوالاوجہ یعنی الکراھۃ فی الوجھین ۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ امام کے کھڑے ہونے اوراس کے قدم کی جگہ مسجد میں ہواور سجدہ محراب کے اندر ہو۔ کیونکہ اعتبار پاؤں کے رکھنے کی جگہ کا ہے۔ جس طرح شکار کے معاملہ میں اگر جانور کے دونوں پاؤں حرم کے اندر ہیں اور سر خارج حرم تو وہ حرم کا شکار ہے۔ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو وہ حرم کا شکار نہیں ہوگا۔ (محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے) مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں محراب کے اندر ہوں۔ علماء نے کراہت کی علت دو طریقے سے بیان کی ہے۔ (۱) اگر قوم سے امام مخصوص جگہ میں ہو کر ممتاز ہے تو اس کے اندر اہل کتاب سے تشبہ ہے۔ (۲) امام کا حال اپنے دائیں بائیں والوں پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اس بنیاد پر اگر محراب کے دونوں گوشوں میں دو پائے ہوں جن کے پیچھے دو سوراخ ہوں اس طرح کہ دونوں جہت والے امام کے حال پر مطلع ہو جاتے ہوں۔ تو کوئی کراہت نہیں۔ پہلی صورت پر مطلقاً کراہت ہے۔ امام سرو جی نے کہا "دونوں صورتوں میں کراہت ہی اوجہ ہے۔"

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۶۱: کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو مرض برص یعنی سفید داغ میں مبتلا ہے، کیا ایسے شخص کو شرعی حیثیت سے مسجد سے روکا جاسکتا ہے اور قانون گورنمنٹ شخص مذکور کے روکنے میں مزاحم تو نہ ہوگا، مفصل و مشرح بیان فرمایئے گا؟

مسئولہ عبدالواجد خان، چندوسی، ۱۰ / جون ۱۹۶۰ء

الجواب: جس شخص کو مرض برص ظاہر و باہر طریقہ سے ہو اس کے پیچھے اس کی امامت میں نماز پڑھنے کو مکروہ تنزیہی بتایا گیا ہے اور اس کراہت کی علت نفرت قرار دی گئی ہے کہ عام نمازی ایسے شخص کے پیچھے یا بغل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نفرت کرتے ہیں اور نفرت کی بنا پر اگر ظاہر برص والے کو جماعت کے اوقات میں آنے سے نہ روکا جائے تو جماعت میں کمی ہونے کا ظن غالب ہو، تو ایسی صورت میں صرف اوقات جماعت میں ظاہر برص کے مریض کو آنے سے شرعاً روکا جاسکتا ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۱۵ میں ہے۔

و کذا تکرہ خلف امرد و سفیہ و مفلوج و ابرص شاع برصہ. اسی طرح امرد، کمینہ، مفلوج اور سفید داغ والے کے پیچھے مکروہ ہے۔ یعنی جس کا داغ پھیل گیا ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ (وکذا تکرہ خلف امرد) الظاھر انھا تنزیھیۃ ایضاً (الیٰ ان قال) و کذا اجذم بر جندی و مجبوب و حاقن و من لہ ید واحدۃ، فتاویٰ الصوفیہ عن التحفۃ و الظاھر ان العلۃ النفرۃ لذا قید الامراض بالشیوع لیکون ظاھراً.

قانون گورنمنٹ شخص مذکور کے روکنے میں حراحم ہوگا یا نہیں ہوگا، اس کو کسی قابل مسلمان وکیل سے دریافت کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی جذامی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے، اس کا آنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بنا پر مسجد میں نماز علیحدہ علیحدہ ہورہی ہے، کیا یہ جائز ہے؟

مسئولہ مولانا شوکت حسین، موضع گریرڈاکخانہ خاص، مرادآباد

الجواب: اگر جذامی آدمی کے مسجد میں آنے اور جماعت میں شامل ہونے سے عام مسلمانوں اور نمازیوں کو تکلیف و ایذا ہوتی ہے، اور نفرت کے سبب جماعت میں کمی واقع ہوتی ہے، لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنے لگیں تو ایسی صورت میں جذامی کو مسجد میں آنے سے روک دیا جائے تاکہ عام مسلمان اس کی ایذا رسانی سے مامون و محفوظ رہیں اور جماعتِ مسلمین میں تفریق و تقلیل نہ واقع ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۶۳: جماعت ہورہی ہے، اگلی جماعت میں جگہ نہیں۔ مقتدی اکیلا پچھلی جماعت میں رہ گیا۔ ایک رکعت اس نے اکیلے پڑھ لی۔ دوسری رکعت میں اور مقتدی آگئے نماز ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ منشی علی حسین وغیرہ، پھولپور، ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ سہ شنبہ

الجواب: اس صورت میں شخص مذکور کی نماز صحیح و درست بغیر کراہت ہوگئی، نماز میں کوئی خرابی یا نقصان نہیں ہوگا، یہ نماز تن ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل المسبوق (مسبوق کا بیان)

مسئلہ ۳۶۴: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ زید مسبوق نے سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دیا فوراً یاد آتے ہی کھڑا ہوگیا اور اپنی باقی نماز اس نے بغیر سجدہ سہو کئے ادا کرلی۔ کیا اس صورت میں اس پر امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دینے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ تھا اور اس کی نماز صحیح ہوئی یا واجب الاعادہ ہے، بحوالہ کتب جواب دیں؟

مسئولہ لیاقت حسین، کاٹھ دروازہ، مرادآباد، ۲۸ رفروری ۱۹۵۵ء

الجواب: صورت مسئولہ میں زید کی نماز صحیح ادا ہوئی اس نماز کا اعادہ واجب نہیں، نہ زید پر اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔ مراقی الفلاح مصری باب سجود السہو بیان مسئلہ مسبوق ص ۲۷۹ میں ہے۔

> وان سلم مع الامام مقارناً له او قبله، ساهيا فلاسهو عليه لا نه في حال اقتدائه. اگر بھول کر امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیر دیا، یا اس سے پہلے تو اس پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حالت اقتداء ہی میں ہے۔

ردالمحتار جلد اول ص ۵۴۹ میں ہے۔

> فاذا سلم الامام قام الى القضاء، فان سلم فان كان عامدا فسدت، والا، لا، ولا سجود عليه ان سلم سهوا قبل الامام، او معه، وان سلم بعده لزمه، لكونه منفرداً حينئذ. امام جب

سلام پھیرے تو چھوٹی ہوئی رکعتوں کی قضاء کیلئے کھڑا ہو، اگر سلام پھیر دیا اور یہ عمل جان بوجھ کر کیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ اور بھول کر کیا تو سجدۂ سہو بھی نہیں، بشرطیکہ امام کے ساتھ یا اس سے پہلے سلام پھیرا۔ اور اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی نے سلام پھیرا تو سجدہ سہو لازم ہے، کیونکہ اب وہ مقتدی نہیں رہا بلکہ تنہا نماز ادا کرنے والا ہوگیا۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ اگر کوئی مسبوق ظہر کی نماز میں جماعت میں اس طرح شامل ہوا کہ اس کو امام کے ساتھ آخر کی رکعت ہاتھ آئی تو اب بعد سلام کے اپنی وہ بقیہ نماز کس طرح ادا کرے، اس بات کی تشریح اچھی طرح فرمائی جائے کہ امام کے ساتھ کی رکعت پُر مانی جائے گی، یا خالی اور اگر پُر مانی جائے گی، تو اپنی قراءت والی رکعتیں کون سی مخصوص کرے؟

مسئولہ سید انتظار علی، موضع سرکڑہ خاص

الجواب: جس کو امام کے ساتھ نماز ظہر میں صرف اخیر کی ایک رکعت ملی تو وہ ایک رکعت خالی مانی جائے گی۔ امام کے سلام کے بعد مسبوق کھڑا ہو کر پورا سبحانک آخر تک پھر اعوذ باللہ پھر بسم اللہ پورا پورا پڑھکر سورہ فاتحہ بعدہ کوئی سورہ یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ملا کے پھر رکوع اور قومہ اور دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر بقدر تشہد بیٹھے اور پوری التحیات پڑھے، پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ملائے۔ پھر رکوع اور قومہ اور دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر بقدر تشہد بیٹھے اور پوری التحیات پڑھے، پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت سورۃ فاتحہ اور دوسری سورۃ یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ملا کر ادا کرے، پھر ایک رکعت صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر ادا کرے پھر قعدہ میں تشہد وغیرہ پڑھ کر حسب معمول نماز تمام کرے اور سلام پھیرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جماعت میں ایسے موقع پر آکر شریک ہوا کہ امام رکوع میں تھا تو کیا اس شخص کے لئے جائز ہے کہ تکبیر کہتا ہوا بغیر ہاتھ باندھے ہوئے امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے؟

مسئولہ حافظ محمود، محلہ لال باغ، مراد آباد، ۵ر فروری ۱۹۵۸ء

الجواب: شخص مذکور صورت مسئولہ میں حالت قیام میں تکبیر تحریمہ پوری کر کے رکوع میں شریک ہو جائے۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں، چونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے، اور اس کا حالتِ قیام ہی میں ہونا ضروری ہے اور ہاتھ باندھنا اور پھر ہاتھ باندھ کر رکوع کے لئے تکبیرِ انتقال کا ادا کرنا مسنون ہے، فرض نہیں۔ بظاہر امر مسنون کے ادا کرنے سے رکعت فوت ہو جائیگی۔ اسی لئے بغیر ہاتھ باندھے ہی رکوع میں شامل ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوال میں کہ ہمارے محلہ ڈیریا کی میدان والی مسجد جس کے اندر کے حصے میں صرف دو ہی صف قائم ہو سکتی ہے، اور اس میں تین دروازے لگے ہوئے ہیں، جب جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، اور پہلی صف پوری ہونے کے بعد دوسری قطار ٹھیک امام صاحب کے پیچھے درمیان صف سے

شروع کرتے ہیں تو چار پانچ آدمی کے کھڑے ہونے کے بعد بیچ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور دونوں جانب کے دروازے بھی بند رہتے ہیں، گویا اندر کی دوسری صف میں جگہ رہنے کے باوجود کوئی دوسرا شخص اس وقت تک اندر داخل نہیں ہو سکتا ہے، جب تک کہ دوسری قطار والے حالت سجدہ یا حالت قعود میں نہ پہنچ جائیں۔ اب اگر بعد میں آنے والا شخص سجدہ یا قعدہ کا انتظار کرتا ہے تو رکعت جان بوجھ کر چھوڑنی پڑتی ہے، اور اگر باہر برآمدہ کی صف میں دو چار آدمی مل کر یا تنہا ہی صف قائم کر لیتے ہیں تو اندر کی جگہ خالی رہتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں کونسا طریقہ اختیار کیا جائے، جو احسن ہو۔

یہ مسئلہ امام صاحب سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ دروازوں کو کم از کم دوسری صف قائم ہونے سے پہلے کھول دیا جائے تا کہ ہر شخص آنے والا بآسانی جماعت میں شامل ہو سکے، اور اگر دروازوں کو کھولنا لوگ بھول جائیں یا سردی کی وجہ سے نہ کھولیں تو ایسی شکل میں جماعت میں شریک ہونے کا احسن طریقہ قبلہ مفتی صاحب جامعہ نعیمیہ سے دریافت کیا جائے، لیکن ایک شخص کہتا ہے، مندرجہ بالا صورت میں رکعت کو جان بوجھ کر نہ چھوڑے، بلکہ اندر کی صف ثانی کی باقی ماندہ جگہ چھوڑ کر باہر ہی دو چار آدمی مل کر یا صرف تنہا تیسری صف قائم کرے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ نہیں یہ غلط ہے۔ بلکہ رکعت چھوڑ کر حالتِ سجدہ یا حالت قعدہ میں اندر جا کر خالی جگہوں کو پُر کرے، تیسرا شخص کہتا ہے کہ تم غلط کہتے ہو، بلکہ دوسری صف دروازہ بند ہونے کی صورت میں جب قائم کی جائے تو بجائے امام کے پیچھے درمیان صف کے داہنے جانب کے کنارے سے مقتدی کو کھڑا ہونا چاہئے۔ لہٰذا اب اس مسئلہ کو آپ حل کر سکتے ہیں؟

مسئولہ حافظ طہور حسین صاحب، محلّہ ڈیریا، مراد آباد، یکم محرم الحرام ۱۳۸۸ھ شنبہ

الجواب: شریعت طاہرہ کا حکم ہے کہ جماعت قائم ہونے کے بعد جو شخص آئے تو امام و مقتدی جس حال میں ہوں، اسی حال میں، اسی وقت، وہ بعد میں آنے والا شخص شریک جماعت ہو جائے، مثلاً امام و مقتدی رکوع کے بعد قومہ میں ہوں تو وہ قومہ ہی میں شریک ہو جائے اور سجدہ میں ہوں تو وہ سجدہ ہی میں شامل ہو جائے: قعدہ میں ہوں تو قعدہ ہی میں مل جائے۔ وہ انتظار نہ کرے کہ میری یہ رکعت جاتی رہی۔ تو اب آئندہ رکعت میں شریک ہو جاؤں گا۔ یہی مسنون و محبوب ہے کہ جس حالت میں جماعت والے ہوں اسی حال میں نیت کر کے شریک جماعت ہو جائے، پھر رکعت کو چھوڑنا جب کہ رکعت مل رہی ہو تو بلا شبہ قبیح و مذموم۔ اسی طرح یہ بھی مسنون و مستحب ہے کہ صفِ اول میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف قائم نہ کرے اور صف ثانی میں جگہ ہوتے ہوئے تیسری صف قائم نہ کرے۔ صف کو بھرنے اور پورا کرنے کی تاکید حدیث میں آئی ہے۔ نیز ہر صف کے قیام کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ پہلے امام کے مقابلہ میں پیچھے ایک شخص کھڑا ہو پھر دوسرا شخص اس کی داہنی جانب پھر تیسرا شخص اس کی بائیں جانب پھر چوتھا شخص دوسرے کی داہنی جانب پھر پانچواں شخص تیسرے کی بائیں جانب کھڑا ہو۔ اسی ترتیب سے ہر صف قائم کی جائے، کسی سنت کو نہ چھوڑے سب پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا ان تمام سنتوں پر عمل پیرا اور کار بند ہونے کے لئے صورت مسئولہ میں یہی بہتر ہے کہ پابندی کے ساتھ ہر موسم میں اذان کے بعد قیام جماعت سے پہلے دونوں کناروں کے دروازوں کی کنڈیاں اندر سے کھول دی جائیں تا کہ صورت مسئولہ میں بعد میں آنے والے نمازی کو دوسری صف کی دائیں جانب اور بائیں جانب میں شریک جماعت ہونے لے

لئے کوئی دقت و دشواری نہ ہو، اور کوئی سنت بھی نہ چھوٹنے پائے، جو نمازی بعد میں آئے وہ بیچ کے دروازہ سے دیکھ لے کہ دوسری صف میں جس جانب بھی گنجائش ہو اسی جانب کے دروازے کو کھول کر مسنون طریقہ کا لحاظ کر کے شریک جماعت ہو جائے اور موسم سرما میں اگر کبھی دروازہ کھولنا بھول جائیں تو پھر ایسی مجبوری کی صورت میں باہر کی صف تنہا قائم کر لی جائے۔ اتنا لکھنے سے ظاہر ہو گیا کہ امام صاحب کا قول صحیح ہے اور بھول کر دروازہ بند رہ جانے کی صورت میں پہلے شخص کی بات صحیح ہے۔ چونکہ بعض صورتوں میں تنہا صف قائم کرنے کی اجازت ہے، اور باقی دوسرے اور تیسرے شخص کی بات غیر مناسب ہے، چونکہ موقعہ ملنے کے باوجود رکعت کو چھوڑنا اور جماعت میں شامل نہ ہونا زیادہ قبیح ہے، جس کی اصل نہیں ملتی، تیسرے شخص کے قول پر جب دوسری صف کی ابتداء داہنی جانب سے کی جائے گی، تو پھر بیچ والے دروازہ کے بھر جانے کے بعد بائیں جانب کو جگہ خالی ہی رہیگی، یہ خرابی بھی ظاہر ہے، اس طرح دو سنتوں کا ترک لازم آتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین ان مسائل کے بارے میں (۱): مسجد بڑی ہے بائیں جانب وضو کا انتظام ہے، داہنے طرف صف اول میں جگہ خالی ہے اور امام رکوع میں ہیں، اتنے میں ایک شخص تنہا صف ثانی میں امام کے ساتھ رکوع میں چلا گیا، ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر وہ صف اول میں جاتا ہے تو اس کی رکعت چلی جائے گی؟

(۲): کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ کا ثواب امام کی قراءت شروع ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، زید کہتا ہے کہ نہیں رکوع کے ملنے تک رہتا ہے، بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد سعید الرحمٰن قادری، فتح پور، ضلع مراد آباد، ۴؍ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ۔

الجواب: (۱): شخص مذکور کے لئے ضروری یہ تھا کہ یہ رکعت ملتی یا نہیں پہلی ہی صف میں داہنی جانب جا کر کھڑا ہوتا تا کہ اتمام صف کی سنت ادا ہوتی۔ اس سنت کے چھوڑنے کا شخص مذکور مرتکب ہوا۔ اسکے باوجود اس کی نماز ہو گئی چونکہ یہ عمل مفسد نماز نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): پہلی رکعت کے رکوع میں شریک ہونے سے تکبیر اولیٰ کا ثواب نہ ملنے کا قول معتبر نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۶۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید جماعت کی نماز میں اس وقت شریک ہوا جب کہ امام سجدۂ سہو کرنے کے بعد قعدہ میں بیٹھا ہے، کیا ایسی صورت میں زید کی نماز ہو گی یا نہیں اور اسے جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کسی معتبر حوالہ سے مطمئن فرمائیں؟

مسئولہ علی احمد، محلہ طویلہ، مراد آباد، ۳۰؍ رجنوری ۱۹۷۱ء

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر امام پر فی الواقع سجدہ سہو واجب تھا اور وہ ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کر چکا تھا، تو سجدہ کرنے کے بعد وہ پھر حرمت نماز میں داخل ہو گیا، لہٰذا زید کی اقتداء امام کے پیچھے صحیح اور جائز ہوئی، زید کی نماز بھی ہو گئی، اس کو جماعت کا ثواب ملے گا۔ درمختار مصری جلد اول ص ۵۰۳ میں ہے۔

سلام من علیه سجود سهو یخرجه من الصلوٰة خروجاً موقوفاً ان سجدعاد الیها والا، لا.

سجدۂ سہو والے کا سلام پھیر دینا، اسے نماز سے نکال دیتا ہے۔ یہ خروج موقوفا ہے۔ یعنی اگر اس نے سجدۂ سہو

کرلیا تو دوبارہ نماز میں واپس آ گیا، ورنہ نہیں۔
طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۲۸۳ میں ہے۔

ولو سلم من علیه سجود سهو فاقتدیٰ به غیره صح ان سجد الساهی للسهو لعوده الیٰ حرمة الصلوٰة لان خروجه کان موقو فا۔ سجدۂ سہو والے نے سلام پھیرا بعد میں کوئی اس کا مقتدیٰ بن گیا۔ تو نماز صحیح ہے، بشرطیکہ بھولنے والے نے سجدہ سہو کرلیا ہے۔ کیونکہ اب وہ حرمتِ نماز میں واپس آ گیا۔ سلام پھیرنے سے اس کا خروج حقیقۃً نہیں بلکہ موقوفا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

ترتیب الصفوف (صفوں کی ترتیب)

مسئلہ ۳۷۰: (۱): صفوں کے قائم کرنے کا شرعا کیا طریقہ ہے؟
(۲): صفوں کے سیدھا کرنے میں کن اعضاء کا اعتبار ہوگا، صرف قدم کا یا مونڈھوں کا؟

مسئولہ سید الخیر متعلم، جامعہ نعیمیہ، مراد آباد۔

الجواب: (۱): پانچ شخصوں میں سے پہلے ایک شخص امام کے پیچھے مقابل ہوکر دوسری صف میں کھڑا ہو، پھر دوسرا شخص پہلے کی دائیں جانب کھڑا ہو پھر تیسرا شخص پہلے کی بائیں جانب کھڑا ہو، پھر چوتھا شخص دوسرے کی دائیں جانب کھڑا ہو، پھر پانچواں شخص تیسرے کی بائیں جانب کھڑا ہو اسی طرح پہلی صف اور دوسری صف اور اس کے بعد والی صفیں قائم کی جائیں۔
طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

وکیفیته ان یقف واحد بحذائه، والآخر عن یمینه، ولو جاء واحد وقف عن یسار الاول الذی هو بحذاء الا مام، فیصیر الامام متوسطا، ویقف الرابع عن یمین الواقف الذی هو عن یمین من بحذاء الا مام، والخامس عن یسار الثالث و هکذا. اس کی کیفیت یہ ہیکہ پہلا شخص امام کے پیچھے اس کے مقابل کھڑا ہو۔ دوسرا اس کے دائیں۔ اگر پھر کوئی آ گیا تو اسکے بائیں کھڑا ہو جو امام کے پیچھے کھڑا ہے۔ اس طرح امام بیچ میں آ گیا۔ چوتھا آدمی دوسرے کے دائیں اور پانچواں تیسرے کے بائیں۔ اسی طرح سلسلہ چلے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): جماعت اور صف کے سیدھا کرنے میں مونڈھے کا اعتبار حدیث نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور بعض آثار اور کتب فقہیہ سے ثابت ہے، اور بعض آثار صحابہ میں قدموں کا اعتبار بھی منقول ہے۔ اور بعض حدیث اور کتب دینیہ میں سینہ کا ذکر بھی آیا ہے، لیکن قدموں سے مراد ایڑیاں ہیں۔ لہذا ان تینوں کا لحاظ رکھا جائے تا کہ صف کامل طریقہ پر سیدھی ہوجائے۔
مراقی الفلاح میں ہے۔

قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صفیں سیدھی کرو اور مونڈھوں کو ملاؤ۔

درمختار میں ہے۔

و ینبغی ان یامرھم بان یتراصُّوا و یسدو الخلل و یُسَوُّوا منا کبھم. ضروری ہے کہ حکم دیا جائے کہ ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہوں۔اس طرح کہ بیچ میں جگہ خالی نہ رہے۔اور مونڈھوں کو سیدھا کرلو

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

ویامرھم ایضاًبان یترا صوا،ویسدوا الخلل، و یُسَوُّوا مناکبھم، وصدورھم کما فی الدر. انھیں حکم دیا جائے کہ ایک دوسرے سے خوب ملکر کھڑے ہوں اور خلاء نہ رہے۔اور مونڈھوں اور سینوں کو سیدھا کرلیں۔

اسی میں ہے۔

ورد کان احدنایلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه. ہم میں سے ہرایک اپنے مونڈھےاور قدم کودوسرے کے قدم سے ملاتا تھا۔

ردالمحتار میں ہے۔

ومعنی المحاذاۃ بالقدم المحاذاۃ بعقبه. قدم سے قدم ملانے کا مطلب ایڑی سے ایڑی کوملانا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۷۱: ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ نماز مغرب میں تین مقتدی ہیں۔بائیں جانب ایک لڑکا تقریباً آٹھ یا سات سال کامل کر کھڑا ہوگیا تو نماز جماعت ہوئی یا نہ ہوئی؟واضح طریقے سے اس مسئلہ کوحل کیا جائے؟

مسئولہ............۲۹/جولائی ۱۹۵۶ء جمعہ

الجواب: نماز جماعت ہوگئی،اس نماز میں کوئی خلل نہیں آیا۔شریعت طاہرہ کاحکم ہی یہ ہے کہ اگرصرف ایک نابالغ لڑکا ہوتو وہ مردوں کی صف میں داخل ہوکر کھڑا ہوگا۔یہاں عوام میں جومشہور ہے کہ مطلقاً نابالغ لڑکا مردوں کی صف میں اگر کھڑا ہوجائے تو نماز خراب ہوجاتی ہے،محض غلط ہے۔درمختار مصری جلداول ص۴۲۲ میں ہے۔

ثم الصبیان ظاھرہ تعد دُ ھُم فلو واحدا دخل الصف. مردوں کی صف کے پیچھے بچے کھڑے ہوں۔ظاہر یہ ہے کہ بچے اگرکئی ہوں۔اوراگرایک ہی بچہ ہےتو مردوں ہی کی صف میں داخل ہوجائے گا۔

ردالمحتار میں ہے۔

وکذالوکان المقتدی رجلاوصبیا یصفھما خلفه لحدیث انس فصففت انا و الیتیم و رائه والعجوز من ورائنا. اسی طرح اگر مقتدی ایک مرداورایک بچہ ہوتو امام دونوں کواپنے پیچھے کھڑا کرے،کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضور ﷺ کے پیچھے ایک یتیم بچہ اور میں نے صف باندھی۔ہمارے پیچھے بوڑھی عورتیں تھیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۸۳ میں ہے۔

و اذا کان معه اثنان قاما خلفه و کذالک اذا کان احدهما صبیا. اگر امام کے ساتھ دو آدمی ہوں تو اس کے پیچھے کھڑے ہوں۔ اسی طرح دو میں سے اگر ایک بچہ بھی ہو تو پھر بھی امام کے پیچھے ہی کھڑے ہوں۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۴ میں ہے۔

وان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال. اور اگر کئی بچے نہ ہوں تو ایک بچہ مردوں کی صف ہی میں کھڑا ہو۔ والله تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۷۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ ایک ہو تو نماز میں صف اول میں کھڑا ہو یا دوسری صف میں اور اگر نابالغ ایک سے زیادہ ہوں تو کہاں کھڑا ہوں؟

مسئولہ محمد ابراہیم خاں، محمد علی روڈ مراد آباد ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ یکشنبہ

الجواب: تنہا ایک نابالغ لڑکا ابتدائے جماعت کے وقت ہو تو مردوں کی صف میں ہی کھڑا ہوگا، درمیانِ صف اور صف کے کنارے پر ہر جگہ ایک نابالغ کا کھڑا ہونا صحیح و درست ہے، جہاں پر نابالغ لڑکا کھڑا ہو گیا، اس کو وہاں سے ہٹاتے ہوئے کنارے بلکہ آخری کنارے پر پہنچا دینا بالکل غلط اور نادانی کی بات ہے۔ بلکہ نابالغ کو پہلی صف کی اسی جگہ پر چھوڑ دینا چاہئے جہاں وہ ابتداءً کھڑا ہوا تھا، اور جب نابالغ ایک سے زائد ہو تو ان کو مردوں کی صف سے پیچھے کی صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔ صحیح طریقہ یہی ہے۔ درمختار ہاشمی ص ۶۵ میں ہے۔

و یصف الرجال ظاهره یعم العبید ثم الصبیان ظاهره تعددهم فلو واحدا دخل فی الصف (ملخصا). پہلے مرد صف بندی کریں۔ ظاہر یہ ہے کہ مرد میں غلام بھی شامل ہیں، پھر بچے۔ ان کی الگ صف بندی سے ظاہر ہے کہ یہ کئی ہوں۔ لیکن اگر ایک ہی بچہ ہو تو مردوں کے ہی صف میں داخل ہو جائے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۳ و ۱۸۴ میں ہے۔

ویصف الرجال ثم یصف الصبیان لقول ابی مالک الاشعری ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم صلی واقام الرجال یلونه واقام الصبیان خلف ذالک واقام النساء خلف ذالک وان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال. پہلے مرد صف بستہ ہوں، پھر بچے۔ کیونکہ ابو مالک اشعری کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، مردوں کو اپنے سے متصل پیچھے کھڑا کیا بچوں کو ان سے پیچھے، اور عورتوں کو ان کے پیچھے۔ اگر بچے زیادہ نہ ہوں تو مردوں کے درمیان کھڑے ہوں۔ والله تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۷۳: عید الفطر، عید اضحیٰ یا نماز جمعہ میں کتنی دوری سے نمازی کے سامنے سے کوئی گزر سکتا ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مراد آباد، ۱۹، ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: ان نمازوں میں اگر امام کے آگے سترہ موجود ہو تو مقتدیوں کے آگے چلنے پھرنے گزرنے میں کوئی گناہ نہیں، اور سترہ نہ ہو تو امام ومقتدی سے اتنے فاصلہ کی دوری پر گزرے کہ نمازی کی نگاہ گزرنے والے پر نہ پڑے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۲۱ میں ہے۔

سترة الامام سترة لمن خلفه لان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم صلی بالا بطح الی عنزة رکزت له ولم یکن للقوم سترة. امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کھلی وادی میں نماز پڑھائی اس حال میں کہ سترہ کیلئے ایک نیزہ گاڑا اور قوم کے لئے سترہ نہیں تھا۔

غنیۃ المستملی ص ۳۵۳ میں ہے۔

وفی النهایة الا صح انه ان کان بحال لو صلی صلوة الخاشعین بان یکون بصره حال قیامه الیٰ موضع سجوده لایقع بصره علی المارلایکره. نھایہ میں ہے صحیح یہ ہے کہ اگر انتہائی خشوع والی نماز پڑھ رہا ہے، اس طرح کہ اس کی آنکھ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ پر لگی ہوئی ہے۔ گزرنے والوں پر نظر نہیں پڑتی تو کراہت بھی نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئله ۳۷۴: (۱): صفیں سیدھی ہونا کیا ضروری ہے؟

(۲): صفیں سیدھی نہ ہونے سے کیا ثواب میں کمی ہوتی ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مراد آباد، ۱۹، ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: (۱) و (۲): صفوں کا سیدھا کرنا سنتِ موکدہ ہے۔ اس کے ترک سے نماز میں نقصان آتا ہے، اور ثواب میں بھی کمی آتی ہے۔

قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم اقیموا الصفوف، وحاذوابین المناکب وسدوا الخلل و لینوا بایدیکم اخوانکم لاتذروافرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله تعالی ومن قطع صفا قطعه الله . رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوں کو سیدھی کرو اور مونڈھوں کو مونڈھوں سے ملا دو، خالی جگہ کو بند کر دو اور اپنے بھائیوں کے لئے اپنے ہاتھوں کو نرم کر دو اور شیطان کیلئے گنجائش نہ چھوڑو۔ جس نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائیگا اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے قطع تعلق کریگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم .**

مسئله ۳۷۵: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام کے پیچھے اور دائیں بائیں کیسے شخصوں کو کھڑا ہونا چاہئے؟

مسئولہ عبد الرشید، پختہ باغ، مراد آباد، ۱۸ / جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ

الجواب: اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ امام کے پیچھے اس کے مقابل میں یعنی صحیح و مکمل طور پر بالکل اس کے پیچھے یا تو ایسا مؤذن کھڑا ہو جو نماز پڑھانے کے قابل ہو بشرطیکہ اس کی داڑھی حد شرع کے مطابق پوری ہو۔ اور اگر مؤذن ہی نہ ہو، یا

اس وصف مذکور کے مطابق مؤذن نہ ہو تو پھر مقتدیوں میں جو شخص امامت کے قابل ہو اور اس کی داڑھی بھی حدِ شرع کے مطابق پوری ہو، یہ شخص ٹھیک امام کے پیچھے کھڑا ہو تاکہ پیچھے والا مؤذن یا مقتدی امام کو حدث یا حادثہ لاحق ہونے کی صورت میں امام کی جگہ آسانی سے آگے بڑھ کر امامت کی خدمت انجام دے سکے۔ کوئی داڑھی منڈانے والا یا حدِ شرع سے داڑھی کم کرنے والا ٹھیک امام کے پیچھے کھڑا نہ ہو یہی اولیٰ و بہتر ہے، امام کے ٹھیک پیچھے کی جگہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہر شخص کھڑا ہو سکتا ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ واللہ تعالٰی علم۔

مسئلہ ۳۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین صف سیدھی کرنے کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ بحوالہ حدیث و قرآن جواب عنایت فرمایا جائے؟

مسئولہ عبدالرشید، پختہ باغ، مرادآباد، ۱۲ ررجب المرجب ۱۳۸۴ھ

الجواب: صفوں کے سیدھا کرنے کے متعلق سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و فرامین احادیث مبارکہ میں بکثرت وارد ہیں۔ اس کا حکم انتہائی تاکیدوں کے ساتھ دیا گیا ہے، اس بارے میں حکم قولی اور طریق عملی دونوں قسموں کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

سائل کی اصل مراد یہ ہے کہ سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عملی طور پر اقامت و تکبیر کہنے کے قبل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے صفیں سیدھی کراتے تھے، یا اقامت و تکبیر کہنے کے بعد، یا اقامت و تکبیر کہتے وقت۔

لہٰذا میں اسی مراد کے مطابق چند حدیثیں مع ترجمہ لکھ دیتا ہوں، جس سے سائل کا مقصد پورا ہو اور سوال کا جواب واضح طور پر معلوم ہو جائے۔

حدیث (۱):- عن انس بن مالک قال اقیمت الصلوۃ فاقبل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بوجھہ فقال اقیمو اصفوفکم، وتراصّوا فانی اراکم من وراء ظھری.

یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز کے لیے اقامت و تکبیر کہی گئی تو حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اپنی صفیں قائم کرلو اور مل کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ، اس لیے کہ میں تم کو پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (منہ)

(بخاری شریف جلد اول ص ۱۰۰، ومشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۹۸)

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اقامت و تکبیر کہنے کے بعد حضور علیہ السلام صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم فرماتے۔

حدیث (۲):- عن النعمان بن بشیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یُسَوِّی بِھَا صفوفنا حتی کا نما یسوی بھا القداح حتی رای انا قد عقلنا عنہ ثم خرج یوما فقام حتی کا دان یکبر فرای رجلا بادیا صدرہ من الصف، فقال عباداللہ لَتُسَوُّنَ صفوفکم اولیخالفن اللہ بین وجوھکم. یعنی نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہماری صفوں کو قول یا اشارہ یا ہاتھ سے اس طرح سیدھا فرماتے جس طرح تیر کی لکڑیوں کو

چھیل کر سیدھا کیا جاتا ہے، حتی کہ جب حضور ﷺ کو یہ علم ہوا کہ ہم اس سنت کو حضور سے سیکھ چکے ہیں، پھر ایک دن حضور ﷺ نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے اور کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنا چاہتے تھے، تو ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے، پس فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم ضرور ضرور اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں کو مسخ کر دے گا، یا تمھاری ذاتوں میں اور دلوں کے درمیان اختلاف پیدا کر دے گا۔ (منہ)

(مسلم شریف جلد ص ۱۸۲، ومشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۹۷)

صفوں کا اس طرح سیدھا کرنا اور فرمانا اقامت وتکبیر کہے جانے کے بعد ہوتا تھا۔ چنانچہ امام علامہ نووی شرح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں۔

وفیه جوازالکلام بین الاقامة والد خول فی الصلوة وهذا مذهبنا و مذهب جماهیر العلماء یعنی اس حدیث سے اقامت وتکبیر کے درمیان کلام کا جواز ثابت ہوتا ہے، جو ہمارا اور اکثر علماء کا مذہب ہے۔

حدیث (۳):- عن النعمان بن بشیر قال کان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یسوی یعنی صفوفنا اذا قمنا الی الصلوٰۃ فاذا استو ینا کبر. یعنی نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری صفوں کو سیدھی کراتے، جب ہماری صفیں سیدھی ہو جاتیں تو تکبیر تحریمہ کہتے۔ (منہ)

(ابوداؤد شریف جلد اول ص ۹۷)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صفیں سیدھی کرانے کے بعد ہی حضور ﷺ تکبیر تحریمہ کہتے، اور اقامت وتکبیر پہلے کہی جاتی تھی۔

حدیث (۴):- عن انس بن مالک قال ان رسول الله صلی الله تعالی علیه و سلم کان اذا قام الی الصلوة اخذهٗ بیمینه ثم التفت فقال إعتدلوا، سووا صفوفکم ثم اخذهٗ بیساره فقال اعتدلوا سووا صفوفکم. یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز کے لیے قیام فرماتے تو داہنی جانب متوجہ ہو کر فرماتے کھڑے ہو جاؤ صفیں سیدھی کرلو۔ پھر بائیں جانب متوجہ ہو کر فرماتے کہ کھڑے ہو جاؤ صفیں سیدھی کرلو۔ (منہ)

(ابوداؤد شریف جلد اول ص ۹۸)

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار ﷺ اپنے مصلے پر کھڑے ہونے کے بعد صفیں سیدھی کراتے تھے، اقامت وتکبیر پہلے کہی جاتی تھی، اکثر اوقات عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی ہوتا تھا کہ صرف مؤذن حضور ﷺ کو دیکھ کر پہلے

اقامت وتکبیر کہتے اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے جب صحابہ دیکھتے تو سب کھڑے ہو جاتے اور بعض اوقات عہد نبوی میں ایسا بھی ہوا ہے کہ حضور ﷺ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھے بغیر ہی پہلے اقامت وتکبیر کہی جاتی اور صحابہ کرام کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کر کے حضور کی آمد کا انتظار کرتے۔ اسی کو دیکھ کر حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب اقامت وتکبیر نماز کے لیے کہی جائے تو مجھے دیکھے بغیر کھڑے مت ہو۔ مسلم شریف جلد اول ص ۲۲۰ میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذااقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو"۔

اسی صفحہ میں دوسری حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اقيمت الصلوة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان يخرج الينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فاتىٰ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حتى اذا قام في مصلاه قبل ا ن يكبر ذكر فانصرف (الحديث). اقامت کہی گئی، پھر ہم لوگ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے پہلے صفیں سیدھی کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ اپنے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے سے پہلے آپ ﷺ کو حالت جنابت میں ہونا یاد آیا تو واپس چلے گئے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقامت وتکبیر پہلے کہی جاتی تھی، اس کے بعد سرکار اپنے مصلے پر قیام فر کر صفیں سیدھی کرنے کا حکم فرماتے یا عملی طور پر صفیں سیدھی کراتے تھے۔ امام علامہ نووی علیہ الرحمہ شرح مسلم شریف ج اول ص ۲۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال القاضي عياض رحمه الله تعالىٰ يجمع بين مختلف هٰذه الاحاديث بان بلا لارضى الله تعالىٰ عنه كان يراقب خروج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من حيث لايراه غيره اوالاالقليل فعند اول خروجه يقيم ولايقوم الناس حتى يروه ثم لايقوم مقامه حتى يعدلوا الصفوف وقوله في رواية ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه فياخذالناس مصافهم قبل خروجه لعله كان مرة اومرتين ونحوهما لبيان الجواز اولعذرولعل قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلاتقوموا حتى تروني كان بعد ذالك قال العلماء والنهي عن القيام قبل ان يروه لئلا يطول عليهم القيام ولانه قد يعرض له عارض فيتأخربسببه. (ترجمہ... مسئلہ ۱۰۵.. میں دیکھیں)۔

اور بعض اوقات حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لا کر بیٹھ جاتے، پھر قول مؤذن ومکبر قد قامت الصلوة یا حی علی الفلاح یا ختم اقامت پر قیام فرماتے۔ چنانچہ ذیل کی درج کردہ دونوں حدیثیں اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ابوداؤد شریف جلد اول ص ۸۰ میں سالم بن النضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

کان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم حین تقام الصلوة فی المسجد اذا رآهم قلیلا جلس لم یصل واذارآهم جماعة صلی . یعنی جب مسجد میں نماز کے لیے اقامت کہی جاتی اور حضور ﷺ تشریف لاتے جب نمازیوں کی تعداد تھوڑی ہوتی تو حضور ﷺ بیٹھ جاتے اور جب نمازیوں کی جماعت کافی ہوتی تو حضور ﷺ نماز پڑھاتے۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری جزء ثالث ص ۳۵۴ میں ہے۔

وذهب الاکثرون الی انهم اذاکان الامام معهم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الاقامة وعن انس انه کان یقوم اذاقال المؤذن قدقامت الصلاة، (رواه ابن المنذر وغیره) . اکثر حضرات کا موقف یہ ہے کہ اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں ہوں تو نہ کھڑے ہوں، یہاں تک کہ اقامت ہوجائے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن حی الفلاح کہتا۔ جب **قدقامت الصلاة** بولتا، تو تکبیر کہتے۔

اسی میں ہے۔

وعن ابی حنیفة یقومون اذا قال حی علی الفلاح فاذا قال قدقامت الصلوة کبر الامام واما اذالم یکن الا مام فی المسجد فذهب الجمهور الٰی انهم لایقومون حتی یروه.
حضرتِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ "لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے اور جب قد قامت الصلاۃ کہے اس وقت امام تکبیر کہے اور اگر امام مسجد کے اندر نہ ہو تو جمہور کا خیال یہ ہے کہ لوگ جب تک امام کو دیکھ نہ لیں، نہ کھڑے ہوں"۔

هذاماعندی والله سبحانه وتعالی اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم.

مسئلہ ۳۷۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ ایک شخص ابتدائی زمانہ سے زنانہ ہے، ناچتا گاتا ہے۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے اپنا عضو تناسل بھی کٹوادیا ہے۔ مسجد میں نماز پڑھنے آتا ہے۔ مسجد کے نمازی اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مسجد میں جماعت سے نماز مت پڑھو۔ لہٰذا ایسے کہنے والوں کیلئے کیا حکم ہے، اور اس زنانہ کا مسجد میں آنا اور جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟

مسئولہ..........، اصالت پورہ، مرادآباد، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ جمعہ

الجواب: ایسے زنانے جن کو ہجڑا اور خنثیٰ بھی کہا جاتا ہے، یہ حقیقۃً مرد ہوتے ہیں۔ جیسے عنین، جسے نامرد بھی کہا جاتا ہے، حالانکہ عنین مرد ہی ہوتا ہے، لیکن اس کی قوت مردانگی زائل ہوجاتی ہے، تو اسے نامرد بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ زنانے عورتوں جیسے اطوار و عادات بنالیتے ہیں، گاتے بجاتے ناچتے ہیں۔ عورتوں جیسے لباس، وضع قطع، بال ان تمام امور میں ان سے مشابہت حاصل کرلیتے ہیں۔ بعض آلہ تناسل بھی جدا کرلیتے ہیں، اسی بناء پر ایسے لوگوں کو زنانہ ہجڑا، خنثیٰ کہا جاتا ہے۔ فی الحقیقت یہ مرد ہی ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے زنانے مسجد میں نماز باجماعت مردوں کی صف میں کھڑے ہوکر پڑھ سکتے ہیں،

چونکہ یہ حقیقۃ خنثیٰ مشکل نہیں ہیں۔ کتب فقہیہ میں جس خنثیٰ کو مردوں کی صف میں کھڑا ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ اس خنثیٰ سے مراد خنثیٰ مشکل ہے، کماھو مصرح فی امداد الفتاح۔ ہاں ایسے زنانے فاسق و فاجر مرتکب گناہ کبیرہ سخت گناہ گار ہیں، چونکہ ان کے افعال مذکورہ بالا مذموم اور خلاف مقصودِ شریعت ظاہرہ ہیں۔ ان سے عوام کو نفرت ہوتی ہے۔ اگر ایسے زنانوں کی شرکتِ جماعت عام نمازیوں کی نفرت کا باعث بن کر تقلیل جماعت کو مستلزم ہو تو ایسی صورت میں نفرت و جماعت کی کمی کے باعث ایسے زنانوں کو نماز جماعت میں شریک ہونے سے منع کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب الاستخلاف (خلیفہ بنانے کا بیان)

مسئلہ ۳۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام سجدہ میں ہے اور وہیں اس پر غشی طاری ہوئے یا نیند آجائے یا فوت ہو جائے تو اس حالت میں مقتدیوں کو اپنی نماز کس طرح پوری کرنی چاہئے اور وہ کتنی دیر سجدہ میں رہ سکتے ہیں؟

مسئولہ کلن، قاضی پورہ، تھانہ مغل پورہ، مرادآباد، ۲ نومبر ۱۹۶۰ء

الجواب: ان صورتوں میں جب مقتدی کو ظنِ غالب ہو کہ امام بے ہوش ہو گیا ہے، یا سو گیا ہے، یا مر چکا ہے تو اپنی اپنی نیت توڑ کر کسی دوسرے کو امام بنا کر نماز پڑھ لیں۔ ان امور کے ظنِ غالب کے لئے چار پانچ منٹ سے زائد وقت کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب مفسداتِ الصلواۃ (نماز کو فاسد کرنے والے امور کا بیان)

مسئلہ ۳۷۹: نماز کی حالت میں دونوں ہاتھوں سے بار بار کھجانے سے کیا ثواب میں کمی ہوتی ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مرادآباد، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: ایسا کرنے سے کثیر فقہائے احناف کے قول پر نماز فاسد ہو جاتی ہے، چونکہ یہ فعل شرعاً عمل کثیر میں داخل مانا گیا۔ غنیۃ المستملی ص ۴۲۳ میں ہے۔

> ولو حک المصلی جسدہ مرۃ اومرتین متوالیتین لا تفسدولو فعل ذالک مرارا متوالیات ای فی رکن واحد تفسد صلوتہٗ لانہ کثیر. مصلی نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کیے بعد دیگرے کھجایا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اگر ایسا عمل مسلسل کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یعنی کسی ایک رکن میں، کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸۰: امسال بقرعید کے موقعہ پر امام نے رکوع چھوڑ کر پہلے سجدہ کر لیا لقمہ دینے پر اس نے سجدہ سے اٹھ کر

رکوع کر کے سجدہ سہو کے ساتھ نماز ادا کی، نماز ہوئی یا نہیں؟ ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی ہے اور دوسرے کہتے ہیں کہ ہوگئی، لہذا کس کی بات صحیح ہے؟

مسئولہ مدرسہ انوار الاسلام، اسلام پور، ضلع مغربی دیناجپور، ۱ر جمادی الاولی ۱۳۸۴ھ

الجواب: صورت مستفسرہ میں دوسرے عالم کی بات صحیح ہے اور پہلے کی غلط کہ فرض کی تقدیم وتاخیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ غنیۃ المستملی ص ۴۴۰ میں ہے۔

وذکر فی الذخیرۃ ان سجود السھو یجب بستۃ اشیاء فیجب بتقدیم رکن نحو ان یرکع قبل ان یقرأ ویسجد قبل ان یرکع. سجدۂ سہو چھ چیزوں سے واجب ہوتا ہے۔ کسی رکن کو مقدم کردیا۔ جیسے قرآت سے پہلے رکوع کرلیا۔ اور رکوع سے پہلے سجدہ کرلیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸۱: حالت نماز میں کسی رکن میں اردو کے الفاظ زبان سے نکالنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ تہور حسین صاحب، محلہ ڈیریا، مراد آباد، یکم محرم الحرام ۱۳۸۸ھ

الجواب: اس قسم کے الفاظ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، جس کا لوٹانا فرض وضروری ہے، ورنہ ترک فرض کے سبب سے یہ شخص فاسق ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸۲: انگریزی لباس یعنی کوٹ پتلون پہن کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ عبدالعزیز صاحب امریکہ والے، نزد جامع مسجد کوٹلہ، ۱۴ر ربیع الآخر ۱۳۸۸ھ پنجشنبہ

الجواب: کوٹ پتلون پہن کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، یہ بھی غلط وباطل ہے۔ صحت نماز کے لیے صرف اتنا ضروری ہے کہ جن اعضاء کا چھپانا فرض ہے، ان کو کسی کپڑے سے چھپالے۔ مسنون ومستحب یہی ہے کہ نماز میں ازار یا پاجامہ اور قمیص وعمامہ یا ٹوپی استعمال کرے کہ سرکار محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسا ہی ثابت ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے لباس کا استعمال نماز میں خلاف سنت ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ حکم دینا کہ حرام ہے، بلاشبہ حدود شرعیہ سے تجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم.

مکروہات الصلوٰۃ (مکروہات نماز کا بیان)

مسئلہ ۳۸۳: مسجد ہری چگون محلہ اصالت پورہ کا فرش صحن قریب ۳۰ سال سے زائد کا بنا ہوا ہے اور اس کے فرش کے نیچے قبریں ہیں جو ہمارے کنبہ اقارب کی ہیں۔ قریب ایک گز کی بلندی فرش کی قبروں سے ہے، اس پر نماز جائز بلا کراہت ہوگی یا نہیں؟ اس کا فتویٰ دیجئے؟ مولوی فخر الدین ومولوی فاہم علی صاحبان نے فتویٰ دے دیا ہے کہ نماز پڑھنی جائز ہے؟

مسئولہ عبدالرحمٰن ومحمد صدیق متولیان مسجد چگوں، محلہ اصالت پورہ، مراد آباد، ۸ر ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ پنجشنبہ

الجواب: قبروں کے اوپر مسجد تعمیر کرنے والوں پر حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، اور

اس سے منع فرمایا ہے، لہٰذا قبروں پر مساجد کا بنانا ناجائز وحرام ہے اور بنانے والے گنہ گار ہیں۔ صحن مسجد بھی مسجد ہی ہوتی ہے، لہٰذا صحنِ مسجد کی تعمیر بھی قبروں پر جائز نہیں۔ قبروں پر صحن مسجد بنانے والے بھی گنہگار ہوئے۔ ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع دھلی جلد اول ص ۷۱ میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ (تعالیٰ) عنهما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ (تعالیٰ) علیه وسلم زائرات القبور و المتخذین علیها المساجد و السرج. یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کی زیارت کرنے والوں پر اور خاص قبروں کے اوپر مسجدوں کے بنانے والوں پر اور خاص قبروں کے اوپر چراغوں کے جلانے والوں پر لعنت فرمائی۔ (منہ)

مسلم شریف مطبوعہ اصح المطابع دہلی جلد اول ص ۲۰۱ میں بروایت حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انها کم عن ذالک. یعنی آگاہ خبردار ہوجاؤ قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ، بیشک میں قبروں کو مسجد بنانے سے تم کو منع کرتا ہوں۔ (منہ)

اسی طرح ترمذی شریف کی ایک اور حدیث میں بھی قبروں پر بناء تعمیر کی ممانعت وارد ہے، یہ حکم تو قبروں پر مسجد یا صحن مسجد کے بنانے کا تھا، اب ایسی مسجد یا صحن مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم لکھا جاتا ہے، مقبرہ میں یا قبروں پر نماز پڑھنے کی ممانعت متعدد احادیث میں وارد ہے۔ ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع دھلی جلد اول ص ۷۱ میں ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال نهیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان یصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة، والمجزرة، والمقبرة و قارعة الطریق، و فی الحمام، وفی معاطن الابل وفوق ظهر بیت اللہ. یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سیدالانبیاء حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء نے سات مقاموں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا، غلاظت ونجاست ڈالنے کی جگہ میں اور جانوروں کے مذبح میں اور قبروں کی جگہ میں، عام راستہ میں اور حمام میں اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں اور خانۂ کعبہ کی چھت کے اوپر۔ (منہ)

نیز ابوداؤد شریف وترمذی شریف، دارمی شریف ومشکوٰۃ شریف اصح المطابع دھلی، جلد اول ص ۷۰ میں ہے۔

عن ابن سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الارض کلها مسجد الا المقبرة، و الحمام. یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سرکار مکہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ساری زمین حکم مسجد رکھتی ہے، اس میں نماز بلا کراہت جائز ہے، مگر قبروں کی جگہ اور حمام کہ اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ (منہ)

فقہائے کرام اور محدثین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان احادیث کی بنا پر مقبرہ میں اور قبروں پر نماز پڑھنے کو مکروہ و ممنوع فرمایا، لیکن جب کہ مقبرہ میں کوئی جگہ نماز پڑھنے کے لئے معین کردی گئی ہو اور اس جگہ نہ کوئی قبر ہو، نہ کوئی نجاست اور نمازی کے قبلہ کی جانب بھی کوئی قبر نہ ہو تو مقبرہ میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی، ورنہ نماز مکروہ ہوگی، **لان مفاهيم الكتب حجة عند الفقهاء كما هو لا يخفى على العارف بالفقه.** بلکہ بعض علماء نے مقبرہ میں نماز پڑھنے کو مطلقاً مکروہ فرمایا ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۵ میں ہے۔

(و) تكـره (الصلاة في المقبرة) وامثالها لان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى ان يصلى في سبعة مو اطن ، الحديث . مقبرے وغیرہ میں نماز مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز سے منع فرمایا ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس کی علت یہ بھی درج ہے۔

لانه تشبه باليهود و النصارىٰ قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعنة الله علىٰ اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيا ئهم مساجد و سواء كانت فوقه، او خلفه او تحت ماهو واقف عليه. اس میں یہود و نصاریٰ سے تشبہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ خواہ یہ قبریں اوپر ہوں، یا پیچھے، یا نیچے۔

صغیری ص ۱۹۱ و ۱۹۲ میں ہے۔

وتكره ايضا في معاطن الابل' وفي المزبلة' وفي المجزرة وفي المغتسل' و في الحمام' و في المقبرة لمامرمن الحديث و لان هذه مواضع النجاسة. (ملخصا). اسی طرح مکروہ ہے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں، نجاست ڈالنے کی جگہ میں، جانوروں کے ذبح کی جگہ میں، لوگوں کے نہانے کی جگہ میں، حمام میں اور مقبرہ میں۔ جیسا کہ حدیث میں گزرا۔ کیونکہ یہ نجاست کی جگہیں ہیں۔

غنیۃ المستملی ص ۳۴۹ و ۳۵۰ میں ہے۔

و كذا تكره في المزبلة وفي المجزرة، و في المغتسل وفي الحمام' و في المقبرة، لمامر من الحديث و العلة كونها مواضع النجاسة. اسی طرح مکروہ ہے نجاست کی جگہ، جانور ذبح ہونے کی جگہ، نہانے کی جگہ، حمام میں اور مقبرہ میں۔ سبب نجاست کی جگہ ہونا ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں جلد اول ص ۳۶ میں ہے۔

تكره الصلوٰة في سبع مواطن ومنها الصلواة في المقبرة لانها تشبه باليهود، فان كان فيها موضع اعد للصلوٰة فيه ليس فيه قبر، ولا نجاسة، لاباس به.(ملخصا). سات جگہوں میں نماز مکروہ ہے، اسی میں مقبرہ میں نماز پڑھنا ہے کیونکہ اس میں یہودیوں سے تشبہ ہے۔ اگر وہاں کوئی ایسی جگہ ہے جو نماز ہی کیلئے مخصوص کردی گئی ہے۔ جہاں نہ قبر ہے، نہ نجاست ہے، تو کوئی حرج نہیں۔

درمختار مصری جلد اول ص ۲۷۹ میں ہے۔

و كذا تكره في اماكن كفوق كعبة و في طريق، ومزبلة، و مجزرة و مقبرة. اسی طرح درج ذیل مقامات پر نماز مکروہ ہے۔ کعبہ سے اوپر اور راستے پر، گندگی کی جگہ، جانور ذبح کرنے کی جگہ اور مقبرہ میں۔

ردالمحتار میں تحت قول ماتن (و مقبرة) ہے۔

و اختلف في علته، فقيل : لان فيها عظام الموتى و صديد هم، وهو نجس، و فيه نظر وقيل لان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبورا لصالحين مساجد، وقيل لانه تشبه باليهود. وعليه مشى في الخانية ولاباس بالصلاة فيها اذا كان فيهاموضع اعد للصلاة وليس فيه قبر، ولا نجاسة كمافي الخانية ولا قبلته الىٰ قبر (حليه). سبب کراہت میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسے مکانات پر مردوں کی ہڈیاں اور پھلو ہوتے ہیں اور یہ ناپاک ہے۔ اس میں نظر ہے۔ دوسرا قول یہ ہیکہ عبادت اصنام کی اصل یہ ہیکہ انھوں نے صالحین کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں یہودیوں سے مشابہت ہے۔ خانیہ میں یہی روش اختیار کی گئی۔ اس میں نماز میں کوئی حرج نہیں، اگر وہاں ایسی جگہ مخصوص کردی گئی ہو جہاں نماز ہوسکتی ہے اور قبر بھی نہیں ہو۔ نہ وہاں نجاست ہے۔ ایسا ہی خانیہ میں ہے۔ نیز نہ اس جگہ کا قبلہ قبر کی طرف ہے۔

صغیری ص ۱۹۲ میں ہے۔

قال في الفتاوىٰ لا باس بالصلوٰة في المقبرة اذا كان فيها موضع اعدللصلوٰة وليس فيه قبر. فتاویٰ قاضی خاں میں کہا مقبرہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہاں کوئی ایسی جگہ نماز پڑھنے کیلئے مخصوص کردی گئی ہے۔ اور وہاں قبر بھی نہیں ہے۔

کبیری ص ۳۵۰ میں ہے

قال في الفتاوىٰ لا باس بالصلوٰة في المقبرة اذا كان فيها موضع اعدللصلوٰة وليس فيه قبر. و هذا لان الكراهة معللة بالتشبيه باهل الكتاب وهو منتف فيما كان على الصفة المذكورة فتاویٰ قاضی خاں میں کہا مقبرہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہاں کوئی ایسی جگہ نماز پڑھنے کیلئے مخصوص کردی گئی ہے۔ اور وہاں قبر بھی نہیں ہے۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ کراہت کی علت اہلِ کتاب سے تشبہ ہے۔ لیکن یہ بات ختم ہوجاتی ہے اگر مقام نماز صفتِ مذکورہ پر ہو۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۷۴ میں ہے۔

"وبعض برآنند کہ نماز درمقبرہ مکروہ است مطلقا از جہت ظاہر ایں حدیث اما نماز بجانب قبر حرام است باتفاق اگر بقصد تعظیم باشد وگرنہ حکم مقبرہ دارد" "بعض حضرات اس نظریہ پر ہیں کہ مقبرہ میں نماز مطلقا مکروہ ہے۔ ان

کی نظر حدیث کے ظاہر پر ہے۔ اگر بقصد تعظیم ہو، ورنہ مقبرہ کا حکم رکھے گا۔

لہذا صحن مسجد جس کا سوال میں ذکر ہے، اس میں نماز مکروہ ہوگی، قواعد فقہیہ اور اطلاق فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تو مکروہ تحریمی کا حکم مستفاد ہوتا ہے۔ مراقی الفلاح مصری ۲۰۶ و ۲۰۷ میں ہے۔

وماکان النهی فیه ظنیا کراهة تحریمة الالصارف و ان لم یکن الدلیل نهیا بل کان مفید للترک الغیر الجازم فهی تنزیهیة. جس مسئلہ کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہے وہ ممانعت مکروہ تحریمی کے درجے میں ہوگی۔ مگر یہ کہ کوئی صارف آ جائے۔ اور جس مسئلہ کی دلیل نہی نہ ہو، بلکہ ایسی دلیل ہو جو مفید ترک تو ہو لیکن بطور جزم نہ ہو تو وہ تنزیہی ہے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۰۷ میں ہے۔

قال ابن امیر حاج و کثیر ا ما تطلق الکراهة علیٰ کراهة التنزیه ای والا صل فی اطلاقها التحریم. کراہت کا اطلاق اکثر و بیشتر مکروہ تنزیہی پر ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اگر مطلق ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

لیکن حضرت شیخ محقق مولینا عبدالحق صاحب محدیث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی و مکروہ تنزیہی ہونے میں علماء و محدثین مختلف ہیں اور اصح مکروہ تنزیہی ہے۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۷۱ میں ہے۔

اختلاف کردہ اند درآنکہ نہی برائے تحریم است یا تنزیہ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں نہی برائے تحریم ہے یا تنزیہہ۔

حاشیہ مشکوۃ جلد اول ص ۷۰ میں لمعات سے منقول ہے۔

اعلم انهم اختلفوا فی النهی عن الصلوٰة فی المواطن السبعة انه للتحریم اوللتنزیه و الثانی هو الاصح. علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات مقامات پر نماز پڑھنے کی جو نہی یعنی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے وہ مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی۔ دوسرا یعنی مکروہ تنزیہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

بہرکیف جو نمازیں اس مسجد کے صحن میں پڑھی جائیں گی، مکروہ تحریمی کی بنا پر ان کا لوٹانا واجب ہوگا اور مکروہ تنزیہی کی بنا پر نمازوں کا لوٹانا مستحب ہوگا۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۰۷ میں ہے۔

قال فی التجنیس کل صلوة ادیت مع الکراهة فانها تعاد لاعلی وجه الکرهة.

غنیۃ المستملی ص ۳۴۶ میں ہے۔

ویکون للامربالاعاده لازالة الکراهة لانه الحکم فی کل صلاة ادیت مع الکراهة ولیس للفساد. کراہت کو ختم کرنے کے لیے نماز کے لوٹانے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا یہی حکم ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

الصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذالک لاستجماع شرائطھا وارکانھا وتعاد علیٰ وجہ غیرمکروہ، وھوالحکم فی کل صلاۃ ادیت مع الکراھۃ کذا فی الھدایۃ فان کانت تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم، تجب الاعادۃ، اوتنزیہ تستحب فان الکراھۃ التحریمیۃ فی رتبۃ الواجب کذافی فتح القدیر. نماز کے شرائط وارکان کے جمع ہونے کے سبب سے ان تمام صورتوں میں نماز جائز ہوجائے گی مگر نماز کا غیر مکروہ طریقے پر لوٹانا ضروری ہے یہ حکم ہر اس نماز کے بارے میں ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبے میں ہے ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

توضیح ضروری: جواب میں جو پہلی حدیث گذری جس میں زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت مذکور ہے۔ اس میں محدثین وفقہاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تمہیں زیارت کیلئے کہہ رہا ہوں۔ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور بعض فرماتے ہیں کہ مردوں کو حدیث مذکور میں زیارت قبور کی اجازت دی گئی ہے اور عورتوں کے لئے اب بھی ممنوع ہے اور قول اصح یہ ہے کہ عورتوں کو بھی زیارت قبور کی اجازت ورخصت ہے۔ بشرطیکہ نہایت احتیاط و پردہ کے ساتھ جائیں اور کسی امر غیر مشروع کی مرتکب نہ ہوں، اور کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو۔ جیسا کہ حضرتِ خاتونِ جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت قبر کے لئے ہر جمعہ کو جاتی تھیں اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی زیاتِ قبر کے لئے مکہ مکرمہ جاتی تھیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۵ میں ہے۔

(ندب زیارتھا)من غیران یطأ القبور (للرجال و النساء) و قیل تحرم علی النساء والا صح ان الرخصۃ ثابتۃ للرجال و النساء فتندب لھن ایضا (علی الاصح). عورتوں کو زیارت قبور جائز ہے، بشرطیکہ مرد وعورت کی بھیڑ نہ ہو۔ ایک قول یہ ہیکہ حرام ہے، عورتوں کیلئے۔ صحیح ترین یہ ہیکہ مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے رخصت ثابت ہے۔ تو عورتوں کیلئے بھی جائز ہوگا۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۶ میں ہے۔

ان محل الرخصۃ لھن اذا کانت الزیارۃ علی وجہ لیس فیہ فتنۃ ، والا صح ان الرخصۃ ثابتۃ للرجال و النساء لان السید ۃ فاطمۃ رضی اللہ تعالی عنھا کانت تزور قبر حمزۃ کل جمعۃ وکانت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا تزور قبر اخیھا عبدالرحمٰن بمکۃ کذاذکرہ البدرالعینی فی شرح البخاری. عورتوں کے لئے رخصت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ محل فتنہ نہ بنیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رخصت ثابت ہے۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنھا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کرتی تھیں ان کی قبر مکہ میں ہے

اسی طرح قبروں کے اوپر مسجدوں کے بنانے والوں اور چراغ رکھنے اور جلانے والوں پر جو لعنت مذکور ہے، اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ خاص قبروں کے اوپر مسجدیں نہ بنائے نہ چراغ جلائے، لیکن اگر قبروں کے اردگرد خالی جگہ میں مسجدیں بنائی جائیں اور چراغ جلائے جائیں تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی بناء پر علمائے کرام نے فرمایا کہ وقت ضرورت قبروں کے اردگرد خالی جگہ سے بنیاد قائم کر کے قبروں پر ڈاٹ لگا کر مسجد یا صحن بنایا جائے تو یہ بناء وتعمیر قبروں پر نہ ہوگی اور نماز بغیر کسی کراہت کے ادا ہوگی۔ حاشیہ مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی ص ۷۰ میں ہے۔

قال ابن الملک انما حرم اتخاذ المساجد علیها لان فی الصلوٰۃ فیها استنا نا بسنة الیهود و قید "علیها" یفید ان اتخاذ المساجد بجنبها لاباس به. ابن الملک نے کہا کہ مقبروں پر مساجد کا بنانا حرام ہے۔ کیونکہ اس پر نماز پڑھنا گویا یہودیوں کی سنت پر چلنا ہے۔ "علیها" کی قید اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ اگر اس کے بازو میں مسجد بنائی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

فقیر کے نزدیک جو حکم شرعی اس بارے میں دلائل شرعیہ سے ثابت ہوا لکھا گیا، نہ معلوم مولوی فخر الدین صاحب اور مولوی فاہم علی صاحب نے کس بناء پر مطلق جواز یعنی جائز بغیر کراہت کا فتویٰ دیا۔ اگر ان کا فتویٰ میرے پاس آتا تو اس پر میں کچھ لکھتا۔ **هذا ما عندی واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۳۸۴: علمائے دین متین ومفتیان شرع متین سے استفسار ہے کہ کیا حکم ہے اللہ عزوجل کا اور اس کے رسول کریم کا مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسجد ہے اور اس کے متصل ایک حجرہ ہے۔ اس میں ایک قبر ہے، بہت پرانی۔ جس کو سب لوگ جانتے ہیں۔ اب ارادہ ہو رہا ہے کہ مسجد میں توسیع کی جاوے اور از سر نو تعمیر کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ حجرہ کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں قبر مذکور داخل مسجد ہو جائے گی، اور اس کے اوپر یا اس کے سامنے رہ کر سر بسجود ہونا پڑے گا، اس صورت میں مسئلہ شرعیہ کیا ہے؟

مسئولہ عبدالغفور، مہلولی ڈاکخانہ کندرکی ضلع مرادآباد، ۳۰ ردسمبر ۱۹۵۵ء

الجواب: قبروں پر مسجد کی تعمیر ناجائز وناروا ہے۔ ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ہے کہ قبروں پر مساجد بنانے والے پر سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج.

مشکوٰۃ شریف جلد اوّل ص ۷۱ مطبع اصح المطابع لکھنو

لہٰذا قبر پر مسجد ہرگز ہرگز نہ بنائی جائے اگر توسیع مسجد کی شدید ضرورت ہو اور کسی طرح دوسری زمین کے ملنے کی کوئی صورت نہ ہو تو قبر پر ڈاٹ لگا کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ اس طرح نماز مکروہ نہ ہوگی۔ بغیر ڈاٹ لگائے قبر پر مسجد بنائی گئی

تو نماز مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸۵: کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد کی مغربی دیوار کی بنیاد میں قبر آ گئی ہو تو اس مسجد میں نماز درست ہے کہ نہیں؟

مسئولہ محمد ظفر عفی عنہ، ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

الجواب: قبر پر مسجد کی کسی دیوار کی تعمیر جائز نہیں، خواہ مغربی دیوار ہو یا مشرقی یہ فعل حرام ہوا۔ اگر قبر کا کوئی حصہ قیام و سجدہ کی جگہ نہ آتا ہو تو نماز بغیر کراہت درست و صحیح ہوگی ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ایسا سلا ہوا کپڑا جس سے ہاتھ کہنیوں سمیت کھلا ہو، پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اس سے نماز میں کوئی کراہت آتی ہے یا نہیں؟ (اس کپڑے سے مراد بنیائن اور ہاف قیص وغیرہ ہیں) مدلل اور واضح جواب تحریر فرما کر خاکسار کو صحیح مسئلہ کی صحیح معلومات کا موقعہ دیں؟

مسئولہ محمد عزیز غفرلہ

الجواب: بنیائن وہاف قیص کے بارے میں یہ تو ظاہر ہے کہ آستین چڑھانے کا حکم نہیں پایا جاتا، لیکن جس کے پاس پوری آستین کی قیص یا کرتا ہو باوجود اس کے وہ ہاف قیص اور بنیائن پہن کر نماز پڑھے تو یہ نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اسلئے کہ ہمارے ملک میں صاحب استطاعت اور سلیم الطبع شریف لوگ ہاف قیص اور بنیائن گھر میں پہنتے ہیں یا کسی محنت کے کام و کاج کے وقت میں پہنتے ہیں، اور بازار یا یارات جاتے وقت یا کسی عہدہ والے انسان سے ملاقات کے موقعہ پر ہاف قیص اور بنیائن نہیں پہنتے۔ ایسے لباس کو فقہ حنفی میں ثیاب بذلۃ اور ثیاب مھنۃ کے نام سے ذکر کر کے یہ لکھا گیا ہے کہ پوری آستین کی قیص یا کرتے کے ہوتے ہوئے ایسے لباس کو پہن کر نماز پڑھے تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، اور جو نماز مکروہ تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے تو اس کا اعادہ مستحب ہے، لیکن جس شخص کے پاس پوری آستین کی قیص یا کرتا نہ ہو وہ ہاف قیص یا بنیائن پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز بلا کراہت ادا ہوگی۔ درمختار میں ہے۔

> و کرہ (صلاتہ) فی ثیاب (بذلۃ) یلبسھا فی بیتہ (و مھنۃ) ای خدمۃ اِنْ لَہٗ غَیْرُ ھَا وَ اِلَّا، لَا.
>
> بذلہ کپڑے میں نماز مکروہ ہے۔ یہ ایسا لباس ہے جو گھر میں یا کام کاج کے وقت یا خدمت کے وقت پہنتا ہے۔ اور اگر اسکے پاس دوسرا کپڑا ہے ہی نہیں تو مکروہ بھی نہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

> قولہ(وصلوتہ فی ثیاب بذلۃ) بکسر الباء الموحدۃ وسکون الذال المعجمۃ الخدمۃ و الا بتذال و عطف المھنۃ علیھا عطف تفسیر .... قال فی البحر: و فسر ھا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذھب بہ الی الا کابرو الظاھر ان الکراھۃ تنزیھیۃ اھ.
>
> .... البحر میں کہا، بذلہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے گھر میں پہنتے ہیں اور اسے پہن کر بڑے لوگوں کے پاس نہیں جایا جاتا۔ ظاہر یہ ہیکہ کراہت تنزیہی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

الصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ... (پوری عبارت... مسئلہ ۳۸۳... میں دیکھیں)۔

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو ثیاب بذلہ میں نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ تیرا کیا خیال ہے کہ اگر میں تجھے بعض لوگوں کی طرف بھیجتا تو کیا انھیں کپڑوں کو پہن کر جاتا، اس شخص نے جواب دیا کہ نہیں، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب لوگوں کی طرف اچھے کپڑے اور زینت والے لباس کو پہن کر جانا پسند کرتا ہے تو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے موقعہ پر یعنی نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ تو اس کے لئے اچھے اور زینت والے کپڑے پہنے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۶ میں ہے۔

و رأی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجلا فعل ذالک فقال ارا یت لو کنت ارسلتک الیٰ بعض الناس اکنت تمرفی ثیابک ھذہ فقال لافقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اللہ احق ان تتزین لہ. حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا، جس نے ایسا کیا آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں کسی کے پاس بھیجتا تو کیا تم خیال کرتے ہو تم اسی کپڑے میں جاتے۔ کہا "نہیں" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس کیلئے زینت کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۸۷: کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ احرام پہن کر نماز پنجگانہ پڑھی یا پڑھائی جانا درست ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں؟ والسلام ۱۲۔

مسئولہ آستانہ چشتیہ سید شاہ وارثی لکھنوی حال وارد رامپور

الجواب: مستفتی نے بوقت نماز احرام پہننے کی کیفیت بھی عملی طور مجھے دکھادی اور یہ بھی بتایا کہ بوقت نماز سر پر رومال باندھ لیا کرتا ہوں۔ میں کامل غور وفکر اور کتب فقہیہ کا مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ شرعاً احرام پہن کر ہر نماز کا پڑھنا یا پڑھانا جائز و درست اور صحیح ہے، چونکہ جہاں تک سترِ عورت اور سارے جسم کے ڈھانکنے کا تعلق ہے وہ احرام سے پورا ہو جاتا ہے، خود سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعضے اوقات میں ازار شریف (تہبند) اور ردائے مبارک (چادر) پہن کر یا اوڑھ کر بیان جواز کے لئے نماز ادا فرمائی ہے، لہذا احرام بطریق مذکور پہن کر نماز کے صحیح و درست ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، نماز بالیقین درست ہو جاتی ہے، لیکن ہمارے فقہائے کرام نے نماز کے لئے تین اچھے کپڑے قمیص، ازار، عمامہ کے استعمال کو مستحب فرمایا ہے، اس تصریح کی بنا پر صرف نماز کے خلاف مستحب ہونے کا حکم صورت مسئولہ میں مستفاد ہوتا ہے۔

نیز عام طریقہ پر وارثی حضرات پیلے رنگ سے رنگا ہوا احرام پہنتے ہیں اور مرد کے لئے ایسے پیلے رنگ کے لباس کا استعمال کرنا بتصریح فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے، لہذا پیلے رنگ کا احرام نہ پہنے، بلکہ اس کے بجائے سفید یا کسی ایسے رنگ کا احرام پہنے جو مرد کے لئے بغیر کراہت جائز و مباح ہو ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ مندرجہ بالا مسائل کے دلائل ذیل میں مذکور ہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۲۵ میں ہے۔

والمستحب ان یصلی فی ثلثۃ ثیاب من احسن ثیابہ قمیص واز ارو عمامۃ. مستحب یہ ہے

کہ نماز کیلئے اپنے اچھے کپڑوں میں سے تین کا انتخاب کرے ایک قمیص، دوسرا تہبند، تیسرا عمامہ۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۲۵ میں ہے۔

ویکفی له الصلوٰة فی مایشمل عامة جسده لماروی عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالی عنه قال صلی بنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی شملة قد توشح بها عقد ها بین کتفیه جو کپڑا عام جسم کو ڈھک رہا ہو وہ نماز کے لئے کفایت کرے گا۔ کیونکہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا "رسول ﷺ نے ہم لوگوں کو ایک شملے میں نماز پڑھائی جس کو بغل سے نکال کر دونوں کندھوں کے درمیان باندھ لیا تھا۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۵۶ میں ہے۔

والا فضل ان یصلی فی ثوبین حتی یحصل السترالتام و بعض الفقهاء قالوا والمستحب ان یصلی فی ثلثة اثواب قمیص و ازار و عمامة. افضل یہ ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے، تا کہ مکمل ستر حاصل ہو، بعض فقہاء نے کہا "مستحب یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ قمیص، تہبند اور عمامہ۔

مجمع الانہر استنبولی ص ۶۱۰ میں ہے۔

(یکره)الثوب (الاحمر والمعصفر)للرجال لانه علیه السلام نهی عن لبس الاحمر المعصفر وفی المنح ولاباس بلبس الثوب الاحمروبه صرح ابوالمکارم فی شرح النقایة وهذا ظاهر فی ان المرادبالکراهة کراهة التنزیه لانها ترجع الیٰ خلاف الاولیٰ کما صرح به کثیر من المحققین لان کلمة لاباس تستعمل غالبافی ماترکه اولیٰ کماقاله بعض اهل التحقیق لکن صرح صاحب تحفة الملوک بالحرمة فافادان المراد کراهة التحریم وهو المحمل عندالاطلاق. سرخ کپڑا اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لئے مکروہ ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زعفرانی رنگ کے کپڑے سے منع فرمایا۔ المنح میں ہے "سرخ کپڑا پہننا مکروہ نہیں ہے ابوالمکارم نے شرح النقایہ میں اسکی تصریح کی ظاہر یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ اس کا سبب خلافِ اولیٰ ہے۔ کئی محققین نے ایسا ہی کہا۔ کیونکہ لفظ "لاباس" اکثر اس کے لئے بولا جاتا ہے جس کا ترک اولیٰ ہو۔ بعض اہلِ تحقیق نے ایسا ہی کہا۔ لیکن "صاحب تحفۃ الملوک" نے حرمت کی تصریح کی۔ جس سے پتہ چلا کہ کراہت سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ مطلقاً مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہی ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد خامس ص ۵۰۴ میں ہے۔

یکره للرجال ان یلبس الثوب المصبوغ بالمعصفر والزعفران والورش کذافی فتاویٰ قاضی خان. مردوں کے لئے پیلے رنگ، زعفران اور "ورس" (سرخ گھاس) سے رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

درمختار ہاشمی ص ۵۹۱ میں ہے۔

(وکرہ لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والا صفرللرجال) مفادہ انہ لایکرہ للنساء (ولاباس بسائرالالوان) وفی المجتبیٰ والقھستانی وشرح النقایۃ لابی المکارم : لاباس بلبس الثوب الاحمر انتھیٰ ومفادہ ان الکراھۃ تنزیھیۃ لکن صرح فی التحفۃ بالحرمۃ فافاد انھاتحریمیۃ وھی المحمل عند الاطلاق. مردوں کے لئے پیلے رنگ سے رنگا ہوااور سرخ و زردزعفرانی رنگ سے رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔''مردوں'' کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ ایسا کپڑا عورتوں کے لئے مکروہ نہیں۔ان کے علاوہ کسی بھی رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے میں کوئی مضایقہ نہیں۔المجتبیٰ، القھستانی اورابوالمکارم کی شرح النقایہ میں ہے۔''سرخ کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہیں۔''اسکا مفادیہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔لیکن التحفہ میں حرمت کی صراحت کی۔جس کا مفادیہ ہوا کہ کراہت تحریمی ہے۔جب مکروہ مطلق بولا جائے تو مکروہ تحریمی مراد ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے باپ اوردادا اپنے مکان پر قرض لیا تھا، اوروہ قرض ادانہ ہوسکا۔قرض خواہ نے عدالت میں نالش کردی اوراس کی ڈگری ہوگئی۔وہ ڈگری اجراء نہ ہوسکی۔ مدت بارہ سال گذر گئے۔میں نے اس زمین پر قبضہ کرنا چاہا اہل محلہ وامام مسجد نے اسپر قبضہ کرلیا کہ یہ مکان وقف ہے۔ جس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں۔کیا ایسے غصب شدہ اراضی پروضو،غسل، نماز شرعاجائز ہے؟

مسئولہ حامد علی

الجواب: اگرفی الواقع بیان سائل صحیح ہے کہ اس کی مملوکہ زمین پراہل محلہ وامام مسجد نے ناجائز طور پرقبضہ کرکے اس زمین کو مسجد میں شامل وداخل کرلیا ہے تو اہل محلہ وامام مسجد کا ایسا تصرف ناجائز و باطل ہے۔ایسے ناجائز تصرف سے ہرمسلمان کو بچنالازم وضروری ہے۔ایسی غصب کردہ زمین پروضواورغسل کرنا مالک زمین کی مرضی واجازت کے بغیراور ادائے ضمان ومعاوضہ کے بغیر شرعاممنوع اوراس پرنماز اداکرنا مکروہ اورسبب عتاب ہے۔طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۱۶ میں ہے۔

تکرہ الصلوٰۃ فی الثوب المغصوب و ان لم یجد غیرہ لعدم جواز الانتفاع بملک الغیر قبل الاذن او اداء الضمان. غصب کئے ہوئے کپڑے میں نماز مکروہ ہے۔اگرچیکہ دوسراموجودنہ ہو۔ کیونکہ غیرکی ملکیت سے بغیراس کی اجازت اورتاوان دئے بغیر فائدہ اٹھانا شریعت اسلامیہ میں جائزنہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلداول ص ۱۰۲ میں ہے۔

الصلوٰۃ فی ارض مغصوبۃ جائزۃ و لکن یعاقب بظلمہ فما کان بینہ وبین اللہ تعالیٰ یثاب و ماکان بینہ وبین العبادیعاقب کذافی مختار الفتاوی. غصب کی ہوئی زمین میں نماز تو ہوجائیگی،لیکن غاصب اپنے ظلم کی سزا پائیگا۔اللہ اور بندے کے مابین جومعاملہ ہےیعنی نماز،اس پرثواب

دیا جائے گا۔ اور اللہ اور بندوں کے بیچ جو معاملہ ہے، اس پر عذاب دیا جائے گا۔

غنیۃ المستملی ص ۳۵۶ میں ہے۔

و تکرہ الصلوٰۃ فی ارض الغیر بلا اذن. دوسرے کی زمین پر بلا اجازت نماز مکروہ ہے۔

اور اگر فی الواقع زمین مسجد کے لئے وقف ہے تو اس زمین پر وضو کرنا، غسل کرنا، نماز پڑھنی بلا کراہت جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۸۹: عملِ کثیر اور قلیل نماز میں کیسا ہے؟

مسئولہ چھٹن خان، مراد آباد محلہ، ۲۷ جولائی ۱۹۶۱ء

الجواب: عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی اور عمل قلیل بھی بغیر ضرورت ہرگز نہ کرے۔ لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ دونوں ہاتھوں سے کسی کام کا کرنا عمل کثیر ہے۔ اسی طرح ایک ہاتھ سے نماز میں کسی کام کا اس طرح کرنا کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ نمازی نہیں ہے، یہ بھی عمل کثیر ہے۔ اسی طرح ایک رکن نماز میں مسلسل تین بار کسی کام کا کرنا بھی عمل کثیر ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں کہ (۱): مرد نماز میں نماز پڑھنے کے لئے کرتے کی آستین کو کہنی کے اوپر رکھتا ہے، نماز مکروہ ہوتی ہے؟ (۲): مرد کہنی کے نیچے کرتے کی آستین کو رکھتا ہے اور کہنی کے نیچے آستین کو دوہرا کر کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳): ہاتھ کی گھڑی یا جیب کی گھڑی میں چمڑا کی بندش ہو یا چمڑہ کا فیتہ ہو، وہ جائز ہے، نماز پڑھ سکتا ہے، بخلاف اس کے اگر چین پیتل یا کسی دھات کی ہو تو گھڑی کلائی پر باندھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نمازی نے نماز بجماعت پڑھی اور گھڑی کلائی پر بندھی تھی، کلائی پر بندش چمڑہ کی نہ تھی تو نماز ہو گئی یا نہیں؟

مسئولہ سلامت اللہ، اصالت پورہ، مراد آباد، ۲۳ مئی ۱۹۶۷ء

الجواب: (۱) و (۲): کرتے اور قمیص کی آستین کو کلائی سے نیچے چڑھانا خواہ کہنیوں کے اوپر ہو یا نیچے ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے۔ جو نماز اس طرح ادا کی جائے گی اس کا لوٹانا دوبارہ غیر مکروہ طریقہ پر پڑھنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): چمڑے اور کپڑے اور پلاسٹک کے چین کا استعمال دستی اور جیبی گھڑی میں جائز ہے، کوئی کراہت و ممانعت نہیں، اور اگر چین کسی دھات سے بنائی گئی ہو خواہ سونا چاندی، پیتل، تانبا ہو یا اور کوئی دھات ہو اس کے چین کا استعمال دستی و جیبی گھڑی میں مکروہ و ممنوع ہے۔ نماز میں کسی دھات سے بنے ہوئے چین کا استعمال مکروہ تحریمی ہے۔ نماز بکراہت تحریمی ادا ہو گی جس کا اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۹۱: (۱): نماز میں قمیص یا کرتے یا واسکٹ کوٹ کے بٹن کھلے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے نماز ہو گی یا نہیں؟

(۲): نماز میں دونوں ہاتھ ایک ساتھ استعمال کرنا یا دونوں ہاتھوں سے تہبند اوپر سرکانا یا پائجامہ اوپر سرکانا یا کرتے کا دامن دونوں ہاتھوں سے گھٹنے پر لانے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ اصغر حسین، چور گلیا روڈ ۵ ہلدوانی، نینی تال، ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ جمعہ

الجواب: (۱): ان لباسوں کے بٹن کو لگانا ہی چاہئے، بٹن کا کھلا رکھنا خلاف اولیٰ بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ نماز بہر حال جائز وصحیح ہوگی۔ نماز کا اعادہ ایسی صورت میں مستحب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): دونوں ہاتھوں سے نماز کے اندر کوئی کام نماز کے خلاف نہ کرنا چاہئے، چونکہ بعض فقہائے کرام نے دونوں ہاتھوں سے ایسے کام کے کرنے کو کثیر قرار دیکر نماز کے فاسد ہونے کا حکم دیا ہے، لیکن مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ لہذا یہ نماز مکروہ ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کرتا قمیص وغیرہ پہنتا ہے، اکثر زید کے کرتے وغیرہ کے گلے کا بٹن کھلا رہتا ہے باقی بٹن لگے رہتے ہیں۔ لہذا نماز جائز ہوگی یا مکروہ؟

مسئولہ عبد اللہ خاں صاحب ریٹائرڈ، ۲۷ رجب ۱۳۸۸ھ

الجواب: بوقتِ نماز گلے کا بٹن لگانا ضروری بمعنی فرض وواجب تو نہیں ہے، لیکن بحکم سنتِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ضروری ہے حتی کہ حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض صحابی سے فرمایا کہ بٹن اور گھنڈی نہ میسر ہو تو کانٹوں سے گریبان کو بند کرو، لہذا کرتے اور قمیص میں گلے کے بٹن ہوتے ہوئے گلے کے بٹن لگا لئے جائیں، ورنہ نماز مکروہ تنزیہی کے ساتھ ادا ہوگی، جس کا لوٹانا دوبارہ کراہت کے بغیر نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۳: درزی کے یہاں کا مصلیٰ پیوند شدہ مسجد میں ہے اور اس پر امام نماز پڑھاتے ہیں اور ہم لوگوں کے یہاں کا عام رواج ہے کہ درزی کپڑے والے کی اجازت کے بغیر کپڑا اپنے پاس رکھ لیا کرتے ہیں، دریافت طلب یہ ہے کہ ایسے مصلے پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا شمار مال مغصوب میں ہوگا یا نہیں؟

مسئولہ محمد مسلم حسین شمسی رضوی، مدرسہ حبیب العلوم سمنانیہ، اسلام آباد، چوٹیا، بھاگلپور، ۸ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ

الجواب: اگر درزی نے گاہک کے بچے ہوئے کپڑے سے پیوند لگایا ہے، اور کپڑے والے سے بچے ہوئے کپڑے کی اجازت تصرف بھی اس نے حاصل نہیں کی ہے تو ایسے مصلیٰ پر نماز مکروہ ہوگی، چونکہ جس مصلی پر اس کپڑے کا پیوند لگا، یہ کپڑا ثوب مغصوب ہوا اور ثوب مغصوب یا جس مصلیٰ میں ثوب مغصوب لگا ہو اس پر نماز مکروہ ہوگی۔ کم از کم نماز مکروہ تنزیہی ضرور ہوگی۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۶ میں ہے۔

تکرہ الصلوٰۃ فی الثوب المغصوب۔ غصب کئے ہوئے کپڑے میں نماز مکروہ ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے چادر اوڑھ کر تحریمہ چادر کے نیچے باندھ کر نماز پڑھائی۔ بکر کہتا ہے کہ چادر کے نیچے تحریمہ باندھ کر نماز پڑھانے سے نماز نہیں ہوتی۔ تو زید نے

کہا کہ نماز لوٹائی جائے تو بکر نے کہا کہ مقتدی کی نماز ہوگئی۔ زید نے جواب میں کہا کہ جب امام کی نماز نہیں ہوئی تو مقتدی کی کیونکر ہوگی؟

مسئولہ محمد مطیع الرحمن اشرفی، بائسی ہاٹ، ضلع پورنیہ، مر۲ رفبروری ۱۹۷۲ء

الجواب: اس قسم کی بحث وتکرار نامناسب ہے۔ اگر نیت کے بعد امام کے دونوں ہاتھ چادر کے اندر چھپ گئے یا ڈھک گئے تو کسی فرض کا ترک لازم نہ آیا، لہذا نماز ہوگئی۔ یہ صورت ایسی ہے کہ امام ومقتدی سب کی نماز ہوگئی۔ بکر کا یہ حکم صادر فرمانا کہ نماز نہیں ہوئی اور یہ فتویٰ دینا کہ مقتدی کی نماز ہوگئی مگر امام کی نماز نہیں ہوئی غلط و باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب مکروهات الصلوٰة

حکم العمامة (عمامہ کا حکم)

مسئلہ ۳۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ زید کے سر پر ٹوپی یا کلاہ ہے، اس پر اس نے عمامہ یا رومال اس طرح لپیٹا کہ بیچ سر پر نہیں آیا، بیچ سر پر صرف ٹوپی یا کلاہ رہی۔ کنارے کنارے عمامہ یا رومال رہا یہ "اعتجار" ہے یا نہیں؟ از راہ کرم جواب بحوالہ کتب معتبرہ مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ مولانا عاصم ابراہیم صاحب، مدرسہ خیر المدارس، عمرپور، بھاگلپور

الجواب: اکثر کتب فقہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ رومال یا عمامہ وغیرہ کو سر کے کنارے کنارے لپیٹا جائے اور سر کا درمیانی حصہ بالکل خالی ہو، نہ اس پر ٹوپی ہو، نہ کلاہ تو اسے "اعتجار" کہتے ہیں۔ یہ نماز وخارج نماز ہر حال میں ممنوع ومکروہ تحریمی ہے۔ اس کی ممانعت حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے، عوام کالانعام اور کام کاج کرنے والے عام طور پر انگوچھا یعنی گمچھا اس طرح باندھتے ہیں۔ طحطاوی علی الدر المختار ص ۲۷۵ میں ہے

قوله (والا عتجار) وهولف العمامة حول الراس و ابداء الهامة وقد نهى عنه فكر اهته تحريمية وعلله في الولوالجية بانه تشبه باهل الكتاب وهومكروه خارج الصلوة۔''

اعتجار" کہتے ہیں عمامہ کو سر کے چاروں طرف لپیٹنا اور درمیانی حصہ کھلا رکھنا۔ اس سے منع کیا گیا ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے۔ الولوالجیہ میں اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے۔ لہذا یہ خارج نماز بھی مکروہ ہے۔

غنیۃ المستملی المعروف بہ کبیری ص ۳۴۴ میں ہے۔

الاعتجار(ان يشدحول راسه) اى دائر راسه (بالمنديل)ونحوه (ويبدى)اى يظهر (هامته)

ای اعلیٰ راسه، و هذا هوالمذ کور فی فتا ویٰ قاضیخان والخلاصة وغیر هما. "اعتجار" یہ ہے کہ سر کے چاروں طرف رومال وغیرہ سے گھما کر کے باندھا جائے اور سر کے درمیانی حصہ کو کھلا رکھا جائے۔

ردالمحتار المعروف بالشامی جلد اول ص ۴۸۱ میں ہے۔

وهو شدالراس اوتکویر عمامته علی راسه، وترک وسطه مکشوفا. "اعتجار" کا مطلب ہے سر کے کنارے کنارے لپیٹنا اور بیچ کو کھلا رکھنا۔

فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۰ میں ہے۔

ویکره الا عتجار، وهو ان یکور عمامته ویترک وسطه مکشوفاً کذا فی التبیین قال الامام الولوالجی وهو یکره خارج الصلاة ایضاً هکذافی البحر الرائق. "اعتجار" مکروہ ہے وہ یہ ہیکہ عمامہ کو کنارے کنارے لپیٹے اور بیچ کو کھلا ہوا چھوڑ دے۔ ایسا ہی التبیین میں ہے۔ امام الولوالجی نے کہا یہ نماز کے باہر بھی مکروہ ہے۔ البحر الرائق میں ایسا ہی ہے۔

اور طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر چہ بیچ سر پر ٹوپی یا کلاہ ہو مگر سر کا درمیانی حصہ عمامہ سے خالی ہو تو یہ بھی "اعتجار" ہے۔ مراقی الفلاح ص ۲۱۰ میں ہے۔

وکره الاعتجار و هو شد الراس بالمندیل او تکویر عمامته علیٰ راسه وترک وسطها مکشوفا. "اعتجار" مکروہ ہے، وہ سر کو رومال سے باندھنا ہے، یا کنارے کنارے عمامہ کو لپیٹنا ہے اور بیچ کو کھلا ہوا چھوڑ دینا ہے)۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (اوتکویر عمامته علی راسه) ای لف العمامة حول الراس، وابداء الهامة کمافی الظهیر یة فقوله وترک وسطها مکشوفا راجع الی تفسیر الشرح ایضا والمرادانه مکشوف عن العمامة لا مکشوف اصلاً لانه فعل مالایفعل. سر پر تکویر عمامہ کا مطلب یہ ہے کہ سر کے چاروں طرف لپیٹ لیا جائے اور کھوپڑی کو کھلا رکھا جائے۔ جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ وسط سر کو کھلا ہوا چھوڑنے کا مطلب عمامہ کا کھلا ہوا ہوتا ہے، نہ کہ اصل سر کا۔ کیونکہ یہ ایسا کام ہے جو نہیں کیا جاتا ہے۔

لیکن غنیۃ المستملی میں جو وجہ کراہت بتائی گئی ہے وہ قول اول کو ترجیح دیتی ہے، لہذا قول راجح پر، اگر سر کا اکثر حصہ عمامہ کی پیچوں سے ڈھکا ہوا ہو اور بیچ سر پر صرف ٹوپی یا کلاہ ہو اور عمامہ کی پیچ نہ ہو تو یہ "اعتجار" نہیں، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ سارے سر پر عمامہ کی پیچ ہو۔ غنیۃ المستملی کے ص ۳۳۵ میں ہے۔

وربمایکون وجه کراهته التشبه بالمرأة وکشف وسط الراس لکونه فعل الجفاة من الا عراب. غالباً سبب کراہت عورتوں سے مشابہت ہے بیچ سر کا کھولنا دھقانیوں کا عمل ہے۔ **واللّٰه تعالیٰ**

اعلم.

مسئلہ ۳۹۶: امام صاحب نے صافہ اس طرح باندھا کہ صافے کے نیچے کی ٹوپی کچھ کچھ دکھ رہی ہے، اس حالت میں انھوں نے نماز پڑھائی نماز ہوگی یا نہیں؟ یہ اس کا فعل جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد سعید الرحمن قادری، فتح پور، ضلع مراد آباد، ۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ

الجواب: عمامہ اس طرح باندھا جائے کہ اس کے نیچے کی ٹوپی چھپ جائے یہی مسنون ہے۔ اگر بے توجہی کے باعث کہیں ذرا سی ٹوپی چھپنے سے رہ جائے تو اس سے نماز کے نہ ہونے کا حکم دینا معقول نہیں۔ ہاں قصدانہ کیا جائے تاکہ اعتجار کے باعث کراہت کا حکم نہ عائد ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۳۹۷: نماز جمعہ ٹوپی پہن کر پڑھائی اور عمامہ نہیں پہنا، کیونکہ وہ سنت ہے۔ سنت کو ترک کیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبداللطیف خانصاحب، محلّہ کاظم خاں، قصبہ قائم گنج، ضلع فرخ آباد، ۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ شنبہ

الجواب: سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) سنتِ ہدیٰ جسے سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے۔ (۲) سنت زوائد جسے سنت مستحبہ کہا جاتا ہے۔ امام کے لیے بھی عمامہ کا نماز کے وقت باندھ لینا سنت مستحبہ ہے۔ اس ترک مستحب سے نماز کا عدم جواز لازم نہیں آتا، بلکہ اس کے ترک سے نماز مکروہ بھی نہیں ہوتی، لہٰذا جو امام نماز جمعہ میں عمامہ نہ باندھے گا، اس امام کی نماز بغیر کراہت جائز و صحیح ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ و افضل ہوگی۔ درمختار مصری جلد اول ص ۳۲۱ میں ہے۔

> ولها اداب ، تر كه لا يوجب اساءة ولاعتابا كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل. ترک مستحب نہ اساءت کو واجب کرتا، نہ عتاب کو۔ جیسے سنت زوائد کا ترک، لیکن اس کا کرنا افضل ہے۔

ردالمحتار جلد اول ص ۷۰ میں ہے۔

> السنة نوعان سنة الهدىٰ وتركها يوجب اساءة و كراهة كالجماعة والاذان والاقامة و نحوها و سنة الزوائد وتركها لا يوجب ذالك كسيرة النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى لباسه. سنت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) سنت ہدیٰ، اس کا ترک اسائت و کراہت کو واجب کرتا ہے، جیسے جماعت، اذان، اقامت وغیرہ سنت ، (۲) سنت زوائد اس کے ترک سے یہ باتیں لازم نہیں آتیں، جیسے لباس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل۔

اسی میں ہے۔

> فلا فرق بين النفل والسنن الزوائد من حيث الحكم ، لانه لايكره ترك كل منها. نفل اور سنت زوائد کے درمیان میں من حیث الحکم کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے کسی کا ترک مکروہ نہیں۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۰۱ میں ہے۔

> والمستحب للرجل ان يصلى فى ثلاثة اثواب ازار و قميص وعمامة. مرد کیلئے مستحب یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ تہبند، قمیص، عمامہ۔ والله تعالى اعلم.

مسئلہ ۳۹۸: زید ٹوپی پہن کر نماز پڑھاتا ہے اور کبھی کبھی عمامہ بھی باندھ لیتا ہے، جیسے جمعہ وعیدین میں، بکر کہتا ہے کہ جو آدمی عمامہ پہن کر آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی۔ ہاں اگر آپ ہمہ اوقات ٹوپی ہی پہنیں اور عمامہ کبھی نہ باندھیں تب نماز ہو سکتی ہے۔ یا تو ہمہ اوقات ٹوپی پہنئے یا پھر نماز عمامہ باندھ کر پڑھایئے، نیز جو عمامہ تین گز کا بغیر ٹوپی کے باندھا جائے اس کا کیا حکم ہے، عمامہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

مسئولہ......، گڑھیا، ضلع گنگانگر، راجستھان، ۱۹/اپریل ۱۹۷۴ء

الجواب: امام کے لئے بلکہ ہر نمازی کے لیے افضل واولیٰ یہی ہے کہ وہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھائے اور پڑھے۔ ترک افضل واولیٰ سے نماز کے نہ ہونے کا فتویٰ صادر کرنا' اس سے بکر کی جہالت وناداني ظاہر ہوتی ہے۔ علم وتحقیق کے بغیر شرعی احکام کا بیان کرنا گناہ عظیم کی بات ہے۔ حدیث نبوی میں اس پر سخت قسم کی وعید آئی ہے کہ کل بروز قیامت ایسے شخص کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ امام خواہ ہمیشہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھے اور پڑھائے' یا کبھی ٹوپی پہن کر اور کبھی عمامہ باندھ کر نماز پڑھائے عمامہ باندھ کر دائمی طور پر نماز پڑھنے والے مقتدی کی ہر نماز ایسے امام کے پیچھے بغیر کراہت کے صحیح ودرست ہوگی۔ عمامہ خواہ تین گز کا ہو یا پانچ گز کا یا دس گز کا، اس کے نیچے ٹوپی کا ہونا بطور سنت مستحبہ ضروری ہے اور اہل سنت کا شعار ہے۔ بغیر ٹوپی کے عمامہ ہرگز نہ باندھے۔ سنت کی مخالفت سے عمامے کا ثواب نہیں ملے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

باب مکروہات الصلوٰۃ

حکم مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر کا حکم)

مسئلہ ۳۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ مسئلہ میں کہ ایک مستند عالم دین یہ کہتا ہے۔ ''لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا خلاف اولیٰ وخلاف افضل ہے، اور اس کا استعمال نہ کرنا ہی اچھا ہے''۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ علمائے فرنگی محل نیز دیگر محترم اور بزرگ علمائے کرام کا یہی خیال ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ چونکہ لاؤڈ اسپیکر اکثر فیل ہو جایا کرتا ہے، اور باوجود مکبروں کے زیادہ تر کم پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کی نماز فیل ہونے کی صورت میں خراب ہو جایا کرتی ہے، اس لئے اس کا استعمال خلاف اولیٰ ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ احمد آباد شہر کی جامع مسجد جس میں بموقعہ عید وبقرعید کم وپیش ایک لاکھ سے زائد مجمع نمازیوں کا ہو جایا کرتا ہے اور تقریباً یہی حال عید گاہ کا ہے، اس کے باوجود لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ واعلان مسائل ہوتا ہے، لیکن نماز نہیں ہوتی ہے، تو پھر اس کی عشر عشیر والی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کی چنداں ضرورت نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذکور الصدر عالم دین ٹھیک کہتا ہے اور اس کی بات پر عمل کرنا عوام کا فرض ہے اور اگر چہ وہ غلط ہی کیوں نہ کہتا ہو پھر بھی اس کی ہدایت پر عمل کرنا ثواب سے خالی نہیں۔ اگر وہ یہ بات غلط بھی کہتا ہوگا تو اس کا عذاب خود اسکی گردن پر ہوگا۔ جاہل لوگوں اور عوام کو محض اس ایک بات کی بنا پر اس کے درپے آزار نہ ہونا چاہئے، اور اس کی تذلیل وتضحیک نہ کرنی

چاہئے، جب کہ وہ آلِ رسول میں سے بھی ہیں، ورنہ گنہگار ہوگا، اور ایسا کرنے والے گنہگار ہونگے۔ یہاں کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جیسا حکم حضرات علمائے کرام ہو وہ عمل میں لایا جائے۔ لہٰذا استدعا ہے کہ جواب باصواب مزین بمہر وحوالجات سے سرفراز فرمائیں، تا کہ بات نہ بڑھے اور کوئی خلفشار وتفریق پیدا نہ ہو؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ خلیل احمد جونپوری قلندری، مسجد رکھیال روڈ احمد آباد، گجرات

الجواب: جس عالم دین نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے کو خلاف اولیٰ وافضل قرار دیا ہے اس کا حکم کامل احتیاط پر مبنی ہے۔ اس حکم پر کسی کا اختلاف کرنا بالکل غلط و باطل ہے۔ میری تحقیق میں تو نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا مکروہ و بدعت ہے، اس لئے کہ نمازیوں کے مجمع کثیر کے مواقع پر ایسے مکبرین و مبلغین کا مقرر کرنا جو امام کے حرکات و انتقالات کو بآواز بلند مقتدی تک پہنچا سکے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے ثابت ہے، یعنی مبلغین و مکبرین کا مقرر کرنا سنت متوارثہ ہے اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے کی صورت میں اس سنت متوارثہ کا ارتفاع لازم آتا ہے اور جس فعل سے کسی سنت کا ارتفاع لازم آئے وہ فعل مکروہ اور بدعت سیئہ ہے۔

اس بارے میں تفصیل تام اور مکمل دلائل وحوالجات کو ملاحظہ کرنا چاہیں تو حضرت مولانا الحاج شاہ محمد مظہر اللہ شاہ صاحب امام مسجد فتحپوری ومفتی اعظم دہلی کا رسالہ ''قصد السبیل'' اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد صاحبداد خان کا رسالہ ''القول المقبول'' ملاحظہ فرمائیں ''القول المقبول'' لاہور سے مل سکے گا، جس کا پتہ یہ ہے، منیجر صاحب رسالہ السواد الاعظم'' لال کھوہ موچی گیٹ، لاہور، اور قصد السبیل دہلی سے مفتی صاحب موصوف سے طلب فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا ہونا جب کہ قرآنِ کریم میں یعنی نص قطعی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۱۰] اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو، یعنی درمیانی آواز میں پڑھو۔

خلاصہ یہ ہے لاؤڈ اسپیکر سے نماز کا پڑھنا قرآن کی مخالفت ہے، حضرات علمائے اہل سنت وجماعت سے اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

مسئولہ سید محمد عبد اللطیف صاحب حسینی صدیقی صابری نظامی نعیمی، سکریٹری، ضلع مظفر نگر، ۵ر مئی ۱۹۶۲ء

الجواب: میری تحقیق میں لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں استعمال کرنا مکروہ و بدعت ہے، اس لئے کہ نمازیوں کے مجمع کثیر کے مواقع پر ایسے مکبرین ومبلغین کا مقرر کرنا جو امام کے حرکات وانتقالات کو بآوازِ بلند مقتدی تک پہنچا سکے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے ثابت ہے۔ یعنی مبلغین ومکبرین کا مقرر کرنا سنتِ متوارثہ ہے، اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے کی صورت میں اس سنت متوارثہ کا ارتفاع لازم آتا ہے، اور جس فعل سے کسی سنت کا ارتفاع لازم آتا ہو وہ فعل مکروہ اور بدعت سیئہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۰۱: کیا حکم شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ مولوی محمد فرحت حسین صاحب نعیمی قادری، ۳؍صفر ۱۳۸۵ھ

الجواب: جمہور محققین علمائے اہلِ سنت و جماعت نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے اور یہی حکم دیا ہے کہ اس کا استعمال نماز میں ہرگز ہرگز نہ کیا جائے۔ بعض فرماتے ہیں، اس کا استعمال مفسد نماز ہے۔ بعض مکروہ بتاتے ہیں۔ میری تحقیق بھی یہی ہے کہ اس کا استعمال نماز میں ہرگز ہرگز نہ کیا جائے، کم از کم مکروہ و خلاف سنت ہونا میرے خیال میں یقینی ہے، لہٰذا اس کا استعمال نماز میں درست نہیں یہ بحث طویل ہے مختصراً لکھا گیا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۰۲: مکرمی مجی مفتی صاحب نعیمیہ مرادآباد، جنابِ عالی!

عرض یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر اذان بھی ہوجاتی ہے اور خطبہ بھی ہوجاتا ہے، لیکن نماز میں جماعت کیوں نہیں ہوسکتی، کیا اس کے لئے کوئی مناسب فتویٰ ''وجہ'' ''سبب'' نیز مع دلیل لکھ کر عنایت کریں گے؟ عین نوازش ہوگی۔

مسئولہ منشی محمد شبیر صاحب، ۲۷؍رمضان شریف ۱۳۸۶ھ دوشنبہ

الجواب: اذان و خطبہ و نماز سب جدا جدا چیزیں ہیں، سب کے احکام بھی الگ الگ ہیں تینوں کے جملہ احکام شرعیہ یکساں نہیں، بلکہ ان کے احکام میں متعدد وجوہ سے فرق و امتیاز ہے، مثال کے طور پر مختصر انداز میں یوں سمجھئے کہ......

(۱) اذان و خطبہ بغیر وضو کے جائز و صحیح ہے، اگرچہ ممنوع ہے، اس لئے کہ اذان و خطبہ کے لیے طہارت کاملہ شرط و ضروری نہیں، بلکہ مسنون ہے، اور نماز کے لیے طہارت کاملہ فرض و لازم اور شرط و ضروری ہے، کوئی نماز بغیر طہارت کاملہ نہیں ہوسکتی۔

(۲) اسی طرح اذان و خطبہ کیلئے قیام (کھڑا ہونا) مطلقاً سنت ہے، اور نماز کے لیے قیام مطلقاً فرض ہے۔

(۳) اذان میں کسی آیت قرآنیہ کی تلاوت خلاف سنت ہے، بلکہ اذان کے الفاظ و کلمات مخصوصہ ہی اذان میں ادا کیے جائیں گے، اور خطبہ میں قران کریم کی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا سنت ہے، اور نماز میں قرآن کریم کا پڑھنا فرض ہے۔

(۴) ایک مسجد کی مختلف اذان گاہوں میں بیک وقت چند اذانیں ہوسکتی ہیں، لیکن ایک مسجد میں بیک وقت چند خطبے اور چند جماعتیں نہیں ہوسکتیں۔

(۵) عیدین کے خطبے سنت ہیں اور جمعہ کا خطبہ فرض و شرط۔

(۶) عیدین میں خطبے اگر مطلقاً نہ پڑھے جائیں تو نماز عیدین صحیح و درست ہوگی، اور سنت کا ترک لازم آئے گا، اور نماز جمعہ بغیر خطبہ کے صحیح و جائز ہی نہ ہوگی۔

(۷) خطبہ کا سننا واجب ہے یا مسنون اور قرآن کریم کی تلاوت بالجہر ہو تو اس کا سننا فرض و واجب اور بالاخفاء ہو تو خاموش و چپکا رہنا فرض و واجب ہے۔

(۸) اذان و خطبہ کے درمیان میں کلام و گفتگو مکروہ و ممنوع ہے، لیکن کلام و گفتگو کے باوجود اذان و خطبہ صحیح و جائز ہوگا، اور

نماز میں کلام و گفتگو حرام و ناجائز ہے، حتیٰ کہ کلام و گفتگو سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۹) اذان و خطبہ میں کسی غیر کا لقمہ دینا و لینا دونوں جائز و صحیح ہے۔ اس سے اذان و خطبہ میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا، اور نماز میں غیر مقتدی کا لقمہ لینا ناجائز اور اس کا لقمہ لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۱۰) اذان میں موذن کا بلند آواز والا ہونا اور بلند آواز سے اذان کہنا مسنون و مستحب ہے، تا کہ مقصد اذان اعلام غائبین پورا حاصل ہو اور خطبہ و نماز میں اگر کوئی اذان کی طرح آواز بلند کرے اور جہر مفرط ہو جائے تو بنص قطعی و بحکم قرآن عظیم حرام و ممنوع۔

(۱۱) اذان جمعہ کوئی غیر موذن امام معین برائے جمعہ کی اجازت کے بغیر کہدے تو صحیح و جائز ہے لیکن خطبہ جمعہ یا نماز جمعہ امام و خطیب جمعہ کی اجازت کے بغیر، یا نماز میں اس کی شرکت کے بغیر کوئی پڑھ دے اور پڑھا دے تو دونوں صحیح و جائز نہیں ہوتے۔

(۱۲) حدود مسجد میں (یعنی مسجد کی ہر اس جگہ میں جو نماز پڑھنے کے لئے وضع کی گئی ہے) اذان دینا مکروہ و ممنوع ہے، اور حدود مسجد میں خطبہ و نماز بغیر کراہت و ممانعت صحیح و درست ہے، بلکہ افضل و اولیٰ ہے۔

(۱۳) اذان و خطبہ ہر وہ نابالغ جو سمجھدار ذی شعور اذان و خطبہ کہنے پڑھنے کے قابل ہو وہ اذان و خطبہ کہہ سکتا و پڑھ سکتا ہے، اذان و خطبہ درست ہوگا، لیکن وہ بالغ مردوں کو نماز نہیں پڑھا سکتا۔ کسی بھی نماز میں وہ بالغین کی امامت نہیں کر سکتا بالغین کی نماز اس نابالغ کی اقتداء میں ادا نہ ہوگی۔

(۱۴) پوری اذان بغیر ضرورت صرف ایک ہی شخص پڑھے دو شخص نہ پڑھیں، لیکن بغیر ضرورت بھی اگر خطبہ ایک شخص پڑھے اور نماز دوسرا شخص پڑھادے تو جائز و صحیح ہے، مگر افضل و اولیٰ کے خلاف ہے۔

یہ سارے فرق اور امتیازی امور مختصراً اسلئے لکھ دیئے گئے کہ اذان و خطبہ پر نماز کو بتمامہ قیاس کرنا اور بالکل ایک قرار دینا غلطی پر مبنی ہے۔ اس کا اظہار بقدر ضرورت ہو جائے، اس لئے اذان و خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صحیح و جائز ہے کہ ان دونوں میں کسی غیر کی مداخلت خواہ وہ ذی روح ہو یا نہ ہو مفسد اذان و خطبہ نہیں، بلکہ اذان میں اعلام عام و اعلام غائبین تمام اور خطبہ میں پند و نصیحت عوام کی غرض سے ان دونوں کی آواز کا اس آلہ کے ذریعہ دور تک پہنچانا صحیح و جائز ہے اور نماز جو عبادت خاصہ خالصہ ہے اس کا مقصد تعمیل حکم خداوندی و رضائے رب جلیل ہے، اس میں ہر ذی روح غیر مقتدی یا غیر ذی روح کسی آلہ و مشین اور برقی قوت و طاقت کی مداخلت بھی خلل انداز ہوتی ہے، نماز و خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے ایک امر مسنون (یعنی تقرر مبلغین و مکبرین وقت ضرورت جو سنت متوارثہ قدیمہ ہے) مرتفع اور ختم ہو جاتا ہے، سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احیاء زندہ کرنا، باقی رکھنا ہی شرعاً مطلوب ہے اور سنت کی مخالفت یا اس کا حکم ختم کرنا ممنوع اور بدعت ہے۔

مجھے حیرت ہے فرق باطلہ وہابیہ، دیابنہ، غیر مقلدین، مودودیوں اور خصوصاً نجدیوں پر کہ یہ لوگ مستحسنات دینیہ اور مباحات شرعیہ کے کرنے والوں کو بات بات پر بدعتی ناری قرار دیتے ہیں اور بدعت کے نعرے لگاتے ہیں اور احداث فی

الدین کے شور مچاتے پھرتے ہیں، اور اتنی بڑی کھلی ہوئی بدعت سیۂ یعنی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو جائز وصحیح قرار دیتے ہیں، جس کا کوئی ثبوت یا اس کی کوئی اصل و مثل بھی قرآن کریم وحدیث نبوی واصول دین میں نہیں ملتی، اس ایجاد واختراع اور بدعت ومخالفت سنت کو مصداق (کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار کیوں نہیں ٹھہراتے، جب کہ ان بے دینوں کے مسلک میں حق تعالیٰ کے مقدس رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا خیالِ مبارک نماز میں آنا یا لانا اپنے گدھے بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، تو لاؤڈ اسپیکر کے خیال میں آنے اور لانے کو اندرون نماز کیوں بدرجہا بدتر قرار نہیں دیتے، ناممکن ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز ہو تو نمازی کا خیال لاؤڈ سپیکر کی طرف نہ جائے، امام کا خیال مائکروفون کی طرف اور مقتدیوں کا خیال ہارن کی طرف ضرور بالضرور جاتا ہے، جمہور اکابر علمائے اہلِ سنت وفقہائے کرام و مشائخ عظام علیہم الرحمة والرضوان (خواہ وہ ہند کے رہنے والے ہوں یا پاک کے) ان سب کا حکم وفتویٰ یہی ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہرگز ہرگز نہ کیا جائے، چنانچہ ذیل میں یہ فقیر سیدی وسندی استاذ الفضلاء استاذ العلماء صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا الحاج الحافظ الحکیم الشاہ المفتی محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور حضرت بدر الطریقت، صدر الشریعت مولانا الفقیہ المفتی الحاج الشاہ محمد امجد علی صاحب اعظمی انصاری مصنف بہارِ شریعت اور حضور لامع النور رئیس الخطباء و المتکلمین مولانا الحاج المفتی السید الشاہ ابوالحامد سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی محدث اعظم ہند (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العالیہ وانوارہم الفائقہ) اور جانشین اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت مولانا الحاج المفتی الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب نوری قادری مفتی اعظم ہند کے فتاوے کو مع تصدیقات وتوثیقات دیگر اکابر علمائے اہل سنت نقل کرا دینا کافی سمجھتا ہے، جس سے مسئلہ بخوبی ظاہر وواضح ہو جائیگا۔ هذا ما عندی و الله سبحانه و تعالیٰ اعلم و علمه عز اسمه اتم و احکم۔

مسئلہ ۴۰۳: کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز عیدین، نماز جمعہ یا نماز تراویح اور پنجوقتہ نماز بھی بہ جماعت پڑھانا یا پڑھنا از روئے شرع شریف جائز ہے کہ نہیں؟ علاوہ ازیں یہ بھی تحریر فرمائیں کہ لاؤڈ اسپیکر سے صرف پانچوں وقت کی نمازوں کے لئے اذان دینی درست ہے کہ نہیں؟ بہت سے اشخاص یہ کہتے ہیں کہ اجمیر شریف، جامع مسجد دہلی وناخدا مسجد کلکتہ وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر سے نماز پڑھائی جاتی ہے اور اذان بھی دی جاتی ہے، اس لئے یہاں بھی اگر لاؤڈ اسپیکر سے نماز پڑھی جائے یا پڑھائی جائے یا اذان دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں؟ براہ کرم اس استفتاء کا جواب بہت جلد قرآن پاک وشرع شریف کی روشنی میں تحریر فرما کر ارسال کر دیں تا کہ آئندہ جمعہ کو آپ کے صحیح جواب کے ذریعہ یہاں کے سنی مسلمانوں کے اختلاف دور ہو جائیں۔

مسئولہ فنا دائی کلکتہ بک بائنڈر، پنچ مندر روڈ، ہزاری باغ، بہار، ۲۷؍رمضان شریف ۱۳۹۰ھ شنبہ

الجواب: نماز پنجگانہ ہو یا عیدین و جمعہ کی نماز ہو، فرض و واجب نماز ہو یا نفل وسنت کسی بھی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہیں۔ میری تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام ومتکلم کی عین آواز نہیں ہے، اس میں آلہ مذکور اور برقی طاقت کی آواز بھی ضرور شامل ہے، جس کو ہر ذی عقل وشعور انسان محسوس کر لیتا ہے، اگر اس میں امام ومتکلم کی عین آواز ہوتی تو پھر اس کو استعمال کرنا ہی بیکار ہوتا، اس آلہ کا عربی میں مکبر الصوت نام ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ آلہ

آواز کو بڑھاتا ہے نیز یہ آواز میں تغیر بھی پیدا کرتا ہے، چنانچہ بعض اوقات آواز نہیں پہچانی جاتی، حالانکہ اس پر بولنے والے کی نفس آواز کو بآسانی امتیاز کرلیا جاتا ہے، لیکن لاؤڈ اسپیکر پر اس کی آواز ممتاز نہیں ہوتی اور پوچھنا پڑتا ہے کہ یہ کس کی آوز ہے یا بولنے والا کون ہے، نماز میں اقتداء اسی کی ہوگی، جو خود امام ہو یا امام کا مقتدی مکبر کی حیثیت سے ہو، یہ آلہ نہ امام ہے، نہ امام کا مقتدی ومکبر۔ لہٰذا اس کی آواز پر اقتداء صحیح نہ ہوگی، اور نماز ہی نہ ہوگی، نیز امام یا مکبر ومقتدی ذی روح اور ذی شعور ہے مکلف انسان ہوتا ہے، یہ آلہ نہ ذی روح وذی شعور ہے، نہ مکلف انسان ہے، لہٰذا اس کی آواز پر اقتداء درست نہ ہوگی۔ نیز یہ آلہ ایسا ہے کہ برقی طاقت کے ذریعہ اس کی آواز مائیکروفون سے چل کر ہارن سے ٹکراتی ہے، جس کا تجربہ مجھے بارہا ہوا، لہٰذا اس کی آواز کا حکم میرے نزدیک وہی ہے جو کوئیں سے یا گنبد سے لوٹ کر آتی ہے، سوچنے کی ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ بولنے والا کبھی کچھ بول رہا ہے، اور یہ آلہ اپنی راگ الگ الاپتا ہوتا ہے، بعض وقت اگر یہ آلہ فیل ہوجائے یا بجلی کا کرنٹ غائب ہوجائے تو امام پوری نماز ختم کرلیتا ہے اور اس کی آواز پر بھروسہ کرنے والے کھڑے کے کھڑے ہی رہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعت کثیرہ ہونے کی صورت میں مکبرین کو قائم فرمایا تھا، یہ آلہ اس سنت کو ختم کرتا ہے، جو سنت کو ختم کرے وہ بدعت ہے، لہٰذا اس آلہ کا استعمال نماز میں خلاف سنت وبدعت بھی ہے، البتہ اذان اور ووعظ وتقریر وغیرہ میں نیز خطبہ میں اس آلہ کا استعمال صحیح وجائز ہے۔

جواب میں جو کچھ لکھا گیا، یہی اہلِ سنت وجماعت کے سواد اعظم اور جمہور مفتیان کا بھی قول ہے، صرف گنے چنے کچھ افراد ایسے ضرور ملتے ہیں، جو اس آلہ کے استعمال کو نماز میں صحیح وجائز بتاتے ہیں، جو نئی روشنی اور نئے خیال کے شکار ہوگئے ہیں۔ مسائل شرعیہ کی تحقیق وتدقیق میں ان کا کوئی خاص مقام نہیں ہے، یا کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں، اجمیر شریف یا جامع مسجد دہلی یا ناخدا مسجد کلکتہ کا فعل وعمل قابل حجت نہیں، اگرچہ کچھ مساجد میں اس کا استعمال دلیل جواز ہوسکتا ہے تو لاکھوں مساجد میں اس کا عدم استعمال عدم جواز کی دلیل بطریق اولیٰ ہوگا۔ **ھذا ماعندی و اللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جس مسجد میں لاؤڈ اسپیکر لگا ہو اور آواز پورے مقتدی آسانی سے سن سکیں، اس کے باوجود بھی مکبر اپنی تکبیر بلند کرے تو کیا ایسی صورت میں جب کہ تمام مقتدی آواز آسانی سے سن سکیں، تکبیر کہنا سنت ہے، یا نہیں؟

مسئولہ حاجی اکن خانصاحب، محلہ دریبہ پان، مرادآباد، ۲۱ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ

الجواب: اکابر علمائے کرام وجمہور مفتیان عظام نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے۔ بعض نماز کے فاسد ہونے کے قائل ہوئے اور بعض مکروہ ہونے کے، اس کے استعمال کو ممنوع سب نے قرار دیا ہے۔ ہزاروں میں سے دس پانچ نے اگر اس کے استعمال کو جائز بھی ٹھہرایا ہے، تو وہ قابل اعتبار نہیں۔ ہندوپاک کے بریلوی ودیوبندی سب ہی منع کرتے ہیں، منع کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے مکبرین کی سنت ختم ہوتی ہے، لہٰذا کسی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ کیا جائے اور تکبیرات انتقال مقتدیوں کو سنانے کے لئے مکبرین ہی کو مقرر کیا جائے، جو اس پر عمل نہ کرے وہ غلطی پر ہے،

حتیٰ کہ صورت مسئولہ میں بھی غیر مسنون طریقہ سے بچنے کے لئے اور مسنون طریقہ پر عمل کرنے کے لئے مکبرین کا تکبیر کہنا مسنون ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جس مسجد میں کسی ذریعہ سے امام کی اواز مقتدی تک پہنچے، آسانی سے وہاں مکبر کو تکبیر پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

مسئولہ اکن خان، دریبہ پان، مراد آباد، ۱۵/اگست ۱۹۷۱ء

الجواب: حامل سوال ہذا کل بھی میرے پاس ایک سوال لائے تھے، جس کا جواب میں نے دیدیا تھا، چونکہ اس سوال میں لاؤڈ اسپیکر لگانے کے باعث مقتدیوں تک بخوبی آواز امام پہنچنے کا ذکر تھا، اس لئے میں نے ابتدائے جواب میں لاؤڈ اسپیکر لگانے کی بابت جمہور اکابر علمائے ہندو پاک (بلالحاظ اختلاف عقیدہ ومسلک) کے عمل وفتویٰ کی روشنی میں لاؤڈ اسپیکر لگانے کو منع کردیا تھا، اور آخری سطروں میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ صورت مسئولہ میں بھی غیر مسنون طریقہ سے بچنے کے لئے اور مسنون طریقہ پر عمل کرنے کے لئے مکبرین کا تکبیر کہنا ہی مسنون ہے۔ سائل جواب لے کر بولے کہ اس میں یہ نہیں ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر امام کی تکبیرات وغیرہ کی آواز سارے مقتدیوں کو بآسانی پہنچ رہی ہو تو مکبر مقرر کرنا سنت ہے یا نہیں۔ میں نے کہا کہ آواز بخوبی پہنچتی ہو تو سنت نہیں، اور آواز نہ پہنچے تو مکبر کا مقرر کرنا سنت ہے۔ اس پر سائل بولے مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ آپ صرف مختصر سا یہ سوال لکھ کر مجھ سے دوسرا جواب لے لیجئے، اگر امام کی آواز تکبیر وغیرہ کی مقتدیوں کو بآسانی پہنچ رہی ہو، تو مکبر کا مقرر کرنا سنت ہے یا نہیں، لیکن سائل پھر ایچ پیچ والا سوال لے کر آئے، یعنی کسی ذریعہ سے امام کی آواز مقتدی تک بآسانی پہنچے، سوال میں کسی ذریعہ کا ذکر کرنے کی ضرورت کو سائل مجھے نہ سمجھا سکا، بہر حال سائل کا اصل مدعا کیا ہے وہ جانیں، لیکن مجھے اصل مسئلہ کا اظہار کردینا ہے کہ اگر لاؤڈ اسپیکر کے بغیر تکبیرات انتقال وغیرہ کی امام کی اصل آواز مقتدیوں کو مجمع کثیر ہونے کے باعث بھی پہنچ رہی ہو اور سنائی دیتی ہو تو اس صورت میں مکبر کا مقرر کرنا مسنون ومستحب نہیں ہے، بلکہ مکروہ وممنوع ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۵۶ میں ہے۔

و اعلم ان التکبیر عند عدم الحاجة الیه بان یبلغهم صوت الامام مکروہ، وفی السیرة الحلبیة اتفق الائمة الاربعة علیٰ ان التبلیغ فی هذ ہ الحالة بدعة منکرة ای مکروهة، و اما عند الاحتیاج الیه بان کانت الجماعة لایصل الیهم صوت الامام امالضعفه اولکثرتهم فمستحب. معلوم ہو کہ بغیر ضرورت مکبر کی تکبیر یعنی اگر امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچ رہی ہو مکروہ ہے۔ السیرۃ الحلبیہ میں ہے۔ چاروں امام کا کہنا ہے کہ تکبیر اس حالت میں بدعت سیئہ ہے۔ لیکن جب ضرورت پڑے، یعنی مقتدیوں تک امام کی آواز نہیں پہونچ رہی ہو۔ امام کی پست آوازی یا مقتدیوں کی کثرت کی وجہ سے تو مستحب ہے۔

اور اگر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ امام کی اصل آواز تیز اور بلند آواز بن کر اور کچھ بدل کر جس میں آلہ اور مشین اور برقی طاقت وغیرہ بھی دخیل ہو سارے مقتدیوں کو بخوبی پہنچ رہی ہو اور سنائی دیتی ہو تو اس سے تقرر مکبرین کی سنت قدیمہ ختم

ہونے کے باعث خلاف سنت اور ترک سنت کا ارتکاب ہو رہا ہے، اس لئے طریقہ غیر مسنون سے بچنے کے لئے اور مسنون طریقہ پر عمل کرنے کے لئے مکبرین کا مقرر کرنا ہی اس صورت میں مسنون و مستحب ہے، اور اگر لاؤڈ اسپیکر کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ امام کی اصل آواز کے پہنچنے کا ہو تو سائل اس ذریعہ کی تعیین کر کے تیسرا سوال لائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ نماز جمعہ و عیدین لاؤڈ اسپیکر پر پڑھانا و پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تفصیل کے ساتھ مع حوالہ کتب جواب دے کر مشکور فرمائیں؟ ہمارے شہر اودے پور میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے تھے، انھوں نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز عید الفطر پڑھا دی اور جب ان کے سامنے علمائے کرام کے فتاوے رکھے گئے تو جواباً فرمایا کہ میں بھی مولوی و مفتی ہوں، نوے فیصدی علماء میرے ساتھ ہیں، اور جواز کے قائل ہیں، اور حضرت سیدی مفتی اعظم ہند کا فتویٰ جو کہ عدم جواز سے متعلق ہے، اسے بھی رد فرما دیا اور ایک کثیر علمائے کرام کی کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اس کانفرنس میں حضرت مفتی اعظم ہند کو عدم جواز پر کوئی دلیل نہ ملی تو فرمایا کہ بحث نہ کرو اور مجھ بڈھے کی بات مان لو، ہمارے یہاں ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔

لہٰذا ان تمام باتوں کا تفصیل سے جواب دے کر مشکور فرماتے ہوئے فتنہ کا سد باب کریں، امید کہ پہلی فرصت میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے؟

مسئولہ مدرسہ اسلامیہ رضویہ مسجد علی پورہ، مٹھ کے پاس، اودے پور، راجستھان، ۲۰ رجنوری ۱۹۷۲ء

الجواب: نماز جمعہ و عیدین ہی کی تخصیص کیا مطلقاً ہر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ممنوع ہے، اس سے احتراز قطعی ضروری ہے، کیونکہ نماز عبادتِ مقصودہ ہے، اور اس کی ہیئت مسنونہ متوارثہ مقصود ہے، نماز میں ہر وہ چیز ممنوع ہے جو کسی طرح بھی تخشع اور تذلل میں مخل ہو، نیز تصنع اور تکلف کی موجب ہو، علاوہ ازیں ایک طرف تو لاؤڈ اسپیکر کی بلند آواز سے حکم الٰہی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، کیونکہ رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۱۰] (نماز جہری میں قراءت نہ چیخ کر کرو اور نہ زیادہ آہستہ سے بلکہ درمیانی راہ تلاش کرو) اور دوسری طرف مکبرین کی سنت قدیمہ کا ترک لازم آتا ہے اور ترک سنت بدعت ہے۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز و عدم جواز کے بارے میں ہندوستان و پاکستان کے علماء کا اختلاف ہے، مگر ہند و پاک کے جمہور اکابر علمائے کرام و مفتیان عظام بلا تخصیص اعتقاد و مسلک منع فرماتے ہیں، جن میں بعض لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو ناجائز و حرام اور مفسدِ نماز قرار دیتے ہیں اور بعض مکروہ و بدعت فرماتے ہیں، اور بعض نماز کے فساد و عدم فساد میں تردد کا اظہار کرتے ہیں، بہر حال جمہور اکابر علماء و اہل فتاویٰ کی رائے میں لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں استعمال ممنوع ضرور ہے، بعض علماء جو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو نماز میں بلا کراہت جائز و صحیح جانتے اور مانتے ہیں، اس سلسلہ میں ان کے دلائل میری تحقیق میں مجروح و مخدوش ہیں، اور جمہور اکابر علماء و اہل فتویٰ کی دلیل قوی اور معقول معلوم ہوتی ہے، اس مسئلہ میں میری تحقیق یہی ہے کہ کسی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہرگز ہرگز نہ کیا جائے تاکہ فساد نماز اور عدم فساد نماز نیز کراہت نماز اور عدم کراہت نماز کے اختلاف سے احتراز ہو سکے۔

مختصر یہ کہ قائلین جواز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو بعینہ متکلم کی آواز ثابت کردینا بھی مفید نہیں، جب کہ یہ خود محققین سائنس کے درمیان مختلف فیہ ہے، اور اگر ہم اسے متکلم کی آواز تسلیم بھی کرلیں تو بھی غیر نمازی کو دخیل تو ماننا ہی پڑتا، رہی بات لاؤڈ اسپیکر کے اس افادہ کی کہ اس کی وجہ سے سارے مقتدی امام کی قرأت وتکبیر سن لیتے ہیں۔ تو یہ بھی عرض کردوں کہ ہر ہر مقتدی کو قراءت سننا یا سنانا فرض نہیں، ساتھ ہی اس کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ لاؤڈ اسپیکر فیل نہ ہوگا، یہ فساد بھی کم اہمیت کا نہیں، بہر صورت نماز میں لاؤڈ اسپیکر سے احتراز لازمی ہے۔

اس بارے میں چند فتوے جو نہایت جامع اور مدلل ہیں، جو میرے اکابر حضرات کے ہیں درج کرتا ہوں، تاکہ مزید تقویت ہو، حضور محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ استفتاء کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، بعینہ نقل کرتا ہوں، تاکہ تمام شبہات کا سد باب ہو۔

نقلِ فتویٰ وجوابِ فتویٰ حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ

مسئلہ: ''کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنت کثرہم اللہ تعالیٰ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھی جاتی ہے، وہ نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ لاؤڈ اسپکیر پر جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ نماز نہیں ہوتی اور بکر کہتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر جو نماز پڑھی جاتی ہے وہ ہوجاتی ہے، اس لئے کہ مکہ معظمہ ومدینہ منورہ وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر پر برابر نماز ہوتی ہے، ہم خود اور لاکھوں مسلمان اور علماء وغیرہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں پڑھتے ہیں، کیا وہاں عالم دین نہیں ہیں، جہاں اسلام کی جڑ ہے، تحقیق طلب یہ ہے کہ زید کا کہنا صحیح ہے یا بکر کا؟ منجانب حاجی محمد عبد الغفور۔

الجواب: بکر کے قول کی حقیقت اس سے ظاہر ہے کہ وہ عہد حکومت سعودیہ کی بدعتوں میں ایک بدعت کو دلیل شرعی قرار دیتا ہے اور کتاب وسنت وتصریحاتِ فقہائے کرام کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ بازار مکہ میں تصویریں بکتی ہیں، مکہ کا نوجوان طبقہ زیادہ تر داڑھی منڈاتا ہے اور کترانا تو عام عادت ہے۔ شہر کے اکثر گھروں میں ریڈیو پر عریاں قسم کے گانے سنے جاتے ہیں۔ نماز وطواف میں اہلِ مکہ کم نظر آتے ہیں تو کیا اہلِ مکہ کے نزدیک اس کے پیش کردہ دلیل کی بناء پر جرائم شرعیہ جرم ہی نہ رہیں گے۔ وہاں کے علماء مجبور ہیں یا حکومت کی بدعتوں کی تائید کریں یا اپنے گھروں میں خاموش رہ کر اپنے دین کی حفاظت کریں۔ ایسے لوگوں کا عمل شرعاً ہرگز حجت نہیں۔ جو حج کو جاتے ہیں وہ ایک میلاد کرلینے کے سوا دینی مسائل سے اکثر بے خبر اور اکثر بے پرواہ ہوتے ہیں۔ اور جو دیندار اپنے دین سے واقف ہیں وہ بعونہ تعالیٰ نہ کثرت جماعت سے مرعوب ہوتے ہیں نہ کسی بدعت میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ تو بکر کی دلیل کا حال ہے، اور زید کا دعویٰ بالکل حق ہے، کیونکہ اول تو لاؤڈ اسپیکر ایک سنت کو مٹا رہی ہے، رسولِ پاک ﷺ نے کثرت جماعت میں مکبرین کو قائم کرنے کا حکم دیا تھا، اس آلہ نے اس سنت کو ختم کردیا اور جو چیز کسی سنت سے مزاحمت کرے وہ بدعت ہے۔ دوسرے نماز میں

امام کو ہی لقمہ بھی دے سکتا ہے اور وہی تکبیر کہہ سکتا ہے جو خود شریک نماز ہو اور اگر نماز سے باہر کوئی امام کو لقمہ دے اور امام قبول کرے تو نماز نہیں ہوئی۔ اگر نماز سے باہر کسی نے تکبیر کہی اور اس پر نمازیوں نے عمل کیا تو نماز نہ ہوئی، اور اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ریڈیو نہ شریک نماز ہے اور نہ شریک نماز ہونے کی اس میں اہلیت ہے، وہ تو ایک آلہ ہے۔ نمازی نہیں ہے تو اس کی تکبیر پر عمل کرنا ایک خارج از نماز کے کہنے پر عمل کرنا ہے۔ جس سے نماز نہیں ہوئی، پھر اس بدعت کی بدولت قطع صفوف کا جرم ہوتا ہے، امام کعبہ کے پاس ہے، مقتدی صفا و مروہ کی سڑک یعنی اپنی اپنی دوکانوں میں ہیں بیچ کے راستہ سے موٹر جاتا رہتا ہے، تو یہ نماز ہے یا نماز کی نقالی۔ بڑی بات سوچنے کی یہ ہے کہ اگر آلہ فیل ہو جائے تو امام صاحب پوری نماز پڑھ گئے اور حرم سے باہر مقتدی جو کھڑے ہیں وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

یہ ہیں ایک سنت کے مٹانے کی ناپاک بدعت کے نتائج، جس کو اگر بکر صدق نیت سے سوچے تو زید سے اختلاف کی جرأت نہ کرے۔"

(ماخوذ از التحقیق المبتکر فی عدم جواز الصلوٰۃ علی لاؤڈ اسپیکر،
منجانب اراکین اشاعت الحق ۹۲/۱۷ پانڈے حویلی بنارس)

اس فتویٰ پر دس اکابر علماء کے تصدیقی دستخط ہیں، اسی رسالہ میں حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا یہ فتویٰ بھی ہے۔

"آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) سے نماز ادا کرنے کی ایک شورش برپا ہوتی جارہی ہے، اگر اس کی آواز متکلم کی غیر ہے، یعنی اس آلہ میں دوسری آواز پیدا ہو جاتی ہے، تو اس کی اقتداء میں فساد ظاہر ہے، اور بعینہ اگر آواز امام مانی جائے جب بھی اتنا ماننا پڑے گا کہ اس میں خارج دخیل ہے، ورنہ آلہ کا لگانا عبث ہو جائے گا۔ خارج کی اقتداء عدم جواز کو مستلزم ہے اور جہاں جواز و عدم جواز متعارض ہوں تو عدم جواز کو ترجیح ہوتی ہے، اس بنا پر بھی فساد مرجح رہے گا، لہٰذا نماز میں لاؤڈ اسپیکر نہ لگایا جائے"۔

"القول المقبول فی عظمة قول الله والرسول." پیش کردہ "سواد اعظم" لاہور میں حضرت استاذ العلماء صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس آلہ (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال میں امام کے لئے شغل بھی ہے، اور تکبیر مکبرین کی سنت بھی بظاہر موقوف نظر آتی ہے، اس لئے اس کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے"۔

ایک فتویٰ اور بھی حضرت کا ہے، رسالہ مذکورہ کے ص ۵۳ پر جس پر حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق بھی ہے۔

"......اور بعد اذان لاؤڈ اسپیکر کا مسجد میں لانا ہی بیکار ہے، کیونکہ امام کی قرأت سنانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال درست نہیں ہے"

رسالہ مذکورہ کے ص ج حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مندرجہ فتویٰ ہے۔

''آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) سے خطبہ سننے میں حرج نہیں مگر اس کی آواز پر رکوع وسجود کرنا مفسدِ نماز ہے''۔

رسالہ مذکورہ ''التحقیق المبتکر'' کے ص ۳۴ اور رسالہ مذکورہ ''القول المقبول'' کے ص (د) پر حضرت مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی کا فتویٰ مع بیس علمائے کرام کی تصدیقات یہ ہے کہ

''وقتِ نماز لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہرگز ہرگز نہ ہو اگر چہ وہ ایسا ہو کہ خود آواز لے لیتا ہو۔ اس میں آواز نہ ڈالی جاتی ہو۔ اگر چہ تحقیق سے یہی ثابت ہو کہ اس سے جو آواز مسموع ہوتی ہے، وہ متکلم کی ہی آواز ہے، ایک، مذہب اس میں یہ ہے کہ وہ آواز غیر ہے، اس کو مرجوح رکھا جائے اعتبار متکلم کی اس آواز کا ہے جو اس کے دہن سے نکلی ہو اور فضا کی ہوا متحرک کرتی ہوئی' بے کسی اور قوت کے کان تک پہنچے، وہ آواز جو کسی قاسر سے ٹکرا کر سکون پا گئی اور اس قاسر کی ٹکر کی قوت سے جو متحرک ہو کر پلٹی اس کی نہیں، جیسے گنبد سے ٹکرا کر جو آوز پلٹی ہے یا کوئیں کی پلٹی ہوئی آواز یا صحرا کی صدائے بازگشت نامعتبر ہے، آیتِ سجدہ پلٹی ہوئی آواز سے' جسے مسموع ہو' اس پر سجدہ اس لئے واجب نہیں ہوتا کہ اب جو پلٹی ہوئی آواز ہے۔ یہ اگر چہ وہی دہن قاری سے نکلی ہوئی آواز ہے، لیکن قاسر سے ٹکرانے کی وجہ سے اس حیثیت کی نہ رہی، اب اس قاسر کی ٹکر کی قوت سے پہنچتی ہے، لاؤڈ اسپیکر میں یہ نہیں کہ بجلی کی قوت سے فضاء کی ہوائے قاسر جہاں تک دفع ہوگئی' بے کسی اور قاسر سے ٹکرائے ہوئے' بے اس قاسر کی قوت دفع کے شامل ہوئے محض بجلی کے اس فعل سے کان تک پہنچتی ہے''۔

یہ وہ فتویٰ ہے جس پر حضور محدث اعظم نے ان الفاظ کے ساتھ مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ **''ھذا حکم العالم المطاع و ما علینا الا الاتباع''**۔ یعنی یہ قابلِ اطاعت عالم کا حکم ہے اور ہم پر اس کی اتباع ہی لازم ہے''۔

رسالہ ''علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ مسائل رویت ہلال ولاؤڈ اسپیکر پر نماز اور چلتی گاڑی پر نماز ادا کرنے کے بیان میں'' شائع کردہ، ''نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور'' میں ص ۱۳ پر حضرت شیخ التفسیر مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درج ہے۔

''لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے میں چند قباحتیں ہیں، ایک یہ کہ اس میں قرأت قدر ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے ہوتی ہے اور یہ مکروہ ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿ **لا تجھر بصلاتک الخ** ﴾، دوسرے یہ کہ لاؤڈ اسپیکر میں یہ بھی شبہ ہے کہ جو آواز یونٹ سے نکلتی ہے، وہ امام کی اپنی آواز نہیں ہے بلکہ صدائے بازگشت ہے، جیسے گنبد یا جنگل کی آواز، اگر یہ ہے تو اس پر نماز کی حرکتیں کرنا زیادہ برا ہے، تیسرے یہ کہ اس میں سنت کا ترک ہے، یعنی سنت یہ ہے کہ نماز میں مکبر مقرر کئے جائیں اور لاؤڈ اسپیکر میں اس کو بند کر کے آلہ استعمال کرنا ہے، اور جو شئے رافع سنت ہے وہ بدعت سیئہ ہے،

بہر حال لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانا بہتر نہیں ہے، باقی لاؤڈ اسپیکر پر اذان وخطبہ وغیرہ سب بلا کراہت جائز ہیں، کیونکہ نماز میں وہ پابندیاں ہیں جو اور جگہ نہیں"۔

حتی کہ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند امداد المفتیین حصہ پنجم" شائع کردہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند" میں بھی عدم صحت کا فتویٰ ہے، ص ۹۱ پر مرقوم ہے۔

"خلاصہ حکم یہ ہے کہ مکبر الصوت...... کا استعمال تمام دنیوی ضرورتوں میں نیز ان عبادتوں میں جو خود مقصود نہیں جائز ودرست ہے، مگر عبادت مقصودہ نماز، اذان، خطبہ میں درست نہیں۔

ایسے اہم معاملہ میں جس کا تعلق عبادتِ مقصودہ سے ہے، کسی عالم دین کو خود رائی سے کام لینا اس کے منصب کے منافی ہے۔ جن مولوی صاحب نے آپ کے یہاں عید الفطر کی نماز لاؤڈ اسپیکر پر پڑھادی اور استفسار پر یہ بولے کہ "میں بھی مولوی اور مفتی ہوں، نوے فیصدی علماء میرے ساتھ ہیں، اور جواز کے قائل ہیں" ان سے دریافت کیا جائے کہ آپ کس مسلک وعقیدہ کے مفتی ہیں، اور کس مرکزی ادارہ سے آپ کا تعلق ہے، جب کہ اکابر دیوبند اور مفتیان عظام بریلی ممانعت فرماتے ہیں، تو پھر نوے فیصدی مولوی جواز کے قائل آپ کے ساتھ کون حضرات ہیں، ان کے نام وپتے تو بتائیے، اور ثابت کیجئے جس کانفرنس کا مولوی صاحب نے تذکرہ کیا ہے، اور حضور مفتیٔ اعظم ہند کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ "بحث نہ کرو مجھ بوڑھے کی بات مان لو" محض غلطی اور افتراء ہے۔ **ھذا ما عندی و العلم عند ربی وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۷: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز فرائض پنجگانہ، جمعہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بغرض جملہ حاضرین کے کانوں میں آواز وقرأت وتکبیر پہنچ جانے کے لئے ازروئے قانون شریعت مطہرہ درست وصحیح ہے، یا نہیں؟ یعنی مائک مذکور پر شرعاً نماز صحیح ودرست ہوگی یا نہیں؟ ہر دو صورت میں بدلائل شرعیہ حسم شرع مبارک واضح فرما کر راہ عمل روشن فرمائیں؟

(۲): مجوزین لاؤڈ اسپیکر کو لے کر اگر کوئی عالم مسجد میں اس مائک مذکور پر باعلان نماز ادا کرے اور کرائے تو اس نماز کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳): آواز قرأت امام جملہ حاضرین پس وپیش کے کانوں تک پہونچنا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟ تکبیر کی آواز پہنچانے کے لئے اگر پیچھے مکبر کا انتظام کیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

مسئولہ مقبول حسین احمد صدیقی، ملیریا آفس، درگ، ایم پی، ۱۱ر شوال ۱۳۹۲ھ

الجواب: (۱): نماز پنجگانہ ہو یا نماز جمعہ وعیدین کسی نماز میں بغرض مذکور لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہرگز نہ کیا جائے۔ چونکہ جمہور اکابر اہلِ سنت وجماعت ومفتیان کرام وعلمائے عظام ومشائخ فخام اس کے استعمال کو اب تک بوجوہ عدیدہ وبدلائل کثیرہ منع ہی کرتے رہے ہیں۔ مانعین میں دو گروہ ہیں، ایک گروہ تو مفسد نماز قرار دیتا ہے، دوسرا گروہ مکروہ و بدعت قرار دیتا ہے، بہر حال اکثریت منع کرتی ہے، دونوں فریق کے دلائل انکے فتاویٰ ورسائل میں موجود ہیں، حضرت

صدر الشریعۃ مولانا الحاج مفتی حکیم امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان، حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہ العزیز وحضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ، مولٰنا شاہ الحاج برہان الحق مفتی اعظم مدھیہ پردیش وحضرت مولانا شاہ مظہر اللہ صاحب مفتیٔ اعظم دہلی رحمۃ اللہ، اوران کے متبعین کی بڑی تعداد لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو مفسدِ نماز قرار دیتی ہے، اور حضور صدر الافاضل مولانا الحاج مفتی نعیم الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مرادآبادی، ومولانا شاہ عمر صاحب نعیمی ومولانا احمد یارخاں صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ، مولانا شاہ مفتی سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی، ومولانا شاہ عبد العزیز مرادآبادی ومولانا الحاج عبد العزیز ناگپوری اوران کے تلامذہ متبعین کی بڑی تعداد لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو مکروہ وممنوع وبدعت اور مانع سنت قرار دیتی ہے۔

میں بھی اپنے اکابرواساتذہ وعلماء ومشائخ کی پیروی میں مکروہ وممنوع اور بدعت ومخالف سنت اب تک بتارہاہوں لیکن اب آلہ کی بابت کافی رسائل وفتاویٰ اور براہین ودلائل پر غوروفکر کرنے کے بعد اوراس لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے مفاسد ونقائص پر نظر کرنے کے بعد نیز تحقیق وتدقیق کے بعد میراخیال میری ناقص رائے بھی مفسدِ نماز ہونے کی طرف جارہی ہے۔ جس کے اہم ترین دلائل شرعیہ یہ ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز قرار نہیں دی جاسکتی، نہ امام کے مکبر کی عین آواز ہوسکتی ہے، اگر امام یااس کے مکبر کی اصل آواز ہوتو اسکا استعمال کرنا بے معنی ہوتا، بلکہ بیکار ولغو ہوتا۔ بلاشبہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز، امام ومکبر کی اصل آواز سے کافی بلندتر ہوتی ہے، اوراسکی آواز میں اورامام ومکبر کی آوز میں کافی فرق ہوتا ہے، بلکہ بسااوقات کافی دیر کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی آواز ہے۔ طرز ادااور حسن صوت اور نغمہ وترنم وغیرہ میں بھی بڑافرق وامتیاز معلوم ہوتا ہے، بلکہ کبھی اصل آواز کی معرفت بھی نہیں ہوتی، یہ ایک حقیقت مسلمہ ہےاور بدیہی امر ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، یقیناً لاؤڈ اسپیکر کی آواز میں برقی طاقت یا ڈائینمو کی قوت اور مشین کے سارے آلے کو دخل ہے، یہ ساری طاقتیں اور تمام قوتیں اور جملہ آلات امام ومکبر کا غیر ہیں، صرف امام ومکبر کی آواز پراقتداء کا صحیح ودرست ہونا تمام امت کا معمول قدیم رہاہے، بشرطیکہ امام ومکبر تکبیر تحریمہ کے ساتھ تبلیغ واعلام کا بھی قصدو ارادہ یعنی نیت کرے اور مکبر داخل نماز بھی ہو، یعنی خود مقتدی بھی ہو، مذکورہ بالا طاقتیں اور قوتیں نیز مشین وآلات داخل نماز نہیں ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جو چیزیں خارج نماز ہیں، لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں امام ومکبر کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی اقتداء بھی لازم آتی ہے، اور تلقین من الخارج بھی پایا جاتا ہے، لہذا اس کا استعمال نماز کے حق میں کراہت پر ضرور مشتمل ہے۔ جب کہ سنت قدیمہ متوارثہ مکبرین کا خاتمہ بھی اس کے استعمال سے لازم آتا ہے، جو حقیقۃً بدعت ہے، رسالہ ''قصد السبیل'' ورسالہ ''صیانۃ الصلوٰۃ عن حبل البدعات'' ورسالہ طویلہ ''القول المقبول فی عظمۃ قول الرسول'' رسالہ دربیان رویت ہلال ولاؤڈ اسپیکر پر نماز، چلتی ٹرین پر نماز، ورسالہ تحقیق المکبر فی عدم جواز الصلوٰۃ علیٰ لاؤڈ اسپیکر، ورسالہ ''لاؤڈ اسپیکر'' وغیرہا میں ان مسائل کی طویل ترین تحقیق وبیان ہے، خود امام کو بھی اپنی طاقت وقوت یا حاجت سے زیادہ بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت ہے، جس کا ظہور اس آلہ سے ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۶۷ میں ہے۔

ولا یجهد الامام نفسه بالجهر کذافی البحر الرائق. و اذاجهر الامام فوق حاجة الناس فقد اساء. امام آواز بلند کرنے میں کوشش نہ کرے۔ایسا ہی البحرالرائق میں ہے۔لوگوں کی ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قراءت اگر امام نے کی تو اچھا نہیں کیا۔

اسی کے ص ۹۳ میں ہے۔

ولوسمعه المؤتم ممن لیس فی الصلوٰۃ ففتحه علیٰ امامه یجب ان تبطل صلاۃ الکل لان التلقین من خارج کذا فی البحر الرائق ناقلاعن القنیة. اگر مقتدی نے ایسے شخص سے سن لیا جو مشغول نماز نہیں تھا اور اس نے امام کو لقمہ دے دیا۔اب یقینی طور پر سب کی نماز فاسد ہوگئی، کیونکہ باہر سے تلقین پائی گئی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۵۰ و ۱۵۱ میں ہے۔

قوله (ویجب جهر الامام) الواجب منه ادناه وهو ان یسمع غیره ولو واحدا والاکان اسرارا فلواسمع اثنین کان من اعلی الجهر حموی عن الخزانة قالوا و الاولی ان لایجهد نفسه بالجهر بل بقدر الطاقة لان اسماع بعض القوم یکفی،بحر'ونهر' و المستحب ان یجهر بحسب الجماعة فان زاد فوق حاجة الجماعة فقد اساء کما لوجهر المصلی بالاذکار قهستانی عن کشف الاصول. اس کا قول (امام کا قراءت بالجہر واجب ہے) کم سے کم یہ ضروری ہے کہ اپنے علاوہ ایک ہی آدمی کو سنا دے، ورنہ ''جہر'' نہ ہوگا۔اور دو نے سن لیا تو یہ جہر کا اعلیٰ درجہ ہوگیا (حموی خزانہ سے) فقہاء نے کہا'' بہتر یہ ہے کہ زیادہ آواز سے پڑھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ طاقت کے مطابق ہی جہر کرے، کیونکہ بعض لوگوں کا سن لینا ہی کافی ہے۔مستحب یہ ہے کہ جماعت کی ضرورت کے مطابق ہی آواز بلند کرے۔لوگوں کی ضروت سے زیادہ آواز بلند کرنا اچھا نہیں۔اسی طرح جیسے نمازی اذکار کو زیادہ آواز سے نہ پڑھے۔

اسی کے ص ۱۵۶ میں ہے۔

و اعلم ان التکبیر عند عدم الحاجة الیه بان یبلغهم صوت الامام مکروه و فی السیرة الحلبیة اتفق الائمة الاربعة علیٰ ان التبلیغ فی هذه الحالة بدعة منکرة ای مکروهة و اماعند الاحتیاج الیه بان کانت الجماعة لایصل الیهم صوت الامام امالضعفه اولکثرتهم فمستحب، فان لم یقم مسمع یعرفهم بالشروع و الانتقالات ینبغی لکل صف من المقتدین الجهر بذالک الیٰ حد یعلمه الاعمیٰ ممن یلیهم ولابدلصحة شروع الامام فی الصلوة من قصد الاحرام بتکبیر ة الافتتاح فلوقصد الاعلام فقط لایصح وان جمع بین الامرین فهو المطلوب منه شرعا، وینال اجرین وکذا الحکم فی المبلغ ان قصد

التبلیغ فقط فلا صلوٰۃ له ولالمن اخذ بقوله فی هذه الحالة لانه اقتدیٰ بمن لیس فی صلوٰۃ کما فی فتاویٰ الغزی. جاننا چاہئے کہ بلاضرورت یعنی امام کی آواز پہونچ جانے کی حالت میں مکبر بننا مکروہ ہے۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے۔ چاروں اماموں نے اتفاق کیا ہے کہ اس حالت میں مکبر بننا بدعت مکروہ ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت بایں طور کہ امام کی آواز مقتدیوں تک نہیں پہونچ رہی ہو، اس کی وجہ خواہ پست آوازیٔ امام ہو، یا کثرتِ جماعت ہو۔ اس حالت میں مستحب ہے۔ اگر مقتدیوں میں سے کوئی سننے والا نہیں کھڑا ہوا جو پیچھے والے کو نماز کے شروع ہونے اور رکوع وسجود وغیرہ کو بتائے تو ہر صف کے مقتدیوں کیلئے ضروری ہے کہ ان باتوں کو اتنی آواز سے بولے کہ ان سے قریب اگر نابینا بھی ہے تو سن لے۔ امام کا نماز شروع کرنا اسی وقت درست ہوگا جب وہ تکبیر تحریمہ کا قصد کرے۔ اگر صرف اعلام یعنی ابتداء نماز کی خبر دینے کا قصد کیا تو درست نہیں ہوگا اور اگر دونوں کا قصد کیا تو شریعت کی منشاء ومطلوب کو پورا کیا۔ اور دوھرے اجر کا مستحق ہوگیا۔ یہی حکم مکبر کا ہے، اگر اس نے صرف تکبیر بول کر لوگوں کو بتانے کا قصد کیا تو نہ تو اس کی نماز ہوئی اور نہ ان لوگوں کی نماز ہوئی جنہوں نے اس حالت میں اس کی بات کو لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(٢): جواب (١) میں گذرا کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال یا مفسد صلاۃ ہے یا موجب کراہت وبدعت ہے، لہذا پہلی صورت میں ایسا کرنے یا کرانے والا زیادہ گنہگار ہوگا، اور دوسری صورت میں اس سے کم گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم.

(٣): امام کی تکبیر یا قراءت کی آواز کا سارے مقتدیوں کے کانوں میں پہنچنا شرعاً ضروری نہیں۔ کماظهر من العبارۃ المنقولة السابقة فی حد الجهر. تکبیر کی آواز پہنچانے کے لیے مکبر کا مقرر کرنا مسنون ومستحب ہے، اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں۔ هذا واضح من العبارۃ المنقولة واللہ تعالی اعلم۔

گھڑی کی چین کا حکم

مسئلہ ٤٠٨: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے ہاتھ میں گھڑی ہے اور اس میں چین سونے اور چاندی کی نہیں ہے، پیتل یا لوہے کی ہے، کیا اس کو ہاتھ میں باندھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، شریعت کی رو سے جواب مرحمت فرمایا جائے؟

ابھی حال میں نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے جواز پر محبی مولانا مفتی نظام الدین صاحب مصباحی نائب مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے ایک تحقیقی رسالہ تحریر کیا ہے، جس میں جواز وعدم وجواز سے متعلق اکابر علمائے اہل سنت کے اقوال اور جدید سائنسی ایجادات کی روشنی میں اچھی بحث کی ہے، اس علمی وتحقیقی رسالہ کی تائید وتصویب شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی سید محمد مدنی میاں صاحب اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی نے فرمادی ہے، موجودہ علماء اگر اس موضوع کے مثبت پہلو پر بھی غور کریں تو فقیر کلیمی کے نزدیک کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ ١٢ کلیمی۔

مسئولہ عبدالمجید، محلہ مغلپورہ، مرادآباد، شعبان ۱۳۸۳ھ سہ شنبہ

الجواب: کسی مرد مکلف کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سونے اور چاندی اوران کے سوا کسی دوسرے دھات کی جیسے پیتل، رانگ، تانبا، نکل، سیسہ وغیرہ کی دستی چین یا جیبی چین استعمال کرے، جو ان چیزوں کی چین استعمال کرے گا اور نماز میں چین پہنے یا باندھے رہے گا، اس کی نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی۔ عورتیں سونے چاندی کی چین کو ہر حال میں استعمال کرسکتی ہیں۔ ان دونوں کے سوا کسی دھات کی چین کا استعمال عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں، ان کی نماز بھی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق "فتاویٰ رضویہ" اور "الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز" میں ہے۔ من شاء الاطلاع فلیرجع الیھما. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کسی دھات کی چین باندھنا جائز بھی ہے، جو چین دو دھاتوں سے مل کر بنی ہو، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا گھڑی کی چین کا مسئلہ انگوٹھی کے مثل ہے؟

مسئولہ حافظ احمد رضا خاں انصاری اشرفی، از محلہ کسرول، مرادآباد، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

الجواب: جیبی گھڑی ہو یا دستی اس میں چمڑے یا غیر ریشمیں ڈورے یا نائیلون یا پلاسٹک یا کپڑے کی چین لگا کر نماز پڑھی جائے گی تو نماز بغیر کسی کراہت صحیح و جائز ہوگی، اور کسی بھی دھات کی بنی ہوئی چین کو لگا کر نماز پڑھنا نماز کو مکروہ بنا دیتا ہے، چونکہ کسی دھات کی چین کا استعمال کرنا درست نہیں، بلکہ مکروہ و ممنوع ہے۔ دو دھاتوں سے بنی ہوئی چین کا بھی یہی حکم ہے اور ممنوع چیزوں کو ملا کر بنائی ہوئی چیز یا بنی ہوئی چیز کا استعمال صحیح و درست نہیں ہوسکتا۔ یہ بات ہر ادنیٰ عقل وخرد رکھنے والے انسان پر ظاہر ہے، اس میں کوئی اشکال و دشواری نہیں، یہ حکم مردوں کے لئے ہے۔ عورتیں سونے یا چاندی سے بنی ہوئی چین کا استعمال کرسکتی ہیں۔ ان دو دھاتوں کے علاوہ کسی اور دھات سے تیار شدہ چین کا استعمال عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں۔ مردوں کے لیے چاندی کی صرف ایک انگوٹھی ایک نگدار جس کا وزن ساڑھے چار ماشے سے کم ہو اور مردانہ وضع کی ہو، استعمال کرنا جائز ہے۔ چاندی کے سوا کسی اور دھات کی انگوٹھی کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ گھڑی کی چین کا حکم و مسئلہ انگوٹھی کی مثل بتانا سراسر جہالت و بطالت اور کم فہمی و نادانی پر مشتمل ہے۔ انگوٹھی کا مسئلہ منصوص بالحدیث ہے، چین کا مسئلہ منصوص بالحدیث نہیں، انگوٹھی کا استعمال حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ثابت ہے اور چین کا استعمال حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔ انگوٹھی کا استعمال مقصود بالذات ہوتا ہے، اور چین کا استعمال مقصود بالتبع یعنی گھڑی کے تابع بنا کر۔ میرے پاس کتب دینیہ کا جتنا بھی ذخیرہ ہے، ان میں کوئی ایسا جزئیہ یا ایسی عبارت نہیں ملی کہ گھڑی کی چین کا مسئلہ انگوٹھی کے مثل ہے۔ ومن ادعٰی فعلیہ البیان. نیز یہ کہنا کہ لوہا تانبا، پیتل، رانگ کی انگوٹھی پہننا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ یہ دھاتیں خالص ہوں، اور اگر ان میں ملاوٹ ہو یا ان پر کسی دوسری دھات کی اس طرح پالش کی گئی ہو کہ اصل دھات نہ دکھائی دیتی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، صراحۃً و بداہۃً باطل ہے۔ کیا پیتل اور تانبے اور لوہے اور رانگ ان چاروں کو ملا کر یا ان میں سے تین کو ملا کر یا، دو کو ملا کر انگوٹھیاں بنائی جائیں تو ایسی انگوٹھیوں کا استعمال شرعاً جائز ہوگا۔ اسی طرح لوہے، تانبے، رانگ کی

انگوٹھیوں پر پیتل چڑھادی جائے کہ ان میں سے نیچے کی اصل دھات دکھائی نہ دے تو ایسی انگوٹھیوں کا استعمال جائز ہوگا۔ نہیں! ہرگز نہیں۔

ہاں ایک جزیہ شامی وعالمگیری وتاتارخانیہ میں ضرور ایسا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پر چاندی چڑھادی جائے اور چاندی کا پالش وملمع کردیا جائے کہ لوہا بالکل نظر نہ آئے تو ایسی انگوٹھی بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ جزیہ خاص ہے۔ لیکن قائل نے اس کو اپنی کم فہمی سے عام کرڈالا چونکہ اس میں دوسرے دھات پر چاندی چڑھانے اور چاندی کے پالش وملمع کرنے کا ذکر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ چاندی کی انگوٹھی پر پیتل یا تانبے یا لوہے یا رانگ کی قلعی کردی جائے یا ان کی پتر چڑھادی جائے تو اس کا استعمال جائز ہو، نیز یہ جزیہ جو حواشی وفتاوی میں آیا ہے، متون معتبرہ کے خلاف ہے، رسم المفتی کا قاعدہ ہے المتون مقدمة على الشروح والشروح' مقدمة على الفتاوىٰ، لہذا نزاعی اور اختلافی شکل میں متون معتبرہ کا حکم راجح اور قوی ہوگا اور حواشی وفتاوی کا مرجوح وضعیف، اس قاعدہ کے مطابق یہ جزیہ مخصوصہ اپنی جگہ پر خود ضعیف ہے کسی کا اس کو عام کردینا خطائے محض ہے۔ نیز اس جزیہ کی ابتداء میں لاباس کا لفظ آیا ہے۔ اس لفظ کا استعمال اکثر وبیشتر خلاف اولی میں ہوا کرتا ہے۔ لہذا یہ جزئیہ مخصوصہ خلاف اولی ہے اس کو اصل وقاعدہ بنا کر عام بتانا کم فہمی کی علامت ہے۔ قائل کا اتنا تجاوز کرنا مناسب نہیں، ورنہ وہ اپنے قول پر کتب فقہیہ کی دلیل پیش کرے۔ درمختار مصری جلد خامس ص ۳۵۲ و ۳۵۳ میں ہے۔

(ولایتحلی) الرجل (بذهب وفضة) مطلقا (الابخاتم ومنطقة) وحلية سيف منها اى الفضة اذالم يُر دُبه التزين (ولايتختم) الا بالفضة لحصول الا ستغناء بها فيحرم (بغيرها كحجرو ذهب وحديد وصفر) ورصاص وزجاج وغير هالمامر. مرد کیلئے سونا چاندی کا استعمال مطلقا ناجائز ہے۔ ہاں انگوٹھی اور پٹکا اور تلوار کا دستہ چاندی کا بنا سکتا ہے، بشرطیکہ زینت کا ارادہ نہ ہو۔ انگوٹھی چاندی ہی کی جائز ہے۔ کیونکہ یہی کافی ہے۔ لہذا پتھر، سونا، لوہا پیتل، رانگ، سیسہ وغیرہ کی انگوٹھی مذکورہ اسباب سے حرام ہے۔

اسی کے ص ۳۵۵ میں ہے۔

ولا يزيده على مثقال ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ سے کم) سے زیادہ کی انگوٹھی نہ بنائے۔

شامی جلد خامس ۳۵۲ میں ہے۔

(قوله ولايتختم الا بالفضة) هذه عبارة الامام محمد فى الجامع الصغير ..... وقد وردت آثار فى جواز التختم بالفضة و كان للنبى صلى الله عليه وسلم خاتم فضة و كان فى يده الكريمة. اس کا قول چاندی کے علاوہ کسی دھات کی انگوٹھی نہ بنائے یہ امام محمد کی الجامع الصغیر کی عبارت ہے۔ زیلعی نے کہا چاندی کی انگوٹھی کے سلسلہ میں احادیث وارد ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں بھی چاندی کی انگوٹھی تھی۔

اسی کے ص ۳۵۳ میں ہے۔

قولہ (فیحرم بغیر ھاالخ) لماروی الطحاوی باسنادہ الی عمران بن حصین وابی ھریرہ قال : نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن خاتم الذھب وروی صاحب السنن باسنادہ الی عبد اللہ بن بریرۃ عن ابیہ ان رجلاجاء الی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلیہ خاتم من شبہ، فقال: لہ مالی اجد منک ریح الا صنام؟ فطرحہ ثم جاء وعلیہ خاتم من حدید فقال: مالی اجد علیک حلیۃ اھل النار؟ فطرحہ فقال : یارسول اللہ من ای شئی اتخذہ؟ قال: اتخذہ من ورق ولا تتمہ مثقال فعلم ان التختم بالذھب والحدیدو الصفر حرام. ان کا قول چاندی کے علاوہ سے انگوٹی بنانا حرام ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے، جسے امام طحاوی نے روایت کی جس کی سند عمران بن حصین اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما تک پہونچتی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔ صاحب سنن نے عبداللہ بن بریرہ تک اپنی اسناد کے ساتھ روایت کی وہ اپنے والد سے راوی ہیں۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا وہ پیتل کی انگوٹی پہنے تھا آپ نے فرمایا مجھے کیا ہوا کہ تمہارے پاس سے بتوں کی مہک آ رہی ہے۔ اسے اتار دیا، پھر آیا تو اب لوہے کی انگوٹھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' مجھے کیا ہوا ہے کہ تمہارے پاس دوزخیوں کا زیور پاتا ہوں۔ اسے بھی اتادیا۔ اور کہا کس چیز کی بناؤں' آپ ﷺ نے فرمایا چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور ایک مثقال سے کم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی حرام ہے۔

اسی میں ہے۔

ان التختم بالفضۃ حلال للرجال بالحدیث و بالذھب والحدید والصفر حرام علیھم بالحدیث. چاندی کی انگوٹی مردوں کیلئے حلال ہے۔ اور سونا لوھا اور پیتل کی انگوٹھی حرام ہے۔

اسی کے ص ۳۵۵ میں ہے۔

قولہ (ولایز یدہ علی مثقال) وقیل لایبلغ بہ المثقال [الذخیرۃ] اقول ویویدہ نص الحدیث السابق من قولہ علیہ الصلوۃ والسلام "ولا تتمہ مثقالا" (ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو) یعنی ایک مثقال تک نہ پہنچے۔ میں کہتا ہوں اس قول کی تائید حدیث سابق سے ہوتی ہے یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول 'ایک مثقال پورا نہ کرو' سے۔

صرف چاندی کی انگوٹھی جائز ہے بشرطیکہ وہ مردوں کیلئے بنائی گئی ہو۔

اسی میں ہے۔

انمایحوزالتختم بالفضۃلوعلی ھیئۃ خاتم الرجال امالولہ فصان اواکثرحرم قھستانی. چاندی جیسے دھات سے انگوٹھی بنانا جائز ہے، بشرطیکہ اس کا اسٹائل مردوں کی انگوٹھی جیسا ہو۔ لیکن اگر اس کے دو نگ یا زیادہ ہوں تو حرام ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۷۱؍۳ میں ہے۔

مافی الشروح مقدمة علی ما فی الفتاوی. شروح کو فتاویٰ پر تقدم حاصل ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

مافی الفتاوی اذا خالف مافی المشاهیر من الشروح لا یقبل. فتاویٰ کی بات اگر مشہوراتِ شروح کے خلاف ہو تو نامقبول۔

درمختار میں ہے۔

حیث تعارض متنه وشرحه فالعمل علی المتون. جہاں متن وشرح میں تعارض ہو تو عمل متون کے موافق ہوگا۔

بحرالرائق میں ہے۔

اذاتعارض مافی المتون والفتاوی فالمعتمد مافی المتون کمافی انفع الوسائل وکذایقدم مافی الشروح علی مافی الفتاوی. متون وفتاویٰ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو متون کی بات ہی معتمد ہوگی۔انفع الوسائل میں ایسا ہی ہے۔اسی طرح شروح کو فتاویٰ پر مقدم کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے۔

لکن المتون علی المتون فعلیه المعول.

ردالمحتار جلد اول میں ہے۔

قال فی النهایة لان لفظ 'لاباس' دلیل علیٰ ان المستحب غیره لان الباس الشدة. نہایہ میں کہا۔''کیونکہ لفظ 'لاباس' اس امر پر دلیل ہے کہ مستحب اس کے علاوہ ہے۔کیونکہ باس کے معنی شدت ہے۔

اسی میں ہے۔

کلمة لاباس وان کان الغالب استعمالها فیما ترکه اولیٰ لکنها قد تستعمل فی المندوب کماصرح فی البحر. لفظ''لاباس''اگر چہ کہ اس کا زیادہ تر استعمال ترک اولیٰ میں ہوتا ہے۔لیکن کبھی کبھی مستحب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ بحرالرائق میں اس کی صراحت ہے۔

کتب فقہیہ میں عورتوں کے لئے سونے چاندی کے ہر قسم کے زیورات کے پہننے کا جواز مرقوم ہے،اور مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی کے سوا کسی اور دھات کی انگوٹھی بھی جائز نہیں۔سونے چاندی کے علاوہ تمام دھاتوں کی کوئی چیز مرد و عورت میں سے کوئی نہیں پہن سکتا،حتیٰ کہ سونے چاندی اور ریشم کی جسم پر لٹکانے والی یا چپکانے والی کوئی چیز جیسے چین اور زنجیریں یا ٹوپی وغیرہ کا پہننا جائز نہیں۔ درمختار مصری جلد خامس ص ۳۴۷ میں ہے۔

(وکذا) تکره (القلنسوة) وان کانت تحت العمامة والکیس الذی یعلق (قنیه) . اسی طرح

ریشمی ٹوپی مکروہ ہے، اگر چہ عمامہ کے نیچے ہو اور ریشمی بٹوا جو لٹکتا رہتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

وفی الفتاوی الهندیه یکره ان یلبس الذکور قلنسوة من الحریر والذهب او الفضة اوا لکرباس الذی خیط علیه ابریسم کثیرا. فتاویٰ ھندیہ میں ہے۔ ریشم سونا اور چاندی کی ٹوپی مرد کیلئے پہننا مکروہ ہے، نیز کرباس یعنی کھردرے کپڑے کی ٹوپی جسے موٹے ریشمی دھاگے سے سی دیا ہو۔

اسی میں ہے۔

قولہٗ (و الکیس الذی یعلق) ای یعلقه الرجل معه لاالذی یوضع ولا الذی یعلقه فی البیت، واحترز به عن الذی لایعلق والظاهر فی وجهه ان التعلیق یشبه اللُبس فحرم لذالک لماعلم ان الشبهة فی باب المحرمات ملحقة با لیقین (رملی)والظاهر ان المراد بالکیس المعلق.نحو کیس التمائم المسماة بالحمائل، فانه یعلق بالعنق، بخلاف کیس الدر اهم اذا کان یضعه فی جیبه مثلابدو ن تعلیق وفی الدرالمنتقیٰ: لاتکره الصلوٰة علی سجادة من الابریسم لان الحرام هو اللبس اما الانتفاع بسائر الو جوه فلیس بحرام کمافی صلوة الجواهر، واقره القهستانی وغیره .

قلت : و منه یعلم حکم ما کثر السوال عنه من بند السبحة فلیحفظ اه فقوله هو اللبس : ای ولو حکما لما فی القنیة استعمال اللحاف من الابریسم لا یجوزلا نه نوع لبس. بقی الکلام فی بند الساعة الذی تربط به ویعلقه الرجل بزرِّ ثوبه والظاهر انه کبند السبحة اللتی تربط به.

(ان کا قول بٹوہ جو لٹکا رہتا ہے) یعنی جسے مرد اپنے ساتھ لٹکائے رکھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں بھی رکھنا اور لٹکا رہنا حرام ہو جائے۔ لفظ "تعلیق" سے وہ صورت نکل گئی، جہاں لٹکانا نہیں پایا جائے، اس کا ظاہری سبب یہ ہیکہ لٹکانا پہننے سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے حرام ہو جائیگا۔ کیونکہ معلوم ہے کہ محرمات کے معاملے میں شبہ یقین سے ملحق ہو جاتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ لٹکے ہوئے بٹوے سے مراد تعویذات کی تھیلی جیسی چیز ہے۔ جسے حمائل کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ گردن سے لٹکا رہتا ہے، پیسے کے بٹوے کا معاملہ الگ ہوگا۔ اگر اسے جیب میں رکھ دیا جائے بغیر لٹکائے ہوئے۔ الدرالمنتقیٰ میں ہے۔ ریشمی چٹائی پر نماز مکروہ نہیں۔ کیونکہ حرام پہننا ہے۔ ایسا نہیں کہ ہر طرح اس سے فائدہ حاصل کرنا حرام ہو جائے۔ جیسا کہ صلوٰۃ الجواہر میں ہے۔ امام قہستانی وغیرہ نے اس کا اقرار کیا۔

میں کہتا ہوں۔ اسی سے تسبیح کے ڈور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، جس کے متعلق اکثر سوال ہوتا رہتا ہے لہذا اسے یاد رکھا جائے، انکا قول "پہننا" اگر چہ یہ پہننا حکما ہوگا کیونکہ "قنیہ" میں ہے کہ ریشم کا لحاف استعمال کرنا

جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے اندر ایک طرح سے "پہننا" پایا جارہا ہے، اب رہ گئی بات گھڑی کے ڈوریے کے سلسلہ میں جس سے گھڑی باندھی جاتی ہے۔ اور انسان اسے اپنے کپڑے کے بٹن سے معلق کردیتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ ٹھیک تسبیح کے دھاگے کی طرح ہے، جس سے تسبیح کو مربوط کیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۱۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ گھڑی دستی ہو یا جیبی اس میں چاندی سونا دھات وغیرہ کی چین ڈال کر استعمال کرنا کیسا ہے؟

دوم سر پر اس طرح رومال اوڑھنا کہ آدھا داہنے کندھے پر لٹکا رہے، اور آدھا بائیں کاندھے پر لٹکا رہے اور اس پر ٹوپی اوڑھنا اور اس سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوم داڑھی حد شرع رکھنا اور مونچھیں رکھنا اور پست کرانا کیسا ہے، کافر اور مومنہ دونوں سے تعلق۔ اس سے لڑکا تولد ہوا تو اب اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ حبیب احمد، چوبانگلہ، ڈاکخانہ سرکڑہ، ضلع مرادآباد جنوری ۱۹۶۸ء

الجواب: کسی دھات کی چین کا جیبی یا دستی گھڑی میں استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اس سے ہر مکلف مرد ومکلفہ عورت بچے اور دور رہے۔ اسی طرح بطریق مذکور رومال کا سر پر باندھ کر دونوں کناروں کو دائیں بائیں لٹکانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ جو شخص مکروہ تحریمی کا ارتکاب نماز میں کرے گا، اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ داڑھی کا حد شرع کے مطابق رکھنا واجب اور شعار اسلام ہے۔ مونچھوں کو بڑھانا مکروہ وممنوع ہے۔ مونچھوں کا پست کرنا کٹانا ہی سرکار کا حکم ہے ظاہر ہے کہ بچہ کا کوئی قصور نہیں جو گناہ ومعصیت ہے تو عورت ومرد کا ہے۔ لہٰذا ایسے بچہ کی اور لڑکے کی نماز جنازہ ضرور پڑھی جائے گی۔ بچہ دین میں ہمیشہ ماں باپ میں جس کا دین اچھا ہوگا شرعاً اس کے ہی تابع ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱): چین والی گھڑیاں باندھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ (۲): کس قسم کی زنجیر کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟

مرسلہ غلام رسول چاند اشرفی، مقام رادھن پور بناس، گجرات

الجواب: (۱) و (۲): دستی گھڑی یا جیبی گھڑی میں کسی بھی دھات کے چین کا استعمال مکروہ تحریمی یعنی قریب حرام ہے، ایسی گھڑی میں یا بٹن میں زنجیر کا استعمال کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ گھڑی یا بٹن میں کسی دھات کے چین یا زنجیر کو لگا کر باندھ کر یا لٹکا کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوتی ہے، یعنی دوبارہ نماز کو کراہت کے بغیر ادا کرنا واجب ہوگا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

باب النوافل (نوافل کا بیان)

مسئلہ ۴۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ بعد وتر دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہے، اس

میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کیا فعل رہا۔ بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے تھے یا کھڑے ہوکر۔ عندالاحناف افضلیت کس صورت میں ہے، بحوالہ کتب حنفیہ تحریر فرمائیں؟

مسئولہ محمد انیس الرحمٰن بہاری، مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد، مراد آباد

الجواب: اکثر حضور سید انبیاء حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد وتر دو رکعت نفل بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے۔ شرح سفر السعادت نولکشوری ص ۱۴۰ میں ہے۔

دو رکعت نماز یکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد از وتر می گذارد بروایات صحیحہ ثابت شدہ، "وتر کے بعد دو رکعت نفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے تھے۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ہے۔

اسی میں ہے۔

ودر مسند امام احمد وسنن ابن ماجہ از ام سلمہ مروی است گفت، کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی رکعتین وھو جالس خفیفتین بعد الوتر وترمذی در جامع خود نیز ایں حدیث آوردہ و خفیفتین نگفتہ وگفتہ کہ مثل ایں از ابی امامہ وعائشہ وغیرہم نیز آوردہ وامام احمد از ابوامامہ باہلی روایت می کند کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی رکعتین بعد الوتر وھو جالس یقرأ فیھا ﴿اِذَا زُلْزِلَتْ﴾ و﴿قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْن﴾ (ملخصاً) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نفل مختصر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث آئی ہے، تاہم اس میں خفیفتین نہیں ہے۔ اسی میں ہے کہ اس جیسی روایت ابی امامہ اور حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ امام احمد ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نفل وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ایک رکعت میں اذا زلزلت اور دوسری قل یاایھا الکافرون پڑھتے تھے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کرامت کے لیے ثواب کی زیادتی اس نفل کے کھڑے ہوکر ادا کرنے میں ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۴۰ میں ہے۔

لکن لہ ای للمتنفل جالسا نصف اجر القائم لقولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم من صلی قائما فھو افضل و من صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم. نفل پڑھنے والے کے لیے بیٹھ کر پڑھنا کھڑے ہوکر پڑھنے والے کے مقابلے میں نصف اجر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، یہی افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اس کے لیے نصف اجر ہے۔

لیکن خالص اتباع فعل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ کرکے افضل یہی معلوم ہوتا ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کو بیٹھ کر ادا کرے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۵۱ میں ہے۔

یجوز النفل قاعداً مطلقا من غیر کراھۃ کمافی مجمع الانھر، نفل بیٹھ کر مطلقاً بغیر کراہت کے

جائز ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۴۲ میں ہے۔

لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر قاعدا. کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۶۲ میں ہے۔

وفی شرح الشفاء للشهاب عن الحافظ ابن حجران اتباع الآثار الواردة ارجح و هذا یقرب من مسئلة الاصولیة وهی ان الادب احسن ام الاتباع والامتثال؟ ورجح الثانی بل قیل ان الادب،(ملخصاً). ایا رسول کی پیروی ہی راجح ہے۔اور....کے مسئلہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ادب احسن ہے یا پیروی۔ پیروی ہی کو ترجیح دی ہے۔ کبھی فضیلت اور زیادتی ثواب دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں اور کبھی فضیلت بغیر زیادتی ثواب کے بھی پائی جاتی ہے اور کبھی ثواب کی زیادتی غیر افضل میں بھی ہوتی ہے۔

وهذا ممالایخفی علیٰ من طالع کتب الفقه والاحادیث وشروحها وغیرها، شرح سفر السعادۃ ص ۱۴۷ میں ہے۔

''وعلماء مثل ایں کلام در خلافیکہ در افضلیت مکہ معظمہ ومدینہ مطہرہ بر یک دیگر کردہ اند نیز گفتہ اند کہ اجر عمل در مکہ بیشتر است چہ یک رکعت در مسجد حرام بصد ہزار رکعت بود در غیرو ے وثواب آں در مدینہ اگرچہ کمتر آمدہ کہ یک رکعت در مسجد شریف نبوی بہزار رکعت در مسجد غیر نبوی ولکن نفیس وجید تر بود چنانچہ این بحث را بتفصیل در تاریخ مدینہ مطہرہ کہ مسمیٰ است ''بجذب القلوب فی دیار المحبوب'' بیان کردیم۔ علماء نے اس کے مثل مکہ معظمہ اور مدینہ مطہرہ میں اختلاف کیا ہے کہ کون افضل ہے؟ انہوں نے کہا کہ عمل کا ثواب مکہ میں زیادہ ہے، کیونکہ مسجد حرام میں ایک رکعت سو ہزار رکعت کے برابر ہے۔ثواب کے معاملہ میں مدینہ منورہ اگرچہ کہ کم ہے کہ مسجد نبوی کی ایک رکعت دوسری مسجدوں کی ایک ہزار رکعت کے برابر ہے۔لیکن عمدہ نفیس ترییں کی نماز ہوگی۔اس بحث کو ہم نے جذب القلوب الی دیار المحبوب میں تفصیل کے ساتھ تاریخ مدینہ کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

بہر کیف میری تحقیق یہی ہے کہ اتباع فعل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ادا کرنا بیٹھ کر ہی افضل ہے۔ **واللہ تعالٰی وسبحانہ اعلم.**

مسئلہ ۴۱۳: عشا کے بعد والے دو نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے ضروری ہیں، یا کھڑے ہو کر بھی پڑھ سکتے ہیں؟

مسئولہ انعام الدین، قاضی ٹولہ، مراد آباد

الجواب: کوئی نماز نفل ہو اس کا کھڑے ہو کر پڑھنا یا بیٹھ کر پڑھنا کچھ ضروری نہیں بلکہ نماز نفل ہی لازم وفرض نہیں،

ہاں کھڑے ہوکر ہر نفل کا پڑھنا موجب زیادتی ثواب ہے، اجر زیادہ ملے گا۔ وتر کے بعد دو رکعت نفل کو اکثر سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹھ کر پڑھا ہے۔ محض اتباع رسول کے ارادہ سے بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نفل نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں رکوع کرتے ہوئے پنڈلیوں سے سرین علٰحدہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور سر کتنا جھکانا چاہیے، مفصل طریقہ سے بیان کیا جائے؟

مسئولہ بشیر الدین، سرور کھیڑا، پوسٹ کاشی پور، ضلع نینی تال، ۲۹ رجمادی الاولی ۱۳۹۶ھ

الجواب: رکوع میں قدر واجب تو اسی قدر ہے کہ سر جھکائے اور پیٹھ کو قدرے خم کردے، لہٰذا بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کا درجۂ کمال وطریقہ اعتدال یہ ہے کہ پیشانی جھک کر گھٹنوں کے مقابل آجائے۔ اس قدر کے لیے سرین اٹھانے کی حاجت نہیں، **فی الحاشیۃ الشامیہ ص ۳۲۹ فی حاشیۃ الفتال عن البرجندی ولو کان یصلی قاعداً ینبغی ان یحاذی جبھتہ قدام رکبتیہ لیحصل الرکوع قلت ولعلہ محمول علی تمام الرکوع والافقد علمت حصولہ باصل طاطأۃ الراس ای مع انحناء الظھر تامل**، اگر نماز بیٹھ کر پڑھ رہا ہے تو مناسب یہ ہے کہ پیشانی کو گھٹنوں کے سامنے کے بالمقابل کردے تاکہ رکوع ہوجائے۔ میں کہتا ہوں یقیناً یہ کامل رکوع پر محمول، ورنہ تمہیں معلوم ہے کہ محض پیٹھ جھکانے کے ساتھ ساتھ سر کو جھکانے ہی سے یہ مقصد حاصل ہورہا ہے، واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

صلوٰۃ التہجد (تہجد کی نماز)

مسئلہ ۴۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اگر زید کی دلی خواہش یہ ہے کہ میں تہجد میں اپنا قرآن مقتدیوں کو سناؤں یا نفلوں میں قرآن سناؤں۔ اگر ایسی جماعت مکروہ ہے تو کون سا مکروہ؟ مشرح ومفصل جواب سے مشکور فرمائیں؟

مسئولہ الطاف حسین خاں، محلہ طویلہ، مرادآباد، ۲۴ راکتوبر ۱۹۶۹ء

الجواب: ماہ رمضان میں وتر وتراویح کا باجماعت ادا کرنا بغیر کراہت صحیح وجائز ہے، اس کے سوا کسی اور نفل نماز یا تہجد کی نماز اتفاقیہ طور پر گاہ بگاہ جماعت کے ساتھ ادا کرلی جائے تو بھی بغیر کراہت صحیح وجائز ہے، اور تداعی ومواظبت کے ساتھ کسی نفل نماز یا تہجد کی نماز کا باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، تداعی کے معنی یہ ہیں کہ بعض نمازی بعض دوسرے نمازی کو نفل نماز یا تہجد کی جماعت کے لیے بلائے یا یہ نماز ہی بکثرت باجماعت ادا کرے، کتب فقہیہ کی عبارتیں مختلف ہیں، بعض سے مکروہ تحریمی مستفاد ہوتا ہے، اور بعض سے مکروہ تنزیہی۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۶۶۳ میں ہے۔

(ولا یصلی الوتر و) لا (التطوع بجماعۃ خارج رمضان) ای یکرہ ذالک لو علی سبیل التداعی، رمضان کے علاوہ وتر اور نفل نماز باجماعت تداعی کے ساتھ نہ پڑھے۔ یعنی یہ مکروہ ہے اگر تداعی کے طور پر ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در ہر دو وقت نماز گذاردہ وامت رانیز بداں ترغیب نمودہ وامر استحباب فرمودہ است و درحقیقت یک وقت ست ویک نماز کہ اول وقت وے اشراق است وآخروے تاقبل انتصاف نہار (ملخص)۔ دن کے ابتدائی حصہ میں نوافل میں سے دو نماز لوگوں میں مشہور و متعارف ہے۔(۱): دن کے شروع میں آفتاب کے طلوع ہونے اور ایک دو نیزہ کی مقدار بلند ہونے کے بعد۔ اس کو نماز اشراق کہتے ہیں۔(۲): ایک چوتھائی آسمان تک آفتاب کے بلند ہونے سے نصف النہار تک جس کے متعلق حین ترمض الفصال آیا ہے اس کو صلوٰۃ الضحیٰ اور نماز چاشت کہتے ہیں۔ اکثر احادیث میں یہی نام (نماز چاشت) واقع ہوا ہے۔ بعض احادیث میں نماز اشراق بھی واقع ہوا ہے۔

چنانچہ حدیث طبرانی سے سیوطی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ''اے ام ہانی یہ نماز اشراق ہے''۔ حضرت شیخ اجل علی متقی نے سیوطی کی جمع الجوامع، جس کا نام جامع کبیر رکھا ہے، کی تبویب میں نماز اشراق کے لئے الگ باب رکھا ہے۔ اور یہ حدیث لایا کہ جو شخص نماز فجر با جماعت ادا کرے بعدہ ذکر الٰہی کے لئے طلوع آفتاب تک بیٹھا رہے۔ پھر دو رکعت ادا کرے، اسے حج اور ایک مکمل عمرہ کا ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ صحیح روایت میں ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے دونوں وقت میں نماز ادا کی اور امت کو ان نمازوں کی ادائیگی کی ترغیب دی اور استحباب کا حکم دیا ہے۔ درحقیقت ایک ہی وقت اور ایک ہی نماز ہے کہ اس کا ابتدائی وقت اشراق ہے اور آخری وقت نصف النہار کے قبل تک ہے۔

اشعۃ اللمعات جلد اوّل ترجمہ مشکوٰۃ ص ۵۹۱ و ۵۹۲ میں ہے۔

کسے کہ بنشیند یعنی تا برآمدن آفتاب و بلند شدن وے در جائے کہ نماز کردہ است چوں برگردد و فارغ شود از نماز بامداد...... تا آنکہ بگذارد دو رکعت ضحیٰ را، نگوید مگر سخن نیک را چیزے کہ دراں ثواب آخرت از ذکر و تلاوت و مانند آں واگر سخنے گوید کہ دراں نفع مسلمانے است، نیز حکم آں دارد آمرزیدہ شود مراورا گناہان او واگرچہ باشد گناہان او مانند کف دریا در بسیاری، رواہ ابو داؤد وایں جا مراد بصلوٰۃ ضحیٰ نماز اشراق است۔ جو شخص آفتاب کے نکلنے اور اس کے بلند ہونے تک وہیں بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز ادا کی ہے پھر جب صبح کی نماز سے فارغ ہو جائے...... یہاں تک کہ دو رکعت نماز اشراق پڑھے سوائے اچھی بات کے زبان سے کچھ نہ نکالے۔ جیسے ذکر و تلاوت وغیرہ کہ جس میں آخرت کا ثواب ہے اور اگر بات ہی کرے تو ایسی بات کرے جس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ اسے بھی اچھی بات ہی کا حکم دیا جائے گا، وہ شخص بخشا جائے گا اس کے گناہ اگرچہ کہ زیادتی میں دریا کے جھاگ کے برابر ہوں۔ اس حدیث کی روایت ابوداؤد نے کی۔ یہاں صلوٰۃ ضحیٰ سے نماز اشراق مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): نماز اشراق کے علاوہ دیگر نوافل نماز غیر فرائض و واجبات کا چھپ کر اور گھر میں ادا کرنا مسنون و مستحب ہے۔ اسی شرح سفر السعادۃ ص ۱۵۶ میں ہے۔

چہ سنت در نوافل وفضیلت آں در پنہاں گذاردن است و در خانہ گذاردن است۔ نوافل کے سلسلہ میں سنت اور افضل یہی ہے کہ چھپ کر گھر میں ادا کرے۔

اور نماز اشراق جہاں فجر کا فرض ادا کرے اسی جگہ پڑھے، خواہ مسجد ہو یا گھر یا اور کوئی مقام۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

فصل التراویح (تراویح کا بیان)

مسئلہ ۴۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تراویح شروع ہونے سے پہلے ایک مقتدی نے امام مسجد و نمازی سے کہا کہ آج بہت تھکے ہوئے ہیں، اس لیے تراویح کی بیس رکعتوں کی نیت ایک بار کر لو۔ چنانچہ امام موصوف نے مقتدی کے کہنے سے نماز تراویح کی ایک نیت کر لی اور بیس رکعت نماز ایک بار میں پڑھا دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ تراویح ایک نیت سے پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور مقتدی کے کہنے سے ایسا کرنا امام کے لیے درست ہے یا نہیں

مسئولہ خلیل احمد، لال پور گنگواری، ضلع مراد آباد، ۲۸ رمضان شریف ۱۳۹۰ھ شنبہ

الجواب: تراویح کی نماز کل کی کل کو بیس رکعتوں کی ایک ہی نیت سے پڑھ لینا جائز ہے، بشرطیکہ ہر دو رکعت پر وہ قعدہ کرتا رہا ہو، لیکن ایسا کرنا خالی از کراہت نہیں۔ امام کو صرف ایک مقتدی کی رائے پر کچھ نہ کرنا چاہیے، بلکہ وہ جائز کام بھی کرے تو سب سے مشورہ لے کر کرے۔ لیکن یہ کام جائز مع الکراہتہ تھا۔ یہ تو سب کے مشورہ سے بھی امام کو نہ کرنا تھا۔ صرف ایک مقتدی کے کہنے سے یہ کام کرنا اور زیادہ برا ہوا۔ آئندہ امام احتیاط کرے۔

ولو صلی التراویح کلها بتسلیمة واحدة ان قعد فی کل رکعتین یجوز عندالکل. اگر تراویح ایک سلام سے پڑھ لی تو سب کے نزدیک نماز ہو جائے گی، بشرطیکہ ہر دو رکعت پر قعدہ کیا ہو۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۱۱، نیز اسی کے ص ۱۰۶ میں ہے۔

وکره الزیادة علی اربع فی نوافل النهار وعلی ثمان لیلا بتسلیمة واحدة. ایک سلام سے دن میں چار رکعت سے زیادہ اور رات میں آٹھ رکعت سے زیادہ نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۱۹: سورۂ تراویح میں اگر کوئی شخص سورۂ یٰسین یا دوسری بڑی سورت سے پڑھنا چاہتا ہے، تو جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ مولوی عبدالشکور صاحب، میمن جماعت خانہ، آزاد چوک، کچھ، بھروچ، ۱۲ر شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ

الجواب: سورۂ تراویح میں ہر چھوٹی بڑی سورہ کا پڑھنا جائز۔ ہے، جہاں حافظ نہ ملے یا قرآن کریم ختم کرنے میں قوم کو سستی کاہلی عارض ہو تو سورۂ تراویح میں سورہ یٰسین کی آیتیں یا دوسری بڑی سورتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ لیکن اس سے اصل سنت ادا نہ ہوگی۔ چونکہ تراویح میں پورا ایک ختم کلام پاک کا پڑھنا اور سننا سنت ہے۔ مراقی الفلاح ص ۲۴۹ میں ہے۔

وسنٌ ختم القران فیها ای التراویح مرۃ فی الشهر علی الصحیح و ان مل به ای بختم القران فی الشهرالقوم قرأ بقدر مالایودی الی تنفیر هم فی المختار لان الافضل فی زماننا مالا یؤدی الی تنفیرالجماعة، کذافی الاختیار وفی المحیط الافضل فی زماننا ان یقرأ بما لایؤدی الی تنفیرالقوم عن الجماعة لان تکثیرالقوم افضل من تطویل الجماعةوبه یفتی وقال الزاهدی یقرأ کما فی المغرب ای بقصار المفصل بعدالفاتحة.

ماہ رمضان میں تراویح میں ایک ختم قرآن سنت ہے۔ اگر قوم اسے گراں محسوس کرے تو اسی حدتک پڑھا جائے کہ ان کی تنفیر کا سبب نہ ہو یہی مذہب مختار ہے، کیونکہ ہمارے زمانہ میں افضل یہی ہے کہ لوگوں کو جماعت سے دور کرنے کا سبب نہ بنا جائے۔ ایسا ہی الاختیار میں ہے۔ المحیط میں ہے ہمارے زمانہ میں افضل یہ ہے کہ اتنا ہی پڑھا جائے کہ قوم کی تنفیر کا سبب نہ ہو۔ کیونکہ جماعت میں لوگوں کا زیادہ ہونا جماعت کو لمبا کرنے سے بہتر ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ الزاہدی نے کہا ''فاتحہ کے بعد'' قصار مفصل'' سے پڑھا جائے۔ جیسا کہ مغرب عرب میں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۱۰ میں ہے۔

والناس فی بعض البلاد ترکوا الختم لتوانیهم فی الامورالدینیة ثم بعضهم اختار قل هوالله احد فی کل رکعة وبعضهم اختار سورة الفیل الی اٰخرالقران وهٰذا احسن القولین لانه لایشتبه علیه عددالرکعات ولایشتغل قلب بحفظها کذافی التجنیس، بعض شہروں میں لوگوں نے ختم قرآن چھوڑ دیا۔ کیونکہ دینی معاملات میں کاہلی ان کے اندر آ گئی ہے۔ بعض لوگ ہر رکعت میں قل هو الله احد پڑھتے ہیں اور بعض لوگوں نے سورہ فیل سے اخیر تک اختیار کرلیا ہے۔ دو میں بہتر یہی قول ہے۔ کیونکہ اس سے رکعات کی تعداد میں اشتباہ نہیں ہوتا۔ اور دل رکعات کے یاد رکھنے میں مشغول نہیں رہتا۔ واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم۔

مسئلہ ۴۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں پورے کلام پاک کا ایک بار سننا کیسا ہے اور سستی اور کاہلی کی وجہ سے محلہ یا بستی والوں کا چھوڑ دینا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

مسئولہ محمد ابوالفتح، موضع ڈھالیہ پوسٹ فتح پور ضلع گنگا نگر، راجستھان، یکم نومبر ۱۹۶۷ء

الجواب: تراویح میں ایک بار ختم کلام پاک سنت ہے۔ قوم کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے نہ چھوڑا جائے اگر سارے اہل محلہ یا تمام اہل قریہ تراویح کی جماعت کو چھوڑ دیں تو یہ سب کے سب امر ممنوع کے مرتکب اور گنہگار ہوئے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۱۰۸ میں ہے۔

ولو ترک اهل المسجد کلهم الجماعة فقداساء واثموا هٰکذا فی محیط السرخسی، اگر پوری قوم نے تراویح کی جماعت چھوڑ دی تو برا کیا اور سب گنہگار ہوئے ایسا ہی محیط السرخسی میں ہے۔

اسی کے ص ۱۱۰ میں ہے۔

السنة فی التراویح انما هو الختم مرة فلایترک لکسل القوم کذافی الکافی۔ تراویح میں ایک ختم سنت ہے۔ قوم کی کاہلی کے سبب سے نہ چھوڑا جائے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۲۱: تراویح کی نماز میں امام تیسواں پارہ کا آخری رکوع پڑھ رہا ہو اور اس میں کچھ آیتیں رہ گئیں تو پھر دوبارہ رکوع کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا صرف ان آیتوں کا پڑھنا کافی ہے جو رہ گئی ہیں؟

مسئولہ حاکم علی، موضع مہلک پورمانی، ڈاکخانہ پاکبڑہ، ضلع مرادآباد، ۲۲ر صفر ۱۳۸۵ھ چہارشنبہ

الجواب: پورا رکوع پڑھنا لازم نہیں، البتہ جہاں سے آیتیں چھوٹی ہیں وہاں سے آخر تک دوبارہ پڑھے اور پھر آگے الم کی آیتیں پڑھے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۱۰ میں ہے۔

واذاغلط فی القرأة فی التراویح فترک سورة، اوایة وقرأمابعدها، فالمستحب له ان یقرأ المتروکة ثم المقروءة لیکون علی الترتیب کذا فی فتاویٰ قاضی خاں، تراویح کی قرأت میں اگر غلطی کر دی۔ ایک سورہ یا آیت چھوڑ دیا۔ اور بعد والی کو پڑھ دیا تو مستحب یہ ہے کہ پہلے چھوٹی ہوئی کو پڑھے، پھر پڑھی ہوئی کو پڑھے۔ تاکہ ترتیب پر آجائے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ایسا ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۲۲: اہل شرع اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ختم کرنے میں قل ھو اللہ احد شریف ایک مرتبہ پڑھنا چاہیے یا تین مرتبہ پڑھنا چاہیے اور رمضان شریف میں تراویح میں ایک ختم والے دن ایک مرتبہ پڑھنا چاہیے یا تین مرتبہ؟ ایک مرتبہ یا تین مرتبہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

مسئولہ محمد صغیر معرفت عبدالعزیز، شری رائے، ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ جمعہ

الجواب: قرآن کریم کا ختم زبانی ہو یا دیکھ کر تلاوت کرنے کی صورت میں ہو یا ختم تراویح کے موقعہ پر، بہر حال وبہر صورت سورہ اخلاص کا تین بار پڑھنا اولیٰ وافضل ہے تاکہ تلاوت میں کچھ رہ بھی جائے تو تین بار کے پڑھنے میں ثواب کی کمی نہ ہو، اس سورہ کے پڑھنے کا ثواب ثلث قرآن کریم یعنی ایک تہائی کلام مجید کے ثواب پر مشتمل ہے۔ غنیۃ المستملی کانپوری ص ۴۶۰ و ۴۶۱ میں ہے۔

وقراة قل هوالله ثلث مرات عند ختم القران لم یستحسنها بعض المشائخ وقال الفقیه ابوالليث هذا شئ استحسنه اهل القران وائمة الامصار فلاباس به الاان یکون الختم فی المکتوبة فلایزید علی مرة، ختم قرآن کے وقت تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنا بعض مشائخ نے بہتر نہیں سمجھا۔ فقیہ ابواللیث نے کہا "یہ ایسی بات ہے جسے اہل قرآن اور مختلف شہروں کے اماموں نے اچھا قرار دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ کہ ختم اگر فرض نماز میں ہے، تو ایک مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھا جائے۔ وھو

سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کہتا ہے کہ آج کل جو قرآن کا ختم ہو رہا ہے، بیس تراویحوں میں تین تین پارے یا زیادہ حافظ پڑھے تو ان کا پڑھنا اور ان کا سننا دو گناہ ہیں، لہٰذا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ آج بھی یہ طریقہ ہے کہ عرب میں صرف سورۂ ابراہیم پڑھتے ہیں، اس کے خلاف عمل کرنا گناہ ہے، دونوں گنہگار ہیں۔ لہٰذا کتب معتبرہ سے جواب دے کر تسکین بخشیں ایسا کہنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟ جواب سے شاد فرمائیں۔

مسئولہ شرافت علی خاں، جامع مسجد روڈ، مراد آباد، ۳ ر رمضان ۱۳۹۲ھ

الجواب: زید کا قول سرتا پا مبنی بر نادانی وجہالت ہے۔ زید اگر عالم دین ہونے کا مدعی ہے تو اس نے کسی دار العلم یا دار العلوم میں تعلیم حاصل نہیں کی ہوگی، بلکہ دار الجہل یا دار الجہال میں پڑھا ہوگا۔ عرب کا طریقہ بیان کرکے زید اپنی بابت یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ سارے عرب کی تاریخ پر مطلع ہے، اور عرب کے سارے مقامات کا سیاح ہے۔ بہر حال زید کا قول شرعاً غلط و باطل ہے، زید کو جب کہ وہ احکام شرع سے نادان و بے خبر ہے، مسئلہ بیان کرنا اور بتانا جائز نہیں۔ نماز تراویح کے اندر پورے ایک قرآن کریم کا ختم کرنا یعنی امام کا پڑھنا اور مقتدی کا سننا سنت مؤکدہ ہے اور تراویح میں پورے قرآن کریم کا ختم دوبارہ کرنا فضیلت کی بات ہے اور تراویح کے اندر پورے قرآن کریم کا ختم تین بار کرنا یعنی امام کا پڑھنا اور مقتدیوں کا سننا اس طرح کہ ہر دس دن میں ایک ختم کرے اور پورے مہینے میں تین ختم کرے یعنی تین پارے روزانہ تراویح میں امام پڑھے اور سنائے اور مقتدی سنے، افضل بات ہے۔ درمختار مطبوعہ دیوبند جلد اوّل ص ۴۷۴ میں ہے۔

(والختم) مرۃ سنۃ، ومرتین فضیلۃ، وثلثا افضل. مہینے بھر میں ایک ختم سنت ہے، دو ختم فضیلت ہے اور تین ختم بہت بڑی فضیلت ہے۔

ردالمحتار معروف بہ شامی میں ہے۔

ای قراۃ الختم فی صلاۃ التراویح سنۃ صححہ فی الخانیۃ وغیرھا وعزاہ فی الھدایۃ الی اکثرالمشائخ و فی الکافی الی الجمھور وفی البرھان وھوالمروی عن ابی حنیفۃ والمنقول فی الآثار. نماز تراویح میں ختم قرآن کرنا سنت ہے۔ خانیہ وغیرہا میں اس کی تصحیح کی۔ ہدایہ میں اسے اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا اور الکافی میں جمہور کی طرف البرہان میں یہی امام ابوحنیفہ سے مروی بتایا گیا اور یہی آثار میں منقول ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۱۰ میں ہے۔

السنۃ فی التراویح انما ھوالختم مرۃ فلایترک لکسل القوم کذافی الکافی والختم مرتین فضیلۃ والختم ثلث مرات افضل کذا فی السراج الوھاج. تراویح میں ایک ختم سنت ہے۔ قوم کی کاہلی کے سبب سے نہ چھوڑا جائے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔ دو مرتبہ ختم قرآن فضیلت ہے اور تین مرتبہ ختم قرآن افضل ہے۔ ایسا ہی السراج الوہاج میں ہے۔

مراقی الفلاح ص ۲۴۹ میں ہے۔

وسن ختم القران فیھا ای التراویح مرۃ فی الشھر علی الصحیح و ھو قول الاکثر.

تراویح میں مہینے بھر میں ایک ختم قرآن سنت ہے۔صحیح مذہب یہی ہے۔اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قولہ (مرۃ فی الشھر) ومرتین فضیلۃ و ثلاثا فی کل عشر مرۃ افضل (کافی) مہینے میں ایک ختم سنت ہے،دوختم فضیلت ہے اور تین ختم افضل ہے۔

یہ تمام عبارتیں صاف واضح کررہی ہیں کہ پورے رمضان کے مہینے میں تراویح کے اندر تین ختم پورے قرآن کریم کا کرنا، پڑھنا، پڑھوانا سنانا اور سننا افضل ہے۔ یہ روزانہ بیس تراویحوں میں تین پاروں کے پڑھنے سے ہی ہوگا،جس کو ہمارے یہاں افضل بتایا گیا ہے،اس کو دو گناہ قرار دینا زید ہی کا کام ہوسکتا ہے،زید جاہل و نادان قرار پایا اور مخالف اہل سنت و جماعت کا اور خلاف شرع قول کا قائل ہوکر بدعتی بھی ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۲۴: کیا ہم تراویح میں وقت کا نام لیں گے یا نہیں؟

مسئولہ خدابخش، موضع اودری، پوسٹ شہوار پورکلاں،ضلع مرادآباد،کیم ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: تراویح میں وقت کا نام لینا ضروری نہیں،اگر کوئی بعد عشا کا لفظ نیت میں کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام نے تراویح کی آخری دو رکعتوں میں تین بار قل ھواللہ شریف اورقل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس مع بسم اللہ شریف کے پہلی رکعت میں اور دوسری میں الم سے مفلحون تک اور اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّارَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اورمَاكَانَ مُحَمَّدٌ،سے شَيْئًا عَلِيْمًا ،اوراِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ سے تَسْلِيْمًا تک۔ غرض پنج آیت پڑھ کر ختم کیا،کیا نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟ ایک شخص نے اعتراض کیا اور نماز دوہرائی اور اس نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کردی۔اس شخص کی وجہ سے متعدد امام بدل چکے ہیں،اس لیے کہ یہ شخص ہر امام پر نکتہ چینی کرتا ہے،اور بہشتی زیور میں مولوی اشرف علی نے مکروہ لکھا ہے؟ بینوا توجروا۔

مرسلہ حافظ بشیر احمد حنفی سنی، موضع راؤکھیڑی ڈاکخانہ،جلال آباد،ضلع بجنور

الجواب: احناف کے صحیح مذہب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم،کسی سورۃ کا جزء نہیں، بلکہ ایک مستقل آیت ہے، جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے،اس لیے ختم قرآن میں کسی مقام پر ایک بار بسم اللہ الرحمن الرحیم کا جہر سے پڑھنا ضروری ہے،تاکہ ختم قرآن سے اس کی ایک آیت رہ نہ جائے۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

ان التسمیۃ آیۃ من القران انزلت للفصل بین السور عندنا ذکرہ فخرالاسلام فی

المبسوط. بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کی آیت ہے۔ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے نازل ہوئی...........

تفسیر علامہ ابوالسعود میں ہے۔

وانها آية فذة من القرآن انزلت للفصل، والتبرك بها وهوا لصحيح من مذهب الحنفية، یہ ایک مستقل آیت سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے اور برکت حاصل کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ مذہب حنفیہ میں یہی صحیح ہے۔

اسی طرح سورۂ اخلاص کا تین بار پڑھنا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک مستحب و مستحسن ہے، بعض ائمہ نے غیر مستحسن بھی کہا ہے، اس لیے کہ غیر فرائض کی ایک رکعت میں کسی سورت کی تکرار مکروہ نہیں۔ کبیری میں ہے۔

وقرأة قل هوالله ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنه بعض المشائخ وقال الفقيه ابوالليث هذا شئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلاباس به۔ قل هوالله احد تین مرتبہ پڑھنا، اسے بعض مشائخ نے اچھا نہیں سمجھا۔ فقیہ ابواللیث نے کہا ''اسے اہل قرآن اور مختلف شہروں کے اماموں نے مستحسن کہا۔ لہٰذا کوئی حرج نہیں۔

اتقان فی علوم القرآن میں ہے۔

عن الامام احمد انه منع من تكرير سورة الاخلاص عندالختم لكن عمل الناس علىٰ خلافه قال بعضهم والحكمة فيه ماورد انها تعدل ثلث القرآن فيحصل بذالك ختمته.
امام محمد سے روایت ہے، انہوں نے سورۃ اخلاص کو ختم قرآن کے وقت مکرر پڑھنے سے منع کیا۔ لیکن لوگوں کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا۔ ''اس میں حکمت یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہوا کہ سورۃ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ لہٰذا تکرار سورۂ اخلاص سے ایک ختم قرآن کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے۔

اتقان میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب **قل اعوذ بروب الناس** پڑھتے تو **الحمد** سے شروع کرتے۔ پھر سورہ بقرہ میں سے **اولئک هم المفلحون** تک پڑھتے۔ پھر دعاء ختم قرأن کرتے اور کھڑے ہوجاتے۔

عالمگیری میں ہے۔

ويكره تكرارالسورة رفی ركعة واحدة فی الفرائض ولاباس بذالک فی التطوع كذا فی فتاویٰ قاضيخان. فرائض کی ایک رکعت میں تکرارِ سورۃ مکروہ ہے۔ نفل میں کوئی حرج نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ایسا ہی ہے۔

کبیری میں ہے۔

ولا يكره تكرار السورة فی ركعة او ركعتين فی التطوع. نفل کی ایک رکعت یا دو رکعت میں

تکرار سورہ مکروہ نہیں۔

اتقان فی علوم القرآن میں ہے۔

اخرج الدارمی بسند حسن عن ابن عباس عن ابی ابن کعب ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا قرأ قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الیٰ اولٰئک ھم المفلحون ثم دعا بدعاء الختمۃ ثم قام. دارمی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قل اعوذ برب الناس پڑھتے تو الحمد سے شروع کرتے، پھر سورۃ بقرۃ کی ابتداء سے اولٰئک ھم المفلحون تک پڑھتے پھر دعائے ختم قرآن کرتے۔

ردالمحتار وغنیۃ المستملی وفتاویٰ ولوالجیہ میں ہے۔

من یختم القراٰن فی الصلوٰۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولیٰ یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشیٔ من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال خیرالناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح........جو نماز میں قرآن ختم کرے۔ پہلی رکعت میں معوذتین سے جب فارغ ہو تو رکوع کرے۔ پھر دوسری میں سورہ فاتحہ پڑھے۔ اور کچھ سورہ بقرہ میں سے پڑھے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کو ختم بھی کرتے ہیں اور شروع بھی کرتے ہیں''۔

لہٰذا عبارات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت ایک بار بسم اللہ الرحمن الرحیم، کا جہر سے پڑھنا نیز سورہ اخلاص کا تین بار پڑھنا اور اخیر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد الم تا مفلحون، پڑھنا جائز و مستحسن ہے، اس کو مکروہ بتانا یا منع کرنا صحیح نہیں لیکن رکعت اخیرہ میں ان رحمۃ اللّٰہ اور وماارسلناک، اور ما کان محمد، اور ان اللّٰہ وملٰئکتہ، کا پڑھنا بلاضرورت مکروہ تنزیہی وخلاف اولیٰ ہے، اس سے احتراز چاہیے۔ شامی میں ہے۔

لوانتقل فی الرکعۃ الواحدۃ من ایۃ الیٰ ایۃ یکرہ وان کان بینھما ایات بلاضرورۃ. ایک رکعت کے اندر ایک آیت کو چھوڑ کر دوسری آیت کا بلاضرورت پڑھنا مکروہ ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۲۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید جو حافظ ہے، وہ ختم تراویح میں جب قرآن مکمل سورہ ناس پڑھ چکتا ہے، تو حالت قیام ہی میں اور بیسواں رکعت میں دعائیہ الفاظ ثلث مثلث مثلاً ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا﴾ ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا﴾ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ ﴿وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ ﴿رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا﴾ ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا﴾.

خلاصہ کلام اینکہ دعائیہ مکمل آیت ترتیب کے ساتھ مثلاً ربنا اتنا، دوسرے پارے میں ہے تو پھر تیسرے پارے کے دعائیہ الفاظ پڑھتا ہے۔ کیا ایسا پڑھنا ترتیب کے خلاف ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا پڑھنا بحالت قیام نماز تراویح جائز ہے یا

نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مع دلائل کے ثابت کریں؟

مسئولہ محمد ابو صالح بھاگل پوری، مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد، ۳۱؍جولائی ۱۹۷۴ء

الجواب: ختم تراویح کے دن آخری رکعت میں والناس کے بعد الم سے تا مفلحون یا پورا رکوع پڑھنا کتب دینیہ میں منقول ہے۔ باقی ان آیات مشتملہ پر دعاء کا پڑھنا جن کا ذکر سوال میں ہے، کتب مروجہ دینیہ فقہیہ وغیرہا میں میری نظر سے نہیں گزرا ہے، جہاں تک میری یاد کا اور کتب بینی کا تعلق ہے کہ آیات دعائیہ مذکور فی السوال کا تراویح کی آخری رکعت میں پڑھنا منقول نہیں ہے لیکن نوافل وسنن کی ایک رکعت میں مختلف سورتوں اور آیتوں کا ترتیب وار پڑھنا بقصد تلاوت مکروہ وممنوع یا خلاف اولیٰ نہیں ہے، لہٰذا طریق مذکور پر آیت مندرجہ فی السوال کا پڑھنا مکروہ وممنوع نہیں ہے، بلکہ جائز و درست ہے، حتیٰ کہ وتر کی نماز جو فقہ حنفی میں واجب ہے، درباب قرأت وہ بھی ملحق بالنوافل ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۱ میں ہے۔

(و) یکرہ (اطالۃ الرکعۃ الاولیٰ فی) کل شفع من (التطوع) الا ان یکون مرویا عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اوماثورۃ عن صحابی کقراۃ سَبِّحْ وقل یاایھا الکافرون و قل ھواللّٰہ احد فی الوتر فانہ من حیث القراۃ ملحق بالنوافل وقال الامام ابوالیسر لایکرہ لان النوافل امرھا اسھل من الفرض، نفل کی پہلی رکعت میں قراءت کو لمبی کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی روایت ہو یا صحابی سے منقول ہو تو کوئی کراہت نہیں۔ جیسے کہ وتر کے اندر سبح اور قل یاایھاالکافرون اور قل ھواللہ احد۔ کیونکہ وتر بھی درباب قراءت نوافل سے ملحق ہے۔ امام ابو الیسر نے کہا: ''مکروہ نہیں ہے کیونکہ نوافل کا معاملہ فرض سے سہل تر ہے۔

اسی کے ص ۲۱۱ و ۲۱۲ میں ہے۔

(و) یکرہ (تکرارالسورۃ فی رکعۃ واحدۃ من الفرض) وکذاتکرار ھافی الرکعتین ان حفظ غیرھا........ وقید بالفرض لانہ لایکرہ التکرار فی النفل لان شانہ اوسع لانہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قام الی الصباح بآیۃ واحدۃ یکررھافی تہجدہ، وجماعۃ من السلف کانوا یحیون لیلتھم بآیۃ العذاب، اوالرحمۃ، اوالرجاء، اوالخوف (ملخصا)، فرض کی ایک رکعت میں سورۃ کی تکرار مکروہ ہے۔ اسی طرح ایک سورۃ کی تکرار دو رکعت میں بھی مکروہ ہے۔ یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ دوسری سورۃ یاد ہو۔ فرض کی قید اس لئے ہے کہ نفل میں ایک سورۃ کی تکرار مکروہ نہیں۔ کیونکہ نفل کا معاملہ بہت وسیع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا بھی ہوا کہ آپ تہجد کی نماز میں صبح تک ایک ہی آیت کی تکرار کرتے رہے۔ نیز بہت سارے سلف صالحین پوری رات کسی ایک آیت عذاب، یا رحمت، یا امید، یا خوف کی تکرار میں گذار دیتے تھے۔

اسی میں ہے۔

ولوختم القران فی الاولٰی یقرأ من البقرة فی الثانیة لقوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح. اگر تراویح کی پہلی رکعت میں قرآن ختم کر دیا تو دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ سے قراءت کرے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کو ختم بھی کرتے ہیں اور شروع بھی کرتے ہیں"۔

اسی میں ہے۔

(و) یکره (قراة سورة فوق اللتی قرأها و) یکره (فصله بسورة بین سورتین قرأهما فی رکعتین) ...... و فی الخلاصة لایکره هٰذا فی النفل، خلاف ترتیب قراءت کرنا، ایک سورہ کو دو سورتوں کے درمیان فصل کرنا، اوران کو دو رکعت میں پڑھنا مکروہ ہے۔...... خلاصہ میں یہ ہے کہ نفل میں مکروہ نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۲ میں ہے۔

(قوله لایکره هٰذا فی النفل) یعنی القرأة منکو ساوالفصل والجمع کماهو مفاد عبارة الخلاصة حیث قال بعد ماذکرالمسائل الثلٰث، وهٰذا کله فی الفرائض، امافی النوافل فلایکره، (ان کا قول نفل میں ایسا کرنا مکروہ نہیں) اس سے مراد خلاف ترتیب قراءت کرنا ہے۔ اور فصل کرنا اور جمع کرنا ہے۔ یہی الخلاصہ کی عبارت کا حاصل ہے۔ چنانچہ کہا مسائل ثلاثہ کے ذکر کے بعد۔ "کراہت محض فرائض میں ہے، نوافل میں نہیں۔ واللّٰه تعالٰی اعلم.

باب الوتر (وتر کا بیان)

مسئله ۴۲۷: اگر فرض جماعت سے نہیں پڑھی تو وتر جماعت سے پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

مسئولہ اکرم علی، مغل پورہ، مرادآباد، ۳ر نومبر ۱۹۷۲ء

الجواب: ایسی صورت میں وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ فقہ کی مشہور و مستند اور نہایت معتبر کتاب ردالمحتار عرف شامی میں ہے۔

اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر. اگر فرض جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو وتر بھی با جماعت نہ پڑھے۔

یہ مسئلہ جامعہ نعیمیہ کے مطبوعہ نقشہ رمضان المبارک سحری وافطار میں عرصہ سے چھپتا آرہا ہے، ملاحظہ کیا جائے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم.

مسئله ۴۲۸: عشا کے بعد وتر پڑھنے میں تیسری رکعت میں جو دعائے قنوت پڑھنے کے لیے رفع یدین کرتے ہیں اس

کا حدیث سے حوالہ ہو؟

مسئولہ حافظ میاں جان انصاری، راجا کا سہپور، ضلع مرادآباد، ۲۴ر اکتوبر ۱۹۶۰ء

الجواب: وتر میں دعائے قنوت شروع کرنے سے پہلے تکبیر کہتے وقت رفع یدین (ہاتھوں کا اٹھانا) فقہائے احناف کی کتب فقہیہ کی حدیث سے ثابت ہے اور اس پر صحابہ کا عمل بھی رہا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

ورفع يديه و قنت لقوله عليه الصلوٰة والسلام لاترفع الايدى الا فى سبع مواطن و ذكر منها القنوت ۔رفع یدین کرے اور قنوت پڑھے۔ کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''سات موقعوں کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ حضور نے قنوت کو بھی ان میں سے ذکر کیا۔

بدایہ شرح ہدایہ جلد اول میں ہے۔

وذكره هٰكذا مطلقا غريب. قنوت کا اس طرح ذکر روایت غریب ہے۔

فتح القدیر مصری جلد اوّل ص ۲۱۷ میں ہے۔

غريب بهٰذا اللفظ. اس لفظ سے روایت غریب ہے۔

کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۲۹۷ میں ہے۔

ثم اذا ارادالقنوت كبرورفع يديه عندنا وذكر ابونصرالاقطع فى شرح القدورى ان المزنى قال زادابو حنيفة تكبيرة فى القنوت لم تثبت فى السنة، ولادل عليها قياس قال وهٰذا خطأمنه فان ذالك مروى عن على وابن عمروالبراء بن عازب، والقياس يدل عليه، فان التكبير للفصل والانتقال من حال الى حال وحال القنوت مخالفة لحال القراءة

وقال احمد اذاقنت قبل الركوع كبر قال ابن قدامة فى المغنى وقدورى عن ابن عمرانه كان اذا فرغ من القراء ة كبر وفى الذخيرة رفع يديه حذاء اذنيه وهو مروى عن ابن مسعود، وابن عمر، و ابن عباس، وابى عبيدة، واسحاق وقدتقدم، جب قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے۔ تکبیر کہے اور ہاتھوں کو اٹھائے۔ ہمارے نزدیک۔ ابونصر الاقطع نے شرح قدوری میں ذکر کیا کہ مزنی نے کہا۔ ابوحنیفہ نے قنوت میں تکبیر زیادہ کیا۔ یہ امر سنت سے ثابت نہیں۔ اور قیاس بھی اس پر دلالت نہیں کرتا۔ کہا یہ ان کی طرف سے خطا ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر، براء ابن عازب سے اس کی روایت آئی ہے۔ اور قیاس بھی اس پر دلالت کررہا ہے۔ کیونکہ تکبیر ایک حال سے دوسرے حال کی طرف فصل اور انتقال کے لیے ہے اور قنوت کا حال قراءت کے حال سے علٰحیدہ ہے۔ احمد نے کہا۔ ''جب قنوت پڑھے رکوع سے پہلے تکبیر کہے۔'' ابن قدامہ نے المغنی میں کہا حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ وہ جب قراءت سے فارغ ہوتے، تکبیر کہتے اور الذخیرہ میں ہے۔ کانوں تک ہاتھوں کو اٹھاتے۔ یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ ابن عمر، ابن عباس، ابوعبیدہ اور اسحاق سے مروی ہے۔

شامی جلد اوّل ص ۳۸۳ میں ہے۔

والوارد هو قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لاترفع الايدى الافى سبع مواطن تكبيرة الافتتاح وتكبيرة القنوت و تكبيرات العيدين وذكر الاربع فى الحج كذافى الهدايه والاربع عند استلام الحجر وعندالصفا والمروة، وعندالموقفين، وعندالجمرتين الاولى والوسطىٰ كذافى الكفايه قال فى فتح القدير والحديث غريب بهذااللفظ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو قول وارد ہوا، وہ یہ ہے، سات مقامات کے علاوہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ تکبیر تحریمہ، تکبیرات عیدین، تکبیر قنوت، بقیہ چار کا ذکر حج کے موقع میں ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ چار بوسہ حجر اسود کے وقت۔ صفا و مروہ کے وقت وقوف عرفہ و وقوف منیٰ کے وقت جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ کے وقت۔ ایسا ہی کفایہ میں ہے۔ فتح القدیر میں کہا۔ "حدیث اس لفظ کے ساتھ غریب ہے"۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۲۹: وتر کی نماز میں منفرد در رمضان یا غیر رمضان میں جہر کر سکتا ہے یا نہیں؟ نفل میں تو اجازت ہے؟

مسئولہ مولانا سید نجم الدین صاحب رضوی، مقام خیر آباد، ضلع سیتاپور، یوپی، ۲۰ر فروری ۱۳۸۴ھ

الجواب: جہر کے جواز و وجوب کی بنیاد مواظبت و مداومت فعل سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام و عمل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہے۔ وتر میں جہر بجز رمضان کے اور کسی موقعہ پر منقول نہیں اور رمضان میں بھی امام کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا رمضان شریف میں صرف امام کے لیے جہر واجب ہے۔ منفرد کے لیے رمضان میں اور امام و منفرد دونوں کے لئے غیر رمضان میں وتر کے اندر جہر کا اختیار نہیں۔ اگرچہ متنفل فی اللیل کے لیے جہر جائز ہے، لیکن وتر من جمیع الوجوہ نفل نہیں، جس کا قیاس نفل پر کیا جائے۔ وتر میں جہر کتب فقہ میں **فی رمضان** اور "**ان کان اماما**" کے لفظ سے مقید و مشروط ہے۔ مجمع الانہر استنبولی جلد اوّل ص ۵۲ میں ہے۔

انما يجهر فى الوتر اذاكان فى رمضان لافى غيره كماافاده ابن النجيم فى بحرة، وتر میں جہر کرے، صرف رمضان میں۔ علاوہ رمضان میں نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۶۷ میں ہے۔

وكذايجهر فى التراويح والوتر ان كان اماما ..... تراویح اور وتر میں جہر کرے اگر امام ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ماہ رمضان شریف میں نماز عشاء کا فرض ایک شخص نے جماعت سے نہیں پڑھا تو یہ شخص نماز وتر امام کے ہمراہ جماعت سے پڑھ سکتا ہے؟

مسئولہ کارو علی، مسجد ہری چگوں والی، اصالت پورہ، مراد آباد، ۱۷ر فروری ۱۹۰۲ء

الجواب: جو شخص فرض عشاء جماعت کے ساتھ نہ پڑھے، بلکہ نماز عشاء کا فرض تنہا پڑھے وہ وتر کی جماعت میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو، بلکہ وتر تنہا پڑھے اگر کوئی وتر صورت مذکورہ میں جماعت کے ساتھ پڑھے گا، تو مفہوم عبارت سے

ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے، اگر چہ بعض کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص عشاء کا فرض جماعت سے نہ پڑھے، وہ وتر جماعت سے پڑھے، لیکن یہ قول اصولاً مرجوح وضعیف ہے، اور راجح وہ قول ہے جو شامی یعنی ردالمحتار حاشیہ درمختار سے منقول ہے۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۵۲۲ و ۵۲۳ میں ہے۔

(ولو ترکوا الجماعة فی الفرض لم یصلو التراویح جماعة) لا نها تبع فمصلیه وحده یصلیها معه (ولولم یصلها) ای التراویح (بالامام) اوصلاها مع غیره، له ان (یصلی الوتر) معه بقی لوترکها الکل هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع. اگر سب نے فرض کی جماعت چھوڑ دی تو تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھے، کیونکہ جماعت تراویح جماعت فرض کی تابع ہے۔ جماعت ہوئی مگر کسی نے فرض تنہا ہی پڑھا تو تراویح کی جماعت میں وہ شریک ہوسکتا ہے۔ اگر تراویح امام کے ساتھ نہیں پڑھی، یا دوسرے امام کے ساتھ پڑھی، اس کو اختیار ہے کہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھے۔ یہ بات رہ گئی کہ اگر جماعت تراویح کو سب نے چھوڑ دیا تو کیا وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟

اسی کے ماتحت خاتم المحققین علامہ ابن عابدین اپنی معروف ومشہور کتاب شامی مسمّٰی بہ ردالمحتار حاشیہ درمختار جلد اوّل مصری ص ۵۲۲ و ۵۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

(قوله ولولم یصلها الخ) ذکر هذاالفرع والذی قبله فی البحرعن القنیة وکذافی متن الدرر ولکن فی التتارخانیة عن التتمة انه سئل علی ٰابن احمد عمن صلی الفرض والتراویح وحده اوالتراویح فقط هل یصلی الوتر مع الامام، فقال لااه ثم رأیت القهستانی ذکر تصحیح ماذکره المصنف ثم قال لکنه اذالم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتراه فقوله ولولم یصلها ای و قد صلی الفرض معه لکن ینبغی ان یکون قول القهستانی معه احترازا عن صلاتها منفردا امالو صلاها جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لاکراهة تامل. یہ جزئیہ اور اس سے قبل والے جزئیہ کو بحرالرائق میں قنیہ سے نقل کر کے ذکر کیا۔ ایسا ہی درر البحار کے متن میں ہے۔ لیکن تتمہ سے تتارخانیہ میں منقول ہے کہ علی بن احمد سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے فرض اور تراویح تنہا پڑھی، یا صرف تراویح تنہا پڑھی تو کیا وتر امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ کہا نہیں۔ پھر میں نے قہستانی کو دیکھا کہ مصنف کی بات کی تصحیح کو بیان کیا۔ پھر کہا "لیکن اگر فرض جماعت سے نہیں پڑھی تو وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ ان کا قول "اگر تراویح جماعت سے نہیں پڑھی۔ یعنی صرف فرض جماعت سے پڑھی۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ القہستانی کا قول معہ تنہا تراویح پڑھنے سے احتراز کے طور پر ہو۔ لیکن اگر دوسری جماعت کے ساتھ پڑھی۔ پھر وتر جماعت کے ساتھ پڑھی تو کراہت نہیں۔

مندرجہ بالا خط کشیدہ عبارت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جو فرض عشا تنہا پڑھے وہ وتر کی جماعت میں شریک نہ ہو ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

نہ معلوم مولوی محمد حیات صاحب سنبھلی کو کس ردالمحتار میں یہ مسئلہ ملا کہ اگر کسی شخص کو جماعت عشاء نہ ملی ہو تو اس کو وتر کی نماز جماعت میں شریک ہو کر پڑھنا چاہیے۔ جس کو مولوی صاحب نے اپنے یہاں کے اشتہار بحوالہ ردالمحتار حاشیہ درمختار چھاپا ہے۔ اسی طرح معمولی تغیر لفظی کے ساتھ یہ مسئلہ مدرسہ شاہی کے اشتہار میں بھی چھپا ہے۔ ان دونوں پر لازم تھا کہ اس مسئلہ کی تحقیق کر کے چھاپتے۔ مولوی محمد حیات صاحب تو ردالمحتار کا نام سن کر حوالہ لکھ گئے ہیں، مولوی صاحب کی نظر میں اگر یہ مسئلہ ردالمحتار میں ہے، تو دکھائیں، بلکہ عبارت مندرجہ بالا میں وتر بجماعت صورت مذکورہ میں پڑھنے کی ممانعت لکھی ہے۔ **ھذاماعندی ومن ادعیٰ خلاف ذالک فعلیه البیان بالدلیل والاثبات بالتحقیق. واللّٰه تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص جب مسجد آیا تو نماز فرض اور تراویح ہو چکی، اب وتر کی جماعت ہو رہی ہے۔ وتر کی جماعت میں شرکت کرنا اس کے لیے بہتر ہے یا اپنی وتر علیحدہ ادا کرنا بہتر ہے؟

مسئولہ حافظ چھوٹے، محلہ پختہ باغ، شہر مرادآباد، ۷؍فروری ۱۹۶۴ء جمعہ

الجواب: سوال سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ شخص مذکور جب مسجد میں آیا تو عشا کے فرض اور تراویح تنہا یا جماعت سے پڑھ کر آیا تھا یا فرض و وتر بغیر پڑھے آیا تھا۔ اگر کسی دوسری جگہ فرض جماعت کے ساتھ اور تراویح تنہا یا جماعت کے ساتھ پڑھ کر آیا تھا تو شخص مذکور کے لیے وتر کی جماعت میں شریک ہونا بہتر ہے، اور اگر شخص مذکور نماز فرض تنہا پڑھ کر آیا تھا یا فرض پڑھے بغیر آیا تھا تو ان دونوں صورتوں میں شخص مذکور نماز وتر جماعت کے ساتھ نہ پڑھے، جو فرض پڑھے بغیر آیا وہ وتر کی جماعت میں اس لیے شریک نہ ہو کہ وتر کا وقت اور تراویح کا وقت فرض کے بعد ہے، فرض عشاء سے پہلے وتر کی نماز نہیں پڑھی جا سکتی، اور جو فرض تنہا پڑھ کر آیا وہ اس لیے وتر جماعت کے ساتھ نہ پڑھے کہ وتر کی جماعت فرض کی جماعت کے تابع ہے۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۵۲۲ میں ہے۔

(ولوتركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة) لانها تبع. اگر تمام لوگوں نے فرض کی جماعت چھوڑ دی تو تراویح جماعت سے نہ پڑھیں، کیونکہ جماعت تراویح جماعت فرض کی تابع ہے۔

شامی میں ہے۔

(قوله لانها تبع) ای لان جماعتها تبع لجماعة الفرض، فانهالم تقم الابجماعة الفرض.
(ان کا قول اس لیے کہ وہ تابع ہے) کیونکہ جماعت تراویح جماعت فرض کی تابع ہے۔ یہ جماعت فرض کے بغیر قائم نہ ہوگی۔

اسی کے ص ۵۲۳ میں ہے۔

(قوله ولولم يصلها الخ) ذكر هذالفرع والذى قبله فى البحرعن القنيه وكذافى متن الدرر ولكن فى التتارخانية عن التتمة انه سئل عن ابن احمد عمن صلى الفرض

والتراويح وحده اوالتراويح فقط هل يصلى الوتر مع الامام، فقال لاًاه ثم رأيتُ القهستانى ذكر تصحيح ماذكره المصنف ثم قال لكنه اذالم يصل الفرض معه لايتبعه فى الوتراه . (ترجمہ...مسئلہ ۴۳۰... میں دیکھیں)۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلداول ص ۴۸ میں ہے۔

ولايقدم الوتر على العشاء لوجوب الترتيب، وتر کوعشاء پر مقدم نہ کیا جائے کیونکہ ترتیب واجب ہے۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

قنوت نازلہ (قنوت نازلہ)

مسئلہ ۴۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر ومغرب وعشاء جہری نمازوں کی اخیر رکعت کے رکوع کے بعد امام کھڑا ہوکر قنوت پڑھتا ہے اور مقتدی اس کے عقب میں کھڑے ہوکر آمین کہتے ہیں، لہٰذا اس عمل سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی اس کا جواب بطور مفصل بحوالات احادیث دیدیجئے؟ **بینوا توجروا،**

الجواب: وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت کا معمول کر لینا جائز نہیں۔نورالایضاح مصری ص ۲۱۹ میں ہے۔

لايقنت فى غير الوتر، غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے۔

پنجگانہ نمازوں میں قنوت کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ منسوخ ہیں۔قنوت نازلہ صرف فجر میں جائز ہے۔

شامی جلد اوّل ص ۱۷ میں ہے۔

ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوٰة الفجردون غيرها من الصلوٰات الجهرية والسريه، ہمارے نزدیک قنوت نازلہ صرف فرض کے ساتھ مخصوص ہے۔اس کے علاوہ کسی سری یا جہری نماز میں جائز نہیں۔

حنفیوں کے نزدیک قنوت نازلہ فجر کے ساتھ خاص ہے، اس کے علاوہ اور نماز جہری اور سری میں نہیں۔ مگر آج کل بکرمہ تعالیٰ مسلمانوں پر کوئی نازلہ نہیں، کوئی اسلامی سلطنت مصروف جنگ نہیں، نہ مسلمانوں کو کوئی محاربہ درپیش۔ لہٰذا قنوت نازلہ کا بھی کوئی محل نہیں، اور نازلہ کے وقت صرف نماز فجر میں حنفیوں کے نزدیک محض جائز ہی ہے، اس وقت بھی اگر نہ پڑھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔شرح معانی الآثار جلد اوّل ص ۱۴۹ میں ہے۔

لاينبغى القنوت فى الفجر فى حال حرب ولا غيره قياساً ونظراعلى ماذكر نامن ذالك وهذاقول ابى حنيفه وابى يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ، فجر میں بھی قنوت نازلہ پڑھنا مناسب نہیں، خواہ جنگ کی حالت ہو یا نہ ہو...... یہی ابوحنیفہ ابو یوسف اور امام محمد رحمهم الله کا قول ہے۔

اس صورت میں جو لوگ قنوت پڑھتے ہیں۔ ان کی نمازیں واجب الاعادہ ہیں۔ فرائض کے قومہ میں ایک تسبیح کی مقدار کے قیام کا حکم ہے اگر اس مقدار سے زائد ہوا قیام کو طویل کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ طحطاوی مصری، جلد اول ص ۲۱۱ میں ہے۔

لواطال قیام الرکوع او الرفع بین السجدتین اکثر من تسبیحة بقدر تسبیحة ساھیا یلزمه سجود السھو، اگر رکوع کے بعد کھڑے ہونے اور دو سجدوں کے درمیان اٹھنے کو ایک تسبیح سے زیادہ طول دے دیا تو اگر یہ بھول کر ہے تو سجدہ سہو واجب ہے۔

اور یہاں تو تاخیر بالقصد ہے، اس کے لیے سجدہ سہو بھی نہیں ہو سکتا، لہٰذا جو نمازیں دعائے قنوت کے ساتھ پڑھی گئیں، وہ سب واجب الاعادہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے امام صاحب اکثر جب کہ عرب و عجم، شام مصر، ہندو پاکستان کے کسی مقام پر اسلام و کفر یعنی مسلم و غیر مسلم میں جنگ ہوتی ہے، یا اس قسم کی کوئی اور مصیبت مسلمانوں پر آتی ہے، خواہ کسی مقام پر بھی ہو تو اس موقعہ پر امام صاحب جہری نماز میں فرضوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں، امام صاحب کا یہ عمل صحیح ہے یا غلط؟

مسئولہ عابد حسین صاحب، محلہ لال باغ، مراد آباد، ۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ جمعہ

الجواب: جب مسلمانوں پر کوئی حادثہ یا مصیبت نازل ہو تو ان ایام میں صرف نماز فجر فرض کی رکعت اخیرہ کے رکوع کے بعد قومہ میں امام کا دعائے قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے، لیکن خلاف اولیٰ ہے، بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد دعا کی جائے تاکہ خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی نہ ہو اور اختلاف و انتشار سے بھی مسلمان نمازی محفوظ رہیں۔ نماز فجر کے سوا اور کسی نماز میں اس قنوت کا پڑھنا حنفی مسلک میں جائز نہیں۔ جو امام نماز فجر کے سوا کسی اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھے گا۔ اس کی نماز واجب الاعادہ ہوگی، یعنی دوبارہ پڑھنی ہوگی، سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف کچھ دنوں یعنی ایک ماہ یا اس سے کچھ کم و بیش قنوت نازلہ پڑھی تھی، پھر چھوڑ دی تھی۔ اس کے بعد ہی سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ ضرورت نہ رہی تھی اور بعض نے فرمایا کہ منسوخ ہوگئی، آیۃ کریمہ لیس لک من الامر شیء، نے قنوت نازلہ کو منسوخ کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ میں اس کے منسوخ اور غیر منسوخ ہونے میں اختلاف رہا۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے ان دونوں گروہوں کے اقوال و افعال پر نظر فرما کر بعد تحقیق و تنقیح جو نتیجہ اخذ فرمایا وہ یہ درج ہوا، احادیث کریمہ میں نماز فجر فرض میں پڑھنا بالاتفاق ثابت ہے۔ نماز ظہر و مغرب و عشا میں پڑھنا مختلف فیہ ہے۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک ہر جہری نماز میں اس کا پڑھنا درست نہیں۔ جن بعض کتب میں جہر کا لفظ آ گیا ہے، وہ کاتب و ناسخ کی غلطی پر محمول کیا گیا ہے کہ بجائے فجر لفظ جہر کاتب نے غلطی سے لکھ دیا۔

اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ منحۃ الخالق بر بحر الرائق مصری جلد دوم ص ۴۴ میں اور علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ در مختار مصری جلد اول ص ۲۸۳ میں تنبیہ بصراحت فرما دی۔ شرح معانی الآثار جلد اول ص ۱۴۹ میں ہے۔

فثبت بماذكرنا لاينبغي القنوت في الفجر في حال حرب ولا غيره قياساً ونظراعلى ماذكرنامن ذالك وهذاقول ابي حنيفه وابي يوسف و محمد رحمهم الله تعالىٰ. فجر میں بھی قنوت نازلہ پڑھنا مناسب نہیں، خواہ جنگ کی حالت ہو یا نہ ہو...... یہی ابوحنیفہ ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ ص ۱۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

نزد امام ابوحنیفہ قنوت در نماز فجر اصلا نیست وقنوت آنحضرت مخصوص بوے بود، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و در قضایائے مخصوص بود بعد از اں ترک کرد۔ قرجمہ

شامی جلد اوّل ص ۴۷۱ میں ہے۔

ان قنوت النازلة....... (پوری عبارت ...مسئلہ ۴۳۲... میں دیکھیں)۔

حاشیہ طحطاوی علی الدر مصری جلد اوّل ص ۲۸۳ میں ہے۔

فهذاصريح في تخصيص القنوت للنوازل بالفجر. یہ اس سلسلے میں واضح دلیل ہے کہ قنوت نازلہ فجر کے ساتھ مخصوص ہے۔

ان عبارات مذکورہ بالا سے مسئلہ مذکور بالا پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ نہ معلوم دور حاضر کے وہابی دیوبندی علماء نے تمام جہری نمازوں میں اس کا جواز کیسے ثابت کردیا۔ کافی غور وفکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ دیوبندیوں نے تقلید ائمہ کے مخالفین غیر مقلدین کی تقلید اس مسئلہ میں کرلی ہے اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی تقلید چھوڑ دی ہے۔ حق تعالیٰ انھیں نیک راہ پر آنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ لہٰذا کوئی حنفی نماز فجر کے سوا بقاعدہ مذکورہ کسی اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر اپنی نماز خراب یعنی واجب الاعادہ نہ ہونے دے اور بہتر یہی ہے کہ بعد نماز یہ دعائے قنوت نازلہ دعاء میں پڑھے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۳٤: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجودہ دور میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے یا نہیں اور کس کس نماز میں ہاتھ باندھ کر یا چھوڑ کر۔ بہت سی مساجد میں پڑھا جاتا ہے۔ کس امام کے نزدیک جائز ہے اور کس کے یہاں ناجائز اور فتویٰ کس پر ہے؟

مسئولہ..........۲۹ رمحرم ۱۳۸۹ھ یکشنبہ

الجواب: ہم اہل سنت و جماعت کے یہاں قنوت نازلہ کا نماز میں پڑھنا اختلافی امر ہے۔ سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماہ پڑھ کر دعائے قنوت نازلہ چھوڑ دی۔ بعض نے اس سے منسوخ ہونے کا حکم صادر فرمایا اور بعض نے رفع ضرورت کی بنا پر محمول فرمایا میری اور میرے اساتذہ کرام کی تحقیق یہی ہے کہ کسی نماز کے اندر اسے نہ پڑھا جائے بلکہ بعد نماز دعاء کے ساتھ قنوت نازلہ کی دعاء پڑھی جائے۔ جو اس کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، وہ صرف نماز فجر میں اس کو مخصوص کہتے ہیں۔ نماز مغرب وعشا میں بھی اس کے پڑھنے کا حکم صادر کرنا بلاشبہ خطا پر مبنی ہے، چونکہ بعض کتب فقہیہ میں فی

الفجر کی جگہ فی الحجھو کا لفظ غلطی سے درج ہوگیا، جس پر معتبر کتب فقہیہ میں تنبیہ کردی گئی ہے، دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں ہاتھ چھوڑ کر پڑھنا جائز بتاتے ہیں۔ امام مالک وشافعی کے یہاں ہمیشہ نماز فجر میں قنوت پڑھنا مسنون ہے۔ امام احمد نماز فجر میں امیر المومنین یا امیر لشکر کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں۔ امام اعظم کے نزدیک وتر کے سوا کسی نماز میں نہیں۔ صرف دو حوالے درج کرتا ہوں۔ شرح سفر السعادۃ ص ۸۶ میں ہے۔

نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلا نیست وقنوت آنحضرت مخصوص بوے بود، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و در قضایائے مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد۔

رسائل ارکان ص ۱۲۸ میں ہے۔

وعندنا لیس مشروعا فی الصلوات المکتوبۃ وھو الاشبہ بالصواب، ہمارے نزدیک فرض نماز میں جائز نہیں۔ یہی صواب سے زیادہ قریب ہے۔

مکمل تفصیل "رسالہ ہدایت کاملہ بر قنوت نازلہ" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب سجود السھو (سجود سہو کا بیان)

مسئلہ ۴۳۵: امام صاحب نماز عشاء پڑھا رہے تھے کہ سہوا تیسری رکعت میں ایک منٹ کے قریب بیٹھے فوراً پیچھے سے مقتدی نے اللہ اکبر کہہ دیا۔ امام فوراً کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھا دی مگر سجدہ سہو نہیں کیا۔ نماز اس صورت میں ہوئی یا نہیں؟ سجدہ سہو کرنا چاہیے تھا یا کہ نہیں؟

مسئولہ حبیب الرحمٰن نعیمی اشرفی، قاضی پورہ، اغوان پور، مراد آباد، ۱۲ رنومبر ۱۹۵۸ء

الجواب: صورت مذکورہ میں اگر امام تین تسبیح کی مقدار بیٹھا رہا، اس کے بعد مقتدی کے لقمہ دینے سے کھڑا ہوا تو قیام میں اتنی تاخیر کرنے سے سجدہ سہو لازم و واجب ہوگا۔ اور اگر اس نے سجدہ سہو نہیں کیا، تو پھر نماز کا لوٹانا واجب ہوگا اور اگر امام نے قیام میں لقمہ دینے کے بعد اتنی تاخیر نہیں کی تو یہ نماز بغیر کراہت صحیح و درست ہوگئی، سجدہ سہو اور اعادہ نماز کی اصلاً حاجت وضرورت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۳۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱): سجدہ سہو کن کن صورتوں میں لازم آتا ہے؟ (۲): تکبیرات عیدین سنت ہیں یا واجب ہیں یا فرض؟ (۳): عیدین میں تکبیرات کے ترک ہو جانے پر یا عیدین اور جمعہ میں کسی بھی واجب کے ترک ہو جانے پر سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟

مسئولہ ارشاد اللہ، محلہ کسرول، مراد آباد، ۴ رمحرم الحرام ۱۳۸۲ھ جمعہ

الجواب: (۱): واجبات میں سے ہر واجب کے چھوٹ جانے سے سہو کے دو سجدے واجب ہوتے ہیں۔ مراقی

الفلاح مصری ص ۲۷۵ و۲۷۶ میں ہے۔

ویحب سجدتان لترک واجب سہوا، (ملخصا) بھول کر اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو دو سجدے واجب ہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (بترک واجب) ای من واجبات الصلوٰة الاصلية فخرج واجب ترتيب التلاوة، (ان کا قول ترک واجب سے) یعنی واجبات نماز کے ترک سے سجدہ سہو ضروری ہوگا۔ اس سے ترتیب تلاوت کا واجب نکل گیا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

(۲): عیدین کی تکبیرات زائدہ واجب ہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۵۰ میں ہے۔

ویجب تکبیرات العیدین. واللّٰہ تعالٰی اعلم.

(۳): جمعہ وعیدین کی نمازوں میں بھی واجبات نماز میں سے کسی واجب کے سہواً ترک سے سجود سہو لازم ہوتے ہیں۔ لیکن جمعہ میں کہیں اور عیدین میں ہر جگہ نمازیوں کا مجمع عظیم ہوتا ہے اور عوام کا یہ مجمع بالعموم سجدہ سہو اور اس کے طریقہ سے ناواقف اور بے خبر ہوتے ہیں۔ سجدہ سہو کرنے سے ایسے موقعہ پر فتنہ پھیلنے کا ظن غالب ہے۔ لہٰذا جب کبھی جمعہ یا عیدین میں نمازیوں کا کثیر مجمع ہو اور سجدہ سہو سے عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سجدہ سہو کرنے سے منع فرمایا ہے، قال اللّٰہ تعالٰی، والفتنة اشد من القتل. فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۱۲۰ میں ہے۔

السهو فی الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحدالاان مشائخنا قالوا لايسجد للسهوفی العيدين والجمعة لئلا يقع الناس فی فتنة، كذافی المضمرات ناقلا عن المحيط، سجدہ سہو جمعہ، عیدین، فرض، نفل سب میں برابر ہے، مگر یہ کہ ہمارے مشائخ نے کہا کہ عیدین اور جمعہ میں سجدہ سہو نہیں کیا جائے، تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۷۹ میں ہے۔

ولاياتی الامام بسجود السهو فی الجمعة والعيدين دفعاللفتنة بكثرة الجماعة، امام جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو نہ کرے۔ تاکہ کثرت جماعت کی وجہ سے فتنہ سے بچا جائے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۴۳۷: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو مغرب کی تیسری رکعت امام کے ساتھ ملی تو وہ اپنی ایک رکعت پڑھ کے بیٹھے گا یا نہیں؟

(۲): جو شخص وتر میں قنوت پڑھنا بھول جائے اور اس کو قنوت کا چھوٹنا سجدہ کے بعد یاد آئے تو اس شخص پر سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

مسئولہ حافظ محمد یوسف صاحب، مصطفےٰ پور، ۸ر جنوری ۱۹۶۴ء شنبہ

الجواب : (۱): شخص مذکور پر لازم ہے کہ وہ اپنی ایک رکعت پڑھ کر بقدر تشہد ضرور بیٹھے، تا کہ قعدہ اولیٰ واجب ادا ہو سکے۔ اگر کوئی قصداً نہ بیٹھے تو اس پر واجب کو قصداً چھوڑنے کے باعث نماز کا لوٹانا واجب ہے، سجدہ سہو سے اس کی نماز صحیح طور پر ادا نہ ہوگی اور جو بھول کر اس قعدہ کو چھوڑے گا، اس پر لازم ہے کہ تیسری رکعت میں سجدہ سہو کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): وتر کی تیسری رکعت میں قنوت پڑھنا واجب ہے، جس شخص سے تیسری رکعت میں قنوت کا پڑھنا سہواً یعنی بھول کر چھوٹ جائے، اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ولازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۳۸: (۱): تراویح میں امام قعدہ بھول گیا۔ تیسری رکعت کا سجدہ بھی کر لیا۔ اب سجدہ سہو سے نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ (۲): اگر کسی فعل سے سجدہ سہو واجب نہیں تھا اور غلطی سے اسے واجب سمجھ کر کر لیا تو نماز میں کوئی خرابی لازم آئے گی یا نہیں؟

مسئولہ مولانا نجم الدین صاحب رضوی، مقام خیر آباد، ضلع سیتاپور، یوپی، ۲۰ رصفر ۱۳۸۴ھ چہار شنبہ

الجواب : (۱): تراویح حکم نفل میں ہے، اور جس نفل نماز کی تین رکعت اس طرح پڑھی جائے کہ اس میں دوسری رکعت پر قعود نہ کیا جائے وہ نفل نماز مذہب اصح پر فاسد ہو جاتی ہے، سجدہ سہو سے بھی صحیح نہیں ہوتی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تراویح کی یہ نماز صحیح نہیں ہوئی، فاسد ہوگئی۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۱۰۲ میں ہے۔

ولو صلی التطوع ثلاث رکعات ولم یقعد علی راس الرکعتین الاصح انه تفسد صلواته،
اگر نفل میں تین رکعت پڑھ رہا ہے دوسری رکعت میں قعدہ نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہوگئی۔

ردالمحتار مصری جلد اوّل ص ۵۱۱ میں ہے۔

ولو تطوع بثلاث بقعدة واحدة کان ینبغی الجواز اعتبار الصلوٰۃ المغرب لکن الاصح عدمه لانه قد فسد ماتصلت به القعدة وهو الرکعة الاخیرة لان التنفل بالرکعة الواحدة غیر مشروع فیفسد ماقبلها، اگر تین رکعت نفل ایک قعدہ سے پڑھ لیا۔ مناسب تو یہ ہے کہ نماز مغرب کا اعتبار کر کے جائز ہو جائے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ جائز نہیں ہوئی۔ کیونکہ جس رکعت سے اس قعدہ کو اتصال ہے وہ تو فاسد ہوگئی یعنی آخری رکعت۔ کیونکہ ایک رکعت نفل غیر مشروع ہے لہٰذا ماقبل کو فاسد کر دے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): نماز ہو جاتی ہے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۳۹: کیا امام کو لقمہ دینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

مسئولہ ضیاء المصطفیٰ، مدرسہ اسلامیہ، قصبہ جلال آباد، شاہجہانپور، ۹ راگست ۱۹۶۲ء

الجواب: مطلقاً امام کو لقمہ دینے سے مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہوتا اور نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٤٠: امام کولقمہ دینے سے سجدہ سہو کی ضرورت ہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ رئیس احمد صاحب، ڈبائی، ضلع بلند شہر، یوپی، ۹ رذی الحجہ ۱۹۸۶ء سہ شنبہ

الجواب: امام کولقمہ دینے سے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، بلکہ اس بنا پر سجدہ سہو کرنا جائز نہیں۔ **وھو سبحانه وتعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٤٤١: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے جماعت سے نماز پڑھانے میں چوتھے پارہ کی آیت پڑھنا شروع کیا، تقریباً چار یا پانچ آیت پڑھنے کے بعد بھول گئے۔ تین مرتبہ اعادہ کیا مگر یاد نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے سورۂ قدر پڑھ کر رکوع کیا اور بغیر سجدۂ سہو جماعت ختم کردی۔ مقتدیوں کے اعتراض پر انہوں نے جواب دیا کہ سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ صحیح مسئلہ سے مطلع فرمائیں اور یہ مذکورہ نماز ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ عطا محمد، مسجد کمیٹی ٹیٹا گڑھ، اے پی بی روڈ، ۲۴ ر پرگنہ، ۳۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۳ھ، دوشنبہ

الجواب: جب چوتھے پارہ کی چار پانچ آیتیں امام پڑھ چکا تھا تو اس کے بعد متشابہ لگنے اور بھولنے پر سورۂ قدر پڑھنے کی ضرورت نہ تھی اولیٰ اور بہتر یہ تھا کہ رکوع کر کے نماز پوری کرتا۔ لیکن اس کے باوجود اگر سورۂ قدر ملالی تو نماز صحیح ہوئی۔ اس صورت میں سجدہ سہو کی کوئی ضرورت نہیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٤٤٢: امام عشاء کی نماز پڑھا رہا تھا، دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے کے کھڑا ہوگیا، مگر سورہ فاتحہ شروع نہیں کی۔ مقتدیوں کے لقمہ دینے سے بیٹھ گیا، بعد میں سجدہ سہو کرلیا۔ چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ چھوٹ جائے اور پھر سجدہ سہو کرلیا جائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز نہیں ہوئی۔ عمرو نے معلوم کیا کہ کون سی کتاب میں لکھا ہے۔ تو زید نے جواب دیا کہ ہدایہ اور شرح وقایہ میں ہے، تو کیا زید کا کہنا درست ہے؟

مسئولہ محمد لئیق احمد اشرفی پارچہ فروش، محلہ کوٹ غربی سنبھل، ضلع مراد آباد، ۱۴ ر ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ پنجشنبہ

الجواب: دونوں صورتوں میں نماز ہوگئی۔ زید کا قول غیر محقق ہے۔ مراقی الفلاح ص ۲۷۹ میں ہے۔

> **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذاقام الامام فی الرکعتین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس وان استویٰ قائما فلایجلس، ویسجد سجدتی السھورواہ ابو داؤد،** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر دوسری رکعت میں امام کھڑا ہوگیا۔ اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آگیا تو بیٹھ جائے۔ اور اگر کھڑا ہوگیا تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔

اسی کے ص ۲۸۰ میں ہے۔

> **ان عادالساھی عن القعود الاول الیه بعد مااستتم قائما اختلف التصحیح فی فساد صلاته وارجحھا عدم الفساد،** سیدھا کھڑا ہوجانے کے بعد اگر بھولنے والا قعدۂ اولیٰ کی طرف واپس آیا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٤٤٣: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور

آخر میں سجدہ سہو کرلیا تو اس صورت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟

قصبہ سوار ضلع رامپور، مرسلہ ابوالحسن حکیم، ۲۷؍ نومبر ۱۹۷۲ء

الجواب: اگر امام نے بھول کر ایسا کیا تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہوگئی، چونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، اور جب ترک واجب بھول کر ہو تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب قضاء الفوائت (قضاء نمازوں کا بیان)

مسئلہ ۴۴۴: ایک شخص یہ کہتا ہے کہ پنجوقتہ نمازی کی نماز ظہر قضا ہوگئی، وہ اپنی نماز عصر سے پہلے ادا کرنا چاہتا تھا، مگر مسجد میں جا کر دیکھا کہ عصر کی جماعت تیار ہے وہ جماعت میں شریک ہوگیا، اور اس کے بعد ظہر کی قضا ادا کی، دوبارہ پھر عصر پڑھی، اس بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

مسئولہ انعام الدین، قاضی ٹولہ، مراد آباد

الجواب: اگر شخص مذکور صاحب ترتیب نہ تھا تو نماز عصر کی جماعت میں اس کا شریک ہونا صحیح تھا، پھر صرف ظہر کی قضاء پڑھنی تھی۔ عصر دوبارہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور اگر شخص مذکور صاحب ترتیب تھا، تو اس پر لازم تھا کہ پہلے تنہا ظہر کی قضاء پڑھتا بعدہ وقت ملنے پر جماعت میں شریک ہوتا، ورنہ پھر تنہا اپنی نماز عصر ادا کرتا۔ صاحب ترتیب وہ شخص ہے، جس کی وقت بلوغ سے کوئی نماز قضاء ہی نہ ہوئی ہو اور اگر ہوئی تھی تو وہ قضاء پڑھ چکا ہو یا اس پر پانچ نمازوں کی یا اس سے کم کی قضاء لازم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۴۵: زید صاحب ترتیب ہے، نماز عصر قضاء ہے، مغرب کی جماعت کھڑی ہے تو زید قضاء پڑھے یا جماعت میں شامل ہو؟

مسئولہ.........۳۰؍ صفر ۱۳۹۵ھ جمعہ

الجواب: زید صاحب ترتیب صورت مسئولہ میں پہلے عصر کی قضاء پڑھے پھر مغرب کی نماز پڑھے۔ کذافی الکتب الفقهية. وهوتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۴۶: جس شخص کی ترتیب نماز ٹوٹ گئی یعنی چھ نمازیں متواتر قضاء ہوگئیں، تو اس کی ترتیب کس وقت بند ھے گی، اور وہ چھ نمازیں کس طرح ادا ہونی چاہیے؟

مسئولہ نظام الدین، قاضی ٹولہ، مراد آباد

الجواب: جب ان چھ نمازوں کی قضاء پڑھ لے گا، تو یہ شخص پھر صاحب ترتیب ہوگا۔ ان چھ نمازوں کی قضاء بھی ترتیب سے پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۴۷: اگر کسی وجہ سے مقتدی سنت مؤکدہ وقت فجر ادا نہ کر سکا اور وہ جماعت میں شریک ہوگیا۔ اب اس سنت

کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ وہ جماعت کے بعد فوراً ادا کرے یا چھوڑ دے۔ اگر وہ اس سنت کو ادا کرے بھی تو وہ بطور تام ادا ہوگی یا قضاء کہہ کر ادا کرے نیز وہ سنت کس وقت ادا کرے؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم صاحب نعیمی اشرفی، رتن پور، مراد آباد، ۷؍ جولائی ۱۹۷۱ء

الجواب: جو فجر کی سنت قبل فرض نہ پڑھ سکا وہ نہ بعد فرض وقت فجر میں سنت پڑھے اور نہ بعد طلوع آفتاب۔ وقت مکروہ ختم ہونے پر سنت فجر پڑھے۔ اس سنت کا پڑھنا ہی ساقط، سنت ختم ہوگئی۔ اب اگر کوئی بعد طلوع آفتاب اس کو پڑھ بھی لے تو سنت ادا نہ ہوگی، بلکہ نفل کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا ادا یا قضاء نیت میں کچھ نہ کہے۔ **وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۴۸: (۱): کیا فرماتے ہیں رہبر قوم ونائب رسول اس مسئلہ میں کہ میں آج دیر سے نماز کے لیے اٹھا۔ میری فجر کی نماز قضاء ہوگئی۔ میں نے سنت وفرض ادا کر لیے، ایک صاحب نے کہا کہ تمھاری سنتیں نہیں ہوئیں، کیونکہ سنتوں کی قضاء نہیں ہے۔ کیا اس نے ٹھیک کہا ہے؟

(۲): ایک صاحب کی نماز فجر میں صرف جماعت نماز ہاتھ آئی اور سنتیں رہ گئیں۔ اس نے سنتیں بعد جماعت کے طلوع آفتاب ہونے پر ادا کی تو کیا وہ سنتیں ادا ہوگئیں، جب کہ سنتوں کی قضاء نہیں ہے؟

مسئولہ خدا بخش، یکم ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: (۱): جن صاحب نے کہا تمھاری سنتیں نہیں ہوئیں، وہ غلطی پر ہیں۔ تمام سنت نمازوں میں اعلیٰ ترین سنت فجر کی ہے۔ فرض کے ساتھ سنت کی قضاء کرنے کی روایت نماز فجر کے بارے میں آئی ہے۔ یعنی فرض وسنت دونوں قضاء ہو جائیں تو دونوں کی قضاء پڑھ لینے کی روایت معتبرہ آئی ہے۔ اسی طرح سنت بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور سنتوں کی قضاء نہیں ہوتی کہ وقت ختم ہونے کے بعد سنتوں کی قضاء پڑھی جائے۔ یہ خصوصیت صبح کی سنت کی ہے کہ فرض کے ساتھ سنت کی قضاء بھی پڑھی جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): جماعت سے فرض ادا کر لینے کے بعد جو پہلے کی سنتیں رہ گئی تھیں ان کو طلوع آفتاب کے قبل اور بعد جماعت ہرگز ہرگز نہ پڑھے، چونکہ فجر کے سارے وقت میں فرض سے پہلے صرف دو سنتوں کے ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس کے فرض سے پہلے یا فرض کے بعد کسی سنت یا نفل کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس کو مکروہ اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد جب صرف فرض فجر جماعت سے ادا کر چکا ہو تو ان دو سنتوں کو پڑھ سکتا ہے۔ کم از کم دو نفلوں کا ثواب ضرور ملے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۴۹: نماز مغرب پڑھ کر سو گیا، آنکھ کھلی تو فجر کی اذان ہو رہی تھی، تو اب عشا کی قضاء پڑھیں یا پہلے فجر کی ادا پڑھیں؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم، رتن پور کلاں تحصیل بلاری، ضلع مراد آباد، ۹؍ جولائی ۱۹۷۱ء

الجواب: پہلے عشاء کی نماز جو قضاء ہوگئی ہے، اس کے فرض ووتر پڑھے، بعدہٗ سنت فجر پھر فرض فجر پڑھے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

باب صلوٰۃ المسافر (مسافر کی نماز کا بیان)

مسئلہ ۴۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب گھر سے ایک مسافر چلا تو وہ کتنے میل کا سفر طے کرنے کے بعد مسافر کہلانے کا مستحق ہے؟

مسئولہ ماسٹر محمد طیب صاحب، مسلم اسکول، مراد آباد

الجواب: اس علاقہ میں جب کوئی شخص خشکی میں تین دن کی مسافت یعنی ۵۷ میل کے سفر کا قصد اور ارادہ کر کے کسی جانب کو جائے تو اسی جانب میں اپنی آبادی سے نکلنے کے بعد وہ شخص شرعاً مسافر ہے اور شریعت طاہرہ نے جو آسانیاں مسافر کو دی ہیں، وہ ان کا مستحق ہوگا۔ درمختار جلد اوّل ص ۹۱ میں ہے۔

(من خرج من عمارة موضع اقامته) من جانب خروجه..... (قاصد امسيرة ثلثة ايام وليا ليها بالسير الوسط..... صلى الفرض الرباعي ركعتين) جو اوسط چال سے تین دن تین رات کے ارادے سے اپنے مقام اقامت کی عمارت سے نکلا.... تو اس جانب میں آبادی سے نکلنے کے بعد چار رکعت والی فرض کو دو رکعت پڑھے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص ۱۲۹ میں ہے۔

اقل مسيرة تتغيربه الاحكام مسيرة ثلثة ايام كذافى التبيين، کم سے کم مسافت جس سے احکام بدل جاتے ہیں وہ تین دن کی مسافت ہے۔ ایسا ہی تبیین میں ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۴۵۱: بخدمت شریف جناب مفتی صاحب السلام علیکم، ریلوے ڈرائیور ہوں اور ساکن بڑواڈیہہ میں مقیم ہوں اور بڑواڈیہہ سے سون نگر روزمرہ ٹرین لے کر آنا جانا پڑتا ہے۔ سون نگر سے ٹرین لے کر واپس آتا ہوں کبھی ایک روز میں، کبھی دو روز میں، کبھی تین روز میں، کبھی چار روز میں اور بڑواڈیہہ سے جہاں میں مقیم ہوں، وہاں سے سون نگر کی دوری ۹۸ میل ہے اور سون نگر میں جب پہونچتا ہوں تو ریلوے نے میرے لیے ہر طرح کا آرام و آسائش کا سامان مہیا کر رکھا ہے۔ بلکہ جتنا آرام سون نگر میں ملتا ہے اتنا آرام اپنے بال بچوں کے ساتھ بڑواڈیہہ میں نہیں ملتا ہے، مجھ پر نماز قصر ہوئی یا نہیں؟

مسئولہ حافظ محمد جان صاحب، بڑواڈیہہ، ۱۲ر صفر ۱۳۸۱ھ پنجشنبہ

الجواب: آپ پر بڑواڈیہہ سے ٹرین لے کر نکلتے ہی نماز قصر واجب ہو جاتی ہے، ہر چار رکعت والی فرض نماز کو دو ہی رکعت پڑھیں اور سون نگر کے قیام کے اوقات میں بھی قصر ہی پڑھیں اور واپسی کے وقت بھی بڑواڈیہہ کی آبادی میں داخل ہونے سے پہلے پہلے برابر قصر ہی پڑھتے رہیں۔ چونکہ اتنی پوری مدت میں آپ شرعاً مسافر ہیں۔ اور اس کی آبادی میں داخل ہوتے ہی پوری نماز پڑھیں۔ اس لیے کہ آپ مقیم ہو گئے۔ اگر اب تک آپ کا عمل اسی پر رہا ہے تو بالکل صحیح ہے، ورنہ آپ

اب اپنا عمل اسی حکم مذکور پر کریں۔

محض اس بنا پر کہ سون نگر میں بڑواڈیہہ سے آرام زیادہ ملتا ہے، آپ کو مقیم نہ بنادے گا، مقیم ہونے اور نماز پوری پڑھنے کے لیے چھ شرطوں کا مجموعی طور پر پایا جانا ضروری ہے۔ نیت اقامت، پندرہ روزہ کی مدت، اپنے ارادہ ونیت میں مستقل ہونا یعنی دوسرے افسر کے حکم کے تابع نہ ہو، ایک ہی مقام پر قیام کرنا۔ مقام قیام ویران بیابان یا جزیرہ ٹاپو سمندر نہ ہو، ترک سفر۔

سون نگر میں پندرہ روز کی نیت اقامت کرنے کے آپ خود مختار نہیں۔ بلکہ آپ اپنے افسر بالا کے حکم کے تابع ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ بڑواڈیہہ کی آبادی سے نکلنے کے بعد ہی سے بڑواڈیہہ کی آبادی میں داخل ہونے تک شرعاً مسافر ہیں۔ آپ پر اس ساری مدت میں قصر نماز ہی واجب ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۵۵ میں ہے۔

> ولایزال المسافر الذی استحکم سفره بمضی ثلثة ایام مسافراً یقصر حتی یدخل مصره"، جو تین دن کی مسافت پر چلا گیا۔ وہ اس وقت تک مسافر رہے گا جب تک گھر واپس نہ آجائے، قصر کرتا رہے گا۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

> شروط اتمام الصلوٰۃ ستة النیة، والمدة، واستقلال الرای، واتحاد الموضع، وصلاحیته، وترک السفر، پوری نماز پڑھنے کی شرط چھ ہے۔ نیت اقامت، پندرہ روزہ کی مدت، اپنے ارادہ ونیت میں مستقل ہونا یعنی دوسرے افسر کے حکم کے تابع نہ ہو، ایک ہی مقام پر قیام کرنا۔ مقام قیام ویران بیابان یا جزیرہ ٹاپو سمندر نہ ہو، ترک سفر۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۵۲: زید بعد نماز ظہر تقریباً ساٹھ میل لمبا سفر اس ارادہ سے شروع کیا کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر بیس اکیس روز تک وہاں قیام کروں گا، سوال یہ ہے کہ راستہ میں جب نماز عصر کا وقت ہوگا تو زید کو نماز عصر پوری پڑھنی چاہیے یا قصر اور جب عشاء کی نماز کے وقت زید منزل مقصود پر پہنچ گیا تو نماز عشا پوری ادا کرنا ضروری ہے یا قصر ہی پر قناعت کرنا چاہیے؟

مسئولہ حافظ محمود حسین، مرادآباد، ۱۶/محرم الحرام ۱۳۸۳ھ

الجواب: زید پر عصر کی نماز میں قصر واجب ہے، پوری پڑھنا گناہ اور منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد نماز عشا کا پوری پڑھنا لازم ہے، قصر پر قناعت ہرگز کافی نہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ، ﴿وَاِذَاضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ [النساء: ۱۰۱] (جب تم چل پڑے زمین میں تو اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں کہ قصر کردو نماز میں)۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اوّل ص ۱۳۰ میں ہے۔

> وفرض المسافر فی الرباعیة رکعتان کذا فی الهدایة، والقصر واجب عندنا کذافی الخلاصة فان صلی اربعاً وقعد فی الثانیة قدرالتشهد اَجزَأَتهُ والأخریان نافلة، ویصیر مسیئا. مسافر کے لیے چار رکعت والی میں دو رکعت ہی فرض ہے۔ یہی ہدایہ میں ہے قصر ہمارے

نزدیک واجب ہے.......... اگر چار رکعت پڑھ لی اور دوسری میں قعدہ مقدار تشہد کیا۔ اسے یہی کافی ہے۔ دو بعد والی نفل ہو جائے گی۔ مگر وہ گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

باب احکام المسجد (احکام مسجد کا بیان)

مسئلہ ۴۵۳: مسجد میں کھڑے ہو کر اپنی یا اپنے متعلقین کی ذاتی ضرورت جیب خرچ کے لیے سوال کرنا اور دوسرے لوگوں کا سائل کو دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئولہ حکیم عبدالغفور صاحب، قصبہ بھوجپور، ضلع مرادآباد، ۲ر محرم الحرام سنہ

الجواب: مسجد میں سوال کرنا حرام ہے، اور سائل کو دینا بھی مکروہ و ممنوع ہے۔ درمختار جلد اول ص ۴۸۸ میں ہے۔

ویحرم فیه السوال ویکره الاعطاء مطلقا وقیل ان تخطٰی. مسجد میں سوال کرنا حرام ہے۔ دینا بھی مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر نمازیوں کی گردنیں پھلانگ کر دیا تو مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ دخول مسجد کے کیا کیا آداب ہیں، مسجد میں سونا کیسا ہے؟ اور دنیاوی باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ چھٹن خاں، مرادآباد، ۲۷ر جولائی ۱۹۶۱ء

الجواب: مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنا قدم پہلے رکھے اور اللھم افتح لی ابواب رحمتک پڑھے، حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا حرام و ممنوع ہے۔ ضرورت شدیدہ میں تیمم کرے پھر داخل ہو۔ اسی طرح بیڑی، سگریٹ، حقہ پی کر اور کچی پیاز، لہسن، گندنا اور کوئی بدبودار چیز کھا کر اور گندہ بدبودار کپڑے پہن کر مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔ اس قسم کے آداب کثیرہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسجد میں غیر معتکف کا سونا مکروہ تحریمی ہے اور دنیا کی باتیں کرنا حرام ہے، دنیا کی باتیں نیکیوں کو کھا جاتی ہیں، دنیا کی کوئی بات مسجد میں نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۵۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز خطبہ وغیرہ کے ساتھ عیدگاہ میں ہونی چاہیے اور اسی جگہ پر بارش کے لیے دعاء مانگنی چاہیے۔ مسجد کے امام صاحب اور دیگر اشخاص کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز عیدگاہ میں نہ ہونی چاہیے۔ البتہ ہم سب مل کر عیدگاہ چل کر باران رحمت کے لیے دعاء مانگ سکتے ہیں؟

مسئولہ عبدالحمید صاحب، موضع روشن پور، بہڑی، ضلع مرادآباد، ۲۱ر ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

الجواب: بارش کے لیے دعاء کی غرض سے شہر کی ایسی مسجد کو جمعہ کی نماز سے خالی نہ کیا جائے۔ جس میں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے۔ بلکہ شہر کی مسجد سے نماز جمعہ ادا کر کے سب لوگ عیدگاہ یا جہاں مناسب جانیں جمع ہو کر دعا کریں۔ لہٰذا بہتر و مناسب یہی ہے، جو امام صاحب اور ان کے موافقین نے کہا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جمعہ کی نماز عیدگاہ میں ہو سکتی

ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ٤٥٦: بخدمت اقدس حضرات علمائے کرام اہلسنت و جماعت ملتمس ہوں کہ حسب ذیل مسائل کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

(۱): مسجد کسی فرد واحد کی ملکیت ہوسکتی ہے؟

(۲): فرض، سنت اور واجبات کے علاوہ اگر کسی جگہ جہری عبادت ہورہی ہو تو اس جگہ سری عبادت کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئولہ جناب قمر الدین صاحب آرکیٹکٹ صدر بزم غلامان مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اسٹیٹ دیو ہاؤس، میکلیوڈ روڈ، کراچی نمبر- ۳۱، ۲؍جنوری ۱۹۶۴ء پنجشنبہ

الجواب: (۱): مسجد کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں ہوسکتی، لیکن مسجد بیت شخصی ملکیت ہوسکتی ہے، جو حدود مکان میں گھر والے نماز پڑھنے کے لیے بنالیتے یا مخصوص کرلیتے ہیں، اس کو ''مسجد بیت'' کہتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم.**

(۲): اگر جہری عبادت ایسی ہو جس کے جہر کا سننا فرض وواجب اور سنت مؤکدہ ہو اور یہ جہری عبادت پہلے سے ہورہی ہو تو اس جگہ سری عبادت نہ کی جائے تا کہ فرض و واجب اور سنت مؤکدہ کی مخالفت اور ترک لازم نہ آئے ورنہ جہاں جہری عبادت ہورہی ہو وہاں سری عبادت میں کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ٤٥٧: مسجد میں دنیا کی بات کرنے سے کیا اثر پڑتا ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مراد آباد، ۱۹؍ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے عبادت کا ثواب ضائع ہوجاتا ہے، اور گناہ لازم آتا ہے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان یکون حدیثم فی مساجد ہم فی امر دیناہم فلاتجالسوہم فلیس للہ فیہم حاجۃ،** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ان کی دنیاوی باتیں مسجد میں ہوں گی۔ ان کے پاس مت بیٹھو۔ ایسے لوگوں سے خداوند قدوس بیزار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ٤٥٨: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): مسجد کے اندر مسافر کا ٹھہرنا اور سونا یا دوسری باتیں کرنا کیسا ہے؟ (۲): آجکل جو تبلیغی جماعت مسجد میں قیام کرتی ہے، اور روزہ نماز اور دینیات کی باتیں سمجھاتی ہے، ان کا ٹھہرنا سونا کیسا ہے؟ (۳): مسافر کتنی منزل طے کرنے کے بعد مسجد میں ٹھہر سکتا ہے؟ (۴): اگر ٹھہر سکتا ہے تو کتنی مدت تک؟

مسئولہ محمد یعقوب، محلہ عیدگاہ، نئی آبادی، مراد آباد، ۲۱؍رجب المرجب ۱۳۸۴ھ جمعہ

الجواب: (۱): مسجدیں طاعت وعبادت اور ہر ذکر خیر کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ شرعی غرض مسجدوں کے بنانے کی یہی ہے کہ ان میں نماز واعتکاف، تلاوت قرآن ومجالس ذکر خیر ومحافل علم دین ووعظ ونصیحت یہ امور انجام دیئے جائیں۔ اس لیے شرعاً معتکف کے لیے رہنا، سہنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، پڑنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اعتکاف کرنے والے کے لیے بھی

مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا ممنوع ہے۔ دنیا کی ایک دو بات اگر ضرورۃً معتکف کرلے تو اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ مسجد کوئی سرائے یا پڑاؤ یا مسافر خانہ یا ڈیرہ ڈالنے کی جگہ نہیں ہے کہ اس میں آکر ہر شخص قیام کرے۔ بعض روایات حدیث وفقہ سے پردیسی کے لیے مسجد میں سونے کا جواز مستفاد ہوتا ہے۔ فقہی روایتیں اس بارے میں مختلف ہیں۔ معتکف کے ساتھ بعض روایتوں میں غریب یعنی پردیسی کا استثناء مرقوم ہے اور بعض روایتوں سے کھانے پینے اور سونے کی اجازت صرف اعتکاف کرنے والے کے لیے معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اگر پردیسی کے لیے کسی مسافر خانہ یا سرائے یا مسلمانوں کے مکانوں پر رہنے اور سونے کی کوئی گنجائش نہ ہو تو ایسا پردیسی مسلمان مسجد میں بہ نیت اعتکاف مستحب داخل ہوکر کچھ ذکر وعبادت کرے، پھر کھائے پئے اور سوئے لیکن مستقل طریقہ پر مسجد کو قیام گاہ نہ بنائے۔ دنیا کی باتیں مسجد میں ہرگز ہرگز نہ کرے۔

حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیبی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے، یاتی علی الناس زمان یکونحدیثم فی مساجدھم فی اموردیناھم فلاتجالسوھم فلیس للّٰہ فیھم حاجۃ (مشکوٰۃ شریف)، یعنی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ مساجد میں ان کی دنیوی امور کی باتیں ہوں گی، تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، ایسے لوگوں سے خداوند قدوس بیزار ہے۔ صغیری مجتبائی ص ۳۰۲ میں ہے۔

> والکلام المباح فیہ مکروہ و کذاالنوم فیہ لغیر المعتکف وقیل لاباس للغریب اٰن ینام فیہ والاولی ان ینوی الاعتکاف لیخرج من الخلاف، مسجد کے اندر جائز بات چیت بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح غیر معتکف کے لیے مسجد میں سونا منع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مسافر کے لیے کوئی حرج نہیں کہ اس میں سوئے۔ بہتر یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کرے۔ تاکہ اس مسئلہ پر علماء کے اختلاف کے دائرے سے نکل جائے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد خامس مطبوعہ کلکتہ ص ۴۸۶ میں ہے۔

> ویکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف واذاارادان یفعل ذالک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیہ ویذکراللّٰہ تعالیٰ بقدر مانویٰ اویصلّی ثم یفعل ماشاء کذا فی السراجیۃ، غیر معتکف کے لیے مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے۔ اور اگر ان کاموں کا ارادہ کرے تو مناسب یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کرلے۔ پھر داخل ہو پھر اللہ کا ذکر کرے یا نماز نفل پڑھ لے۔ پھر جو چاہے کرے....

اسی کے ص ۴۸۷ میں ہے۔

> ویکرہ کل عمل من الدنیا فی المسجد. ہر دنیاوی عمل مسجد میں مکروہ ہے۔

اسی میں بیان آداب مسجد میں ہے۔

> والسادس ان لایرفع فیہ الصوت من غیرذکراللّٰہ تعالیٰ والخامس عشران یکثرفیہ

ذکراللّٰہ تعالٰی کذافی الغرائب الجلوس فی المسجد للحدیث لایباح بالاتفاق لان المسجد مابنی لامور الدنیا، چھٹا یہ کہ ذکراللہ کے علاوہ اس کے اندر کسی طرح کی آواز بلند نہ کرے۔
پندھواں یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔ ایسا ہی الغرائب میں ہے۔ مسجد میں دنیاوی باتوں کے لیے بیٹھنا اتفاقاً ناجائز ہے۔ کیونکہ مسجد دنیاوی کاموں کے لیے نہیں بنائی گئی۔

حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار مصری ص ۲۸۷ میں ہے۔

اختلف المشائخ فیه (ای فی النوم فی المسجد) والاصح کما فی التجنیس انه یکره لانه ماأعد لذالک، مسجد میں سونے کے سلسلے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔صحیح ترین یہ ہے کہ مکروہ ہے۔ کیونکہ مسجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئی۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

عبارات مرقومہ بالا سے ظاہر ہورہا ہے کہ غیر معتکف کے لئے خواہ پردیسی کیوں نہ ہو مسجد میں سونا خلاف اولیٰ اور نامناسب ہے، لہٰذا پردیسی بھی سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت کرلے، پھر ذکر وعبادت کے بعد سوئے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

(۲): میری تحقیق میں تبلیغی جماعت ''برعکس نام نہند زنگی کافور'' دراصل تضلیلی جماعت ہے، چونکہ اسلامی تبلیغ تو بمصداق فرمان رب العلمین عزاسمه ﴿وامُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهُ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [لقمان:۱۷] (کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو) اور ﴿تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] یہ ہے کہ نیکی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو لیکن جس جماعت کا انداز تبلیغ خلاف قرآن کریم وحدیث شریف یہ ہو کہ وہ نیکی کا حکم کرے اور برائی کا بھی حکم کرے،، جس پر غسل فرض ہو اور جس پر وضو فرض ہو اس سے بغیر غسل و وضو ہی نماز پڑھوائے۔ یہ طریقہ تبلیغ خلاف قرآن و حدیث شریف بلاشبہ بدعت سیئہ ہے اور ایسے مبلغ یقیناً بدعتی ناری ہیں۔ ایسی تبلیغی جماعت دینی اور اسلامی نہیں ہوسکتی، بلکہ شیطانی اور تضلیلی ہوسکتی ہے۔ نیز اس جماعت کے بانی حضرت جی مولوی الیاس آنجہانی کا مقصد اصلی یہ تھا کہ کلمہ اور نماز کی تبلیغ کے بہانے سے اہل سنت و جماعت کو نجدیت اور وہابیت کے دام تزویر میں پھانسا جائے۔ جیسا کہ ان کے اور ان کے مسترشدین خاص اور حوالی وموالی کی تصنیفات، مکاتیب مولوی محمد الیاس وملفوظات مولوی محمد الیاس، وکتاب ''مولوی محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت'' سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس تبلیغی جماعت کے بانی پکے نجدی، وہابی، دیوبندی تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت سب کچھ دیوبندیوں وہابیوں میں ہوئی اور ''پدر اگر تواں نکند پسر تمام کند'' کے بمصداق اب چھوٹے حضرت جی مولوی محمد یوسف صاحب، باپ کی اطاعت واتباع میں وہی مقصد لے کر آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت میں کسی سنی صحیح العقیدہ عالم کو شامل نہ کیا گیا اور نہ شامل ہوئے، اس جماعت میں غیر مقلد، دیوبندی، مودودی، ندوی، صلح کلی وغیرہا جو سب کے سب بارگاہ رب العزت تبارک وتعالیٰ اور دربار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے گستاخ ہیں، یہی لوگ شریک وحامی ہیں، ان کے ہم عقیدہ وہم خیال نے رسالہ ''مکالمۃ الصدرین'' میں مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ

''مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتدا حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہوگیا، صدق وکذب برگردن راوی ہم ذمہ دار نہیں، کچھ تعجب بھی نہیں کہ ملتا ہو، چنانچہ رسالہ کشف حقیقت میں مولوی حسین احمد صاحب نے بھی بعض ایسی انجمنوں کا پتہ بتایا ہے، جن کو گورنمنٹ اپنے کسی مقصد خاص کی خاطر روپیہ دیتی تھی۔

بہرحال یہ جماعت دھوکے کی ٹٹی ہے۔ کلمہ ونماز کے بہانے سے وہابیت پھیلاتی ہے۔ کسی مکار وعیار جماعت کو جس کی غرض صحیح مطابق شرع نہ ہو۔ اس کو مسجد میں پناہ دینا ٹھہرانا غلط کاری اور گمراہی کی امداد واعانت ہے، لہٰذا کوئی سنی اس جماعت کے افراد کو مسجد میں ٹھہرنے اور سونے کی اجازت نہ دے ورنہ معصیت وگناہ کی امداد واعانت کے باعث مجرم وگنہگار ہوگا۔

یہ تبلیغی کلمہ کی حقیقت اور نماز کے اسرار وارکان سے خود کما حقہ واقف نہیں نہ مسجد کے آداب واحترام پر مطلع، یہ جائز وناجائز حرکات مسجد میں کرتے ہیں اور مشروع ونامشروع کلمات بکتے ہیں، لہٰذا اہل سنت وجماعت اس جماعت سے مکمل طور پر احتراز کریں۔ ان کو کسی مسجد میں ہرگز ہرگز نہ ٹھہرنے دیں نہ اس جماعت سے کوئی تعلق رکھیں۔ رہا ان کے ماننے والے وہ سر آنکھوں پر بٹھائیں یا جو چاہیں کریں۔ ہم ان کو روک نہیں سکتے، ہم صرف اپنے اہل سنت وجماعت ہی کو منع کرسکتے ہیں۔

جی چاہتا تھا کہ اس تبلیغی جماعت کی مکمل طور پر پول کھول کر ان کے داغدار چہروں کو بے نقاب کر دیتا، لیکن قلت وقت مانع ہے ورنہ ان کی ہی کتابوں کے حوالجات سے اس جماعت کی مزاج پرسی کرتا۔ مثال کے طور پر صرف ایک حوالہ کتاب ملفوظات ص ۴۰ کا ملاحظہ فرمایئے۔

> ''آپ نے (مولوی محمد الیاس) فرمایا کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰] کی تفسیر خواب میں یہ القا ہوئی کہ تم مثل انبیا علیہم السلام کے لوگوں کے واسطے ظاہر کیے گئے ہو۔

اس خواب میں مولوی الیاس نے اپنے کو مثل انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات ہونے کا مظاہرہ کیا۔ خواب والقا کی دھاک جمانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اسی سے ان کی تعلی اور ڈینگ اور گستاخی اور مثل نبی ہونے کا جھوٹا خواب ہونا بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ حضور نے تو اپنی امت کے افضل ترین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو مخاطب کر کے فرمایا، ''لست كاحدمنكم، اور ايكم مثلی''، اس صریح حدیث کے خلاف مولوی الیاس کو آیت قرآنیہ کی جھوٹی تفسیر القا ہوئی۔ قادیانیوں کی طرح سے دیوبندیوں کو نبوت کے جھوٹے خواب نظر آتے ہی رہتے ہیں، چونکہ نبی بننے اور رسول ہونے کا شوق دیوبندی قلوب میں ہمیشہ جلوہ فرما رہا ہے، بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دیوبندی کو خواب میں نبوت کی جھلک اور رسالت کی مماثلت ہی نظر آتی ہے۔ ایک مختصر رسالہ ''الیاسیہ جماعت ما نا سور وہابت'' کے

نام سے کانپور میں چھپا ہے، جو اس جماعت کے خدوخال سے واقف ہونا چاہے۔ وہ اس رسالہ کا مطالہ کرے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

(۳): غریب یعنی پردیسی بہ شرائط مذکورہ بالا مسجد میں ٹھہر سکتا ہے۔ اس کے لیے میرے علم میں منزل کا تعین ثابت نہیں۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

۴): جواز قیام کی صورت میں مدت کا تعین بھی میری نظر سے نہیں گزرا۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۵۹: مسجد میں کھانا کھانا، روزہ افطار کرنا، سونا اور تلاوت کلام پاک بآواز کرنا جب کہ اور بھی لوگ مسجد میں ہوں۔ کوئی نماز پڑھتا ہو اور کوئی اوراد و وظائف وغیرہ۔ یہ افعال از روئے شرع درست ہیں یا نہیں؟

مسئولہ عبدالستار رضوی، مالک کتابستان، کچھا ضلع نینی تال، یوپی

الجواب: غیر معتکف کے لیے مسجد میں کھانا، پینا، سونا، روزہ افطار کرنا، ممنوع ومکروہ تحریمی ہے۔ معتکف کے لیے جائز ہے کوئی کراہت نہیں اور مسافر بھی مسجد میں سوسکتا ہے اور معتکف بھی۔ جس وقت مسجد میں نمازی نماز پڑھتے ہوں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے منع ہے، نہ ور دو وظیفہ کے وقت اس طرح قرآن شریف پڑھے۔ **وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۶۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص عشا کی نماز کے بعد یا تہجد کے بعد اس غرض سے مسجد میں سوجاتا ہے کہ فجر کی نماز باجماعت پڑھ لے۔ اس کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالکریم، ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

الجواب: مسجد نماز فرض وواجب وسنت ونفل وذکر وتدریس علم کے لیے بنائی جاتی ہے۔ اسی مقصد کے لیے اعتکاف بھی کیا جاتا ہے جو کام بناء مسجد کی غرض کے خلاف مسجد میں کیا جائے گا، وہ مکروہ وممنوع ہوگا۔ اسی وجہ سے مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ وممنوع ہے۔ درمختار ہاشمی جلد اول ص ۱۰۷ میں ہے۔

> **وكرهت تحريما وقيل تنزيها فى مسجد جماعة هواى الميت فيه وحده اومع القوم واختلف فى الخارجة عن المسجد وحده او مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقا خلاصةٌ بناء على ان المسجدانما بنى للمكتوبة وتوابعهاكنافلة وذكروتدريس علم وهوالموافق لاطلاق حديث ابى داؤد من صلى علىٰ ميت فى المسجد فلاصلاة له.** مسجد میں نماز جنازہ تنہا یا قوم کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ خارج مسجد نماز جنازہ کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ قول مختار مطلقاً کراہت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر اس لیے ہوتی ہے کہ وہاں فرض نماز ادا کی جائے۔ نیز وہاں نوافل وذکر اور تدریس علم دین ہو۔ کراہت کا قول حدیث ابوداؤد کے موافق ہے، کیونکہ اس میں مطلقاً یہ ہے۔ جس نے نماز جنازہ مسجد میں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۰ میں ہے۔

والعلة فيه ان كان خشية التلويث فهى تحريمية وان كان شغل المسجد بمالم يبن له فتنزيهية والمروى قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من صلى علىٰ جنازة فى المسجد فلاشئ له وفى رواية فلا اجر له. علت یہ ہے کہ اگر گندگی کا اندیشہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر مسجد میں ایسا کام ہو رہا ہے جس کے لیے وہ نہیں بنائی گئی تو مکروہ تنزیہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مروی ہے۔ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کچھ بھی فائدہ نہیں۔ ایک روایت میں ہے۔ اس کیلئے کوئی اجر نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

لان المسجد انما بنى للمكتوبة وتوابعها كالنوافل والذكر والتدريس. کیونکہ مسجد فرائض و نوافل اور ذکر و تدریس کے لیے بنائی گئی ہے۔

مسجد خانہ خدا ہے، کسی بندہ کا مکان یا حجرہ نہیں ہے۔ نہ سرائے نہ مسافر خانہ ہے، خانہ خدا سونے کے لیے نہیں ہے۔ ہمارے مکانات اور سرائے و مسافر خانے سونے کے لیے آرام کرنے کے لیے ہیں۔ لہٰذا مسجد میں اعتکاف کرنے والے اور مسافر کے سوا کسی کے لیے سونے کی اجازت نہیں، بلکہ مکروہ و ممنوع ہے۔ معتکف و مسافر کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔ احادیث کریمہ میں بعض صحابہ کرام کا جو مسجد میں سونا منقول ہے، وہ بہ نیت اعتکاف عبادت کر کے سوتے تھے، یا ان کے مکانات ہی نہ تھے۔ اصحاب صفہ میں سے ہوتے تھے یا مسافر ہوتے تھے۔ آج محلہ کے لوگ مکانات ہوتے ہوئے مسجد میں سوئیں تو یہ سونا ممنوع ہے۔ صبح کی نماز یا تہجد کی نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد میں سونے سے لوگوں کو روکا جائے بلکہ ایسے شوقین نمازیوں کو محلہ کے بعض افراد بوقت تہجد و نماز فرض جگا دیا کریں۔ درمختار ہاشمی جلد اوّل ص ۷۷ میں ہے۔

ويحرم فيه السوال ويكره الافطار واكل ونوم الالمعتكف وغريب. مسجد میں مانگنا حرام ہے۔ افطار کرنا، کھانا، سونا سب ناجائز ہے۔ ہاں معتکف اور مسافر کے لیے جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٤٦١: مسجد کا حجرہ ہونے کے باوجود مولوی کے لیے یہ جائز ہے کہ کواڑ بند کر کے تین چار گھنٹہ مسجد میں سوئے؟

مسئولہ شفاعت علی، محلہ خواجہ نگری، ۶ ستمبر ۱۹۶۹ء

الجواب: مولوی ہوں یا غیر مولوی مسجد میں کوئی نہ سوئے اور مسجد کے کواڑ بند کر کے سونا اس کی ممانعت و کراہت سخت تر ہے۔ معتکف و مسافر کے سوا مسجد میں کوئی نہ سوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٤٦٢: فدوی کو مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ تبلیغی لوگ آکر مسجد میں سوتے ہیں اور مسجد میں لوگوں کو جمع کر کے تقریر کرتے ہیں اور مسجد کے بیچ میں کرسی بچھا کر اور تین تین روز وہاں پر رہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبداللطیف خاں صاحب، محلہ کاظم خاں، قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد، ۱۲ رجب ۱۳۹۱ھ شنبہ

الجواب: شرعاً معتکف اور مسافر کے لیے مسجد میں سونے کی اجازت ہے، لیکن اس طرح سونا چاہیے کہ مسجد کے ادب و

احترام میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ تبلیغی جماعت والے اگر مسافر بھی ہوتے ہیں تو مسجد کو اپنی ضروریات کیلئے اس طرح استعمال کرتے ہیں، جیسے کوئی سرائے اور مسافر خانہ کو استعمال کرتا ہو یعنی مسجد کا ادب واحترام نہیں کرتے۔ اکثر جاہل، ان پڑھ، غیر مہذب ہوتے ہیں۔ جن کو شرعاً تقریر و تبلیغ و وعظ و نصیحت کرنے کا حق بھی نہیں پہنچتا۔ نام کی تبلیغی جماعت کے لوگ مسجد میں پاک و ناپاک ہر فرد کو پکڑ کر یا بلا کر لے آتے ہیں۔ پھر ان سے ناپاکی کی حالت میں بھی پڑھواتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان جاہلوں تبلیغیوں کا مسجد میں قیام و طعام اور سونا پڑنا اور وعظ و تقریر کرنا سب مکروہ ممنوع ہے یا حرام و ناجائز ہوگا۔ لہٰذا ان تبلیغی جماعت کے افراد کو مسجد میں سونے نہ دیا جائے اور وعظ و تقریر سے بھی روکا جائے۔ چونکہ تبلیغ و تقریر اور وعظ و نصیحت کرنے کا حق شرعاً عالم دین و واقف کار شیخ طریقت ہی کو ہے یا ان کو ہے جو ان کی صحبت میں رہ کر احکام شرعیہ و امور دینیہ پر کافی عبور رکھتے ہوں ان جاہل تبلیغیوں کو تقریر و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کرنے کا حق نہیں ہے۔ تبلیغیوں کی یہ باتیں عوام سے مخفی نہیں ہیں۔ ہر خاص و عام ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات وافعال پر واقف و باخبر ہے۔ درمختار ہاشمی جلد اوّل ص ۶۱۷ میں ہے۔

ویحرم فیه السوال ...... وانشاد ضالة اوشعر الامافیه ذکر واکل ونوم الالمعتکف و غریب. مسجد میں سوال کرنا گمشدہ چیز کا مانگنا ذکر اللہ سے عاری شعر پڑھنا، کھانا، سونا سب حرام ہے۔ معتکف اور مسافر اس سے مستثنیٰ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد خامس ص ۴۸۶ میں ہے۔

ویکره النوم والاکل فیه لغیر المعتکف

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کے احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے ان تبلیغیوں کو مسجد میں رہنے سہنے کی اجازت نہ دی جائے۔ **واللّٰه تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۴۶۳: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ زید آج کل تقریباً صبح چار بجے کے بعد اپنے مکان میں جو مسجد سے بالکل متصل ہے، صرف ایک دیوار زید کے مکان اور مسجد کے درمیان حائل ہے۔ مسجد سے اس کا مکان اتنا قریب اور متصل ہے کہ مصالحہ پیسنے کی آواز اور بات چیت کرنے کی آواز مسجد میں آتی ہے، بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت زید کرتا ہے اور یہ مشغلہ زید کا گھنٹوں رہتا ہے۔ جس سے مسجد کے نمازیوں کی نماز میں تشویش ہوتی ہے۔ قرآن کریم کا سننا ضروری ہے اور نمازوں کا ادا کرنا بھی ضروری، اگر قرآن کریم کو سنا جائے تو نماز کیسے ادا کی جائے اور نماز پڑھی جائے تو بلند آواز والی قرأت سے پیدا ہونے والی تشویش کو کیسے دفع کیا جائے۔ زید کا اس طرح منع کرنے کے باوجود بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا صحیح و جائز ہے یا زید کو ایسے وقت میں پست آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہیے کہ مسجد میں آواز نہ جائے؟

مسئولہ سردار حسین، محلہ مقبرہ، مراد آباد، ۸؍ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ دوشنبہ

الجواب: صورت مسئولہ میں زید پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت اتنی پست آواز سے کرے کہ اس کی آواز سے مسجد کے نمازیوں کی نمازوں میں تشویش نہ پیدا ہو اور مسجد کے حاضرین قرآن کریم کی سماعت کے ترک پر گناہ کے

مستوجب نہ ہوں۔ جس کا سبب زید کا بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت ہوگا، قال اللّٰہ تعالیٰ، ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ [الاعراف: ۲۰۴] (جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) (معارف)۔ فتاویٰ عالمگیری جلد خامس ص ۴۸۰ میں ہے۔

لایقرأ جهرا عندالمشتغلین بالاعمال ومن حرمة القرآن ان لایقرأ فی السوق، و فی موضع اللغو کذافی القنیة، کاموں میں مشغول لوگوں کے پاس قرآن کریم با آواز بلند نہ پڑھی جائے۔ قرآن کی حرمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بازار میں اور لہو ولعب کی جگہ میں اس کی تلاوت نہ کی جائے۔

اسی کے ص ۴۸۱ میں ہے۔

یکره للقوم ان یقرأ القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والانصات المامور بهما کذا فی القنیة، لوگوں کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ قرآن کو بھیڑ بھاڑ میں پڑھے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم کہ قرآن سنو اور خاموش رہو پر عمل کا ترک لازم آئے گا۔ کیونکہ مجمع میں یہ ممکن نہیں۔ **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٤٦٤: مسجد کے حجرہ کے سامنے دالان وصحن مسجد جو کہ حجرہ تعمیر کے بعد تعمیر ہوئے ہیں، اور بطور مسجد استعمال کیے جاتے ہیں، یعنی وہاں نماز ہوتی ہے اور مسجد کا سا احترام کیا جاتا ہے۔ کیا حجرہ کے سامنے کی جگہ یعنی دالان وصحن کا وہ حصہ جو حجرہ کے سامنے ہے، وہ حدود مسجد سے باہر ہے یا داخل وہاں نماز با جماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد ابراہیم خاں، محمد علی روڈ، مراد آباد، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ یکشنبہ

الجواب: مسجد کے حجرہ کے سامنے جو دالان یا صحن یا دونوں تعمیر کیے جاتے ہیں، اس کے مسجد یا خارج مسجد ہونے میں مسجد کے پہلے بانی کا اعتبار ہے۔ اگر بانی اوّل نے نماز پڑھنے ہی کے لیے وہ جگہ مقرر کر دی ہے تو وہ مسجد ہے، ورنہ وہ جگہ خارج مسجد وفنائے مسجد ہے۔ مسجد ہونے کی صورت میں نماز با جماعت ومسجد دونوں کا ثواب ملے گا اور خارج مسجد وفنائے مسجد ہونے کی صورت میں مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔ ہاں نمازیوں کی تعداد کافی ہو۔ بھیڑ ہو تو اس فنائے مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب وہی ملے گا جو ثواب مسجد میں ہوتا ہے۔ جیسے نماز عیدین وجمعۃ الوداع کے موقع پر زیادہ بھیڑ ہونے کی صورت میں فنائے مسجد میں نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں، چونکہ مسجد میں جگہ نہیں ہوتی۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٤٦٥: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص رات کو بیٹھ کر مسجد میں کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے، جب کہ پڑھنے والا مسجد ہی کی روشنی میں پڑھتا ہے، یا کھڑے ہو کر نفل میں پڑھتا ہے، یا کوئی فقہی کتاب پڑھتا ہے۔ اس شخص کا مسجد میں رات کو کلام اللہ کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ عبدالرحیم، محلہ سرائے حسینی بیگم، مراد آباد، ۶ را کتوبر ۱۹۶۶ء

الجواب: جہاں تک مسجد میں کلام اللہ کی تلاوت اور نفل نماز اور اس میں قرأت قرآن کریم یا فقہی کتابوں کے پڑھنے کا

معاملہ ہے وہ بلاشبہ صحیح و جائز ہے۔ ان چیزوں کی ممانعت شریعت طاہرہ میں نہیں ہے۔ مسجد یں ذکر و عبادت اور قراءت وتلاوت اور دیگر امور خیر کی مجلس ذکر ہی کے لیے بنائی جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ بالا چیزیں مسجد میں درست ومباح ہیں۔ ان سے کسی مسلمان کو نہ روکا جائے، قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾[البقرہ: ۱۱۴] کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام پاک کے ذکر کو منع کرے اور مسجدوں کے ویران کرنے میں سعی کرے (منہ)''، رہا مسجد کی روشنی سے پڑھنا، اگر اس میں رات بھر بجلی جلانے کی عادت قدیمہ جاری نہیں تو ایک تہائی رات یا نصف رات تک مسجد کی روشنی میں کلام پاک کی تلاوت اور نماز نفل اور اس میں قرأت قرآن مجید اور فقہی کتابیں پڑھ سکتا ہے۔ اس سے زائد کے لیے پڑھنے والا اپنی روشنی میں پڑھے۔ مسجد کی روشنی میں نہ پڑھے اور اگر اس مسجد میں عادت قدیمہ یہی جاری ہے کہ مسجد کی روشنی رات بھر جلائی جاتی ہے، یا واقف نے رات بھر جلانے کی شرط لگا دی ہے تو اس صورت میں مسجد کی روشنی میں رات بھر کلام اللہ کی تلاوت کرسکتا ہے اور نفل نماز میں قرآن کریم کی قرأت اور فقہی کتابیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد ثانی ص ۴۵۹ میں ہے۔

ولووقف علی دھن السراج للمسجدلایجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ويجوز الى ثلث الليل اونصفه اذا احتيج اليه للصلوٰة فيه كذافی السراج الوهاج ولا يجوز ان يترک فيه كل الليل الافى موضع جرت العادة فيه بذالک كمسجد بيت المقدس و مسجد النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم والمسجد الحرام اوشرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به فى زماننا كذا فى البحر الرائق ان اراد انسان ان يدرس الكتاب بسراج المسجد ان كان سراج المسجد موضوعاً فى المسجد للصلوٰة قيل لاباس به وان كان موضوعاً فى المسجد لاللصلوٰة بان فرغ القوم من صلوتهم وذهبوا الى بيوتهم وبقى السراج فى المسجد قالوالاباس بان يدرس به الىٰ ثلث الليل وفيما زاد على الثلث لايكون له حق التدريس كذافى فتاوىٰ قاضى خان. مسجد کے لئے موقوفہ تیل سے مسجد میں پوری رات چراغ روشن رکھنا جائز نہیں۔ بلکہ جب تک نمازیوں کو ضرورت ہے۔ ایک تہائی رات یا آدھی رات تک روشن رکھ سکتے ہیں۔ اگر نوافل وغیرہ کے لیے ضرورت ہے۔ ایسا ہی السراج الوھاج میں ہے۔ پوری رات جلا ہوا رکھنا جائز نہیں۔ ہاں اگر قدیم دستور یہی ہے کہ چراغ رات بھر روشن رکھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ جیسے مسجد بیت المقدس اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد حرام۔ یا وقف کرنے والے نے روشنی کو رات بھر جلتا ہوا چھوڑ دینے کی شرط لگا دی ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں یہی دستور ہے۔ ایسا ہی البحر الرائق میں ہے۔ اگر آدمی مسجد کے چراغ کی روشنی میں کلام اللہ کا درس دینے کا ارادہ کرے اگر چراغ نماز کے لیے رکھا ہوا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں۔ اور اگر چراغ مسجد میں نماز کے لیے نہیں رکھا گیا ہے۔ بایں طور کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جا چکے۔ لیکن چراغ مسجد

میں جلتا رہا تو علماء نے کہا کہ ایک تہائی رات تک تدریس کا عمل جاری رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ تہائی رات کے بعد جائز نہیں۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٦٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص، اوقات صلوٰۃ سے قبل آکر مسجد میں کوئی کپڑا وغیرہ جگہ مقبوض کرنے کی خاطر رکھ جائے اور اپنے کام میں مشغول ہو جائے، پھر کاروبار سے فارغ ہو کر عین نماز کے وقت آکر شریک جماعت ہو جائے تو کیا اس طرح مسجد میں جگہ روکنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالرشید صاحب، محلہ گل شہید، مراد آباد

الجواب: صورت مسئولہ میں جگہ قبضہ کرنے کے لیے اپنا کپڑا وغیرہ رکھ کر مسجد سے واپس جا کر کام میں مشغول ہو جانا پھر عین وقت نماز پر اسی جگہ کو اپنے لیے مخصوص جاننا صحیح نہیں ہے، دوسرا نمازی اس کپڑے کو ہٹا کر اس جگہ پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ جب کہ وہ کپڑا رکھنے والا فسادی اور فتنہ انگیز آدمی نہ ہو اور ایسا ظالم نہ ہو جو کپڑا اٹھانے والے کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائے ورنہ فساد وفتنہ سے بچنے کے لیے اور ظلم سے نجات پانے کے لیے کپڑا وغیرہ نہ ہٹایا جائے۔ شرعاً قبل از نماز کپڑا مسجد میں رکھ کر چلے جانے سے مسجد کی وہ جگہ اسی کے لیے مخصوص نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٦٧: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ایک صاحب مسجد میں آتے وقت اپنے ہمراہ ٹوپی وغیرہ لے آتے اور اپنے کسی متعلق کے لیے جگہ روکنے کی خاطر صف میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ ان کا روزانہ کا معمول ہے اور اگر کوئی چیز رکھنے کی نہ ہو تو پھیل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بسا اوقات ان صاحب کی وجہ سے تکبیر میں تاخیر کراتے ہیں۔ حالانکہ وہ صاحب بھی دیگر مقتدیوں کی طرح ایک مقتدی ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ عبدالرشید صاحب، محلہ گل شہید، مراد آباد، ۱۹؍رجب ۱۳۸۶ھ پنجشنبہ

الجواب: شرعاً یہ لازم وضروری نہیں ہے کہ پہلے آنے والا نمازی بعد میں آنے والے نمازی کی خاطر جگہ روکنے کے لیے اگر ٹوپی یا کپڑہ وغیر رکھ دے تو وہ جگہ اسی کے لیے خاص ہو جائے لیکن یہاں عوام کی عادت ایسی ہوگئی ہے کہ ٹوپی یا رومال ہٹانے پر لڑ پڑتے ہیں اور مسجد میں جھگڑا اور شور وغل کرنے لگتے ہیں، بلکہ بعض لوگوں کو گالی گلوج کرتے اور آمادہ بفساد ہوتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ یہ عادت محض غلط وباطل ہے۔ جہاں اس قسم کے لوگ ہوں وہاں ٹوپی یا رومال کو نہ ہٹایا جائے۔ تاکہ جھگڑا وفساد نہ ہو اور فتنہ کا دروازہ نہ کھلے اس طرح الفتنۃ اکبر من القتل، کی رو سے فتنہ کا سدباب ہوگا۔ ورنہ ٹوپی یا رومال ہٹا کر دوسرا شخص وہاں پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ رومال یا ٹوپی وغیرہ رکھنا جائز تو ہے، لیکن یہ سمجھنا کہ ٹوپی یا رومال رکھ دینے سے یہ جگہ میرے لئے رجسٹرڈ اور مخصوص ہوگئی اور ہٹانے پر ہٹانے والے سے لڑنا جھگڑنا غلط وباطل ہے۔ ہاں قبل از وقت آکر اپنا رومال یا ٹوپی رکھ کر استنجا کرنے اور وضو کرنے کے لیے جائے اور خود اپنے لیے جگہ معین کرنے کی نیت کرے تو یہ صحیح ودرست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اخلاقاً اس کی ٹوپی یا رومال کو نہ ہٹایا جائے۔ شرعاً ایسی رواداری صحیح ودرست ہے۔ اسی طرح دوسرے آنے والے کی خاطر اس طرح پھیل کر بیٹھنا نہ چاہیے اور کسی آنے والے مقتدی کی خاطر تکبیر کو وقت مقررشدہ سے مؤخر نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٦٨: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے، جس کا انتظام زید کے سپرد ہے، وہ مسجد زید کے بزرگوں نے بنوائی ہے۔ کچھ جائداد مسجد مذکور کے نام ہے۔ جس کا کرایہ زید وصول کرتا ہے، اور اس کرایہ کو اپنے صرف میں لاتا ہے اور مسجد کی ضروریات سے بالکل بے پرواہ ہے۔ اس کے لیے اگر چندہ کیا جاتا ہے تو یہ کہہ کر اس سے روکتا ہے کہ مسجد ہماری ملک ہے۔ اس کے لیے چندہ نہیں ہوگا، تمھاری طبیعت چاہے تو نماز پڑھو، ورنہ نہیں۔ تو ایسی مسجد میں جس کو زید اپنی ملک بتاتا ہے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ ابراہیم عرف غالب، فیض گنج، مرادآباد

الجواب: زید کا مسجد مذکور کو اپنی ملکیت بتانا شرعاً صحیح و درست نہیں۔ بلکہ غلط و باطل ہے۔ جو شخص اپنی اراضی میں اپنے خرچ سے مسجد بنوائے۔ اس کے بعد عام مسلمان اس مسجد میں جماعت سے بغیر روک ٹوک کے نماز ادا کریں تو شرعاً یہ مسجد وقف قرار پا کر ملک خدا میں پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا اب زید کا مسجد مذکور کو اپنی ملکیت بتا کر لوگوں سے یہ کہنا کہ تمھاری مرضی ہو تو اس حالت میں اس مسجد میں نماز پڑھو نہیں مرضی ہو تو اور کسی مسجد میں جا کر نماز پڑھو، قطعاً غلط و باطل اور خلاف حکم شرع ہے۔ یہ مسجد وقف ہو کر ملک خداوند قدوس میں پہنچ چکی ہے۔ زید مسجد مذکور کی آمدنی از جائداد کو اپنے مصرف میں ناجائز طور پر لانے کے باعث فاسق و خائن ہو گیا، ایسے متولی و منتظم کو شرعاً تولیت و نظامت سے علیحدہ کرنا واجب ہے۔ اس سلسلہ میں اہل محلہ جائز طور پر قانونی کارروائی کر کے اس کو علحیدہ کر دیں۔ زید مسجد مذکور کے لیے جائداد موقوفہ برائے مسجد کی آمدنی کو اس کی ضروریات پر خرچ نہیں کرتا اور اہل محلہ کو چندہ کر کے بھی اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ زید کا یہ اقدام ستم پر ستم ہے اور مسجد کی ویرانی کا باعث ہے، فرمان حق تعالیٰ ہے۔ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرہ: ۱۱۴] یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں ذکر کرنے اور اس کا تذکرہ کئے جانے سے منع کرے اور مسجدوں کے ویران کرنے میں سعی کرے (منہ)۔

رہا اس مسجد میں نماز کے صحیح ہونے کا مسئلہ تو بلا شبہ اس مسجد میں نماز صحیح و جائز ہے، نماز میں کسی قسم کی کوئی کراہت بھی نہیں آئے گی۔ ہر مسلمان اس میں نماز ادا کرے گا تو اس کی نماز صحیح و درست ہوگی۔ زید کے اپنی ملکیت قرار دینے سے نماز پر کوئی اثر نہ پڑے گا چونکہ اس کا اپنی ملکیت بتانا ہی شرعاً غلط و باطل اور ناجائز و ناروا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٤٦٩: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مذکورہ ذیل میں کہ ایک مسجد میں بعد نماز عشاء مسائل کی کتاب مقتدیوں کو سنائی جاتی ہے۔ مگر چونکہ بعض آدمیوں کی ایک یا دو رکعت جماعت سے رہ جاتی ہے۔ تو ان کی نماز کچھ دیر بعد ختم ہوتی ہے۔ امام صاحب تو مقتدیوں کی رعایت کر کے کتاب شروع کر لیتے ہیں۔ ایک دوسرے صاحب اور ہیں، ان کو تقریر کرنے کا شوق ہے۔ وہ کسی بھی نماز کے بعد تقریر شروع کر دیتے ہیں، اور نمازیوں کی نماز کی رعایت نہیں کرتے۔ ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ جب لوگ اپنی اپنی نماز سے فارغ ہو جایا کریں، تب شروع کیا کرو۔ تقریر کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، مگر وہ شخص نہیں مانتے، جس کی وجہ سے مسجد میں فساد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر فساد ہو گیا تو کتاب کا سنانا بھی اور تقریر کرنا بھی بند ہو جائے گا، جس کی وجہ سے مسلمان ایک بڑے فائدے سے محروم ہو جائیں گے۔ تقریر کرنے

والے صاحب نمازیوں کی نماز کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ تقریر کا سننا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں ہم نمازیان مسجد کیا کریں؟

مسئولہ عبدالمجید وعبدالغفور، محلہ سرائے حسینی بیگم بارہ دری، مرادآباد، ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

الجواب: سوال ہذا اور سوال کے لانے والے حضرات کے زبانی بیان سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ امام صاحب کے علاوہ دوسرے صاحب جن کو تقریر کرنے کا شوق ہے، ان کی ضد اور سختی کے باعث آپس میں حد درجہ کا نفاق ہے اور اختلاف ہوگیا ہے۔ حتیٰ کہ مسجد میں فریقین کے درمیان گالی گلوج اور دھکا مکا مار پیٹ بھی ہوچکی ہے اور اب عظیم ترین فتنہ فوجداری کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا وعظ وتقریر اور تبلیغ کا مقصد فتنہ کا برپا کرنا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ فتنہ کو رب العزت جل وعلا نے قتل سے اکبر واشد بتایا ہے، لہٰذا فتنہ کو روکنے کے لیے فی الحال یہی ضروری ہے کہ وعظ وتقریر کا سلسلہ بن کردیا جائے تاکہ بات نہ بڑھے اور فتنہ کا دروازہ بند ہوجائے اور فریقین پر لازم ہے کہ ضد وبحث سے دور رہیں۔ جب فریقین کا اختلاف وغصہ چند روز کے بعد کم ہوجائے تو پھر باہم متفق ہوکر اس تقریر ووعظ کا پروگرام بنا کر اس پر عمل کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خارج مسجد میں کپڑا دھوسکتے ہیں یا نہیں۔ کپڑے دھونے والے اکثر پردیسی حضرات ہیں جہاں پر کپڑا دھوتے ہیں وہاں سقایہ بھی ہے، اور اس کے بازو میں غسل خانہ ہے۔ پاک وناپاک شخص اسی راستے سے غسل خانہ میں جاتے ہیں اور کپڑا دھوتے وقت کچھ چھینٹیں مسجد کے حصہ میں آجاتی ہیں، جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ حاجی لیاقت حسین، محلہ کسرول، مرادآباد، ۱۸؍ نومبر ۱۹۷۰ء چہارشنبہ

الجواب: خارج مسجد میں کپڑا دھونا جائز ہے۔ لیکن اس طرح کہ کپڑے دھوتے وقت چھینٹیں مسجد کے کسی حصہ میں نہ جائیں۔ مسجد میں چھینٹوں کا جانا آداب مسجد اور احکام مسجد کے خلاف ہے۔ اگر چھینٹوں سے مسجد کا کوئی حصہ محفوظ نہ رہ سکتا ہو تو پھر خارج مسجد میں کپڑے ہرگز ہرگز نہ دھوئے جائیں۔ بلکہ پھر غسل خانہ میں کپڑے دھوئے جائیں۔ اس حکم میں مسافر اور پردیسی اور مقیم اور امام ومقتدی سبھی یکساں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مغالطہ دے کر دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ منگوایا۔ سائل کے سوال یہ ہیں، معاذ اللہ مسجد کی جگہ میں یعنی مسجد کو شہید کرکے عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟ دوسرے یہ کہ مسجد میں تختی وغیرہ اس مضمون کی لگانا کہ بغیر اجازت کے یہاں تقریر وغیرہ نہ کرسکیں۔ دارالعلوم سے جواب آیا کہ عیدگاہ بنانا ایسی صورت میں ناجائز ہے اور جب شر کا اندیشہ ہو تو تختی وغیرہ بھی نہ لگانا چاہیے اُتار دینا چاہیے۔

سائل نے دونوں سوال غلط کیے، اور اپنے تعصب سے کیے، اس لئے جواب غلط آیا۔ صحیح سوال یہ نہیں کہ مسجد سے باہر جگہ میں جہاں ہمیشہ سے عید کی نماز ہوتی ہے اور وہ عید ہی کے لیے مخصوص ہے، اب اس کو عمارت کی صورت بنانا چاہتے ہیں۔ جس میں پہلے صرف میدان تھا، اور جس میں عید ہی کی نماز ہوتی تھی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث شریف میں ہے کہ آخر زمانے میں دجال کذاب ہوں گے۔ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنیں، نہ

تمھارے باپ داداؤں نے سنیں، تم ان سے الگ رہنا، اپنے کو ان سے الگ رکھنا۔ کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمھیں فتنوں میں نہ ڈالدیں۔ اس بنیاد پر اس قسم کا مضمون لکھ کر لگانا، خصوصاً ایسے مقام میں جہاں چاروں طرف بدمذہبوں کی کثرت ہو اور رات دن غلط پروپیگنڈہ کیے جاویں۔ اس احتیاط کی وجہ سے اگر اہل سنت و جماعت اپنے صحیح عقیدہ کی حفاظت کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف پر عمل کریں اور اس قسم کی تختی وغیرہ لگائیں تو جائز ہے یا معاذ اللہ ناجائز ہے؟

مسئولہ قاری محمد عبداللطیف صاحب، صابری، صدیقی، حسینی نعیمی، از سیکری، مظفرنگر، یکم ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

الجواب: تعصب وعداوت کی بناء پر غلط سوال کر کے غلط جواب حاصل کرنا پھر اس سے ناجائز و باطل طور پر غلط فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا، یہ عمل اپنی جگہ پر خود حرام وناروا ہے، چونکہ یہ مکروفریب پر مشتمل ہے اور مکروفریب بلاشبہ حرام ہے۔ پہلے سوال کا جواب جو دیوبند سے حاصل کیا گیا ہے۔ وہ سوال ہی جب غلط ہے تو جواب بھی اس کا غلط ہی ہونا چاہیے، چونکہ سوال کی صحت کا ذمہ دار کوئی مفتی یا دارالافتاء نہیں ہوا کرتا، بلکہ مفتی کے پاس جیسا سوال جاتا ہے ویسا ہی جواب ملا کرتا ہے۔ مفتی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ سوال کی صحت وغلطی کی تحقیق کر کے جواب دیا کرے۔ فی الواقع نماز پنجگانہ کی کسی مسجد یا جامع مسجد کو شہید کر کے اس جگہ پر عیدگاہ بنانا ناجائز ہے اور تختی کے متعلق جو جواب دیوبند سے آیا ہے وہ ناقص ہے۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر تختی آویزاں کرنے سے فتنہ وشر پھیلنے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی تختی مسجد میں نہ لگائی جائے اور اگر تختی آویزاں کرنے سے فتنہ وشر کا روکنا مقصود ہو تو ایسی تختی مسجد میں ضرور لگائی جائے۔ دیوبندی جواب میں صرف ایک احتمال کا لکھ دینا اور دوسرے احتمال کے حکم کو نہ لکھنا، جب کہ سوال کے اجمالی الفاظ میں دونوں احتمال ہوں خلاف دیانت وامانت پر مبنی ہے۔ یہاں تک تو دیوبندی جواب کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی۔ اب دونوں صحیح سوالوں کے جواب ملاحظہ کریں۔

مسجد سے باہر جہاں میدان تھا اور اس میں عید کی نماز ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔ جب کہ یہ باہر والی جگہ عید ہی کی نماز کے لیے مخصوص رہی ہے، تو اس جگہ پر عیدگاہ کی عمارت بنانا بلاشبہ صحیح وجائز ہے۔ صرف اتنی سی تبدیلی ہو رہی ہے کہ عیدگاہ کے میدان کی بجائے، اس میں عیدگاہ کی عمارت بن رہی ہے۔ اس کے جواز وصحت پر کسی دلیل وبرہان کی حاجت وضرورت نہیں۔ ہر ادنیٰ عقل وفہم والا انسان اسے جائز وصحیح بتائے گا۔ اسے یوں سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر کوئی شخص اپنی افتادہ زمین میں شاندار بلڈنگ بنوائے تو اس کے ناجائز ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں بھی اس جگہ پر عیدگاہ کی عمارت بنانے میں عدم جواز کا کوئی شک وشبہ بھی نہیں ہو سکتا، اور دوسرا سوال ہی اتنا مفصل بلکہ مدلل ہے کہ ناجائز ہونے کا حکم صادر نہیں کیا جا سکتا، چونکہ فتنہ وشر کا روکنا ہی تختی لگانے کا اصل مقصود ہے اور دور حاضر کے دجالوں کے مکروفریب سے قوم کو محفوظ رکھنا ہی اس کا مدعا ہے۔ جس کی بابت مسلم شریف کی صحیح حدیث میں صاف صاف حکم مرقوم ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تختی کا لگانا صحیح وجائز ہے۔ بلکہ لازم وضروری ہے۔ اس کے لگانے ہی میں فتنہ وشر کا انسداد ہوگا اور اس کے اتارنے میں فتنہ وشر کا پھیلانا ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ: ۲] (نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون مت کرو) وقال عزاسمہ، ﴿ اَلْفِتْنَةُ

اَکۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ﴾[البقرہ:۲۱۷] (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے) وقال جل مجدہ ﴿اَلۡفِتۡنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ﴾ [البقرہ:۱۹۱] (اوران کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے) (معارف) وقال جل شانہ ﴿وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا﴾ [الحشر:۷] (اور جو کچھ دیدیا تم کو رسول نے تو لے لو اسے اور جس سے روک دیا تمھیں تو رک جاؤ) (معارف)۔ مسلم شریف جلد اول مطبوعہ اصح المطابع دہلی ص ۱۰ میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یکون فی اٰخرالزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولاآباء کم فایاکم وایاہم لایضلونکم ولایفتنونکم، کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانے میں بہت سے جھوٹے دجال ہوں گے تمھارے پاس ایسی حدیثوں کو لائیں گے جن کو نہ تم نے، نہ تمھارے باپ دادا نے سنی ہوں۔ ان سے اپنے آپ کو دور رکھو اوران کو اپنے سے دور رکھو وہ تمھیں گمراہی میں مبتلا نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈالدیں۔(منہ)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۷۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حاجی نمازی ہے۔ اور مسجد کے عقب میں اس کا مکان ہے۔ اس نے اپنی قریبی مسجد کے آنچک پر دیدہ ودانستہ غاصبانہ طور پر اپنی عمارت کرلی ہے، اوراپنے تصرف میں رکھتا ہے۔ صورت مسئولہ میں ایسے شخص کے لیے شرعی حکم کیا ہے، واضح فرمایا جائے؟

مسئولہ کیپٹن عبدالغفور انصاری، محلہ سرائے شیخ محمود، مرادآباد، ۱۵/اگست ۱۹۷۱ء یکشنبہ

الجواب: اگر فی الواقع یہ سوال صحیح ہے تو شخص مذکور مسجد کے آنچک پر غاصبانہ قبضہ کرکے اوراس پر اپنی عمارت قائم کرکے فاسق وفاجر اور گنہگار وخطاکار شرعاً قرار پایا، فاسق وفاجر کی توہین وتذلیل شرعاً واجب ولازم ہے۔ لہٰذا شخص مذکور اپنے اس غلط کردار کی بناپر فاسق وفاجر ہوکر واجب الاہانۃ قرار پایا۔ شخص مذکور پر لازم ہے کہ مسجد کے آنچک پر سے اپنی عمارت ہٹا کر آنچک کو حسب دستور سابق چھوڑ دے اوراپنے اس غصب اور ناجائز قبضہ کے گناہ سے توبہ صادقہ اور استغفار کرے فان التائب من الذنب کمن لاذنب لہ. واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۷۳: خارج مسجد میں نماز کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ محمد افلاطون، موضع سیل پور، ڈاکخانہ کندرکی، ضلع مرادآباد، ۲۸/جولائی ۱۹۷۲ء

الجواب: خارج مسجد میں بھی نماز صحیح وجائز ہوتی ہے، نماز کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، البتہ فرض نماز کا ثواب مسجد میں زیادہ ہوتا ہے اور خارج مسجد میں کم۔ اس بارے میں باہم اختلاف ونزاع مناسب نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس سلسلے میں کہ مسجد جو کہ اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے، تاکہ اس میں آکر ہر مسلمان اپنا فریضہ نماز ادا کرے۔ ایک مسلمان شخص آکر اس میں نماز ادا کرتا ہے، اور نماز میں وہ رفع یدین ثلاثہ کرتا ہے اور آمین بالجہر بھی کرتا ہے۔ اب زید یہ کہتا ہے کہ اگر ہماری مسجد میں آکر کسی نے رفع یدین کیا یا آمین بالجہر کیا تو ہم اس کو اپنی مسجد سے نکال دیں گے، چونکہ ہماری نماز خراب ہوجاتی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرنا

چاہیے، کیونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے اور وہ بھی عبادت کر رہا ہے، اور جو بھی عمل کر رہا ہے۔ حدیث رسول ہی کے تحت کر رہا ہے۔ تم کو کسی کے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، چونکہ اس سے آپس میں انتشار پھیل جائے گا اور یہ زمانہ انتشار پھیلانے کا نہیں ہے۔ زید کہتا ہے، نہیں ہم اپنی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔ اب اگر زید کی وجہ سے عمر مسجد میں آکر نماز نہیں پڑھ سکتا اور اس کی جماعت چھوٹتی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا اور کیا زید پر وہ آیت کریمہ صادق نہیں آئے گی کہ کون بڑا ظالم ہے ان لوگوں سے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکیں اور جس مسجد میں عام اجازت نماز پڑھنے کی نہ ہو اس مسجد میں جمعہ جائز ہو سکتا ہے۔ اب آپ سے التماس ہے کہ آپ اس مسئلہ کو قرآن وحدیث پاک کی روشنی میں تعصب مذہبی کو دل میں نہ لاتے ہوئے حل فرمائیں تاکہ اس جھگڑے کا خاتمہ ہو؟

مسئولہ عبدالعزیز

الجواب: ظاہر ہے کہ پہلے سنی مقلدین اور غیر مقلدین دونوں مل جل کر ہی نمازیں پڑھا کرتے ہوں گے۔ اب سنیوں کے غیر مقلدین کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے روکنے کی وجہ کیا پیدا ہوئی۔ کاش سوال میں وجہ ظاہر کی جاتی، تو جواب واضح دیا جاتا۔ اب مجمل جواب یہ ہے کہ اگر غیر مقلدین مسجد میں آکر عملاً یا قولاً کسی قسم کا کوئی فتنہ وفساد نہ پھیلاتے ہوں اور سنیوں کی ایذا رسانی کسی طرح نہ کرتے ہوں تو ان کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے، ورنہ غیر مقلدوں کو ضرور ضرور روک دیا جائے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقرہ:۲۱۷] (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے) وقال جل مجدہ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرہ:۱۹۱] (اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے) (معارف)۔ درمختار وعمدۃ القاری میں ہے۔

ویمنع منه کل موذولو بلسانه، مسجد میں آنے سے ہر ایذا رسانی کرنے والے کو روک دیا جائے۔ خواہ وہ زبان ہی سے ایذا دیتا ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٧٥: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید امامت کرتے ہیں۔ بعد نماز جمعہ مسجد میں امام صاحب اپنی ذاتی خانگی معاملات کی تقریر کریں تو مناسب ہے یا نہیں؟ احترام مسجد ہے یا نہیں اور خطبہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے مشرف فرمایا جائے؟

مسئولہ حاجی وصی اللہ، پیلی بھیت، ۸/ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ سہ شنبہ

الجواب: زید ہو یا بکر، امام ہو یا غیر امام، کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی خانگی یا ذاتی معاملہ کی بابت جو محض دنیوی معاملہ ہے۔ مسجد میں اس کے متعلق کوئی گفتگو کرے اور تقریر کے طریقے پر یہ گناہ اور سخت ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ گفتگو اور تقریر احترام مسجد کے منافی ہے اور لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھنا صحیح وجائز ہے اور اس میں کوئی قباحت وکراہت نہیں ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٤٧٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی بلا اجازت زمین مسجد میں لے لی جائے تو مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں؟ دوسرے شخص کی زمین قبرستان تھی وہ بھی مسجد میں لے لی گئی ہے، بلا اجازت ان کے۔ کیا

قبرستان والے لوگ بنانے کی اجازت دینے کے اہل ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ حاجی محمد یوسف، موضع اللہ پور، بھیکن، ضلع مراد آباد، ۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ

الجواب: اہل محلہ یا گاؤں کی اکثریت کو یا پردھان و کھیا کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی زمین میں کسی قسم کا کوئی ناجائز تصرف کرے۔ خاص کر توسیع مسجد کے لیے تو نہایت پاک وصاف زمین کی ضرورت ہے۔ جن جن لوگوں نے ایسا کیا ہو سب کے سب گنہگار ہوئے۔ سب پر لازم ہے کہ وہ غیر کی زمین پر غاصبانہ رویہ اختیار کر کے مسجد میں غیر کی زمین کو شامل کرنے کی وجہ سے جن گناہوں کے مرتکب ہوئے وہ اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جس نے غیر کی زمین کو گرام سبھا کے نام بھروا دیا ہے وہ بھی گنہگار ہوئے وہ بھی توبہ کریں۔ اتنی زمین جس پر ناجائز تصرف کر کے شامل مسجد کیا گیا ہے، اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ اب مزید بقیہ زمین پر کوئی ناجائز تصرف نہ کریں، بلکہ جس کی زمین ہو اس کے ہی حق میں چھوڑ دیں، جو قبرستان کی زمین شخص خاص کی تھی اس کو بھی مسجد میں بغیر اجازت ومرضی مالک کے شامل کرنا گناہ ومعصیت ہے۔ بہر حال اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن جن افراد کی زمین بغیر اجازت ومرضی مسجد میں شامل کر لی گئی ہے وہ لوگ بخوشی اجازت دیدیں تا کہ نماز تو اس میں مکروہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۷۷: صحن مسجد کے متصل فنائے مسجد میں ایک عرصہ سے اکھاڑا قائم ہے، جس میں ورزش کرنے والے لنگوٹ باندھ کر ورزش کرتے ہیں، نمازیوں کو بعض اوقات نماز میں مسجد میں داخل ہوتے ہی ان ورزش کرنے والوں کی شرمگاہوں پر نظر پڑتی ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ فنائے مسجد میں اس طرح کا اکھاڑا قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مرد کے لیے گھٹنوں سے ناف تک شرمگاہ ہے، اتنے جسم کا معالج کے سوا ہر اجنبی مرد سے اور اپنی بیوی اور باندی کے سوا ہر عورت سے چھپانا نماز وغیر نماز ہر حال میں بالاجماع فرض ولازم ہے اور جو شخص قصداً کسی کے سامنے اپنی شرمگاہ کھولے اور ظاہر کرے وہ حرام کا مرتکب ہے، حتیٰ کہ خلوت وتنہائی میں بھی اپنی شرمگاہ کا چھپانا اپنے آپ سے فرض ہے لیکن کسی غرض صحیح کی بنا پر اپنی شرمگاہ خلوت میں کھولے تو جائز ہے۔ جیسے پیشاب وپاخانہ واستنجا اور غسل کے اوقات میں۔ لہٰذا بالعموم آج کل جو اکھاڑے قائم ہیں۔ ان میں اس فرض کو ترک کر کے حرام کا ارتکاب کیا جاتا ہے، ایسے اکھاڑوں کا قائم کرنا مطلقاً حرام وناجائز ہے۔ چہ جائیکہ حدود مسجد میں ایسا اکھاڑہ قائم کیا جائے تو یہ اشد حرام ہے۔ اس لیے کہ مسجد کے حدود کا بھی شرعاً احترام ہے اور حدود مسجد بعض احکام کے اعتبار سے مسجد ہیں اور حدود مسجد کو خارج مسجد صرف بعض احکام کی بنا پر کہا جاتا ہے۔ یعنی اس اعتبار سے خارج مسجد کہا جاتا ہے کہ اس میں جنبی اور حائضہ داخل ہو سکتے ہیں اور کھانا پینا سونا جائز ہے۔ نہ اس اعتبار سے کہ اس میں ہر کام کرنا جائز ہو۔ نہ بانی مسجد حدود مسجد کو ہر کام کے لیے چھوڑتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حدود مسجد کی ہر جگہ میں ہر شخص کے لیے قضائے حاجت وجماع وغیرہ کا کرنا جائز ہو۔ بلکہ حدود مسجد کو بانی مسجد اس لیے چھوڑتا ہے کہ اس سے مسجد کی ضروریات ومصالح وابستہ ہوتے ہیں۔ بہر حال حدود مسجد میں ایسے اکھاڑہ کا قائم کرنا کسی طرح جائز نہیں حرام بلکہ اشد ترین حرام ہے؟

نیز ظاہر ہے کہ مسجد عبادت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ ہر شخص ہر وقت مسجد میں ادائے عبادت کے لیے آسکتا ہے۔ اسی

لیے فقہاء نے مسجد کے دروازے بند کرنے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ بشرطیکہ مسجد کی کسی چیز کے ضائع اور چوری ہونے کا اندیشہ نہ ہو جب مسجد میں عبادت کے لیے کوئی آئے گا۔ تو اس کی نظر ان اکھاڑے والوں پر اور اس کی شرمگاہوں پر پڑے گی۔ جس سے مُصلّی کو ایذا پہنچے گی۔ شریعت مطہرہ نے یہ حکم دیا ہے کہ تمام مصلیوں کو اگر کسی شخص سے یا اس کی زبان سے یا کسی بدبودار چیز کے کھانے پینے سے ایذا پہونچتی ہو تو ایسی صورت میں اس شخص کو نماز جماعت اور مسجد میں حاضر ہونے سے روکا جائے۔ لہٰذا جب عام نمازیوں کو تکلیف وایذا پہونچنے کی بنا پر ایسے شخص کو نماز جماعت اور حضور مسجد سے روکنے کی اجازت مل گئی تو پھر جب حدود مسجد میں شرمگاہ کھول کر ورزش کرنے والوں اور کشتی لڑنے والوں سے نمازیوں کو ایذا پہونچتی ہو تو بطریق اولیٰ ان ورزش کرنے والوں اور کشتی لڑنے والوں کو اس عمل سے روکنا جائز ہوگا۔ درمختار مصری جلد اوّل ص ۲۷۰ میں ہے۔

(و) الرابع (ستر عورته) ووجوبه عام ولوفی الخلوة علی الصحیح الالغرض صحیح وله لبس ثوب نجس فی غیر صلوٰة (وهی للرجل ماتحت سرته الی ماتحت رکبته) چوتھا شرمگاہ کا چھپانا ہے۔ اس کا واجب ہونا عام ہے۔ اگرچہ کہ تنہائی میں ہو۔ صحیح یہی ہے۔ ہاں کوئی غرض صحیح اگر ہے تو ستر کھولنے میں کوئی حرج نہیں اگر حالت نماز میں نہیں ہے تو ناپاک کپڑا پہن سکتا ہے۔ مرد کے لیے ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک ہے۔

شامی میں ہے۔

(قوله وجوبه عام) ای فی الصلوٰة وخار جها، (اس کا قول وجوب عام ہے) یعنی نماز غیر نماز دونوں حالتوں میں ستر کا چھپانا فرض ہے۔

اسی میں ہے۔

(قوله ولوفی الخلوة) ای اذا کان خارج الصلوٰة یجب الستر بحضرة الناس اجماعاً وفی الخلوة علی الصحیح، (اگرچہ کہ تنہائی میں ہو) اگر خارج نماز ہے تو لوگوں کے سامنے ستر کا چھپانا اجماعاً واجب ہے اور تنہائی کے بارے میں بھی صحیح یہ ہے کہ چھپائے۔

قوله (علی الصحیح) لانه تعالیٰ و ان کان یریٰ المستور کمایری المکشوف لکنه یری المکشوف تار کاللادب والمستور متادبا. (ان کا قول علی الصحیح) کیونکہ اللہ تعالیٰ اگرچہ کہ چھپے کو بھی دیکھتا ہے۔ جس طرح کھلے ہوئے کو دیکھتا ہے۔ لیکن وہ کھلے ہونے کی صورت میں تارک ادب کو دیکھے گا او چھپے ہونے کی صورت میں باادب کو دیکھے گا۔

اسی میں ہے۔

(قوله الا لغرض صحیح) کتغوط واستنجاء، (مگر یہ کہ صحیح غرض ہو) جیسے پیشاب وپاخانہ وغیرہ۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۴۸۶ میں ہے۔

واما المتخذ لصلاة جنازة او عيد فهو مسجد فى حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافى حق غيره به يفتى نهايه فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد، خارج مسجد کا جو حصہ نماز جنازہ یا عید کے لیے مخصوص ہے۔ وہ بھی مسجد ہی ہے۔ اس لحاظ سے وہاں تک اقتداء جائز ہے۔ اگرچہ کہ صفوں میں انقطاع ہو رہا ہے۔ اس کا مقصد عوام الناس کو آسانی پہونچانا ہے۔ دوسرے معاملات میں اس جگہ کو مسجد کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ لہٰذا وہاں تک جنبی اور حائضہ آسکتی ہے۔ جیسے کہ فناء مسجد میں آسکتی ہے۔

شامی میں ہے۔

قوله (به يفتى نهايه) عبارة النهاية والمختار للفتوىٰ انه مسجد فى حق جواز الاقتداء الخ، لكن قال فى البحر ظاهره انه يجوز الوطء والبول والتخلى فيه ولايخفى مافيه فان البانى لم يعده لذالک فينبغى ان لايجوز وان حكمنا بكونه غير مسجد وانما تظهر فائدته فى حق بقية الاحكام وحل دخوله للجنب والحائض. (اس کا قول اسی پر فتویٰ دیا جائے گا) نہایہ کی عبارت فتویٰ مختار یہ ہے کہ وہ جواز اقتداء کے معاملہ میں مسجد ہے۔ مگر البحر میں کہا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ اس میں جماع کرنا، پیشاب کرنا اور خلوت کرنا جائز ہو مگر اس کے اندر جو قباحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ بانی نے اس کام کے لیے نہیں بنایا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ نا جائز ہو۔ مگر بقیہ احکام میں اس کا فائدہ ظاہر ہو جائے گا۔ وہاں تک داخل ہونا، جنبی اور حائض کے لیے جائز ہے۔

اسی میں ہے۔

(قوله كفناء مسجد) هو المكان المتصل به ليس بينه وبينه طريق فهو كالمتخذ لصلوٰة جنازة اوعيد فيما ذكر من جواز الاقتداء وحل دخوله لجنب ونحوه كما فى آخر شرح المنية، (اس کا قول فناء مسجد) یہ وہ جگہ ہے جو مسجد سے متصل ہے۔ اس کے اور مسجد کے بیچ کوئی راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس جگہ کے مثل ہو جائے گا، جو نماز جنازہ یا عید وغیرہ کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ اس پر جواز اقتداء مذکور ہوا، نیز جنبی وغیرہ بھی داخل ہو سکتا ہے۔

درمختار مصری جلد اوّل ص ۴۸۸ و ۴۸۹ میں ہے۔

ويحرم فيه السوال واكل نحوثوم ويمنع منه كذاكل موذولوبلسانه (ملخصا) اس کے اندر سوال کرنا، لہسن کھانا حرام ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز سے منع کیا جائے گا جو ایذا پہونچانے والی ہو۔ خواہ زبان ہی کیوں نہ ہو۔

والتفصيل فى ردالمحتار، مسلمان اکھاڑہ قائم کریں تو اس طرح کہ شرمگاہ نہ کھلنے پائے۔ هذاماعندى والله سبحانه وتعالىٰ اعلم.

مسئلہ ۴۷۸: شب قدر یا شب برات یا محرم کو چندہ تحصیل کر کے جماعت سے مسجد میں کھانا پکا کر جماعت ہی کو کھلانا اور مسجد میں شور وغل کرنا کیسا ہے؟ بہت سے لوگ اس کو ثواب سمجھتے ہیں، اگر اس میں ثواب نہیں تو جو چندہ کر کے ایسا کام کرائے، اس کی کیا سزا ہے؟ گنہگار ہے یا نہیں؟

مرسلہ مولوی غلام عباس خاں، سوٹ امریکہ، برٹش گیانا ویلج ترائیوں

الجواب: مسجد میں کھانا پکانے سے اگر یہ مراد ہو کہ مسجد کے بنانے والے نے جتنی جگہ نماز پڑھنے کے لیے معین کی ہے اس میں یا اس کے کسی حصہ میں کھانا پکانا، تو اس میں مسجد کی بے حرمتی ہے۔ مسجد ذکر خدا وعبادت کے لیے ہے، کھانا پکانے کے لیے کیا باورچی خانہ نہیں۔ مسجد میں کھانا پکانا یا شور وغل کرنا سخت گناہ ہے حتیٰ کہ دنیاوی مباح بات چیت کو بھی مسجد میں علماء وفقہاء مکروہ وممنوع فرماتے ہیں اور اگر مسجد کی وہ زمین نماز کے لیے نہ ہو جسے فناء مسجد بھی کہتے ہیں۔ اس میں کھانا پکایا جائے اور مسجد میں شور وغل بھی نہ کیا جائے تو اس طرح چندہ جمع کر کے کھانا پکانا، نمازیوں کو کھلانا ثواب کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۷۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام مسجد کو حقہ پینے کی عادت ہے اور حقہ چھوڑنے سے بیماری ہو جاتی ہے اور حجرہ مسجد کی حد میں ہے۔ پہاڑ کی جانب میں ہے، مگر دیوار بیچ میں ہے اور حجرہ کا فرش اور مسجد کا فرش ایک ہے اور مسجد کا فرش دو یا تین انچ اونچا ہے۔ مسجد کے برآمدے میں کوئی دیوار بیچ میں نہیں ہے اور امام کی چارپائی حجرے کے فرش پر رہتی ہے۔ کوئی پایہ مسجد کے فرش پر نہیں ہوتا اور لائن دونوں کی ایک ہے۔ بیچ میں کوئی آڑ نہیں، تو کیا وہاں حقہ پی سکتے ہیں اور حجرہ مسجد کے صدر دروازہ کے گھستے ہی ہے تو کیا مٹی کا تیل مسجد کے برآمدے میں یا اندر لے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں لے جا سکتے ہیں تو مٹی کا تیل کہاں جلا سکتے ہیں۔ نیز مٹی کا تیل حجرہ کے فرش پر جلا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ حافظ رضاء الحق، مراد آباد، مقام مختار پور نواودہ، مراد آباد، ۸ر جمادی الاول ۱۳۸۱ھ پنجشنبہ

الجواب: امام مسجد پر بھی لازم ہے کہ مسجد کا پورا پورا احترام کرے، مسجد کے کسی حصہ میں حقہ نہ پئے، مسجد کے حجرے میں اور مسجد کے برآمدہ میں پی سکتا ہے، جب کہ حقہ کا دھواں مسجد میں نہ جاتا ہو، مٹی کا تیل اور ہر بدبودار چیز مسجد کے کسی حصہ میں لے جانا ممنوع ہے۔ ہرگز نہ لے جائے، مٹی کا تیل مسجد کے حجرہ اور حجرہ کے برآمدہ میں جلا سکتے ہیں اور تیل کی بدبو ختم کردی جائے، اور مطلقا بدبو نہ رہے تو مسجد میں بھی جلا سکتے ہیں۔ ورنہ مسجد میں ہرگز نہ جلائیں۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۸۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں ننگے پیر، ننگے سر آنا کیسا ہے؟

مسئولہ مولانا عبد الواسع صاحب، از دہلی، ۱۸ر مارچ ۱۹۶۴ء

الجواب: ننگے پاؤں چلتے پھرتے بغیر پاؤں دھوئے مسجد میں داخل ہونا نہ چاہیے، اس لیے کہ یہ فعل احترام مسجد کے خلاف ہے۔ اس طرح کوئی مکلف مسجد میں داخل ہو تو اس کو منع کیا جائے اور ننگے سر مسجد میں داخل ہونے میں کوئی حرج

نہیں، لیکن افضل واولیٰ یہی ہے کہ ہر مسلمان مسجد میں کمال ادب اور خشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہو، سر پر ٹوپی ہو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ:

(۱): ایک بھنگن جس کا شوہر بھنگیوں کا جمعدار تھا۔ ایک آدمی کے ہاتھ دو روپے کا تیل بھیجا اور کہا یہ تیل ملاجی کو جا کر دیدینا اور یہ کہنا کہ جمعدارن نے بھیجا ہے۔ لیکن امام مسجد اس وقت موجود نہ تھے۔ مؤذن مسجد نے یہ سمجھ کر کہ تیل مسلمان نے لایا ہے۔ جمعدارنی بھی مسلمان ہوگی، اس تیل کو مسجد کے تیل کے ساتھ ملا دیا، لانے والے شخص نے کہا کہ تم نے اس تیل کو مسجد کے تیل کے ساتھ کیوں ملا دیا؟ یہ تیل تو بھنگن کا تھا۔ لہٰذا اب اس تیل کو کیا کیا جائے، مسجد میں جلایا جائے یا نہیں؟

(۲): ایک غیر مسلم نے پانچ پیسہ کا سکہ دیا کہ اس کا تیل منگا کر مسجد میں دیدیا جائے، لہٰذا اس کا تیل لاکر مسجد میں جلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالسلام ۴؍ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: (۱): مسجد خانہ خدا اور پاک مقام ہے اس میں کسی ناپاک کے گزرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے نہ اس کے کسی ضروری مصارف میں ناپاک وناجائز پیسہ لگایا جاسکتا ہے۔ بھنگن جمعدارنی کے پیسے کا کوئی اعتبار نہیں کہ وہ پاک اور حلال و جائز تھا یا ناپاک اور حرام وناجائز تھا، اور نہ اس کے بتانے ہی سے اس کے پیسے کو پاک اور حلال وجائز قرار دیا جاسکتا ہے چونکہ اسے پاک وناپاک حرام وحلال اور جائز وناجائز کا علم وامتیاز نہیں ہے۔ لہٰذا بھنگن جمعدارنی کے لیے ہوئے تیل کو جو مسجد کے تیل میں ملا دیا گیا تھا۔ مسجد میں جلانے کے کام میں نہ لایا جائے اور سب تیل کو فروخت کر دیا جائے اور صحیح اندازہ لگانے کے بعد جتنا بھنگن کا تیل تھا اس کی قیمت کسی غریب مسلمان کو دیدی جائے اور بقیہ پیسہ جو مسجد کے سابق تیل کا قرار دیا جائے گا۔ اس کا دوسرا تیل خرید کر مسجد میں جلانے کے کام میں لایا جائے۔ ھذا ماعندی واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲): اس پانچ پیسے کے سکے کو بھی کسی غریب مسلمان کو دیدیا جائے اور اس کا تیل خرید کر مسجد میں ہرگز نہ جلایا جائے۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): مسجد کے امام کے لیے صحن مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا آداب مسجد کے خلاف ہے یا نہیں۔ صحن مسجد میں سونے پر کچھ مقتدیوں کا اعتراض ہے۔ اس کے علاوہ ان کے سونے کے لیے بہت سی جگہ خارج از مسجد ہے، جواب میں انھوں نے یہ کہا کہ بہت سی جگہ صحن مسجد میں چارپائی بچھا کر سوتے ہیں؟

(۲): مسجد میں دو طالب علم چٹائی پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ان کے ڈیڑھ یا دو گز کے فاصلہ پر امام صاحب چارپائی پر بیٹھے ہوئے حدیث شریف پڑھ رہے تھے۔ ایسی حالت دیکھ کر کچھ آدمیوں نے کہا کہ آپ تینوں صاحبان ایک جگہ صحن میں چٹائی پر ہی بیٹھ جائیے یا چارپائی پر ہی بیٹھ جائیے، لیکن انھوں نے نہیں مانا۔ ہم نے عالموں سے

دریافت کیا تو عالموں نے توہین حدیث بتائی؟

مسئولہ محمد ابراہیم ولد امیر، کتب خانہ اجملی محلہ نخاسہ، سنبھل، مراد آباد، ۳؍ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ دوشنبہ

الجواب : (۱): مسجد میں امام صاحب ہوں یا مقتدی یا دیگر اشخاص غیر معتکف کے لیے سونا آداب مسجد کے خلاف و مکروہ وممنوع ہے، اور مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا بلاشبہ مکروہ تحریمی ہے۔ امام صاحب کا عذر، ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ ص ۴۸۶ میں ہے۔

ویکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف، مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا اور کھانا مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم.

(۲): امام صاحب کا یہ عمل بھی غیر محمود ہے۔ ان کو بھی نیچے ہی بیٹھ کر مطالعہ کرنا چاہیے یا سب اوپر ہی مطالعہ کرتے۔ بلاشبہ امام صاحب کا یہ اقدام غلط وباطل ہے اور ادب کے خلاف ہے۔ امام صاحب پر لازم ہے کہ ایسے غلط امور کا ارتکاب نہ کریں اور حدیث پاک کا احترام کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۴۸۳: مندرجہ ذیل سوال کا جواب ازراہ کرم جلد از جلد لکھ کر واپسی ڈاک سے بھیج دیں، بڑا اختلاف پڑ گیا ہے۔ ہمارے محلہ میں ایک قطعہ زمین ہے، جو سطح زمین سے کچھ اونچی چبوترے کی صورت میں ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ پہلے اس جگہ اذان اور نماز ہوا کرتی تھی مگر جتنے لوگ ہیں یہی کہتے ہیں کہ ہم ایسا سنتے ہیں کوئی ایسا گواہ نہیں جس نے آنکھوں سے اس جگہ نماز پڑھتے دیکھا ہو، ایک شخص اس جگہ کو اپنے ذاتی مصرف میں لانا چاہتا ہے اور اس کے بدلے میں کچھ روپیہ کسی دوسری مسجد میں دے دینا چاہتا ہے، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ جگہ بہت زمانہ سے بیکار پڑی ہوئی ہے؟

مسئولہ محمد رحیم اللہ، محلہ بھڑوہ، مدھوپور ضلع سنتھال پرگنہ بہار، ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۹۱ھ جمعہ

الجواب: پوری کوشش ومحنت سے اس محلہ کے پرانے کھتیان، کھیسوٹ، کھسرہ کی تلاش کی جائے، ملنے پر نقشہ میں دیکھا جائے کہ یہ قطعہ کیسا ہے، کس کا ہے۔ اگر صحیح پتہ مل جائے تو جو ثابت ہو اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ یعنی کسی شخص کی یہ زمین ثابت ہو تو اس کو بیع وغیرہ کے سارے اختیارات ہوں گے، یا اس کے وارثوں کو۔ اگر تمام ساکنان محلہ کے لیے یہ زمین چھوٹی ہوئی معلوم ہو تو اہل محلہ کے اتفاق رائے سے یہ زمین بیچ دی جائے اور اس کی قیمت باتفاق جہاں چاہیں لگائیں اور اگر یہ زمین برائے نماز چھوڑی ہوئی معلوم ہو تو پھر اس زمین کو مسجد ہی قرار دے کر اس کا احترام کریں۔ ہو سکے تو چھوٹی سی مسجد ہی اس پر بنوا دیں، یہی حکم اس صورت کا بھی ہے۔ جب کہ اس زمین کے متعلق پرانے کاغذات سے کچھ نہ معلوم ہو اور مشہور بطور سماع بھی ہو کہ پہلے اس جگہ اذان ونماز ہوا کرتی تھی۔ ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ زمین کسی کو کسی معاوضہ میں نہ دی جائے۔ نہ معاضہ کی ایسی کوئی رقم کسی مسجد میں دلائی جا سکتی ہے۔ **ھکذا یفھم من القاعدۃ المذکورۃ فی الفتاوی الھندیہ. واللہ تعالٰی اعلم.**

مسئلہ ۴۸۴: ایک شخص کہتا ہے کہ مسجد کا مصلّٰی ہمارا ہے۔ ہم نے ساڑھے تین سو روپے میں خریدا ہے اور دوسرے لوگ اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ ان کا یہ قول ازروئے قرآن وحدیث کہاں تک ٹھیک ہے اور اس کے کہنے سے ملکیت ثابت

ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو اس میں نماز ہو جائے گی؟

مسئولہ عبدالسلام متصل نئی مسجد، شریف نگر، مرادآباد

الجواب: جس شخص نے مصلّیٰ خرید کر مسجد میں بطور وقف وایصال ثواب دیدیا اور نمازیوں نے اس مصلّیٰ پر نمازیں پڑھیں اور مسجد کے منتظم کے قبضہ میں وہ مصلّیٰ دے دیا گیا تو ایسا مصلّیٰ دینے والے کی ملک سے نکل کر ملک مسجد میں پہنچ گیا۔ ایسی صورت میں شخص مذکور کا کہنا کہ مسجد کا مصلّیٰ ہمارا ہے غلط وباطل اور شرعاً ناقابل اعتبار ہے۔ بلاشبہ ایسے مصلّیٰ پر نماز جائز ودرست ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۸۵: ایک مسجد کی بنیاد پھوس پر ہے۔ محلہ والے بار دیگر مسجد کو از سرنو پھوس کی بنیاد اکھاڑ کر ٹین دینا چاہتے ہیں تو پھوس کی مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جواب خاطر تسکین عنایت فرمائیں؟

مسئولہ شبیر احمد متعلم، جامعہ نعیمیہ مرادآباد

الجواب: دور حاضر میں ایک مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں دے سکتے ہیں۔ جب کہ دوسری مسجد کو ضرورت ہو اور مسجد کے سامان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ علمائے متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ لیکن ایک مسجد کے سامان کو دوسری مسجد کے لیے فروخت کرنا بغیر حکم واجازت قاضی جائز نہیں۔ ردالمحتار مصری جلد ثالث ص ۴۰۷ میں ہے۔

والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلافرق بین مسجد او حوض کمافتی به الامام ابوشجاع امام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولاسیمافی زماننا فان المسجد اوغیره من رباط اوحوض اذالم ینقل یاخذه اللصوص والمتغلبون کماهو مشاهد وکذالک اوقافه یا کلها النظار اوغیرهم ویلزم من عدم النقل خراب المسجدالآخر المحتاج الی النقل الیه. ضروری یہ ہے کہ ایک مسجد کے سامان کو دوسری مسجد کے لئے منتقل کرنے کے سلسلہ میں اوپر ذکر کردہ علماء کی پیروی کی جائے۔ اس سلسلہ میں مسجد اور حوض کے پتھر وغیرہ میں امتیاز نہ کیا جائے۔ جیسا کہ امام ابوشجاع الحلوانی نے فتویٰ دیا۔ اس سلسلہ میں یہی دو حضرات پیشوائی کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ مسجد یا سرائے یا حوض اگر ان کا سامان منتقل نہ کیا جائے، تو یہ چوروں اور سرکشوں کا لقمۂ تر بن جائے گا۔ اسی طرح اس کے اوقاف کو متولیان وغیرہم کھا جائیں گے۔ نیز سامان کے نہ منتقل کرنے سے دوسری مسجد کی ویرانی وبربادی بھی لازم آئے گی۔ حالانکہ وہ ان سامانوں کی ضرورت مند تھیں۔

عالمگیری جلد ثانی ص ۵۵۲و۵۵۳ میں ہے۔

اهل المسجد لوباعواغلة المسجد اونقض المسجد بغیراذن القاضی الاصح انه لایجوز کذافی السراجیه. مسجد کے ذمہ داران نے اگر مسجد کے غلہ یا مسجد کے ملبہ کو بغیر اجازت قاضی بیچ دیا تو صحیح تر یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٤٨٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں قیمۃً یا ہدیۃً دے سکتے ہیں یا نہیں؟ براہ کرم جلد جواب سے نوازیں تا کہ مسجد کی عمارت کی تکمیل کے واسطے کوئی ذریعہ نکالیں؟

مسئولہ محمد امیر الدین، موضع شمبھو گنج ڈاکخانہ شمبھو گنج، ضلع بھاگل پور، ۷ رمئی ۱۹۶۲ء

الجواب: ایک مسجد کی تعمیر کے لیے جو سامان جدید خرید ا گیا ہو وہ سامان اگر تعمیر مسجد سے فارغ بچ رہے تو اس کو قیمۃً بیچا جا سکتا ہے یا جس کے روپے سے وہ سامان خریدا گیا ہو وہ دوسری مسجد کو بھی ہدیۃً دے سکتا ہے اور اگر کسی مسجد کا پرانا سامان تعمیر جدید کے بعد فاضل بچ رہے اور مسجد کو اس کی ضرورت بھی نہ ہو اور اس سامان کو باقی رکھنے سے اس سامان کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا لوگوں کے اٹھا کر لے جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بھی مسجد کا سامان مذکور دوسری مسجد میں دیا جا سکتا ہے، خواہ قیمۃً ہو یا ہدیۃً، ورنہ مسجد کا اور کوئی دوسرا سامان ہرگز ہرگز قیمۃً یا ہدیۃً دوسری مسجد کو نہیں دیا جا سکتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٤٨٧: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے امام نے مسجد کے کام کے لیے ریت خریدا کسی وجہ سے مسجد کا کام رک گیا۔ اب اس مسجد کا امام کسی دوسری مسجد کے متولی کو مسجد کے کام کے لیے ریت قیمت سے یا ریت کے بدلے ریت جو بھی شرط ہو جائے دے سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ متولی مسجد بازار والی، قصبہ بلاری، ضلع مراد آباد

الجواب: اس ریت کو بیچا بھی جا سکتا ہے مگر جب کہ نقصان نہ ہوتا ہو یعنی کم قیمت پر نہ بیچے اور اس طرح بدل بھی سکتا ہے کہ جب اس مسجد کی ضرورت ہوگی تو اتنا ہی ریت دینا ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٤٨٨: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ (۱) اگر کوئی شخص مسجد کی جمع شدہ رقم میں سے کسی دوسری مد میں خرچ کرے تو از روئے شرع کیا حکم ہے، جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر مسجد کی جمع شدہ رقم سے کوئی چیز تیار کی گئی ہو، اس کو اور آدمی اپنے ذاتی کام میں لا سکتا ہے یا نہیں از روئے شرع حرام ہے یا حلال، جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

مسئولہ ذوالفقار، مراد آباد

الجواب: (۱): مسجد کی رقم کا اس کے مصارف ضروریہ و مقررہ کے علاوہ کسی دوسری مد میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر کیا تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا اور اس کو اپنے پاس سے اتنی رقم بطور ضمان و تاوان دینی ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی ص ۵۱۳ میں ہے۔

ولو اشتریٰ بغلته ثوبا و دفعه الی المساکین یضمن مانقد من مال الوقف لوقوع الشراء له کذافی البحر الرائق ناقلاعن الاسعاف، اگر مسجد کی آمدنی سے کپڑا خرید کر مساکین کو دے دیا تو اسے اتنا مال بطور ضمان دینا ہوگا۔ کیونکہ خریداری کا وقوع خریدار کے لئے ہوگیا۔ بحر الرائق میں الاسعاف سے ایسا

ہی منقول ہے۔

اسی کے ص ۵۵۲ میں ہے۔

ولو اشتری القیم بغلة المسجد ثوباً ودفع الی المساکین لا یجوز وعلیه ضمان مانقد من مال الوقف کذافی فتاوی قاضیخان، اگر متولی نے مسجد کی آمدنی سے کپڑا خرید کر غریبوں کو دیا تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں، اسے اتنی رقم بطور تاوان دینی ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): جو چیز مسجد کی رقم سے مسجد کی آمدنی کے لیے تیار کی جائے، اس کو بطور کرایہ واجارہ دوسرے کو دے سکتے ہیں، جیسے کہ مسجد کی رقم سے مکان یا دوکان بنوا کر اس کو کرایہ پر لگا دیا جائے۔ عاریۃ کسی کو دینا صحیح نہیں اور مسجد کا خازن یا متولی بھی ایسی چیز کو اپنے ذاتی کام میں نہیں لا سکتا۔ غیروں کی طرح اجرت پر لے کر اپنے کام میں مسجد کا خازن ومتولی ایسی چیز کو اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

تعمیر مسجد

مسئلہ ۴۸۹: (۱): قبر کو مسجد کے صحن میں داخل کر کے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲): عید کی نماز مسجد میں پڑھنے کی صورت میں کچھ لوگوں کا قبر پر کھڑا ہونا لازم آتا ہے اور اس کے پیچھے میدان ہے لہٰذا ہم لوگ نماز عید کہاں پڑھیں؟

مسئولہ مولوی شہاب الدین، قاضی پورہ، مرادآباد، ۱۶/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ

الجواب: (۱): قبر پر یا قبر کی جانب بغیر سترہ نماز پڑھنا جائز نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں قبروں کو صحن مسجد میں لے کر ان پر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): آپ لوگ عید کی نماز باہر میدان میں پڑھ لیا کریں اور امام کو بھی میدان میں رکھیں۔ اس طرح کہ قبر سامنے نہ ہو اور نہ بیچ میں حائل ہو اور نہ قبر پر کوئی شخص کھڑا ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پرانی عیدگاہ جو مدتوں سے چلی آئی ہے۔ آبادی کے مسلمانوں میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے ایک فریق نے عیدگاہ کو مسجد قرار دے کر عمارت بنالی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اب عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں بحوالہ کتب جواب عنایت کریں؟

مسئولہ سید عبداللہ صاحب، ناؤپوری، ڈاکخانہ ناؤنگر، ضلع ٹیرا، مشرقی پاکستان، ۱۲/ محرم ۱۳۷۲ھ جمعہ

الجواب: عیدگاہ میں جنبی وجنبیہ (یعنی ناپاک مرد وعورت جن پر غسل واجب ہو) داخل ہو سکتے ہیں۔ نیز حیض ونفاس کی حالت میں بھی عورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ عیدگاہ میں کھانا پینا سونا، بغیر کراہت کے جائز ہے۔ ان امور میں عیدگاہ حکم مسجد نہیں رکھتی۔ ان کے علاوہ دیگر امور میں جیسے صحت نماز اور جواز اقتداء اور ادب واحترام میں عیدگاہ قول مختار ومفتیٰ بہ پر حکم

مسجد رکھتی ہے۔ کوئی عیدگاہ کے اندر پاخانہ و پیشاب نہیں کرسکتا، نہ جماع کرسکتا ہے اور نہ اس قسم کے دوسرے کام کرسکتا ہے۔ چونکہ عیدگاہ کا بانی وواقف ادائے نماز عیدین کے لیے بناتا اور وقف کرتا ہے نہ اور کاموں کے لیے۔ لہٰذا جب عیدگاہ میں مسجد تعمیر کی گئی تو اب بھی اس کا وہی حکم ہوگا جو پہلے تھا۔ اس لیے کہ بانی اول اور واقف اقدم کا ہی اعتبار ہوگا۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۸۶ میں ہے۔

واما المتخذ لصلوة جنازة وعيد فهو مسجد فى حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافى حق غيره به يفتى نهايه فحل دخوله لجنب وحائض. جوجگہ نماز جنازہ اور نماز عید کے لیے بنائی گئی وہ اس حیثیت سے مسجد کا حکم رکھتی ہے کہ اس میں اقتداء جائز ہے۔ لوگوں کو آسانی فراہم کرنے کے لئے اگر چہ کہ انفصال صف ہو رہا ہو دوسرے معاملات میں حکم مسجد نہیں رکھے گی۔ لہٰذا جنبی اور حائض داخل ہوسکتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله به يفتىٰ، نهاية) عبارة النهاية والمختار للفتوى انه مسجد فى حق جواز الاقتداء الخ لكن قال فى البحر ظاهره انه يجوز الوطء والبول والتخلى فيه ولايخفى مافيه فان البانى لم يعده لذالک فينبغى ان لايجوز وان حكمنا بكونه غير مسجد وانما تظهر فائدته فى حق بقية الاحكام وحل دخوله للجنب والحائض اه. ان کا قول (اسی پر فتویٰ ہے) نہایہ اور مختار للفتویٰ کی عبارت یہ ہے کہ وہ مسجد ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس میں اقتداء جائز ہے ..... لیکن بحرالرائق میں کہا کہ ظاہر تو یہی ہے کہ عیدگاہ وغیرہ میں وطی اور پیشاب کرنا اور خلوت کرنا جائز ہو لیکن اس میں جو قباحت ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ اس کے بنانے والے نے ان کاموں کے لئے نہیں بنایا۔ لہٰذا مناسب تو یہی ہے کہ یہ امور وہاں جائز نہ ہوں اگر چہ کہ ہم اس کے غیر مسجد ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ البتہ دیگر احکام کے سلسلے میں اس کا فائدہ واضح ہے۔ جنبی اور حائضہ بھی اس میں داخل ہوسکتی ہے۔

ردالمحتار مصری جلد اوّل ص ۴۸۶ میں ہے۔

ومقابل هٰذا المختار ماصححه فى المحيط فى مصلى الجنازة انه ليس له حكم المسجد اصلا وماصححه تاج الشريعة ان مصلى العيد له حكم المساجد و تمامه فى الشرنبلا لية. اس مختار کے مقابل وہ قول ہے جس کی تصحیح المحیط میں کی گئی کہ مسجد جنازہ کو مسجد کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور تاج الشریعۃ نے جس کی تصحیح کی وہ یہ ہے کہ عیدگاہ مسجد ہی کے حکم میں ہے۔

لہٰذا مسجد مذکور بھی حکم مسجد میں ہوئی۔ **هٰذا ماعندى، والله سبحانه وتعالىٰ اعلم.**

مسئلہ ۴۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ:

(۱): زید ایک قصبہ کی جامع مسجد کے پیش امام تھے اور اس مسجد کی مرمت و دیگر امور میں کافی رقم بھی صرف کرتے تھے علم

دین میں کافی دخل رکھتے تھے؟

(۴): بکر عالم دین ہوکر آئے جو اسی قصبہ کے رہنے والے تھے اور ہر دو باعزت ووقار زید بمقابلہ بکر کے کافی دولت مند تھے۔ایک روز کسی نوافل کے مسئلہ میں ہر دو زید و بکر الجھ گئے۔یہ الجھاؤ طول پکڑ گیا۔لہٰذا دو پارٹیاں بن گئیں۔چونکہ زید کی حیثیت معاشی بلند تھی اور ان کی خدمت مسجد کو زیادہ حاصل تھی۔اس لیے امامت سے ہٹائے نہ جاسکے۔بکر اور بکر کے ہم خیالوں نے ایک نئی مسجد کی بنیاد ڈالی۔جہاں نماز ہونے لگی کچھ عرصہ کے بعد نوتعمیر مسجد جو بکر سے متعلق تھی منہدم اور ویران ہوگئی۔چونکہ بکر دلی میں رہنے لگے تھے۔کچھ زمانہ بعد حامیان بکر نے مسجد کی شکل درست کردی۔لہٰذا اس وقت تک کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور سابق جامع مسجد میں علاوہ جمعہ کے پنجگانہ حسب دستور ہوتی ہیں،اب نوتعمیر مسجد کو کچھ لوگ مسجد ضرار کہتے ہیں۔اگرچہ زید و بکر دونوں ہی اس دنیا سے کوچ فرما گئے اور زید و بکر کے جھگڑے کو بھی عرصہ ساٹھ سال کا ہوگیا۔امید کہ جلد اس مسئلہ کو حل فرماکر ہمارے قلوب کو مطمئن فرمائیں گے۔اگر یہ ''مسجد ضرار'' ہوئی تو پھر مسجد کو کیا کیا جائے؟

مسئولہ ظفر عالم عفی عنہ، ۱۴ / ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ

الجواب: ظاہر ہے کہ بکر کی بنائی ہوئی مسجد، مسجد ضرار ہی کے حکم میں ہے۔چونکہ اس کی بنیاد لوجہ اللہ نہ پڑی بلکہ عناد و نفاق بناء مسجد کا باعث ہے۔ہر وہ مسجد جس کی بنیاد و بناء لوجہ اللہ نہ ہو۔وہ مسجد، مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔تفسیرات احمدیہ مطبوعہ دہلی ص ۳۱۲ میں زیر آیت۔

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾ [التوبہ:۱۰۷] الأية قال صاحب المدارک وقيل كل مسجد بنى مباهاة اورياء اوسمعة اولغرض سوى ابتغاء وجه الله اوبمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار، صاحب مدارک نے کہا ''ایک قول یہ ہے کہ جو مسجد فخر کے طور پر، دکھاوے کے لیے، یا رضائے مولیٰ کے حصول کے علاوہ کسی غرض کے لیے بنائی گئی۔یا ناپاک مال سے تعمیر کی گئی، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔(یعنی اسے ڈھادیا جائے)۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم.

مسئلہ ۴۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد تیار کی جارہی ہے۔روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے نامکمل رہی جاتی ہے۔اس صورت میں گاؤں کے بڑے آدمی وہاں کے رہنے والے خواہ امیر ہوں یا غریب ان سے جبراً سختی کے ساتھ روپیہ مانگتے ہیں اور جو غریب ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے تو ان کو مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جورو بیچو، یا لڑکی، یا سامان بیچو۔ہم کو روپیہ دو۔ وہ لوگ مجبوراً زیوروں پر اور سود پر روپیہ لاکر دیتے ہیں۔اس صورت میں جو لوگ ایسا کررہے ہیں ان کے لیے جائز ہے یا نہیں۔جو لوگ پابند شرع ہیں تو ان لوگوں کی نماز اس مسجد میں ہوگی یا نہیں مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد وصال احمد، راجپور کسیریا، ضلع مرادآباد، ۳۱ / مئی ۱۹۵۷ء

الجواب: جو لوگ غریب مسلمانوں سے تعمیر مسجد کے لیے اس طرح جبراً کراہ اور ظلم وستم کرکے مال جمع کرتے اور ایسے مال غیر طیب سے مسجد بناتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔مسلمانوں [illegible]

اس طریقہ پر جو مال حاصل کیا جائے تو وہ مال غیر طیب ہے۔ اس کا تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ مسلمان کی کسی چیز کا اس کی مرضی کے خلاف لے لینا جائز نہیں۔ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں، لایحل لمسلم ان یاخذ عصااخیه بغیر طیب نفس منه، یعنی مسلمانوں کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کی لکڑی بغیر اس کی مرضی کے لے لے، (منہ) جو مسجد ایسے مال غیر طیب سے بنائی جائے، وہ مسجد، مسجد ضرار کے ساتھ ملحق ہے۔ جس میں خداوند قدوس نے اپنے رسول معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ لہٰذا ایسی مسجد میں نماز نہ پڑھی جائے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ، ﴿لاتقم فیه ابدا﴾ .[التوبه:۱۰۸] (اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا) (معارف)۔ تفسیرات احمدیہ مطبوعہ دہلی ص ۳۱۲ میں ہے۔

قال صاحب المدارک .... (پوری عبارت ...۴۹۱... میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۹۳: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مسجد کی عمارت میں کسی قسم کا ناجائز روپیہ کسی صورت سے لگایا جاسکتا ہے یا نہیں اس کی تشریح کردیں؟

مسئولہ عبدالرشید، چکمیاں، پوسٹ رجوں ضلع بھاگل پور، ۱۱ رجون ۱۹۵۸

الجواب: مسجد کو ہم اپنے عرف میں خانۂ خدا (یعنی خدا کا گھر) سے تعبیر کرتے ہیں، وہ ایک مقام متبرک ہے، بندہ وہاں جاکر اپنے مالک حقیقی سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے تو ایک ایسے بزرگ تر مکان میں ناجائز پیسہ لگایا جائے، یہ ہرگز روا نہیں۔ تفسیر احمدی زیر آیت ﴿فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸] (اس میں ایسے مرد لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب پاک وصاف رہیں اور اللہ دوست رکھتا ہے خوب ستھروں کو) (معارف) مذکور ہے۔ تفسیرات احمدیہ مطبوعہ دہلی ص ۳۱۲ میں ہے۔

قال صاحب المدارک .... (پوری عبارت ... مسئلہ ۴۹۱... میں دیکھیں)۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۴۹۴: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ مرادآباد محلہ کسرول میں ایک مسجد ہے جو املی والی کے لفظ سے مشہور ہے۔ اس مسجد کی تعمیر مسماۃ بشیرن نے کرائی تھی اور انہوں نے ہی مسجد سے متصل ایک مکان اور دو دوکانیں جوان کی تھیں مسجد کے مصارف کے لیے وقف کردیا تھا۔ یہ مسجد بہت چھوٹی سی ہے، اہل محلہ کے لیے کافی نہیں ہے۔ بسااوقات اہل محلہ کو مسجد میں جگہ نہ ملنے پر دوسری مسجدوں میں نماز کے لیے جانا پڑتا ہے۔ اس لیے اہل محلہ مکان و دوکانات موقوفہ کو مسجد کی نئی تعمیر میں شامل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسجد کشادہ اور وسیع ہوجائے کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے؟

مسئولہ حاجی عبدالمجید، محلہ کسرول، مرادآباد، ۱۶ راپریل ۱۹۶۲ء

الجواب: مسجد کی تنگی کو دور کرنے کی غرض سے اور محلہ کے نمازیوں کی تکلیف کو دفع کرنے کے خیال سے اہل محلہ کے مکان و دکان کے بعض حصہ کو مسجد میں شامل کرسکتے ہیں، کل مکان و دوکان کو مسجد کی تعمیر جدید میں شامل نہ کیا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد ثانی ص ۴۴۷ میں ہے۔

ارض وقف علی مسجد و الارض بجنب ذالک المسجد و ارادان یزیدوا فی المسجد

شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لهم و مستغل الوقف کالدار والحانوت علیٰ هذا کذا فی الخلاصة. مسجد کے بازو میں کوئی زمین جو اس مسجد کی موقوفہ ہے، اس متصلہ زمین کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اس مقصد کیلئے معاملہ قاضی تک لے جائیں تاکہ وہاں سے اجازت حاصل ہو اور وقف کا گھر یا دوکان جو آمدنی کے واسطے ہو اسکا بھی یہی حکم ہے۔

میرے علم میں اس منقولہ عبارت سے اس فعل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نیز میرے نزدیک یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب پر حضرت عظیم المنزلت الحاج شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری بریلوی مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی کی تصدیق کرائی جائے تاکہ پھر کوئی شک وشبہ اور کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محلّہ اصالت پورہ میں دوکنواں والی مسجد کے احاطہ میں ایک جزء پر مسجد قائم ہے اور دوسری جانب پر ایک کمرہ بجانب جنوب تعمیر شدہ ہے، جس میں مسجد کا سامان و لکڑیاں وغیرہ رکھی رہتی ہیں۔ کمرہ مذکور کے غرب میں ایک پھاٹک ہے جو کرایہ پر دیا ہوا ہے۔ اس پھاٹک کے اوپر ایک کمرہ اور ہے وہ بھی کرایہ پر ہے، اس کی بالائی منزل پر مدرسہ موسومہ یتیم خانہ قائم ہے۔ اب اہل محلّہ کا خیال یہ ہے کہ کمرہ جس میں سامان رہتا ہے اور پھاٹک کو مسجد میں شامل کر کے مسجد کو کشادہ کر لیا جائے اور پھاٹک کا بالائی کمرہ اور مدرسہ حسب دستور باقی رہے۔ ایسی صورت میں بالائی کمرہ مسجد کی چھت کے اوپر رہے گا جس میں دوکان ہے۔ لہٰذا حکم شرع سے آگاہ فرمایا جائے؟

مسئولہ حاجی عبدالوحید، ممبر مرچنٹ، عیدگاہ روڈ، اصالت پورہ، مرادآباد، ۲۴ر مئی ۱۹۶۹ء

الجواب: کمرہ مذکورہ اور پھاٹک کے حصہ کو مسجد میں شامل کر لینا صحیح وجائز ہے، لیکن مسجد میں شامل کرنے کے بعد مسجد کے اس حصہ کی چھت پر آمدنی کے لئے کرایہ پر دینے کو کمرہ بنانا یا مدرسہ کا قیام شرعاً جائز نہیں۔ صرف اوپر کی ہر منزل پر مسجد کی حیثیت کا قائم کرنا تو صحیح ہے، لیکن کسی منزل کے اوپر آمدنی کے لئے مکان و کمرہ بنانا یا مدرسہ کا قیام جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد دوم ص ۴۴۵ میں ہے۔

اذا اراد الانسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقه لیس له ذالک کذا فی الذخیرة. اگر انسان یہ چاہے کہ مسجد کے نیچے یا اوپر مسجد کی آمدنی کی غرض سے دوکان بنادے تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ ایسا ہی ذخیرہ میں ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۴۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد سابقہ سے متصل جانب شمال و جنوب حجرہ تھا اب مسجد میں جگہ کے ناکافی ہونے کے سبب حجروں کو توڑ کر مسجد میں توسیع کر لی گئی۔ اور امام صاحب کے لئے مسجد کی چھت پر جانب شمال کو حجرہ بنا دیا گیا۔ اب جب کہ نیچے کی کل جگہ مع حجرہ کے مسجد میں شامل کر لی گئی تو اس صورت میں مسجد کی چھت پر حجرہ کا بنانا از روئے شرع کیسا ہے۔ نیز اس کو طعام وقیام ورہائش کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو منہدم کر کے دوسری جگہ حجرہ کے بنانے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم وعنایت مدلل طریقہ پر جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور وممنون ہوں؟

مسئولہ صوفی محمد صابر حسین اشرفی، شیدی سرائے اہل کا نالہ، مراد آباد، ۱۵ ردسمبر ۱۹۷۲ء

الجواب: مسجد کی چھت پر امام صاحب کے رہنے کے لئے حجرہ بنانا جائز نہیں ہے اور نہ اس حجرہ میں رہنا سہنا کھانا پینا جائز ہوگا۔ اس حجرہ کو جو چھت پر بنایا گیا ہے منہدم کر دیا جائے اور اس کی بجائے کسی دوسری جگہ حجرہ بنا دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۹۷: کافر یا مرتد نے اپنے پیسے سے مسجد بنوائی اور وہ اسی کے قبضہ میں ہے، تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز کافر یا مرتد سے چندہ وصول کر کے مسجد یا اس جیسے امر دینی میں لگانا کیسا ہے؟

مسئولہ محمد حنیف متعلم، مدرسہ شاہی، مراد آباد

الجواب: کافر و مرتد کے پیسے سے جو مسجد بنوائی جائے گی، شرعاً وہ مسجد نہ ہوگی۔ لیکن اگر کافر و مرتد کی بنوائی ہوئی مسجد پاک وصاف ہو اور اس نے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہو تو اس میں نماز صحیح و جائز ہوگی۔ مگر مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔ چونکہ شرعاً یہ مسجد، مسجد قرار نہیں پائی۔ کسی کافر و مرتد سے چندہ لے کر مسجد میں ہرگز نہ لگایا جائے اور دوسرے امور دینیہ میں بھی اس کے چندے کے پیسے نہ لئے جائیں او نہ خرچ کئے جائیں۔ تفسیر احمدی میں زیر آیت ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِي النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ [التوبہ: ۱۷] (مشرکین کا کام نہیں ہے کہ آباد کریں مسجدیں اللہ کی گواہی دیتے ہوئے اپنے اوپر کفر کی۔ ان لوگوں کا کیا دھرا اکارت ہوگیا اور دوزخ میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں) (معارف) مذکور ہے۔

والمعنى ما صح للمشركين و ما استقام لهم تعمير المساجد حال كونهم شاهدين على انفسهم بالكفر يعنى لا يستقيم لهم الجمع بين المتنا فيين عمارة بيت الله و عبادة غيره ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ [التوبہ: ۱۸] اى المومنون الجامعون للكمالات العلميه و العملية فا لمقصود ان الله تعالىٰ منع المشركين عن تعمير المساجد حال كو نهم على الشرك و اجاز ذالك لمن كان جامعاً للصفات المذكورة خاصة و قال صاحب المدارك و كذا القاضى الاجل آخذا من كلام صاحب الكشاف و عمارتهاتتناول رم ما استرم منها وقمها و تنظيفها و تنوير ها بالمصابيح. وصيانتها مما لم تبن له من المساجد من احاديث الدنيا لانها بنيت للعبادة والذكر والمراد من الذكر درس العلم انتهىٰ كلامه فعلم منه ان البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الاولىٰ فان اراد كافر ان يبنى مساجد او يعمر ها يمنع منه و هو المفهوم من النص. مشرکین کو اجازت نہیں کہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کریں جبکہ وہ حالت کفر میں ہوں۔ یہ وہی لوگ ہیں، جن کے اعمال اکارت ہوئے اور جہنم میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے لئے صحیح نہیں، درست نہیں کہ وہ مساجد کی تعمیر کرائیں جبتک کہ وہ کافر ہیں۔ یعنی

ان کے لئے درست نہیں کہ دو منافی باتوں کا ارادہ کریں۔ یعنی اللہ کے گھر کی تعمیر اور غیر اللہ کی عبادت۔
(اللہ کی مسجدیں وہ آباد کرتے ہیں جو ایمان لے آئے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور قائم کی نماز کو اور دی زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوا اللہ کو) (معارف)۔ وہ مومن ہیں جو علمی اور عملی کمالات کے جامع ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو تعمیر مسجد سے منع فرمایا۔ جب تک وہ شرک پر ہیں اور اسکی تعمیر کو اس کے لئے جائز قرار دیا جو صفات مذکورہ کے جامع ہیں۔ صاحب مدارک نے کہا: نیز قاضی اجل نے صاحب کشاف کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے یہی معنی لیا: 'مساجد کو آباد کرنے سے مراد اس کی حسب ضرورت تعمیر و مرمت، دیکھ بھال، صفائی، روشنی نیز مساجد کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھنا جن کے لئے وہ نہیں بنائی گئی۔ جیسے مساجد میں دنیاوی گفتگو کرنا، کیونکہ مسجدیں عبادت اور ذکر کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ذکر سے مراد علم دین کا درس ہے۔ ......اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نئی تعمیر کافروں کے لئے بطریق اولی ممنوع ہے۔ اگر کوئی کافر مسجد بنانا چاہے یا اس کی آباد کاری کا ارادہ کرے تو اس کو اس کام سے روک دیا جائے گا۔ نص قرآن سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

اسی میں زیر آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَاراً اَوْ كُفْراً اَوْ تَفْرِ يْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ الخ [التوبہ:۱۰۷] (اور جنہوں نے بنالی مسجد نقصان پہونچانے کو اور کفر کی بناء پر اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کو) (معارف) مندرج ہے۔

> و قال صاحب المدارک و قيل كل مسجد بنى مباهاة او رياء او سمعة او لغرض سوىٰ ابتغاء وجه الله او بمال غير طيب فهو لا حق بمسجد الضرار هذا لفظ اخذ ذالک من الكشاف. صاحب مدارک نے کہا: "ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ مسجد جو نام و نمود یا فخر و مباہات یا کسی ایسے غرض سے بنائی گئی جس میں اللہ کی رضا کی تلاش شامل نہیں یا ناپاک مال سے تعمیر کی گئی وہ مسجد ضرار سے ملحق ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو تفسیر کشاف سے لئے گئے ہیں۔ والله تعالىٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے باپ نے اپنے گھر کے پاس اپنی زمین میں اپنے خرچ سے ایک مسجد بنوائی۔ جس میں علاقہ کے مسلمان صرف جمعہ پڑھنے آتے ہیں۔ وہاں صرف زید ہی کا مکان ہے اور مسلمان دو گھر چار گھر کر کے ہر چہار طرف میل ڈیڑھ میل پر آباد ہیں۔ ادھر چند سال سے زید سے اور علاقہ کے چند گاؤں والوں سے سخت اختلاف ہو گیا ہے۔ اس بناء پر اکثر جمعہ کے موقعہ پر جھگڑا ہوتا رہتا ہے اور زید کو نمازیوں سے اور نمازیوں کو زید سے خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے علاقہ کی چند آبادیوں کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ جہاں پر کچھ گھر زیادہ ہیں، مسجد بنالیں تاکہ نماز پنجگانہ بھی ادا ہو اور جمعہ اور عیدین بھی ادا کیا کریں۔ اور اس جھگڑا اور فساد سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے۔ وہ مسجد اگرچہ زید کے والد مرحوم نے اپنے خرچ سے بنوائی تھی، لیکن اس کے تمام تعمیری اخراجات اور مؤذن وغیرہ کا خرچ علاقہ کے مسلمان کے چندے سے پورا ہوتا رہا۔ لیکن زید نے اس مسجد کو ہنوز اپنی ملکیت سے نہیں نکالی ہے، بلکہ اپنی مسجد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اور کسی کی بھی نہیں چلتی۔ بلکہ اس سال عید کی نماز کے موقعہ پر زید نے

فورس منگوا کر رکھا تھا کہ نماز پڑھنے جو جائیں اس کو گرفتار کرایا جائے۔ بالآخر یہ لوگ ایک میدان میں نماز پڑھ لیا وغیرہ وغیرہ
ایسی صورت میں یہ لوگ دوسری مسجد بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ محمد خلیل الرحمٰن متعلم، مدرسہ خیر المدارس ۲ رفروری ۱۹۶۶ء

الجواب: جہاں تک کسی مسجد کی تعمیر کا سوال ہے تو مسلمان جہاں کہیں بھی رہتے سہتے ہوں وہاں پر اپنی نمازوں کے بسہولت و باجماعت ادا کرنے کے لئے بلاشبہ نئی مسجد بنوا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس شکل میں جب کہ مسجد مذکور کے متولی سے ملحقہ مواضعات کے لوگوں کا جھگڑا رگڑا ہوتا رہتا ہے تو بطریق اولیٰ مسلمان جس گاؤں میں مناسب جانیں نئی مسجد تعمیر کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس مسجد کی تعمیر کی غرض خالصاً لوجہ اللہ ہے اور رفع شر و دفع فتنہ بھی مقصود ہے۔ قال النبی صلی تعالی

من بنیٰ مسجد ا بنی الله له بیتا فی الجنة. جس نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر کوئی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر تعمیر کرے گا۔

اگر نئی مسجد کی تعمیر کی غرض دوسری مسجد کو ویران کرنا ہو تو اس صورت میں نئی مسجد کی تعمیر نا جائز ہوگی یا اور کوئی غرض فاسد کی بناء پر ہو تو نئی مسجد کی تعمیر نا جائز ہو سکتی ہے اور غرض صحیح کی بناء پر جس مسجد کی بھی تعمیر کی جائے وہ یقیناً صحیح و درست و مباح ہے۔ لہٰذا نماز پنجگانہ کے لئے جس گاؤں میں مناسب ہو نئی مسجد تیار کریں۔ اور اس میں نماز پنجگانہ باجماعت ادا کریں۔ لیکن نئی مسجد میں نماز جمعہ وعیدین کا قائم کرنا شرعاً درست نہیں۔ زید کے باپ نے جس مسجد کی تعمیر اپنی زمین میں اپنے خرچ سے کرائی تھی، جب اس میں عام مسلمانوں نے بانی مسجد کی اجازت سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ مسجد وقف ہوگئی۔ زید کا یہ کہنا کہ مسجد میری ملکیت میں ہے، میں نے اسے اپنی ملکیت سے نہیں نکالا، شرعاً غلط اور نا قابل اعتبار ہے۔ زید کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے روکے اگر زید لوگوں کو مسجد مذکور میں نماز پڑھنے سے روکے گا یا منع کرے گا تو وہ آیت کریمہ ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا﴾ [البقرة: ۱۱۴] (اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جس نے روک دیا اللہ کی مسجدوں کو کہ یاد کیا جائے ان میں اس کا نام اور کوشش کی ان کی ویرانی میں) (معارف) کی وعید شدید کا مستحق و گنہگار اور فاسق و فاجر قرار پائے گا۔ ہر مسلمان کو حق پہنچتا ہے کہ اس میں نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدین اور نوافل وغیرہ ادا کریں۔ قال الله تعالیٰ ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ الیٰ قوله سبحانه ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ.﴾ [التوبة: ۱۰۷، ۱۰۸] (اور جنہوں نے بنائی مسجد نقصان پہونچانے کو اور کفر کی بناء پر اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کو اور انتظار میں اس کے جس نے جنگ کی ہے اللہ اور اس کے رسول سے پہلے) .... (ضرور وہ مسجد جس کی بنیاد رکھی گئی ہے خوف خدا پر پہلے ہی دن سے زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو) (معارف) اسی آیت کے تحت تفسیر احمدی میں ہے۔

و قال صاحب المدارک و قیل کل مسجد بنی مباهاة او ریاء او سمعة او لغرض سویٰ

ابتغاء وجه الله او بمال غير طيب فهو لا حق بمسجد الضرار هذا اللفظ اخذ ذالک من الكشاف. و قال صاحب الكشاف و عن عطاء لمافتح الله تعالیٰ الامصار علی عمر رضی الله تعالیٰ عنه. امر المسلمين ان يبنوا المساجد و ان لا يتخذو ا فی مدينة مسجدين يضلو احد هما صاحبه هذا لفظه. صاحب مدارک نے کہا۔ ''ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ مسجد جو نام ونمود یا فخر ومباہات یا کسی ایسے غرض سے بنائی گئی جس میں اللہ کی رضا کی تلاش شامل نہیں یا ناپاک مال سے تعمیر کی گئی وہ مسجد ضرار سے ملحق ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو تفسیر کشاف سے لئے گئے ہیں۔ صاحب کشاف نے کہا اور عطاء سے روایت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے مختلف ممالک حضرت عمر کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ مساجد کی تعمیر کریں اور ایک شہر میں دو مسجد نہ بنائیں جس سے تفریق ہو۔

درمختار مصری جلد ثالث ص ۵۱۰ و ۵۱۱ میں ہے۔

و يزول ملكه عن المسجد والمصلی بالفعل و بقوله جعلته مسجداً. یہ کہہ دینے سے کہ میں نے مسجد بنانے کے لئے دے دیا، ملک زائل ہو جائیگی اور نماز جماعت اس میں ہوتے ہی وہ مسجد کا حکم لے لیگی۔

ردالمحتار میں ہے۔

(قوله بالفعل) ای بالصلوٰة فيه ففی شرح الملتقیٰ ان يصير مسجداً بلا خلاف ثم قال عند قول الملتقی و عند ابی يوسف يزول بمجرد القول و لم يردانه لا يزول بدونه لما عرفت ان يزول بالفعل ايضاً بلا خلاف اه قلت و فی الذخيرة و بالصلوٰة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف حتی انه اذا بنی مسجدا و اذن للناس بالصلوٰة فيه جماعة فانه يصير مسجداً. متن جو لفظ بالفعل ہے اس کا مطلب اس میں نماز پڑھا جانا ہے شرح الملتقیٰ میں ہے کہ وہ مسجد ہو جائے گی بلا خلاف۔ پھر کہا ملتقیٰ اور ابو یوسف کے مطابق صرف کہہ دینے سے ملکیت زائل ہو جائے گی۔

اسی صفحہ میں چند سطروں کے بعد ہے۔

فاذا اذن بالصلوٰة فيه قضی العرف بزواله عن ملكه اذا قال جعلته مسجداً فالعرف قاض و ماض بزواله عن ملكه ايضاً غير متوقف علی القضاء و هذا هو الذی ينبغی ان لا يتر د فيه. جب اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تو محض یہ کہنے سے کہ میں نے اسے مسجد بنا دی، عرف و عادت کا یہ فیصلہ ہو گیا کہ اب وہ جگہ ایسا کہنے والے کی ملکیت سے نکل گئی۔ کیونکہ اس معاملہ میں عرف ہی حاکم ہے، ملکیت کے زائل ہونے میں اسی کا فیصلہ جاری ہوگا۔ قاضی کے فیصلہ پر موقوف نہیں رہے گا۔ یہ ایسی بات ہے جس میں تردد نہیں ہونا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد ثانی ص ۵۴۵ میں ہے۔

التسلیم فی المسجد ان یصلی فیه الجماعة باذنه. مسجد کے معاملہ میں سپردگی اس وقت مکمل ہو جائے گی جب اس میں نماز باجماعت کی اجازت دے دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۴۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا پرانا دروازہ بند کر کے قبرستان کی طرف کھولنا چاہتے ہیں، جسکی آمد و رفت قبرستان میں رہے گی اور پرانا غسل خانہ توڑ کر نیا غسل خانہ بنانا چاہتے ہیں جس کی بنیاد پختہ قبر کے اوپر رکھنا چاہتے ہیں اور غسل خانہ کی نالی قبرستان میں نکالنا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ پرانا دروازہ بند کر کے مسجد کی آمدنی کے لئے دوکان بنائی جائے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

مسئولہ ملا عبد الرحمٰن متولی، مسجد ہری چک، مراد آباد، ۹؍ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

الجواب: مسجد کا دروازہ قبرستان کی اراضی میں اس طرح کھولنا کہ لوگوں کی گزر راو رآمد و رفت قبروں پر سے ہو اسی طرح غسل خانہ قبر پر بنانا اور اس کی نالی قبرستان کی طرف نکالنا یہ تمام امور مکروہ اور ناجائز ہیں۔ لہٰذا مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے امور مذکورہ کا ارتکاب ہرگز نہ کریں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۷ میں ہے۔

کره وطؤها بالا قدام لما فیه من عدم الاحترام و قال قاضیخان ولو وجد طریقا فی المقبرة و هو یظن انه طریق احد ثوه لا یمشی فی ذالک. قبر پر چلنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بے حرمتی ہے۔ قاضی خاں نے فرمایا اگر مقبرہ میں راستہ پایا۔ اس کا گمان ہے کہ یہ نیا راستہ ہے تو نہ چلا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مصلیان مسجد کی دن بدن ترقی کی بنا پر مسجد کے صحن میں چھت بنوانا از روئے شرع محمدی ﷺ جائز ہے یا ناجائز؟ زید کہتا ہے کہ صحن کا کھلا رکھنا جائز ہے اور بکر کہتا ہے صحن میں چھت ڈلوانی ہی از روئے شرع جائز ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لہٰذا دریافت طلب مسئلہ یہ کہ صحن پر چھت ڈلوانی از روئے شرع جائز ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ لہٰذا دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صحن پر چھت ڈالنی شریعت مطہرہ کے مطابق اور جن جن مسجدوں میں صحن پر چھت پڑی ہوئی ہے اس چھت کے سائے میں نماز پڑھنی جائز ہے کہ حرام؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ سید محمد عبد القادر صاحب، سکریٹری مسجد، حاجی پور روڈ، ضلع کٹک اڑیسہ، ۳۰؍محرم ۱۳۸۵ھ

الجواب: بلاشبہ صحن مسجد میں چھت ڈلوانا اور چھت کے سائے میں نماز پڑھنا شرعاً درست و جائز ہے۔ جس پر شریعت طاہرہ میں منع اور ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ بکر کا قول صحیح و معتبر ہے اور زید کا زعم منع فاسد و غیر معتبر۔ صحن مسجد میں برآمدہ تعمیر کرنے کا اصل منشا یہ ہے کہ نمازی کو تیز دھوپ اور بارش اور سردی کے موسم میں ادائے فرائض پنجگانہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اس کی تعمیر سے صحن کے برآمدہ کے اندر ادائے نماز میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۰۱: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مکان ہے جس کا کرایہ مسجد کے مصارف میں لگایا جاتا

ہے اگر کوئی ہندو اس مکان میں اپنی طرف سے کچھ لگانا چاہے اور اس کی آمدنی سے مسجد کو فائدہ پہنچتا ہو تو کیا ایسی رقم مکان مذکور میں لگائی جا سکتی ہے؟

مسئولہ الطاف حسین، محلہ کنجری سرائے، کوٹھی والان، مراد آباد، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ یکشنبہ۔

الجواب: جو مکان مسجد کی آمدنی کے لئے اس غرض سے بنایا جائے کہ اس کے کرایہ سے مسجد کے امام و مؤذن اور بجلی، پانی، لوٹے، صفیں اور دیگر مصارف کو پورا کیا جائے گا۔ ایسے مکان کی تعمیر میں اگر کسی غیر مسلم کا روپیہ لگے یا لگایا جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ چونکہ غیر مسلم کا روپیہ تو مکان کی تعمیر پر خرچ ہوا اور ضروریات مسجد میں کرایہ دار سے وصول شدہ رقم صرف ہوئی۔ مسجد کی تعمیر پر غیر مسلم کا روپیہ خرچ نہ ہوا۔ شرعاً تعمیر مسجد پر غیر مسلم کا روپیہ خرچ کرنا ممنوع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِي النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾[التوبہ:۱۷] (مشرکین کا کام نہیں ہے کہ آباد کریں مسجدیں اللہ کی گواہی دیتے ہوئے اپنے اوپر کفر کی۔ ان لوگوں کا کیا دھرا اکارت ہوگیا اور دوزخ میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں) (معارف)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین درمیان اس مسئلہ کے کہ ایک شیعہ کا پیسہ مسجد اہل سنت کی تعمیر میں لگانا چاہئے یا نہیں؟ صحیح جواب کتاب و سنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں؟

مسئولہ........ ۵/ مئی ۱۹۶۶ء

الجواب: شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بدگوئی اور تبرا بازی کی بنا پر خارج از اسلام اور کافر و مرتد ہے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے عقائد باطلہ کے باعث وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی رافضی کا پیسہ کسی اہل سنت کی مسجد کی تعمیر و عمارت میں ہرگز ہرگز نہ لگایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۰۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور دوسرے اہل خیر حضرات دو قدیم شکستہ قناتی مسجدوں کو جو غیر محفوظ اور بالکل متصل تھیں اور زید کی اپنی زمین پر واقع تھیں، ایک شاندار مسجد میں تبدیل کرنے کے لئے تعمیری کام شروع کیا۔ بکر جو ایک ذی اثر شخص ہے اور ایک طبقہ اسے بزرگ مانتا ہے اور بیعت بھی حاصل کرتا ہے۔ بکر سجادہ نشینی کی رسم بھی ادا کرتا ہے اور اس نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر تعمیری کام رکوا دیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شب کی تاریکیوں میں پوری مسجد ڈھا دیا۔ اسلامی قوانین کی روشنی میں علمائے کرام ایسے شخص کے ایمان اور اس کی بیعت کے بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں، اور ایسے موقع پر جب کہ جانبین مسلمان ہیں۔ زید اور دوسرے اہل خیر حضرات کو جو مسجد کی تعمیر کرا رہے تھے قوانین اسلام و احکام شریعت مطہرہ کی رو سے اب کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا

مسئولہ محمد آفاق احمد، نگلا، بجنور، ۳ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

الجواب: بلاشبہ غیر آباد اور غیر محفوظ مسجدوں کو از سر نو تعمیر کر کے آباد کرنا اخلاص اور نیت صالحہ کے ساتھ مومنین مخلصین صالحین کا کام ہے اور ایسی مسجدوں کی تعمیر کو روکنا بلکہ تعمیر شدہ حصہ کو ڈھا دینا کسی مومن کامل کا کام نہیں۔ بلکہ یہ کام بخت نصر

اور ابرہہ جیسے بے دین اعدائے اسلام ومشرکین اور ضعیف الایمان فاسقین کا کام ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بکر کا مسجد مذکور کی تعمیر کو روک دینا بلکہ ڈھا دینا اگر زید کی عداوت ودشمنی کی بنا پر ہے تو بلاشبہ بکر فاسق معلن اور فاجر حرامکار، گنہگار ہے۔ وہ منصب سجادہ نشینی کا ہرگز ہرگز اہل نہیں ہوسکتا اور اس کی بیعت بھی جائز نہیں۔ اور اگر اس کا یہ غلط اقدام بارادۂ توہین بیت اللہ واہانت خانۂ خدا وبارادۂ تخریب شعار اسلا م ہے تو بکر دائرۂ اسلام ہی سے خارج ہوگیا۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرہ : ۱۱۴] یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مسجدون میں ذکر کرنے اور اس کا تذکرہ کئے جانے سے منع کرے اور مسجدوں کے ویران کرنے میں سعی کرے (منہ)۔ تفسیر احمدی میں زیر آیت مذکورہ مذکور ہے۔

والمعنی ای لیس احد اظلم من شخص منع مساجداللہ عن ذکر ا سمہ تعالیٰ و سعیٰ فی خراب تلک المساجد. معنی یہ ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جس نے اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے نام کے ذکر سے روکا اور اس کی بربادی میں کوشش کیا۔

اسی میں ہے۔

نزلت فی حق ملک اسمہ طیطولس من ملوک نصاریٰ فانہم خربو ابیت المقدس عداوۃ للیہود و حر قو التوراۃ والقوہ فی القذرات و قتلو ا ہود و سبوا نساء ہم و ذراریہم او فی حق بخت نصر فانہ کان ملکا مجو سیا وخرب المسجد اعانۃ للنصاریٰ للعداوۃ اللتی کانت بینہم و بین الیہود. یہ آیت طیطولس بادشاہ کے حق میں نازل ہوئی جو نصرانی بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اس نے یہودیوں کی عداوت میں بیت المقدس کو مسمار کردیا تھا۔ توریت شریف کو جلا کر گندگی میں پھینک دیا تھا۔ یہودیوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور باندیوں کو قیدی بنالیا۔ یا بخت نصر کے بارے میں نازل ہوئی وہ ایک مجوسی بادشاہ تھا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے مابین قدیم دشمنی کی وجہ سے اس نے نصاریٰ کا ساتھ دیا اور مسجد کو مسمار کردیا۔

اسی میں ہے۔

والمقصود من ذکر الآیۃ انہا تدل علی ان ہدم المساجد و تخریبہا ممنو ع. آیت کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ مساجد کو منہدم کرنا اور اسے ویران کرنا ممنوع ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۰۴: زید کے یہاں جامع مسجد ہے اور کل چیزیں مثل چٹائی وغیرہ زید ہی فراہم کرتا ہے اپنے پیسے سے۔ اور مسجد بھی انہیں کی زمین میں ہے وہ جیسا چاہتا ہے مسجد کو بناتا ہے اور کبھی محراب آگے رکھتا ہے کبھی بیٹھک کی شکل بناتا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ کوئی نماز پڑھنے آوے یا نہ آوے اور مسجد میں بہت سی چیزیں بھی اپنی حفاظت کے خیال سے رکھتا ہے۔ جیسے دیگ وغیرہ۔ وہ صرف اپنا حکم چلاتا ہے اور دوسرے کا کوئی دخل نہیں، حالانکہ سب کا دخل خانۂ خدا میں مساوی ہونا چاہئے۔

لہٰذا ایسی صورت میں جمعہ کی نماز اور پنجوقتہ نماز پڑھنا اس میں کیسا ہے۔ اور زید کا بیٹا نام کا مولوی ہے وہ کہتا ہے میری مسجد و دروازہ ہے میرا بیٹا پڑھائیگا دوسرے کو وہ حکم دے تب۔ حالانکہ زید کا بیٹا نام کا مولوی ہے تلفظ بالکل صحیح نہیں۔ اب ان کے بیٹے کے پیچھے اور مسجد مذکور بالا میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

مسئولہ حاجی ثناء اللہ صاحب، پورنیہ، بہار، ۱۸؍رمضان ۱۳۸۶ھ

الجواب: ایسی مسجد کو جامع مسجد کہنا یا لکھنا ہی صحیح نہیں۔ بلکہ ایسی مسجد کو شرعاً مسجد بیت کہتے ہیں۔ اگر شہر میں ہے تو اس میں جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اذن عام ہو ورنہ جمعہ جائز نہیں۔ پنجوقتہ نماز کا پڑھنا ایسی مسجد میں صحیح و جائز ہے۔ مسجد بیت میں اس کا مالک ہر کام کرسکتا ہے۔ شرعاً وہ مسجد وقف کی نہیں قرار دی جاسکتی۔ جس میں ہر مسلمان کو دخل دینے کا حق ہو۔ اپنی مسجد بیت میں زید کو کوئی اس کے بیٹے کے امام بنانے سے روک نہیں سکتا۔ جس کے خیال میں اس کے بیٹے کی امامت ناجائز ہے وہ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھے، بلکہ اپنے گھر میں تنہا یا بجماعت نماز پڑھے یا محلہ میں کوئی دوسری مسجد ہو اور اس کا امام صحیح معنی میں قابل امامت ہو تو اس کے پیچھے نماز ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند آدمی مل جل کر مسجد بنائے مگر مسجد کا کام تمام نہ ہوا اور روپیہ ختم ہوگیا۔ بارش بہت زیادہ ہو رہی تھی، مسجد کی دیواریں گر جانے کا خطرہ ہوا۔ پھر چندہ کیا گیا اس سے بھی کام پورا نہ ہوا، آخر مجبور ہو کر ایک مہاجن سے پندرہ سو روپیہ لے کر ٹالی خرید کر اس مسجد کی چھت بنائی گئی۔ جس کا ۲۵؍روپیہ سود دیا گیا۔ اب اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہوا، بعض لوگوں نے کہا اس مسجد کو توڑ دو اور بعض نے کہا کہ اس مسجد میں نماز پڑھنی بالکل جائز نہیں ہے۔ از روئے شرع کیا حکم عائد ہوتا ہے، اس مسجد میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بالکل توڑ دی جائے گی یا بغیر توڑے پاک ہونے کی کوئی صورت ہے۔

مسئولہ لیاقت، بسرائیل، بندرہ، مغربی دیناجپور، ۲۳؍محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

الجواب: ایسی مسجد جو حلال وطیب مال سے نہ بنائی گئی ہو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جیسے غصب کردہ زمین میں نماز مکروہ ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس میں نماز بالکل جائز نہیں ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے۔ نماز جائز ہوگی مگر بکراہت۔ ایسے مال حرام سے تعمیر کردہ مسجد کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کی پہلی چھت کو توڑ کر دوبارہ پاک اور حلال روپئے سے دوسری چھت بنائی جائے۔ غنیۃ المستملی ص ۵۷۱ میں ہے۔

> رجل بنی مسجداً علیٰ سور المدینۃ لا ینبغی ان یصلی فیہ لانہ حق العامۃ فلم یخلص للہ تعالیٰ کالمبنی فی ارض مغصوبۃ اگر کسی نے شہر پناہ پر مسجد بنائی تو اس میں نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں عوام کی حق تلفی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ رہی۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی غصب کی ہوئی زمین پر عمارت بنادے۔

تفسیر احمدی زیر آیت والذین اتخذوا مسجدا ضرارا الخ میں مذکور ہے۔

> وقال صاحب المدارک و قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی

ابتغاء وجه الله او بمال غیر طیب فهو لا حق بمسجد الضرار. والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ درمیان شہر مراد آباد کی جامع مسجد کے صحن میں ایک حوض برائے وضو قدیمی موجود ہے جو کہ صدقہ جاریہ ہے۔ اب چونکہ صحن مسجد کو وسیع کرنے کے سلسلے میں جدید حوض تعمیر کرایا گیا ہے اور قدیمی حوض کو بند کیا جانا تجویز ہوا ہے۔ لیکن اگر ایسا کیا جائے کہ قدیم حوض برقرار رہے، اس کا سائبان اتار کر اور مناسب ترمیم کے بعد حوض قدیمی قابل استعمال رہے اور جماعت کی صفوں میں کسی قسم کی رکاوٹ یا کمی بھی واقع نہ ہو تو یہ کام صحیح اور اولیٰ ہوگا۔ یا اس صدقہ جاریہ یعنی قدیمی حوض کی نمود ختم کر دیا جائے اولیٰ وصحیح کیا ہوگا؟

مسئولہ رضوان الحق، جامع مسجد، مراد آباد، ۴ رجمادی الآخر ۱۳۸۸ھ

الجواب: عقلاً وشرعاً ہر اعتبار سے یہی طریقہ اولیٰ ہے کہ قدیمی حوض کو باقی رکھتے ہوئے ایسی مناسب ترمیم کریں، جس سے صفوں میں رکاوٹ بھی نہ ہو اور صدقہ جاریہ کا ثواب بھی قدیم حوض کے بانیوں کو ملتا رہے۔ قابل معماروں کے مشورہ سے نیز ماہر انجینیروں کے مشورہ سے ایسی تدبیر کی جائے کہ ڈاٹ لگا کر صفوں کا مناسب نظم قائم رکھا جائے۔ اور وضو کے کام میں حوض قدیم کو لایا جا سکے۔

ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

یا اردو کی مثل مشہور کہ "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" کا مصداق ہو۔ قدیم حوض کو ختم نہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): جس مسجد یا عیدگاہ میں شراب کی کمائی کا روپیہ لگایا گیا ہو، آیا اس مسجد یا عیدگاہ میں نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲): زید کے گھر کاشت ہے جو حلال کمائی کی ہے، جس میں پیداوار بخوبی ہوتی ہے اور زید کا شراب کا بھی پیشہ چل رہا ہے اب اس کے پاس دو مد کے روپے ہیں۔ پھر زید کاشت کا پیسہ کہہ کے مسجد یا مدرسہ یا عیدگاہ میں لگانا چاہتا ہے تو عند الشرع یہ پیسہ ان کاموں میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ (۳): رشوت کا لینا اور دینا عند الشرع کیسا ہے، رشوت کا پیسہ مسجد مدرسہ عیدگاہ میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (۴): قبرستان کے نام کی زمین ہے اس جگہ میں قبریں نہیں ہیں تو اس خالی زمین کو عید گاہ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

مسئولہ مولانا عبد الغفار صاحب رضوی نعیمی، ۷ رذی القعدہ ۱۳۸۸ھ

الجواب: (۱): تعمیر مسجد وعیدگاہ میں حلال وطیب کمائی کا روپیہ ہی خرچ کیا جائے، شراب کی کمائی کا روپیہ حلال وطیب نہیں، بلکہ حرام وناجائز ہے۔ اس حرام کی کمائی کا روپیہ تعمیر مسجد وعیدگاہ میں ہرگز ہرگز نہ خرچ کیا جائے۔ جو مسجد کسی حرام وناجائز کمائی کے روپیہ سے تعمیر کی جائیگی، وہ مسجد، مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔ جس کی مذمت وبرائی قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی مسجد میں نماز بکراہت ادا ہوگی۔ جس طرح غصب کردہ زمین میں مسجد بنا کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ اسی تفسیر احمدی میں ہے۔

و قد ذکر علماء الاصول ان الصلوۃ فی الارض المغصوبة منھیة لغیر ھا اعنی لشغل ملک الغیر. علمائے اصول نے بیان کیا کہ غصب کی ہوئی زمین میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، کیونکہ اس میں غیر کی ملکیت کو مشغول کرنا ہے

مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۵ میں ہے۔

و تکرہ فی ارض الغیر بلا رضاہ. غیر کی زمین میں بغیر اس کی رضا کے مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): زید کے پاس اگر حلال وحرام دونوں مد کے روپے ملے جلے ہوئے ہوں تو مسجد وعیدگاہ ومدرسہ میں ایسی رقم کو نہ لگایا جائے۔ چونکہ یہ رقم و مال خالص طیب وحلال نہیں ہے اور اگر زید کے پاس دونوں مد کی رقمیں علیحدہ علیحدہ رہتی ہوں تو کاشتکاری کی مد کا روپیہ بلاشبہ مسجد وعیدگاہ ومدرسہ میں لگانا اور خرچ کرنا صحیح و جائز ہے۔ وھٰذا ظاھر، واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): رشوت کا لینا دینا دونوں حرام و ناجائز و گناہ کبیرہ ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.﴾ [البقرة:۱۸۸] (اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا اور نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک بایں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو جان بوجھ کر) (معارف)۔

تفسیر مدارک مصری جلد اول ص ۱۱۷ میں ہے۔

ای لا یا کل بعضکم مال بعض بالوجه الذی لم یبحه اللہ ولم یشرعة. تم میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھائے۔

تفسیر خازن مصری ص ۱۱۷ و ۱۱۸ میں ہے۔

والمعنی لا یا کل بعضکم مال بعض بالباطل ای من غیر الوجه الذی اباحه اللہ له واصل الباطل الشئی الذاھب فصل: اما حکم الأیة فاکل المال بالباطل علی وجوہ الاولیٰ: ان یاکله بطریق التعدی والنھب والغصب الثانی: ان یاکله بطریق اللھو کالقمار واجرۃ المغنی و ثمن الخمر والملاھی و نحو ذالک الثالث: ان یاکله بطریق الرشوۃ فی الحکم و شھادۃ الزور والرابع: الخیانة و ذالک فی الودیعة والامانة و نحو ذالک. لا یا کل بعضکم مال بعض بالباطل کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کا مال اس طریقے سے کھانا جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ باطل اصل میں برباد ہوجانے والی شی کو کہتے ہیں۔ رہا مال کو ناجائز طریقہ سے کھانے کا معاملہ تو ناجائز طریقے سے مال کھانے کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) ظلم و تعدیٰ لوٹ کھسوٹ اور غصب کر کے (۲) لہو ولعب کے طور پر جیسے جوا، گانے بجانے کی اجرت، شراب و کباب کا پیسہ (۳) رشوت

لے کر فیصلہ کیا، پیسہ لے کر جھوٹی گواہی دی (۴) ودیعت . . ت میں خیانت سے جو پیسہ حاصل ہوا۔ وغیرہ وغیرہ

لہٰذا رشوت کی حرام رقم کو مسجد وعیدگاہ ومدرسہ میں لگانا خرچ کرنا جائز نہیں۔ **کما مر، واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۴): قبرستان کی زمین جو قبروں سے خالی ہو اگر حکومت کی دی ہوئی ہے جس پر عام مسلمانوں کو ضروریات کے لئے استعمال کا حق دیا گیا ہے تو ایسی زمین پر عیدگاہ بنا سکتے ہیں، جس کی باضابطہ اطلاع چک بندی آفس میں دیدی جائے کہ ہم مقامی مسلمان قبرستان کی خالی زمین پر عیدگاہ بنا رہے ہیں اور اگر قبرستان کی زمین کسی خاص شخص کی ملک ہے تو مالک کی اجازت کے بغیر اس پر عیدگاہ نہیں بنائی جاسکتی۔ ابھی مراقی الفلاح مصری کی عبارت گذری کہ غیر کی مملوکہ زمین پر اس کی مرضی واجازت کے بغیر نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہے۔ پھر عیدگاہ بنانا کس طرح درست ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک پرانی مسجد ہے جس میں بہت کم تعداد میں نمازی ہوتے تھے۔ بکر ایک ویران جگہ میں بسا ہے، اب جس کی آبادی ایک سو کی ہو چکی ہے اور نمازی بھی ہیں۔ بکر اور اس کے آدمیوں نے زید اور اس کے آدمیوں سے کہا کہ نماز کی تکلیف ہے، ہماری طرف ایک دروازہ کھول دو۔ لہٰذا سب کے کہنے پر دروازہ کھول دیا جس میں سے نمازی آتے جاتے ہیں اور آبادی روز بڑھ رہی ہے۔ اب زید اور ان کے آدمی دروازہ مذکور کو بند کرنا چاہتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمارے علماء اسے بند کرنے کو کہتے ہیں۔ اب بکر کو کیا کرنا چاہئے؟

مسئولہ سلطان احمد صاحب، مقبرہ، مرادآباد، ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

الجواب: مسجد مذکور کے شرقی حصہ میں کھیت والی زمین کے اندر مسلمانوں کے مکانات بنا کر سکونت اختیار کرنے کے بعد ان کی تکلیف کا احساس کر کے ان کو نماز باجماعت ادا کرنے کی سہولت دینے کے خیال سے جانب مشرق میں جدید دروازہ قائم کر دینے کے بعد اب دروازہ دوبارہ بند کرنا شرعاً صحیح وجائز نہیں۔ اب دروازہ بند کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ نمازیوں کو مسجد میں آکر نماز ادا کرنے سے روکنا ہے۔ اس کو قرآن کریم میں ظلم قرار دیا گیا ہے۔ فرمان حق تعالیٰ ہے ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُه وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرہ: ۱۱۴] کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام پاک کے ذکر کو منع کرے اور مسجدوں کے ویران کرنے میں سعی کرے (منہ)۔ لہٰذا اہل محلہ پر لازم ہے کہ وہ مسجد کا دروازہ ہرگز بند نہ کریں نہ ان میں اوقات نماز میں تالا لگا کر بند کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد زمانہ سابقہ کی تین محراب کی بنی ہوئی ہے اور اب گنجائش نہ ہونے کے باعث اس کے متولی حضرات اس کو دوبارہ پانچ محراب کی بنوانا چاہتے ہیں تو اب اس صورت میں اگر امام کے مصلیٰ کی جگہ سابق کی طرح ایسی جگہ برقرار رہے اور ایک طرف دائیں جانب تین محراب ہوں اور بائیں جانب ایک ہی محراب ہو اور یہ ظاہر ہے کہ دائیں جانب بلحاظ بائیں جانب کے نمازی بہت زیادہ ہوں گے تو ایسا بنوانا از روئے شرع جائز ودرست ہے کہ نہیں یا کسی طرح کی کراہت ہے۔ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں؟

مسئولہ محمد نور الحسن رضوی، امام دو کنواں والی مسجد، اصالت پورہ، مراد آباد، ۱۵ رمئی ۱۹۶۹ء

الجواب: محراب کا بالکل ٹھیک بیچ میں ہی بنانا صحیح و درست ہے اس کے خلاف کرنے سے سنت قدیمہ کا ترک لازم آئے گا جو شرعاً بالیقین مکروہ و ممنوع اور غیر پسندیدہ امر ہے۔ **فان المحاریب فی القرون الماضیة بل فی خیر القرون لم تبن الا فی الوسط مخالفته لیس بسدید.** محراب گذشتہ صدیوں میں بلکہ حضور کے عہد مبارک میں درمیان ہی میں بنائے جاتے تھے، اس کی مخالفت درست نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۱۰: کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا اس بارے میں کہ گل شہید میں چھوٹی مسجد نواب مجو خان والی کی توسیع کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اہل محلہ نے مل کر یہ کہا ہے کہ قبرستان کہنہ میں قبروں پر ڈاٹ لگا کر یا لنٹر ڈال کر اس کام کو انجام دیں۔ چونکہ اس کے سوا توسیع کی دوسری صورت نظر نہیں آتی۔ قبروں سے خالی جگہ پر پائے قائم کر کے ڈاٹ لگانے یا لنٹر ڈالنے میں مسجد کی توسیع بآسانی ہو سکتی ہے۔ ایسا اقدام بغرض توسیع مسجد شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے؟

مسئولہ احمد حسین، گل شہید، مراد آباد، ۱۱ رجنوری ۱۹۷۰ء

الجواب: شرعاً قبر پر کسی عمارت کی بنیاد ناجائز و حرام ہے۔ قبر سے خالی جگہوں پر پائے قائم کر کے اس طرح ڈاٹ لگا کر یا لنٹر ڈال کر قبروں پر تعمیر جائز ہے۔ جب کہ قبر اور ڈاٹ یا قبر اور لنٹر کے درمیان خلا چھوڑ دیا جائے۔ تعمیر مسجد کا بھی یہی حکم ہے کہ بطریق مذکور پائے قائم کر کے ڈاٹ لگا کر یا لنٹر ڈال کر اس پر مسجد کی تعمیر و توسیع بغیر ممانعت و کراہت جائز و مباح ہے۔ لہٰذا اہل محلہ کا توسیع مسجد کے لئے یہ اقدام شرعاً جائز و حلال ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے بزرگوں اور دیگر اعزاء کی قبور ایک قبرستان واقع محلہ گل شہید متصل چوکی پولس جو ملکیتی شاد زمانی بیگم وغیرہ ہے، مراد آباد تحصیل موضع بھدوارہ میں ہے اور اہل محلہ گل شہید نے ایک کمیٹی وقف نمبر ۷۵۸ مورخہ ۲۷ رنومبر ۱۹۶۹ء رجسٹرڈ کرا کر ایک مسجد کی تعمیر کا قبروں پر کیا ہے۔ اور قبروں پر پائے قائم کر کے لنٹر ڈالنے کا ارادہ ہے۔ اس فعل سے دل آزاری وارثان قبور کو ہے اور مالکان قبرستان نے بھی کوئی اجازت واسطے تعمیر مسجد نہیں دی ہے۔ کیا حالات مندرجہ بالا میں تعمیر مسجد شرع و مذہب اسلام میں جائز ہے۔

مسئولہ عزیز الرحمن عثمانی، سنبھلی دروازہ، مراد آباد، ۱۲ رجنوری ۱۹۷۰ء

الجواب: کل ایک سوال غالباً اسی مسجد کی بابت آیا تھا جس کا جواب کل ہی میں نے لکھ دیا تھا۔ اس سوال میں اور کل والے سوال میں کافی فرق ہے۔ فرق سوال سے جواب میں فرق ہونا امر لازم ہے۔ کل والے سوال کے جواب میں قبروں سے خالی جگہوں میں پائے قائم کر کے قبروں کے اوپر ڈاٹ لگانے یا لنٹر ڈالنے کی اجازت توسیع مسجد کی غرض سے دی گئی ہے۔ اس جواب کا مفروضہ یہ ہے کہ وہاں پر چھوٹی مسجد نواب مجو خان والی پہلے سے تھی اور قبرستان کی زمین کسی شخص خاص کی ملکیت قرار نہیں دی گئی تھی۔ اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں پر نئی مسجد تعمیر کی جا رہی ہے اور قبروں کی یہ جگہ شاد زمانی بیگم وغیرہ کی ملکیت ہے اور قبروں پر پائے قائم کرا کے لنٹر ڈالنے کا کام کمیٹی والوں نے کیا ہے۔ اگر یہ سوال صحیح و درست ہے

شرعاً اس مسجد کی تعمیر ناجائز وحرام ہے۔ قبروں پر کسی عمارت یا اس کی دیوار و پائے قائم کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ بلکہ ممانعت حدیث پاک میں وارد ہے۔ خاص کر قبروں پر تعمیر مسجد کی بابت لعنت وارد ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۷۱ میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج رواہ ابوداؤد و الترمذی والنسائی. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مساجد بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ مسجد کے صحن کے کسی کروٹ یا گوشہ میں مسجد کی آمدنی کے واسطے کوئی دوکان بناسکتے ہیں، بکر کہتا ہے کہ نہیں صحن مسجد کے کسی کونے یا کسی کروٹ میں کسی قسم کی کوئی عمارت خواہ اس سے مسجد کو آمدنی ہو، نہیں بنا سکتے ہیں۔ اس میں کس کا قول درست ہے۔ بحوالہ حدیث فرمائیں؟

مسئولہ سید اکبر علی پیش امام، سرکٹرہ قاضی، مراد آباد، ۱؍اگست ۱۹۷۱ء

الجواب: زید کا قول غلط و باطل ہے اور بکر کا قول صحیح وحق ہے، مسجد کا اندرونی حصہ ہو یا بیرونی حصہ جسے صحن کہتے ہیں دونوں حصے کو بانیان مسجد نماز پڑھنے کے لئے ہی مخصوص کر دیتے ہیں اور جس جگہ مسجدیت قائم کر دی گئی وہ جگہ نیچے کی جانب تحت الثریٰ تک اور اوپر کی جانب آسمان وعرش اعظم تک مسجد ہو جاتی ہے۔ نہ اس کے نیچے نہ اس کے اوپر اور نہ اس پر کوئی عمارت کسی بھی دوسری غرض سے خواہ مسجد کی آمدنی ہی کے لئے ہو، نہیں بنائی جاسکتی ہے۔ لہٰذا صحن مسجد کے کسی گوشے یا کسی اور کروٹ میں کوئی دوکان یا مکان مسجد کی آمدنی کے لئے نہیں بنائی جاسکتی۔ درمختار مصری جلد ثالث ص ۵۱۲ میں ہے۔

امالو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق تتارخانیۃ فاذا کان ھٰذا فی الواقف فکیف لغیرہ فیجب ھدمہ ولو علیٰ جدار المسجد. پھر جب مسجدیت مکمل ہوگئی پھر کچھ بنانے کا ارادہ کیا تو اس سے روکا جائے گا اگرچہ کہ وہ کہے کہ ایسا ارادہ میرا پہلے سے تھا۔ اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔......... جب یہ حکم خود واقف کے لئے ہے تو دوسرے کو کس طرح اجازت مل سکتی ہے۔ لہٰذا اس تعمیر کو مسمار کر دیا جائے اگرچہ کہ وہ مسجد کی دیوار ہی پر کیوں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے لئے نئی زمین خریدی ہوئی میں ٹاؤن ایریا کی طرف سے فرش لگوانا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبد القدیر، بلاری، مراد آباد، ۴؍شوال ۱۳۹۱ھ

الجواب: مسجد کے لئے نئی خریدی ہوئی زمین اگر مسجد میں نماز کی جگہ کی توسیع کے لئے خریدی گئی ہو تو اس میں ٹاؤن ایریا کی جانب سے فرش لگوانا جائز نہیں ہے اور اس فرش پر نماز بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔ چونکہ مسجد کی ایسی جگہ کے تعمیری سلسلہ

میں خالص مسلمانوں کا حلال اور جائز پیسہ ہی لگنا ضروری ہے۔ اور ٹاؤن ایریا کی حاصل کردہ رقم خالص مسلمانوں کی نہیں ہوتی۔ نیز ٹاؤن ایریا میں ایسی ٹیکسی رقم آتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔ اور اگر خریدی ہوئی نئی زمین مسجد کی دیگر ضروریات کے لئے ہے کہ اس حصہ میں مسجد کی آمدنی کے لئے مکان دکان وغیرہ یا بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ قائم کرنا مقصود ہو تو اس میں ٹاؤن ایریا کی جانب سے فرش لگوانا جائز ہے۔ اس صورت میں بھی اس فرش پر نماز پڑھنے سے احتیاط کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی جانب جنوب میں ایک زمین خریدی گئی، جس میں ایک رہائشی حجرہ کی تعمیر کی گئی اور حجرہ کی جانب غرب میں بیت الخلاء بنایا گیا، جس کا نقشہ پشت ورق پر موجود ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی خریدی ہوئی زمین میں بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مذکورہ زمین کی خریداری کے لئے گاؤں کی پنچایت سے روپیہ جمع کیا تھا تاکہ اس کو ضروریات متعلقہ مسجد میں خرچ کیا جا سکے؟

مسئولہ عبداللطیف غفرلہ، عدل پور، مرادآباد، ۷ رمحرم الحرام ۱۳۹۲ھ

الجواب: مسجد کی خریدی ہوئی ایسی زمین میں بلاشبہ بیت الخلاء کا بنانا صحیح و جائز ہے۔ چونکہ امام اور نمازیوں کے لئے بیت الخلاء اور پیشاب خانہ و غسل خانہ بنانا ضروریات متعلقہ مسجد میں داخل ہے۔ کما فی الفتاویٰ الھندیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۱۵: مسجد کے لئے منبر کا ہونا شرط میں داخل ہے یا نہیں؟ یہاں پر اکثر مسجدیں ایسی ہیں جن میں منبر قطعاً نہیں۔ بلکہ قصداً نہیں بناتے کہ جہاں پر نماز جمعہ نہ ہو وہاں منبر کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا ان کا کہنا اور ماننا ہے۔ ایسی مسجد کے لئے اور نمازیوں کے کئے کیا حکم ہے جو سنت رسول اللہ کے خلاف کرتے ہوں۔ جو لوگ قصداً منبر نہیں بنواتے، ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور ان کو مسلمان ماننا کیسا ہے؟

مسئولہ محمد شفیع ولد کریم بخش، تھانہ چھوٹا پورہ، ڈیسہ، بناس کانٹھا

الجواب: مسجد کے لئے منبر کا ہونا شرط نہیں، منبر کا ہونا امر مسنون ہے۔ اگر کسی مسجد میں منبر نہ بنایا گیا ہو تو اس کی مسجدیت میں کوئی خرابی نہیں لازم آئے گی۔ میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے کہ جہاں غیر مصر و فنائے مصر میں مسجد بنائی جائے وہاں مسجد میں منبر کی ضرورت نہیں۔ جس مسجد میں منبر نہ ہو تو نہ بنوانے والے اور اس میں نماز پڑھنے والے ایسے مجرم شرعاً نہیں کہ ان کو خارج از اسلام قرار دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مسجد بنائی مگر سیلاب کے باعث وہ مسجد شہید ہوگئی اور وہ مسجد دریا کے قریب ہے۔ زید پھر ۶ رسال کے بعد آیا۔ اب پھر مسجد بنانا چاہتا ہے؟

مسئولہ عرفان الحق شاد، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد، ۲ رذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

الجواب: مسجد شہید ہونے کے بعد زید پھر دوبارہ مسجد بنا سکتا ہے چونکہ مسجد کے شہید ہونے کے بعد دوبارہ مسجد کا بنانا یا بنوانا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ ایسی جگہ مسجد نہ بنوائے جو بظاہر خطرہ کی جگہ ہو اور پھر دریا کی جگہ

میں چلی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الجمعة (جمعہ کا بیان)

مسئلہ ۵۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز کن کن شخصوں پر واجب نہیں ہے۔اور جن پر واجب نہیں تو کس وجہ سے واجب نہیں ہے۔ کیونکہ عورتیں بجائے جمعہ کی نماز کے ظہر ادا کرتی ہیں۔ان کے لئے کیوں ممانعت ہے ازروئے شریعت مع دلیل مسئلہ کو صاف کر دیں تا کہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے؟

مسئولہ حبیب الرحمٰن نعیمی اشرفی ،اغوانپور، مراد آباد، ۱۲ رنومبر ۱۹۵۸ء

الجواب: جمعہ کی نماز مسافر، عورت، مریض اور غلام اور نابینا پر واجب نہیں، چونکہ مسافر اور مریض اور نابینا کے لئے جمعہ کے حاضر ہونے میں حرج ودقت ہے۔اور غلام مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور عورت شوہر اور بچوں کی خدمت میں مصروف رہتی ہے۔ان وجوہ کی بنا پر ان لوگوں کے حق میں نماز جمعہ کا وجوب بطور رحمت وشفقت ساقط کر دیا گیا۔ تا کہ یہ لوگ حرج ودقت اور ضرر ونقصان میں مبتلا نہ ہوں۔ نیز عورتوں پر جمعہ کی نماز اس لئے بھی واجب نہیں کی گئی کہ جمعہ کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے اور عورتوں کا مردوں کے مجمعوں کی طرف نکلنا سد فتنہ کی غرض سے شرعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾[الاحزاب: ۳۳] عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا الا ربعة عبد مملوک او امرأة اوصبی او مریض** (رواہ ابو داؤد) . اللہ تعالیٰ نے فرمایا(عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جمعہ مع جماعت ہر مسلمان پر اللہ کا حق ہے، جو واجب ہے۔ چار کے علاوہ (۱) زرخرید غلام (۲) عورت (۳) بچہ (۴) بیمار۔
ہدایہ باب صلوٰۃ الجمعۃ میں ہے۔

> لا تجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة ولا مریض ولا عبد ولا اعمیٰ لان المسافر یحرج فی الحضور و کذا المریض والاعمیٰ والعبد مشغول بخدمة المولیٰ والمرأة بخدمة الزوج فعذرو دفعا للحرج والضرر. مسافر،عورت، بیمار، غلام اور اندھے پر جمعہ واجب نہیں۔ کیونکہ مسافر کو جمعہ کے لئے حاضر ہونے میں دشواری ہوگی۔ اسی طرح بیمار، اندھا اور غلام جو آقا کی خدمت میں مشغول ہے۔ نیز عورت جو شوہر کی خدمت میں رہے۔ یہ لوگ معذور قرار دئے گئے اور حرج وضرر کو دفع کرنے کے مقصد سے ان پر جمعہ واجب نہیں۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مصری جلد اول ص ۸۶ میں ہے۔

> فلا تجب علی المرأة للنهی عن الخروج سیما الیٰ مجمع الرجال. عورتوں پر جمعہ واجب نہیں۔ کیونکہ ان کا گھروں سے نکلنا، خصوصاً مردوں کے مجمع میں ممنوع ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۰۴ میں ہے۔

فلا تجب على المرأة و ان دخلت فى عموم الخطاب بطريق التبعية لانها خصت منه بعموم النهى عن الخروج بقوله تعالىٰ ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ لا سيما فى مجامع الرجال. لہٰذا عورت پر جمعہ واجب نہیں۔ اگرچہ کہ وہ بھی عموم خطاب میں تبعاً داخل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول وَقَرْنَ.... الخ میں عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کرنے میں جو عموم ہے، اس کی وجہ سے عورتیں اس عموم خطاب سے خاص کردی گئیں۔ یعنی مستثنیٰ کردی گئیں۔ خصوصاً جہاں مردوں کی بھیڑ بھاڑ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں والا جمعہ کے دن شہر آیا اور اسی دن واپسی کا ارادہ ہے، خواہ زوال سے پہلے یا بعد شام تک واپس آئے ایسی صورت میں جمعہ اس پر فرض ہوگا یا نہیں؟

مسئولہ محمد معظم اشرفی، ۱۹ راپریل ۱۹۶۰ء

الجواب: صورت مسئولہ میں گاؤں کا رہنے والا جو شخص شہر آیا اور اسی دن شہر سے واپسی کا جمعہ کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے یا جمعہ کے وقت کے داخل ہونے کے بعد اس نے ارادہ کیا تو شرعاً اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ جمعہ کی نماز پڑھ لے گا تو مستحق اجر وثواب ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۳۶ میں ہے۔

القروی اذا دخل المصر ونوى ان يمكث يوم الجمعة لزمته الجمعة لانه صار كو احد من اهل المصر فى حق هذا اليوم و ان نوى ان يخرج فى يومه ذالک قبل دخول الوقت او بعد الدخول لاجمعة عليه ولو صلى مع ذالک كان ماجوراً كذا فى فتاوىٰ قاضى خان والتجنيس والمحيط. دیہاتی شہر میں آیا اور جمعہ کے دن قیام کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر جمعہ لازم ہے، کیونکہ اب وہ اس دن کے حق میں کسی بھی شہری کی طرح ہو گیا اور اگر اسی دن شہر سے نکلنے کا ارادہ کرلیا، خواہ جمعہ کا وقت آنے سے پہلے یا بعد تو اب اس پر جمعہ واجب نہیں۔ اس رخصت کے باوجود اگر جمعہ پڑھ لیا تو ضرور ثواب ملے گا۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضیخاں، تجنیس اور محیط میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص شہر میں رہتا ہو اور اس کی جمعہ کی نماز قضا ہو جاتی ہو کسی کالج میں پڑھنے یا کسی اور وجہ سے تو وہ ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا.

مسئولہ محمد لیاقت حسین، مسلم لاڈج، پکھ حویلی، دربھنگہ، ۳ رنومبر ۱۹۶۰ء

الجواب: کالج میں پڑھنے کے باعث جمعہ کی نماز کا قضا کردینا جائز نہیں۔ ایسا کرنے والا شرعاً سخت گنہگار ہوگا۔ کالج میں تو بالعموم جمعہ کی نماز کے لئے چھٹی ہوا کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر جمعہ نہ مل سکا خواہ کسی وجہ سے ہو تو ظہر کی نماز تنہا پڑھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر کی بڑی جامع مسجد میں جمعہ ہونے

سے قبل جب کہ وقت مسنون ہو چکا ہو شہر کی کسی مسجد میں نماز جمعہ ہونا صحیح ہے یا غیر صحیح؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ محمد عبدالمتعال صاحب عرف پیارے، اصالت پورہ، مراد آباد، ۲۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

الجواب: شہر کی جامع مسجد سے پہلے شہر اور فنائے شہر کی دوسری مساجد میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ مطلقاً قول اصح و مفتیٰ بہ پر اور اصل مذہب پر صحیح و جائز ہے۔ کسی قسم کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں ہے۔ تقدیم و تاخیر کی قید کا اضافہ نادانی پر مبنی ہے اور شرعاً معتبر نہیں ہے۔ مجھے آج تک ان کتب فقہیہ میں جو میرے پاس ہیں اس کے متعلق کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس سے عدم صحت یا ممانعت مستفاد ہو۔ جہاں یہ مسئلہ مذکور ہے وہاں اس قسم کی کسی شرط کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔ بلکہ تقدیم و سبقت کے اعتبار کے ساقط ہونے کی تصریح ملتی ہے۔ لہٰذا شہر کی جامع مسجد سے پہلے شہر یا فنائے شہر کی ہر مسجد میں نماز جمعہ صحیح و جائز ہوتی ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۰۴ میں ہے۔

> **و تصح اقامة الجمعة فی مواضع كثيرة بالمصر و فنائه و هو قول ابی حنيفة و محمد فی الاصح و من لازم جواز التعدد سقوط اعتبار السبق.** شہر اور فنائے شہر کے اندر مختلف مقامات پر جمعہ قائم کرنا صحیح ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اور تعدد کے جواز سے تقدیم و سبقت کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری میں ہے۔

> **(قوله فی الاصح) قال السرخسی و به ناخذ و عليه الفتویٰ كما فی شرح المجمع للعينی و كما فی الفتح.** ان کا قول فی الاصح، سرخسی نے کہا، یہی ہمارا موقف ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ عینی کی شرح مجمع اور فتح القدیر میں ہے۔

اسی میں ہے۔

> **فان المذهب الجواز مطلقا.** صحیح مذہب مطلقاً جمعہ کئی مقامات پر جائز ہونے کا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ و عیدین میں امام کے برابر مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ مقتدی کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ براہ کرم جواب باصواب سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ ماسٹر مکرم خاں جونیر ہائی اسکول، کٹار شہید، مراد آباد، ۱۹ ر رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ

الجواب: صحت جمعہ و عیدین کے لئے جماعت شرط ہے اور جماعت میں مقتدیوں کی تعداد علاوہ امام کے تین ہو یہ بھی ضروری ہے۔ جب مقتدیوں کی تعداد تین ہو تو امام پر واجب ہے کہ وہ تین مقتدیوں کی صف بنا کر آگے کھڑا ہو۔ اور مقتدیوں پر واجب ہے کہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ اس کے برخلاف جمعہ و عیدین ہو یا کسی اور نماز کی جماعت ہو جب تین مقتدی امام کے علاوہ ہوں تو مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ترک واجب اور مخالفت سنت کے باعث شرعاً مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار پاتا ہے۔ نماز ہو جائے گی، یعنی نفس فرض ادا ہو جائے گا اور واجب کے چھوڑنے کی

وجہ سے نماز کو دوبارہ صحیح طریقہ پر کسی واجب کے ترک کئے بغیر لوٹانا واجب و لازم ہوگا۔ لہٰذا جب امام کے علاوہ تین مقتدی ہوں تو مقتدی امام کے برابر کھڑا ہو کر نماز ادا نہ کرے۔ درمختار میں ہے۔

و یشترط لصحتها سبعة اشیاء (الیٰ ان قال) و السادس الجماعة و اقلها ثلثة رجال سوی الامام بالنص لانه لابد من الذاکر و هو الخطیب ثلاثة سواه بنص ﴿فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰهِ﴾ (ملخصا) [الجمعه: ۹]۔ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے سات چیزیں شرط ہیں۔ ان میں چھٹی شرط جماعت ہے۔ امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدی ہونے چاہئیں۔ نص کے مطابق ذاکر یعنی خطیب کے علاوہ تین آدمی ہوں کیونکہ قرآن میں ہے۔ فَاسْعَوْا... (تو چل پڑو اللہ کے ذکر کی طرف) (معارف)۔

برحاشیہ ردالمحتار جلد اول ص ۵۴۵، اسی درمختار کے ص ۳۱۸ میں ہے۔

و یقف الواحد محاذیا ای مساویا لیمین امامه فلو وقف عن یساره کره اتفاقاً کذا یکره خلفه علی الاصح لمخالفة السنة والزائد یقف الواحد خلفه فلو توسط اثنین کره تنزیهاً و تحریماً لو اکثر (ملخصا). اگر ایک ہی مقتدی ہو تو امام کے برابر دائیں جانب کھڑا ہو بائیں جانب کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح امام کے پیچھے کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے، کیونکہ اس میں سنت کی مخالفت ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (تحریما لو اکثر) افادان تقدم الامام امام الصف واجب کما افاده فی الهدایة والفتح. ان کا قول (اگر زیادہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے) اس میں اس بات کا فائدہ پہونچایا کہ امام کا صف کے آگے ہونا واجب ہے۔

درمختار میں ہے۔

کل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها. ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا لوٹانا واجب ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۲ میں ہے۔

فان کانت تلک الکراهة تحریم تجب الاعاده او تنزیه تستجب فان الکراهة التحریمیة فی رتبة الواجب کذا فی فتح القدیر. اگر یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے تو اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے تو اعادہ مستحب ہے۔ کیونکہ مکروہ تحریمی واجب کے مرتبہ میں ہے۔ ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔

اگر جمعہ کی نمازوں میں مقتدی کی کثرت ہو اور جگہ کی قلت ہو تو باہم صفوں کے درمیان جگہ کم چھوڑیں کہ پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرے۔ اور امام کے لئے بقدر ضرورت پوری جگہ چھوڑیں، لیکن امام کے برابر کھڑے نہ ہوں۔ و اللّٰه تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱): نماز جمعہ میں فرض، سنت، نوافل

اور دعاء وغیرہ کے اختتام پر اندرون جامع مسجد آرام باغ کراچی منجانب بزم غلامان مصطفےٰ (ﷺ) عرصہ دراز سے پورے ادب و احترام کے ساتھ صلوٰۃ وسلام اور نعت خوانی ہوتی ہے، درود شریف کا ورد رہتا ہے، قبل عصر فاتحہ خوانی پر اختتام ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں اپنی رائے عالیہ سے واضح طور پر مستفیض فرمایئے؟ (۲): تاجدار دو عالم شافع محشر (ﷺ) کی نعت خوانی، درود وسلام میں مخالفت یا رخنہ اندازی کرنے والے شخص کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ جناب قمر الدین صاحب آرکیٹکٹ صدر بزم غلامان مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،
اسٹیٹ دیو ہاؤس، میکلیوڈ روڈ، کراچی نمبر۔ ۳۱، ۲؍ جنوری ۱۹۶۴ء پنجشنبہ

الجواب: (۱): جمعہ کے دن ادائے فرض وسنت ونوافل کے بعد صلوٰۃ وسلام بر ذات سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نعت خوانی کرنا اور درود شریف کا ورد رکھنا یقیناً عمل محبوب اور مرغوب ہے۔ جس کے جواز واستحسان اور شرعیت واستحباب میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ حدیث پاک میں جمعہ کے دن بکثرت درود شریف پڑھنے کا حکم موجود ہے۔ اس کے روکنے والے اور اس سے منع کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ جن کو اہل سنت وجماعت (**کثرھم اللہ تعالیٰ سوادھم**)، وہابیہ اور دیابنہ کہتے ہیں۔ ہر سنی کی روح کو قرار اور قلب کو سکون سرکار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ذکر مبارک سے ملا کرتا ہے اور ہر منافق بدمذہب عدو مصطفےٰ کا دل اس ذکر خیر سے جلا کرتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲): امور مذکورہ کے روکنے والے اور ان میں رخنہ اندازی کرنے والے ایسے ہی افراد ہو سکتے ہیں، جو منافق بدمذہب بددین، عدو مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد، مودودی وغیرہ ہوں، کوئی سنی ان امور مذکورہ کو منع نہیں کر سکتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

دیہات میں نماز جمعہ

مسئلہ ۵۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے احناف زادہم اللہ تعالیٰ شرفا وعزا مندرجہ مسئلہ میں کہ ایک صدی سے ایک قصبہ جہاں تھانہ، ڈاکخانہ موجود ہونے کے ساتھ تقریباً چار سو گھر صرف مسلمانوں سے آباد ہے اور تقریباً ایک ہزار گھر کل آبادی ہے، ایسے شہر (بلد) میں احتیاطاً ظہر پڑھنا چاہئے کہ نہیں، معتبر کتب فقہ کی عبارت کے ساتھ جواب مرحمت فرمایئے؟

مسئولہ ابو علی عفی عنہ

الجواب: اگر مقام مذکور میں کوئی ایسا والی وحاکم یا مفتی وقاضی رہتا ہو جو اپنے رعب وحشمت اور علم سے یا غیر کے علم سے مظلوم کے انصاف کرنے پر اور ظالم کو ظلم کی سزا دینے پر اور حدود شرعیہ واحکام دینیہ کی تنفیذ واجراء کی قدرت رکھتا ہو یا اگر مقام مذکور فنائے مصر ہو تو وہاں نماز جمعہ واجب ہے۔ احتیاطاً ظہر پڑھنے کی قول مفتی بہ پر کوئی حاجت نہیں۔ اور اگر مقام مذکور اس وصف پر مشتمل نہ ہو اور جمعہ کی نماز قدیم سے رائج ہو تو اسے ترک نہ کیا جائے یعنی نماز جمعہ کو روکا نہ جائے، بلکہ بعد جمعہ فرض ظہر بھی پڑھا جائے۔ ظہر احتیاطی کا اس صورت میں بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، ظہر احتیاطی کے بارے میں فقہائے

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے۔ بعض فقہانے اسے منع فرمایا ہے اور اس کو خلاف احتیاط قرار دیا ہے، اور بعض فقہائے کرام نے اسکی اجازت دی ہے، اور اسکو اولیٰ اور مقتضائے احتیاط قرار دیا ہے۔ اور یہی راجح وقوی ہے، اور اس کے مستحب ہونے میں کوئی شک وتردد ہی نہیں، بلکہ بعض فقہاء نے شک کی صورت میں ظہر احتیاطی کو واجب بھی فرمایا۔ ظہر احتیاطی ہر اس مقام میں جائز و مستحب ہے، جہاں مصر اور فنائے مصر ہونے میں شک اور تردد ہو، یا اس شہر میں جائز و مستحب ہے، جہاں دو جگہ سے زیادہ میں جمعہ ہوتا ہو، بشرطیکہ اس کے ادا کرنے سے جمعہ کے فرض نہ ہونے کا یا ایک وقت میں دو نمازوں کے فرض ہونے کا کوئی اعتقادی فتنہ وفساد عوام میں نہ پیدا ہوتا تو بغیر جماعت کے ایسے خواص کے لیے جائز ہے جو دینی امور میں احتیاط کرتے ہوں۔ بروجہ اعلان واشتہار نہ پڑھیں بلکہ بہتر ہے کہ گھر میں پڑھیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے۔

اما صلوة الظهر بعد صلوة الجمعة للا حتياط فقد منع منها اكثر الشراح وصرحوابان الا حتياط فى تركها و ذالك مبنى على جو از التعددو عدم جوازه. جہاں تک نماز جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھنے کی بات ہے تو زیادہ تر شارحین نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ انہوں نے تو یہ صراحت کی ہے کہ احتیاط ظہر نہ پڑھنے ہی میں ہے۔ اس اختلاف کا دار و مدار ایک شہر میں دو جگہ سے زیادہ مقام پر جمعہ کے جواز وعدم جواز پر ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے۔

وعلى القول الضعيف المانع من جواز التعدد قيل بصلوة اربع بعد ها بنية آخر ظهر عليه وليس الا حتياط فى فعلها لان الا حتياط هو العمل باقوى الدليلين واقوا هما جو از تعدد الجمعة وبفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة اوتعدد المفروض فى وقتها ولا يفتى بالا ربع الا للخواص ويكون فعلهم ايا ها فى مناز لهم.

قول ضعیف کی بنیاد پر، جو جوازِ تعدد سے مانع ہے، یہ کہا گیا کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھ لی جائے۔ اور نیت یہ کرے کہ ہم پر جو آخری ظہر ہے اس کو پڑھ رہا ہوں۔ حالانکہ احتیاط ایسا کرنے میں نہیں ہے۔ کیونکہ احتیاط تو یہ ہے کہ دو دلیلوں میں سے مضبوط ترین دلیل پر عمل کیا جائے۔ اور مضبوط ترین دلیل تو تعدد جمعہ کے جواز پر ہے۔ چار رکعات بعدِ جمعہ پڑھنے میں جہلاء کے فسادِ اعتقاد میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ یعنی وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ جمعہ فرض نہیں، یا ایک ہی وقت میں جمعہ اور ظہر دونوں فرض ہے۔ چار رکعت ظہرِ احتیاطی خواص ہی کے پڑھنے کے جواز پر فتویٰ دیا جائیگا اور ان سے کہا جائے کہ آپ یہ چار رکعت اپنے گھروں کے اندر ہی پڑھیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (ليس الاحتياط فى فعلها) قال البر هان الحلبى الفعل هوالاحتياط لان الخلاف فيه قوى لا نها لم تكن تصلى فى ز من السلف الا فى موضع واحدمن المصروكون

الصحیح جو از التعدد للضرورۃ لایمنع شرعیۃ الاحتیاط. (ان کا یہ کہنا کہ چار رکعت ظہر احتیاطی پڑھنا، یہ درحقیقت احتیاط نہیں ہے) برہان حلبی کا کہنا ہے کہ چار رکعت پڑھنا بیشک احتیاط ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف مضبوط بنیادوں پر ہے اور وہ یہ ھیکہ زمانہ سلف میں شہر کی ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ لہٰذا ضرورت کی وجہ سے اگر جواز تعدد یعنی مختلف مقامات پر جمعہ کے جائز ہونے کے قول کو صحیح مان بھی لیا جائے پھر بھی یہ احتیاط کی شرعیت کی راہ میں حائل نہیں ہوگا۔

اسی میں ہے۔

قال فی الشرح و فی فعل الاربع مفسدة عظیمة و ھی اعتقاد ان الجمعة لیست فرضالما یشاھدون من صلوٰۃ الظھر فیتکا سلون عن اداء الجمعة او اعتقادھم افتراض الجمعة والظھر بعدھا. شرح میں کہا۔ ''چار رکعت پڑھنے میں بڑی خرابی ہے۔ یعنی اس اعتقاد کا اندیشہ ہے کہ جمعہ فرض ہی نہیں، کیونکہ ظہر پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو جمعہ کی ادائیگی میں سستی کرینگے۔ یا لوگ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جمعہ اور بعد میں ظہر دونوں فرض ہیں۔''

اسی میں ہے۔

قال العلامة المقدسی بعد نقله ما یفید النھی عنھا نقول انما نھی عنھا اذا ادیت بعد الجمعة بوصف الجماعة والا شتھار ونحن لا نقول به و لا نفتی بفعلھا اصلا بل ندل علیه الخواص الذین یحتا طون لا مر دینھم ویتر کون مایر یبھم الی تحصیل یقینھم .
علامہ مقدسی نے کچھ دلائل کو نقل کیا جو چار رکعت کی ممنوعیت کا فائدہ دیتے ہیں، اس کے بعد کہا ہم کہتے ہیں ''درحقیقت ممنوع اس وقت ہے جب جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر احتیاطی باجماعت کھلے عام پڑھی جائے''۔ ہم کبھی بھی نہ ایسا کہتے اور نہ ایسا کرنے کا فتوی دیتے ہیں۔ بلکہ خواص میں جو حضرات دینی معاملات میں انتہائی محتاط ہیں اور شک وارتیاب سے دور رہنا چاہتے ہیں، ان سے کہتے ہیں کہ اگر آپ کو پڑھ لینے میں ہی یقین حاصل ہورہا ہے تو آپ ایسا کرسکتے ہیں۔ اھ

بحر الرائق میں ہے۔

لیس الاحتیاط فی فعلھا لانه العمل باقوی الدلیلین. احتیاط چار رکعت ظہر احتیاطی پڑھنے میں نہیں ہے کیونکہ احتیاط تو دو دلیلوں میں قوی ترین پر عمل کرنے ہی میں ہے۔

اسی میں ہے۔

..... لزم من فعلھا فی ز ماننا من المفسد ة العظیمة وھو اعتقادالجھلة ان الجمعة لیست بفرض لما یشاھدون من صلوٰۃ الظھر فیظنون انھا الفرض وان الجمعة لیست بفرض فیتکاسلون عن اداء الجمعة فکان الاحتیاط فی تر کھا وعلی تقدیرفعلھاممن

لایخاف علیه مفسدة منها فالا ولیٰ ان تکون فی بیته خفیة خوفا من مفسدة فعلها....
چار رکعت ظہر احتیاطی پڑھنے کے عمل میں اس زمانہ میں فساد عظیم کا اندیشہ ہے۔ جہلاء یہ اعتقاد کرسکتے ہیں کہ جمعہ فرض ہی نہیں، کیونکہ وہ ظہر کی نماز ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو گمان کرینگے کہ ظہر ہی فرض ہے جمعہ فرض نہیں۔ انجام کار وہ جمعہ پڑھنے میں سستی کا مظاہرہ کرینگے۔ لہٰذا احتیاط نہ پڑھنے ہی میں ہے۔ تاہم وہ لوگ پڑھ سکتے ہیں۔ جن سے اس طرح کا اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن بہتر یہ ہیکہ بالاعلان نہ پڑھیں، گھر کے اندر پڑھیں۔ کیونکہ اس میں فتنہ کا خوف ہے۔
ردالمحتار و منحۃ الخالق میں ہے۔

وقدعلمت ان قول البدائع ان ظاهر الرواية عدم الجواز فی اکثر من موضعین. قال فی النهر: وفی حاوی القدسی وعلیه الفتویٰ. وفی التکملة للرازی وبه ناخذ (انتهیٰ) فقد حصل الشک اذا کثر التعدد فکیف مع خلاف هو لاء الا ئمة وفی الحدیث المتفق علیه فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ...... ونقل العلامة المقدسی عن المحیط: کل موضع وقع الشک فی کونه مصرا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعابنیة الظهر احتیا طا حتیٰ انه لولم تقع الجمعة موقعها یخرجون عن عهدة فرض الوقت باداء الظهر ومثله فی الکافی.......... ثم نقل المقدسی عن الفتح انه ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بها آخر فرض ادر کت وقته ولم اؤده ان تردد فی کونه مصر ا اوتعددت الجمعة وذکر مثله عن المحقق ابن جر باش قال: "ثم قال وفائدته الخروج عن الخلاف المتوهم اوالمحقق..... "ذکر فی النهر انه لا ینبغی التردد فی ندبها علی القول بجو از التعدد خرو جا عن الخلاف" اه وفی شرح البا قانی وهو الصحیح ونحوه فی شرح المنیة وبالجملة فقد ثبت انه ینبغی الا تیان بهذه الا ربع بعد الجمعة لکن بقی الکلام فی تحقیق انه واجب اومندوب قال المقدسی ذکر ابن الشحنة عن جده التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجر دالتوهم اماعند قیام الشک وا لا شتباه فی صحة الجمعة فالظاهر وجوب الا ربع ونقل عن شیخه ابن الهمام مایفیده وبه یعلم انها هل تُجزی عن السنة ام لا فعند قیام الشک لا وعند عد مه نعم ویؤید التفصیل تعبیر التمرتا شی بـــ"لابُدَّ" وکلام القنیة المذ کوراه (ملخصا).

آپ کو البدائع کا قول معلوم ہوگیا کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ جمعہ دو جگہ سے زیادہ میں جائز نہیں النہر میں کہا حاوی القدسی میں ہے۔ "اور اسی پر فتویٰ ہے۔" رازی کی تکملہ میں ہے۔ ہم اسی موقف پر ہیں۔ جب جمعہ کئی جگہ پر واقع ہوگیا تو اس صورت میں شک ثابت ہوگیا اور یہاں تو ائمہ کا اختلاف بھی ہے۔ اور متفق علیہ

حدیث میں ہے کہ جوشبہات سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا۔ مقدسی نے المحیط سے نقل کیا ''ہر وہ جگہ جس کے مصر یعنی شہر ہونے میں شک ہو، وہاں لوگوں کیلئے مناسب یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے احتیاطاً پڑھ لیں۔ تاکہ اگر جمعہ اپنی صحیح جگہ پر نہیں بھی ہوئی تو لوگ ظہر ادا کر کے وقت کی فرضیت کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہو جائینگے۔ اسی کے مثل الکافی میں ہے'' ...... پھر علامہ مقدسی نے الفتح سے نقل کیا۔ ''مناسب یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھی جائے۔ اس میں نیت اس طرح کرے۔'' ''میں نے نیت کی آخرِ فرض کی جس کا وقت میں نے پایا اور جسے اب تک میں نے ادا نہیں کیا۔'' یہ اس صورت میں ہے، جب اس جگہ کے شہر ہونے میں تردد ہو۔ یا جہاں نمازِ جمعہ کئی جگہ ہوتی ہو۔ محقق ابن جرباش سے روایت کر کے اسی کے مثل بیان کیا۔'' کہا۔ 'اس کا سب سے بڑا فائدہ اختلاف سے باہر نکلنے کا ہوا۔ خواہ اس اختلاف کی بنیاد ''توہم'' ہو یا ''تحقیق''''...... النہر میں بیان کیا کہ تعددِ جمعہ کے جواز کے قول کے باوجود اختلاف سے نکلنے کے لئے چار رکعت ظہرِ احتیاطی کے مستحب ہونے میں تردد کرنا مناسب نہیں ہے۔ شرح الباقانی میں ہے۔ ''یہی صحیح ہے۔'' اسی کے مثل شرح المنیة میں ہے۔

المختصر، یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہرِ احتیاطی پڑھنا چاہئے۔ لیکن اب رہی یہ بات کہ یہ واجب ہے یا مستحب۔ علامہ مقدسی نے کہا۔ ''ابن شحنہ نے اپنے دادا سے روایت کر کے ذکر کیا کہ وہ مستحب ہے۔'' اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مستحب کہنا اسی وقت مناسب ہوگا جب کہ جمعہ کے صحیح نہ ہونے کا محض وہم ہو۔ لیکن اگر اس کی صحت پر شک واشتباہ کا پہاڑ کھڑا ہو جائے، اس وقت تو ظاہر یہ ہے کہ چار رکعت ظہر پڑھنا ضروری ہی ہونا چاہئے۔ اپنے استاد ابن الہمام سے نقل کیا۔ ''اور اسی سے معلوم ہوگا کہ یہ چار رکعت سنت کو کفایت کریگا یا نہیں۔ اگر شک قائم ہوگیا تو 'نہیں' اور اگر شک نہیں قائم ہوا تو 'ہاں'۔'' تمرتاشی نے جو ''لابد'' کہدیا ہے، وہ اس تفصیل کی تائید کرتا ہے۔ نیز اس کی تائید القنیة کا مذکورہ کلام بھی کر رہا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۵۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان حنفیہ ایک گاؤں جس کی مردم شماری تخمینا ہزار ڈیڑھ ہزار ہے اور اس گاؤں مذکور کے قریب دو بڑے گاؤں اور بھی آباد ہیں، اور دونوں گاؤں میں علماء کا فتوی جمعہ کے جواز پر ہے اور وہاں جمعہ ہوتا بھی ہے، اور گاؤں مذکور سے اس قدر قریب ہے کہ وہاں سے اذانوں کی آواز اچھی طرح سے اس گاؤں میں آتی ہے اور اس گاؤں کے رہنے والے بھی جمعہ پڑھتے ہیں، لہذا اس گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں، تو جمعہ پڑھنے والوں کے ذمہ سے ظہر ساقط ہوتی ہے یا نہیں اور ان دو گاؤں میں تحصیل نہیں ہے۔ ہاں ڈاکخانہ ہے اور آبادی بھی دونوں کی زیادہ ہے۔ جواب باصواب سے ممنون فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

مسئولہ خلیق احمد، ۳۰ ستمبر ۱۹۵۴ء

الجواب: بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا' خواہ اس کی آبادی زیادہ ہو یا کم' جہاں کوئی ایسا حاکم وافسر نہیں رہتا جو ظالم سے مظلوم

کا بدلہ لینے اور حدود وشرعیہ قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو، وہ مقام مصر یا فنائے مصر نہیں بلکہ گاؤں ہی ہے۔ اس گاؤں میں جمہور احناف کے قول صحیح و مفتی بہ پر جمعہ کی نماز کا قائم کرنا صحیح و درست نہیں، بلکہ ناجائز و ناروا ہے۔ ایسے گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا ہی نہیں ہوتی بلکہ نفل مکروہ ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے فرض ظہر ساقط نہیں ہوتا۔ صغیری مجتبائی ص ۲۷۷ میں ہے۔

لا تصح فی القریٰ عند نا. دیہات میں ہمارے نزدیک جمعہ صحیح نہیں۔

کبیری مجیدی ص ۵۰۶ میں ہے

فلاتجوز فی القریٰ عندنا وھو مذھب علی بن ابی طالب وحذیفة وعطاء والحسن بن ابی الحسن والنخعی ومجاھد وابن سیرین والثوری وسحنون خلافا للائمة الثلثة لماروی ابن ابی شیبة عن علی بن ابی طالب رضی الله تعالی عنه انه قال لا جمعة ولا تشریق ولاصلوة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع اومدینة عظیمه. ہمارے نزدیک دیہات میں نماز جمعہ صحیح نہیں، یہی مذہب علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ حذیفہ عطاء حسن بن ابی الحسن نخعی، مجاہد، ابن سیرین، ثوری اور سحنون کا ہے۔ اس میں تینوں اماموں کا اختلاف ہے، کیونکہ ابن شیبہ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی انہوں نے کہا "جمعہ تشریق اور عیدین شہر میں ہی صحیح ہے۔

لیکن علمائے کرام اور فقہائے عظام رضی اللہ تعالی عنہم نے بعض مصالح دینیہ کی بنا پر یہ فرمایا ہے کہ دیہات اور گاؤں میں اگر کہیں نماز جمعہ قدیم سے رائج ہو تو اسے بند نہ کیا جائے، نہ روکا جائے تا کہ عوام کو نماز کی جانب سے بے رغبتی نہ ہو، لیکن وہاں پر چار رکعت فرض ظہر پڑھنے کا بھی ضرور حکم کیا جائے، لہذا سوال میں جس جس گاؤں کے متعلق تذکرہ ہے، اگر وہاں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو اب بھی جمعہ کی نماز پڑھیں اور فرض ظہر بھی ضرور ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے جیسے کہ ابوداؤد شریف میں اس کے متعلق سرخی باب کی دی ہوئی ہے۔ والجمعة فی القری. آگے فرماتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے "جواثی" جو قریہ ہے، اس میں ادا فرمایا ہے۔ دوسرے اکثر ائمہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے، جیسے کہ شرح وقایہ وغیرہ میں ہے۔ بکر کہتا ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، کیونکہ کچھ شرطیں مفقود ہیں، عمر کہتا ہے کہ شہر میں بھی جمعہ جائز نہیں ہے، یہاں پر بھی بعض شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں، لہٰذا اذافات الشرط فات المشروط. جمعہ پڑھنے والے پر جو دیہات میں پڑھے یا شہر میں اس کو کتنی رکعت پڑھنی چاہئے۔ کتنے فرض اور کتنی سنتیں کتنے نفل۔ ان تمام مسائل کو مع حوالہ کتب بیان کریں۔ کیونکہ بعض صاحب جمعہ کے بعد کی چار سنتوں کو منع کرتے ہیں۔ حالانکہ ترمذی شریف و مشکوۃ شریف وغیرہ میں ان سنتوں کے متعلق موجود ہے اس لیے سرکار ﷺ کی سنت کو مٹانے والا صحیح العقیدہ سنی نہیں، بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی ایک سنت جو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے یہ صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا

مسئولہ حافظ لیاقت علی، مرادآباد، ۲۰ راپریل ۱۹۵۹ء

الجواب: دیہی علاقوں اور گاؤں میں حنفی مذہب کی کتب ظاہر الروایہ کی بنا پر جمعہ جائز نہیں بکر کا قول صحیح ہے اور زید کا قول واستدلال محض باطل ولغو ہے، زید نے استدلال میں ابوداؤد اور شرح وقایہ دو کتابوں کے نام اور مضمون کا تذکرہ کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ زید یا تو مولوی ہے، یا جہالت کے باعث کسی غیر مقلد کے دام میں آ کر حنفی مذہب سے دور ہو گیا ہے۔ ابوداؤد شریف حدیث کی ایک کتاب ہے جس میں سیکڑوں ابواب ہیں۔ زید کا اس کے تراجم ابواب (یعنی بابوں کی سرخی) سے استدلال صحیح نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ زید اس بنا پر مس ذکر (یعنی آلہ تناسل کے چھونے) سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم کرے گا۔ چونکہ ابوداؤد میں "باب الوضوء من مس الذکر" مکتوب ہے، اس قسم کے صدہا ابواب ہیں کہ حنفی مذہب کے خلاف ترجمہ باب مرقوم ہے، مثال کے طور پر صرف ایک باب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

''جواثی'' کو قریہ کہا گیا ہے۔ مگر درحقیقت جواثی قریہ (گاؤں) نہیں ہے بلکہ ایک شہر ہے۔ زید اسی مقام پر ابوداؤد کا حاشیہ بین السطور دیکھے۔ لغت کی رو سے ہر انسانی آبادی کے مقام کو قریہ کہا جاتا ہے، خواہ وہ مقام شہر ہو یا گاؤں۔ اسی اعتبار سے ''جواثی'' کو قریہ کہا گیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت'' جواثی'' ایک شہر ہے۔ امور مندرجہ بالا کے دلائل درج ذیل ہیں۔ درمختار مصری جلد اول ص ۵۹۰ میں ہے۔

> **وظاهر المذهب انه كل موضع له امير وقاض يقدر على اقامة الحدود كما حررنا ه فيما علقنا على الملتقى.** ظاہر مذہب یہ ہے کہ مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں امیر وقاضی ہو جسے حدود وغیرہ قائم کرنے پر قدرت ہو، جیسا کہ کتاب الملتقیٰ پر اپنے تبصرے میں ہم نے تحریر کیا۔

ردالمحتار میں اسی کے ماتحت مذکور ہے۔

> **قوله (وظاهر المذهب) قال فی شرح المنية والحد الصحيح مااختاره صاحب الهداية انه الذى له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود الى ان قال...... لا يكون الافى بلد كذالك.** ان کا قول (ظاہر مذہب) شرح منیہ میں کہا۔ ''صحیح تعریف وہی ہے، جسے صاحب ہدایہ نے اختیار کیا، مصر وہی ہے، جہاں امیر وقاضی ہو، احکام کا نفاذ کرے، حدود کو قائم کرے، اور یہ شہر کے علاوہ کہیں نہیں ہوگا۔

اسی کے آخری صفحہ میں ہے۔

> **وفيما ذكر نا اشارة الى انه لا تجوز فى الصغير ة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضمرات والظاهر انه اريد به الكراهــة لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان فى الجواهر لو صلوا فى القرىٰ لزمهم اداء الظهر.** جو ہم نے ذکر کیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جمعہ چھوٹی جگہ میں جائز نہیں جہاں نہ قاضی ہو، نہ ممبر، نہ خطیب۔ جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ ظاہر یہ ہیکہ اس سے کراہت مراد لی گئی ہے، کیونکہ نفل جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، کیوں نہیں دیکھتے کہ اگر دیہات میں جمعہ

پڑھی تو ظہر بھی لازم ہوگا۔

اسی درمختار ص ۱۱۶ میں ہے۔

وفی القنية صلوة العيد فی القرى تكره تحريما ای لانه اشتغال بمالا يصح لان المصر شرط الصحة. دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ غیر صحیح بات میں مصروف ہونا ہے، کیونکہ اس کی صحت کیلئے (مصر) شہر ہونا شرط ہے۔

ردالمحتار میں اسی کے ماتحت ہے۔

ومثله الجمعة قوله (بما لايصح) ای على انه عيد والا فهو نفل مكروه لادائة بالجماعة. (ان کا قول غیر صحیح میں مشغول ہونا ہے) یعنی اس کو عید سمجھنا، وہ تو نفل ہے، جس کی با جماعت ادائیگی مکروہ ہے۔

کبیری شرح منیہ ص ۵۰۷ میں ہے۔

ثم اختلفوا فی تفسير المصر اختلافا كثيرا والفصل فی ذالک ان مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه عليه الصلوة والسلام الى اليوم فكل موضع كان مثل احد هما فهو مصر فكل تفسير لا يصدق على احد هما فهو غير معتبر حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتاخرين كصاحب المختار والو قاية وغير هما و هو ما لو اجتمع اهله فی اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة ولم يعلم ان مكة والمدينة كانتا فی زمن النبی عليه السلام والصحابة اكبر مما هی الأن ولا ان مسجد هما كان اصغر مما هو الأن فلا يعتبر هذا التعريف......... (الى ان قال) فالحاصل ان اصح الحدود ماذكره فی التحفة لصد قه على مكة والمدينة وانهما هما الا صل فی اعتبار المصرية. مصر کی تفسیر میں علماء کے درمیان میں بہت اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مکہ و مدینہ دو شہر ہیں جہاں حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک جمعہ قائم ہے۔ لہٰذا ہر وہ جگہ جو ان دونوں مقدس شہروں میں سے کسی ایک کے مثل ہو وہ مصر، یعنی شہر ہے، لہٰذا ہر وہ تشریح جو ان دو شہروں میں سے کسی ایک پر چسپاں نہیں ہوگی، وہ غیر معتبر ہے، یہاں تک کہ وہ تعریف بھی نقص سے مبرا نہیں، جسے صاحب درمختار اور وقایہ وغیرہ متاخرین فقہاء نے اختیار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر محلے کی سب سے بڑی مسجد میں تمام اھل جمعہ جمع ہو جائیں اور وہ چھوٹی پڑ جائے تو وہ مصر ہے، کیونکہ دونوں مقدس شہروں کی مسجد اھل شہر کو کفایت کرتی تھیں، بلکہ زیادہ کو اور یہ بات کسی کے علم نہیں آئی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانے میں مکہ و مدینہ آج کے مقابلے میں بڑے شہر تھے، اور نہ ان دونوں کی مساجد آج کے مقابلہ میں چھوٹی تھیں، لہٰذا یہ تعریف معتبر نہیں.......

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح تعریف وہی ہے جو تحفہ میں مذکور ہے کیونکہ وہ مکہ اور مدینہ پر صادق آرہی ہے، مصریت کے اعتبار کے سلسلہ میں یہی دونوں اصل وبنیاد ہیں۔

اسی کے پانچویں سطر میں ہے۔

وقال قاضی خاں والاعتمادعلی ماروی عن ابی حنیفة (رضی الله تعالی عنه) کل موضع بلغت ابنیته ابنیة منیٰ وفیه مفت وقاض یقیم الحدودوینفذ الا حکام فهو مصر جامع وفی المرغینانی ان هذا ظاهر الروایة وهذا ایضا یقرب من تعریف صاحب التحفة. ہر وہ جگہ جس کی عمارتیں منیٰ کی عمارتوں کے برابر تعداد میں پہنچ جائے اور وہاں مفتی اور قاضی بھی ہو جو حدود قائم کرے اور شرعی احکام کا نفاذ کرے وہ مصر جامع ہے، مرغینانی نے کہا" یہ ظاھر الروایہ کی تعریف ہے، اور یہ صاحب تحفہ کی تعریف سے معنی قریب بھی ہے۔

کبیری شرح منیہ کے ص ۵۰۶ میں ہے۔

الشرط الا ول المصر اوفناء ہ فلا تجوز فی القریٰ عندنا وهـو مذهب علی ابن ابی طالب...... (الیٰ ان قال) واماما روی ابن عباس ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم بجواثا قریة بالبحرین فلا ینا فی المصریة اطلاق الصدر الاول اسم القریة علیها اذ القریة تقال علیه فی عرفهم وهو لغة القرآن «واضرِبْ لَهُمْ مَثَلاً اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ» [یٰس: ۱۳] ای انطاکیة «وَ قَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ هٰذَا الْقُرآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ» [الزخرف: ۳۱] ای مکة والطائف وفی الصحاح جو اثا حصن بالبحرین فهی مصر علی ما یا تی فی تفسیر المصر. پہلی شرط شہر یا فنائے شہر ہے، لہذا دیہاتوں میں جائز نہیں، یہی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔.......... اور وہ جو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے۔ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو پہلی جمعہ قائم ہوئی وہ "جواثا" میں قائم ہوئی جو بحرین کا قریہ ہے، یہ مصریت کے منافی نہیں، اس لئے کہ قرن اول میں قریہ کو بھی مصر بولا جاتا تھا۔ ایسا اطلاق قرآن میں بھی ہے، «وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً اَصْحَابَ الْقَرْيَةِ» میں قریہ سے مراد انطاکیہ ہے مکہ وطائف کو بھی قرآن میں قریہ کہا گیا ہے، حدیث صحاح میں ہے کہ جواثا بحرین کے ایک قلعے کا نام ہے، لہذا یہ مصر ہے۔ اسی تفسیر کی اساس پر جو آرہی ہے۔

صغیری ص ۲۷۶ میں ہے۔

فلاتصح فی القریٰ عندنا. ہمارے نزدیک دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں۔

زید کا بحوالۂ ابوداوٗد یہ کہنا کہ جواثا جو ایک گاؤں ہے، اس میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جمعہ ادا فرمایا ہے، صحیح نہیں، ابواوٗد میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ جواثا میں حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جمعہ ادا

فرمایا ہے، اسی طرح زید کا بحوالۂ شرح وقایہ یہ استدلال کہ گاؤں میں اکثر اماموں کے نزدیک جمعہ جائز ہے، درست نہیں۔ چونکہ زید حنفی مذہب کا مقلد ہے، اگر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ کا جائز ہونا مرقوم ہوتا تو زید کا استدلال صحیح ہوتا، گاؤں میں اکثر اماموں کے نزدیک جمعہ کے جائز ہونے سے لازم نہیں آتا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک بھی گاؤں میں جمعہ جائز ہو جائے۔

عمر کا یہ قول کہ شہر میں بھی بعض شرطوں کے نہ پائے جانے کے سبب سے جمعہ جائز نہیں، محض غلط و باطل ہے، عمر کو پہلے یہ بات مدلل طور پر بیان کرنی تھی کہ جمعہ کی کون کون سی شرطیں شہر میں نہیں پائی جاتی ہیں، جن کے فقدان کے باعث عدم جواز جمعہ فی المصر کا اس نے حکم لگایا۔

زید کو اس کی خبر بھی ہے یا نہیں کہ ہر حدیث صحیح سے استدلال جائز نہیں، اسی طرح فقہ حنفی کی ہر کتاب اور اس کی عبارت سے بھی استدلال و حکم جائز نہیں، ابوداؤد کی حدیث کے سوا دوسری حدیثیں بھی ہیں، نیز شرح وقایہ کے علاوہ فقہ کی صدہا کتابیں ہیں، ان کو دیکھ کر ظاہر مذہب اور ظاہر الروایہ کی عبارات واقوال پر فتویٰ دیا جائے گا، ہر عبارت پر حکم وفتویٰ نہیں دیا جا سکتا، 'رسم المفتی' میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی قول مرجوح پر حکم وفتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۵۵ میں ہے۔

ان الحکم والفتیا بالقول المر جوح جهل و خرق للا جماع. قول مرجوح کے مطابق فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جہالت اور اجماع میں رخنہ ڈالنا ہے۔

اسی کے ص ۵۱ میں ہے۔

ان ماالتفق علیه اصحا بنافي الروایا ت الظاهرة یُفتیٰ به قطعا. جس پر ہمارے اصحاب کا روایات ظاہرہ میں اتفاق ہے، قطعی طور پر اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔

حدیث ابوداؤد اور عبارت شرح وقایہ سے استدلال کا جواب غنیۃ المستملی میں دیا گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ جواثی شہر ہے گاؤں نہیں۔ نیز صاحب شرح وقایہ کا قول غیر معتبر ہے، لہٰذا زید کا استدلال محض باطل ہے۔

جمعہ کے دن قبل جمعہ اور بعد جمعہ چار چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول پر بعد والی چار سنتوں کے بعد دو رکعتیں مزید سنت ہیں۔ کبیری شرح منیہ ص ۳۷۲ میں ہے۔

(والسنة قبل الجمعة اربع و بعد ها اربع) اما الاربع بعدها فلماروی مسلم عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم اذا صلیتم بعد الجمعة فصلواالاربعاوفی روایة للجماعة الا البخاری اذا صلی احد کم الجمعة فلیصل بعدها اربعاوالا ول یدل علی الا ستحباب والثانی علی الوجوب فقلنا بالسنیة مؤکدة جمعا بینهما واما الا ربع قبلها فلما تقدم فی سنة الظهر من مو اظبته علیه الصلاة والسّلام علی الا ربع بعد الزوال وهو یشمل الجمعة ایضا ولا یفصل بینها وبین الظهر (وعند

ابی یوسف) السنة بعد الجمعة ست رکعات وهو مروی عن علی رضی الله تعالی عنه والا فضل ان یصلی ار بعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف. جمعہ سے پہلے چار سنت، اسی طرح جمعہ کے بعد بھی چار سنت ہے۔ بعد کی چار سنت کے متعلق صحیح مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے، جمعہ کے بعد چار سنت پڑھو ایک روایت میں ہے جب کوئی تم میں جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار سنت بھی پڑھے۔ پہلی حدیث استحباب پر دلالت ہے۔ اور دوسری حدیث وجوب پر۔ ہم نے دونوں کو جمع کرنے کی غرض سے سنت مؤکدہ کہا۔ قبل جمعہ چار رکعت سنت کی دلیل یہ ھیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر میں چار رکعت سنت ہمیشہ ادا کیا، اس لئے یہ جمعہ کو بھی شامل ہوگی۔ جمعہ اور ظہر کے درمیان فرق نہیں کیا جائیگا۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے مروی ھیکہ جمعہ کے بعد سنت چھ رکعات ہے۔ یہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ افضل یہ ھیکہ اختلاف سے بچنے کیلئے چار رکعت کے بعد دو رکعت بھی پڑھ لی جائے۔

جمعہ کے بعد کی چار سنتوں کو جو منع کرتا ہے، اس کا منع کرنا شرعاً گناہ ہے، پختہ سنی وہی ہے، جو کسی سنت کو منع نہ کرے، بلکہ سنت پر عمل کرے۔ منع کرنے والے کی سنیت کمزور ہے۔ سنت کا زندہ کرنا یقیناً ثواب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٥٢٦: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید کے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں اور چار سو مرد بالغ مسلمان ہیں اور تقریباً اتنے ہی اہل ہنود اور مردم شماری دو ہزار کے قریب ہے۔ اس گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ یہاں نماز جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ اگر احتیاطی ظہر پڑھے تو کس ترتیب سے؟

(۲): کتنی مردم شماری سے گاؤں یا قصبہ کہلائے گا۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد قابل شمار ہے یا اہل ہنود کی بھی؟

(۳): ایک چھوٹے گاؤں میں کسی مجبوری سے یا عذر شرعی سے پندرہ بیس آدمی نماز جمعہ پڑھتے آئے۔ امام صاحب نے صرف آدمیوں کی کمی کو دیکھتے ہوئے جمعہ کا فرض نہیں پڑھائے، بلکہ ظہر کی نماز پڑھا دی، جب کہ وہاں پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ فعل امام صاحب کا صحیح ہے؟

(۴): جس دیہات میں نماز جمعہ نہیں ہوتی اس کی کیا تعریف ہے۔ **بینوا توجروا.**

مسئولہ اسحاق حسین، بروارہ خاص ڈاکخانہ مدنڈھا پانڑے ضلع مراد آباد، ۱۵/اپریل ۱۹۶۲ء

الجواب: (۱): کوئی گاؤں جس میں چار سو بالغ مرد مسلمان بستے ہوں یا جس کی مردم شماری کی تعداد دو ہزار ہو، وہ گاؤں شہر نہیں ہوسکتا اور نہ اس گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز ہوگی، احتیاطاً ظہر نہیں، بلکہ اصل نماز ظہر پڑھنا ضروری ہے، اس لیے کہ نماز جمعہ کی صحت وجواز کے لیے مصر (شہر) کا ہونا شرط اور لازم وضروری ہے۔ لیکن جس گاؤں میں زمانہ قدیم سے جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہو وہاں جمعہ کی نماز کو نہ روکا جائے۔ لیکن ظہر پڑھنے کا خصوصی طور پر عوام کو حکم دیا جائے تا کہ لوگ جمعہ پڑھنے کے بعد اصل ظہر بھی پڑھ لیں اور فرض کی ادائیگی سے متفقہ طور پر سبکدوش ہوسکیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): شرعاً شہر یا قصبہ یا گاؤں ہونے کے لیے صرف مسلمانوں کی مردم شماری کی تعداد یا مسلم اور غیر مسلم اقوام کی مردم

شماری کی تعداد کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳): امام صاحب کا اس گاؤں میں نماز جمعہ نہ پڑھانا بلکہ ظہر کی نماز پڑھانا اپنی جگہ پر صحیح و درست ہے امام صاحب پر کوئی الزام شرعاً عائد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴): ہر وہ مقام جو مصر اور فنائے مصر سے خارج ہو، جس میں ایسا کوئی با اختیار حاکم، مجسٹریٹ نہ رہتا ہو جو ظالم کو ظلم کی سزا دے سکے اور حدود شرعیہ کو جاری کر سکے، وہ مقام گاؤں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۲۷: کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں عید کی نماز ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے۔ اب وہاں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ عبد الرب رضوی نعیمی، ۲ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

الجواب: علمائے متاخرین اور فقہائے زمانہ کا حکم و فتویٰ ہے کہ جس گاؤں میں جمعہ یا عیدین کی نماز ہوتی ہو یعنی عرصہ دراز سے گاؤں کے لوگ وہاں نماز جمعہ یا عیدین ادا کرتے ہوں تو اس گاؤں میں جمعہ اور نماز عیدین کو نہ روکا جائے اور سختی سے بند نہ کیا جائے اور جہاں جمعہ اور عیدین کی نماز نہ ہوتی ہو، وہاں ان دونوں نمازوں کو جاری نہ کیا جائے۔ جہاں صرف عیدین کی نماز ہوتی ہو، وہاں جمعہ کی نماز قائم نہ کی جائے، اور جہاں صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہو، وہاں عیدین کی نماز قائم نہ کی جائے۔ لہٰذا سوال میں جس گاؤں کا ذکر ہے کہ اس گاؤں میں عید کی نماز ہوتی ہے اور جمعہ کی نہیں ہوتی ہے، وہاں جمعہ کی نماز قائم نہ کی جائے۔ ھکذا قال علماء اھل السنة والجماعة خصوصا به صرح امام اھل السنة مجدد المائة الحاضرة اعلی حضرة مولینا المفتی الشاہ محمد احمد رضاخاں صاحب الفاضل البریلوی فی فتاواہ فی مواضع کثیرة، قال اللہ تعالی. ﴿اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی، عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ (العلق: ۹) کیا آپ نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ جس گاؤں میں زمانہ قدیم سے جمعہ کی نماز ہو رہی ہو اب وہاں نماز جمعہ پڑھنا کیسا ہے، چونکہ بریلی شریف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں دیہات میں جمعہ کو منع کیا گیا ہے، اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ وہاں جمعہ پڑھنا ایک گناہ نہیں بلکہ کئی گناہ ہے۔ نیز فتاویٰ رضویہ کی عبارت ناجائز ہونے کے متعلق مع حوالہ احادیث و فقہ پیش کی گئی ہے اور ایک کتاب علم الفقہ ہے جس میں صورت جواز مرقوم ہے۔ اس کتاب کے مصنف کون اور اس کے مسائل قابل عمل ہیں یا نہیں؟

جمعہ پڑھنے کی صورت میں نیت نفل کی کی جائے یا فرض کی۔ معلوم ہوا ہے کہ جمعہ کے ساتھ چار رکعت فرض ظہر کی بھی پڑھ لینی چاہئے ایسا مقتدی تو کر سکتے ہیں کہ جمعہ میں نیت نفل سے شریک ہو جائیں لیکن امام اگر نفل کی نیت کرے تو اعتراض وارد کہ نفل کی جماعت کہاں اور اگر فرض کی نیت کرے تو پھر فرض ظہر کس نیت سے ادا کرے اور اگر دونوں میں فرض ہی کی نیت کرے تو کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی کہ ظہر میں چار فرض ہیں اور جمعہ کے دن دو اور بعض کا قول ہے کہ جمعہ کی نماز وہاں ہوگی جہاں حاکم و قاضی ہو تو ہمارے دیہاتوں میں قاضی کے قائم مقام علماء ہیں اور حاکم کی جگہ مکھیا،

سرپنچ وغیرہ جو کچھ حکم نافذ کرتے ہیں؟

مسئولہ مقیم الدین، زیدے پور، پورنیہ، بہار، ۱۴ جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ یکشنبہ

الجواب: جس گاؤں میں جمعہ کی نماز قدیم زمانہ سے ہو رہی ہے، وہاں جمعہ کی نماز سے نہ روکا جائے۔ ہمارے فقہاء اور علماء نے نماز جمعہ کے روکنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جمعہ کی نماز شہر اور فنائے شہر کے علاوہ گاؤں میں نہیں ہوتی اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ جہاں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آ رہی ہے، وہاں جمعہ کی نماز کو بند نہ کیا جائے، بلکہ عوام کو اس انداز سے سمجھایا جائے کہ احناف کے یہاں قول صحیح و مفتی بہ پر گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی اور قول غیر مفتی بہ و مرجوح پر گاؤں میں جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یقینی طور پر فرض سے بغیر اختلاف سبکدوش ہونے کے لیے ایسا کیا جائے کہ ظہر کے چار فرض بعد میں پڑھ لیے جائیں کہ جمعہ نہ ہوا تو ظہر صحیح ہوگا۔ **کما ھو الراجح** اور جمعہ صحیح ہو تو ظہر کے چار فرض نفل ہو جائیں گے۔ **وھو المرجوح.**

رہانیت کا معاملہ تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ میں بھی فرض ہی کی نیت کرے۔ فرض صحیح نہ ہونے کی صورت میں نماز نفل ہوگی، جیسا کہ قول مفتی بہ یہ ہے۔ یہ کہنا کہ نفل نماز کی جماعت مطلقاً نہیں ہوتی، صحیح نہیں ہے بلکہ وہ نماز نفل جس میں جماعت کا حکم وارد نہیں ہے،'' تداعی'' کے ساتھ نماز نفل بجماعت مکروہ ہوتی ہے۔ ظہر کے چار فرض کو بہ نیت فرض ہی پڑھے کہ قول مفتی بہ پر نماز جمعہ علی سبیل الفرض ادا نہ ہوگی ادائے فرض ظہر ہی سے ہوگا، لہٰذا قول مفتی بہ پر کتاب اللہ پر زیادتی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، ہمارے علماء گاؤں میں جمعہ کی نماز سے روکنے کو بر بنائے احتیاط اس لیے منع فرماتے ہیں کہ قول حق تبارک وتعالیٰ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ [البقرہ : ۱۱۴] یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں ذکر کرنے اور اس کا تذکرہ کئے جانے سے منع کرے اور مسجدوں کے ویران کرنے میں سعی کرے (منہ)۔ **و قوله عز اسمه** ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى﴾ (العلق : ۹) (کیا آپ نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے) کی وعید میں داخل نہ ہو جائیں نیز یہ کہ بہت سے عوام جو نماز پنجگانہ کے عادی نہیں ہیں وہ صرف ہفتہ میں ایک روز آ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی مخصوص نماز جمعہ ادا کر کے کچھ ذکر خیر کر لیا کرتے ہیں اور جب ان کو بطریقہ مذکورہ بالا جمعہ کے بعد چار فرض ادا کرنے کی بھی ترغیب دی جائے گی، تو چار ظہر کے فرض کے ادا کرنے کی صورت میں ہفتہ بھر کی پینتیس (۳۵) نمازوں میں سے ایک نماز ظہر کے چھوڑنے کے عذاب سے تو بری ہو سکیں گے۔

اور اب صرف چونتیس نمازوں کے چھوڑنے کا ان پر عذاب اور گناہ ہوگا، فتاوی رضویہ میں جہاں متعدد مقامات پر گاؤں میں نماز جمعہ کے ناجائز اور گناہ ہونے کا تذکرہ ہے تو اسی فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۷۱۹ میں یہ بھی ہے۔ جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز ہے، اور ان کا پڑھنا گناہ، مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں، کہ جس طرح اللہ و رسول ﷺ کا نام لے لیں غنیمت۔ **کمافی البحر الرائق والدر المختار والحدیقة الندیة.** اسی کے ص ۷۵۲ میں ہے۔

"دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہب حنفی میں جائز نہیں، مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہلوں کا کام۔
﴿اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ اور جو انہیں کافر کہتا ہے گمراہ وبددین، نہ وہ کبیرہ ہے،
لاختلاف الائمة، نہ کبیرہ پر اصرار اہل سنت کے نزدیک کفر۔

دوسری عبارت نے واضح طور پر ہدایت فرمادی کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا گناہ کبیرہ نہیں، چونکہ حضرات ائمہ مجتہدین کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ درمختار میں ہے۔

(و کرہ) تحریما ... (صلاۃ) مطلقا (ولو) ... نفلا (مع شروق) الاالعوام فلا یمنعون من فعلها لانهم یترکونها والاداء الجائز عند البعض اولیٰ من الترک. طلوع آفتاب کے وقت نماز مطلقا مکروہ تحریمی ہے، خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن عوام کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے کیونکہ وہ لوگ نماز ہی کو چھوڑ دینگے بعض کے نزدیک نماز کو چھوڑ دینے سے بہتر یہ ہے کہ جائز طریقے پر ادا کرلیا جائے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (فلا یمنعون) افادان المستثنیٰ المنع لا الحکم بعدم الصحة عند نا قوله (عند البعض) ای بعض المجتهدین کا لامام الشافعی. ان کا قول روکا نہ جائے نے اس بات کا فائدہ دیا کہ مستثنیٰ منع ہے نہ کہ نماز کے صحیح نہ ہونے کا حکم دینا، ہمارے نزدیک۔ ان کے قول (بعض کے نزدیک) سے مراد بعض مجتہدین ہیں جیسے کہ امام شافعی (رضی اللہ عنہ)۔

"علم الفقہ" معتبر کتاب نہیں۔ غالباً یہ کتاب مولوی عبدالشکور کاکوروی کی ہے۔ یہ شخص طائفہ وہابیہ خارجیہ کا پیشوا تھا۔
حاکم وقاضی سے مراد ایسے حاکم وقاضی ہیں، جو حدود شرعیہ جاری کرنے کے مختار عام ہوں۔ آج کل کے علماء اور گاؤں کے مکھیا، سرپنچ وغیرہ حدود شرعیہ کے جاری کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا ان کے گاؤں میں رہنے سے گاؤں شہر نہیں ہوسکتا۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۰۸ میں ہے۔

والمصر عند ابی حنیفة کل موضع ای بلدة له مفت و امیر و قاض ینفذ الا حکام و یقیم الحدود (ملخصا). مصر ابوحنیفہ کے نزدیک ہر وہ شہر ہے جہاں مفتی وحاکم وقاضی ہوں جو احکام کا نفاذ کرے اور حدود قائم کرے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

(قوله ینفذ الاحکام الخ) المرادبه القدرة علیٰ ذالک فالمرادبه الثانی لا الحصول بالفعل. احکام کے نفاذ سے مراد اس پر قدرت ہے نہ کہ بالفعل نفاذ مراد ہے۔ والله تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۲۹: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک ایسی بستی جس کے تین ٹولے ہیں۔ ایک ٹولہ کی مردم شماری اکیس سو ہے، جس میں پانچ چھ سو مسلمان ہیں، بقیہ غیر مسلم ہیں۔ ایک اپر پرائمری اسکول، مڈل اسکول وڈاکخانہ بھی ہے، پیشہ ور لوگوں میں کاشتکار، دھوبی، حجام، بڑھئی، مستری، کمہار، چوڑی فروش، اہیر (گوالے) حلوائی وغیرہ ہیں، پختہ اینٹ

وکھپراو پھونس وغیرہ کے مکانات بھی ہیں، چند چوڑی کی دوکانیں بھی ہیں۔ ہندو مسلمان میں مختلف برادری کے لوگ ہیں، دوسرے ٹولے کی مردم شماری بارہ سو مسلمان پر مشتمل ہے، جس میں ایک پختہ مسجد ایک لڑکوں کا اپر پرائمری اسکول اور ایک لڑکیوں کا اسکول ہے۔ پیشہ ورلوگوں میں کاشتکار، پارچہ باف، معمار، درزی، دھوبی یہاں بھی چند چھوٹی دکانیں ہیں، تیسرے ٹولے کی مردم شماری دوڈھائی سو موچیوں پر مشتمل ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکوہ بالا بستی میں جمعہ وعیدین کی نماز فقہ حنفی کے رو سے جائز ودرست ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو پھر جولوگ زمانہ دراز سے جمعہ وعیدین پڑھتے آرہے ہیں، ان کی نمازوں کا حکم شرعی کیا ہوگا، صاحب درمختار نے مصر کی تعریف کی ہے،''وهو لا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين وعليه فتوىٰ اكثر الفقهاء'' اس کے متعلق علامہ شامی نے بیان فرمایا ہے کہ وهذا يصدق على كثيرمن القرىٰ''مذکورہ بالا بستی میں اگر چہ ایک ہی مسجد ہے، لیکن وہ اپنے تمام مکلفین کے لئے وسعت نہیں رکھتی ہے لہٰذا اس تعریف پر جمعہ وعیدین کی نماز کے جائز ودرست ہونے میں علماء کا کیا قول ہے۔

(۲): اگر کوئی شخص جمعہ وعیدین وتراویح کی نماز سے عوام کو منع کرے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟

مسئولہ محمد افروز عالم، ۱۲ر ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

الجواب: صحت واداۓ جمعہ وعیدین کے لیے مصر یعنی شہر ہونا یا فنائے مصر ہونا شرط ہے۔ مصر ظاہر الروایۃ کی بنا پروہ مقام ہے، جہاں ایسا مفتی وقاضی شرع وحاکم موجود ہو جو حدود شرعیہ اور احکام دینیہ کے نافذ کرنے پر قادر ہو، جس مقام میں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور یہ تعریف موضع مسئول عنہ پر صادق نہیں آتی، لہٰذا بر بنائے ظاہر الروایہ اس میں جمعہ وعیدین جائز نہیں درمختار کی تعریف مصر جو سوال میں درج ہے وہ ظاہر الروایہ کی نہیں ہے، اس لیے طنز وتعریض کے طریقے پر لکھ دیا کہ یہ تعریف تو بہت سے گاؤں پر صادق آجائے گی، یعنی بہت سے مواضع کا شہر ہونا لازم آئے گا۔ اس تعریف مصر کو ضعیف ومرجوح بھی قرار دیا گیا ہے، خود درمختار میں آگے ظاہر مذہب'' وظاہر الروایہ کی تصحیح وتعریف منقول ہے، جس پر علامہ شامی نے ترجیح کے اسناد ووجوہ نقل کئے اور تعریف مصر مندرج فی السوال کو مرجوح بتایا، اور قول صحیح وراجح ومفتی بہ اور ظاہر الروایہ وظاہر مذہب پر اس بستی میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہ ہوگی، لہٰذا جولوگ جمعہ پڑھتے ہیں ان پر قضاء ظہر واجب ہے۔ چونکہ نہ جمعہ فرض وواجب تھا نہ ادا ہوا، بلکہ ظہر فرض تھا اور عیدین کی نماز واجب نہ تھی، اس کی قضا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غنیۃ المستملی ص ۵۲۰ میں ہے۔

> اماشرط الاداء، فستة، ايضاً الاول المصر اوفناؤه، فلاتجوز فى القرىٰ عندنا،(جمعہ صحیح ہونے کے بھی چھ شروط ہیں۔(۱) شہر ہونا (۲) متعلقات شہر ہونا۔ لہٰذا ہمارے نزدیک دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں۔

کبیری شرح منیہ ص ۵۰۷ میں ہے۔

> ثم اختلفوافى تفسير المصر اختلافا كثيرا والفصل فى ذالک ان مكة والمدينة مصران

تقام بهما الجمعة من زمنه عليه الصلوة والسلام الى اليوم فكل موضع كان مثل احد هما فهو مصر فكل تفسير لا يصدق على احد هما فهو غير معتبر حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتاخرين كصاحب المختار والو قاية وغير هما و هو ما لو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما اذ مسجد كل منهما يسع اهله وزيادة ولم يعلم ان مكة والمدينة كانتا فى زمن النبى عليه السلام والصحابة اكبر مما هى الأن ولا ان مسجد هما كان اصغر مما هو الأن فلا يعتبر هذا التعريف و بالاولى لايعتبرتعريفه بمايعيش فيه كل محتر ف بحرفة اويوجد فيه كل محترف فان مصر وقسطنطنية من اعظم امصار الاسلام فى ز ماننا ومع هذا فى كل منهماحِرَفٌ لاتوجدفى الاخرىٰ فضلاعن مكة والمدينة والحد الصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذى له امير وقاض ينفذ الا حكام ويقيم الحدودوتزييف صدرالشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم ذكره لظهور التوانى فى احكام الشرع سيما فى اقامة الحدود. فى الامصارمزيف بان المرادالقدر ة على اقامة الحدود على ما صرح به فى تحفة الفقهاء عن ابى حنيفة ان بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيهاوال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه اوعلم غيره ير جع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هوالا صح (انتهىٰ) الا ان صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق بناء على الغالب اذ الغالب الا مير و القاضى شانه القدرة على تنفيذ الا حكام واقامة الحدودو لا يكون الا فى بلد كذالك فالحاصل ان اصح الحدود ماذكره فى التحفة لصدقه على مكة والمدينة وانهماهما الا صل فى اعتبارالمصرية ...... وقال قاضى خان والا عتماد على ماروى عن ابى حنيفة كل موضع بلغت ابنيته ابنية منىٰ وفيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الا حكام فهو مصر جامع وفى المرغينانى ان هذا ظاهر الرواية (ملخصا). مصر کی تفسیر میں علماء کے درمیان میں بہت اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مکہ و مدینہ دو شہر ہیں جہاں حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک جمعہ قائم ہے لہٰذا ہر وہ جگہ جو ان دونوں مقدس شہروں میں سے کسی ایک کے مثل ہو وہ مصر، یعنی شہر ہے، لہٰذا ہر وہ تشریح جو ان دو شہروں میں سے کسی ایک پر چسپاں نہیں ہوگی، وہ غیر معتبر ہے، یہاں تک کہ وہ تعریف بھی نقض سے مبرا نہیں، جسے صاحب درمختار اور وقایہ وغیرہ متاخرین فقہاء نے اختیار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر محلے کی سب سے بڑی مسجد میں تمام اہل جمعہ جمع ہو جائیں اور وہ چھوٹی پڑ جائے تو وہ مصر ہے، کیونکہ دونوں مقدس شہروں کی مسجد اہل شہر کو کفایت کرتی تھیں، بلکہ زیادہ کو اور یہ بات کسی کے علم نہیں آئی کہ

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانے میں مکہ و مدینہ آج کے مقابلے میں بڑے شہر تھے، اور نہ ان دونوں کی مساجد آج کے مقابلہ میں چھوٹی تھیں، لہٰذا یہ تعریف معتبر نہیں۔ مصر کی یہ تعریف کہ جہاں ہر قسم کے صنعت و حرفت والے رہتے ہوں یا جہاں ایسے لوگ مل جاتے ہوں، بطریق اولیٰ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں مصر اور قسطنطنیہ بڑے اسلامی شہروں میں سے ہیں، باوجود اس کے ایک شہر میں بعض صنعتیں ہیں تو دوسرے میں نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ مکہ و مدینہ۔ صحیح تعریف وہی ہے جسے صاحب ہدایہ نے اختیار کیا کہ مصر وہی ہے جہاں امیر و قاضی ہوں، جو احکام کا نفاذ کریں، حدود کو قائم کریں۔ اس تعریف کو صدر الشریعہ کا غیر معتبر قرار دینا بایں طور کہ انھوں نے سابق الذکر تعریف کو اختیار کیا، اس سبب سے کہ احکام شرع کے نفاذ میں سستی دیکھی جا رہی ہے خصوصاً شہروں کے اندر حدود قائم کرنے کے معاملہ میں ——— ان کا غیر معتبر بتانا صحیح نہیں کیونکہ مراد اقامت حدود پر قدرت۔ ہے، نہ کہ اس کا عملی نفاذ، جیسا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مصر وہ بڑا شہر ہے جہاں مختلف کوچے بازار ہوں اور اس سے متعلق دیہات ہوں اور وہاں ایسا حاکم ہو جو اپنے رعب و دبدبہ سے، اپنے علم یا غیر کے علم سے ظالم کے خلاف مظلوم کو انصاف دلانے کی قدرت رکھتا ہو۔ جملہ وقائع و حوادث میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ اور یہی صحیح ترین تعریف ہے۔ البتہ صاحب ہدایہ نے گلی کوچے اور دیہات کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے غالب احوال کو دیکھا۔ کیونکہ جہاں ایسے والی و حاکم ہوتے ہیں جو احکام شریعت کے نفاذ اور حدود کے قائم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ وہ ایسے ہی شہر ہوتے ہیں جہاں مختلف کوچے و بازار ہوں۔ خلاصہ یہ کہ صحیح ترین تعریف وہی ہے جسے صاحب تحفہ نے ذکر کیا۔ کیونکہ یہ مکہ و مدینہ پر صادق آ رہی ہے۔ اور یہی دونوں مصریت کے اعتبار کے سلسلہ میں اصل ہیں۔ ....

مراقی الفلاح مصری ص ۵۰۸ میں ہے۔

ولما كان حد المصر مختلفا فيه على اقوال كثيرة ذكر الا صح منها فقال والمصر عند ابى حنيفة كل موضع اى بلدله مفت يرجع اليه فى الحوادث وامير ينصف المظلوم من الظالم وقاض مقيمون بها ينفذالا حكام ويقيم الحدود والحال انه مو ضع بلغت ابنيته ابنية منى وهذا فى ظاهر الرواية قاله قاضى خان وعليه الا عتماد (ملخصا). مصر کی تعریف میں کثیر اختلاف ہے۔ اس میں صحیح ترین یہ ذکر کیا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مصر ہر وہ شہر ہے، جہاں مفتی ہو، لوگ مذہبی معاملات میں ان کی طرف رجوع کریں۔ حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلائے اور قاضی ہو جو احکام کا نفاذ اور حدود کو قائم کرے اور جس کی عمارتیں منیٰ کی عمارتوں کے برابر تعداد میں ہو جائیں۔ ....

اس کے تحت طحطاوی میں ہے۔

الفصل فی ذالک ان مکۃ والمدینۃ مصر ان تقام بھما الجمعۃ من ز منہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احد ھما فھو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احد ھما فھو غیر معتبر کقولھم ھو ما لا یسع اھلہ اکبر مساجدہ اوما یعیش فیہ کل محترف بحرفتہ اویوجد فیہ کل محترف وغیر ذالک قولہ (عندابی حنیفۃ) صرح بہ فی التحفۃ عنہ ورواہ الحسن عنہ فی کتاب الصلوٰۃ کذافی غایۃ البیان وبہ اخذ ابویوسف وھو ظاھرالمذھب کمافی الھدایۃ واختارہ الکرخی والقدوری وفی العنایۃ ھو ظاھر الروایۃ وعلیہ اکثر الفقھاء . اس سلسلہ میں قول فیصل یہ ہے کہ مکہ ومدینہ دوایسے شہر ہیں، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک جمعہ قائم ہے۔لہٰذا ہر وہ جگہ جوان دو میں سے کسی ایک کے مثل ہو،وہ مصر ہےاور ہر وہ تفسیر جوان دو میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے وہ غیر معتبر ہے۔جیسے ان کا قول مصر وہ ہے جہاں کی سب سے بڑی مساجد میں وہاں کے نمازیوں کے لئے گنجائش نہ رہے۔یا جہاں ہر حرفت وپیشہ کے لوگ رہتے ہوں۔یا جہاں ایسے لوگ مل جاتے ہوں۔

ان کا قول (ابوحنیفہ کے نزدیک) تحفۃ الفقہاء میں ان سے یہ تصریح منقول ہوئی۔حسن نے ان سے کتاب الصلوٰۃ میں اس کی روایت کی ایسا ہی غایۃ البیان میں ہے۔اسی کو ابویوسف نے لیا۔یہی ظاہر مذہب ہے۔جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔اسی کو کرخی اور قدوری نے اختیار کیا۔اور عنایۃ میں یہی ظاہر روایت ہے۔اسی پر اکثر فقہاء ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے۔

ولادائھاشرائط فی غیرالمُصَلِّیٰ منھا المصرھکذافی الکافی والمصرفی ظاھر الروایۃ الموضع الذی یکون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود وینفذ الا حکام وبلغت ابنیتہ ابنیۃ منی ھکذافی الظھیر یہ وفتاوی قاضی خاں وفی الخلاصۃ وعلیہ الا عتماد کذافی التتار خانیۃ ومعنی اقامۃ الحدود القدرۃ علیھا ھکذا فی الغیا ثیۃ. نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے شرائط ہیں......ان میں سے ایک مصر یعنی شہر کا ہونا ہے۔ایسا ہی الکافی میں ہے۔ظاہر الروایہ کے مطابق مصر وہ جگہ ہے جہاں مفتی وقاضی ہو،حدود قائم کرے اور احکام کا نفاذ کرے اور جس کی عمارتیں تعداد میں منیٰ کی عمارتوں کو پہونچ جائیں۔ایسا ہی فتاویٰ ظہیریہ اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔''اسی پر اعتماد ہے۔ایسا ہی تتارخانیہ میں ہے''۔اقامت حدود کا معنیٰ یہاں پر یہ ہے کہ حدود قائم کرنے پر قدرت حاصل ہو۔ایسا ہی غیاثیہ میں ہے۔

درمختار مصری جلد اول ص ۵۸۱ میں ہے۔

وظاھر المذھب ان کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود. ظاہر مذہب یہ ہے

کہ مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں امیر وقاضی ہو، حدود قائم کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔
اس کے تحت شامی میں ہے۔

قوله (وظاهر المذهب الخ) قال فى شرح المنية والحدالصحيح ما اختاره صاحب الهداية انه الذى له امير وقاض ينفذ الا حكام ويقيم الحدود وتز ييف صدر الشريعة له عند اعتذا ره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم بظهور التو انى فى الاحكام مزيف بان المراد القدرة على ما صرح به فى التحفة عن ابى حنيفة ان بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه اوعلم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث و هذا هوالا صح . (ترجمہ اسی مسئلہ کے حوالہ ''کبیری شرح منیہ ص ۵۰۷ میں ہے''میں دیکھیں)۔ **والله تعالى اعلم.**

(۲): شخص مذکور جاہل وناداں ہے۔نماز وجماعت سے روکنا ممنوع ہے۔ **قال الله تعالى.** ﴿اَرَاَيْتَ الَّذِى يَنْهٰى﴾ ﴿عَبْداً اِذَا صَلّٰى﴾ [العلق: ۹، ۱۰] (ذرا بتانا تو کہ جو روکتا ہے بندہ کو جب اس نے نماز ادا کی) (معارف)۔اکابر محققین اہل سنت کا اجماع واتفاق ہے کہ وہ گاؤں جہاں پہلے سے جمعہ وعیدین ہوتا چلا آرہا ہے، وہاں جمعہ وعیدین پڑھنے والوں کو جمعہ وعیدین. سے روکا نہ جائے۔البتہ ظہر بھی پڑھنے کا حکم کیا جائے اور یوں سمجھایا جائے کہ قول مفتی بہ پر گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز نہیں ہوتی۔لہذا فرض ظہر جمعہ کے دن ضرور پڑھا جائے اور ایک فرض کے مطالبہ سے خود کو فرض ظہر پڑھکر سبکدوش کرلیا جائے اور کسی نئے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز قائم نہ کی جائے۔لیکن شخص مذکور کا تراویح کی نماز سے عوام کو منع کرنا، اس کی وجہ معلوم نہ ہوسکی کہ اس میں تو مصر یا فنائے مصر کی شرط نہیں۔ **والله تعالى اعلم.**

مسئلہ ۵۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے جواب میں کہ ایک موضع جو تقریبا نو دس (۹-۱۰) ہزار مسلمانوں کی آبادی پر مشتمل ہے، جہاں عرصہ دراز سے جمعہ وعیدین ہوتی چلی آئی ہے۔زید جو وہیں کا باشندہ ہے، کہتا ہے کہ یہاں جمعہ کے دن ظہر با جماعت ادا کرنا واجب ہے، اور جمعہ وعیدین مکروہ تحریمی ہے۔جو حضرات جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت ادا نہ کریں گے، ترک جماعت کے گنہگار ہوں گے۔اس بناء پر زید نے جمعہ کے دن نماز با جماعت ظہر کی ادا کرائی جس کی وجہ سے بستی میں کافی انتشار پیدا ہوگیا ہے، اور نوبت جھگڑے تک پہنچ گئی ہے، چند افراد کو چھوڑ کر بستی کے تمام لوگ زید کی اس روش پر برگشتہ ہو چکے ہیں، اس انتشار بین المسلمین کی بناء پر عمر کہتا ہے کہ اگرچہ کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، مگر جہاں ہوتا چلا آرہا ہے، وہاں فتنہ اور فساد کے باعث بند کردینا نہیں چاہئے اور نہ نماز ظہر باجماعت ادا کرنا چاہئے اور نہ ہی یہ مسئلہ چھیڑنا چاہئے۔ زید کہتا ہے کہ عمرو کا قول غلط ہے اور اس پر توبہ فرض ہے۔ عمرو اپنے قول کی تائید میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے فتاوی رضویہ جلد سوم کی یہ عبارت پیش کرتا ہے ص ۷۵۲ دیہات میں جمعہ وعیدین مذہب حنفی میں جائز نہیں، مگر جہاں ہوتا ہے وہاں روکنا جاہل کا کام ہے، ص ۷۱۴ پر ہے'' مگر

دربارہ عوام فقیر کا طریق عمل یہ ہے کہ ابتداءً انھیں منع نہیں کرتا اور نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند کرتا ہے ایک روایت پر صحت ان کے لیے بس ہے، وہ جس طرح خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیں غنیمت ہے۔ مشاہدہ ہے کہ اس سے روکئے تو وقتی نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں، ص ۲۰۷ پر وارد ہے کہ "جہاں آبادی اتنی ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق شہر ہے متاخرین نے اس کو اختیار کیا ہے اس روایت کی بنا پر وہاں جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں۔

عمرو کہتا ہے کہ اگر بقول زید مذکورہ بستی میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے۔ اور ترک گناہ کا موجب، تو زید کے اس قول کی روشنی میں ان علماء اور مفتیان کرام پر کیا حکم عائد ہوتا ہے، جو دیہات میں جاتے ہیں اور جمعہ پڑھتے ہیں، نہ ظہر کی نماز خود جماعت سے ادا کرتے ہیں اور نہ عوام کو حکم دیتے ہیں۔ کیا ان پر ترک جماعت اور مسئلہ نہ بتا کر کتمان حق کے جرم میں توبہ فرض ہے یا نہیں اور خود زید جو عرصہ سے دیہات میں جمعہ پڑھتا ہے کبھی ظہر کی نماز باجماعت ادا نہیں کی، اس پر بھی توبہ فرض ہے یا نہیں؟ جب اختلاف ائمہ کی بنا پر دیہات میں جمعہ وعیدین ادا کرنا گناہ کبیرہ نہیں تو زید کا عمرو سے توبہ کا مطالبہ کیسا ہے، اب ایسی صورت میں جب کہ موضع مذکور میں جمعہ کے دن نماز ظہر باجماعت ادا کرانے اور اس مسئلہ کے چھیڑنے پر نہ صرف شدید فتنہ شروع ہو چکا ہے، بلکہ افتراق وانتشار بین المسلمین بڑھتا جا رہا ہے۔ زید کے قول پر عمل کیا جائے اور جماعتی شیرازہ کو منتشر ہونے دیا جائے؟ بینو، توجروا۔

مسئولہ حافظ عبدالرشید صاحب، بھوجپور، ضلع مرادآباد، ۱۱ رستمبر ۱۹۷۲ء

الجواب: میں نے کافی غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ فتنہ وفساد بین العوام میں پھیلنے اور پھیلانے والی ہر بات سے بچنا چاہئے۔ زید کا یہ طریقہ جو اتنی بڑی آبادی کے مسلمانوں کے لیے باعث فتنہ وفساد اور سبب افتراق وانتشار بنا' درست نہیں، بلکہ بقول اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز یہ کام جاہلانہ ہوا، عاقلانہ نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے فرمان وتحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداءً یعنی دفعۃً ایسا ہرگز ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ رفتہ رفتہ حسن تدبیر سے مسائل بیان کر کے عوام کے دل ودماغ میں ایسا بسایا جائے کہ وہ مسائل واحکام کو بآسانی قبول کریں اور مان لیں۔ شعلہ بیانی سے کام لے کر مسائل واحکام کے منوانے کی کوشش نہ کی جائے۔

عمرو کی بات اور رائے معقول ہے۔ دور حاضر کے ہمارے اکابر علماء ومشائخ کرام واساتذۂ فخام ومفتیان عظام کی روش یہی ہے، جو عمرو بیان کرتا ہے کہ یہ حضرات غیر مصر اور فنائے مصر میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم بالعموم نہیں فرماتے ہیں اور خود ظہر کے فرض بھی پڑھ لیتے ہیں، اور سمجھ دار افراد کو حسن تدبیر سے فرض ظہر ادا کرنے کی ہدایت اس طرح فرماتے ہیں کہ فتنہ وفساد نہ پھیلے۔ عمرو کا قول اس درجہ کا نہیں ہے کہ اس پر توبہ فرض ہو، نہ میں ان اکابر پر توبہ واجب ہونے کا حکم دینے کی جراءت کر سکتا ہوں نہ ترک واجب کا مرتکب اور نہ کتمان حق کا مجرم قرار دے سکتا ہوں۔ یا زید جو توبہ کو فرض بتاتا ہے اس پر بقول خود توبہ ہونا چاہئے زید پر یہ لازم وعائد ہوتا ہے۔

زید کا عمرو سے مطالبۂ توبہ صحیح نہیں ہے۔ زید کے قول پر عمل کرنے کا حکم دینے سے قاصر ہوں، چونکہ وہ باعث فتنہ وفساد اور

سبب نفاق اور افتراق ہے۔

قال اللہ تعالیٰ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقرہ:۲۱۷] [البقرہ:۲۱۷] (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے) وقال عز اسمہ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرہ:۱۹۱] (اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے) (معارف) اصحاب علم وبصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ انسداد فتنہ وفساد کے لیے زمانہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر آج تک سلف وخلف، علماء ومشائخ عملی اقدام اور قولی پیش قدمی فرمانے سے اجتناب کرتے رہے ہیں، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسی اندیشہ کے پیش نظر کعبہ کی تعمیر صحیح سے احتراز فرمایا اور بنائے جاہلیت پر اسے قائم وباقی رہنے دیا۔ میں نے اپنے علم وفہم کے مطابق قرآن وحدیث پاک اور اصول دین کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس بارے میں اکابر علماء ومشائخ کی طرف رجوع کر کے مزید اطمینان کرلیا جائے، خصوصاً حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ اور حافظ ملت مدعمرہ سے بھی دریافت کرلیا جائے اور میری تحریر کی تغلیط یہ حضرات فرمائیں تو بسر وچشم قبول کرلوں گا، بشرطیکہ مجھے کہا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۳۱: نماز جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد جو چار رکعت نماز ہوتی ہے وہ نماز سنت کی نیت کی جائے یا چار رکعت نماز فرض ظہر کی نیت کی جائے؟

مسئولہ شیخ عبدالمجید ہ پور کلاں، مراد آباد، ۲۲ رفبروری ۱۹۶۹ء

الجواب: دیہات میں فرض کی نیت سے اور شہر میں سنت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ پڑھنے کے بعد ظہر پڑھنا چاہئے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ محمد حنیف امام مسجد، مہلک پو، معافی مراد آباد، ۱۳۹۴ھ جمادی الاخری شنبہ

الجواب: گاؤں میں جہاں جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہو وہاں جمعہ بند نہ کریں اور جو جمعہ کی نماز پڑھے اس پر فرض ولازم ہے کہ وہ ظہر کے چار فرض ضرور ضرور پڑھ لے۔ چونکہ ہمارے امام اعظم کے یہاں گاؤں میں جمعہ نہیں: اور ظہر کا فرض اس کے ذمہ باقی رہتا ہے، لہذا جمعہ کے بعد ظہر کے چار فرض پڑھ کر مطالبۂ ادائے فرض سے یقینی طور پر سبکدوش ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

خطبہ جمعہ وعیدین کے احکام

مسئلہ ۵۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ آج کل جمعہ کے خطبے میں اولاً تو آیات قرآنی تلاوت کی جاتی ہے بعدہ درمیانِ خطبہ میں اسی ممبر پر امام صاحب ان آیتوں کا ترجمہ مع مطلب کے بطور وعظ ونصیحت بیان فرماتے ہیں۔ شریعت مطہرہ میں اس کا جواز ہے کہ نہیں۔ بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں؟ عین نوازش

ہوگی؟

مسئولہ سید احمد الدین صاحب، ساکن بھوجا گاؤں، پورنیہ، ۹ رجولائی ۱۹۵۳ء

الجواب: عربی کے سوا کسی زبان میں خطبہ کا پڑھنا یا خطبہ میں غیر عربی کا کوئی جملہ استعمال کرنا خواہ وہ قرآن وحدیث کا ترجمہ یا اور کوئی وعظ ونصیحت کا جملہ ہو خلافِ سنت متوارثہ ہے۔ سنت متوارثہ وہ دینی طریقہ ہے، جو زمانہ سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بطور میراث یکے بعد دیگرے نقل ہوتا ہوا ہمارے پاس پہونچا ہو۔ کتب دینیہ میں کہیں منقول نہیں کہ زمانۂ سرکار رسالتؑ فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں یا زمانۂ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں یا زمانۂ اسلاف میں عربی کے سوا کسی زبان میں خطبہ پڑھا گیا ہو یا عربی کے سوا کوئی اور زبان خطبہ میں ملائی گئی ہو، لہذا دورِ حاضر میں ایسا کرنا خلافِ سنتِ متوارثہ ہے، نیز حضرات صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں جب وہ ممالک فتح ہوئے جہاں عربی زبان رائج نہ تھی تو وہاں بھی خطبہ عربی ہی میں پڑھا گیا، یا وہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی زبان عربی نہ تھی، ان حضرات نے بھی غیر عربی میں خطبہ نہ پڑھا، نہ پڑھنے کا حکم دیا، لہذا غیر عربی میں خطبہ نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح درمیانِ خطبہ میں بھی آیاتِ قرآنیہ واحادیث کا ترجمہ یا وعظ ونصیحت کے کلمات غیر عربی میں ذکر نہ کئے جائیں۔ اگر وعظ ونصیحت خطیب وقوم کو مطلوب ہو تو خطیب وقتِ خطبہ سے جتنا پہلے مناسب سمجھے تقریر و وعظ بیان کرے، بعدہ اذان خطبہ کے بعد خطبہ عربی میں پڑھے۔

نیز ایسے اذکار جو نماز سے خارج ہیں، جیسے تکبیر تشریق وتسمیہ عند الذبح اور تلبیہ (وقت احترام لبیک لبیک آخر تک پڑھنا) سلام کرنا اور ایمان لانا اور گواہی دینا اور جواب سلام دینا وغیرہا مطلقا غیر عربی میں بالاتفاق جائز ہیں اور خطبہ اور وہ اذکار جو نماز میں داخل ہیں، جیسے دعاء وثناء وتسبیح وتسمیع وتحمید وتکبیر تحریمہ وتعوذ وتسمیہ وغیرہا ان اذکار کا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عربی زبان پر قادر ہوتے ہوئے غیر عربی میں ادا کرنا صحیح ہے، لیکن مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوگا، اور حضرت امام ابو یوسف وامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک عربی زبان پر قادر ہوتے ہوئے ان امور کو غیر عربی میں ادا کرنا صحیح نہیں اور عربی زبان پر قادر نہ ہو تو غیر عربی میں ادا کرنا صحیح ہوگا، لہذا بمقتضائے قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتعلیل فقہاء عربی میں خطبہ پڑھنے پر قادر ہونے کے باوجود غیر عربی میں خطبہ پڑھے یا خطبہ میں غیر عربی کو ملائے تو وہ خطبہ مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوگا اور بقول صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ خطبہ ادا ہی نہ ہوگا۔ درِمختار مصری جلد اول ص ۳۵۶ میں ہے۔

(وصح شروعه) ایضامع كراهة التحريم(بتسبيح و تهليل، كما صح لوشرع بغير عربية) ...... وشر طاعجزه، وعلىٰ هذا الخلاف الخطبة' و جميع اذكار الصلوٰة' واما ما ذكره بقوله او آمَنَ اولَبّى اوسلّم اوسَمّى عند ذبح اوشهد عند حاكم اورد سلاما (اوقرأبها عاجزا) فجائز اجماعاً، (ملخصا). جس طرح نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتے ہیں، تسبیح وتہلیل سے بھی نماز کا شروع کرنا صحیح ہے۔ مگر مکروہ تحریمی ہوگا۔ .... صاحبین نے عربی زبان پر قدرت نہ ہونا صحیح ہونے کی شرط قرار دیا ہے۔ یہ اختلاف خطبہ اور تمام اذکارِ نماز میں جاری

ہوگا۔ جہاں تک مصنف کے اس قول کا تعلق ہے۔ ''یا ایمان لایا یا لبیک الخ کہا، یا سلام کیا، یا ذبح کے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا''۔ ------ یا حاکم کے پاس شہادت دی یا سلام کا جواب دیا۔ ہم نے یہ لفظ ''اگر چھینکنے والے کو جواب دیا نہیں دیکھا۔'' (یا غیر عربی میں عجز کی حالت میں پڑھا تو بالا جماع جائز ہے۔)

ردالمحتار ص ۳۵۷ میں ہے۔

قوله (واما ما ذكره الخ) اى مماهو خارج عن اذكار الصلوٰة، و جواب 'اما' قوله الأتى فجائز اجماعا. ماذکرہ سے مراد وہ اذکار ہیں جواذکار نماز سے خارج ہیں۔

اسی میں ہے۔

لان العجز عند هما شرط فى جميع اذكار الصلوٰة. صاحبین کے نزدیک تمام اذکار نماز کا غیر عربی میں ادا کرنا اسی وقت صحیح ہوگا جب عربی میں ان کی ادائیگی سے عاجز ہو۔

اسی کے ص ۳۵۸ میں ہے۔

وفى شرح الطحاوى: ولو كبربالفارسية،اوسمى بالفارسية عند الذبح، اولبّى عندالاحرام بالفارسية' اوباى لسان' سواء كان يحسن العربية'اولا'جازبالاتفاق.
طحاوی کی شرح میں ہے۔ ''اگر تکبیر فارسی میں کہا یا ذبح کے وقت فارسی میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا یا احرام کے وقت لبیک الخ فارسی یا کسی اور زبان میں کہا، خواہ عربی سے واقف ہو یا نہ ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔

اسی کے ص ۳۸۵ میں ہے۔

و اماصحة المشروع بالفارسية و كذاجميع اذكار الصلوٰة فهى على الخلاف، فعنده تصح الصلوٰة بها مطلقا خلافالهما كما حققه الشارح هناك. و الظاهر ان الصحة عنده لاتنفى الكراهة وقدصرحوا بها فى الشروع------- و امابقية اذكار الصلوٰة فلم ارمن صرح فيها بالكراهة سوىٰ ماتقدم........ جہاں تک فارسی میں نماز شروع کرنے کا معاملہ ہے اسی طرح جہاں تک دیگر اذکار نماز کا فارسی میں کہنے کا معاملہ ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک فارسی میں مطلقاً نماز صحیح ہے۔ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ وہاں شارح نے تحقیق کی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب کا صحیح کہنا کراہت کی نفی نہیں کرتا۔ کراہت کی تصریح فقہاء نے کی ہے۔ جہاں تک دیگر اذکار نماز کا تعلق ہے تو میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان کے غیر عربی میں کہنے کی کراہت کی تصریح کی ہو، سوائے ماتقدم کے۔

اسی صفحہ میں ہے۔

لكن المنقول عندنا الكراهة، فقد قال فى غرر الافكار شرح دررالبحار فى هذا المحا : و كره الدعاء بالعجمية، لان عمر نهى عن رطانة الاعاجم اه. مگر ہمارے نزدیک

کراہت منقول ہے۔ غررالافکار میں اس مقام پر کہا۔ عجمی زبان میں دعاء مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر نے عجمیوں کی زبان میں دعاء کرنے سے منع کیا۔

اسی صفحہ میں ہے۔

.... ورأيت في الولوالجية في بحث التكبير بالفارسية ان التكبير عبادة لله تعالىٰ، والله تعالىٰ لايحب غير العربية، ولهذا كان الدعاء بالعربية اقرب الى الاجابة، فلايقع غيرها من الالسن من الرضاء و المحبة لها موقع كلام العرب اه، و ظاهر التعليل ان الدعاء بغير العربية خلاف الاولىٰ و ان الكرا هة فيه تنزيهية. ...... میں نے الولوالجیہ میں فارسی میں تکبیر کی بحث میں دیکھا کہ تکبیر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو عربی زبان کے علاوہ کوئی زبان محبوب نہیں۔ اسی لئے عربی میں دعاء جلد مقبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رضاء و محبت کا جو مقام عربی زبان کو حاصل ہے وہ دوسری زبان کو حاصل نہیں۔ اس استدلال کا مفاد یہ ہے کہ دوسری زبان میں دعاء خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔

اسی صفحہ میں ہے۔

ولايبعد ان يكون الدعاء بالفارسية مكروها تحريما في الصلوٰة و تنزيها خارجها. یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ فارسی زبان میں دعاء نماز کے اندر مکروہ تحریمی اور خارج نماز مکروہ تنزیہی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۳۴: گزارش فدوی یہ ہے کہ اس خط کے ساتھ میں ایک نظم کی نقل ہے اور وہ نظم جس خطبہ کی کتاب میں ہے، اس کا حوالہ بھی لکھا ہے۔ اس کتاب کا ص ۱۷۳ ہے، برائے مہربانی اس نظم کے مسئلہ کو پورے طور سے حل کر کے فتویٰ لکھ کر سنی شریعت کے مطابق دیں، یہ نظم جمعہ کے روز ایک مسجد میں پیش امام صاحب نے خطبہ میں پڑھا ہے، اس پر چند صاحبان نے اعتراض کیا، اس اعتراض کو صاف کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے؟

مسئولہ نور محمد عبداللطیف، کریم پورہ نور بلڈنگ، راجکوٹ، سوراشٹر

الجواب: عربی نثر میں خطبہ پڑھنے پر قادر ہونے کے باوجود امام مسجد کا خطبہ کے اندر اس اردو نظم کا پڑھنا خلاف سنت متوارثہ ہے۔ ہاں دو ایک شعر عربی کا جس میں پندونصائح ہوں، خطیب خطبہ میں پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ سنت متوارثہ وہ دینی طریقہ ہے جو زمانہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بطور میراث یکے بعد دیگرے نقل ہوتا ہوا ہمارے پاس پہنچا ہو۔ کتب دینیہ میں کہیں منقول نہیں کہ زمانہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یا زمانہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں یا زمانہ اسلاف میں عربی نظم میں یا اس کے سوا کسی زبان کے نثر و نظم میں یا عربی کے ساتھ ملا کر کسی غیر عربی زبان کے نثر و نظم کو خطبہ میں پڑھا گیا ہو۔ لہٰذا دور حاضر میں ایسا کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے، نیز حضرات صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں جب وہ ممالک فتح ہوئے جہاں عربی زبان رائج نہ تھی، وہاں بھی

خطبہ عربی ہی میں پڑھا گیا، یا وہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی زبان عربی نہ تھی، ان حضرات نے غیر عربی میں نہ خطبہ پڑھا اور نہ پڑھنے کا حکم دیا۔ لہذا غیر عربی نثر ونظم میں یا عربی کے ساتھ غیر عربی نثر ونظم کو ملا کر ہرگز خطبہ نہ پڑھا جائے۔ (جس نے اعتراض کیا، اس کا اعتراض درست ہے اور اس مجموعہ خطب کا مؤلف مسائل شرعیہ سے ناواقف معلوم ہوتا ہے، اس خطبہ کو یہ بتانا کہ مکہ معظمہ ومدینہ طیبہ میں رائج ہے اور چاروں مذہب اور حدیث کے موافق ہے، محض غلط و باطل ہے)۔ درمختار مصری جلد اول ص ۳۵۶ میں ہے۔

(وصح شروعه) ایضامع کراهة التحریم (بتسبیح و تهلیل کما صح لوشرع بغیر عربیة وشر طاعجزه، وعلیٰ هذا الخلاف الخطبة و جمیع اذکار الصلوٰة. (ترجمہ... مسئلہ ۵۳۳... میں دیکھیں)۔

اسی کے ص ۳۸۵ میں ہے۔

و اماصحة الشروع بالفارسیة ......(پوری عبارت... مسئلہ ۵۳۳... میں دیکھیں)۔

اسی صفحہ میں ہے:

لکن المنقول عندنا الکراهة ......(پوری عبارت... مسئلہ ۵۳۳... میں دیکھیں)۔

ان عبارات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر عربی نثر یا نظم میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ معلوم ہوا کہ غیر عربی نثر یا نظم میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۳۵: کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ جمعہ وعیدین میں امام غزل نہیں پڑھتا تو اس پر طعن کی جاتی ہے، امام بعض جگہ مجبوراً نمازیان مسجد کی دلجوئی کے لئے غزل پڑھتا ہے۔ اہل حدیث فرقہ کہتا ہے کہ اردو میں خطبہ ضرور پڑھنا چاہئے اس سے نمازیوں پر اچھا اثر ہوتا ہے، اہلِ سنت بھی دیکھا دیکھی اور نمازیوں کے زور دینے پر اردو یا عربی کی غزل ضرور پڑھتے ہیں اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو اہلِ سنت و جماعت ہیں غزل ضرور پڑھنی چاہئے تو جناب سے گزارش ہے کہ از روئے شرع شریف اہل سنت وجماعت کے لئے کیا حکم ہے؟

مسئولہ عبدالحئ، محلہ قاضی قصبہ نرولی، ضلع مرادآباد، ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

الجواب: جو سنی امام خطبہ میں اردو یا فارسی یا عربی کی نظم نہیں پڑھتا، اس پر کسی کا طعن کرنا کمال نادانی اور غلطی کی بات ہے، شرعاً عربی نثر کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا یا عربی نظم کا ایک دو شعر پند ونصیحت والے کے سوا کسی زبان کی نظم کا درمیانِ خطبہ میں پڑھنا خلاف سنت متوارثہ قدیمہ ہے، خلاف سنت پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خواہ مقتدی خوش ہوں یا ناراض۔ امام کا اتباع جائز امور میں مقتدی کے لئے ضروری ہے، نہ کہ امام خلافِ سنت امر میں مقتدی کا اتباع کرے۔ بہر حال مقتدیوں کا امام پر زور ڈالنا یا مناسب قرار دینا کہ خطبہ میں غزل ونظم ضرور پڑھی جائے، غلطی کی بات ہے، اہل سنت وجماعت کو جواب میں لکھے ہوئے حکم پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۳۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱): جمعہ اذان ثانی کے بعد ممبر پر خطیب عربی خطبہ پڑھ کر اردو اشعار باترجمہ پڑھتے ہیں، پھر بارک اللہ لنا، پڑھکر بیٹھ کر پھر بعد میں خطبہ ثانی پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے کہ نہیں؟ (۲): خطبہ کا کیا مطلب ہے، صرف ذکر یا وعظ ونصیحت ہے؟
(۳): اگر وعظ ونصیحت ہے تو کیا صورت ہوگی، جب کہ عوام الناس عربی کا ترجمہ نہ جانتے ہوں، وہ تو بالکل فائدہ نہیں حاصل کر سکتے؟ (۴): کیا اذان ثانی سے قبل وعظ ونصیحت یا خطبہ کا ترجمہ ممبر کے نیچے پڑھنا سنانا ناجائز ہے؟ (۵): کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ایسا کیا ہے۔ یعنی (۴) کے مطابق، یہ سنت کے خلاف ہے کہ نہیں؟

مذکورہ سوالوں کا جواب مفصل مع حوالہ کتب احادیث وفقہ کے بموجب شرع شریف کے صاف حرفوں میں تحریر فرمائیں، حوالہ میں اگر عربی یا فارسی عبارت تحریر فرمائیں تو ترجمہ بھی ساتھ ہی تحریر فرمائیں، عین نوازش وکرم ہوگا؟

مسئولہ اراکین جامع مسجد، کاسودہ ضلع جل گاؤں، ۳ رجنوری ۱۹۷۱ء

الجواب: (۱): اذان خطبہ کے بعد جمعہ کے دن یا عیدین کے دن دونوں خطبوں میں سے کسی خطبہ کے درمیان میں کسی بھی غیر عربی زبان میں وعظ ونصیحت کا کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے، محققین فقہائے احناف کا مسلمہ اور تحقیق شدہ یہی حکم ہے، نیز آغاز خطبہ میں اور آخر خطبہ میں بھی کسی غیر عربی زبان میں وعظ ونصیحت کے کلمات نظم ونثر دونوں ممنوع ہیں۔ خلافت راشدہ سے لے کر دوسری خلافتوں کے زمانہ میں جب ایسے بلاد وامصار یا ممالک فتح ہوئے جہاں کی زبان غیر عربی تھی، تو خطبہ جمعہ وعیدین صرف عربی ہی زبان میں پڑھا گیا، اسی روشنی میں ہمارے فقہا نے خلاف سنت متوارثہ ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ **هكذا يفهم من الدرالمختار و ردالمحتار و غيرهما من الاسفار. والله تعالىٰ اعلم.**

(۲) و(۳): خطبہ حمد وثنا، صلوٰۃ وسلام بر حضور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ذکر خلفائے راشدین وصحابہ کرام وحسنین کریمین وبنات وازواج ومحارم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور تلاوت کلام اللہ شریف وذکر حدیث نبوی اور وعظ ونصیحت کے مجموعہ کا نام ہے، جو عربی زبان میں ہو۔ غیر عربی کا خطبہ مسنون نہ ہوگا۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۴) و(۵): اذان جمعہ سے پہلے یا نماز جمعہ وعیدین کے بعد ممبر پر یا ممبر کے نیچے خطبہ کا ترجمہ کسی بھی غیر عربی زبان میں کرنا جائز ہے، یہ حکم وعظ ونصیحت کا ہے، ایسا کرنے سے وعظ ونصیحت کی باتیں عوام کو معلوم ہو سکیں گی اور وہ بخوبی ہر چیز کو سمجھ سکیں گے، ایسا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ مسنون نہیں ہے، لیکن صحیح وجائز مقصد کے مطابق ہونے کی وجہ سے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، بلاشبہ جائز وصحیح ہے۔ کتابوں کے حوالے لکھنے کے لئے پھر عربی وفارسی کے ترجمے لکھنے کے لئے وقت وفرصت کی ضرورت ہے، فی الحال مجھے فرصت نہ مل سکی، اس لئے صرف جواب مسائل لکھ رہا ہوں۔ والله تعالىٰ اعلم.

مسئله ۵۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت امام خطبہ کہتا ہو جمعہ کے روز ہلکی دو رکعت پڑھ کر پھر خطبہ سننے، پڑھنے والے مسلم شریف کے حوالہ سے یہ حدیث پیش کرتے ہیں مسلم شریف مع شرح نووی ص ۲۸۷ جلد اول نولکشور میں ہے۔

حدثنا اسحٰق بن ابراهیم عن علی بن حشرم کلاهما من عیسیٰ بن یونس قال ابن حشرم انا عیسیٰ عن الا عمش عن ابی سفیان عن جابر بن عبدالله قال جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعة ورسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یخطب فجلس فقال، یا سلیک قم فارکع رکعتین، ثم قال اذا جاء احد کم یوم الجمعة والا مام یخطب فلیر کع رکعتین.

مسئولہ محمد خورشید، محلہ تمبا کو والا، مرادآباد، ۲ر نومبر ۱۹۶۰ء

الجواب: اس حدیث کے معارض ومخالف دوسری حدیث بھی صحاح ستہ یعنی بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف میں آئی ہے، وہ یہ ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا قلت لصاحبک یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت. یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا کہ خطبہ کے وقت کسی بات چیت کرنے والے کو خاموش رہنے کا حکم نہ کرو اس وقت تم کسی اپنے ساتھی کو بات چیت کرنے سے منع کروگے تو تمھارا منع کرنا لغو وباطل ہوگا۔

خطبہ جمعہ کے وقت خطبہ کا سننا واجب اور بات چیت کرنا حرام وممنوع ہے۔ جب خطبہ کے وقت امر واجب کا حکم کرنا اور حرام سے روکنا ممنوع ٹھہرا حالانکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے، اور جب فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہونے کے باوجود خطبہ کے وقت ممنوع اور لغو وباطل ہوا تو نفل نماز حدیث مذکور کی دلالت سے بطریق اولیٰ ممنوع ہوئی، لہذا خطبہ کے وقت نفل نماز ہرگز ہرگز نہ پڑھے، شریعت طاہرہ کے اصول میں یہ اصل متفق علیہ کہ جب کسی امر کی اباحت وحرمت میں تعارض پیدا ہو تو حرمت کو ترجیح دی جائے گی، لہذا اصل مذکور کی رو سے حدیث مندرجہ فی السوال مرجوح اور حدیث مذکورہ درجواب راجح قرار پائیگی، نیز مسلم کی حدیث مذکور جو سوال میں درج ہے، اس کے متعلق بعض روایتوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آنے والے شخص کو نماز نفل کا حکم دے کر خطبہ سے خاموش رہے، جب وہ نفل پڑھ چکے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پورا فرمایا، نیز اس حدیث کے اندر یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث اس وقت کی ہے، جب خطبہ جمعہ کے وقت نماز وکلام وغیرہ ممنوع نہ تھا۔ هذا ما عندی والله سبحانه وتعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۳۸: جمعہ میں اردو خطبہ کس وقت پڑھنا چاہئے کیونکہ عوام جاہل ہیں، عربی خطبہ سمجھ نہیں پاتے؟

مسئولہ شبیر حسین، محلہ عیدگاہ، نئی آبادی، مرادآباد، ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ جمعہ

الجواب: قبل اذان ثانی اگر مقتدی چاہیں اور سب لوگ سنتوں سے فارغ ہو چکے ہوں تو تفہیم عوام کے لئے اردو یا دیگر غیر عربی زبان میں پند ونصائح کے کلمات یا اس خطبہ عربیہ کا ترجمہ بصورت نظم ہو یا نثر خطیب پڑھ سکتا ہے، لیکن اذان خطبہ کے بعد بجز عربی کے دیگر زبان میں خطبہ دینا خواہ اردو میں ہو یا فارسی میں خلاف سنت متوارثہ اور مکروہ ہے، پھر خواہ وہ خطبہ صرف اردو ہی میں ہو یا عربی اردو دونوں کا مجموعہ، مختصر یہ کہ بعد اذان ثانی خطبہ عربیہ کے علاوہ کسی دوسری زبان میں

خطبہ پڑھنا مطلقاً سنت متوارثہ قدیمہ کے خلاف ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۳۵۶ میں ہے۔

وعلیٰ هذا الخلاف الخطبة و جميع اذكار الصلوٰة. (ترجمہ... مسئلہ ۵۳۳... میں دیکھیں)۔

ردالمحتار مصری جلد اول ص ۳۸۴ میں ہے۔

و اما صحة الشروع بالفارسية.... (پوری عبارت ... مسئلہ ۵۳۳... میں دیکھیں)۔

خطبہ میں ادائے واجب اور سنت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، خطبہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ سارے سامعین کو خطبہ کا مضمون سمجھایا جائے۔ زمانہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلافت راشدہ اور قرونِ اولیٰ میں جتنے ممالک عجم پر مسلمانوں نے فتح وکامرانی حاصل کی اور جہاں جہاں جمعہ اور عیدین کی نمازیں قائم ہوئیں، ہر جگہ عربی ہی میں خطبہ پڑھا گیا، لہٰذا خطبہ میں عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان کا استعمال نہیں ہوسکتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ عز اسمہ اتم و احکم۔

مسئلہ ۵۳۹: خطبہ کے درمیان باواز بلند یا آہستہ کوئی چیز مثلاً درود شریف یا اور کوئی وظیفہ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔

مسئولہ محمد صابر امام مسجد بڑھیا والی، محلہ کسرول، مراد آباد، ۵ر صفر المظفر ۱۳۸۴ء سہ شنبہ

الجواب: درمیان خطبہ میں اوراد و وظائف یا درود شریف زور سے ہو یا آہستہ پڑھنا درست نہیں کہ یہ چیزیں خطبہ کے سننے میں مخل ہوں گی اور خطبہ کا سننا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۴۰: خطبہ کے وقت کیا سنتیں پڑھنا ضروری ہیں؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مراد آباد، ۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: خطبہ کے وقت سنت ہرگز ہرگز نہ پڑھے۔

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا خرج الامام فلاصلاة ولا كلام. جب امام خطبہ کیلئے نکل گیا تو نہ نماز جائز ہے، نہ بات چیت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ میں دو خطبہ کیوں پڑھے جاتے ہیں، ایک شخص نے ایک روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے کہ ایک یہودی نے تیر پھینکا جس سے حضور ﷺ فوراً بیٹھ گئے اور وہ تیر آگے نکل گیا، پھر حضور ﷺ کھڑے ہوگئے، کیا یہ روایت صحیح ہے؟

مسئولہ مولوی شہاب الدین، موضع قاضی پورہ، مراد آباد، ۱۶ر جمادی الاخری ۱۳۸۴ھ

الجواب: جمعہ میں دو خطبوں کا پڑھنا سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور حضور کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت اور ہمیشہ سے مسلمانوں کا اس پر عمل رائج ہے، لہذا یہ سنت متوارثہ ٹھہری۔ شان مسلم یہ ہونی چاہئے کہ جو قول و فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہو بشرطیکہ وہ حضور ﷺ کے خصوصیات میں سے نہ ہو، اس پر بلا چون وچرا عمل کرے، وجہ اور سبب کے چکر میں نہ پڑے۔ سوال میں مذکورہ بالا روایت بے بال و پر کی ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ملتی، یہاں جتنی کتب فقہیہ وحدیث موجود ہیں، سب میں کافی جستجو کی گئی لیکن کہیں یہ روایت نہ مل سکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عید اگر جمعہ کے دن ہو جائے تو عید اور جمعہ دونوں کے خطبے پڑھے جائیں گے یا صرف کسی ایک خطبہ پر ہی اکتفا کیا جائے؟

مسئولہ منشی خدا بخش صاحب، سنبھل ضلع مراد آباد، ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

الجواب: جب کبھی عید جمعہ کے دن ہو جائے تو بعد نماز عید، عید کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ جس میں عید کے مسائل واحکام بالخصوص مذکور ہوں گے اور قبل نماز جمعہ، جمعہ کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ یعنی دونوں نمازوں کے ساتھ دونوں کے خطبے قبل جمعہ و بعد عید ضرور پڑھے جائیں گے۔ جمعہ کا خطبہ فرض وشرط ہے، بغیر خطبہ پڑھے جمعہ ہی نہ ہوگا، خطبہ چھوڑنے والا گنہگار و فاسق ہوگا، اور عید کا خطبہ مسنون ہے، عید کے خطبہ کے بغیر عید کی نماز ہو جائے گی، لیکن سنت مؤکدہ کے ترک کا مواخذہ اس کے ذمہ ضرور ہوگا، جمعہ کی نماز اور عید کی نماز الگ الگ دو عبادتیں ہیں، اس لئے صرف ایک نماز کا خطبہ دوسری نماز کے خطبہ کے لئے کافی نہ ہوگا، دونوں خطبوں کے مضامین میں فرق ہوتا ہے، ایک قبل نماز اور دوسرا بعد نماز۔ ایک فرض دوسرا سنت۔ فرض ادا کرنے سے فرض ہی ادا ہوگا، سنت کی ادائیگی نہ ہوگی اور سنت ادا کرنے سے سنت ہی ادا ہوگی، فرض ادا نہ ہو سکے گا، لہٰذا دونوں کے لئے دونوں کے خطبے قبل نماز اور بعد نماز ضرور پڑھے جائیں گے۔ ایک خطبہ دوسرے کے لئے ہرگز ہرگز کافی نہ ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، وہ جمعہ کے دن دس بجے سے لے کر ڈیڑھ بجے تک خطبہ کے وقت زور زور سے تبلیغی بیان کرتے رہتے ہیں۔ نمازی سنت پڑھتے ہیں، ان کا دھیان منتشر ہوتا ہے۔ دو چار آدمیوں نے ان سے کہا آپ بعد نماز جمعہ بیان کیا کریں انھوں نے جواب دیا کہ سنت گھر پڑھکر آیا کرو، لہٰذا امام مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟ **بینوا توجروا.**

مسئولہ حکیم حافظ محمد حسین صاحب آزاد اشرفی، نوگاواں سادات ضلع مراد آباد، ۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ جمعہ

الجواب: خطبہ کی اذان کے بعد جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو تو عربی نثر میں دو خطبے کے سوا خطیب کوئی اور دوسری چیز نہ پڑھے۔ خواہ کتاب ہو یا تبلیغی مضمون یاد دیکھ کر یا زبانی تقریر بھی اردو میں نہ کرے، عربی نظم کا خطبہ بھی نہ پڑھے، تبلیغی امام جہالت کا مرقع ہوتا ہے، اسے اتنا شعور ہی نہیں ہوتا کہ جائز یا ناجائز اور مکروہ وممنوع سے وہ صحیح طریقہ پر باخبر ہو کر اس پر عمل کرے، لہٰذا کسی ایسے تبلیغی امام کے پیچھے نماز ہرگز ہرگز نہ پڑھی جائے۔ اسی طرح جب امام خطبہ کے لئے بعد اذان کھڑا ہو تو کوئی نماز کوئی نفل وسنت ہرگز ہرگز نہ پڑھے۔ اس سے پہلے پہلے نفل وسنت پڑھ لے، قبل خطبہ نفل وسنت کے وقت میں کر کے نمازیوں کی نمازوں میں خلل نہ ڈالا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ جو تقریر کرنی ہو وہ بعد فرض پھر نفل وسنت ہو تو اس سے فراغت کے بعد تقریر کی جائے جو نماز وخطبہ کے وقت آیا وہ سنت ونفل بعد فرض پڑھے، مسئلہ کی صحیح نوعیت یہ ہے، کارڈ میں اتنا لکھنا کافی ہے، زیادہ کی گنجائش نہیں۔ **وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم.**

اذان ثانی اور دعاء کے احکام

مسئلہ ۵٤٤: کیا فرماتے ہیں علمائے ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہئے یا باہر دروازہ پر؟ حضور اقدس ﷺ وخلفائے راشدین کے زمانہ اقدس میں یہ اذان کہاں ہوتی تھی؟

مسئولہ عبد السنان اشرفی بہاری، کالسروا پاڈاکور، ضلع کھیڑا، گجرات، ٦ر جمادی الاول ١٣٨١ھ

الجواب: جمعہ کی اذان جو خطیب کے ممبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ مسجد کے کسی ایسے حصہ میں مکروہ ہے جو حصہ نماز پڑھنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ مئذنہ (اذان گاہ) یا دیوار مسجد کے طاق یا مسجد کے دروازہ پر یہ اذان ہونی چاہئے۔ یہی حکم نماز پنجگانہ کی اذانوں کا بھی ہے۔ سرکار رسالت مآب کے زمانہ اقدس میں بھی یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوتی تھی۔ **کمار واہ ابو داؤد.** طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ١١٧ میں ہے۔

ویکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی الفتح۔ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے جیسا کہ الفتح میں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ٥٢ میں ہے۔

وینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان. مناسب یہ ہے کہ اذان گاہ پر اذان دی جائے یا خارج مسجد دی جائے۔ مسجد کے اندر ہرگز نہ دی جائے۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵٤۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ خطبہ کی اذان کے بارے میں ہمار... یہاں شدید اختلاف ہے۔ زید بحوالۂ احکام شریعت اذان مسجد کے اندر ہونے کو مکروہ بتاتا ہے، دوسرے کچھ لوگ اس حق میں نہیں ہیں؟

مسئولہ کلن، بیر کھیڑا، مراد آباد، ١٤ر جمادی الاخریٰ ١٣٨٢ھ

الجواب: احکام شریعت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خانصاحب قدس سرہ العزیز فاضل بریلوی کا وہ مجموعہ مسائل ہے جس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ اس کا یہ مسئلہ بھی صحیح ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد میں مکروہ ہے۔ کوئی اذن مسجد میں نہ کہی جائے۔ اگر اذان گاہ اونچی بنی ہوئی ہو تو اس پر اذان کہی جائے ورنہ خارج مسجد یا فنائے مسجد یا دروازہ مسجد یا مسجد کے ایسے بڑے طاق میں جس میں کھڑے ہو کر اذان دینا ممکن ہو اور وہ طاق دیوار مسجد میں بنی ہوئی ہو، اذان کہی جائے جیسا کہ جامعہ نعیمیہ میں ہے۔

خطبہ کی اذان میں امام ومؤذن کا باہم سامنے ہونا ایک دوسرے کے مقابل اور محاذی میں ہونا ہی مسنون ہے۔ اب تک سلاطین اسلام کی بنائی ہوئی کثیر مساجد ہندوستان میں ایسی ہیں جن میں خطبہ کی اذان کے لئے منبر کے سامنے کافی فاصلہ پر اونچی اذان گاہ بنی ہوئی ہے اور اسی اذان گاہ پر یہ اذان ہوا کرتی ہے۔ نہ معلوم کب سے خلاف سنت یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ منبر مسجد سے متصل مسجد میں خطبہ کی اذان ہونے لگی۔ عام طریقہ پر یہ رواج غلط اور خلاف سنت ومکروہ ہے۔ جہاں

تک ممکن ہو آسانی کے ساتھ طریق سنت پر عمل کرنے کو رواج دیا جائے اور مکروہ طریقہ کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن ایک سنت کے رائج کرنے کے لئے آپس میں اہل سنت فتنہ وفساد ہونے نہ دیں باہمی اختلاف وافتراق سے بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): جمعہ کی نماز کے لیے خطبہ کی اذان اندرون مسجد یا خارج مسجد ہونی چاہیے، اندر ہونے کی صورت میں مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ ازروئے حدیث بیان فرمائیں؟

(۲): اگر کوئی شخص محض اپنی جہالت سے اذان اندرون مسجد ہونے پر مصر ہو اور کہلواتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳): اگر کوئی عالم اندرون مسجد اذان ہونے کا فتویٰ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ محمد تشمیر حسین رضوی بہاری، ہسوان، یکم ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

الجواب: (۱): جمعہ کے خطبہ کی اذان ایسی جگہ سے ہونی چاہیے جو جگہ نماز پڑھنے کے لیے وضع نہ کی گئی ہو۔ ایسی جگہ مسجد کے اندر منبر کے سامنے شرقی دیوار میں ہوسکتی ہے اور بنائی جاسکتی ہے یا ایسی جگہ خارج عن المسجد بھی ہوسکتی ہے۔ عام طور پر منبر کے سامنے صف میں اس جگہ خطبہ والی اذان ہوتی ہے، جو جگہ نماز کے لیے وضع کی گئی ہے، یہ مکروہ تنزیہی اور خلاف سنت ہے۔ اس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے بہت سے رسائل ہیں اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام اور چھوٹے صاحبزادے حضور مفتی اعظم ہند کے بھی رسائل وتحریرات ہیں۔ اس مسئلہ پر کافی بحث وتمحیص وتحریر بلکہ مقدمہ بازی تک ہوچکی ہے۔ لوگ اس پر عمل کریں تو بہتر ہے ورنہ اس مسئلہ پر فتنہ وفساد برپا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ تفصیل کے لیے بریلی شریف سے رسائل منگائیں اور مسئلہ پر عمل کریں۔ اوفق اللمعہ فی اذان الجمعہ، النکتہ علیٰ مراء کلکتہ، القول الاظہر وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ عالم۔

(۲): مخالف سنت ومرتکب مکروہ تنزیہی ایسا شخص قرار دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ عالم۔

(۳): عالم پر مخالف سنت ومرتکب مکروہ تنزیہی کے علاوہ قلت علم ونظر کا بھی حکم دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم:

مسئلہ ۵۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جمعہ کے روز قبل نماز جمعہ دو اذانیں ہوتی ہیں۔ اذان ثانی کے لیے کیا حکم ہے کہ اندرون مسجد منبر کے سامنے ہونی چاہیے یا کہ خارج مسجد میں منبر کے سامنے اور اگر بیرون مسجد منبر کے سامنے ہونی چاہیے تو جو لوگ اندرون مسجد اذان دیتے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومستحکم جواب عنایت فرمائیں۔ بینو اتوجروا۔

مسئولہ محمد اسحاق، موضع رانی پور، بندن دار، سنتھال پرگنہ، ۷ر جمادی الاخری ۱۳۹۴ھ جمعہ

الجواب: خطبہ سے پہلے جو اذان امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے، وہ اذان خطیب کے سامنے صف مسجد میں ایسی جگہ نہیں کہی جائے جو جگہ نماز پڑھنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ چونکہ ایسی جگہ میں اذان پنجگانہ ہو یا جمعہ کی کوئی اذان ہو مکروہ وممنوع ہے، بلکہ جمعہ کی اذان مذکورہ مسجد کے دروں میں یا باہر دروازہ پر یا مسجد کی دیوار میں اذان گاہ بنا کر یا فصیل پر یا

وضوخانہ میں خطیب کے سامنے ہی کہی جائے۔ یہی مسنون ومستحب ہے۔ آج سے تقریباً ۶۵ سال پہلے یہ مسئلہ بہت زیادہ زیر بحث رہا ہے۔ مانعین ومجوزین نے رسائل کثیرہ شائع کئے۔ اورحق وصواب یہی قرار پایا جواوپر لکھا گیا۔ اس بارے میں دلائل وبراہین کافی ہیں، جن کے یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو دیکھنا ہو تو رسالہ ''اوفی اللمعة فی اذان الجمعه اورالقول الاظهر فی الاذان بین یدی المنبر'' کا مطالعہ کریں جو بریلی شریف میں ملے گا۔ یہاں پر بطور اختصار کچھ حوالے درج کیے جاتے ہیں۔ حاشیہ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۷ میں ہے۔

ویکره ان یؤذن فی المسجد کمافی القهستانی عن النظم فان لم یکن ثمه مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کمافی الفتح، مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ جیسا کہ **القهستانی** میں **النظم** سے منقول ہے۔ اگر اس جگہ کوئی بلند جگہ اذان کے لیے نہ ہو تو مسجد کے صحن میں اذان دی جائے۔ جیسا کہ **الفتح** میں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۵۲ میں ہے۔

وینبغی ان یؤذن علی المئذنة اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد کذافی فتاویٰ قاضیخان، مناسب یہ ہے کہ اذان گاہ پر اذان دی جائے یا خارج مسجد۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ جیسا کہ **فتاویٰ قاضی خان** میں ہے۔

جہاں کہیں اس مسئلہ پر عمل کرنے اور کرانے میں مسلمانوں کے درمیان نفاق وافتراق پھیلنے کا قوی اندیشہ ہو اور فتنہ وفساد کا خطرہ ہو وہاں اس سنت پر عمل کرانے اور کرنے پر زور نہ دیا جائے، بلکہ اذان خطبہ جیسے پہلے ہو رہی تھی، ویسے ہی ہونے دیا جائے، اس لیے کہ فتنہ کا درجہ قتل سے اشد واکبر ہے، **قال اللّٰه تعالیٰ ﴿اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقره:۲۱۷]** (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے) **وقال جل مجده ﴿اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقره:۱۹۱]** (اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے) (معارف)۔ **واللّٰه تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۴۸: علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ خطیب کے آگے جو اذان دی جاتی ہے، وہ کس کے زمانہ میں ہوئی۔ برابر ہم لوگ تو خطیب کے نزدیک اذان ثانی دیتے رہے، مگر اب مسجد سے باہر دی جاتی ہے، اور کس حدیث سے ثابت ہے، مسئلہ خلاصہ اور صاف تحریر فرما کر ممنون کریں؟

مسئولہ محمد نصیر الدین، موضع پانی سال، ڈاکخانہ ہول ڈنگہ ضلع پورنیہ، ۱۲ر صفر ۱۳۷۸ھ

الجواب: جمعہ کے دن خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے، یہی اذان سرکار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ سے خارج مسجد دروازہ پر ہوتی چلی آ رہی ہے، آج کل جو پہلی اذان ہوتی ہے، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت سے جاری ہوئی ہے۔ کوئی بھی اذان ہو، ہر اذان کے لئے فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حکم ہے کہ مسجد میں نہ دی جائے، خارج مسجد اذان دی جائے۔ خطیب کے سامنے اندرون مسجد اذان دینے کو فقہاء نے مکروہ تحریر فرمایا ہے۔ ابوداؤد شریف باب النداء یوم الجمعة میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد. سائب ابن یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپ منبر پر رونق افروز ہوتے وہ اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی تھی۔

مناسب یہ ہیکہ اذان گاہ پر اذان دی جائے یا خارج مسجد دی جائے مسجد کے اندر نہ دی جائے ایساہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۵۲ میں ہے۔

وینبغی ان یؤذن علی المئذ نۃ او خارج المسجد و لایؤذن فی المسجد کذافی فتاویٰ قاضیخان. اذان گاہ پر اذان دی جائے یا خارج مسجد دی جائے۔ داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔ ایساہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۷ میں ہے۔

ویکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القھستانی عن النظم . مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ جیسا کہ القھستانی میں النظم سے منقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱): جمعہ میں اذان ثانی ممبر کے سامنے مسجد کے اندر کہنا درست ہے یا نہیں؟ اکثر مسجدوں میں ہاتھ دو ہاتھ ممبر کے فاصلہ پر مسجد کے اندر کہتے ہیں، یہ صحیح ہے یا غلط؟ (۲): اذان ثانی مسجد میں پہلے ہورہی تھی، مگر ایک امام صاحب نے جو متند عالم بھی ہیں، فرمایا کہ اذان ثانی جمعہ کی مسجد کے باہر ہونی چاہئے، کچھ لوگ مان گئے اور برابر دو جمعہ تک اذان ثانی مسجد کے باہر کہلوائی گئی، مگر تیسرے جمعہ میں پھر اذان ثانی مسجد کے اندر کہی گئی، اس کے لئے انکاری صورت میں کیا حکم ہے؟ (۳): بہار شریعت تصنیف کردہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب وفتاویٰ رضویہ تصنیف کردہ مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی و دیگر کتب اہل سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ثانی جمعہ میں مسجد کے باہر ہونی چاہئے۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز مندرجہ بالا کتب ہمارے اہل سنت و جماعت کے موافق ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی شخص متذکرہ کتب کے مسائل کو دیکھ کر مسئلہ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے لئے یا اس گروہ کے لئے کیا حکم ہے؟ (۴): ایک صاحب نے فرنگی محل لکھنؤ سے اذان ثانی کے متعلق فتویٰ منگوایا، جس میں وہاں کے مفتی صاحب نے مذبذب جواب عنایت فرمایا۔ اس میں یہ بھی تحریر ہے کہ مسجد کے اندر ہاتھ دو ہاتھ فاصلے میں بھی درست ہے، اور باہر بھی۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ فرنگی محل کا فتویٰ اب موجودہ وقت میں اہل سنت و جماعت کے لئے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ ڈاکٹر محمد عمر شاہ، کھر گوپور گونڈہ، یوپی، گورنمنٹ رجسٹرڈ، ۱۰ ر جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ

الجواب: (۱): جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے وضع کی گئی ہے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر وہاں پر اذان مکروہ ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد کے اندر منبر کے قریب اور سامنے مکروہ ہے۔ لہذا جو اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ممبر کے

قریب عام طور پر رائج ہے، مکروہ وممنوع ہے، اور غلط طور پر رائج ہوگئی ہے۔ ابوداؤد شریف باب النداء یوم الجمعة میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

عن السائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذاجلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و ابى بكر و عمر (رضى الله تعالىٰ عنهما)۔ سائب ابن یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپ منبر پر رونق افروز ہوتے وہ اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی تھی۔ **و الله تعالىٰ اعلم.**

(۲): جس مستند عالم نے اذان ثانی کو اندر کے بجائے باہر کہنے کی ہدایت کی صحیح ودرست کیا۔ جس۔ نے پھر دوبارہ اذان باہر کی بجائے اندر دلوائی فعل صحیح کے بعد غلطی کا ارتکاب کیا اور خلاف سنت پر عمل کیا۔ **و الله تعالىٰ اعلم.**

(۳): یقیناً حق ودرست ہے۔ یہ کتابیں بلاشبہ مسلک اہل سنت وجماعت کے موافق ہیں۔ صرف اس مسئلہ سے انکار غلطی وخطا پر محمول کیا جائے گا۔ بعض دوسرے مسائل ایسے بھی ہیں، جن کا انکار کفر وضلال بھی ہوگا۔ جملہ مسائل سے انکار وعدم تسلیم کا رتبہ یکساں ومساوی نہیں ہے۔ **و الله تعالىٰ اعلم.**

(۴): فرنگی محل کا یہ فتویٰ ہم سنیوں کے لئے قابل قبول نہیں۔ چونکہ حدیث وفقہ کے خلاف ہے۔ جو فتویٰ صحیح ہوگا قابل قبول ہوگا۔ **و الله تعالىٰ اعلم.**

مسئله ۵۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): قبل خطبہ جمعہ اذان ثانی از روئے شرع کس جگہ ہونی چاہئے بحوالہ حدیث شریف بیان فرمائیں؟ (۲): اذان ثانی بروے خطیب داخل مسجد منبر کے قریب ہونا کیسا ہے؟ (۳): اذان ثانی سطح مسجد پر ہونا کیسا ہے؟ (۴): اذان ثانی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں داخل مسجد ہوا کرتی تھی کہ خارج مسجد؟ (۵): جس حدیث سے اذان مذکور خارج مسجد ہونا ثابت ہے وہ حدیث منسوخ ہے یا نہیں؟ (۶): اگر خارج مسجد اذان ہونے والی حدیث منسوخ ہے تو ناسخ کون سی حدیث ہے؟ (۷): حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت رائج نہ ہو اس کو رائج کرنا کیسا ہے؟ قوم کے عمل سے جو سنت اٹھ چکی ہو اس کو رائج کرنے والے اور کرانے والے کی فضیلت بیان فرمائیں؟

مسئولہ وکیل الدین صاحب قدوائی، چمن گنج، کانپور، ۷/۵۱۷، ۸۸، ۲۰، رجمادی الآخر ۱۳۸۸ھ

الجواب: (۱): جمعہ کی اذان ثانی ہو یا اول یا نماز پنجگانہ کی اذان سب مئذنہ یا فنائے مسجد یا خارج مسجد میں ایسی جگہ ہونی چاہئے جو نماز پڑھنے کے لئے وضع نہ کی گئی ہو، ''فتح القدیر'' 'باب الجمعہ' میں ہے۔

هو ذكر الله فى المسجد اى فى حدوده لكراهة الاذان فى داخله. اذان مسجد میں ذکر اللہ ہے اس سے مراد حدود مسجد ہے۔ کیونکہ داخل مسجد اذان دینا مکروہ ہے۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے۔

ينبغى ان يؤذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يؤذن فى المسجد. اذان گاہ پر اذان دی

جائے یا خارج مسجد دی جائے۔ داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): سطح مسجد سے مراد اگر مسجد کی چھت یا مسجد کا بیرونی واندرونی فرش ہے جو نماز کے لئے وضع کی گئی ہے، تو وہاں بھی اذان مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۴): زمانہ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نیز عہد خلفاء میں یہ اذان خارج مسجد ہی ہوا کرتی تھی۔

ابوداؤد شریف باب النداء یوم الجمعة میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

عن السائب بن يزيد قال.... (پوری عبارت ...مسئلہ ۵۴۹...میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۵) و (۶): یہ حدیث منسوخ نہیں، اگر منسوخ ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرات خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین اس پر کیوں عمل کرتے اور اذان باہر کیوں دلواتے، لہذا نسخ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۷): سنت متروکہ کی ترویج وعمل سبب صد رضائے الٰہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رفرمایا کہ چھوڑی ہوئی سنت کو رائج کرنے میں سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس فضیلت میں رائج کرنے والے بھی شامل ہیں۔

الدال على الخير كفاعله قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم من تمسک بسنتي عند فساد امتي فله اجر مائة شهيد. (مشکوۃ ص ۳۰) خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی گویا اس کا کرنے والا ہے۔ امت میں فساد کے وقت جس نے میری سنت کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، اسے ایک سو شہید کا ثواب ملے گا۔ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۵۱: بعد اذان ثانی دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عبد الجلیل، مہیتا ڈاکخانہ بھگتا، ضلع دربھنگہ

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی جو خطیب کے سامنے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، اس کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنی جائز ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۱۱ میں ہے۔

وفى البحر عن العناية و النهايه اختلف المشائخ علىٰ قول الامام فى الكلام قبل الخطبة فقيل انما يكره ماكان من جنس كلام الناس اما التسبيح و نحوه فلاو قيل ذالک مكروه والاول اصح ومن ثمة قال فى البرهان وخروجه قاطع للكلام اى كلام الناس عند الامام اه فعلم بهذا انه لاخلاف بينهم فى جواز غير الدنيوى علىٰ الاصح ويحمل الكلام الوار دفى الاثر على الدنيوى ويشهد له ماخر جه البخارى ان معاوية اجاب المؤذن بين يد يه فلما ان قضى التاذين قال يا ايهاالناس انى سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم علىٰ هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول ماسمعتم من مقالتى. البحر

میں العنایۃ اورالنہایۃ سے منقول ہے۔قبل خطبہ کلام کے متعلق امام اعظم کے قول کے سلسلہ میں علماءِ حنفیہ کا اختلاف ہے۔ایک قول یہ ہے کہ مکروہ تووہ گفتگو ہوگی جوکلام انسانی کی قسم سے ہو۔ اس کے برخلاف تسبیح و غیرہ مکروہ نہیں۔ ایک دوسرا قول مکروہ کا بھی ہے۔مگر پہلاقول زیادہ صحیح ہے۔اسی سبب سے البرہان میں کہا ''امام کانکلنا قاطع کلام ہے۔مراد انسانی کلام ہے۔ امام کے نزدیک۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر دنیوی کلام کے سلسلہ میں صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔اور حدیث کے اندر جو کچھ وارد ہوا اسے کلام دنیوی پرمحمول کیا جائیگا۔ اس کی شاہدوہ حدیث ہے جس کی تخریج امام بخاری نے کی کہ حضرت امیر معاویہ نے مؤذن کے روبرواذان کا جواب دیا۔ جب اذان ہوچکی توانہوں نے کہا ''اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ممبر پر وہی کچھ کہتے سنا جوتم نے میری بات سنی، جب مؤذن نے اذان مکمل کرلی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۵۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کے بعد دعاپڑھنا کیسا ہے؟

مسئولہ حافظ صغیر احمد صاحب، موضع نانکار، ضلع مرادآباد، ۷رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

الجواب: خطبہ کی اذان کے بعد دعائے مخصوص جس کے پڑھنے کاحکم حدیث صحیح سے ثابت ہے، صحیح وجائز ہے، میرا خود اسی پرعمل ہے کہ خطبہ کی اذان کے بعد دعاء پڑھتاہوں، بعض فقہائے کرام کے قول پر بمقتضائے حدیث ''اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام جب خطبے کے لیے امام نکل پڑے تو اب نہ نماز ہے نہ کلام'' کلام میں دعائے مذکورکوداخل کرنے کی بنا پر دعاء کا پڑھنا منع منقول ہے۔میری تحقیق میں برقول حضور امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان حدیث مذکور کے لفظ ''کلام'' میں ''کلام اخروی'' یعنی دعاء داخل نہیں، بلکہ صرف کلام دنیوی داخل ہے، جیسا کہ اس کی تصریح طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مرقوم ہے، لہٰذا دعاء پڑھنے کی ممانعت نہیں۔دعائے مخصوص کا پڑھنا بلاکراہت صحیح وجائز ہے۔ہمارے بعض علماء نے اختلاف کی بنا پر دعائے مذکور کے پڑھنے کوخلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔ناجائزکسی کے نزدیک نہیں ہے۔آج تک مجھے دعائے مذکور پڑھنے کی ممانعت کا ذکرکسی کتاب میں بالفظ صریح نہیں ملا، نیزکلام والی حدیث موقوف ہے، مسند نہیں ہے اور دعاء پڑھنے کی حدیث مسند ہے، ترجیح قاعدہ کے لحاظ سے حدیث مسند کو ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۵۳: کیاحکم ہے شریعت مطہرہ کا کہ جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جائے اوراذان ثانی کہی جائے تو اس اذان کے بعد دعاء پڑھنی چاہئے یانہیں؟

مسئولہ نادرعلی، شیرپور، ۱۹رجنوری ۱۹۵۹ء

الجواب: بخاری شریف کی حدیث میں خاص جمعہ کی اذان ثانی جوامام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے۔اس کا جواب زبان سے دینا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صراحۃ ثابت ہے۔ اذان کے بعد درود شریف پڑھکر وسیلہ والی دعاء کرنا بھی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوقول میں سے قول اصح پر اور

صاحبین کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ چونکہ امام اگر حجرہ میں ہے، تو اس کے حجرہ سے خطبہ کو نکلنے کے بعد اور اگر امام مسجد کی کسی جگہ میں ہو تو اس کے اس جگہ سے خطبہ کے لئے کھڑے ہونے کے بعد کلام دنیوی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق مکروہ وممنوع ہے، اور کلام اخروی جیسے تسبیح وذکر اللہ وغیرہما امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو قولوں میں سے اصح قول پر جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بغیر اختلاف اقوال جائز ہے۔ درود شریف اور دعاء بھی کلام اخروی میں داخل ہے۔ لہذا اس اذان کا جواب باللسان دینا اور درود شریف پڑھکر دعائے وسیلہ کرنی جائز ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۱ میں ہے۔

> عن ابی امامة عن سهل بن حنيف قال سمعت معاوية بن ابی سفيان و هو جالس علی المنبر اذان المؤذن قال الله اكبر الله اكبر قال معاوية الله اكبر الله اكبر الخ. ''سہل بن حنیف سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے سنا وہ ممبر پر تھے جب موذن نے کہا ''اللہ اکبر'' تو معاویہ نے کہا ''اللہ اکبر''۔

مسلم شریف میں ہے۔

> عن عبدالله عمر بن العاص قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا اسمعتم المؤذن فقولو امثل ما يقول ثم صلوا علی صلوٰة قال من صلی علی صلوٰة صلی الله تعالیٰ عليه بها عشر اثم سلو الله لی الوسيلة فانها منزلة فی الجنة. ''عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم موذن کو سنو تو جیسے وہ کہتا ہے وہی تم بھی کہو پھر مجھ پر درود شریف پڑھو۔ آپ نے فرمایا، جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اُس پر دس رحمتیں نازل فرمائیگا۔ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ تلاش کرو کیونکہ وہ جنت میں اتارنے والی ہے۔

درمختار میں ہے۔

> اذا خرج الامام من الحجرة فلا صلوٰة ولا كلام. ''جب امام حجرہ سے نکلے تو نہ نماز ہے نہ بات چیت''

ردالمحتار میں ہے۔

> قوله (ولا كلام) ای من جنس كلام الناس اما التسبيح و نحوه فلا يكره و هو الاصح كذافی النهاية و العناية. ''بات چیت کا مطلب یہ ہیکہ لوگوں کی دنیاوی باتوں کی جنس سے نہ ہو، جہاں تک تسبیح وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی صحیح ہے..........'' والله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۵۴: جمعہ کے دن اذان ثانی کے بعد خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور درمیان خطبہ جب امام خطبہ اولیٰ کر کے بیٹھے اس وقت دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کریں؟

مسئولہ کاروعلی، مسجد ہر چگوں والی، اصالت پورہ، مرادآباد، ۷ فروری ۱۹۶۲ء

الجواب: اس مسئلہ میں فقہائے احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک احوط یہ ہے کہ دعاء نہ کرے اور بعض کے نزدیک دعاء کرے یہی صحیح ہے۔ میری تحقیق میں اذان ثانی کے بعد دعاء کی جائے چونکہ اس دعاء کی بڑی فضیلت حدیث پاک میں وارد ہے اور اس کا حکم بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے دعاء کرنے میں مطلقا کراہت نہیں ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان وقفہ میں بھی دعاء بغیر کراہت جائز ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۱۱ میں ہے۔

واذاخرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام وهو قول الامام لا نه نص النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وقال ابویوسف ومحمدلاباس بالكلام اذا خرج قبل ان يخطب واذانزل قبل ان يكبر وا ختلفافی جلوسه اذاسكت فعند ابی يو سف يباح وعند محمد لايباح. جب امام خطبہ کے لئے نکل گیا، اب نہ نماز ہے نہ کلام ــــ یہ امام اعظم کا قول ہے۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ نے کہا اگر امام خطبہ سے پہلے نکلے تو کلام میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ممبر سے اترنے کے بعد تکبیر سے پہلے۔ دونوں حضرات آپس میں مختلف ہیں اس وقت کلام کے سلسلے میں جب امام خاموش ہو کر بیٹھا۔ ابو یوسف کہتے ہیں اس وقت بھی کلام جائز ہے اور امام محمد کا کہنا ہے کہ جائز نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (ولا كلام) دنيوی اتفا قا كمافی السراج وغيره وكذا الاخروی عند الا مام وسياتی تما مه قوله (لانه نص النبی صلی تعالیٰ عليه وسلم)وهو كمافی الهداية باللفظ المذكورفی المصنف قال فی الفتح ورفعه غريب والمعروف كو نه من كلام الزهری اه وفی البحرعن العناية والنها ية اختلف المشائخ علی قول الامام فی الكلام قبل الخطبة، فقيل انمايكره ماكان من جنس كلام الناس اما التسبيح ونحوه فلا وقيل ذالك مكروه والاول اصح ومن ثم قال فی البرهان وخروجه قاطع للكلام ای كلام الناس عند الامام اه فعلم بهذا انه لاخلاف بينهم فی جواز غير الدنيوی علی الا صح ويحمل الكلام الواردفی الاثرعلی الدنيوی ويشهد له ما اخرجه البخاری ان معاوية اجاب المؤذن بين يديه فلما ان قضی التاذين، قال يٰايها الناس انی سمعت رسول الله صلی تعالیٰ عليه وسلم علی هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول ماسمعتم عن مقالتی اه وفی النهر عن البدائع يكره الكلام حال الخطبة وكذاكل عمل يشغله عن سما عها من قراء ة قران اوصلاة اوتسبيح او كتابة ونحوهما بل يجب عليه ان يستمع ويسكت. ''بات چیت سے دنیوی بات چیت مراد ہے ایسا ہی سراج وہاج وغیرہ میں ہے۔ امام اعظم کے نزدیک اخروی گفتگو بھی ممنوع

ہے اس کی پوری بحث عنقریب آ رہی ہے۔ (ان کا قول کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے)۔
ہدایہ کے اندر مصنف عبدالرزاق میں مذکور الفاظ کے ساتھ ہے۔ فتح القدیر میں کہا: ''اس کا مرفوع کہنا غریب ہے''۔ مشہور یہ ہے کہ یہ زہری کا کلام ہے۔ بحرالرائق میں عنایہ اور نہایہ سے ہے۔ فقہاء نے قبل خطبہ کلام کے سلسلہ میں امام صاحب کے قول کے سلسلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر گفتگو لوگوں کی دنیاوی گفتگو کے جنس سے ہے تو مکروہ ہے مگر تسبیح وغیرہ مکروہ نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی مکروہ ہے۔ مگر پہلا ہی صحیح تر ہے۔ اسی وجہ سے البرھان میں کہا ''خطیب کا نکلنا ہی دنیاوی گفتگو کو کاٹ دینے والا ہے امام صاحب کے نزدیک۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر دنیوی بات چیت کے سلسلہ میں فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حدیث میں جس کلام کا ذکر ہے، وہ دنیوی بات چیت ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے، جسے بخاری سے روایت کی کہ حضرت معاویہ نے موذن کا جواب اس کے سامنے دیا۔ جب اذان ختم ہوگئی تو بولے ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ممبر پر بیٹھ کر موذن کے اذان کے وقت وہی کلمات بولتے ہوئے سنا جو تم نے مجھ سے سنا۔ النہر میں البدائع سے منقول ہے۔ خطبہ کے دوران ہر بات چیت مکروہ ہے۔ اسی طرح ہر وہ عمل جو اس کے سننے میں خلل انداز ہو، جیسے تلاوت قرآن، نماز، تسبیح، یا کچھ لکھنا وغیرہ بلکہ واجب یہ ہے کہ خطبہ سنے اور خاموش رہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (ولا كلام) اى من جنس كلام الناس اما التسبيح و نحوه فلا يكره و هو الاصح كذا فى النهاية والعناية وذكر الزيلعى ان الاحوط الانصات ومحل الخلاف قبل الشروع اما بعده فالكلام مكروه تحريما باقسامه كمافى البدائع. ''بات چیت کا مطلب یہ ہےکہ لوگوں کی دنیاوی باتوں کی جنس سے نہ ہو، جہاں تک تسبیح وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی صحیح ہے.........زیلعی نے بیان کیا کہ زیادہ احتیاط تو اسی میں ہے کہ خاموش رہا جائے۔ جائے اختلاف خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد ہر قسم کا کلام مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۵۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کے بعد دعاء پڑھنا کیسا ہے؟

مسئولہ حافظ رئیس احمد صاحب، محلہ قاضی فیل ستون والی مسجد، ڈبائی، ضلع بلند شہر یوپی، ۹/ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ اشنبہ

الجواب: صورت مسئولہ میں خطبہ کی اذان کے بعد دعاء پڑھنا جائز ہے۔ وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۵۶: بوقت جمعہ قبل از خطبہ جو اذان ثانی ہوتی ہے اس کا جواب دینے اور بعد اذان دعاء پڑھنے کو زید منع کرتا ہے۔ عمر کا کہنا ہے، جہاں یہ فعل ہوتا ہو روکا نہ جائے۔ دونوں مسائل کا جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ.....راجپور کیسریا، ضلع مرادآباد، ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ دوشنبہ

الجواب: اس اذان کا جواب امام دے، مقتدی نہ دے۔ دعاء جو اذان کے بعد کی جاتی ہے وہ بھی کریں۔ دعاء میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اذان کے بعد دعاء مسنون و مستحب طریقہ ہے۔ بعض فقہاء نے دعاء کرنے کو خلاف اولیٰ بتایا ہے۔ لیکن میری تحقیق میں دعاء کرنا ہی اولیٰ و بہتر ہے، جو حدیث نبوی کے موافق ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۵۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اذان ثانی میں **اشھد ان محمد ارسول اللہ** پر انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟ اور بعد ختم اذان ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اذان ثانی کا جواب دینا بھی جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد شفیع میلاد خوان، محلہ نئی آبادی، شیخوپور، بہیڑی ضلع بریلی، ۲۰؍ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ یکشنبہ

الجواب: ائمۂ کرام و فقہائے عظام علیہم الرحمۃ والرضوان کا اس معاملہ میں اولیٰ ہونے اور خلاف اولیٰ ہونے میں اختلاف ہے۔ میری تحقیق اس بارے میں بنظر قول حضور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہے کہ خطبہ سے قبل والی اذان میں انگوٹھے بھی **اشھد ان محمد ارسول اللہ** پر چومے جائیں اور بعد ختم اذان درود پاک پڑھکر دعاء بھی کی جائے اور جواب اذان کے کلمات بھی حاضرین چپکے چپکے پڑھیں یہی اولیٰ ہے۔ اس کی بنیاد حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح کی روایت پر ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

باب العیدین (عیدین کا بیان)

مسئلہ ۵۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں یعنی محلہ کی چھوٹی مسجدوں میں عیدین کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز ادا ہوئی یا نہیں۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مسجد نبوی کو چھوڑ کر صحرا میں جا کر ادا کی یہ کون سی حدیث شریف میں وارد ہے؟ مسئلہ مذکورہ کا بدلیل اور بحوالہ کتب جواب سے سرفراز فرما کر موقعہ شکریہ عنایت فرمائیں؟

مسئولہ خلیل احمد، مرادآباد، ۲۳؍ رمضان ۱۳۷۹ھ

الجواب: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ کو جانا بخاری شریف و مسلم شریف کی حدیثوں میں وارد ہے، ابوداؤد کی حدیث میں بعض اوقات حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم نماز عید ادا کرنے کے متعلق مسجد میں بھی آیا ہے۔ عیدگاہ کے سوا بھی شہر اور فنائے شہر کی ہر چھوٹی بڑی مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا متفقہ طور پر صحیح و درست ہے۔ غنیۃ المستملی کانپوری ص ۵۲۵ میں ہے۔

> وفی جامع الفقه و منية المفتى و الذخيرة يجوز اقامتها فى المصر وفنائه فى موضعين فاكثر. "جامع الفقہ اور منیۃ المفتی اور الذخیرہ میں ہے کہ عید کی نماز شہر، فناء شہر میں متعدد مقامات پر جائز

ہے۔

رسائل ارکان ص ۱۲۲ میں ہے۔

ثم افضل الصلوٰۃ فی المصلی خارج المصر للتوارث و یجوز ان یصلی فی المسجد و لا باس به. ''عیدین کی نماز عیدگاہ میں افضل ہے یہی ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں''

درمختار مصری جلد اول ص ۶۸۸ میں ہے۔

وتودی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا. یعنی نمازِ عیدین کا ایک شہر کے مختلف مقامات میں ادا کرنا بالاتفاق جائز ہے (منہ)

فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب ردالمحتار یعنی شامی میں اسی صفحہ پر ہے۔

قوله (اتفاقا) و الاختلاف انما هو فی الجمعة. (بحر). یعنی نماز عیدین ایک شہر کے مختلف مقاموں میں بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، البتہ بعض علماء کا اختلاف جمعہ کے بارے میں ہے، (منہ)۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عیدین کی نماز اس طریقہ سے ادا کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیتِ نماز کی تکبیر کے ساتھ دو تکبیر جلد جلد دے کر بعد تکبیر کے ثناء پڑھکر سورہ شروع کی۔ مقتدیوں کی ایک دو تکبیر غالباً ادا ہوئی، بعد نمار کے زید سے دریافت کیا گیا، نماز ہوئی یا نہیں، فرمایا بالکل صحیح ہوئی۔ زید فرماتے ہیں، کاش کہ اگر نیت نماز کی تکبیر دے کر ثنا پڑھ کر تین تکبیر کے بعد سورہ شروع کی تو نماز بالکل الٹی ہوگئی۔ الجواب صحیح حدیث نبی مرسل مرسلت جلد مستفتی ہو۔

مسئولہ مولوی نقیب عالم عفی عنہ، گوا باڑی، سونا پور ہاٹ، مشرف آباد، پچھم دیناجپور، ۸ ر جمادی الاول ۱۳۸۱ھ

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر زید نے قصداً تکبیر تحریمہ کے بعد دو ہی تکبیریں کہہ کر قراءت شروع کر دی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی، اور اگر بھول کر اس سے یہ فعل سرزد ہوا، یعنی اس کا خیال یہ تھا کہ تین تکبیریں ہوگئیں اور فی الحقیقت دو ہی تکبیریں ہوئی تھیں تو سجدہ سہو اس پر لازم ہوا، اگر اژدہام کثیر اور جم غفیر ہے تو قول مختار پر بسبب انتشار قوم سجدہ سہو نہ کرے، اور اگر مقتدیوں میں چھوٹی جماعت ہونے کی بنا پر کوئی انتشار کا اندیشہ نہ ہو تو سجدہ سہو کرلے۔

عیدین کی نماز کا طریقہ صحیحہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء **سبحانک اللھم و بحمدک الخ** پڑھکر تین تکبیریں کہے اور پھر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیح کی مقدار فاصلہ ہو، تیسری تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور پھر تعوذ و تسمیہ کے بعد قراءت شروع کرے، لیکن اگر ثناء کو تکبیرات سے مؤخر کیا یا تکبیروں کے ادا کرنے میں عجلت سے کام لیا، تو نماز خلاف اولیٰ ہوگی، جس سے نماز لوٹانے یا سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں، اس کے خلاف جو شخص کچھ اور بات کہتا ہے تو اس کی بات الٹی ہے۔

سوال کے جن الفاظ پر سرخ لکیر لگادی گئی ہے یہ الفاظ مجنونانہ خیالات کی غمازی کرتے ہیں، ان مہمل الفاظ کو کما حقہ سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔ فتاوئ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۴۲ میں ہے۔

فی الانفع تکبیرۃ الرکوع فی صلوٰۃ العیدین من الواجبات لانھا من تکبیرات العید وتکبیرات العید واجبۃ. "الانفع میں ہے کہ عیدین کی نماز میں رکوع کی تکبیر واجب ہے کیونکہ یہ عیدین کی تکبیرات میں سے ہے اور تکبیرات عیدین واجب ہے"۔

صغیری ص ۲۳۱ میں ہے۔

(لایجب سجود السھو الابترک الواجب اوبتاخیر الواجب) عن محلہ (اوبتاخیر رکن) عن محلہ (اماترک الواجب) فھو(کما اذانسی قرأۃ القنوت) فی الوتر(والتشھد فی احدی القعد تین فی اظھر الروایات و کما اذا نسی تکبیرات العیدین)(ملخصا) .

"سجدہ سہو کے واجب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کوئی واجب چھوٹ جائے، کسی واجب کو اس کے محل میں ادا کرنے میں تاخیر ہوجائے، یا کسی رکن کے ادا کرنے میں تاخیر ہوجائے، واجب چھوٹنے کا مطلب یہ ہیکہ مثلاً وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا، یا دوقعدوں میں سے کسی ایک میں التحیات پڑھنا بھول گیا، ظاھر ترین روایت میں ایسا ہی ہے یا تکبیرات العیدین کو بھول گیا۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۴۷ میں ہے۔

وحکم الواجب استحقاق العقاب بترکہ عمدا الیٰ ان قال لزوم سجود السھو لنقص الصلوٰۃ بترکہ سھوا واعادتھا بترکہ عمدا (ملخصا). "واجب کا حکم یہ ہے کہ اسکے جان بوجھ کر چھوڑ دینے سے عذاب کا مستحق ہوجائیگا۔ اور اسکے سہوا چھوٹ جانے سے نماز میں نقص کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور عمدا چھوڑ دینے سے دوبارہ پڑھنا واجب۔

درمختار مصری جلد اول ص ۱۳۶ میں ہے۔

(السھوفی صلوٰۃ العید و الجمعۃ و المکتوبۃ و التطوع سواء) و المختار عن المتاخرین عدمہ فی الاولیین لرفع الفتنۃ کما فی الجمعۃ (البحر) واخرہ المصنف و بہ جزم فی الدرر. "عید کی نماز ہو یا جمعہ کی یا پنج وقتی یا نفل......سجدۂ سہو سب میں برابر واجب ہے۔ متاخرین بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ میں گڑبڑی کے پیش نظر واجب نہ قرار دیا جائے۔"

اسی کے تحت طحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔

قولہ (وبہ جزم فی الدرر) لکنہ قیدہ محشیا لوام بما اذا حضر جمع کثیر اما اذالم یحضر فیھما جمع فظاھر السجود لعدم الداعی الیٰ الترک وھو التشویش اہ ابوالسعود. (الدرر میں اسی پر جزم کیا) لیکن حاشیہ میں یہ قید لگادیا ہے کہ جب مجمع بہت بڑا ہو لیکن اگر مجمع

بڑانہ ہوتو ظاہر یہ ہیکہ سجدۂ سہو کیا جائے کیونکہ اب ترک کا سبب یعنی انتشار موجودنہیں۔

مراقی الفلاح کے ص ۳۲۰ میں ہے۔

وکیفیة صلاتهما ای العیدین ان ینوی صلوٰة العید ثم یکبر للتحریمة ثم یقرأ الامام والمؤتم الثناء سبحانک اللهم و بحمدک الخ لانه شرع فی اول الصلوٰة فیقدم علیٰ تکبیرات الزوائد فی ظاهرالروایة و یسکت بعد کل تکبیرة مقدار ثلاث تکبیرات (ملخصا)۔ عیدین کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ نماز عید کی نیت کرے پھر تکبیر تحریمہ کہے پھر امام ومقتدی ثناء پڑھے۔ سبحانک اللهم و بحمدک...... کیونکہ ثناء شروع نماز ہی میں مشروع ہوا، لہذا تکبیرات زوائد پر اُسے مقدم کیا جائیگا، بمطابق ظاہر الروایات...... ہر دو تکبیر کے درمیان تین تسبیح کے مقدار سکوت کرے۔

درمختار مصری جلد اول ص ۳۵۴ میں ہے۔

ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلث تسبیحات۔ ہر دو تکبیر کے مابین تین تسبیحات کے مقدار خاموش رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۶۰: اگر کسی گاؤں میں عید کی نماز پڑھ لی گئی اور بعض لوگوں کی نماز خود ان کے کسی فعل سے فاسد ہوگئی تو اب دوبارہ وہ لوگ اس گاؤں میں عید کی نماز بجماعت ثانی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور عیدین میں جماعت ثانی جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ ارشاد اللہ، محلہ کسرول، مراد آباد، ۴؍محرم الحرام ۱۳۸۲ھ جمعہ

الجواب: کسی گاؤں میں عیدین کی نماز صحیح نہیں ہوتی، اس لئے مصر یا فنائے مصر ہی میں نماز عیدین کا قیام شرعاً صحیح ہوتا ہے، لیکن اگر کسی گاؤں میں قدیم عرصہ سے عیدین کی نماز ہوتی ہو تو اسے روکا نہ جائے، اور کسی نئی جگہ عیدین کی نماز قائم بھی نہ کی جائے، اس لئے کہ شہر میں تو متعدد مقامات پر عیدین کی نماز جائز ہے اور گاؤں میں جائز نہیں۔ لہذا جن مقتدیوں کی نماز عیدین فاسد ہوگئی، وہ اب دوبارہ عیدین نہ پڑھیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۰۳ میں ہے۔

ولقوله علیه السلام لا جمعةولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا اضحی الافی مصر جامع اومدینة غظمیة ولم ینقل عن الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم انهم حین فتحوا البلاد و اشتغلوا بنصب المنابر و الجمع الافی الامصار دون القریٰ ولو کان لنقل ولو آحادا فلابد من الاقامة به مصر۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا قول ہے کہ جمعہ، تشریق، عید و بقر عید کی نماز کیلئے مصر جامع (ٹاؤن) یا بڑا شہر ہونا ضروری ہے۔ کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے مختلف ممالک کو فتح کیا اور مساجد قائم کیں اور جمعہ شہر کے علاوہ دیہات میں قائم کیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور لوگ نقل کرتے، خواہ خبر واحد کے طور پر ہی۔ لہذا مذکورہ نمازوں کیلئے شہر کا ہونا ضروری ہے۔

اسی کے ص ۳۲۲ میں ہے۔

(ومن فاتته الصلوٰة) فلم یدرکها (مع الامام لایقضیها) لانهالم تعرف قربة الابشرائط لاتتم بدون الامام ای السلطان اومامورہ، جس کی نماز عید چھوٹ گئی اس کی قضا نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے نماز عید باعث تقرب الٰہی اسی وقت ہوگی جب اس کے شرائط پائے جائیں۔ یعنی یا تو امام ہو یا سلطان یا اس کا مقرر کردہ۔

اور اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

قوله (ومن فاتته الصلوٰة مع الامام)او بخروج و قتها سواء کان بعذر ام لاالاانه یاثم فی الثانی دون الاولیٰ و کما اذالم یشرع اصلا او شرع ثم افسده اتفاقاعلی الاصح وفیها یلغز ایُّ رجل افسد صلوٰة واجبة علیه ولا قضاء علیه. جماعت چھوٹنے یا وقت نکلنے کی وجہ سے اگر کسی کی عیدین کی نماز چھوٹ گئی ہو اس کی قضا نہیں، ہاں اگر بلا عذر چھوڑا ہے تو گناہ گار ہوگا۔ اور اگر عذر تھا تو گناہ بھی نہیں۔ اسی طرح اگر مطلقاً شروع ہی نہیں کیا یا شروع کرتے ہی فاسد کر دیا۔ یہاں بطور لطیفہ پوچھا جاتا ہے۔ ''وہ کون ہے جس نے نماز واجب کو فاسد کر دیا پھر بھی قضا نہیں''۔

عالمگیری جلد اول ص ۱۴۲ میں ہے۔

والامام لوصلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لایقضیها من فاتته خرج الوقت اولم یخرج هکذافی التبیین. امام نے عیدین کی نماز پڑھائی۔ کچھ لوگ نہیں ادا کر سکے تو قضا نہیں کرے گا، وقت رہے یا نہ رہے۔ ایسا ہی التبیین میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۶۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ گاؤں کی عیدگاہ میں نماز عیدین کے علاوہ اور کوئی نماز مثلاً جمعہ وغیرہ پڑھنا کیسا ہے، جواب سے مستفیض فرمائیں؟

مسئولہ حافظ اسلام، موضع جعفر پور، مراد آباد، ۶ رجب ۱۳۹۰ھ چہار شنبہ

الجواب: عیدگاہ میں جمعہ کی نماز ہو یا نماز پنجگانہ ہر نماز کا پڑھنا شرعاً صحیح و درست ہے۔ عیدگاہ نام رکھنے یا مقرر کرنے سے کسی دوسری نماز کا ادا کرنا وہاں ناجائز نہیں ہو جاتا، ایسا خیال جس کا بھی ہو غلط ہے۔ یہ حکم شہر یا فنائے شہر کی عیدگاہ کا ہے۔ گاؤں کی عیدگاہ میں نماز جمعہ پڑھی جائے یا نماز عیدین، مصر یا فنائے مصر کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے نہ نماز جمعہ ادا ہوتی ہے نہ نماز عیدین درست ہوتی ہے۔ لہٰذا وہاں نماز جمعہ اور نماز عیدین نہ پڑھی جائے۔

لیکن جہاں پہلے سے نماز جمعہ یا نماز عیدین گاؤں میں ہوتی آ رہی ہے، وہاں نماز عیدین اور نماز جمعہ کو روکا نہ جائے اور جمعہ کے لیے عام مقتدیوں کو بتایا جائے کہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک میں گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ظہر کے چار فرض بعد نماز جمعہ یا قبل نماز جمعہ ضرور پڑھیں، تاکہ حنفی مذہب میں ادائے فرض سے سبکدوشی ہو سکے۔ نیز کسی گاؤں میں جہاں پہلے سے نماز جمعہ وعیدین قائم نہ ہو وہاں نماز عیدین وجمعہ قائم نہ کی جائے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ گاؤں کی عیدگاہ میں نماز پنجگانہ میں سے ہر نماز پڑھی جا سکتی ہے، وہاں پنجگانہ نماز صحیح و درست ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۶۲: عیدین کی نماز کے موقع پر عید گاہ کی پہلی صف میں گاؤں کے امراء ورؤساء اپنے چھوٹے بچوں کو لا کھڑا کر دیتے ہیں اور باقی لوگ پیچھے کی صفوں میں رہتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

مدرسہ انوار الاسلام، اسلام پور، ضلع مغربی دیناج پور، ۱۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ

الجواب: نمازیوں میں پہلے مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر بچوں کی۔ اس کے خلاف کرنے سے نماز تو ہو جاتی ہے، لیکن خلاف سنت۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی، مگر بکراہت تنزیہی۔ امیروں پر لازم ہے کہ آئندہ عیدین کے موقعہ پر اگلی صف میں اپنے بچوں کو ہرگز ہرگز نہ کھڑا کریں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۸۳ و ۱۸۴ میں ہے۔

> **ویصف الر جال ثم الصبیان لقول ابی مالک الاشعری :ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صلی و اقام الر جال یلونہ واقام الصبیان خلف ذالک.** پہلی صف میں مرد کھڑے ہوں، پھر بچے، ابو مالک اشعری کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ اپنے پیچھے مردوں کو کھڑا کیا اور ان کے پیچھے بچے کھڑے ہوئے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۵۶۳: عورتوں پر عیدین کی نماز واجب ہے یا نہیں؟

مسئولہ جمیل احمد نائب ماسٹر پرائمری اسکول، ہریانہ، کندرکی، مراد آباد، ۱۵؍محرم ۱۳۹۱ھ شنبہ

الجواب: عورتوں پر عیدین کی نماز واجب نہیں، بلکہ بعض مرد بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۵۶۴: کیا فرماتے ہیں علمائے حق اس مسئلہ میں کہ جب کسی نماز کا وقت متعین کرلیا، مثلاً عید کی نماز دس (۱۰) بجے ہوگی، تب عید کے دن امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا چاہئے یا نہیں؟

مسئولہ.........۲۸؍رمضان شریف ۱۳۹۲ھ دوشنبہ

الجواب: امام کے لیے بعض مسائل میں خصوصی اختیار حاصل ہے، جیسے خطبہ کے وقت کسی کو کسی بات کی ہدایت کرنا اور بری بات سے روکنا، اسی طرح امام اگر مناسب خیال کرے تو وقت مقررہ سے نماز کو کچھ موخر کرسکتا ہے، بایں خیال کہ کافی تعداد میں جو لوگ آنے سے باقی رہ گئے ہیں، ان کو نماز عید مل جائے، ورنہ پھر نماز لوگوں کو مل ہی نہیں سکے گی۔ کسی شخص (غیر فسادی) خاص کے لیے تاخیر نہ کرے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۵۶۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مدرسہ میں عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع جواب سے نوازیں؟

مسئولہ عبد السلام، نہرا کول، پورنیہ، بہار، ۲؍ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: جہاں جہاں اور جس جس شہر یا فنائے شہر میں نماز جمعہ اور نماز عیدین صحیح وجائز ہے وہاں کی جامع مسجد یا عید گاہ یا کسی بھی مسجد کی تخصیص نہیں کہ اسی میں جمعہ وعیدین کی نماز ہو بلکہ مسجد ہو یا مدرسہ یا خانقاہ یا عید گاہ یا کوئی بڑا مکان، یا اسکول ہو، یا کالج، یا میدان ہو، یا پارک ہر پاک وصاف جگہ میں جملہ شرائط وجوب وصحت کے وجود کی حالت میں نماز عیدین وجمعہ جائز وصحیح ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۰۴ میں ہے۔

وتصح اقامة الجمعة فی مواضع کثیرة بالمصر وفنائه وھوقول ابی حنیفة ومحمد فی الا صح. صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ شہر واطراف شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ صحیح ہے، یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔

اسی کے حاشیہ پر علامہ طحطاوی ص ۳۰۷ میں ہے۔

• وفی الشرح ولایشترط الصلوة فی البلد بالمسجد فتصح بفضاء فیھا الخ. نماز کے صحیح ہونے کیلئے شہر کی مسجد ہی ہونا شرط نہیں، کسی میدان میں بھی ہو سکتی ہے۔

مراقی الفلاح مصری ۳۱۷ میں ہے۔

(صلوةالعیدین واجبةعلی من تجب علیه الجمعه بشر ائطھا) وقدعلمتھا فلابدمن شرائط الوجوب جمیعھاوشرائط الصحة (سوی الخطبة). جس پر جمعہ (اسکے شرائط کے ساتھ) واجب ہے اس پر عیدین کی نماز بھی واجب ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا۔ لہذا جمعہ کے تمام شرائط وجوب اور شرائط صحت کی رعایت ضروری ہے، سوائے خطبہ کے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے محلہ میں ایک قدیم مسجد ہے اور قدیم عیدگاہ بھی ہے۔ مسجد میں نماز جمعہ اور عیدگاہ میں نماز عیدین ہوتی چلی آرہی ہے۔ لیکن اب تقریبا تین چار سال سے چند گنے چنے اشخاص نے ایک نئی چھوٹی مسجد تعمیر کرلی ہے۔ یہ نئی مسجد پرانی مسجد سے تقریبا ڈیڑھ سو قدم پر ہے۔ چندلوگوں نے اس نئی مسجد میں ایک امام مقرر کر کے نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز جمعہ بھی قائم کرلی ہے اور برابر نماز جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے۔ لیکن اس سال اس نئی مسجد میں نماز عید اضحیٰ پڑھی گئی۔ پرانی عیدگاہ میں نماز عید اضحیٰ ساڑھے دس بجے ہوئی اور نئی مسجد میں دس بجے۔ پرانی عیدگاہ میں تقریبا کم وبیش چودہ پندرہ سو آدمی اکٹھے ہوئے ہیں اور نئی مسجد میں تقریبا ستر اسی (۸۰/۷۰) آدمی اکٹھے ہوں گے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس نئی مسجد میں نماز جمعہ اور عیدین ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جس جس نے نماز جمعہ اور نماز عید پڑھی ہے، ان لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور دیگر نمازیں جو پڑھی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ جب ان لوگوں کے لیے اس پرانی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے کوئی کسی قسم کی روک تھام اور پابندی نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب بالتفصیل سے مطلع فرمایا جائے۔

مسئولہ.........، بہیڑی، ۱۱ر محرم ۱۳۹۳ھ پنجشنبہ

الجواب: ہر وہ مقام جو شرعا شہر یا فنائے شہر ہو اس کے ہر حصہ اور ہر مقام میں نماز عیدین وجمعہ جائز ہے، بشرطیکہ جمعہ کے شرائط وجوب وصحت پائے جاتے ہوں۔ نماز جمعہ وعیدین کے لیے بڑی مسجد اور عیدگاہ کا ہونا لازمی وضروری نہیں۔ چھوٹی مسجد ہو یا غیر مسجد، میدان، باغ، کھیت، مدرسہ، خانقاہ ہو، ہر جگہ نماز عید وجمعہ جائز وصحیح ہے۔ البتہ ان تین نمازوں کا امام وہی شخص ہو سکتا ہے، جس کو سلطان اسلام یا امیر المومنین یا مقامی سب سے بڑا سنی عالم دین یا پبلک معین کرے یا وہ پہلے

امام جمعہ وعیدین رہ چکا ہو، پھر دوبارہ امامت کرے۔ نماز جمعہ وعیدین میں امام کے سوا تین مقتدی کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے زائد جتنے ہوں، نماز جمعہ وعیدین درست ہوگی۔ تین سے مقتدی کی تعداد کم نہ ہو، عیدگاہ سے پہلے نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، نہ شرعاً ممانعت ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

نوٹ: سائل نے سوال کے آخر میں اپنا نام و پتہ کچھ نہیں لکھا ہے۔ میں ایسے سوال کا جواب عادۃً نہیں لکھتا ہوں۔ لیکن حامل سوال کرم فرما ہیں۔ ان کے اصرار پر جواب لکھ دیا گیا۔ حامل سوال نے صرف اتنا بتایا کہ بھیڑی سے میرے پھول باغ میں آیا تھا۔ بھیڑی کا نام بھی جواب لکھنے کا محرک بنا۔ آئندہ جو سوال کوئی صاحب بھیجیں تو نام و پتہ ضرور لکھا کریں۔ (منہ)

مسئلہ ۵٦۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ:

(۱): ایک گاؤں ہے جس کی کل آبادی تقریباً سات سو ہے وہاں تھانہ، تحصیل، ڈاکخانہ نہیں ہے، اور بازار بھی نہیں ہے، البتہ مصالحہ جات کی چھوٹی دو تین دوکانیں ہیں۔ کپڑے وغیرہ کی کوئی دوکان نہیں ہے۔ محلہ کا ایک مکتب ہے اور پرائمری سرکاری اسکول ہے، اور ایک ہی مسجد ہے، قریب میں ملحق کوئی شہر یا قصبہ نہیں ہے، پرانی آبادی ہے، زمانہ دراز سے وہاں نہ جمعہ ہوتا ہے اور نہ عیدین پڑھا کرتے تھے، آج کم وبیش دس بیس سال سے عیدین کی نماز کا رواج ڈالا گیا۔ جمعہ اب تک نہیں ہوتا ہے۔

بتایا جائے کہ جمعہ وعیدین کے شرائط الگ الگ ہیں یا ایک، اگر ایک ہیں، تو عیدین کو بند کرنے کی سعی کی جائے یا ہونے دیا جائے۔ واضح رہے کہ صرف ایک خاندان کے چند گھروں کی مسلم آبادی ہے، سب لوگ حنفی ہیں۔ اگر عیدین کو بند کیا جائے تو اس پر بھی روشنی ڈالی جائے کہ اگر عیدین کی نماز سے روکنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو فقہ حنفی کی رو سے کیا کرنا چاہئے اور پڑھنے والوں پر فقہ حنفی کی رو سے کیا حکم عائد ہوگا؟

(۲): مصر اور فنائے مصر کی جامع مانع تعریف اور تحدید پر مکمل روشنی ڈالی جائے اور کیا فنائے مصر میں اقامت جمعہ وعیدین کا اہتمام کرنا چاہئے یا مصر ہی میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کی جائے گی؟ **(۳):** قریہ کبیرہ کا اطلاق کم از کم کتنی آبادی پر ہوتا ہے؟

مسئولہ محمد احمد رشید، موضع کرنپور، پوسٹ انبہ، ضلع بھاگلپور، ۴رذی الحجہ ۱۹۹۳ء یکشنبہ

الجواب: (۱): یہ گاؤں جس کا ذکر سوال میں ہے نہ شہر ہے، نہ فنائے شہر ہے، نہ قریہ کبیرہ ہے، بلکہ خالص گاؤں ہے۔ یہاں نہ جمعہ کی نماز ادا ہوگی، نہ عیدین کی ہوگی۔ جمعہ اور عیدین کے شرائط وجوب وادا وصحت ایک ہیں۔ صرف خطبہ کی شرط میں فرق ہے۔ جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور عیدین کا خطبہ مسنون ہے۔ مراقی الفلاح مصری ۳۱۷ میں ہے۔

صلوۃ العیدین واجبۃ علی من.... (پوری عبارت... مسئلہ ۵٦۵... میں دیکھیں)۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۰۳ میں ہے۔

فتجب (صلوۃ العیدین) علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطھا وقد علمتھا فلا بد من شرائط الوجوب جمیعھا و شرائط الصحۃ سوی الخطبۃ. جس پر جمعہ مع شرائط واجب ہے اس پر عیدین واجب ہے..... لہٰذا جملہ شرائط وجوب اور شرائط صحت ضروری ہے سوائے خطبہ کے۔

اسی میں ہے۔

ولقوله علیه السلام لا جمعة..... (پوری عبارت...مسئلہ ۵٦۰...میں دیکھیں)۔

ہمارے علماء ومشائخ کا حکم وفتوی یہ ہے کہ کسی گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز جاری نہ کی جائے اور جہاں قدیم عرصہ سے ہو رہی ہو وہاں بند نہ کی جائے۔ اگر دس سال سے عیدین کی نماز ہو رہی ہے تو اب اتنے عرصہ کے بعد بند کرنے کی بات کیوں کہی جا رہی ہے۔ بند کرنے کی بات خود مبنی بر فتنہ ہے۔ بفرض غلط کوئی فتنہ نہ ہو اور سارے مسلمان متفق ہو کر بند کرنا چاہیں تو بند کر دیں، ورنہ بند کرنے کی بات بھی بند کر دیں۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں بند کرنے کی کوشش ہرگز ہرگز نہ کی جائے۔ چونکہ ایک روایت پر جو مرجوح ہے گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ عوام جس طرح خدا اور رسول کا نام لیں اور نماز کے اذکار و اوراد اور ارکان ادا کریں غنیمت ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کے لئے شہر شرط ہے۔ ہم اسی پر فتوی دیتے ہیں، لیکن عوام کو دیہات میں جمعہ اور عیدین کے پڑھنے سے منع بھی نہیں کرتے ہیں۔ پڑھنے والے پر کسی فسق وگناہ کے ارتکاب کا حکم نہیں لگاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): مصر یعنی شہر ہر وہ مقام ہے جہاں ایسا ولی یا قاضی ومفتی وامیر وحاکم با اختیار رہتا ہو جو حدود شرعیہ قائم کر سکتا ہو خواہ اپنے جاہ وحشمت وعلم سے یا غیر کے علم سے۔ عوام اس کی طرف جملہ حوادث میں رجوع کر سکتے ہوں۔ اتنی بڑی جگہ ہو جس میں متعدد کوچے اور بازار و محلے ہوں۔ ردالمحتار جلد اول ص ۵۳٦ میں ہے۔

عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه اوعلم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث و هذا هوالا صح . امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مصر وہ بڑا شہر ہے جہاں مختلف کوچے بازار ہوں اور اس سے متعلق دیہات ہوں اور وہاں ایسا حاکم ہو جو اپنے رعب ودبدبہ سے، اپنے علم یا غیر کے علم سے ظالم کے خلاف مظلوم کو انصاف دلانے کی قدرت رکھتا ہو۔ جملہ وقائع وحوادث میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ اور یہی صحیح ترین تعریف ہے۔

اسی میں ہے۔

و الصحیح مااختاره صاحب الهدایة انه الذی له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود ''صحیح تعریف وہی ہے، جسے صاحب ھدایہ نے اختیار کیا، مصر وہی ہے، جہاں امیر وقاضی ہو، احکام شرع کا نفاذ کرے، حدود کو قائم کرے۔

اسی میں ہے۔

و لم یذکر مفتیا اکتفاء بذکر القاضی لان القضاء فی الصدر الاول کان وظیفة المجتهدین حتی لو لم یکن الوالی والقاضی مفتیا اشترط المفتی کما فی الخلاصة و فی تصحیح القدوری انه یکتفی بالقاضی عن الامیر شرح الملتقی. قاضی کے ذکر پر اکتفاء

کرتے ہوئے مفتی کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں منصب قضاءت مجتہدین کے ذمہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر حاکم اور قاضی مفتی نہ ہوتے تو مفتی کی شرط ہونا ضروری قرار دیا جاتا۔ ایسا ہی فتاویٰ خلاصہ میں ہے۔ تصحیح قدوری میں ہے، امیر کے مقابلہ میں قاضی ہی کفایت کرے گا۔

ردالمحتار جلد اول ص ۵۳۷ میں ہے۔

او فناء ھی بکسر الفاء و ھو ما حوله اتصل به لاجل مصالحه کد فن الموتیٰ و رکض الخیل یعنی فنائے شہر وہ مقام ہے جو مردوں کے دفن اور شہر کی ضرورتوں کے لئے بنایا گیا ہو۔ جیسے گھوڑے دوڑنے کا میدان۔

شہر یا فنائے شہر صحت نماز جمعہ وعیدین کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا شہر اور فنائے شہر دونوں جگہ نماز جمعہ اور عیدین کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شہر کی تعریف وہاں کے رہنے والوں کی تعداد پر مبنی نہیں ہے۔ جہاں پر بااختیار ولی وحاکم و قاضی ومفتی وامیر رہتا ہو خواہ پرگنہ ہو یا شہر وہ جگہ شہر ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳): قریہ کبیرہ فقہائے کرام کے قول پر شہر یا پرگنہ ہے جہاں کچہری ہو منصف یا مجسٹریٹ یا حاکم پرگنہ رہتا ہو۔ غنیۃ شرح منیہ سے یہی مستنبط ہوتا ہے۔ قریہ کبیرہ کی بنیاد آبادی کی تعداد پر نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۵۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز سے پہلے اکثر مقامات میں بطور ندا نمازیوں کے جمع کرنے کیلئے **الصلوۃ عید الفطر مع ستة تکبیرات واجبة لله تعالی** پکارا جاتا ہے۔ کیا از روئے شریعتِ مقدسہ یہ فعل جائز مستحب ومستحسن ہے یا مکروہ، بدعت، حرام۔ اس کو قائم رکھیں یا اٹھا دیں اٹھا دینے میں کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب مفصل عنایت فرمادیں تاکہ ہم لوگ راست روی اختیار کریں؟

مسئولہ محمد ساجد اللہ عفی عنہ، مقام وپوسٹ سبور، ضلع بھاگلپور، ۱۵ر ستمبر ۱۹۵۷ء

الجواب: یہ فعل جائز ہے، اس کی ممانعت وارد نہیں ہوئی، بلکہ خود حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے منقول ہے کہ عیدین میں مؤذن کو حکم فرماتے کہ **الصلوۃ جامعة** پکارے۔ **روی الامام الشافعی عن الزھری قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم یا مر المؤذن فی العیدین فیقول الصلوۃ جامعة،** امام شافعی نے زہری سے روایت کی، انہوں نے کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن کو عیدین میں حکم دیتے تھے، مؤذن کہتے تھے الصلوٰۃ جامعۃ''۔

علماء کرام نے بالاتفاق عیدین میں صلوۃ پکارنا مستحب فرمایا، شرح صحیح مسلم امام نووی میں ہے، **یقول اصحابنا وغیرھم انه یستحب ان یقال الصلوۃ جامعة**، ہمارے اصحاب وغیرھم کہتے ہیں **الصلوۃ جامعة** کہنا سنت ہے۔ مرقات شرح مشکوۃ میں ہے۔

یستحب ان ینادی لھا الصلوۃ جامعة بالا تفاق. مستحب یہ ہے کہ ندا کیا جائے **الصلوٰۃ جامعة** اس میں علماء کا اتفاق ہے۔

"رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ" میں ہے۔

واجمعوا علی ان السنة فی صلواة العیدین والکسو فتین والا ستسقاء النداء بقوله الصلوة جامعة. علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ نماز ہائے عید، کسوف وخسوف اور استسقاء میں الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر نداء کرنا سنت ہے۔

میزان الشریعہ میں ہے۔

ومن ذالک اتفاق الائمة الا ربعة علی انه یستحب ان ینادی لها الصلوة جامعة. اسی میں سے چاروں اماموں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ الصلوٰۃ جامعۃ سے نداء کرنا مستحب ہے۔

وہ الفاظ جو سوال میں مذکور ہیں، قواعد عربیہ کا لحاظ کر کے اس طرح کہے جائیں، **اَلصَّلٰوۃُ صَلٰوۃُ عِیْدِ الْفِطْرِ یا عِیْدِ الاَضْحٰی مَعَ سِتَّةِ تَکْبِیْرَاتٍ وَاجِبَةً لِلّٰهِ تَعَالٰی اَلصَّلٰوۃ**۔ یہ الفاظ انھیں کے معنی میں ہیں، پس بدعت نہیں مستحب ہیں اور یہ اس آیت کریمہ کے تحت میں داخل ہے ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ﴾ [انفصلت: ۳۳] اس سے کس کی بات بہتر جو اللہ کی طرف بلائے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، **من دعا الی هدی فله اجره واجر من تبعه**، جو کسی نیک بات کی طرف بلائے، اس کے لیے اس کا خود اپنا اجر ہے اور جتنے اس کے نیک فعل میں شریک ہوں ان سب کا ثواب ہے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (منہ) **والله سبحانه وتعالی اعلم.**

مسئله ۵٦۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کہ عید الفطر میں اس وقت شامل نماز ہوا جب کہ ایک رکعت نماز ہو چکی تھی۔ مسئلہ طلب یہ ہے کہ دوسری رکعت امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد اس شخص کو کس طرح ادا کرنی چاہیے؟

مسئولہ حافظ محمد حسین، مرادآباد، ۱٦ محرم الحرام

الجواب: صورت مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ چھوٹی ہوئی رکعت کو قراءت سے شروع کرے پھر تکبیرات زوائد کہے یعنی امام کے سلام پھیرنے کے بعد شخص مذکور کھڑا ہو کر پہلے دیگر نمازوں کی طرح الحمد شریف پڑھے، اور کوئی دوسری سورہ ملائے پھر تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور باقی افعال حسبِ دستور ادا کرے۔ درمختار مصری ص ۳۵۴ میں ہے۔

ولوسبق بر کعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر. اگر ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو پہلے قرائت کرے، پھر تکبیر کہے، تاکہ پے در پے تکبیر نہ ہو جائے۔

اسی کے تحت طحطاوی میں ہے۔

قوله (لئلا یتو الی التکبیر) ولم یقل به احد من الصحابة (رضی الله تعالی عنهم) ولو بدأنا بالقراءۃِ یصیر فعله موا فقالقول علی (رضی الله تعالی عنه) فکان اولیٰ کذافی

المحیط. (ان کا قول تاکہ مسلسل تکبیر کہنا لازم نہ آئے) یہ بات صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے کسی نے نہیں کہی۔ اگر ہم نے قراءت سے شروع کیا تو اس کا یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا اولیٰ وافضل ہوگا۔ ایسا ہی المحیط میں ہے۔

یہ جو عام طور پر مروج ہے کہ قراءت سے پہلے تکبیرات زائدہ کہتے ہیں تو یہ طریقہ بھی جائز مگر خلاف اولی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم.

بقر عید کا بیان

مسئلہ ۵۷۰: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدالاضحیٰ کی نماز کے قبل شیریں چیز کھانا کیسا ہے۔ گزشتہ جمعہ کو جامع مسجد میں مولوی فاہم علی صاحب نے اعلان فرمایا تھا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز کے قبل شیریں چیز کھانا اچھا ہے، اس لیے کہ اس دن پر شیطان روزہ رکھتا ہے۔ (۲): سوال دیگر یہ ہے کہ جو صاحب کہ قربانی کرتے ہیں، ان کے لئے یہ قید لگادی گئی ہے کہ بال نہیں منڈوانا چاہئے یہ قید غلط ہے، بلکہ منڈوانا درست ہے؟ جواب حوالہ سے عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد حنیف

الجواب: (۱): عیداضحیٰ کے دن روزہ رکھنا شرعاً منع ہے۔ صبح صادق سے غروب تک کھانا پینا جماع وغیرہ سے بقصد روزہ باز رہنے کا نام روزہ ہے۔ اگر کوئی شخص صبح صادق سے صرف نماز عیدالاضحیٰ تک ان امور سے احتراز کرے اور باز رہے اور بعد نماز کھائے تو اس شخص کو شرعاً صائم اور روزہ دار نہیں کہا جاسکتا۔ شریعتِ طاہرہ نے عیدالاضحیٰ کے دن نماز عید سے قبل کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہنے کو مستحب قرار دیا ہے، اس کو روزہ قرار دیکر منع کرنا صحیح ودرست نہیں، بلکہ منع کرنے والا امر مستحب کو روکنے والا قرار پائے گا۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۲۲ میں ہے۔

> **(واحکام) عید (الاضحی کالفطر) وقد علمتها (لاکنه فی الاضحی یؤخر الاکل عن الصلاة) استحبابا فان قدمه لایکره فی المختار لانه علیه الصلاة والسلام کان لایطعم فی یوم الاضحیٰ حتی یرجع فیاکل من اضحیته.** عیداضحیٰ کے احکام عیدالفطر کی طرح ہے۔ عیداضحیٰ میں کھانے کو نماز پر مؤخر کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنا مستحب ہے اگر نماز سے پہلے کھالیا تو مکروہ بھی نہیں۔ مذہبِ مختار یہی ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز سے واپس آتے تو اپنی قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

> **قوله (یوخر الا کل عن الصلوة) وکذا کل ماینا فی الصوم من صبحه الی ان یصلی وقد تواردت الا خبار عن الصحابة رضی الله تعالی عنهم فی منع الصبیان عن الا کل والا**

طفال عن الرضاع غداۃ الاضحیٰ کمافی الزاھدی وفیہ رمزالی ان ھذا الامساک لیس بصوم ولذا لم یشترط لہ النیۃ. ان کا قول (کھانے کو نماز پر مؤخر کیا جائے گا) اسی طرح ہر اس عمل کو مؤخر کیا جائے گا جو روزہ توڑنے والا ہے۔ یہ تاخیر صبح سے لیکر نماز بقرعید ہونے تک ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متواتر خبریں منقول ہوئیں کہ یہ حضرات بقرعید کی صبح بچوں کو کھانے اور دودھ پیتوں کو دودھ پینے سے روکتے تھے۔ جیسا کہ الزاہدی کے اندر ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ امساک روزہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس میں نیت شرط نہیں۔

ان عبارات منقولہ سے ظاہر ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید اضحیٰ کے دن قبل نماز عید اضحیٰ کچھ نہ کھاتے پیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو اپنے نابالغ بچوں کو بھی کھانے پینے سے روکتے تھے، حتیٰ کہ شیر خوار بچوں کو بھی دودھ پینے سے منع کرتے تھے اور یہ روزہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس میں نیت شرط نہیں قرار دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): سرکار مکہ تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ جو شخص قربانی کا ارادہ کرے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلی ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک حجامت نہ بنوائے، ناخن نہ ترشوائے۔ جو شخص اس مستحب کو غلط بتائے وہ خود سراپا غلط ہے کہ بے علم ہونے کے باوجود مسائل شرعیہ میں اپنی رائے سے حکم لگا دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ ردالمحتار جلد مصری ص ۶۲۱ میں ہے۔

ورد فی صحیح مسلم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل العشر وار ادبعضکم ان یضحی فلایا خذن شعرا ولا یقلمن ظفرا فھذا محمول علی الندب دون الوجوب بالاجماع. مسلم شریف میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے تو جسے قربانی کرنا ہے وہ بال نہ بنوائے، ناخن نہ ترشوائے۔ یہ مستحب ہے، واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عید اضحیٰ کی نماز کے رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بجائے تکبیر تشریق پڑھنا کیسا ہے، نماز فاسد ہوگی کہ نہیں؟

مسئولہ محمد اختر حسن، بھوجپور، مرادآباد

الجواب: ہر نماز کے رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھنا مسنون ہے۔ جو شخص اس کی جگہ قصداً تکبیر تشریق پڑھے گا، وہ تارک سنت ہوگا، اس کی نماز خلاف سنت ہوگی۔ فاسد نہیں ہوگی۔ وہ ترک سنت مؤکدہ کے باعث گنہگار اور مستحق ملامت ہوگا۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۵۸ میں ہے۔

ویسن تسبیحہ ای للرکوع ثلاثا لقول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رکع احدکم فلیقل ثلاث مرات سبحان ربی العظیم وذالک ادناہ. تین مرتبہ رکوع کی تسبیح سنت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں کوئی رکوع کرے تو کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے۔

اوراسی کے ص ۱۵۳ میں ہے۔

وفی السید عن النهر عن الكشف الكبير حكم السنة انه يندب تحصيلها يلام على تركها مع لحوق اثم يسير اه. سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کی تحصیل مرغوب ہے۔ اس کے ترک پر ملامت کی جائے گی۔ ہلکا گناہ بھی اس سے ملحق ہوگا۔

ردالمختار مصری جلد اول ص ۷۷ میں ہے۔

وفی البحرمن باب صفة الصلوة الذی یظهر من کلام اهل المذهب ان الاثم منوط بترک الواجب والسنة المؤ کدة علی الصحیح لتصر یحهم بان من ترک سنن الصلوات الخمس قیل لایاثم والصحیح انه یا ثم. بحرالرائق کے باب صفة الصلوٰۃ میں ہے ۔صاحب مذہب حنفی کے کلام سے جو کچھ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ گناہ واجب اور سنت مؤکدہ کے ترک سے متعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے تصریح کی کہ جس نے پانچوں نمازوں کی سنتوں کو چھوڑا اُس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ گنہگار نہیں ہوگا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ گناہگار ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۷۲: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ دیہات میں جمعہ پڑھنا ناجائز ہے، اور عمرو کہتا ہے کہ جائز ہے، نیز زید کہتا ہے عید الاضحیٰ کی نماز دیہات میں قربانی سے قبل پڑھنی چاہئے، اور عمرو کہتا ہے کہ بعد نماز قربانی کرنا چاہئے اور وہ کونسا دیہات ہے کہ قربانی سے قبل نماز پڑھنی چاہئے؟ **(۲): یوپی اور** بہار کے گاؤں میں کیا فرق ہے، مذکورہ بالا مسائل صرف یوپی ہی کے لئے مخصوص ہے یا بہار یا یوپی دونوں کے لئے؟

مسئولہ عبدالوحید صاحب، موضوع سرسواں گور، ڈاکخانہ بھوچپور پپلسانہ ضلع مراد آباد

الجواب: (۱): زید کا قول صحیح اور عمرو کا قول صحیح نہیں، لیکن جہاں کہیں گاؤں اور دیہی حلقہ میں پہلے سے نماز جمعہ ہو رہی ہو وہاں جمعہ کی نماز سے عوام کو روکا نہ جائے، اور منع نہ کیا جائے جو حکم نمازِ جمعہ کا مذکور ہوا، وہی حکم نمازِ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ہے، نماز عیدین بھی گاؤں اور دیہی حلقہ میں جائز نہیں؟

لہذا اس بارے میں زید وعمرو دونوں کے اقوال صحیح نہیں ہیں، قربانی کے متعلق زید وعمرو دونوں کے قول میں سوال کے اندر کوئی فرق نہیں ملتا، بلکہ دونوں کے قول کا ایک ہی مطلب ہے کہ نماز عید اضحیٰ کے بعد قربانی ہو، لہذا کوئی اختلاف کافی غور کرنے کے بعد معلوم نہیں ہو سکا۔ جو میں تصحیح وتغلیط کروا ۔ ہر وہ مقام جو شرعا مصر یا فنائے مصر نہ ہو وہاں صبح صادق ہی سے قربانی جائز وصحیح ہے۔ ایسا ہی مقام شرعا گاؤں کہلاتا ہے، مصر کی صحیح ترین تعریف جو حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ مصر ہر وہ بڑا مقام وشہر ہے، جس میں متعدد محلے، کوچہ، بازار اور اس میں کوئی ایسا با اختیار حاکم ووالی مقرر کیا گیا ہو جو ظالم سے ظلم کا بدلہ لے اور انصاف کرے اور حدود شرعیہ کے اجراء ونفاذ پر قدرت رکھتا ہو خواہ وہ اپنے ہی علم سے احکام شرعیہ نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو یا غیر کے علم سے۔ صاحب جاہ وحشمت ہو، پبلک کی ضرویات کے لئے حوادث وآفات میں پبلک کا مرجع وبا اختیار افسر اس کو مقرر کیا گیا ہو۔ غنیۃ کے ص ۵۲۰ میں ہے۔

اما شرط الاداء فستة..... (پوری عبارت...مسئلہ ۵۲۹...میں دیکھیں)۔

اسی کے صفحہ ۵۰۷ میں ہے۔

فی تحفة الفقهاء....(پوری عبارت ...مسئلہ ۵۲۹...میں دیکھیں)۔

اسی میں ہے۔

و لهذا اجمعو اعلیٰ جواز ها بالمصلی فی فناء المصر و هو ما اتصل بالمصر لاجل مصالحه من رکض الخیل و جمع العساکر و دفن الموتیٰ و صلوٰة الجنازه و نحو ذالک لان له حکم المصر باعتبار حا جة اهله الیه. اسی لئے فنائے شہر کے اندر جو عید گاہ ہے وہاں جمعہ وعیدین کے جواز پر فقہاء کا اجماع ہے۔ یہ شہر سے متصل مقامات ہیں، جو مختلف ضرورتوں کے لئے مخصوص ہیں۔ جیسے گھوڑ دوڑ، چھاؤنی، دفن میت، نماز جنازہ وغیرہ کی جگہ۔ اہل شہر کی حاجت کی وجہ سے اسے مصر ہی کا حکم دے دیا گیا۔

ہدایہ مطبوعہ کانپور ص ۳۷۸ میں ہے۔

ووقت الا ضحیة یدخل بطلوع الفجر یوم النحر الا انه لا یجوز لا هل الامصار الذ بح حتی یصلی الامام العید فا ما اهل السواد فیذ بحون بعد الفجر، قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے داخل ہوجاتا ہے۔ تاہم شہر والوں کے لئے نماز سے قبل قربانی جائز نہیں۔ دیہات کے لوگ فجر کے بعد ہی سے ذبح کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

(۲): اس بارے میں یوپی اور بہار کے گاؤں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر گاؤں کا حکم یکساں ہے۔ خواہ کسی صوبہ کا ہو یا ملک کا۔ واللہ تعالی اعلم۔

باب العقیقة

مسئله ۵۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین ان مسائل میں کہ دین کیا ہے اور دین و دنیا کیا ہے۔ اور دنیا کیا ہے۔ تنہا دین کا ماننے والا کون شخص کہلا سکتا ہے۔ اور دین دنیا کا ماننے والا کون شخص کہا جا سکتا ہے اور تنہا دنیا کا ماننے والا کون شخص کہا جا سکتا ہے اور دین خالص کے ماننے والے کی کیا پہچان ہے اور دین و دنیا کے ماننے والے کی کیا پہچان ہے اور دنیا خالص کے ماننے والے کی کیا پہچان ہے۔

زید کہتا ہے کہ عمر کے فرزند پیدا ہوا۔ اور فرزند کی خوشی میں گیت وغیرہ گائے گئے۔ اور گیت عورتوں نے گائے شیرنی وغیرہ تقسیم کی گئی۔ زید نے گیتوں کی ممانعت کی۔ عمر نے جواب دیا کہ دین و دنیا دونوں برتنی پڑتی ہے۔ لہذا اس بچہ کا عقیقہ ہوتا ہے اور عقیقہ میں لہو لعب گانا یعنی نقال وغیرہ بھی ہو گئے۔

گائے یا بھینس یا کٹرہ بچھڑا وغیرہ ذبح کیا جائے گا۔ جسکے گوشت وغیرہ کا شریعت مطہرہ سے تقسیم کرنے کا کیا مستحب طریقہ ہے۔ اور جانور میں کس کس کے حقوق ہیں۔ کیونکہ ایک کتاب میں ہے کہ ران دائی کو دی جائے اور سر نائی کو دیا جائے۔ علاوہ بکرے کے مذکورہ جانور بھی درست ہیں یا کہ نہیں؟ اور یہ درست ہیں تو یہاں پر مذبح نہیں ہے دوسرے موضع میں ذبح ہوکر آتا ہے تو ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ادھر بکرا ذبح ہوا اور ادھر سر کے بال اتار دیں اور بچہ اس موضع کو نہیں جا سکتا تو جانور دوسرے موضع میں ذبح ہو جائے اور بچہ کے بال مکان پر مونڈھ دئے جائیں تو درست ہے کہ یا نہیں؟ اور اسی موضع کی مسجد میں پیش امام ہیں۔ عمر عقیقہ کا کھانا لوگوں کو کھلائے گا جس میں دعوت امام صاحب کی بھی کی ہے اگر امام صاحب دعوت کو منظور نہیں کرتے ہیں تو امامت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اور امام صاحب دین کی بڑی کوشش میں مشغول ہیں۔ لہٰذا عمر ایسا باثر آدمی ہے کہ لوگ اس کی بات مانتے ہیں اور امام صاحب یہاں پر ایک مدرسہ بھی قائم کر رہے ہیں اور عمر اس مدرسہ میں بھی خاص عنایت کر رہا ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ سعی میں دوڑ رہا ہے۔ لہٰذا اس کی دعوت امام صاحب قبول کر کے شرکت فرمائیں یا کہ نہیں؟

مسئولہ خادم انعام الدین نعیمی اشرفی' قاضی پورہ' اغوانپور' مراد آباد

الجواب: جملہ عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ جن پر جمہور اہلسنت و جماعت کا عقیدہ و عمل رائج و ثابت ہے ان پر اعتقاد رکھنا اور عمل کرنا دین ہے۔ اور امور مذکورہ کے ساتھ کائنات و مخلوقات میں انسان کا منہمک ہونا احکام شرعیہ سے تغافل کے بغیر دین و دنیا ہے۔ بندے کا محض خواہشات نفسانیہ اور جذبات شہوانیہ اور انواع و اقسام کے لہو و لعب اور کھیل تماشے اور دیگر منکرات و ممنوعات میں اسطرح مشغول ہو جانا کہ اللہ جل شانہ اور اسکے تمام نیک بندوں کی یاد سے بندہ غافل ہو جائے یہ دنیا ہے۔ اسی سے دین کے ماننے والے اور دین دنیا کے ---- ماننے والے کی پہچان اور معرفت غور کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ امور مذکورہ کا نہایت اجمالی بیان اوپر درج کیا گیا اور تفصیلی بیان کیلئے عظیم ترین دفتر اور عمر نوح بھی ناکافی ہے۔ چونکہ دیندار، دینداری میں ساری عمر گذار دیتے ہیں مگر دینیات پر مکمل عبور حاصل نہیں ہوتا اور اہل دنیا ساری زندگی دنیاداری میں گنوا دیتے ہیں اور دنیاداری کی تہ تک نہیں پہنچ پاتے۔ لہٰذا امور مذکورہ کا تفصیلی بیان لکھنے سے قاصر ہوں۔

فرزند کی ولادت کے موقعہ پر عورتوں کا گیت گانا یقیناً اور قطعاً حرام و ناجائز ہے۔ اس پر زید کا منع کرنا بالکل صحیح اور حق و بجا ہے اور عمر کا جواب میں یہ کہنا کہ دین و دنیا دونوں برتنی پڑتی ہے اپنی غلط روی اور خلاف شرع اقدام کرنے پر پردہ ڈالنے کیلئے محض بے جا ہے۔ شرعاً دنیا میں اسی حد تک مشغول ہونیکی اجازت ہے کہ جس سے احکام الٰہیہ اور فرامین مصطفویہ کے حدود سے تجاوز کرنا لازم نہ آوے۔ ہر نیک بات کا حکم کرنا اور ہر بری بات سے روکنا دین پاک کا اہم ترین فرض ہے۔

عقیقہ کے موقع پر ہر مکلف اور مکلفہ پر لازم ہے کہ ہر لہو لعب اور گانے بجانے اور بھانڈ و نقال کے ناجائز حرکات کو بقدر استطاعت روکے۔ عقیقہ میں بکرا' بکری' خصی' دنبہ' بھیڑ' گائے' بھینس و اونٹ ذبح کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن دور حاضر میں قانون حکومت اور اسکے حکام کی زیادتی سے بچنے کیلئے گائے کی نسل کو عقیقہ کے کام نہ لائیں۔ یہ صحیح ہے کہ عقیقہ کے جانور کے

ذبح کرنے کے بعد ران دائی کو دی جائے اور سر و پا نائی کو دیا جائے۔ اگر کسی مقام پر بڑے جانور کو ذبح کرنے کیلئے مذبح کی پابندی ضروری ہو اور عقیقہ کرنے والا بڑے ہی جانور سے عقیقہ کرنا چاہے تو بچہ کو بھی مذبح پر لے جائیں تاکہ ٹھیک ذبح کے وقت بچے کا سر مونڈا جا سکے۔ یہی مستحب اور اولیٰ ہے۔ اگر بچہ کے سر مونڈنے اور جانور کے ذبح کرنے وقتوں میں تقدم و تاخر بھی ہو جائے تو عقیقہ ہو جائیگا۔

اگر عقیقہ کی دعوت جس مقام پر کی جائے وہاں کسی قسم کا گانا بجانا اور ڈھول باجہ اور کوئی امر منکر خلاف شرع نہ ہو تو امام اس عقیقہ کی دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں ورنہ شریک دعوت نہ ہوں۔ واللہ تعالی اعلم

باب الجنائز (غسل میت وغیرہ کا بیان)

مسئلہ ۵۷۴: یہاں زوجین کا انتقال یکے بعد دیگرے قلیل مدت کے وقفہ سے ہو گیا جس صابون کی بٹی سے ایک کو غسل دیا اسی سے دوسرے کو دیدیا، ایک مولانا صاحب موجود تھے انھوں نے فرمایا کہ ایک کو غسل دینے کے بعد یہ بٹی نجس ہو گئی، اب دوسرے کو اس سے غسل نہیں دے سکتے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

مسئولہ.........

الجواب: مولانا صاحب کی بات بالکل غلط ہے صابن دانی کے نجس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر یہ بات ہو تو ایک تخت پر کسی میت کو غسل دینے کے بعد دوسرے کو اسی تخت پر غسل دینا درست نہ ہو اور ایک لوٹے سے ایک میت کو غسل دینے کے بعد دوسرے کو اسی لوٹے سے غسل دینا صحیح نہ ہو ویلزم علیہ مفا سد اخریٰ و کلھا با طلۃ بالضرورۃ. واللہ تعالی اعلم .

مسئلہ ۵۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر پانچ سال کے قریب تھی، انتقال کر گئی۔ اس کو والد غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور غیر شخص بھی غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ.........

الجواب: سوال میں لڑکی کی عمر پانچ سال لکھی گئی ہے، ظاہر ہے کہ پانچ سال کی لڑکی مشتہاۃ (شہوت والی) نہیں ہو سکتی اور جو لڑکی مشتہاۃ نہ ہو اس کو ہر اجنبی اور قریب نیز عورت اور مرد بغیر مجبوری کے غسل دے سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کو اس کا باپ ہی غسل دے یا عورت ہی غسل دے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۴۹ میں ہے۔

> فان کا ن المیت صغیرا لا یشتھی جازان تغسلہ النساء و کذ اذا کانت صغیرۃ لا تشتھی جاز للرجال غسلھا. اگر چھوٹا بچہ (شہوت کی عمر کو نہ پہونچا ہو) تو عورت غسل دے سکتی ہے۔ اسی طرح کمسن بچی جو مشتہاۃ نہ ہو اسے مرد غسل دے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر دس

سال کی ہے اس کو مرد نے غسل میت دیا ہے یہ درست ہے یا نہیں، اور اگر جائز نہیں ہے تو غسل میت دینے والا شخص ازروئے شریعت گنہگار ہے یا نہیں؟ جواب معہ حوالہ کتب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں؟

مسئولہ جلال الدین، موضع سیتاپور

الجواب: شرعاً دس سال کی لڑکی مشتہاۃ (شہوت والی) بلکہ بالغہ بھی ہو سکتی ہے اور غیر مشتہاۃ (بے شہوت والی) بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جس لڑکی کے متعلق سوال کیا گیا ہے، اگر وہ مشتہاۃ تھی تو مرد کا غسل دینا ناجائز ہوا اور غسل دینے والا مرد مرتکب عدم جواز و گنہگار ہوا اور اگر وہ لڑکی غیر مشتہاۃ تھی تو مرد کا غسل دینا جائز و درست ہوا، وہ گنہگار بھی نہ ہوا۔ مشتہاۃ یا غیر مشتہاۃ کا پتہ چلانا مقامی اور گھر کے لوگوں کا کام ہے۔ کوئی اجنبی کیسے بتا سکتا ہے کہ یقیناً وہ مشتہاۃ تھی یا غیر مشتہاۃ۔ بالخصوص وہ عورتیں جن سے اس لڑکی کا زیادہ تعلق رہا ہو بتا سکتی ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۴۹ میں ہے۔

فان کان المیت .... (پوری عبارت... مسئلہ ۵۷۶... میں دیکھیں)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۷۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ انتقال کے بعد عورت اپنے شوہر کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟ یا مرد اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں، بوقت مجبوری عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں یا مرد اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ اقبال حسین، محلہ کسرول، مرادآباد، ۹ رستمبر ۱۹۵۵ء

الجواب: شوہر اور بیوی میں کسی کا انتقال ہو جائے، بعد انتقال شوہر اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہے اور بیوی بھی شوہر کو دیکھ سکتی ہے۔ باہم ہر ایک کا دوسرے کو بعد انتقال دیکھنا جائز و مباح ہے۔ بیوی شوہر کو مجبوری اور غیر مجبوری ہر حال میں غسل دے سکتی ہے، بشرطیکہ عدت میں ہو۔ لیکن شوہر بیوی کو مطلقاً کسی حال میں غسل نہیں دے سکتا ہے اور بہ شکل مجبوری جب کوئی غسل دینے والی عورت نہ ملے تو شوہر بجائے غسل بیوی کو تیمم کرا دے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۶۳۳ میں ہے۔

(ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الاصح) (منیة)(وهی لا تمنع من ذالک)(ملخصا). شوہر کو متوفیہ بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے روکا جائیگا۔ البتہ دیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ صحیح مذہب یہی ہے..... عورت کو ان باتوں سے منع نہیں کیا جائیگا۔

ردالمحتار میں ہے۔

وفی البدائع المرأة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى ما بقى النكاح والنكاح بعد الموت باق الى ان تنقضى العدة بخلاف ما اذاماتت فلايغسل لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل فصار اجنبيا. البدائع میں ہے عورت اپنے شوہر کو غسل دی سکتی ہے، کیونکہ غسل کا جواز نکاح سے مستفاد ہوا ہے۔ لہٰذا جب تک نکاح باقی ہے، یہ جواز بھی باقی رہیگا اور نکاح موت کے بعد عدت تک باقی رہتا ہے۔ اسکے برخلاف اگر بیوی مرگئی تو شوہر غسل نہیں دیگا۔ کیونکہ اب مِلکِ نکاح باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اب محلِ نکاح ہی موجود نہیں۔ لہٰذا مرد اجنبی ہو گیا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۵ میں ہے۔

واذالم توجد امرأة لتغسیلها یممها ولیس علیه غض بصره عن ذراعیها بخلاف الا جنبی. اگر عورت کے غسل کے لئے عورت موجود نہیں تو شوہر اسے تیمم کرادے۔ نگاہیں نیچی کرنا اس پر ضروری نہیں۔ البتہ اجنبی اگر تیمم کرائے تو نہ دیکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت کے مرجانے کے بعد اس کا شوہر نہ اس کو دیکھے، نہ غسل دے، نہ کفنائے، نہ اس کے جنازے کو ہاتھ لگائے، نہ چھوئے، نہ کاندھا لگائے، نہ قبر میں اس کو اتارے۔ مرجانے کے بعد شوہر کا کوئی حق نہیں رہتا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مع حوالہ حدیث شریف ہو؟

حنفی مذہب کے مخالفین نے بتایا ہے کہ فلاں صحابہ نے اپنی بیوی کو غسل دیا ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے؟

مسئولہ حافظ میاں جان انصاری، راجا کا سہسپور ضلع مراد آباد، ۱۲۴ اکتوبر ۱۹۶۰

الجواب: بیوی کے انتقال کے بعد شوہر سے رشتہ نکاح منقطع ہوجاتا ہے اور دونوں میں مغایرت واجنبیت ہوجاتی ہے، لہذا بغیر ضرورت شوہر نہ تو بیوی کو غسل دے اور نہ اس کو چھوئے اور بیوی کے چہرہ کو دیکھنے کی اور جنازہ میں کاندھا دینے کی شرعا ممانعت نہیں۔ یہی حدیث پاک سے ماخوذ ہے، اور اجلہ صحابہ کرام کا عمل اسی پر رہا ہے اور یہ جو بعض لوگوں سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتون جنت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا۔ اس میں روایتوں کا اختلاف ہے چونکہ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت خاتون جنت کو ام ایمن نے غسل دیا۔ برتقدیر تسلیم یہ ان کے خصوصیات پر محمول ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۵ میں ہے۔

(و المرأةتغسل زوجها بخلافه) ای الرجل فانه لا یغسل. زوجته لا نقطاع النکاح. عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے بخلاف مرد کے۔ وہ اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔

طحطاوی میں ہے۔

قوله (فانه لا یغسل زوجته) وکذالا یمسها ولا یمنع من النظر الیها فی الاصح، تنویر، قوله (لانقطاع النکاح) بانعدام محله فصارالزوج اجنبیاً .... قالت الائمه الثلثه: یجوزلان علیا غسل فاطمة رضی الله تعالی عنها قلنا وروی انها غسلتها ام ایمن ولوثبت ان علیاً غسلها فهو محمول علی بقاء الزوجیة لقوله صلی الله تعالی علیه وسلم کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی مع ان ابن مسعود رضی الله تعالی عنه انکر علیه فقال له اما علمت ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم قال ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والأخرة فدعواه الخصو صیة دلیل علی انه کا ن معروفا بینهم الرجل لا یغسل زوجته.

(ان کا قول شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا) اسی طرح نہ اسے چھو سکتا ہے۔ لیکن اس کی طرف دیکھنے کی ممانعت نہیں۔ صحیح ترین مذہب یہی ہے۔ (ان کا قول نکاح کے ٹوٹ جانے کے سبب سے ہے) کیونکہ اب نکاح کا محل ہی نہیں رہا۔ لہذا شوہر اب اجنبی ہوگیا۔

اس سلسلہ میں تینوں اماموں کا قول جواز کا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا۔ ہم کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انکو اُم ایمن نے غسل دیا تھا۔ اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت علی ہی نے انکو غسل دیا تو اس سے ان دونوں کے مابین رشتۂ زوجیت کے باقی رہنے پر محمول کیا جائیگا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے، "موت سے ہر قسم کا حسب ونسب منقطع ہو جاتا ہے، سوائے میرے حسب ونسب کے"۔ باوجود یکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا انکار کیا تو ان سے کہا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔" فاطمہ تمہاری شریک حیات ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی"۔ تو یہ دعویٰ خصوصیت اس بات پر دلیل ہے کہ یہی مشہور تھا کہ مرد بیوی کو غسل نہ دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کے انتقال کے بعد شوہر بیوی کو بغیر ضرورت نہ غسل دے اور نہ اس کو ہاتھ لگائے۔ مگر بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور جنازہ میں کاندھا لگا سکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**.

مسئلہ ۵۷۹: یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ مرد اپنی عورت کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اور نہ میت کو کاندھا لگائے اور نہ مٹی قبر پر ڈالے، مرد کہتا ہے کہ جب میں غیر ہو گیا تو پھر میں میت کا خرچہ کیوں اٹھاؤں؟

مسئولہ............، ۸ جولائی ۱۹۷۳ء

الجواب: مرد اپنی بیوی فوت شدہ کو دیکھ سکتا ہے، جنازہ میں کاندھا بھی دے سکتا ہے اور قبر پر مٹی بھی ڈال سکتا ہے۔ شرعاً ان امور کی اجازت ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔

جو بات مشہور ہو چکی ہے اور سوال میں نقل کی گئی ہے غلط ہے، البتہ بغیر ضرورت شرعیہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے۔ اگر ضرورت کے وقت غسل بھی دے تو ہاتھ میں کپڑا لپیٹ لے۔ کیا بیوی کی خدمات کا اور حقوق زوجیت کے ادا کرنے کا اتنا بھی لحاظ نہ رکھا جائے کہ مرنے کے بعد اس کے لئے تجہیز وتکفین وغیرہ کے سارے مصارف شوہر ادا کرے۔ مرد کی مردانگی کے تقاضے کے خلاف ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لئے مرنے کے بعد اتنا بھی نہ کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**.

مسئلہ ۵۸۰: زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا، زید نے اپنی بیوی کے جنازہ کو کاندھا لگانا چاہا، تو اس کو کچھ لوگوں نے منع کر دیا کہ بیوی کے مرنے کے بعد شوہر کو اس کی صورت دیکھنا یا اس کے جنازہ کو کاندھا لگانا جائز نہیں، زید نے یہ سن کر جنازہ کو کاندھا نہیں لگایا۔ عوام میں جو اس طرح کی بات مشہور ہے کیا یہ بات حدیث سے ثابت ہے، مہربانی فرما کر اس مسئلہ کو حل فرما دیں؟

مسئولہ عبدالعزیز، پاکیزہ، ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء

الجواب: شوہر بیوی کی موت کے بعد شرعاً اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور جنازہ کو کاندھا لگا سکتا ہے، جن لوگوں نے اسے ناجائز بتایا وہ غلطی پر ہیں۔ ہاں شوہر بیوی کو غسل نہ دے نہ اس کے جسم کو بغیر ضرورت چھوئے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۵ میں ہے۔

قوله (فانه لايغسل زوجته) وكذ الا يمسها ولا يمنع من النظر اليها في الا صح.
[تنویر]. ان کا قول ہے مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اسی طرح چھو بھی نہیں سکتا صحیح مذہب یہ ہے کہ دیکھنے سے منع نہیں کیا جائیگا۔ والله تعالى اعلم.

مسئلہ ۵۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے مرجانے پر ان کی بیوی کفن دیتے وقت دیکھنا چاہتی ہے۔ ایک مولوی صاحب یہ کہتے ہوئے روک دیتے ہیں کہ بیوی کو اپنے شوہر کی میت کو اور شوہر کو اپنی بیوی کی میت کو دیکھنا حرام ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے؟

مسئولہ محمد غیاث الدین احمد، مقام ماہی نگر سونی گھاٹ، ضلع پورنیہ بہار، ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

الجواب: زن وشوہر میں سے ہر ایک دوسرے کے مرنے کے بعد اس کی میت کو دیکھ سکتے ہیں، دیکھنے کی ممانعت شرعاً نہیں، ہاں فرق بدن کے چھونے اور غسل دینے میں ہے۔ بیوی شوہر کے مرنے کے بعد اس کے بدن کو چھو بھی سکتی ہے، اور غسل بھی دے سکتی ہے، اور شوہر بیوی کے مرنے کے بعد اس کے بدن کو چھو نہیں سکتا، نہ غسل دے سکتا ہے۔ زید کے انتقال کے بعد کفن دیتے وقت اس کے دیکھنے سے اس کی بیوی کو روکنا صحیح نہیں۔ جس مولوی صاحب نے روکا، غلط کیا اور حرام بتا کر گناہ کے مرتکب ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ، اجرأ كم على الفتيا اجرأ كم على النار کہ غلط فتوی بتانے پر زیادہ جو جرات کرنے والا ہوگا، وہ نار جحیم (جہنم کی آگ) پر زیادہ جراءت کرنے والا ہوگا، مولوی صاحب حدیث وفقہ سے بے خبر ہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۵ میں ہے۔

والمرأة تغسل زوجها بخلافه اى الرجل فانه لا يغسل زوجته لا نقطاع النكاح، (ملخصا). عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، بخلاف مرد کے، یہ عورت کو غسل نہیں دے سکتا کیونکہ اب نکاح باقی نہیں رہا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

المرأة تغسل زوجها لحل مسه والنظر اليه ببقاء العدة. عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ اسکے لئے اس کا چھونا بھی حلال ہے اور اسے دیکھ بھی سکتی ہے، کیونکہ بہر حال عدت باقی ہے۔ اھ

اسی میں ہے۔

وروى ان ابابكر ن الصديق رضى الله تعالى عنه اوصى الى امرأته اسماء بنت عميس انها تغسله بعد وفاته وهكذا فعل ابو موسى الا شعرى رضى الله تعالى عنه ولان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى مابقى النكاح والنكاح باق بعد الموت الى انقضاء

العدة. روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو وصیت کی کہ جب ان کی موت ہوجائے تو وہ غسل دیں، ایسا ہی ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ غسل دینے ہ جواز نکاح سے حاصل ہوا ہے، لہذا جب تک نکاح باقی ہے، غسل کا جواز بھی باقی رہے گا اور نکاح موت کے بعد بھی اس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک عدت نہ گزر جائے۔

اسی میں ہے۔

قوله (فانه لایغسل زوجته) و کذ الا یمسها ولا یمنع من النظر الیها فی الا صح. [تنویر].
ان کا قول ہے مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اسی طرح چھو بھی نہیں سکتا صحیح مذہب یہ ہے کہ دیکھنے سے منع نہیں کیا جائیگا۔

مولوی صاحب ان روایات وجزئیات کو پڑھیں اور اپنی جہالت پر ماتم کریں۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۸۲: کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی بیوی حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے انتقال کے بعد ان کو غسل دیا تھا؟

مسئولہ سلامت اللہ صاحب، محلہ اصالت پورہ، مراد آباد، گول دروازہ اسٹریٹ، پرانی منڈی،
وارد حال، محلہ اصالت پورہ، ۳ رجب ۱۳۸۷ھ یکشنبہ

الجواب: حضور خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے غسل کے بارے میں روایتوں کا اختلاف ہے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ تعالی وجہ الکریم نے غسل دیا تھا یا حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالی عنہا نے۔ بر تقدیر اول دوحدیثوں سے یہ حکم خاص ہے عام نہیں۔ چونکہ ان حضرات کا نکاح بعد موت بھی بلکہ دنیا وآخرت میں باقی ہے اور رہے گا۔ طحطاوی میں ہے۔طحطاوی میں ہے۔

وروی انها غسلتها ام ایمن.....(پوری عبارت ...مسئلہ ۵۷۸....میں ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۸۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص قرآن کا حافظ ہو اور اس کی جوان بیوی پردے میں رہتی ہو تو اپنے گھر سے اور محلہ میں میت کو غسل دینے کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور میت کے ساتھ جو اناج قبر پر خیرات کیا جاتا ہے، اس کو عوام الناس مزدوری میں بھی شامل کرتے ہیں اور خیرات میں بھی؟

مسئولہ حافظ برکت اللہ صاحب، کھجور کی سرائے، ضلع مراد آباد، ۵ جنوری ۱۹۶۴ء

الجواب: حافظ مذکور کی جوان بیوی میت کو غسل دینے کے لئے مکان سے باہر نہیں جاسکتی ہے، دور حاضر میں تو بوڑھی عورت کو بھی دن کے وقت گھر سے نکل کر مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کی اجازت نہیں، حالانکہ جماعت سنت مؤکدہ ہے تو پھر میت کو غسل دینے کے ارادے سے جانے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ جو اناج خیرات کے ارادے سے نکال کر میت کے ساتھ قبرستان میں لے جاتے ہیں، کسی اجرت اور مزدوری میں شامل نہیں کرنا چاہئے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۸۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کے غسل دینے والے کو بغیر اپنا غسل کئے فرض عین نماز درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ حافظ برکت اللہ صاحب، محلہ کھجور کی سرائے، مراد آباد، ۵/جنوری ۱۹۶۴ء

الجواب: میت کے غسل دینے والے پر غسل فرض وواجب نہیں ہوتا، بلکہ میت کے غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے اور مستحب کو ادا کئے بغیر ہر شخص نماز فرض پڑھ سکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۸۵: (۱): مردہ کو غسل دیتے وقت نیت غسل کی جائے یا نہیں، چونکہ کسی کتاب میں نیت نہیں ہے، جیسے کہ کتاب ترکیب الصلوۃ اور بہت سی کتابوں میں نیت کو نہیں لکھا نہ کسی دعا کا سوال آیا ہے اور کتاب ترکیب الصلوۃ میں دعا کو بھی لکھا ہے۔ ہمیں کون سی بات پر عمل کرنا چاہئے اور بعض جگہ نیت پانی بھرے لوٹے پر پڑھکر دیدیتے ہیں، وہ پانی میت پر بہادیتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے؟

(۲): میت کو غسل نابینا کے ہاتھ سے کیسا ہے؟ اور وہ طریقہ سے غسل کے خبردار ہو؟

مسئولہ.........۲۸ صفر ۱۳۹۳ھ سہ شنبہ

الجواب: (۱): میت کو غسل دیتے وقت نیت کرنا فرض یا واجب یا سنت موکدہ نہیں ہے، جس کی شرعاً اہمیت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس نیت کا ذکر بالعموم کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔ اگر کوئی نیت کرے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے، یہی حال دعاء کا بھی، پانی بھرے لوٹے پر دعاء پڑھکر یا نیت کے الفاظ پڑھکر میت کے غسل کے لئے دیدینا اور میت کے جسم پر بہادینا جہالت کا کام ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(۲): نابینا غسل مسنون کے طریقہ پر واقف وباخبر ہو اور کسی کی مدد سے صحیح طریقہ پر غسل دیدے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ بینا اور انکھیارے کا غسل دینا ہی ضروری ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۵۸۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ مردہ جب تک غسل نہ دیا جائے ناپاک ہے اور قرآن وغیرہ پڑھنا حرام ہے۔ لہذا زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط۔ اگر مردہ ناپاک ہے تو مرنے کے بعد فوراً قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ مردہ کے پاس پڑھ سکتے ہیں یا الگ پڑھیں؟

مسئولہ اخلاق حسین، اومری، ڈاکخانہ خاص، ضلع مراد آباد، ۲۲ صفر ۱۳۹۴ھ شنبہ

الجواب: جہاں پر میت رکھی ہو اس کے قریب میں قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے، اور یہ قول مرجوح ہے اور دوسرے قول پر میت کے قریب قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ممنوع نہیں ہے۔ دوسرا قول راجح وقوی ہے، جو احادیث صحیحہ سے موید ہے، لہٰذا مرنے کے بعد قبل غسل میت کے قریب قرآن کریم کا پڑھنا جائز ومباح بغیر کراہت وممانعت ہے، زید کا قول ضعیف ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۰ میں ہے۔

(وتكره قراة القران عنده حتى يغسل) تنز يها للقران عن نجاسة الحدث بالموت

والخبث. میت کے قریب غسل سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے، تا کہ قرآن کو نجاستِ حدث و نجاستِ خبث سے محفوظ رکھا جائے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله(وتكره قراءة القرآن)ولو آية كمافي شرح السيد وقوله "عنده" اى بقربه. (انکا قول تلاوتِ قرآن مکروہ ہے) اگر چہ کہ ایک آیت ہی ہو جیسا کہ شرح سید میں ہے "عندہ" کا معنیٰ "قربۂ" ہے۔

اسی میں ہے۔

قوله(عن نجاسة الحدث)هذاينافي مافي الشرح من انه على القول بان نجاسة الميت نجاسة حدث ينبغي ان تجوز القراءة كمالو قرأها المحدث وفي السيد مايفيد ان في الكراهة على هذا القول خلافا ورجح في النهاية الكراهة والحاصل انهم اختلفوا في نجاسة الميت فقيل نجاسة خبث وقيل حدث ويشهد للثاني مارويناه من تقبيله صلى الله تعالى عليه وسلم عثمان بن مظعون وهوميت قبل الغسل اذلو كان نجسا لماوضع فاه الشريف على جسده. ان کا قول عن نجاسة الحدث یہ اس وضاحت کے منافی ہے جو شرح کے اندر ہے کہ میت کی نجاست کے بارے میں یہ کہنا کہ نجاست حدث ہے تو تلاوت قرآن جائز ہونا چاہئے۔ جس طرح محدث قرآن پڑھ سکتا ہے اور شرح سید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کراہت کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ اور نہایہ کے مطابق راجح کراہت ہی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ میت کے نجس ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ غسل کو واجب کرنے والی نجاست ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نجاست اس حیثیت میں ہے جس سے وضو فرض ہوتا ہے۔ دوسرے قول کے لئے دلیل وہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کی لاش کو غسل سے پہلے بوسہ دیا، کیونکہ اگر وہ ناپاک ہوتی تو آپ کبھی ان کے جسم پر اپنا دہن مبارک نہ رکھتے۔

اسی میں ہے۔

وروى البخارى تعليقاعن ابن عباس المسلم لاينجس حيا ولاميتا و وصله الحاكم في المستدرك عن ابن عباس ايضا قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لاتنجسوامو تاكم فان المومن لاينجس حيا ولاميتا قال العينى فى شرح البخارى والنووى فى شرح مسلم هذا اصل عظيم فى طهارة المسلم حيا و ميتا. امام البخاری نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث تعلیقا روایت کی۔ مسلمان خواہ زندہ ہوں یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اور مستدرک میں حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو،

کیونکہ مومن زندہ و مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں کہا "یہ حدیث اس امر میں سب سے بڑی اصل ہے کہ مسلمان زندہ ہو یا مردہ پاک ہی ہوتا ہے"۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۵۸۷: اکثر جگہ مردہ کو نہلانے کے بعد سرمہ لگاتے ہیں۔ ایک صاحب یہ فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانا ناجائز ہے اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ لگانا جائز ہے تو سرمہ لگانے والوں کو کیا عمل کرنا چاہیے؟

مسئولہ عبداللطیف غفرلہ، عدل پور، ضلع مرادآباد، ۷ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ چہارشنبہ

الجواب: میت کو غسل دینے کے بعد سرمہ لگانا نہ چاہئے، چونکہ میت کو نہ زینت کی ضرورت ہے، نہ آنکھوں کی حفاظت کی حاجت ہے، لہٰذا یہ فعل عبث ہے۔ سرمہ میت کو ہرگز نہ لگایا جائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

نماز جنازہ کا بیان

مسئلہ ۵۸۸: گزارش خدمت اقدس یہ ہے کہ ایک اخبار میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کا خیال دیوبندی تھا۔ بس جس نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی اس امام کا بھی خیال دیوبندی تھا اور باقی مقتدی جتنے تھے وہ سب بریلوی خیال کے تھے۔ نماز پڑھا دی گئی۔ اس کے بعد جھگڑا یہ تھا کہ بوجہ امام اور جنازہ کے خیال دیوبندی ہونے کے نماز نہیں ہوئی اور بعضوں نے کہہ دیا کہ نماز ہو گئی۔ اس لیے آپ کا کیا خیال ہے۔ مع دلائل کے تحریر فرمائیے؟

مسئولہ حافظ محمد قاسم، دھامپور

الجواب: اگر مرنے والے دیوبندی کے عقائد باطلہ حد کفر کو پہنچے ہوئے تھے۔ تو اس کی نماز جنازہ کوئی امام پڑھائے نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے میت کا مسلم ہونا ضروری ہے اور اگر مرنے والے دیوبندی کا عقیدہ حد کفر تک نہ پہنچا ہو اور نماز جنازہ پڑھانے والا امام ایسا دیوبندی تھا جو کافر تھا تو بھی نماز جنازہ نہیں ہوئی اس لیے کہ کوئی کافر کسی نماز کی امامت کا اہل و مکلف نہیں اور جب امام کی نماز کافر ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی، تو کسی مقتدی کی بھی نہیں ہوئی ورنہ نماز جنازہ ہو گئی۔ قال اللہ تعالی ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ [التوبہ: ۸۴] (اور نماز جنازہ ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی نہ پڑھنا) (معارف) قال عزاسمہ ﴿لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا﴾ [النساء: ۱۴۱] (اور نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ) (معارف)۔ اوقال جل مجدہ ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ﴾ [المومن: ۵۰] (اور کافروں کی دعاء نہیں مگر بھٹکنے پھرنے کو) (کنز الایمان)۔

مراقی الفلاح مصری ص ۱۵۳ میں ہے۔

وشرائطها ستة اولها اسلام الميت لانها شفاعة وليست للكافرين. نماز جنازہ کے چھ شرائط

ہیں۔ میت کا مسلمان ہونا۔ کیونکہ یہ دعائے مغفرت ہے اور کافروں کیلئے دعائے مغفرت نہیں۔

ردالمحتار جلد اول ص ۶۴۰ میں ہے۔

لان الوجوب علی المکلفین فلا بد من صدور الفعل منھم . کیونکہ نمازِ جنازہ مکلفین مؤمنین پر واجب ہے۔ لہذا اس فعل کا صدور انہیں کی طرف سے ضروری ہے۔

اسی کے ص ۶۴۲ میں ہے۔

والصلوٰۃ علی کل مسلم مات فرض ای متفرض علی المکلفین. ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے۔ یعنی مکلفین پر فرض قرار دیا گیا۔ واللہ تعالیٰ علم .

مسئلہ ۵۸۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر حال ہی میں ایک آفیسر آئے جن کا کچھ عرصہ علیل رہ کر الموڑہ ہوسپٹل میں انتقال ہوگیا۔ انتقال ہوجانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شیعہ ہیں۔ ان کے وارثوں میں یہاں پر ایک بھائی اور والدہ وغیرہ تھیں جنھوں نے لاش کو ہم لوگوں کے سپرد کردیا۔ یہاں پر الموڑہ میں شیعہ لوگ بالکل نہیں ہیں۔ ہم لوگوں نے مصلحت وقت کے لحاظ سے میت کو غسل دلوادیا، اور نماز جنازہ بھی پڑھی۔ کیونکہ جنازے میں شرکت کرنے والے مسلمانوں سے زیادہ دوسری قوموں کے لوگ تھے۔ اگر نماز جنازہ وغیرہ نہ پڑھتے تو دوسری قوموں کو مذاق اڑانے کا موقع ملتا اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ تبرا وغیرہ کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ ان تمام وجوہات کے پیش نظر نماز وغیرہ پڑھی گئی۔ براہ کرم شرعی حکم سے مفصل آگاہ فرما کر مشکور فرمائیں؟

مسئولہ........... ۱۹ جمادی الاخری ۱۹۸۲ء

الجواب: اگر افسر مذکور خلافت سیدنا ابوبکر صدیق وفاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار نہ کرتا ہو اور صحبت صدیق کا بھی منکر نہ ہو اور شیخین پر تبرا بھی نہ کرتا ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت بھی نہ دھرتا ہو اور ضروریات دین میں سے کسی ضرورت کا انکار بھی نہ کرتا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنے والے اہل سنت شرعاً مجرم نہیں ہیں۔ قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "صلو اعلی کل بر وفاجر" ہر نکوکار اور بدکار کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ اور اگر افسر مذکور امورِ مذکورہ میں سے کسی کا معتقد ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنے والے تمام سنی افراد امر ناجائز کے مرتکب ہوئے۔ سب اپنے اپنے اس گناہ سے توبہ کریں اور بارگاہ رب العزت میں مغفرت چاہیں، اور اگر افسر مذکور کے متعلق امور مذکورہ کے اعتقاد اور عدم اعتقاد کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکے تو بھی نماز جنازہ پڑھنے والے سارے سنی احتیاطاً توبہ کریں. قال اللہ تعالی . ﴿وَلا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ﴾ [التوبہ: ۸۴] (اور نماز جنازہ ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا) (معارف)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں مقتدی جوتا پہن کر نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں، یا جوتا پاؤں کے نیچے سے نکال دے؟

مسئولہ......

الجواب: جوتے پہن کر نماز جنازہ نہ ادا کرے، بلکہ جوتا اتار کر پاک زمین پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ ادا کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ جوتے سے پاؤں نکال کر پاک جوتے ہی پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۹۱: نماز جنازہ کی نیت اردو میں کس طرح باندھی جائے گی؟

مسئولہ حاجی احمد پارچہ فروش، قصبہ دسری، علاقہ رامپور

الجواب: نماز جنازہ کی نیت اردو میں یوں کریں ”نیت کی میں نے نماز جنازہ فرض کفایہ اس کے چار تکبیروں کے ادا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کے حمد وثنا کرنے کی اور رسول اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی اور اس کی دعائے مغفرت کرنے کی قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر“ اگر مقتدی ہو تو نیت میں ”پیچھے اس امام کے“ اتنا لفظ بڑھائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز ظہر نماز مغرب نماز عشا کے فرض ادا کر لیے ہوں اور میت کا جنازہ رکھا ہوا ہے۔ اب نماز جنازہ پڑھیں یا بقیہ نماز کی سنتیں ادا کی جائیں۔ اس کا جواب حدیث شریف یا فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے مع حوالہ ہو؟

مسئولہ حافظ میاں جان راجہ، ۲۵ ستمبر ۱۹۶۰ء

الجواب: ان تینوں نمازوں کے بعد کی جو سنتیں ہیں پہلے ان کو ادا کرے پھر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۶۱۱ میں ہے۔

في البحر قبيل الاذان عن الحلبي الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة. فتویٰ اسی پر ہے کہ پہلے سنت پڑھی جائے، پھر نمازِ جنازہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۹۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جاہل جیسے ملا نے نماز جنازہ پڑھائی اور تکبیر وغیرہ تو ٹھیک سے ادا کی۔ بعد دفن ایک صاحب نے ان سے دعاء کو معلوم کیا تو وہ خاموش ہو گیا، بالآخر تحقیق سے معلوم ہوا کہ نہ تو انھیں ثناء یاد ہے اور نہ دعائے جنازہ‘ نہ مسائل سے واقف۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس میت کی نماز جنازہ ہوئی یا نہیں یا دوبارہ پڑھی جائے اور پڑھی جائے تو کس طرح پڑھی جائے؟ یہاں کے علمائے کرام کا اختلاف ہے، نیز پڑھانے والے کو کیا سزا دی جائے؟

مسئولہ شہاب الدین، ڈھوکہ، احمد آباد، گجرات، ۱۴ جمادی الاخریٰ

الجواب: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اس کے دو رکن ہیں، تکبیرات اور قیام اور باقی چیزیں یعنی ثنا و درود اور دعاء سنت ہیں۔ ادائے فرض کفایہ کے لیے دونوں رکنوں ہی کو پورا کرنا کافی ہے، ہاں سنتوں کو چھوڑنے سے نماز خلاف سنت ہوئی، لہذا صورت مستفسرہ میں نماز جنازہ ہو گئی، لیکن خلاف سنت دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ سنت چھوٹنے سے دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں۔ درمختار ص ۱۲۵ میں ہے۔

ركنها شيئان التكبيرات الاربع والقيام وسنتها ثلثة التحميد والثناء والدعاء فيها.

(ملخصا) اس کے رکن دو ہیں۔ چاروں تکبیرات اور قیام۔ اس کی سنت تین ہے۔

۱۔ثنا ۲۔درود ۳۔ دعاء۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۵۱ میں ہے۔

الصلوة عليه فرض كفاية وار كا نها التكبيرات والقيام، نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔ اس کے ارکان دو ہیں۔

۱۔ تکبیرات ۲۔قیام۔

اسی کے ص ۳۵۲ میں ہے۔

وسننها اربع الاول قيام الامام بحذاء صدر الميت ذكرا كان الميت اوانثىٰ والثانية الثناء بعدالتكبيرة الاولى والثالثة الصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بعد التكبيرة الثانية والرابع الدعاء للميت (ملخصا). اسکی سنت چار ہیں۔ ۱۔امام کا میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہونا۔ میت عورت ہو یا مرد ۲۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء ۳۔ رسول اللہ ﷺ پر درود، دوسری تکبیر کے بعد ۴۔ میت کیلئے دعاء۔

نماز پڑھانے والا جس کو کہ ثنا ودعاء بھی یاد نہیں آثم وگنہگار رہے۔اس پر ضروری ولازم ہے کہ اپنے اس گناہ سے توبہ صادقہ کرے اور آئندہ یہ عزم کرے کہ میں بغیر علم ہرگز ہرگز ایسا اقدام نہ کروں گا کہ یہ شرعاً مذموم وقبیح ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلوں کے متعلق:

(۱): یہ عام رواج ہے کہ میت چارپائی پر لے جائی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی یہی رواج ہے، ہمارے علاقہ میں بہت سے گاؤں میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ میت کی چارپائی کے پائے کو بالشت بھر رکھ کر زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے، اس کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔عموماً لوگوں کا یہ قول ہے کہ ایسا کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ میت کی چارپائی کا پایہ دھنسائے بغیر جنازہ پڑھی جائے، تو نماز جنازہ نہیں ہوگی، بلکہ الٹا گناہ کبیرہ واقع ہوگا؟ (۲): میت کا ولی جاہل ہے، اور اس کا چچازاد بھائی منشی ہے اور جماعت کے اندر ایک مولوی اور ایک حافظ ہیں، اس حالت میں امامت کا حقدار کون ہے؟ ولی کا چچازاد بھائی یا ولی جس کو اجازت دے۔ (۳): جنازہ کی نماز میں رکوع اور سجدہ نہیں کیا جاتا ہے، صفوں کے درمیان کتنی جگہ چھوڑی جائے؟ سجدوں ورکوع کے لائق یا اس سے کم۔

مسئولہ محمد غیاث الدین احمد، مقام ماہی نگر سونی گھاٹ، ضلع پورنیہ بہار، ۱۶،۱۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء

الجواب: (۱): میت کی چارپائی کے پایوں کو بالشت بھر زمین میں دھنسا کر نماز جنازہ پڑھنے کا رواج بے اصل ہے، اس کی کوئی اصل مجھے آج تک نہیں ملی۔ اس باطل رسم ورواج کو صحیح حدیث سے ثابت بتانا کمال جہالت ہے، اور اس پر یہ حکم لگانا کہ بغیر ایسا کیے نماز جنازہ نہیں ہوگی، بلکہ الٹا گناہ کبیرہ ہوگا، انتہائی نادانی اور جہل مرکب ہے جس پر شریعت مطہرہ میں کوئی دلیل نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ ایسے غلط مسائل بیان کرنے سے باز رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): اگر میت کا ولی جاہل بخوبی نماز پڑھا سکتا ہے۔ تو یہ ولی بھی نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے اور اس کو یہ اختیار وحق بھی حاصل ہے کہ چچازاد بھائی خشی کو یا مولوی صاحب یا حافظ صاحب کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے اور اگر یہ ولی جاہل نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا ہے تو پھر جس کو چاہے نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): نماز جنازہ کی صفوں کے درمیان فصل و بعد کی کوئی مقدار شرعاً معین نہیں، سجدہ اور رکوع کے قابل جگہ چھوڑنے میں کو حرج نہیں، جب کہ جگہ میں گنجائش ہو اور اس سے کم جگہ چھوڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں مسجد بنانا کیسا ہے۔ کیا اس مسجد میں فرض نماز اذان اور نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے؟ شرعاً جواب سے مطلع فرمائیں۔ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی جائے یا نہیں؟ اسلام کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ حافظ اللہ بخش، راجہ کا سہسپور ضلع مرادآباد، ۱۶ دسمبر ۱۹۶۱ء

الجواب: قبرستان کی اراضی کے اس حصہ میں جو قبروں سے خالی ہو، قبرستان کے مالک سے اجازت لے کر یا خرید کر مسجد کا بنانا صحیح و جائز ہے۔ اس مسجد میں نماز پنجگانہ وعیدین وجمعہ بغیر کراہت جائز و درست ہے۔ اس مسجد کی معینہ اذان گاہ اور فنائے مسجد میں اذان دینا بھی درست ہے۔

نماز جنازہ صرف ایسی ہی مسجد میں صحیح ہے جو نماز جنازہ کے لیے بنائی گئی ہو، اور قبرستان کی ایسی اراضی میں جن میں قبریں ہوں اس حصہ میں مسجد کا بنانا جائز نہیں۔ حدیث پاک میں قبروں پر مسجد بنانے والے کے لیے لعنت وارد ہوئی ہے۔ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ نہ نماز جنازہ پڑھی جائے، نہ نماز پنجگانہ نہ اذان دی جائے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۵ میں ہے۔

(و) تکرہ الصلوۃ (فی المقبرۃ). قبر پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

> لانہ تشبہ بالیھود والنصاری قال صلی اللہ علیہ وسلم لعنۃ اللہ علی الیھود و النصاری اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد.......... وفی زادالفقیر وتکرہ الصلواۃ فی المقبرۃ الاان یکون فیھا موضع اعد للصلوۃ لانجاسۃ فیہ ولا قذر فیہ اہ قال الحلبی لان الکراھۃ معللۃ بالشبہ وھو منتف حینئذ وفی القھستانی عن جنائز المضمرات لا تکرہ الصلوۃ الی جھۃ القبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لو صلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ.

کیونکہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا دیا۔ زادالفقیر میں ہے کہ مقبرہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر یہ کہ وہاں کوئی جگہ ہو جو نماز پڑھنے کیلئے تیار کی گئی ہو، وہاں نجاست اور گندگی نہ ہو حلبی نے کہا: کراہت کی علت مشابہت یہود ہے، اور یہ اس وقت موجود نہیں،......... قبر کی طرف رخ کر کے نماز

پڑھنا مکروہ نہیں۔ ہاں اگر قبر اس طرح اس کے سامنے واقع ہے کہ اگر وہ خشوع وخضوع والی نماز پڑھتا ہے تو قبر پر اس کی نگاہ پڑتی ہے تو کراہت آجائے گی۔

مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے۔ مراقی الفلاح ص ۳۶۰ میں ہے۔

(وتكره الصلوة عليه في مسجد الجماعة وهو) اى الميت (فيه) كراهة تنزيه في رواية، ورجحها المحقق ابن الهمام وتحريم في اخرىٰ والعلة فيه ان كان خشية التلويث فهي تحريمية وان كان شغلُ المسجد بمالم بين له فتنز يهية والمروى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم من صلى على جنازة في المسجد فلا شئى له. جماعت والی مسجد میں میت کو اندر رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ ایک روایت میں مکروہ تنزیہی ہے محقق ابن الھمام نے اسی کو ترجیح دی۔ ایک دوسری روایت میں مکروہ تحریمی ہے۔ سبب یہ ہیکہ اگر مسجد کے گندگی سے ملوث ہوجانے کا خوف ہے تو مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر مسجد سے ایسا کام لیا جس کیلئے وہ نہیں بنائی گئی تو کراہت تنزیہی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کی اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

طحطاوی میں ہے۔

وقيد بمسجد الجماعة لانها (لاتكره في مسجد اعد لها). مسجد جماعت کی قید اس وجہ سے ہے کہ اس مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں جو اسی کیلئے بنائی گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۹۶: (۱): اگر در مقبرہ نماز گزارد جہاں پر کہ قبریں ظاہر ہوں یا پوشیدہ، نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲): مرد وعورت کی نماز جنازہ میں امام سینے کے مقابلہ میں کھڑا ہو یا دونوں میں کچھ فرق ہے؟

مسئولہ شیخ نصیر، موضع نانکار، ضلع مرادآبا

الجواب: (۱): قبرستان میں قبر کے اوپر یا قبر سامنے ہو تو نماز پڑھنا منع مکروہ ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۵ میں ہے۔

(و) تكره (الصلاة في المقبرة) وامثالها لان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى ان يصلى في سبعة مو اطن ، الحديث . مقبرے وغیرہ میں نماز مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز سے منع فرمایا ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس کی علت یہ بھی درج ہے۔

لانه تشبه باليهود و النصارىٰ قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعنة الله علىٰ اليهود و النصارىٰ اتخذوا قبور انبيا ئهم مساجد و سواء كانت فوقه، اوخلفه او تحت ماهو واقف عليه. اس میں یہود ونصاریٰ سے تشبہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ خواہ یہ قبریں اوپر ہوں، یا پیچھے، یا نیچے۔

بغیر ضرورت شرعیہ اور بغیر عذر شرعی قبرستان کے ہر اس حصہ میں جہاں قبریں ہوں یا قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، چونکہ قبروں پر چلنا پھرنا، کھڑا ہونا، بیٹھنا مکروہ وممنوع ہے اور احترام مقابر کے خلاف ہے، حدیث شریف میں ہے کہ "تمہارا آگ کے انگارے پر اس طرح بیٹھنا کہ آگ تمہارے کپڑے کو جلادے اور کھال پر اثر کرے، قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے" اور قبرستان کا ہر وہ حصہ جو قبروں سے بالکل خالی ہو اس میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ حصہ کسی دوسرے شخص کی ملک میں نہ ہو اور غیر کی ملک ہو تو اجازت لے لی گئی ہو۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۰ میں ہے۔

وفی البدائع وغیر ھا قال ابو حنیفة رضی الله تعالی عنه لا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور و کان علی وابن عباس یکرھان ذالک وان صلوا اجزاھم. البدائع وغیرہ میں ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "قبروں کے درمیان خالی جگہ میں نمازِ جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت علی اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مکروہ سمجھتے تھے۔ اگر یہاں پر نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو نماز ہو جائیگی، دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

اسی میں ہے۔

ثم محل الکراھة اذالم یکن عذر فان کان، فلا کراھة اتفا قا. یہ کراہت اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو اور اگر عذر ہے تو کوئی کراہت نہیں۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۱ میں ہے۔

تکرہ صلاة الجنائز فی الشارع واراضی الناس . نمازِ جنازہ شارع عام پر اور دوسروں کی زمین پر مکروہ ہے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

لشغل حق العامة فی الا ول وحق المالک فی الثانی. پہلے کا سبب یہ ہے کہ اس میں عام انسانوں کے حق میں خلل انداز ہوتا ہے۔ دوسرے کا سبب یہ ہے کہ اس میں زمین کے مالک کے حق کو مشغول کرنا ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۵ میں ہے۔

(ندب زیارتھا)من غیر ان یطأالقبور. قبر کی زیارت اسے روندے بغیر جائز ہے۔

طحطاوی میں ہے۔

فی شرعة الا سلام ومن السنة ان لا یطأ القبور،فی نعلیه. شرعۃ الاسلام میں ہے سنت یہ ہے کہ جوتے سے قبر کو نہ روندا جائے۔

اسی میں ہے۔

وفی شرح المشکٰوۃ والوطء لحاجۃ کدفن المیت لایکرہ وفی السراج فان لم یکن لہ طریق الا علی القبر جازلہ المشی علیہ لضرورۃ. ضرورۃً قبر پر سے گزرنا جیسے میت کو دفن کرنے کیلئے اس میں کوئی حرج نہیں۔ السراج میں ہے اگر قبر پر سے گزرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے تو اس پر چلنا ضرورۃً جائز ہے۔

مراقی الفلاح ص ۳۷۷ میں ہے۔

(وکرہ القعود علی القبور لغیر قراءۃ) لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام "لان یجلس احد کم علی جمر فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدتہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر" و کرہ وطاء ھا بالا قدام لمافیہ من عدم الا حترام. اگر قراۃ قرآن مقصود نہ ہو تو قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمھارا آگ کے انگارے پر اس طرح بیٹھنا کہ آگ تمھارے کپڑے کو جلادے اور کھال پر اثر کرے، قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے"۔ قبروں کا پاؤں سے روندنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے حرمتی ہے۔

طحطاوی میں ہے۔

وقال "الملاعلی القاری فی شرح الموطاللامام محمد حاصلہ ان النھی للتنزیہ". ملا علی قاری نے شرح موطا امام محمد میں کہا خلاصہ یہ ہے کہ منع تنزیہاً ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

(۲): مرد و عورت دونوں کی نماز جنازہ میں امام فقہ حنفی کی رو سے میت کے سینہ کے مقابل ہی کھڑا ہو، اسکے برعکس وخلاف کرنا منافی سنت ہے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۵۲ میں ہے۔

(وسننھا اربع) الاولی (قیام الامام بحذاء) صدر (المیت ذکراکان) المیت (اوانثیٰ) لانہ موضع القلب ونور الایمان. نماز جنازہ کی چار سنتیں ہیں۔ امام کا میت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا خواہ مرد ہو یا عورت، کیونکہ یہی دل کی جگہ اور نور ایمان کا مقام ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۹۷: نماز جنازہ پڑھنا کیا ضروری ہے؟

مسئولہ سید خورشید الحق، محلہ جامع مسجد، مراد آباد، ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

الجواب: نماز جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے اور ہر فرض ضروری ہوتا ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۶۳۹ میں ہے۔

والصلوۃ علیہ فرض کفایۃ بالا جماع فیکفر منکرھا. نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۵۹۸: کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ میں کہ جنازہ کی نماز بغیر اجازت ولی کے امام پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ بغیر ولی کی اجازت کے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے۔ اجازت کی کوئی ضرورت نہیں؟ ازروئے شرع زید کا کہنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا.

مسئولہ مولانا عبدالحبیب صاحب، چک فاضل پور، ضلع مرادآباد، ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

الجواب: امام مسجد محلہ یا موضع اور ولی میت دونوں میں میت کی نماز جنازہ کا زیادہ حق دار کون ہے، یہ مسئلہ اختلافی ہے، قول صحیح پر امام مسجد محلہ یا موضع اگر ولی میت سے افضل ہو اور مرنے والا شخص اپنی حیات میں اس امام کے پیچھے نماز پنجگانہ اس کی خوش اعتقادی و نیک عملی کے بناء پر خوشی و رضامندی سے پڑھتا رہا ہو تو اس صورت میں امام مذکور ولی میت کی نسبت سے میت کی نماز جنازہ کا استحبابا زیادہ حقدار ہے۔ ولی میت سے نماز جنازہ کی اجازت لینا ضروری نہیں، اور اگر ولی میت امام مذکور سے افضل ہو یا مرنے والا شخص امام مذکور کے پیچھے اپنی حیات میں اس کی بداعتقادی یا بدعملی کے باعث نماز پنجگانہ رضا و رغبت سے نہ پڑھا ہو تو اس صورت میں ولی میت امام مسجد مذکور کی نسبت سے میت پر نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے۔ امام مسجد کو ولی میت سے اجازتِ نماز جنازہ لینا ضروری ہے۔ سیدنا امام ابو یوسف و امام شافعی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں مطلقاً کسی شرط کا اعتبار کئے بغیر ولی مَیت نماز جنازہ علی المیت کا زیادہ حقدار ہے۔ خود سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت یہی آئی ہے، بلکہ میت پر نماز جنازہ کا حق اصل میں ولی کے لئے ہے۔ امام مسجد کو تو صرف بربنائے افضلیت یا رضائے میت بحالت حیات عارضی طور پر ولی میت کی نسبت سے میت کی نماز جنازہ کا حقدار قرار دیا گیا۔ لہٰذا بتقاضائے احتیاط ہر صورت میں امام مسجد ولی میت سے میت کی نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت لے لے تاکہ نماز جنازہ بغیر کسی تردد و شبہ کے صحیح و درست اور مستحب و مسنون طریقہ پر بغیر اختلاف ہو جائے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۴۴۸ میں ہے۔

(ثم امام الحی) فیه ایهام وذالک لان تقدیم الولا ة واجب و تقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والافا لو لی اولی کمافی المجتبیٰ وشرح المجمع للمصنف (ثم الولی) بترتیب عصوبة الانکاح(ملخصا). پھر گاؤں کا امام نماز جنازہ کے لئے آگے بڑھایا جائے۔ اس کے اندر ایہام ہے اسلئے کہ حکام کا آگے کرنا واجب ہے اور گاؤں کے امام کا امام بنانا محض مستحب ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ولی سے افضل ہو۔ ورنہ ولی ہی کی امامت اولیٰ ہے۔ ایسا ہی المجتبیٰ اور مصنف کی شرح المجمع میں ہے۔ پھر ولی امامت کے لئے آگے بڑھے گا۔ اس میں ددیہالی رشتہ کی ترتیب کا اعتبار ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (ثم امام الحی) ای الطائفة، وهوامام المسجدالخاص بالمحلة، وانماکان اولیٰ،لان المیت رضی بالصلوة خلفه فی حال حیا ته فینبغی ان یصلی علیه بعد وفاته. قال فی شرح المنیة فعلیٰ هذا لوعلم انه کان غیر راض به فی حال حیاته ینبغی ان لایستحب تقدیمه اه قلت هذا مسلم ان کان عدم رضاه به لو جه صحیح والا فلا. (پھر گاؤں کا امام) یعنی گروہ کا امام وہ خاص اس محلہ کی مسجد کا امام ہے۔ اور یہی اولیٰ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے راضی تھا لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس کی موت کے بعد اسکی نماز پڑھائے۔

شرح المنیۃ میں کہا "اسی طرح اگر یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں اس سے راضی نہیں تھا تو اسکا نماز پڑھانا اچھا نہیں ہے۔" میں کہتا ہوں "یہ اس وقت تسلیم کیا جائیگا جب مرنے والے کا امام سے راضی نہ ہونا سبب صحیح کی بنیاد پر ہو ورنہ نہیں۔"

اسی میں ہے۔

قوله (بشرط الخ) نقل هذا الشرط فی الحلية، ثم قال: وهوحسن، وتبعه فی البحر. یہ شرط الحلیۃ میں نقل کی گئی۔ پھر کہا "وہ حسن ہے اور البحر میں اسکی متابعت کی"۔

اسی میں ہے۔

ان الاصل ان الحق للولی وانماقدم عليه الولاة وامام الحی لمامرمن التعليل. اصل یہ ہے کہ حق امامتِ جنازہ ولی کو ہے۔ حکام اور گاؤں کے امام کو تو بعض مذکورہ بالا علتوں کی وجہ سے آگے بڑھایا گیا ہے۔

اسی کے ص ۶۴۹ میں ہے۔

قال فی شرح المنية الاصل ان الحق فی الصلوة للولی ولذا قدم علی الجميع فی قول ابی يوسف والشافعی ورواية عن ابی حنيفة لان هذا حكم يتعلق بالولاية كالانكاح الاان الاستحسان وهوظاهر الرواية تقديم السلطان ونحوه. المنیۃ کی شرح میں کہا "اصل یہ ہے کہ نماز پڑھانے کا حق صرف ولی کو ہے۔ اسی لئے امام ابو یوسف اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت میں ولی کو سب پر مقدم رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ ایسا فیصلہ ہے جس کا تعلق ولایت سے ہے۔ جیسے نکاح کرانے کی ولایت مگر یہ کہ ظاہرِ روایت کے مطابق استحسان سلطان وغیرہ کو آگے کرنا ہے۔

اسی کے ص ۶۵۰ میں ہے۔

لماقدمناه عن شرح المنية من ان الحق فی الاصل للولی. المنیۃ کی شرح کے حوالے سے پہلے ہم نے بیان کیا کہ اصل میں حقِ امامت ولی کو ہے۔

پھر اسی میں ہے۔

لان الحق للاولياء لانهم اقرب الناس اليه واولا هم به غير ان السلطان والامام انمايقدم بعارض السلطنة والامامة اه. کیونکہ حقِ امامتِ جنازہ تو اولیاء یعنی میت کے قریبی رشتہ داروں کو ہے کیونکہ یہی میت کے نزدیک تمام لوگوں سے قریب ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سلطان کو سلطنت کی وجہ سے اور امام مسجد محلہ کو امامت کی وجہ سے آگے بڑھا دیا جاتا ہے۔

اسی میں ہے۔

ويدل علی ذالک قول الهداية فان صلی غير الولی اوالسلطان اعادالولی لان الحق

للاولياء وان صلى الولى لم يجز لاحد ان يصلى بعده اه ونحوه فى الكنز وغيره فقوله لم يجز لاحد يشمل السلطان ثم رايت فى غاية البيان قال مانصه هذاعلى سبيل العموم حتى لا يجوز الاعادة لا للسلطان ولا لغيره اه. اس پر ہدایہ کا قول دلالت کررہا ہے کہ اگر ولی اور سلطان کے علاوہ کسی نے جنازہ کی نماز پڑھادی تو ولی نماز کولوٹا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا حق تو اولیاء ہی کو تھا۔ لیکن اگر ولی نے پڑھ لی تو کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے بعد نماز پڑھے۔ اسی کے مثل کنز الدقائق وغیرہ میں ہے۔ان کا قول ''کسی کے لئے جائز نہیں'' میں سلطان بھی شامل ہے۔ پھر میں نے غایۃ البیان میں دیکھا، جس کے الفاظ یہ ہیں۔''یہ عدم جواز علیٰ سبیل العموم ہے یہاں تک کہ بادشاہ وقت کے لئے بھی جائز نہیں کہ ولی کے جنازہ پڑھادینے کے بعد اعادۂ نماز کرے۔''

مراقی الفلاح مصری ص ۳۴۶ میں ہے۔

(ثم امام الحى) لانه رضيه فى حياته فهواولى من الولى فى الصحيح (ثم الولى الذكر المكلف. (پھر محلہ کا امام آگے کیا جائے گا) کیونکہ میت اپنی زندگی میں اس سے خوش تھا۔ لہٰذا وہ ولی سے اولیٰ ہے۔ صحیح مذہب یہی ہے۔ پھر ولی مذکر بالغ۔

حاشیہ طحطاوی شریف علی مراقی الفلاح میں ہے۔

واما امام الحى فيستحب تقديمه عن طريق الا فضلية وليس بواجب كمافى المستصفى. جہاں تک گاؤں کے امام کا تعلق ہے تو اس کا آگے کرنا اس لئے مستحب ہے کہ وہ سب میں افضل ہے۔ ایسا کرنا واجب نہیں۔جیسا کہ المستصفیٰ میں ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۵۷ میں ہے۔

(ولمن له حق التقدم ان ياذن لغيره) لان له ابطال حقه. جسے آگے بڑھنے کا حق ہے وہ دوسرے کو اجازت بھی دے سکتا ہے۔ کیونکہ اسے اختیار ہے کہ اپنا حق نہ استعمال کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۵۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ نماز جنازہ کے بعد فوراً دعاء مانگنا کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز، مکروہ ہے یا بہتر؟

مسئولہ محمد اللہ خاں بستوی، ۱۸ / رجب ۱۳۸۵ھ

الجواب: نماز جنازہ کا سلام پھیر لینے کے بعد میت کے لئے اور اپنے لئے مومنین ومومنات کے لئے مطلقاً دعاء مانگنا جائز ومباح ہے، دعاء مانگنے میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے، نصوص شرعیہ اور عبارات فقہیہ سے دعائے مذکور کا مکروہ و ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ فان الكراهة حكم خاص لا بدله من دليل خاص كذافى ردالمحتارو غير هامن الاسفار. جن کتابوں سے اس قسم کا ایہام ہوتا ہے کہ دعاء نہیں ہے یا نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعاء نہیں ہے۔ان عبارتوں کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ بر بنائے ظاہر الروایہ چوتھی تکبیر نماز جنازہ کے بعد سلام پھیر نے سے

پہلے کوئی دعاء ماثورہ منقول نہیں ہے، نہ کوئی دعاء مستحب و مسنون ہے، اسی طرح یہ مقصد ہے کہ سلام نماز جنازہ کے بعد کوئی ذکر مسنون نہیں، نہ مستحب ہے۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۵۴ میں ہے۔

ولیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ قبل السلام دعاء ھکذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان وھو ظاھر المذھب ھکذافی الکافی. چھوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعاء نہیں ہے، ایسا ہی الجامع الصغیر کی شرح میں ہے، یہی ظاہر مذھب ہے۔ ایسا ہی الکافی میں ہے۔

بحرالرائق مصری جلد ثانی ص ۱۸۳ میں ہے۔

واشار بقولہ وتسلیمتین بعد الرابعۃ الی انہ لا شئی بعد ھاغیر ھما وھوظاھر المذھب وقیل یقول ﴿اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً﴾[البقرہ: ۲۳۰] الی آخرہ وقیل ﴿رَبَّنَا لا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ [آل عمران: ۸] الیٰ آخرہ وقیل یخیربین السکوت والدعاء. اپنے قول وتسلیمتین بعد الرابعۃ سے اس امر کی طرف اشارہ کیا مگر یہ کہ تکبیر کے بعد دو سلام کے علاوہ کچھ مسنون نہیں۔ یہی ظاہر مذھب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ﴿اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً﴾ اخیر تک کہے ایک قول یہ بھی ہے کہ ﴿رَبَّنَا لا تُزِغْ قُلُوْبَنَا﴾ آخر تک کہے، ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ اسے یعنی امام کو اختیار ہے، دعاء کرے یا خاموش رہے۔

درمختار ہاشمی ج ۱ ص ۱۰۵ میں ہے۔

(ویسلم) بلادعاء (بعدالرابعۃ) تسلیمتین. چار تکبیر کے بعد دو بار سلام پھیرے اور دعاء نہ کرے۔
واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۰۰: نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ ہمارے اطراف واکناف میں بعض جگہ نماز جنازہ ختم ہوتے ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے ہیں، کیا یہ عند الشرع جائز ہے؟ بینوا توجروا

مسئولہ خواجہ شمس العالم، رحمان پور تکیہ شریف ضلع پورنیہ، ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

الجواب: علمائے اہل سنت وجماعت کا ہر قرن وعہد میں اس بات پر اجماع رہا ہیکہ اموات مسلمین کے لئے دعاء بلاتخصیص زمان ومکان مندوب و مستحسن ہے، نصوص شرعیہ اور اقوال ائمہ اس بارے میں وافر اور کثیر ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد علی الفورمیت کے لئے دعاء یقیناً انہیں اوقات عامہ مطلقہ کا ایک فرد خاص اور اس میں داخل ہے جو یقیناً محمود اور پسندیدہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نعش مبارک حضرت سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے گرد ہجوم کیا اور کھڑے ہو کر امیر المومنین شہید کے لئے دعائیں کیں، یہ چند جملے اجمالی (اجمالی جملے) ہیں۔ اس کی تفصیل تام وتنقیح مرام اعلی حضرت کے رسالہ مبارکہ بذل الجوائز علیٰ الدعاء بعد صلاۃ الجنائز میں ملاحظہ کیجئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۰۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک غیر مسلم لڑکی بازار میں مانگتی کھاتی تھی۔ اس کو ایک

شخص نے اپنے یہاں رکھ لیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، پھر لوگوں نے اس کو مسلمان بنالیا۔ اسی کے ساتھ نکاح کرادیا۔ ان لڑکیوں میں سے ایک کا انتقال ہوگیا، لہٰذا اس لڑکی کو مسلمان کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز اس کی نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ جناب محمد عباس صاحب، گجرڈاکخانہ بونسی، ضلع بھاگل پور، ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ پنجشنبہ

الجواب: یہ دونوں لڑکیاں ولد الحرام وولد الزنا قرار پائیں۔ جب اس کی ماں نے اسلام قبول کرلیا تو ماں کے تابع ہو کر یہ دونوں بھی مسلمان ہی شرعاً ٹھہریں، لہٰذا مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا دونوں جائز و درست و صحیح ہیں، جوازِ نمازِ جنازہ کے لئے اسلامِ میت شرط ہے۔ ولد الزنا ہونا لڑکی کا جرم نہیں ہے، بلکہ مرد و عورت کا جرم ہے، ولد الزنا ہونا نماز جنازہ کو ناجائز نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۰۲: (۱): جس کسی شخص نے نماز فرض ادا نہ کی، اس کی نماز جنازہ کس طرح ادا کی جائے؟ (۲): نماز جنازہ میں مقتدی بھی دعائیں پڑھیں یا نیت ہی کافی ہے اور نماز جنازہ میں وہی درود شریف پڑھ سکتے ہیں جو نماز میں پڑھتے ہیں یا فرق ہے؟ (۳): غروب آفتاب ہو رہا ہو، میت کو دفن کرے یا کچھ سکون کرے اور دوپہر کو یا نصف شب کو زوال کا وقت کب تک ہے؟ زوال کتنا ٹائم مانا جاتا ہے،؟ (۴): اگر کوئی مسلمان جذام کے مرض میں انتقال کرے تو اس کے غسل وکفن اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

مسئولہ شیخ عبد المجید، رتن پور کلاں، مراد آباد، ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء

الجواب: (۱): ترک نماز گناہ کبیرہ ہے، لیکن اس وجہ سے بے نمازی کی نماز جنازہ ترک نہ کی جائے گی، بلکہ دیگر اموات صالحین کی طرح اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۴ و ۳۶۵ میں ہے۔

(قاتل نفسه) يغسل (ويصلى عليه) عند ابى حنيفة ومحمد وهو الاصح لا نه مومن مذنب. خودکشی کرنے والے کو غسل دیا جائیگا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک یہی صحیح ہے، کیونکہ وہ بہرحال مسلمان ہے، گناہ گار سہی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اسی کے تحت ہے۔

فصار كفيره من اصحاب الكبائر تو یہ شخص دیگر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں کی طرح ہوگیا۔
واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): امام ومقتدی سبھی کے لئے دعاء مسنون ہے، بہتر یہ ہے کہ نماز والی ہی درود شریف پڑھے۔ کتاب مذکور کے ص ۳۵۳ میں ہے۔

(و) الثالثة (الصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بعد) التكبيرة الثانية اللهم صل علىٰ محمد وعلى آل محمد الىٰ آخره.

طحطاوی میں ہے۔

یعنی صلاۃ التشهدوهو اولیٰ ممافی الحلابی انه یصلی بمایحضره . مرادتشہد کے بعدوالا درود ہے۔الجلابی میں ہے کہ جودرود بھی اس وقت یادآئے،اسے پڑھے۔ مگریہی درودزیادہ افضل ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

(۳): اوقات مکروہ طلوع،غروب،زوال میں دفن میت بلاشبہ جائز ہے۔ مراقی الفلاح ص ۱۱۰میں ہے۔

والمرادبقولہ ان نقبر صلاۃ الجنازۃ اذالدفن غیر مکروہ. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کےقول ان نقبر الموتیٰ سے مرادنماز جنازہ ہے۔کیونکہ اوقات مکروہہ میں دفن میت مکروہ نہیں۔

زوال کاوقت رات میں نہیں ہوتا،دن میں زوال کاوقت جب کہ سورج ٹھیک درمیان آسمان میں ہو،علامت اس کی یہ ہے کہ ہرچیز کاسایہ نہ گھٹتاہونہ بڑھتاہو۔گھڑی کے ٹائم سے اس کاکوئی وقت وگھنٹہ ہمیشہ کے لئے مقررنہیں ہے،اس کے لئے نقشہ اوقات دیکھیں۔مراقی الفلاح ص ۱۰۹میں ہے۔

(و) الثانی (عند استوا ئها) فی بطن السماء (الی ان تزول) اور دوسرا جب کہ سورج درمیان آسمان میں ہو۔

طحطاوی میں ہے۔

وعلامته ان یمتنع الظل عن القصر ولا یا خذ فی الطول. اسکی علامت یہ ہے کہ ہرچیز کاسایہ نہ گھٹتاہواورنہ بڑھتاہو۔ واللہ تعالی اعلم.

(۴): جذامی کوبھی غسل وکفن دیاجائے گا،اورنماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۰۳: (۱): کوئی بھی فرد جس نے اپنی عمر میں ایک باربھی نمازادانہیں کی اورنشہ پی رہاہو، وہ فوت ہوجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے یانہیں؟نشہ ہی کی حالت میں وہ مراہو؟ (۲): اورجواس کی نماز جنازہ پڑھائے اس پرکوئی گناہ ہے یانہیں؟

مسئولہ عبداللطیف خان صاحب، محلہ کاظم خان قصبہ قائم گنج،ضلع فرخ آباد،۱۲رجب ۱۳۹۱ھ شنبہ

الجواب: (۱)،(۲): جوشخص مسلمان سنی صحیح العقیدہ ہوخواہ وہ کفروشرک کے سوادوسرے گناہوں کامرتکب بھی ہوتووہ گناہ کبیرہ کرنے سے دائرہ ایمان واسلام سے خارج نہیں ہوتا،شراب پینابھی گناہ کبیرہ ہے،نماز کامطلقا چھوڑدینابھی گناہ کبیرہ ہےاورنشہ کی حالت ہی میں اس کی موت ہوگئی ہوتووہ مسلمان ہے،اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کافرمان ہے، صلوا علی کل بر وفاجر، ہرمومن صالح اورمومن فاسق وفاجرکی نماز جنازہ پڑھو، لہذاشخص مذکورکی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، جب فرمان نبوی کی روشنی میں اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اورپڑھائی گئی تونماز پڑھنے والےاورپڑھانے والے کےگنہگارہونے کاکوئی سوال ہی پیدانہیں ہوتا۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۰۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ میت کوچارپائی پررکھ کرنماز جنازہ پڑھناجائز ہے یا نہیں؟غنیۃ شرح منیہ فصل فی الجنائزص ۳۶ ۵مطبع ...یدی میں ہے۔ انہالا تجوزعلی غائب ولاحاضر محمول علی

دابة او غیر ھالاختلاف المکان. اور ص ۵۴۲ میں ہے۔ ولا تجوز والمیت علی دابة اوعلی الا یدی اوعلی الاکتاف لانه کالامام واختلاف المکان مانع من الا قتداء.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چارپائی پر نماز جنازہ نہ ہونی چاہئے، کیونکہ جس علت یعنی اختلاف مکان کی بنا پر چوپایہ وغیرہ پر نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم ہے، وہی علت تو چارپائی پر بھی صادق آتی ہے، لہذا چارپائی پر نماز جنازہ نہیں ہونی چاہئے۔ نورالایضاح ص ۱۵۱ میں ہے۔ وکون المیت علی الارض الخ.

پھر جب کہ نماز میں صحت اقتداء کے لئے یہ ضروری ہے کہ امام اور مقتدی میں ادنی مابہ الامتیاز بلندی نہ ہو جیسا کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۱۴ میں نقایہ بحث مکروہات فی الصلوٰۃ میں یہ عبارت وتخصیص الامام بمکان شرح علامہ شمس الدین محمد میں ہے۔ تخصیص الامام ای انفرادہ بمکان امابان یکون مقامه اعلی اواسفل من مکان القوم الاخر. نقل کر کے فرمایا ہے کہ ادنی مابہ الامتیاز بلندی بھی مکروہ ہے۔ ہاں ایسا قلیل تفاوت جس سے یہ امتیاز ظاہر نہ ہو عفو ہے، تو جب صاحب غنیۃ نے میت کو کالامام سے تعبیر کیا ہے، تو میت علی السریر اور مقتدی میں بھی ادنیٰ مابہ الامتیاز اور اختلاف مکان کا اعتبار کرتے ہوئے نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے؟ ان عبارات مذکورہ کی وجہ سے بڑی پریشانی ہے، اس لئے آپ کی طرف رجوع کی ضرورت ہوئی۔ امید ہے کہ آپ ہمیں تسلی بخش جواب سے نوازیں گے۔ فقط والسلام

مسئولہ محمد طیب عفی عنہ رشیدی قادری، مدرس بحرالعلوم، عملہ ٹولہ کٹھیار، چوپڑی، بائسی، پورنیہ، ۱۵ شوال ۱۳۸۸ھ

الجواب: میت کو جس چیز پر رکھا جاتا ہے، اس کو عربی میں جنازۃ و سریر کتب حدیث وفقہ میں بتایا گیا ہے۔ اردو میں اس کو کہیں چارپائی، کہیں مسہری کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جنازہ اور سریر پر نماز جنازہ کا ادا کرنا سنت قدیمہ متوارثہ ہے۔ خود سرکار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد اطہر کو وفات پانے پر غسل وتکفین کا کام انجام دینے کے بعد سریر پر رکھا گیا ہے، اور نماز جنازہ پڑھی گئی ہے، اور نماز جنازہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین نے پڑھی جن میں خلفائے راشدین بھی تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض صحابہ وغیرہم کی نماز جنازہ سریر مذکور کو سامنے رکھ کر یا رکھوا کر پڑھی ہے، یقیناً وہ سریر جس پر میت کا جسم ہوتا ہے وہ نماز پڑھنے والوں کی نسبت سے اونچا ہوتا ہے۔ سریر کے پایوں کی اونچائی مختلف مقداروں کی ہوتی ہے، میت کے لئے اسلام، تقدم وطہارت مکان وطہارت بدن وکفن اور تنہا نماز جنازہ پڑھنے والے یا پڑھانے والے امام کے محاذی ومقابل ہونا ضروی ہے۔ ان امور میں میت امام کی طرح ہوتا ہے۔ عقل وبلوغ وحیات اور قیام قرأت ورکوع وسجود اور اقتداء وتوجہ الی الکعبہ میں میت امام کی طرح نہیں۔ اسی طرح امام نماز جنازہ کے مکان سے میت کے جسم کا مکان اونچا ہو تو میت مکان کی اونچائی میں امام کی طرح نہیں۔ اگر اس بارے میں میت امام کی طرح ہوتا تو حضور نبی کریم رؤف ورحیم شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سریر کے اوپر رکھے ہوئے میت پر نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھتے۔

اصل یہ ہے کہ میت کو تنہا نماز جنازہ پڑھنے والے یا نماز جنازہ پڑھانے والے امام کے مقابل ومحاذی ہونا ضروری

ہے۔ اگر میت کو کسی سواری، اونٹ، گھوڑے، ہاتھی پر یا کسی اونچی چیز پر یا ہاتھوں کو اتنا اونچا کردیا جائے کہ تنہا نماز جنازہ پڑھنے والے یا نماز جنازہ پڑھانے والے امام کے مقابل ومحاذات میں میت نہ ہو تو نماز جنازہ جائز وصحیح نہیں ہوگی۔ اختلاف مکان سے نماز جنازہ کے عدم جواز وصحت کا یہی مطلب ہے، اور اگر میت کسی ایسے جنازہ اور سریر پر ہو یا چارپائی ومسہری پر ہو یا اور کسی اونچے چبوترے وغیرہ پر یا ہاتھوں پر زمین سے قریب ہو کہ تنہا نماز جنازہ پڑھنے والے یا نماز جنازہ پڑھانے والے امام کے مقابلہ ومحاذات میں میت رہے، یعنی مقابلہ ومحاذات نماز پڑھانے والے امام یا تنہا نماز جنازہ پڑھنے والے شخص سے میت کا باقی رہے تو نماز جنازہ جائز وصحیح ہوگی۔ اس کو اختلاف مکان میں داخل کرکے نماز جنازہ کے عدم جواز وعدم صحت کا حکم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تنہا نماز جنازہ پڑھنے والے یا پڑھانے والے امام کے نیچے ہونے سے اور میت کے اونچی جگہ میں رکھنے سے علی الاطلاق دونوں کے مکان کا اختلاف لازم نہیں آتا۔ بلکہ دونوں کے مکان کا امتیاز ثابت ہوتا ہے۔ مکان کا اختلاف جب ثابت ہوگا کہ نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے والے سے میت کا مقابلہ ومحاذات نہیں ہوتا ہو۔ اگر صرف امام ومقتدی کے مکان میں اونچے نیچے ہونے سے مکان کا اختلاف لازم آتا تو نماز کے مکروہ ہونے کا حکم نہ دیا جاتا، بلکہ بعض کے قول پر نماز کے فاسد ہونے کا حکم دیا جاتا، چونکہ نمازِ پنجگانہ میں امام ومقتدی کے اونچے نیچے ہونے سے فساد نمازِ پنجگانہ کا حکم ہماری کتب فقہیہ میں نہیں ملتا، البتہ کراہت کا حکم ضرور موجود ہے، امام تنہا دکان یا مکان بلند میں ہو اور مقتدی سب کے سب نیچے ہوں، تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔

دوکان یا مکان کی اونچائی میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ درمیانی قامت کے انسان کی برابر اونچائی ہو۔ کذاھو مروی عن الامام ابی یوسف و اختارہ الطحاوی وشمس الائمۃ الحلوانی۔ دوسرا یہ کہ ایک ذراع کے برابر ہو، اس قول کو تبیین الحقائق اور کفایہ شرح جامع صغیر میں اور مراقی الفلاح میں معتمد کہا گیا ہے اور غایۃ البیان اور بحرالرائق میں صحیح بتایا گیا ہے، تیسرا یہ کہ اونچائی بقدر امتیاز ہو کہ دیکھنے والے کو محسوس ہو، اس قول کو درمختار میں بحوالہ علامہ کمال وغیرہ اوجہ بتایا گیا ہے، اور ردالمحتار میں بحوالہ بدائع ظاہر الروایہ کہا گیا ہے، دعاوی مذکورہ کے حوالجات بالترتیب درج ذیل ہیں۔

بزار وحاکم وابن منیع وبیہقی اور طبرانی موجب اوسط میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

> اذا غسلتمونی و کفنتمونی فصلوا علیٰ سریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علی جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملک الموت مع جنودہ من الملائکۃ باجمعھم ثم ا دخلوا علی فوجا بعد فوج فصلوا علی وسلموا تسلیما جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے آؤ سب سے پہلے جبرئیل مجھ پر صلوۃ کرینگے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ۔ پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔ (منہ)۔ (از فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۴)

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۵۳ میں ہے۔

روی انه صلی الله علیه وسلم لما غسل و کفن و وضع علی السریر دخل ابو بکر و عمر وهما فی الصف حیال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و معهما نفر من المهاجرین والانصار (الیٰ ان قال) ویخرجون وید خل اخرون حتی صلی الرجال و النساء ثم الصبیان. روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دے دیا گیا اور کفن پہنا دیا گیا اور آپ سریر پر رکھے گئے اتنے میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آئے ان کیساتھ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت تھی، ایک گروہ نکلتا اور دوسرا داخل ہوتا، یہاں تک کہ مردوں نے نماز پڑھی، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۵۲ میں ہے۔

والصلوٰة علیٰ النجاشی کانت بمشهده کرامة له و معجزة للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم. نجاشی کی نماز جنازہ حضور ﷺ کی نگاہوں کے سامنے ہوئی، اس میں ان کی کرامت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (کانت بمشهده) ای بمشهد النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ای بمکان رآه و شاهده فیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فرفع له سریره حتی رآه بحضرته فتکون صلاة من خلفه علی میت یراه الامام دون المأمومین وهذا غیر مانع من الاقتداء. بمشهده کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی جسے آپ دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کیلئے ان کی چارپائی اٹھائی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جنازہ کو اپنے سامنے دیکھا۔ لہٰذا ان لوگوں کی نماز جنازہ جو آپ ﷺ کے پیچھے پڑھ رہے تھے ایسی ہوگئی کہ میت کو امام تو دیکھ رہا ہے لیکن مقتدی نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ بات اقتداء کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔

نجاشی کے جنازہ کے متعلق یہ مضمون کہ سرکار ﷺ کے سامنے ان کا سریر لایا گیا تھا اور حضور اسے دیکھ رہے تھے۔ فتح القدیر اور طحطاوی علی الدر المختار اور البحر الرائق اور کثیر کتب فقہیہ میں مرقوم ہے۔ بنظر اختصار صرف ایک کتاب کی عبارت درج کردی گئی۔ نیز طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح کے صفحہ مذکورہ میں ہے۔

واخرج الطبرانی و ابن سعد فی الطبقات ان جبرئیل علیه السلام نزل علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم بتبوک فقال یا رسول الله (صلی الله تعالیٰ علیه وسلم) ان معاویة بن معاویة مات بالمدینة اتحب ان اطوی لک الارض فتصلی علیه قال نعم فضرب بجناحیه علی الارض فرفع له سریره فصلی علیه وخلفه صفان من الملائکة فی کل صف سبعون الف ملک. طبرانی اور ابن سعد نے طبقات میں تخریج کی کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاویہ ابن معاویہ کا مدینہ میں انتقال ہو گیا ہے، اگر آپ پسند فرمائیں تو زمین آپ کیلئے لپیٹ دی جائے گی اور آپ ان پر نماز پڑھیں، آپ نے فرمایا ہاں! حضرت جبرئیل نے زمین پر اپنا پر مارا اور ان کا جنازہ اٹھالیا گیا۔ آپ نے نماز جنازہ پڑھی آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صف تھی ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔

عبارات مذکورہ بالا سے آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت ہوا کہ سرکار کی نماز جنازہ سریر پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پڑھی اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام اور مومنین کی نماز سریر پر پڑھی، لہذا سریر و چارپائی پر نماز جنازہ پڑھنے کے عدم جواز کا وہم کرنا بھی صحیح و درست نہیں۔ اس بارے میں حضور پر نور امام اہل سنت اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز کے دو فتوے آخر میں درج کروں گا، تاکہ سائل کو مزید اطمینان ہو جائے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۰۱ میں ہے۔

ویکرہ ان یکون الامام و حدہ علی الدکان وکذا القلب فی ظاھرالروایۃ کذافی الھدایۃ.........ثم قدرالارتفاع قامۃ ولاباس بمادونھا ذکرہ الطحاوی .... وقیل انہ مقدر بما یقع بہ الا متیاز وقیل بمقدارالذراع اعتبار ابالستر ۃ وعلیہ الاعتماد کذافی التبیین. و فی غایۃ البیان ھوالصحیح کذافی البحر الرائق (ملخصا). مکروہ یہ ہے کہ امام تنہا اونچی جگہ پر ہو یا مقتدی تنہا اونچی جگہ پر ہو......... پھر اونچائی کی مقدار ایک آدمی کے قد برابر ہو۔ اگر اس سے کم ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اسے طحاوی نے ذکر کیا......... بلندی کی مقدار کے سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ اتنی بلندی ہو جس سے امتیاز پیدا ہو جائے۔ ایک قول کی روشنی میں سترہ کا اعتبار کر کے گز کی مقدار متعین کی گئی ہے۔ اسی پر اعتماد بھی ہے۔ جیسا کہ التبیین میں ہے، اور غایۃ البیان میں اسی کو صحیح کہا گیا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۱۷ میں ہے۔

(و) یکرہ (قیام الامام علیٰ مکان) بقدر ذراع علی المعتمد و روی عن ابی یوسف قامۃ الرجل الوسط و اختارہ شمس الائمۃ الحلوانی (او) علیٰ (الارض وحدہ) قید للمسئلتین فتنفی الکراھۃ بقیام واحد معہ للنھی عنھما بہ وردالاثر. امام کا ایسی جگہ کھڑا ہونا جس کی اونچائی ایک گز کے مقدار ہو مکروہ ہے۔ قول معتمد یہی ہے۔ ابو یوسف سے روایت ہے کہ اوسط قد والے کی اونچائی مراد ہے۔ اسی کو شمس الائمہ الحلوانی نے اختیار کیا۔ یا تنہا زمین پر ہو۔ دونوں مسئلوں میں امام کے تنہا ہونے کی قید لائی گئی۔ لہذا اگر امام کے ساتھ ایک شخص بھی شامل ہو گیا تو کراہت ختم ہو جائے گی۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

(وقوله بقدر ذراع) اعتبار ابالسترة و قيل مايقع به الامتياز كذافى الشرح قوله (به ورد الاثر) اى بالنهى ورد الاثر فالنهى من ارتفاع الامام ورد فى حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى ان يقوم الامام فوق شئى و الناس خلفه يعنى اسفل منه كذافى الشرح. (ان کا قول ایک گز کی مقدار) سترہ کا اعتبار کر کے ایسا کہا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اتنی بلندی جس سے امتیاز پیدا ہو جائے---(ان کا قول اس سلسلہ میں اثر [قولِ صحابی] وارد ہوا) یعنی ممانعت کے سلسلہ میں اثر وارد ہوا۔ امام کے بلندی پر ہونے کی ممانعت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہوا۔ منع ہے کہ امام کسی چیز کے اوپر کھڑا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے ہو۔ یعنی نیچے۔

درمختار مصری جلد اول ص ۴۷۸ میں ہے۔

(وانفرادالامام على الدكان) للنهى، وقدر الارتفاع بذراع، ولاباس بمادونه، وقيل مايقع به الامتياز وهوالاوجه. ذكره الكمال وغيره (وكره عكسه) فى الاصح.
دوکان (یعنی اونچی جگہ) پر امام کا اکیلے کھڑا ہونا منع ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اونچائی کی مقدار ایک گز ہونا چاہئے۔ اور اگر اس سے کم ہے یعنی امام تنہا ایک گز کی مقدار سے کم بلندی پر ہے تو کوئی حرج نہیں، ایک قول یہ ہے کہ جس سے امتیاز واقع ہو جائے، یہی قول زیادہ وجیہہ ہے۔ اسے علامہ کمال نے ذکر کیا۔ اور اس کے برعکس یعنی تمام مقتدی اونچی جگہ ہوں اور امام نیچے ہو، ایسا کرنا، مکروہ ہے۔ صحیح ترین مذہب یہی ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (للنهى) وهوما اخرجه الحاكم انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى ان يقوم الامام فوق ويبقى الناس خلفه وعللوه بانه تشبه باهل الكتاب، فانهم يتخذون لامامهم دكانا. [بحر] وهذالتعليل يقتضى انها تنزيهية والحديث يقتضى انها تحريمية الا ان يوجد صارف. تامل [رملى] قلت لعل الصارف تعليل للنهى بماذكرتامل قوله (وقيل الخ) هذ ظاهر الرواية كما فى البدائع قال فى البحر: والحاصل ان التصحيح قد اختلف، والاولىٰ العمل بظاهر الرواية واطلاق الحديث اه وكذارجحه فى الحلية قوله (فى الاصح) وهو ظاهر الرواية لانه وان لم يكن فيه تشبه باهل الكتاب لكن فيه ازدراء بالامام حيث ارتفع كل الجماعة فوقه، افاده فى شرح المنية وَكَانَّ الشارح اخذالتصحيح تبعا للدرر من قول البدائع جواب ظاهر الرواية اقرب الىٰ الصواب و مقابله قول الطحاوى بعدم الكراهة لعدم التشبه، و مشىٰ عليه فى الخانية قائلا: و عليه

عامة المشائخ قال ط: و لعل الكراهة تنزيهية لان النهى و رد فى الاول فقط. (ان کا قول ممانعت کے سبب سے) حاکم نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے منع فرماتے تھے کہ امام اوپر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے نیچے ہوں۔ علماء نے اس کی علت یہ بیان کی کہ اس میں یہودیوں سے مشابہت بھی ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے امام کیلئے دوکان (اونچی جگہ) بناتے تھے۔ اس تعلیل کا منشا یہ ہیکہ کراہت تنزیہی ہو اور حدیث کا اقتضا یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہونا چاہئے۔ اگر کوئی "صارف" موجود نہ ہو۔ اور اگر کوئی صارف (یعنی ایسی دلیل مل جائے جو اسے تحریمیت سے نکال دے تو بلاشبہ مکروہ تنزیہی ہو جائے گا) شاید صارف وہ وہی مذکورہ بالا تعلیل ہے۔ یعنی تشبہ باھل الکتاب۔ البحر میں کہا" حاصل یہ ہے کہ تصحیح میں اختلاف ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ ظاہر روایت اور اطلاق حدیث پر عمل کیا جائے۔ الحلیۃ میں اسی کو راجح قرار دیا۔ (ان کا قول صحیح ترین مذہب کی روشنی میں) کیونکہ اگر چیکہ اس کے اندر اہل کتاب سے تشبہ نہیں ہے، مگر بہر حال اس کے اندر امام کی توہین ضرور ہے۔ کیونکہ پوری جماعت اس کے اوپر کھڑی ہوئی ہے۔ شرح المنیۃ میں اس کا افادہ کیا۔ شارح نے الدرر کی اتباع میں ہی البدائع کے قول سے تصحیح کو لیا، یعنی "فی الاصح" کہا۔

ظاہر الروایۃ کا جواب اقرب الی الصواب ہے۔ اس کے مقابلے میں طحاوی کا قول عدم کراہت کا ہے۔ اس کی دلیل عدم تشبہ ہے۔ الخانیۃ میں اسی راہ پر چلے یہ کہتے ہوئے.........اور اسی پر عام مشائخ ہیں۔ غالباً کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ نہی پہلی صورت یعنی امام کے تنہا اوپر کھڑے ہونے کے سلسلے میں وارد ہوئی۔

غنیۃ ص ۳۴۸ میں ہے۔

(ويكره) ايضا (ان ينفرد) الامام عن القوم فى مكان اعلىٰ من مكان القوم اذالم يكن بعض القوم معه لان فيه التشبه باهل الكتاب علىٰ ماتقدم انهم يخصون امامهم بالمكان المرتفع ولذا اذا كان بعض القوم مع الامام لايكره لزوال التشبه بزوال التخصيص. یہ حالت بھی کراہت سے خالی نہیں کہ امام اگر اونچی جگہ پر تنہا الگ کھڑا ہو۔ ایک آدمی بھی اس کے ساتھ نہ ہو اور قوم نیچی جگہ پر کھڑی ہو۔ کیونکہ اس میں تشبہ باھل الکتاب ہے، جیسا کہ اوپر گزرا کہ وہ لوگ اپنے امام کیلئے اونچی جگہ مخصوص کرتے تھے۔ اسی لئے اگر کچھ لوگ بھی امام کے پیچھے اونچی جگہ پر کھڑے ہو گئے تو کراہت نہیں، کیونکہ اب خصوصیت امام کے ختم ہونے سے مشابہت بھی ختم ہو گئی۔

اسی کے ص ۳۴۹ میں ہے۔

والظاهران مادون الذراع لاينضبط به وقوع الامتياز كل الضبط فان من الناس الطويل والقصير فكان التقدير بالذراع هوالاولىٰ لانه الذى ينضبط به وقوع الامتياز فى حق الكل. ظاہر یہ ہے کہ ایک گز سے اگر کم ہے تو ہر ایک کے حق میں امتیاز کا واقع ہونا مکمل طور پر منضبط نہیں

ہوگا۔ کیونکہ لوگوں میں لمبے بھی ہیں پست قد بھی ہیں۔ لہٰذا ایک گز کی تعیین اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس سے ہر ایک کے حق میں امتیاز کا واقع ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۱ میں ہے۔

قال فی القنیة الطهارة من النجاسة فی الثوب والبد ن والمکان وستر العورة شرط فی حق الامام یعنی المصلی والمیت جمیعا اه وفی السیدو امامکانه ای اذاکان نجسافان کان المیت علی الجنازة تجوز الصلوٰة وان کان علی الارض' ففی الفوائد یجوز وجزم فی القنیة بعدمه اه [نهر] وجه الجواز ان الکفن حائل بین المیت والنجاسة ووجه عدمه ان الکفن تابع فلایُعَدُّ حائلاثم المرادبالمکان الذی یشترط طهارته اما الجنازة اوالارض ان لم یکن جنازة والحاصل ان طهارة الارض انما تشترط علی مافی القنیة اذاوضع المیت بدون جنازة امابها فعدم اشتراط طهارة الارض متفق علیه. القنیہ میں کہا'' کپڑے بدن اور جگہ کا پاک ہونا اور ستر عورت امام کے حق میں شرط ہے۔ یعنی نمازی اور میت دونوں کے حق میں السید میں ہے۔ جہاں تک جگہ کا تعلق ہے۔ یعنی اگر جگہ ناپاک ہے تو اس کی دو صورت ہے، اگر میت چارپائی پر ہے تو نماز جائز ہے۔ اور اگر زمین پر ہے تو الفوائد کے اندر یہ ہے کہ جائز ہے اور القنیہ کے اندر عدم جواز کا جزم کیا گیا ہے۔ جواز کی وجہ یہ ہے کہ کفن میت اور نجاست کے درمیان حائل ہے۔ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ کفن میت کے تابع ہے۔ لہٰذا یہ رکاوٹ شمار نہیں کی جائیگی اور عدم جواز کو ختم نہیں کریگی۔ پھر مراد اس مکان سے جس کی طہارت شرط ہے، یا تو چارپائی ہے یا زمین ہے، اگر میت چارپائی پر نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا پاک ہونا اس وقت شرط ہے جب بمطابق القنیہ میت چارپائی پر نہ ہو اور اگر چارپائی ہو تو بالاتفاق زمین کا پاک ہونا شرط نہیں۔

طحطاوی علی الدر ص ۳۷۱ میں ہے۔

والحاصل ان المرادبالمکان الذی اشترطت طهارته اماالسریراوالارض ان لم یکن سریرفاذاوضع علی السریر لاتشترط طهارة الارض اتفاقا ابوالسعود. خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اس سے مراد یا تو چارپائی ہے اور اگر میت چارپائی پر نہیں ہے تو زمین ہے۔ لہٰذا میت اگر چارپائی پر رکھی ہوئی ہے تو زمین کا پاک ہونا شرط نہیں۔

درمختار میں ہے۔

وشرطها ایضاحضوره (ووضعه وکونه هواواکثره امام المصلی). نماز جنازہ کی شرط یہ بھی ہے کہ میت موجود ہو اور سامنے رکھی ہو، پورا یا اکثر حصہ نمازی کے آگے ہو،

طحطاوی علی الدر ص ۳۷۲ میں ہے۔

قوله (ووضعه) ای علی الارض اوعلی الایدی ...ا قهستانی عن المحیط. رکھنے کا معنی یہ ہے کہ زمین پر رکھا ہو یا ہاتھوں پر زمین سے قریب۔

ردالمحتار جلد اول ص ۶۴۰ میں ہے۔

قوله (ووضعه) ای علی الارض اوعلی الایدی قریبا منها.

مع الرموز جلد اول ص ۱۲۵ میں ہے۔

وشر طهااستقبال المصلی وصدرالمیت کمافی التمرتاشی وستر عورتهما وطهارة ثوبهما و بدنهما ومکانهما و نیته کما فی الزاهدی وکونه علی الا رض اوالایدی قریبا منها کما فی المحیط. میت کا سامنے ہونا، نیز دونوں کا ستر عورت، دونوں کے کپڑے اور بدن اور جگہ کی پاکی اور نیت بھی شرط نماز جنازہ ہے۔ جیسا کہ الزاہدی میں ہے۔ زمین پر یا ہاتھوں پر قریب زمین ہونا بھی شرط ہے ... المحیط کے اندر ہے۔

امام ومقتدی کے اونچے نیچے مکان پر کھڑے ہونے سے متعلق عبارات مذکورہ بالا سے نہایت واضح طور پر ثابت ہوا کہ اس سے دونوں کے مکان کا امتیاز ثابت ہوتا ہے، دونوں کے مکان کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا، اور یہ امتیاز موجب کراہت نماز ہے، مفسد نماز نہیں، تو پھر نماز جنازہ میں نمازی یا امام اور میت کے نیچے اونچے ہونے سے بھی نماز جنازہ فاسد و ناجائز نہیں ہوگی، بلکہ نمازِ جنازہ مکروہ بھی نہ ہوگی، چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اسی طرح احادیث سے ثابت ہے، اور جب نماز پنجگانہ میں صرف امام ومقتدی کے مقام قیام کے اونچے نیچے ہونے سے صاحب غنیۃ المستملی کے نزدیک بھی اختلاف مکانین ثابت نہیں ہوتا اور نماز مذکور ناجائز وفاسد نہیں ہوتی، تو پھر نماز جنازہ میں مکان کے نیچے اونچے ہونے سے امام ومقتدی کے مکان کا اختلاف کیوں ثابت ہوگا اور نماز جنازہ ناجائز وفاسد کیوں ہوگی۔ **و هذا امرلم احصله بعد.**

خود صاحبِ غنیۃ اپنی کتاب مذکور کی عبارت **(انها لا تجوز علی الغائب)** کے بعد نماز جنازہ بر نجاشی کے غائبانہ ہونے کے اعتراض کے جواب میں اسی ص ۵۴۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

اما صلوته علیه الصلوة والسلام علی النجاشی فامالانه رفع له سریره حتی رآه بحضرته فتکون صلوة من خلفه علی میت براه الامام و یحضره دون المامومین وهذ اغیر مانع عن الاقتداء. جہاں تک حضور ﷺ کے نجاشی کے نمازِ جنازہ پڑھانے کا تعلق ہے تو یا تو ان کی چارپائی اٹھا کر حضور ﷺ کے سامنے لائی گئی اور آپ ﷺ نے اسے اپنے سامنے دیکھا تو پیچھے والے کی نماز ایسی ہوئی کہ میت کو امام دیکھ رہا ہے اور وہ ان کے سامنے حاضر ہے، مقتدی نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ بات اقتداء کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی اور نہ

پڑھائی تھی، بلکہ ان کی میت سریر پر حضور ﷺ کے سامنے تھی، یقیناً سریر اُنچا تھا اور حضور ﷺ نے نیچے کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھائی۔ نہ یہاں اختلاف مکان ہوا نہ اقتداء سے کوئی امر مانع ہوا، نماز درست ہوئی۔ سائل اس عبارت کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیتے تو سوال واستفتا بھیجنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، نہ مجھے قلم اٹھانا پڑتا۔ میں یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں کہ فتیہ کی جن دو صفحات کی عبارتیں سائل نے اپنے مقصد کے لئے دلیل بنا کر پیش کی ہیں، صفحہ ۵۴۰ کی درج کردہ عبارت کے بعد **ولاموضوع تقدم علیه المصلی وهو کا لا مام من بعض الوجوه وانما قلنا ذالک لان صحة الصلوٰة علی الصبی ونحوه افادت انه لم یعتبر اماما من کل وجه کماا نها صلوة من بعض الو جوه** درج ہے، اور صفحہ ۵۴۲ کی درج کردہ عبارت سے پہلے **ولا تجوز الصلوة علیها راکبا الا من عذر والقیاس الجواز لانها دعاء والرکوب لا ینا فیه وجه الاستحسان انها صلوة من وجه لاشتراط شرائط الصلوٰة با لا جماع وکذ االتکبیر فشارکت سائر الصلوات فی حکم القیام وعلیه الا جماع** درج ہے، یہ دونوں عبارتیں بلند آواز سے پکار کر کہہ رہی ہیں کہ نماز جنازہ میں میت من جمیع الوجوہ امام نہیں اور نماز جنازہ من جمیع الوجوہ نماز نہیں، بلکہ بعض وجہ سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نماز جنازہ حقیقۃً من جمیع الوجوہ نماز نہیں ہے، بلکہ حقیقۃً دعاء ہے اور بعض وجوہ کے اعتبار سے اس کو نماز کہا جاتا ہے، اس لئے اس کے تمام مسائل کو حقیقی نماز پر قیاس کرنا غلط ہوگا۔ متوسط درجہ کی کتب فقہیہ پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ نماز پنجگانہ میں قہقہہ ناقض وضو ہے اور نماز جنازہ میں قہقہہ ناقض وضو نہیں۔ لہٰذا جو شخص نماز پنجگانہ پر قیاس کر کے نمازِ جنازہ میں بھی قہقہہ کو ناقض وضو قرار دے تو یہ قیاس صحیح نہ ہوگا بلکہ غلط ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۲ میں ہے۔

> القَهْقَهَة فی کل صلاة فیها رکوع وسجود تنقض الصلوٰة والوضوء عند ناکذٰ فی المحیط ولوقهقه فی سجدة التلاوة اوفی صلاة الجناز ة تبطل ما کان فیها و لا تنقض الطها رة کذا فی فتاویٰ قاضی خان(ملخصا). قہقہہ ہر رکوع وسجود والی نماز میں، نماز کو باطل کر دیتا ہے اور وضو کو بھی، جیسا کہ المحیط میں ہے۔ سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ میں قہقہہ سے صرف نماز وسجدہ باطل ہوتا ہے نہ کہ وضو جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

فتح القدیر مصری جلد ثانی ص ۸۱ میں ہے۔

> واما ارکانها فالذی یفهم من کلا مهم انها الدعاء والقیام والتکبیر لقولهم ان حقیقتها هوالدعاء والمقصود منها. فقہاء کے کلام سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہ کہ نمازِ جنازہ دعاء ہے اور قیام وتکبیر۔ اس کی حقیقت علماء کے نزدیک دعاء ہی ہے۔ اور یہ اسکا مقصود ہے۔

غنیۃ المستملی ص ۵۴۲ میں ہے۔

> ولاتجوز الصلاة علیهاراکبا الا من عذر والقیاس الجواز لانها دعاء والرکوب لاینا فیه

وجه الا ستحسان انها صلاة من وجه لا شتراط شرائط الصلاة بالا جماع. نمازِ جنازہ بلاعذر سواری پر جائز نہیں اور قیاس کہتا ہے کہ جائز ہونا چاہئے کیونکہ دعاء ہے اور سوار ہونا اس کے منافی نہیں۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک حیثیت سے نماز ہے، کیونکہ نماز کے شرائط اس میں بھی پائے جارہے ہیں اجماعاً۔

اسی طرح نماز میں رکوع وسجود وقراءت فرض ہے۔ نماز جنازہ میں رکوع وسجود وقراءت نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ مسنون، نہ مستحب ہے، بلکہ ممنوع ہے۔ نیز نماز پنجگانہ وعیدین وجمعہ میں بشرائط مخصوصہ عورت کے محاذی ہونے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور نمازِ جنازہ فاسد نہیں ہوتی۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۵۴ میں ہے۔

ولایقرأ فیها القرآن ولوقرأ الفاتحة بنیة الدعاء فلا باس به وان قرأ ها بنیةالقراء ة لا یجوزلانها محل الدعاء دون القراء ة كذا فی محیط السرخسی. نماز جنازہ میں قرآن نہ پڑھاجائے اور سورۂ فاتحہ بنیت دعاء پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں۔ بنیت قراءت پڑھی توایسا کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دعاء کا محل ہے، نہ کہ قراءت کا۔ ایسا ہی محیط السرخسی میں ہے۔

اسی کے ص ۱۵۳ میں ہے

وتفسد صلاة الجنازة بماتفسدبه سائر الصلوات الا محاذاة المرأة كذافی الزاهدی. نماز جنازہ ان تمام وجوہ سے فاسد ہوجائیگی، جن سے نماز فاسد ہوتی ہے، سوائے عورت کے بالمقابل ہونے کے۔

اسی طرح نماز کا امام زندہ یعنی مکلف ہوتا ہے اور اس امام کا کوئی دوسرا امام حقیقۃً نہیں ہوتا اور نماز جنازہ کا امام بھی زندہ یعنی مکلف ہوتا ہے اور اس امام کا بھی کوئی دوسرا امام حقیقۃً نہیں ہوتا، چونکہ میت کا امام ہونے کا شرعاً کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، لیکن اس امام کے آگے میت کا جنازہ ہوتا ہے جسے امام یا امام کی طرح بتایا گیا ہے، جو من جمیع الوجوہ امام نہیں ہوتا ، بلکہ بعض احکام میں امام یا امام کی طرح ہوتا ہے، اس میت کو نماز کے امام کی طرح من جمیع الوجوہ قرار دے کر اس پر امام کے تمام احکام کا جاری کرنا مبنی برخطا ہے۔ اس جواب میں اوپر ابھی گزرا کہ کن امور میں میت امام یا امام کی طرح ہے، اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقتداء میں میت امام یا امام کی طرح نہیں۔ نماز کا امام مقتدا ہوتا ہے، اور باقی نمازی اس کے مقتدی اور میت مقتدا نہیں ہوتی، نہ سارے نمازی میت کے مقتدی ہوتے ہیں، لہذا اقتداء میں میت امام کی طرح نہیں ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو صاحب غنیۃ کا میت کو اقتداء میں امام یا امام کی طرح قرار دے کر لاتجوز کی علت ودلیل میں ص ۵۴۲ پر لانه كا لا مام واختلاف المكان مانع من الا قتداء لکھنا کسی طرح معقول ودرست نہیں ہوسکتا، بلکہ لا تجوز کی علت ودلیل میں لعدم وضعه امام المصلی لکھنا تھا، جیسا کہ غنیۃ کی عبارت مرقومہ برص ۵۳۵و۵۳۶ دربیان شرطِ صحت نماز جنازہ و وضعه امام المصلی وبهذ القید علم انها لا تجوز علی غائب ولا حاضر محمول علی دابة اوغیرها کا اقتضاء یہی ہے۔ یعنی عدم جواز نماز کا حکم محمول علی الدابة پر اس لئے ہے کہ

میت مصلی کے سامنے نہیں رکھی ہوتی ہے۔

اسی طرح ص ۵۳۶ کا میں لاختلاف المکان کو علت و دلیل بنانا معقول و درست نہیں لا ختلاف المکان کو علت و دلیل بنانا جب صحیح و درست ہوتا کہ صحت نمازِ جنازہ کی شرط میں نماز جنازہ کے نمازی اور میت کے مکان کے اتحاد کو شرط بتایا جاتا۔ یہاں پر علت و معلول اور حکم و دلیل میں مطابقت نہیں پائی جاتی۔ آگے چل کر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ نماز جنازہ کے نمازی اور میت کے مکان کا اتحاد نماز جنازہ میں مطلقاً شرط نہیں ہے، ورنہ میت کے خارج مسجد اور سارے نمازی کے اندرون مسجد ہونے میں اور اس کے برعکس ہونے میں نماز جنازہ کے عدم جواز وصحت یا فسادِ نمازِ جنازہ کا حکم دیا جاتا۔ حالانکہ فقہ حنفی میں ایسا حکم کہیں نہیں ملتا، بلکہ صرف کراہت کا حکم ملتا ہے۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ حضورِ میت، مقابلہ ومحاذات مصلی نماز جنازہ میں ہونا شرط وضروری ہے، نیز اگر سائل غنیۃ کی مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کو بغور دیکھ کر ان عبارتوں کے حل کرنے کی کوشش کرتے تو بھی سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ نہ معلوم سائل نے ان دونوں عبارتوں کی نشاندہی سوال میں درج کر کے کیوں نہیں فرمائی، جس سے اس مسئلہ پر صرف روشنی ہی نہیں پڑتی بلکہ عظیم ترین رہنمائی ہوتی ہے۔

سائل نے فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۱۴ کی جو عبارت سوال میں درج کی ہے، اس میں تو امام ومقتدی کے اونچے اور نیچے کھڑے ہونے سے بربنائے امتیازِ مقام امام ومقتدی نماز کا مکروہ ہونا درج ہے، اور نماز کے فساد اور عدم جواز کا حکم نہیں اور نہ اختلافِ مکان کا تذکرہ ہے، مگر سائل نے نہ معلوم کس نظریہ کے ماتحت عبارت مذکورہ کے بعد "تو میت علی السریر اور مقتدی میں بھی ادنیٰ مابہ الا متیاز اور اختلاف مکان کا اعتبار کرتے ہوئے نماز جنازہ کے عدم جواز کا حکم ہونا چاہئے" ایسا جملہ لکھدیا ہے، جو مقیس علیہ ومقیس کے عدم تطابق کی بنا پر مظہر خطاء سائل ہے۔

نیز سائل کا سوال میں یہ لکھنا کہ "پھر جب کہ نماز میں صحت اقتداء کے لیے یہ ضروری ہے کہ امام ومقتدی میں ادنی مابہ الامتیاز بلندی نہ ہو" بلکہ یہ لکھنا چاہئے تھا کہ پھر جب کہ نماز میں کراہت سے بچنے کے لے یہ ضروری ہے الخ.

عبارت نورالایضاح وکون المیت علی الارض سے استدلال صحیح نہیں۔ چونکہ دیگر کتب فقہیہ میں ووضعه امام المصلی بھی درج ہے جو علی الارض وعلی السریر دونوں کو شامل ہے۔ علی الارض کی قید احترازی علی السریر سے مطلقاً نہیں ہے ورنہ علی السریر نماز جنازہ مطلقاً ہوتی ہی نہیں۔ اسی غنیۃ کے ص ۵۳۵ پر ووضعه امام المصلی درج ہے بلکہ علی الارض جس کی قید علی السریر وعلی الایدی سے بشرط عدم محاذات قید احترازی ہے، طحطاوی علی الدرر والمختار وقہستانی ومحیط وطحطاوی علی مراقی الفلاح وحاشیہ ابوالسعود کی عبارات مذکورہ بالا صاف صاف بتارہی ہیں کہ میت کا زمین پر یا زمین کے قریب ہاتھوں پر یا سریر پر ہونا کافی ہے، زمین پر ہی ہونا ضروری نہیں۔ یہیں سے غنیۃ کی عبارت ولا تجوز والمیت علی دابة او علی الا یدی اور عبارت محیط وقہستانی وطحطاوی علی الدرر والمختار کو نه علی الارض اوالایدی قریبا منها یا وضعه ای علی الارض او علی الایدی قریبا منها کا تعارض واختلاف بھی دور ہو رہا ہے۔ عدم جواز نماز جنازہ علی الایدی کا مطلب یہ ہے کہ میت ہاتھوں کے اوپر زمین سے

دور اور اتنی اونچی ہو کہ امام یا منفرد کے محاذی و مقابل نہ ہو۔ اور جواز نماز جنازہ **علی الایدی** کا مطلب یہ ہے کہ میت ہاتھوں کے اوپر زمین سے قریب امام و منفرد کے محاذی و مقابل ہو۔ یہی حال و حکم سریر و چار پائی کا بھی ہوگا کہ میت امام یا منفرد کے مقابل سریر اور چار پائی پر ہو تو نماز جنازہ جائز و صحیح ہوگی، ورنہ نماز جنازہ جائز و صحیح نہ ہوگی۔ غنیۃ کی عبارت **انہا لا تجوز علی غائب ولا حاضر محمول علی دابۃ اوغیرہا لا ختلاف المکان** میں **غیرہا** کے اندر وہ سریر اور چار پائی داخل نہیں، جس پر میت ہو، بشرطیکہ امام یا منفرد کا مقابلہ میت سے ہو رہا ہو۔ چونکہ اس صورت میں اختلاف مکانی کی علت متحقق نہیں ہوتی، بلکہ امتیاز مکان امام و مقتدی ثابت ہوتا ہے، اور **غیر ھا** کے اندر وہ سریر اور چار پائی داخل ہے، جس پر میت ہو بشرطیکہ امام یا منفرد کا مقابلہ میت سے نہ ہو رہا ہو، چونکہ اس صورت میں اختلاف مکان کی علت ثابت ہوتی ہے۔ غنیۃ کی پہلی عبارت میں **لاختلاف المکان** اور دوسری عبارت میں **لانہ** کا **لامام واختلاف المکان مانع عن الاقتداء** کا لفظ صراحۃ اس امر پر دال ہے کہ اختلاف مکانی امام و مقتدی مطلقاً **مانع عن الاقتداء** اور مفسد نماز ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے نماز جنازہ صحیح و جائز نہیں ہوتی۔

میری تحقیق میں یہ حکم علی الاطلاق صحیح و درست نہیں، بلکہ نماز پنجگانہ و جمعہ و[illegible]ین میں یہ حکم علی الاطلاق غلط ہے، جس کے شواہد و دلائل درج ذیل ہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۱۷۵ پر شرائط صحت اقتد[illegible] کے بیان میں درج ہے۔

> (و)یشترط ان (لا) یفصل بینهما (حائط) کبیر(یشتبه معه ال[illegible] بانتقالا ت الامام فان لم یشتبه) العلم بانتقالات الامام (لسماع اورؤیة صح الا قت[illegible] به (فی الصحیح) وهو اختیار شمس الائمة الحلوانی لماروی ان النبی صلی الله [illegible]عالی عليه وسلم کان یصلی فی حجرة عائشة رضی الله تعالی عنها والناس فی المسجد یصلون بصلاته وعلی هذا الا قتداء فی المساکن المتصلة با لمسجد الحرام [illegible]ابها من خارج صحیح اذالم یشتبه حال الامام علیهم لسماع او روية ولم یتخلل الا[illegible]دار کماذکره شم۔

> فیمن صلی علی سطح بیته المتصل بالمسجد اوفی منزله بجنب المسجد وبینه المسجد حائط مقتد یا بامام فی المسجد وهو یسمع التکبیر من الامام اومن الم[illegible] تجوز صلواة کذافی التجنیس والمزید ویصح اقتداء الواقف علی السطح بمن هوفی البیت ولا یخفی علیه حاله.

نماز کی صحت کے شرائط میں سے یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان بڑی دیوار حائل نہ ہو جس سے امام کے مختلف حالت میں منتقل ہونے کا علم مشتبہ ہو جائے اور اگر امام کے انتقالات کا علم مشتبہ نہ ہو اس طرح کہ آواز سن رہا ہے یا دیکھ رہا ہے تو اس حائل کے باوجود اقتداء صحیح ہے، صحیح مذہب یہی ہے۔ شمس الائمۃ الحلوانی نے اسی کو اختیار کیا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ ﷺ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نماز پڑھتے تھے اور لوگ مسجد میں انکی اقتداء میں اپن[illegible] ادا کرتے تھے۔ اسی کی روشنی میں مسجد حرام سے متصل گھروں اور مسجد سے باہر اس کے دروازوں میں نما[illegible]

ہے۔ بشرطیکہ امام کی حالت ان پر مشتبہ نہ ہو۔ آواز سن کر کے یا امام کو دیکھ کر اور درمیان میں سوائے دیوار کے اور کچھ حائل نہ ہو۔ جیسا کہ شمس الائمۃ الحلوانی نے بیان کیا کہ جس نے مسجد سے متصل اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھی یا مسجد کے بازو میں اپنے گھر کے اندر نماز پڑھی۔ اس کے گھر اور مسجد کے بیچ ایک دیوار حائل ہے وہ مسجد کے امام کی اقتداء کر رہا ہے۔ امام یا مکبر کی تکبیر بھی سن رہا ہے۔ اگر یہ حالت ہے تو اس کی نماز جائز و صحیح ہے۔ ایسا ہی التجنیس میں ہے۔ چھت پر کھڑا ہوا شخص کا گھر کے اندر نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا صحیح ہے بشرطیکہ مقتدی پر امام کی حالت پوشیدہ نہ رہے۔

طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں ہے۔

والظاهران ذالک لاشتباه حال الامام علیٰ الماموم لا لاختلاف المکان. ظاہر یہ ہے کہ نماز کے صحیح نہ ہونے کا سبب مقتدی پر امام کی حالت کا مشتبہ رہنا ہے، نہ کہ جگہ کا مختلف ہونا۔

اسی میں ہے۔

قوله (لسماع) ای من الامام اوالمقتدی ومثله الرؤية وفی حاشية الدر (للمؤلف الصحيح اعتبار الاشتباه فقط وقواه فی الدر بالنقل عن المعتبرات خلافا لما فی الدرر و البحروغيرهما من اشتراط عدم اختلاف المكان اه فلو اقتدیٰ من بمنزله بمن فی المسجد و ان انفصل عنه صح ان لم يوجد مانع من نحو طريق ولم يشتبه حال الامام.

(ان کا قول سننے کے سبب سے) یعنی امام سے یا مقتدی سے۔ اسی طرح رویت یعنی دیکھنا اور مولف کے حاشیہ الدرر میں ہے، صحیح یہ ہے کہ صرف اشتباہ کا اعتبار ہے۔ معتبرات سے نقل کر کے اپنی بات کو مضبوط کیا ہے۔ اس میں الدرر اور البحر والے کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ان دونوں کتابوں میں اختلاف مکان کا نہ ہونا شرط ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس شخص نے جو گھر میں نماز پڑھ رہا ہے، مسجد کے امام کی اقتداء کی تو فصل ہونے کے باوجود نماز درست ہے، بشرطیکہ کوئی رکاوٹ نہ ہو جیسے راستہ نیز امام کا حال مقتدی پر مشتبہ بھی نہ ہو۔

درمختار ہاشمی جلد اول ص ۶۷ میں ہے۔

ولو اقتدیٰ من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يُجزِ لاختلاف المكان دررو بحر، وغيرهماواقره المصنف لكن تعقبه فی الشرنبلا ليه و نقل عن البرهان وغيره ان الصحيح اعتبار الاشتباه فقط قلت وفی الاشباه و زواهرالجواهر و مفتاح السعادة و مجمع الفتاویٰ والنصاب و الخانية انه الاصح وفی النهرعن الزادانه اختيار جماعة من المتاخرين. اگر کسی نے اپنے گھر کی چھت سے جو مسجد سے متصل ہے، امام کی ا[illegible] کی تو کافی نہیں بسبب مکان کے بدل جانے کے۔ الدرر والبحر وغیرہما۔ مصنف نے اس کو برقرار رکھا، مگر الشرنبلالیہ میں اس کا

تعاقب کیا۔ البرہان وغیرہ سے منقول ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اقتداء صحیح نہ ہونے کے لئے امام ومقتدی کا دو جگہوں میں ہونا کافی نہیں، بلکہ امام کا حال مقتدی پر مشتبہ ہونا ضروری ہے......

مندرجہ بالا نصوص شرعیہ وعبارات فقہیہ سے آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہورہا ہے کہ اختلاف مکان مطلقاً مانع اقتداء اور مفسد نماز نہیں، بلکہ اختلاف مکان کے ساتھ ساتھ اگر انتقالاتِ حالِ امام کے علم میں اشتباہ ہوتا ہو تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی اور نماز فاسد ہوگی، ورنہ اقتداء ونماز صحیح ودرست ہوگی۔ یہ حکم تو نماز پنجگانہ وجمعہ وعیدین کا معلوم ہوا اور اب نماز جنازہ کا حکم ملاحظہ ہو۔ درمختار جلد اول ص ۲۵۳ میں ہے۔

(و کرهت تحريما) وقيل (تنزيها فى مسجد جماعة هو) اى الميت (فيه) وحده اومع القوم (و اختلف فى الخارجة) عن المسجد و حده اومع بعض القوم (والمختار الكراهة) مطلقا. خلاصہ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ تحریمی ہے۔ میت مسجد میں تنہا ہو یا قوم کے ساتھ ایک قول یہ ہیکہ تنزیہی ہے۔ خارج مسجد کے سلسلے میں اختلاف ہے تنہا میت ہو یا قوم کے ساتھ قول مختار کراہت ہی ہے مطلقاً۔

مراقی الفلاح مصری ص ۲۶۰ میں ہے۔

(و تكره الصلوٰة عليه فى مسجد الجماعة وهو) اى الميت (فيه) كراهة تنزيه فى رواية و رجحها المحقق ابن الهمام و تحريم فى اخرىٰ او كان الميت (خارجه) اى المسجد مع بعض القوم (و) كان بعض الناس (فى المسجد) او عكسه ولو مع الامام (على المختار) كما فى الفتاوىٰ الصغرى خلافا لما اور ده النسفى من ان الامام اذا كان خارج المسجد مع بعض القوم لا يكره بالا تفاق لما علمت من الكراهة على المختار. جماعت والی مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر میت مسجد کے اندر ہو۔ ایک روایت میں یہ کراہت تنزیہی ہے اسی کو محقق ابن الھمام نے راجح قرار دیا۔ ایک دوسری روایت میں مکروہ تحریمی ہے۔......... یا تو میت اور کچھ لوگ خارج مسجد ہوں اور باقی لوگ مسجد کے اندر ہوں یا کچھ لوگ مسجد کے اندر ہوں اور میت اور باقی لوگ خارج مسجد ہوں اگرچہ امام خارج مسجد ہوں، جیسا کہ فتاویٰ صغری میں ہے۔ نسفی نے اس کے خلاف قول لایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر امام اور کچھ لوگ خارج مسجد ہوں تو بالاتفاق کوئی کراہت نہیں۔

عبارات مندرجہ بالا سے ظاہر ہورہا ہے کہ نمازِ جنازہ میں میت اور امام ودیگر نمازی کے مکانوں میں اگر اختلاف ہوجائے تو نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوگی فاسد نہیں ہوگی۔ تنہا میت مسجد میں ہو اور امام وتمام نمازی مسجد کے باہر ہوں یا تنہا میت مسجد سے باہر ہو اور امام اور سارے نمازی مسجد کے اندر ہوں تو مکان کا اختلاف یقینی طور پر ثابت ہورہا ہے اور نماز کراہت کے ساتھ جائز وصحیح ہوتی ہے، لہذا صاحب غنیۃ کا یہ قول علی الاطلاق کہ نمازِ جنازہ میں میت اور نماز پڑھنے والوں کے اختلاف مکان سے اقتدا صحیح نہیں ہوگی یعنی نماز فاسد ہوگی۔ جیسا کہ سائل نے غنیۃ کی عبارت سے نتیجہ نکالا ہے صحیح و

درست نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ وسبحانہ اعلم۔

حضور امام اہل سنت اعلیٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہ العزیز کے دو فتوے ماخوذ از فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۳ و ۳۸ جو ہمارے مذکورہ بالا دعویٰ کے مؤید ہیں پیش کئے جا رہے ہیں۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ اس طرح ادا کرنا کہ میت چار پائی پر ہو اور چار پائی کے پائے ایک ہاتھ سے زائد بلند ہوں، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کے وقت میت کا چار پائی پر ہونا صدر اول سے معمول مسلمانان ہے۔ اس کے پائے حسب عادت ہاتھ بھر یا کم یا کبھی زائد ہر طرح کے ہوتے ہیں کبھی اس پر انکار نہیں ہوا جو ہاتھ بھر سے تھوڑے زائد کو ناجائز بتائے وہ سند دے جس نے ناجائز کہا جس نے ناجائز لکھا اور ہرگز سند نہ دے سکے گا، اس وقت اس پر کھل جائے کہ اس کا ناجائز کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء تھا، ہاں اگر پلنگ اتنا اونچا ہو کہ قد آدم سے زائد جس میں امام کی محاذات میت کے کسی جز سے نہ ہو تو البتہ نماز ناجائز ہوگی کہ محاذات شرط ہے، مگر کوئی پلنگ اتنا اونچا نہیں ہوتا، فی رد المحتار عن جامع الرموز عن تحفۃ الفقہاء ان رکنھا القیام ومحاذاتہ الی جزء من اجزاء المیت. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر جنازہ کو ایسی چار پائی پر رکھ کر نماز پڑھی کہ جس کے پائے ایک بالشت سے کم تھے تو نماز ہوگئی ورنہ نہیں، اور ثبوت میں شامی اور کبیری پیش کر کے کہتا ہے کہ جنازہ مثل امام کے ہے، جس طرح امام کا ایک بالشت سے اوپر کھڑا ہونا مفسد صلاۃ ہے، کیا واقعی اگر پائے ایک بالشت سے زیادہ ہوں تو مفسد صلاۃ جنازہ ہیں یا ایک بالشت ہونا اولیٰ ہے اور اس سے زائد مکروہ یا مطلقاً خواہ جس قدر بھی پائے لمبے ہوں جائز ہے۔

الجواب: زید کے اقوال سب باطل و بے اصل ہیں، نہ پایوں کی بلندی شرعاً کسی حد پر مخصوص رکھی گئی ہے نہ ایک بالشت بلندی میں کچھ اولیت نہ ایک بالشت یا ایک گز امام کی بلندی مفسد نماز، نہ ہر بات میں جنازہ مثل امام یہ ہوسات عاطلہ واوہام باطلہ ہیں۔ جنازہ کا زمین پر رکھا ہونا ضرور شرط ہے، اگر چہ پائے کتنے ہی بلند ہوں اور امام کا بقدر امتیاز سب مقتدیوں سے اونچا ہونا صرف مکروہ نہ کہ مفسد نماز۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو مرض جذام ہو جائے اور اتنا سخت ہو جائے کہ تمام جسم بگڑ جائے۔ کیا اس شخص کو گاؤں سے نکالا جائے یا نہیں اور بعد مرنے کے اس کی نماز جنازہ پڑھنا یا غسل دینا یا قبرستان میں دفن کرنا اس کی میت میں شرکت کرنے کا جو حکم شرعی ہو تحریر فرمایا جائے؟ والسلام،

مسئولہ خیراتی، موضع شیکم پور، ضلع مراد آباد، یکم ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ چہارشنبہ

الجواب : گاؤں کے کسی شخص کو یا گاؤں کے تمام افراد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی جذامی آدمی کو گاؤں سے نکال دیں۔ ایسا اقدام غلط وباطل اور ظلم وستم پرمبنی ہے۔ نیز جذامی کے مرنے پراس کوغسل دینا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کرنا بھی یقیناً صحیح ودرست ہے۔اس کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اسلام مسلمان مریض سے نفرت کی تعلیم نہیں دیتا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جذامی کی موت کے بعد اس کوغسل دے، کفن پہنائے، اس کی نماز جنازہ پڑھے اور اس کی میت یعنی تجہیز وتدفین میں شریک ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٦٠٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو تقریباً چھ سال سے جذام کے مرض میں مبتلا تھا اور وہ بھی صرف ایک پیر میں ناسور تھا اور وہ شخص ہر کام کیا کرتا تھا اور کسی بھی کام میں اس کو دقت نہیں ہوتی تھی۔ اس حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو پیش امام نے یہ حکم لگایا کہ اس کو بغیر کفن وغسل ونماز کے ویسے ہی اس کو لحاف میں کردو۔ کیا یہ بات صحیح ہے مستحکم ومدلل جواب عنایت فرمائیں؟

مسئولہ جلال الدین دوکاندار، موضع سیتاپور ضلع مرادآباد، ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۰ء

الجواب: امام مسجد کا حکم وفتویٰ انتہائی جاہلانہ ہے، امام صاحب غلط مسئلہ بتا کر خود گنہ گار ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کو غسل وکفن ونماز جنازہ کی ادائیگی سے منع کر کے جرم عظیم کے مرتکب ہوئے، ایسے نادان شخص کو امامت کے منصب سے علٰحدہ کر دیا جائے، مجھے تیس سال کا عرصہ پڑھتے پڑھاتے اور فتویٰ لکھتے لکھتے ہو گیا، آج تک کسی کتاب میں ایسا مسئلہ نہ ملا کہ جذامی مسلمان کو بعد موت غسل وکفن نہ دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے، ایسے ہی فتویٰ دینے والے کے حق میں حضور کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث پاک میں وعید آئی ہے کہ بغیر علم کے فتویٰ دینے والے کے منہ میں بروز قیامت آگ کی لگام دی جائے گی، بعض شدید ترین گناہ ومعصیت کے مرتکب کے لئے نماز جنازہ کی ممانعت بطور جرمانہ ہے، جذامی ہونا گناہ ومعصیت نہیں ہے، بلکہ خداوند قدوس کی جانب سے بندہ کی آزمائش ہے، خلاصہ یہ کہ امام صاحب کا قول غلط وباطل موجب گناہ ومعصیت ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ٦٠٧: (۱): مسجد میں اذاں ہو چکی ہے، نماز کے ٹائم میں پندرہ منٹ باقی ہے، کیا اس ٹائم میں نماز جنازہ ہوسکتی ہے اور لوگ مسجد سے نکل کر جنازہ ہمراہ قبرستان جاسکتے ہیں؟ (۲): جنازہ نماز پڑھنے کے بعد اسی وضو سے فرض نماز ادا ہوسکتی ہے، یا دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟

مسئولہ عبدالرحمن، مجھولی، ۴ر نومبر ۱۹۷۲ء

الجواب: (۱): نماز جنازہ پہلے ہوسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت وکراہت نہیں ہے، لیکن مسجد میں آنے والے نمازی نماز جنازہ پڑھ کر میت کے ہمراہ قبرستان کو نہ جائیں، چونکہ اذان کے بعد مسجد میں آنے والے نمازی کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ وہ بغیر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے مسجد سے نہ جائیں، تاوقتیکہ کوئی خاص ضرورت نہ ہو اس لئے یہاں حکم شرعی یہ ہے کہ وہ بغیر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے مسجد سے نہ جائیں تاوقتیکہ کوئی خاص ضرورت نہ ہو، اس لئے یہاں کا عام طریقہ یہ ہے کہ جنازہ جماعت کے وقت سے کچھ پہلے آجاتا ہے اور جماعت کے بعد سنتوں سے فارغ ہوتے ہی نماز

جنازہ ہوتی ہے، پھر جو دفن میں شرکت کرنا چاہتا ہے، وہ میت کے ساتھ جاتا ہے، اور جو دفن میں شرکت نہیں کرنا چاہتا ہے، وہ اپنے گھر یا ضرورت سے کہیں اور جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): جنازہ کے لئے جو وضو کیا جاتا ہے اس وضو سے فرض نماز کا ادا کرنا صحیح و جائز ہے، دوبارہ نیا وضو ضروری نہیں۔ عوام میں یہ مسئلہ غلط مشہور ہوگیا کہ جنازہ والے وضو سے فرض نماز پڑھ نہیں سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایرانی لوگ جو ہندوستان میں ہیں، ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شیعہ ہیں، اور ان میں کسی کا شیر خوار بچہ کسی ایسے مقام پر انتقال کرگیا کہ جہاں شیعہ نہیں ہیں اور نہ ان کا قبرستان ہے اور وہ لوگ اس بچہ کو سنیوں کے قبرستان میں دفنانا چاہیں تو انھیں اس کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس بچہ کو اپنے قبضہ میں لے لیں اور اپنے طور پر اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں اور دفن کردیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ اور وہ بچہ ایسی صورت میں ماں باپ کا تابع قرار دیا جائے گا یا کل مولود یولد علی الفطرۃ کے مطابق سنی ہے؟

مسئولہ سعدی احمد، ۸ رفروری ۱۹۷۳ء

الجواب: اگر تحقیق سے کسی ایرانی شخص کا رافضی ہونا معلوم ہوجائے اور اسکی بیوی بھی سنیہ نہ ہو بلکہ رافضیہ ہی ہو تو اس کے شیر خوار بچہ کو والدین کے تابع قرار دے کر رافضی ہی قرار دیا جائیگا، اس کے دفن کے لئے سنی اپنے قبرستان میں نہ اجازت دیں، نہ اس بچہ کو لے کر نماز پڑھیں اور نہ قبرستان میں دفن کریں، اگر تحقیق سے کسی ایرانی کا شیعہ ہونا معلوم نہ ہو بلکہ محض سنی سنائی ہوئی بات ہو یا اس کی ماں بھی سنیہ ہو تو بقاعدہ الولد یتبع الابوین دیناً اس بچہ کو سنی ہی قرار دیا جائے گا، اس کو سنیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے اور نماز جنازہ پڑھی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۰۹: دو یا تین جنازے ہیں، مرد بالغ، لڑکی نابالغہ، ان کی نماز ایک ساتھ درست ہے یا علحدہ؟ اسی طرح دو مرد دو عورت دو بچہ نابالغ ہو؟

مسئولہ منشی علی حسین وغیرہ، پھولپور، ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ شنبہ

الجواب: چند افراد مرد، عورت نابالغ لڑکا لڑکی سب کی نمازِ جنازہ ایک ساتھ بھی ہوسکتی ہے، جب ساتھ ساتھ چند افراد کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو نیت میں اور دعاء میں ''ان اموات کے لئے'' کا لفظ استعمال کیا جائے، اگر کوئی نابالغ لڑکا یا لڑکی ہو تو بڑی میت کی دعاء کے بعد لڑکے یا لڑکی کی دعاء بھی پڑھی جائے اور سب میت بڑی ہی ہو تو ایک ہی دعاء کا پڑھنا کافی ہے۔ یعنی اللھم اغفر لحینا، آخر تک اور اگر نماز جنازہ پڑھانے والا ان باتوں میں فرق نہ کرسکے تو ہر میت کی نماز جنازہ علحدہ علحدہ پڑھادے اس کے لئے یہی بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۱۰: ایک مسئلہ پوچھتا ہوں وہ یہ ہے کہ نعش کو جب غسل دے کر قبرستان لے جاتے ہیں، تو پہلے سر آگے رہتا ہے یا پیر۔ چونکہ یہاں ایک نیا واقعہ ہوچکا ہے، پہلے پیر آگے اور سر پیچھے۔ آپ اس مسئلہ کو جلد از جلد لکھ دیں گے، چونکہ یہ نہایت ضروری چیز ہے؟

مسئولہ رفیق الدین، پورنیہ

الجواب: جب جنازہ اٹھا کر چلیں تو اس وقت میت کا سر آگے رکھا جائے اور پاؤں پیچھے ہو، یہی مسنون یعنی سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا کہ پاؤں آگے ہو اور سر پیچھے طریق مسنون کے مخالف ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۵۲ میں فتاوی مضمرات سے منقول ہے۔

وفی حالة المشی بالجنازہ یقدم الراس کذافی المضمرات. جنازہ چلنے کی حالت میں میت کے سر کو آگے رکھا جائے۔ **وھو سبحانہ وتعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ میت کو لے جاتے وقت پیر کس طرف کرنا چاہیے؟ نیز قبرستان اگر جنوب میں ہو تو کس طرف کریں اور اگر شمال میں ہو تو کس طرف کریں، اور اگر مشرق میں ہو تو کیا حال ہونا چاہیئے اور اگر مغرب میں ہو تو کیا ہوگا؟

مسئولہ ظہیر الدین، بینش پور، ضلع مراد آباد، ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

الجواب: قبرستان خواہ کسی سمت میں ہو، ہر حال میں میت کے پاؤں پیچھے اور سر آگے ہوگا۔ شرعاً یہی حکم ہے۔ اسلامی طریقہ اور شعار یہی ہے۔ پاؤں کو آگے کرنا مشرکین ہندوستان کا طریقہ ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بموجب شرع شریف کے جو بچے چند ماہ یا چند دن کے یا دس سال سے کم عمر کے فوت ہو جاتے ہیں قبر میں ان کے کفن کے بند کھولے جائیں یا نہیں، جیسے کہ بالغ کے کفن کے بند کھول دیتے ہیں؟

مسئولہ..........

الجواب: نابالغ بچوں کے کفن کی بندش بھی کھول دی جائیں۔ درمختار ہاشمی ص ۱۰۸ میں ہے۔

وتحل العقدة للاستغناء عنها. بندش کھول دی جائے کیونکہ اسکی ضرورت نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

مسئلہ ۶۱۳: قبر میں شجرہ رکھنے کی کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا.

مسئولہ خواجہ شمس العالم، رحمان پور تکیہ شریف، ضلع پورنیہ، ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

الجواب: شجرہ قبر میں رکھنا محبوبان خدا سے تبرک اور ذریعہ تعلق والیصال ہے جو بلاشبہ شرعاً مندوب ومستحسن ہے کہ بزرگان دین و معظمان شرع متین کے اسمائے گرامی سے توسل سبب فلاح دین و دنیا خصوصاً برزخ کے لئے جو آخرت کی پہلی اور دشوار ترین منزل ہے، وذریعہ انس اور وسیلہ سکون وقرار ہے کہ جس چیز کو خدا کے محبوب بندوں سے نسبت حاصل ہوگئی وہ چیز بھی محبوب بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعمال کئے ہوئے کپڑوں کو لے کر اپنے کفنوں میں رکھنے کی وصیت فرمائی۔ جس بارے میں احادیث مبارکہ کے صفحات مملو اور مشحون ہیں۔ بلکہ خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب یا ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا فرمایا، اور غسل دینے والی بی بیوں کو حکم دیا کہ اسے ان کے بدن سے متصل رکھیں۔ یوں ہی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی قمیصِ اطہر میں کفن دیا وغیرہ وغیرہ۔

نیز اخبار الاخیار شریف میں حضرت شیخ اجل ابو المحمود سیدنا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اپنے والد حضرت شیخ

سیف الدین قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں فرماتے ہیں، چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند، بعضے ابیات وکلمات کہ مناسب معنی عفو ومغفرت باشد در کاغذ بنویسی وباکفن ہمراہ کنی، جواب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا، آپ نے فرمایا" کچھ اشعار والفاظ جو عفو ومغفرت کے مفہوم سے مناسبت رکھتے ہوں، کاغذ میں لکھ کر کفن کے ساتھ کردینا۔" جیسے یہ رباعی۔

دارم دلے غمیں بیامرز ومپرس	صد واقعہ در کمیں بیامرز ومپرس
شرمندہ شوم اگر بہ پرسی عملم	اے اکرم الاکرمیں بیامرز ومپرس

غمزدہ دل لایا ہوں بغیر سوال بخش دے۔ معصیت کے سیکڑوں واقعات چھپے ہیں، بغیر سوال بخش دے اگر تو میرے اعمال کی پرسش کرے تو سوائے شرمندگی کے اور کیا ہوگا۔ اے سب سے بڑے کریم بغیر سوال بخش دے

قدمت علی الکریم بغیر زاد	من الحسنات والقلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شئی	اذا کان القدوم علی الکریم

نیکیوں اور صحیح وسالم دل کے توشہ کے بغیر بارگاہ کریم میں آگیا ہوں، درِ کریم پر آنے والا توشہ لیکر آئے، اس سے بری بات اور کیا ہوگی۔

وفرمودند کہ در جواب منکر نکیر بنویس ربی اللہ، ونبی محمد وشیخی عبدالقادر الجیلانی۔ فرماتے تھے" منکر نکیر کے جواب میں لکھ دو۔ میرا رب اللہ تعالیٰ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے پیر شیخ عبدالقادر الجیلانی ہیں"۔

حضرت سیدنا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول ایں کہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند ایں طریق را فقہاء منع می کنند وی گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلان می کند موجب سوئے ادب باسمائے بزرگان می شود وطریق دوم ایں ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بسازند ودراں کاغذ شجرہ رانہند۔ قبر میں شجرہ رکھنا بزرگوں کا معمول ہے، مگر اس کے دو طریقے ہیں (۱) مردہ کے سینہ پر کفن کے اندر یا کفن کے باہر رکھیں۔ اس طریقے کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مردہ کے بدن سے خون وپیپ بہتا ہے۔ یہ بزرگوں کے ناموں کے ساتھ بے ادبی کا باعث ہوگا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مردہ کے سر کی جانب قبر میں چھوٹا سا طاق بنائیں اور اس میں شجرہ کے کاغذ رکھ دیں۔

اس کے اور دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ اعلیٰحضرت مجدد دین وملت کے رسالۂ نافعہ "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" میں مسطور ہیں۔ اسے ضرور ملاحظہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز شانہ اتم واحکم۔

مسئلہ ٦١٤: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص تبند باندھ کر مردہ کو قبر میں

اتارا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ اتارنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بالکراہت یا بے کراہت، جبکہ وہاں پائجامہ پہننے والے حضرات بھی موجود ہوں؟

مسئولہ پیارے خان، محلہ لال باغ مراد آباد، ۲۲ر جمادی الآخر ۱۳۸۵ھ دوشنبہ

الجواب: نہ معلوم ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس قسم کے مجہول سوالات سے بچنے کا وقت کب آئے گا، ایسے لایعنی سوالات سے اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا اور آپس میں لڑنا جھگڑنا کمال حماقت اور غایت جہالت کی بات ہے، شرعاً کہیں یہ لازم وضروری یا فرض وواجب یا سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ نہیں ہے کہ پائجامہ کا پہننے والا ہی میت کو قبر میں اتارے اور تہبند باندھنے والے نہ اتاریں۔ خود سرکار عالی وقار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر بھر تہبند استعمال فرمایا اور اکثر صحابہ کا بھی یہی دستور رہا۔ یہ حضرات بلاشبہ میت کو قبر میں اتارا بھی کرتے تھے۔ لیکن آج تک کتب دینیہ وشرعیہ میں اس کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی تہبند باندھنے والے صحابی نے یہ کہا ہو کہ تم کو تہبند باندھکر میت کو قبر میں اتارنیکے لئے نہ اترنا چاہئے تو آج کل کے عوام بے عمل مسلمانوں کو اس قسم کے مہمل سوالات کرنے کی کیا ضرورت پڑتی ہے۔ اگر یہ خیال ہو کہ میت قبر میں اتارنے والے شخص کی شرمگاہ کو جھانکتی تاکتی ہے تو میت کے جھانکنے تاکنے کی عادت تو پائجامہ کو پہننے والے کے حق میں بھی ہوسکتی ہے۔ تہبند باندھنے والے کے ساتھ خاص کیوں ہوگی۔ یہ خیال سراسر غلط وباطل ہے۔ تہبند باندھنے والا بلاشبہ میت کو قبر میں اتار سکتا ہے، اسکا اتارنا جائز ہے مکروہ نہیں۔ **هذا ما عندی ومن ادعیٰ خلاف ذالک فعلیه البیان فان الله تعالی ما نزل علیه من سلطان وبرهان. والله تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۱۵: گزارش یہ ہے کہ جو بچہ مرا ہوا پیدا ہوا وہ تین ماہ کا ہو یا اس سے کم یا زیادہ کا ہو۔ دیہات میں یہ رواج ہے کے ہانڈی میں رکھ کر قبر کے علاوہ جنگل میں دفن کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

مسئولہ ملا منور حسین، موضع یتیم پور، ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۹ء جمعہ

الجواب: یہ رواج میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی عمر کا بچہ ہو اسے مسلمانوں کے قبرستان ہی میں دفن کرنا چاہئے۔ اس کو ہانڈی میں بند کر کے قبرستان سے دور کہیں جنگل میں دفن کرنا مناسب نہیں، ہانڈی میں بند کرنے کی بات بھی غلط ہے۔ **والله تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہجڑے کو بعد انتقال غسل دیا جائے اور کفن پہنا کر نماز ادا کی جائے اور قبرستان میں دفن کیا جائے یا نہیں؟

مسئولہ حبیب احمد ولد نذیر احمد، موضع چوہانگلہ، ضلع مراد آباد، ۱۹ جولائی ۱۹۷۰ء یکشنبہ

الجواب: جو مخنث یعنی ہجڑا ہو اور مسلمان ہونا اس کا معلوم ہو، اس کو بعد موت غسل دیا جائے اور کفن بھی دیا جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ یہ غلط مشہور ہوگیا ہے کہ ہجڑے کو غسل وکفن نہ دیا جائے اور قبرستان مسلم میں دفن نہ کیا جائے۔ ہجڑا پیدائشی بھی ہوتا ہے اور مصنوعی بھی۔ جو ہجڑا مصنوعی ہوتا ہے وہ فاسق وفاجر ہوتا ہے۔ جیسے اور دوسرے فاسق وفاجر اور مرتکب گناہ کبیرہ کو بعد موت غسل وکفن دیا جاتا ہے اور مقبرہ میں دفن کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہجڑے کو بھی غسل

وکفن دیا جائے اور مقبرہ میں دفن کیا جائے۔قال النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صلوا علی کل بر و فاجر. کہ نیک وبد کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ ھو اللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ٦١٧: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ برص کی بیماری میں انسان کو کہاں رکھنا چاہئے اور کہاں دفن کرنا چاہئے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ دفن کر دیا جائے نہ اس کی نماز پڑھی جائے نہ اس کو قبرستان میں دفن کیا جائے، بلکہ گاؤں اور قبرستان سے دور گڑھا کھود کر دبا دینا چاہئے؟ شریعت مطہرہ میں کیا ہے۔ بینوا توجروا.

مسئولہ فقیر محمد، منیم پور، ڈاکخانہ سرکڑا ضلع مراد آباد، ٦/ ذیقعدہ ١٣٩٢ھ

الجواب: برص والے کی بابت یہ کہنا کہ اس کو زندہ زمین میں گڑھا کھود کر دبا دیا جائے اور مر جائے تو بغیر نماز جنازہ پڑھے ہی قبرستان کے سوا کسی دوسری زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا جائے'' خالص جہالت اور نادانی پر مبنی ہے، شریعتِ طاہرہ کے خلاف ہے۔ ایسا کہنے والا حکم دینے والا سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ کہنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس گناہ سے توبہ کرے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ٦١٨: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بموجب شرع شریف کے کیا چھوٹے بچوں سے جو کہ دس سال سے کم عمر کے ہیں یا چند دن یا چند ماہ کے ہوں فوت ہو جاتے ہیں، ان سے قبر میں نکیرین سوال کرتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ..............

الجواب: قول صحیح وراجح یہی ہے کہ نابالغ بچوں سے بھی نکیرین سوال کرتے ہیں، ان کو جواب بھی فرشتے سکھا دیتے ہیں۔ ضوء المعالی مصری ص ٦٠ میں ہے۔

> واماسوال الصغیر فمنقول عن السید ابی الشجاع من الحنفیة واعتمدہ صاحب الخلاصة والبزازی فی فتاواہ وجری علیہ النسفی فی العمدة. جہاں تک چھوٹے بچے سے سوال کا تعلق ہے تو یہ بات سید ابوالشجاع حنفی سے منقول ہے، اسی پر صاحب خلاصہ نے اعتماد کیا البزازی کا بھی اسی پر اعتماد ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

اذان قبر

مسئلہ ٦١٩: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ قبر پر اذان دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس اذان سے صاحب قبر کو فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ ایک بنڈل باز ملاّ بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے کہ اذان صرف نماز پنجگانہ کے لیے ہے اور اس کے علاوہ کہیں جائز نہیں؟ کیا یہ قول ملا کا درست ہے اور جو بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

مسئولہ عبدالمنان اشرفی بہاری، کالسر وایا ڈاکور، ضلع کھیڑا، گجرات، ٦/ جمادی الاول ١٣٨١ھ

الجواب: میت کے دفن کرنے کے بعد قبر کے قریب اذان دینا جائز بلکہ محبوب و مستحب ہے اور بالیقین اس اذان سے میت کو نفع اور فائدہ پہنچتا ہے۔ بنڈل باز ملا کا قول باطل محض ہے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ اور موقعوں پر بھی اذان جائز و مستحب ہے، کیا اس ملا کو یاد نہیں اور معلوم نہیں کہ ہر مسلمان کے گھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے۔ ردالمحتار شامی جلد اوّل ص ۲۸۲ میں۔

(قوله لا یسن لغیرها) ای من الصلوات والافیندب للمولود وفی حاشیة البحر للخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الاذان لغیرالصلوٰة کما فی اذان المولود والمهموم والمصروع والغضبان و من ساء خلقه من انسان او بهیمة وعند مزدحم الجیش وعند الحریق قیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علٰی اول خروجه للدنیا، لکن رده ابن حجر فی شرح اللباب وعند تغول الغیلان ای عند تمردالجن لخبرصحیح فیه، اقول ولا بعد فیه عندنا. (ان کا قول دوسرے مقامات پر اذان مسنون نہیں) یعنی فرض نمازوں کے علاوہ۔ ورنہ نومولود کیلئے مستحب ہے۔ خیر الرملی کی حاشیہ البحر میں ہے۔ میں نے شافعی حضرات کی کتابوں میں دیکھا کہ اذان نماز کے علاوہ مواقع پر بھی سنت ہے۔ جیسا کہ نومولود، مصیبت زدہ، مرگی والا، مغلوب الغضب، بدخلق انسان، خطرناک جانور، لشکر کے ازدحام اور آتش زدگی وغیرہ...... ایسے مواقع ہیں جہاں اذان سنت ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ میت کو قبر میں ڈالا جائے تو اس وقت بھی اذان کہی جائے۔ اس کے دنیا میں آنے کے وقت اذان پر قیاس کرتے ہوئے۔ لیکن ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔ شرح اللباب کے اندر۔۔۔ اور جنات کی سرکشی کے وقت بھی اذان کہنا مستحب ہے۔ اس بارے میں صحیح روایت ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں۔

اسی میں چند سطر کے بعد ہے۔

وزاد فی فی شرعة الاسلام لمن ضل الطریق فی ازض قفر ای خالیة من الناس وقال الملا علی فی شرح المشکوة قالوا یسن للمهموم ان یامر غیره، ان یوذن فی اذنه فانه یزیل الهم، کذا عن علی رضی الله تعالیٰ عنه ونقل الاحادیث الواردة فی ذالک فراجعه اه. شرعۃ الاسلام میں یہ اضافہ کیا ''جو شخص بیابان میں بھٹک گیا، جہاں کوئی انسان نہیں، اذان مستحب ہے۔ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں کہا۔'' علماء کا قول ہے کہ مصیبت زدہ کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ دوسرے سے کہے کہ میرے کان میں اذان کہو، کیونکہ یہ غم دور کرتی ہے۔ ایسی ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث نقل کی گئی ہیں'' وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

مسئلہ اذان عند القبر کی مکمل تفصیل اور اس مسئلہ کی مدلل تحقیق اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرۂ العزیز کے رسالہ ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' میں ملاحظہ کیجئے اور مذکورہ بالا بنڈل باز ملا کو شامی کی عبارت مسطورہ اور رسالہ

مذکورہ دکھا کر کہئے کہ وہ اپنی نادانی وجہالت پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے اور اس سے بھی تسلی نہ ہو تو اپنا سر پیٹے اور بغیر علم فتویٰ دینے کے متعلق جو وعید آئی ہے اس حدیث کا مضمون بھی سنا دیجئے سرکار کا فرمان ہے کہ جو بغیر علم کے فتویٰ دے گا بروز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ عالم۔

مسئلہ ۶۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ اور کفن دفن سے فارغ ہوکر قبر پر اذان دینا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئولہ عبدالحکیم صدر مدرس، مدرسہ نورالاسلام جین گاؤں، پوسٹ گال پوکھر، ضلع پورنیہ

الجواب: میت کے دفن کرنے کے بعد قبر کے قریب اذان دینی جائز ہے اس لئے کہ اذان کی آواز سن کر شیطان دور بھاگتا ہے اور اس وقت وہ بہکانے پر قادر نہیں ہوتا، لہٰذا دفن کے بعد اذان کہی جاتی ہے تاکہ اذان کی آواز سن کر شیطان دور بھاگ جائے اور سوال نکیرین کے وقت میت کو بہکا نہ سکے۔ مشکوٰۃ شریف اصح المطابع دہلی جلد اول ص ۶۴ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا نودى للصلوة ادبر الشيطان له ضراط حتى لايسمع التاذين فاذا قضى النداء اقبل حتى اذا ثوب بالصلوة ادبر' حتى اذا قضى التثويب اقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول "اذكر كذا اذكر كذا" لمالم يكن يذ كر حتى يظل الرجل لا يد رى كم صلى متفق عليه. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اذان دی جاتی ہے، شیطان اُلٹے پاؤں پادتا ہوا بھاگتا ہے، تاکہ اذان کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہونچے، اذان مکمل ہونے کے بعد واپس آتا ہے، پھر جب تثویب کہی جاتی ہے تو پھر بھاگتا ہے اس کے بعد پھر واپس آتا ہے اور آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے "اسے یاد کرو، اسے یاد کرو"۔ جب انسان نہیں یاد کر سکتا ہے تو شک میں پڑ جاتا ہے کہ کتنی رکعت پڑھی ہے۔

نیز میت کے دفن کے بعد تلقین کا حکم آیا ہے۔ کلمات اذان میں اشهد ان لا اله الا الله اور اشهد ان محمدا رسول الله، تلقین کے خاص الفاظ ہیں۔ لہٰذا دفن کے بعد اذان دے کر تلقین کی جاتی ہے، نیز اذان ذکر الٰہی ہے، اور ذکر خداوندی سے میت کو اُنس ومحبت ہے اور میت کو قرار واطمینان ہوتا ہے۔ لہٰذا بعد دفن اذان کہہ کر میت کو مانوس کیا جاتا ہے اور اس کے لئے قرار واطمینان پیدا کیا جاتا ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۳ میں ہے۔

اذافرغوامن دفنه يستحب الجلوس عند قبره بقدر ماينحر جزور ويقسم لحمه يتلون القران ويدعون للميت فقدورد انه يستانس بهم وينتفع به، وعن عثمان رضى الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم وسلواله التثبت فانه الآن يسال رواه ابوداؤد تلقينه بعد الدفن حسن. جب لوگ دفن سے فارغ ہوں تو اتنی دیر تک قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے، جتنی دیر جانور کے ذبح

کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں ہوتی ہے۔ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کریں اور میت کیلئے دعاء کریں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مردہ کو اس سے انس ہوتا ہے اور اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو کر کہتے۔ ''اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال ہونے والا ہے۔'' دفن کے بعد میت کو تلقین کرنا اچھا ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۳۸ میں ہے۔

(وتلقینه) بعد ما وضع (فی القبر مشروع) لحقیقة قوله علیه الصلوٰة والسلام لقنوا موتا کم شها دة ان لا اله الا الله اخرجه الجماعة الا البخاری ونسب الیٰ اهل السنة والجماعة. قبر میں رکھ دینے کے بعد میت کو تلقین کرنا جائز ہے، اس کی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے' اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۳۸ میں ہے۔

وکیف لایفعل مع انه لاضرر فیه بل فیه نفع للمیت لانه یستانس بالذکر علی ماورد فی بعض الاثار. ایسا کیوں نہیں کیا جائیگا، کیونکہ اس میں کوئی نقصان نہیں، بلکہ میت کو فائدہ ہی ہے۔ کیونکہ اللہ کے ذکر سے اس کو انس ہوتا ہے، جیسا کہ بعض آثار میں وارد ہوا۔

دفن کے بعد جب نکیرین میت سے سوال کرنے آتے ہیں تو اس وقت قبر میں شیطان داخل ہو کر بہکانے کے لئے اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اس کا ثبوت مندرجہ روایات سے ملتا ہے۔ علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ العزیز اپنی کتاب مختصر تذکرۃ القرطبی مصری ص ۳۱ میں فرماتے ہیں۔

کان سفیان الثوری رضی الله تعالی عنه یقول اذاسئل المیت "من ربک" تَزَیَّالَهُ الشیطان فی صورته فیشیر الیٰ نفسه "انا ربک". سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جب مردہ سے سوال کیا جاتا ہے ''من ربک'' تمہارا رب کون ہے؟ اس وقت شیطان اپنی شکل میں ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے، میں تمہارا رب ہوں۔

پھر فرماتے ہیں۔

"قال العلماء ومن ههنا کان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یدعو اذا اخذوا فی تسویة اللحد علی المیت اللّٰهم آجرها من الشیطان ومن عذاب القبر وثبت عند المسئلة منطقها وافتح ابواب السماء لروحها فلولم یکن الشیطان هناک لمادعا رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم للمیت ان یجیره من الشیطن انا نسئل الله تعالی ان یجیره وا خواننا المومنین من تعرض الشیطان آمین. علماء نے کہا۔ ''یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم جب میت کی قبر کو برابر کرنے میں مصروف ہوتے تو دعاء کرتے 'اے اللہ اسے شیطان اور عذاب قبر سے بچا، سوالِ نکیرین کے وقت اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کی روح کیلئے آسمان کے دروازے کھول دے۔' اگر شیطان وہاں نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کیلئے شیطان سے حفاظت کی دعاء نہ فرماتے۔ اللہ سے دعاء ہیکہ اس کو اور ہمارے تمام مسلمان بھائی کو شیطان کے بہکاوے سے محفوظ رکھے"۔

امام جلیل علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور مصری ص ۴۴ میں طبرانی کبیر کی روایت نقل فرماتے ہیں۔

"عن خیثمة قال کان یستحبون اذا دفن المیت ان یقولوا بسم الله وفی سبیل الله وعلی ملة رسول الله ، اللهم اجره من عذا ب القبر وعذاب النار ومن شر الشیطان الرجیم".

خیثمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا' علماء اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ دفن کے بعد لوگ کہیں بسم الله و فی سبیل الله وعلی ملة رسول الله ،اے اللہ اسے عذاب قبر سے، عذاب جہنم سے اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھ۔ والله تعالی اعلم.

مسئله ٦٢١: زید بعد دفن ہونے میت کے قبر کے قریب اذان کہتا ہے۔ بکر اس کوئی چیز قرار دے کر نا جائز و حرام بتاتا ہے۔ بکر کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے۔ اذان سے مردے کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اور نہ دینے سے کیا نقصان اور اذان دینے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ اس کا ثبوت قران مجید کی کسی آیت سے ہے یا نہیں؟ کسی صحابی نے یہ فعل کیا ہے یا نہیں؟

مسئولہ نور الحسن رضوی، مدرسہ معین العلوم، نواب گنج گونڈہ، ۱۰ مئی ۱۹۶۳ء

الجواب: مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر کے نزدیک ذکر و دعا، تسبیح و تلقین احادیث کثیرہ و آثار غفیرہ سے ماثور و منقول ہے۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جب نکیرین میت سے سوال کرنے قبر میں تشریف لاتے ہیں، تو اس وقت بھی شیطان آکر وسوسے اور شبہے ڈالتا ہے کہ جب وہ سوال "من ربک" کہتے تو شیطان کہتا ہے کہ کہو میں خدا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ لہذا تم قبر کے پاس بیٹھ کر تکبیر و تسبیح اور تقدیس و تلقین کرو کہ اس سے مرد مومن کی وحشت دور ہو، اور جو جواب سوال میں ثابت ہے کہ اذان سے شیطان منزلوں دور بھاگتا ہے۔ حدیث جابر رضی اللہ تعالی عنہ میں ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان چھتیس میل دور بھاگتا ہے اور منقول ہے کہ جب شیطان کا کھٹکا ہو تو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔ اذان ذکر بھی ہے اور دفع شیطان کا نسخۂ اکسیر بھی ہے۔ لہذا بعد دفن قبر کے نزدیک اذان دینا جائز و مستحسن ہے۔ اس کے عدم جواز پر اصلاً شرع مطہر سے کوئی دلیل نہیں۔ ومن ادعیٰ فعلیه البیان والله تعالی اعلم.

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل تام اور توضیح مرام اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ کے رسالہ مبارکہ ایذان الاجر فی اذان القبر میں ملاحظہ ہو۔ (منہ)

مسئله ٦٢٢: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں کے بارے میں:

(۱): ہم کس کس وقت نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں اور کیوں؟ (۲): قرآن شریف کو ہم کس کس وقت نہیں پڑھ سکتے ہیں اور کیوں؟ (۳): سورج کے زوال، غروب اور طلوع کے وقت نماز کے لئے منع کرتے ہیں تو وہ کیوں؟ کیا ان وقتوں میں ہم قرآن شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ خدا بخش ولد حاجی رحمت اللہ انصاری، ادری پوسٹ شہوار پور کلاں، ضلع مراد آباد، یکم ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: (۱)، (۲) و (۳): طلوع سے بیس منٹ بعد تک اور ضحوۂ کبریٰ یعنی دوپہر میں زوال سے پہلے اور غروب آفتاب کے بیس منٹ پہلے تک اوقات مکروہ ہیں اور جنازہ اگر ان اوقاتِ مکروہ میں آجائے تو نمازِ جنازہ پڑھ لیں۔ نماز پنجگانہ پڑھنے کی ممانعت ان اوقات میں حدیث پاک میں آئی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت و قرأت ان اوقات مکروہہ میں بھی جائز ہے، بعض فقہاء خلاف اولیٰ بتاتے ہیں، جنازہ وقت مکروہہ سے پہلے آجائے اور وقت مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے، یہ مکروہ ہے ورنہ جنازہ اگر وقت مکروہ میں آئے تو اسی وقت مکروہ میں نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

قبر کے احکام

مسئلہ ۶۲۳: گذارش خدمتِ شریف میں یہ ہے کہ میں نے خواب دیکھی ہے وہ یہ کہ ایک میری لڑکی مرگئی ہے اور اس کی ایک لڑکی بہت چھوٹی ہے وہ میری گود میں ہے اور میرے شوہر ساتھ ہیں تو یہ دیکھا کہ میں قبر پر گئی ہوں، اس سے قبل کبھی قبر پر نہیں گئی تھی، تو یہ دیکھتی ہوں کہ دو قبروں کے درمیان ایک سرخ رنگ کا بکس تھوڑا کھلا ہوا رکھا ہے، اس میں میری لڑکی لیٹی ہوئی ہے، کروٹ سے دیکھ کر میں دوسرے طرف چلی گئی پھر لوٹ کر آئی تو یہ دیکھا کہ بکس پہلے سے زیادہ کھلا ہوا ہے، سرھانے جاکر میں نے کہا، یا غوث، میری لڑکی مل جائے تو آواز پشت کی طرف سے آئی اور دو شخص نظر آئے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری لڑکی مل جائے گی، تم ایک روپیہ کا پیڑا منگوا کر غوث پاک کی نیاز دلواؤ تو میں نے وہ نیاز خواب میں منگوائی ہے اور دلائی ہے، تو وہ لڑکی زندہ ہوگئی ہے، میں اس کو لے کر اپنے مکان پر آئی ہوں، پھر رات منگل کی صبح بدھ کو یہی خواب بدھ کی رات جمعرات کی صبح کو دوسرا خواب یہ کہ میں پھر اسی طرح قبر پر گئی ہوں، وہ لڑکی میری گود میں ہے اور شوہر میرے ساتھ ہیں تو یہ دیکھتی ہوں کہ قبر کے درمیان کا ایک تختہ کھلا ہوا ہے اور اسی میں سے میری لڑکی میرے قریب آبیٹھی ہے، اتنے میں ایک عورت آئی اور قبر میں ایک گلاس پانی ڈالا تو میں نے پوچھا یہ کیا کیا تو اس عورت نے یہ جواب دیا کہ ٹھنڈک کے واسطے۔ اتنے میں پھر وہی شخص پشت پر نظر آئے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ غوث پاک نے ماں کے صبر سے یہ لڑکی دوبارہ دی ہے، تو میں پھر اس کو لے کر اپنے مکان پر آئی ہوں، پھر آنکھ کھل گئی۔ اسی دن سے مرا دل یہ چاہتا ہے کہ قبر کھدوا کر دیکھوں آپ مہربانی فرما کر دونوں خواب کی تعبیر عطا فرمائیں اور قبر کھولنے کا فتویٰ عطا فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی۔

مسئولہ محمودی خاتون، بریلی، ۲۰ رفروری ۱۹۵۹ء

الجواب: صورت مسئولہ میں لڑکی کی قبر کا کھودنا جائز نہیں، لہٰذا قبر ہرگز ہرگز نہ کھولی جائے، چونکہ عوام کے خواب مثبت احکام نہیں ہوتے اور خواب دلائل شرعیہ میں معتبر نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں یہ خواب اضغاث احلام یعنی خواب پریشاں کی قسم کے ہیں، جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے صحن میں اس کی والدہ کی پختہ قبر بنی ہوئی ہے، اب اس کو رہنے سہنے کے لئے مکان کی قلت ہو رہی ہے کیا وہ قبر کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے اوپر چھت دے کر کمرہ (بنگلہ) یا دالان تعمیر کر سکتا ہے، جس میں مہمان وغیرہ کو ٹھہرایا جاسکے، جب کہ قبر کا حصہ پوری طرح کھلا رہے گا اور آمد و رفت سب ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ.............۱۹ر مئی ۱۹۶۰ء

الجواب: اگر زید کو ضرورت ہے کہ وہ قبر کی جگہ سے فائدہ اٹھائے تو وہ قبر پر کوئی عمارت کی بنیاد نہ رکھے اور قبر کے ارد گرد بنیاد قائم کر کے قبر پر ڈاٹ (کھلان) یا لنٹر لگا کر اس جگہ کو کام میں لاسکتا ہے۔ شرعاً اس طرح قبر مومن کی حفاظت کر کے قبر کی جگہ کو کام میں لانا جائز و درست ہے، قبر کو مسمار نہ کرے اور قبر پر اس سے متصل چھت نہ بنائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۲۵: شہر پیلی بھیت کے ایک گوشہ میں ایک بزرگ حضرت سید کلیم اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف ہے، جو کہ تقریباً سو برس قبل کی یادگار ہے؟ اب ایسے مقام پر واقع ہے، جہاں کہ دریا کا کنارہ ہے۔ امسال بارش کی زیادتی کی وجہ سے مزار شریف کی عمارت منہدم ہوگئی اور گنبد بھی نیچے گر چکا ہے۔ درمیان سے قبر شریف پر معمولی دراڑ بھی پیدا ہوگئی ہے اور اس وقت دریا مسلسل اپنا کٹاؤ کر رہا ہے۔ اسی کٹاؤ کے سلسلے میں مزار شریف کی نچلی عمارت میں کافی نقص اور کٹاؤ ہو رہا ہے، جو آئندہ کے لئے اتنی ہی قدیم یادگار کے ختم ہوجانے کا امکان ہے۔ چنانچہ مسلمانان پیلی بھیت نے اس کے تحفظ کی تدبیر کرتے ہوئے ایک چندہ کمیٹی بنائی جس کے ذریعہ چندہ فراہم کر کے اس کی از سرِ نو تعمیر کا کام انجام دے سکے۔ ایسا کام غیر ممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے، چونکہ اس کے اخراجات کا تخمینہ بمعاینہ انجینیر تقریباً ۵۰/۶۰ ہزار کیا گیا ہے۔

(۱): کیا ایسی مذکورہ صورتوں میں ان بزرگ کے مزار شریف کی تعمیر ضروری ہے، جب کہ مزار لبِ دریا ہو اور دریا کے کٹاؤ، بہاؤ کے لئے روک تھام وانتظام مشکل ہو، یا کہ مزار کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے؟ (۲): یا ایسی صورتوں میں اس مزار شریف میں موجود مافی القبر کو نکال کر کسی دوسری اچھی ومناسب جگہ دفن کر کے یادگار قائم کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا کر سکتے ہیں جو کہ نہایت مناسب ہے، تو اس کے اخراج مافی القبر کے لئے کیا کیا احکام شرائط وتدابیر احتیاطی عمل میں لائیں گے؟ (۳): اور دوبارہ تدفین کے لئے کیا احکام لازم آتے ہیں، مفصل جواب سے مطلع فرمائیں؟ (۴): کیا زکوٰۃ کی رقم اس مزار کی تعمیر میں خرچ کی جاسکتی ہے اگر صرف کرنا چاہیں تو کس صورت سے مصرف بنائیں؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ صبغۃ اللہ انصاری، پیلی بھیت

الجواب: جمہور فقہائے کرام کے مسلک پر حفاظت کے لئے مزار شریف کی تعمیر لازم وضروری نہیں، لیکن اہل اللہ سے عقیدت ومحبت اور اسلامی حمیت وحرمت مقتضی ہے کہ جس طرح ممکن ہو مزار شریف کی مکمل حفاظت کی جائے۔ جو کچھ کر سکے

ضرور کرے اور اپنی نظر کے سامنے اپنے مقدس بزرگ کو دریا کی نذر نہ ہونے دے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

(۲) و (۳): فقہائے عظام علیہم الرحمۃ کا اس بارے میں اختلاف ہے، بعض نے اسے جائز فرمایا ہے اور بعض نے منع فرمایا ہے لیکن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے عہد مبارک میں ایسی صورت میں تحویل میت کا فتویٰ دیا تھا، جب کہ حضرت صالح بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں تین بار بشارت دی کہ مجھے میری قبر سے منتقل کردو۔ چونکہ مجھے پانی سے اذیت ہورہی ہے۔ اس روایت کی بنا پر ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں۔ لیکن اس صورت میں جسد مبارک کو قبر مبارک سے نکال کر منتقل کرنے کے احکام و تدابیر اور شرائط کی کوئی تفصیل مجھے کتب موجودہ میں نہیں ملی۔ بہرحال اگر ایسا کریں تو نہایت ادب واحترام اور حفاظت سے اس کام کو انجام دیں۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ۳۳۷ میں ہے۔

فی المضمرات النقل بعد الدفن علیٰ ثلثة اوجه فی وجه یجوز باتفاق وفی وجه لایجوز باتفاق وفی وجه اختلاف اما الاول فھو اذادُفِنَ فی ارض مغصوبة اوکفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبه الابنقله عن ملکه اونزع ثیابه جازان یخرج منه باتفاق و اماالثانی فکالأم اذا ارادت ان تنظرالیٰ وُجه ولدھا اونقله الیٰ مقبرة اخریٰ لایجوز باتفاق،واما الثالث اذا غلب الماء علی القبر فقیل یجوز تحویله لماروی ان صالح بن عبید الله روئی فی المنام وھو یقول حولونی عن قبری فقد اذانی الماء ثلاثا فنظروا فاذا افاده شقه الذی یلی انماء قد اصابه الماء فافتیٰ ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنھما بتحویله و قال الفقیه ابوجعفر یجوز ذالک ایضا ثم رجع ومنع. المضمرات میں ہے۔ دفن کے بعد مردے کو منتقل کرنے کے حکم کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) بالاتفاق جائز (۲) بالاتفاق ناجائز (۳) اختلاف —— بالاتفاق منتقل کرنے کی صورت یہ ہے کہ غصب کی ہوئی زمین میں دفن کردیا۔ یا غصب کئے ہوئے کپڑے میں کفنادیا۔ بشرطیکہ مالک میت کو منتقل کرنے پر مصر ہو۔ یا اس کے کپڑے اُتار لینے پر مصر ہو۔ تو بالاتفاق منتقل کرنا جائز ہے۔ دوسری صورت یعنی بالاتفاق منتقل کرنے کے عدم جواز کی صورت یہ ہے کہ جیسے ماں کو خواہش ہوئی کہ اپنے بچے کا چہرہ دیکھتی، یا اسے دوسری قبر میں منتقل کردیا تھا تو اب منتقل کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ پانی قبر میں آگیا تو ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ صالح بن عبیداللہ تین مرتبہ خواب میں دیکھے گئے وہ کہہ رہے تھے مجھے میری قبر سے منتقل کردو مجھے پانی سے تکلیف ہورہی ہے۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے جسم کا وہ حصہ جو پانی سے متصل ہے وہاں پانی پہنچ کر اسے خراب کردیا ہے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی لاش کو منتقل کرنے کا فتویٰ دیا۔ فقیہ ابوجعفر نے کہا۔ ایسا کرنا جائز ہے پھر انھوں نے اس خیال سے رجوع کرلیا۔ اور عدم جواز کے قائل ہوگئے۔

اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ جہاں اب مزار ہے وہیں مکمل حفاظت کا انتظام کردیا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

(۴): حیلہ شرعیہ کر کے زکوۃ وفطرہ کی رقم مزار پر خرچ کر سکتے ہیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ جو مصرف زکوۃ ہو اس کو مال زکوۃ کی تملیک کر دی جائے اور اس رقم کا مالک بنا دیا جائے اور پھر اس سے یہ کہا جائے کہ اب تم اس کو تعمیر مزار میں خرچ کر دیا خرچ کرنے کے لئے کسی منتظم کو دے دو۔ **کذافی الدرالمختار و ردالمحتار . والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحكم.**

مسئله ٦٢٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پرانے قبرستان میں سے مٹی کھدوا کر اینٹیں بنوا کر اپنے نجی صرفہ میں لا کر مکان تعمیر کر رہا ہے، اس شخص کے اس فعل بیجا سے قبرستان کی بے حرمتی ہو رہی ہے اور مسلمانوں کو از حد تکلیف ہوتی ہے، اس سے بارہا منع کیا وہ اس سے باز نہ آیا۔ از روئے شرع ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئولہ لیاقت صابری، بلاری، مراد آباد، ۲۲ صفر ۱۳۸۳ھ دوشنبہ

الجواب: شخص مذکور نہایت گنہگار، موجب غضب جبار ہے کہ تعظیم قبور مسلمین اور ان کا احترام لازم وضروری ہے اور اس کی توہین ممنوع وحرام۔ حدیث پاک میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی آگ کے انگارے پر تلوار کی نوک پر کھڑا ہو جائے، وہ بہتر ہے کہ قبور مسلمین پر سے گزرے۔

صورت مسئولہ میں قبور کی بے حرمتی اور پائمالی ظاہر ہے۔ جب قبر پر سے گزرنا اور اس پر اٹھنا بیٹھنا بر بنائے اہانت ناجائز وحرام ہے تو قبور کی مٹی سے اینٹیں بنوانا کیونکر روا ہو سکتا ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد ثانی ص ۵۵۷ میں ہے۔

> **سئل القاضى الامام شمس الائمة محمود الاوزجندى عن المقبرة فى القرى اذا اندربست ولم يبق فيها اثرالموتى لاالعظم ولا غيره هل يجوز ذرعهاواستغلالها قال لا ولها حكم المقبرة كذا فى المحيط.** امام شمس الائمہ قاضی محمود سے دیہات میں واقع اس مقبرے کے متعلق پوچھا گیا، جس کے نشان مٹ گئے ہیں اور وہاں مردے کے اثرات ہڈی وغیرہ کچھ نہیں۔ کیا وہاں کھیتی کرنا اور غلہ حاصل کرنا جائز ہے۔؟ انھوں نے کہا۔ "جو مقبرہ کا حکم ہے، وہی اس کا بھی حکم ہے۔" ایسا ہی المحیط میں ہے۔

مندرجہ بالا حکم اس تقدیر پر ہے کہ پرانے قبرستان کی زمین کے ان حصوں سے اینٹیں بنوائی گئیں جن میں پہلے مردے دفن ہو چکے تھے۔ اور اگر قبرستان کی زمین کے ایسے حصے سے مٹی کھود کر اینٹیں بنوائی گئیں جن میں مردے دفن نہ ہوئے تھے، تو اہانت قبور کا الزام غلط وبیجا ہوگا۔ قبرستان کی توہین کا اس صورت میں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ عام قبرستان کی زمین سے اس قسم کا فائدہ بغیر استحقاق کے حاصل کرنا ناجائز ہے۔ شخص مذکور ایسی صورت میں فعل ناجائز کا مرتکب قرار پایا، اور اگر شخص مذکور کو قبرستان کی زمین کے بغیر قبر والے حصوں سے شرعا اس قسم کے فائدے حاصل کرنے کا حق پہنچتا ہے تو اس صورت میں شخص مذکور کسی امر ناجائز کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ **والله سبحانه و تعالى اعلم و علمه عزاسمه اتم و احكم.**

مسئله ٦٢٧: (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل امور میں، الف کا مملوکہ ایک

خاندانی قبرستان ہے، جس میں مالک و وارث قبرستان کے خاندانی افراد کی نیز دیگر لوگوں کی قبریں ہیں۔ اہل محلہ میں سے بہت سے لوگ بزعم سرکشی مالک، وارث ومتولی قبرستان کی بے توقیری و آزاری اور حق ملکیت وتولیت کو ختم کرنے کے لئے بلا اجازت مالک ومتولی اس قبرستان میں اپنے مردے دفن کر دیتے ہیں، الف کے پاس ثبوت ملکیت کافی ووافی موجود ہے، چنانچہ اہل محلہ میں سے بعض اور مالک ومتولی قبرستان کے درمیان بلا اجازت زبردستی مردے دفن کردینے کے سلسلہ میں مقدمہ بازی بھی ہوچکی ہے۔ نتیجہ میں عدالتی فیصلے مالک ومتولی قبرستان الف کے حق میں ہوئے۔ لیکن یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے، مردے بلا اجازت ورضامندی دفن کردیتے ہیں۔ ازروئے شرع شریف تحریر فرمائیں۔ حکم خداوندی و تعلیم حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق بلا اجازت قبریں کرنے والوں پر اور مردہ پر کوئی مواخذہ اور گناہ ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کیا ہے؟ (۲): لوگوں کو اسی قبرستان میں مردہ دفن کرنے کی ترغیب یا مشورہ دینے اور قبر کے لئے جگہ کی نشاندہی کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ (۳): اسی قبرستان میں دو بڑے بزرگ حضرت خواجہ مصطفےٰ صاحب وحضرت عبدالرحیم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات ہیں۔ مزارات کے چاروں طرف پورے قبرستان میں قبریں ہیں۔ اسی محلہ کے کچھ لوگ قبرستان مذکور میں بزرگان موصوف کا عرس (بلا رضامندیٔ الف) اس طرح کرتے ہیں کہ قبرستان کے متولی اور بزرگان مرحومین مغفورین کے ورثہ کے خلاف ایک خاص جانب قبروں کے اوپر ان کو بے نشان کرکے قوالوں کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترہ (ڈائس) بنالیا، جس پر بیٹھ کر قوالی مروجہ طریقہ پر گاتے ہیں۔ بقیہ قبرستان میں قبروں کے اوپر فرش بچھادیتے ہیں، جس پر سامعین بیٹھ کر قوالی سنتے ہیں۔ ان قبور پر چلتے پھرتے اور مع جوتوں کے کھڑے رہتے ہیں۔ کیا اس طرح قبروں کے اوپر قوالوں اور سامعین کا بیٹھنا جائز ہے۔ یہ عرس کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟ (۴): مردوں کی طرح عورتیں بھی عرس میں آکر قبور پر بیٹھ کر قوالی سنتی اور قبرستان میں ٹھہری رہتی ہیں، شرعاً یہ فعل کیسا ہے؟ (۵): قبور کی حرمت کے متعلق جو شرعی احکام ہر مسلمان کے لئے عائد ہوتے ہیں، تحریر فرمائیں؟

مسئولہ حافظ محمد ذوالفقار حسین صاحب، ۲۱/رجب ۱۳۸۵ھ شنبہ

الجواب: (۱): الف کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے میت کو دفن کرنا شرعاً جائز نہیں کہ یہ ملک غیر میں بغیر اذن تصرف کرنا ہے اور یہ ناجائز و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ...﴾ [البقرۃ: ۱۸۸] (اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) (معارف)۔ تفسیر خازن زیر آیت مذکورہ مندرج ہے۔

> والمعنی لایاکل بعضکم مال بعض بالباطل ای من غیر الوجه الذی اباحه الله له، وانما عبر عن اخذالمال بالاکل (ملخصا). معنی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال اس طریقے پر نہ کھائے جسے شریعت نے جائز نہیں رکھا ہے۔ آیت میں "مال لینے" کی تعبیر مال کھانے سے کی۔

> قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لا یحل لمسلم ان یاخذعصا اخیه بغیر طیب نفس منه رواه ابن حبان فی صحیحه عن ابی حمید الساعدی رضی الله تعالیٰ عنه. یعنی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان کی لکڑی بغیر اس کی مرضی کے لے لے۔

وقال علیه السلام من اذیٰ مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله. رواه الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی الله تعالیٰ عنه بسند حسن. یعنی جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

حتی کہ مالک زمین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو مردہ کو قبر سے نکال دے، یا قبر کو ہموار کر کے اس میں کاشت کرے یا اپنے دیگر مصرف میں لائے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۵۶ میں ہے۔

اذا دفن المیت فی ارض غیره بغیر اذن مالکها فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت و ان شاء سوّی الارض و زرعها کذافی التجنیس. دوسرے کی زمین میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اگر مردے کو دفن کر دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو نکالنے کا حکم دے اور چاہے زمین برابر کر کے اس پر فصل اگائے۔ ایسا ہی التجنیس میں ہے۔

اسی عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد دوم ص ۵۵۷ میں ہے۔

میت دفن فی ارض انسان بغیر اذن مالکها کان المالک بالخیار ان شاء رضی بذالک و ان شاء امر باخراج المیت و ان شاء سوی الارض وزرعها فوقها. کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر مردے کو دفن کر دیا تو مالک کو اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اس پر راضی رہے، اگر چاہے تو مردے کو نکالنے کا حکم کرے اور اگر چاہے تو برابر کر دے اور کھیتی کرے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۲ میں ہے۔

ولا یجوز نقله بعد دفنه بالاجماع الاان تکون الارض مغصوبة فیخرج لحق صاحبها ان طلبه و ان شاء سوّاه بالارض وانتفع بها زراعة اوغیرها. مردے کا ایک قبر سے دوسری قبر کو منتقل کرنا بالاجماع جائز نہیں۔ مگر یہ کہ غصب کی ہوئی زمین میں دفن کیا ہو۔ تو اگر اس کا مالک نکال دینے کا مطالبہ کرے تو نکالا جائیگا۔ اور اگر چاہے تو زمین کو برابر کرے اس میں فصل اگانے کا فائدہ حاصل کرے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۹۲ میں ہے۔

ولا یخرج من القبر الا ان تکون الارض مغصوبة و ارادصاحب الارض اخراجه. قبر سے نہیں نکالا جائگا تاوقتیکہ غصب کی ہوئی زمین میں دفن نہ کیا ہو اور زمین والا نکالنے کی خواہش بھی رکھتا ہو۔

جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ یقیناً گنہگار حرامکار اور آخرت میں مواخذہ دار ہوں گے، لیکن میت اس گناہ میں شریک نہیں۔ ''مردہ بدست زندہ'' ہے، البتہ میت نے اگر اس امر کی وصیت کی ہے کہ مجھے فلاں قبرستان میں بغیر اذن مالک دفن کرنا اور اسے وہاں دفن کیا گیا تو وہ اس حکم میں شامل ہے۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۲): مذکورہ بالا قبرستان میں بغیر اجازت مالک دفن کی ترغیب اور مشورہ دینا، نیز نشاندہی کرنا یہ سب امور ناجائز وحرام اور ایسا کرنے والے گنہگار اور روز قیامت ماخوذ ہوں گے۔ قال الله تعالیٰ ﴿وَلاتَعَاوَنُوا عَلَى الاِثْمِ وَالعُدْوَانِ﴾

[المائدہ: ۲] یعنی گناہ اور حدود شرعیہ سے تجاوز پر کسی کی مدد مت کرو۔ وقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام رواه الطبرانی فی الکبیر یعنی جو کسی ظالم کے ساتھ چلا اس کی مدد کرنے اور وہ جانتا ہے کہ ظالم ہے وہ بیشک اسلام سے نکل گیا۔ والله تعالیٰ اعلم.

(۳): بغیر ضرورت قبور پر چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، مکروہ ہے اور عوام کالانعام کے لئے قوالی کا سننا حرام اور گناہ عظیم ہے۔ عوام کے لئے ایسی محفلوں کے منعقد کرنے والے اور قبور مسلمین کو ہموار کرکے ان کی پامالی اور اہانت کرانے والے یقیناً مجرم و گنہگار، خطا کار و مکار ہیں۔ عرس حدود شرعیہ اور احکام دینیہ کی روشنی ہی میں کرنا صحیح و درست ہے۔ کوئی عرس حدود شرعیہ سے تجاوز کرکے نہ کیا جائے۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۷ میں ہے۔

و کره وطؤها بالا قدام لمافیه من عدم الاحترام. قبروں کا قدموں سے روندنا مکروہ ہے کیونکہ اس کے اندر ان کی بے حرمتی ہے۔

اسی میں ہے۔

و کره القعود علی القبور بغیر قرأة. تلاوت قرآن کے مقصد کے علاوہ قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے۔

ردالمحتار جلد اول ص ۶۶۶ میں ہے۔

قال فی الفتح و یکره الجلوس علیٰ القبر و وطؤه. قبر پر بیٹھنا اور اس کا روندنا مکروہ ہے۔

طحطاوی علی الدرالمختار جلد اول ص ۳۸۳ میں ہے۔

یکره المشی و کذا الجلوس علیه (ملخصا). قبر پر چلنا نیز اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۹۵ میں ہے

و کره وطئ القبور و الجلوس الخ. قبر کو روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۵۶ میں ہے۔

ویکره ان یقعد اوینام اویوطأ علیه (ای علی القبر). قبر پر بیٹھنا یا سونا یا اس کو روندنا مکروہ ہے۔

مجمع الانہر جلد دوم ص ۶۱۹ میں ہے۔

ویحرم کل لهو لقوله علیه الصلوٰة والسلام کل لعب ابن ادم حرام (الحدیث) حضور علیہ السلام کا قول ہے "ابن آدم کا ہر لہو ولعب حرام ہے"۔

وفی البزازیة استماع صوت الملاهی معصیة و الجلوس علیها فسق و التلذذ بها کفر ای بالنغمة. والله تعالیٰ اعلم.

(۴): مذکورہ بالا احکام میں عورتیں بھی مردوں کی مثل ہیں، بلکہ حکم کراہت و حرمت ان کے لیے مردوں سے زیادہ ہے کہ ان کو قوالی سننے کے لئے نکلنا ہی جائز نہیں، بلکہ اس دور پرفتن میں عورتوں کو زیارت قبور کے لئے جانا اور قبروں پر بیٹھ کر قوالی سننا حرام اشد ترین حرام ہے، حتی کہ اس زمانہ میں عورتوں کے لئے نماز جماعت کی خاطر مساجد میں شب کی تاریکی کی حالت

میں بھی جانا شرعاً ممنوع ہے، چونکہ عورتیں پردہ اور آداب کا لحاظ نہیں کر پاتیں۔ درمختار ہاشمی ص ۶۵ میں ہے۔

ویکرہ حضور هن الجماعة مطلقا و لو عجوزا لیلا علی المذهب المفتی به لفساد الزمان. (ملخصا) عورتوں کا جماعت میں آنا مطلقاً مکروہ ہے۔ اگر چہ کہ بوڑھی ہوں۔ اگر چہ کہ رات میں نکلیں۔ یہی مفتیٰ بہ مذہب ہے۔

جو عورت پردے کے پورے اہتمام کے ساتھ قبور اہل اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کے لئے تمام آداب و کمال احترام کی پابندی کرتے ہوئے، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ و حضرت سیدتنا فاطمہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح جائیں تو جائز ورنہ ناجائز و حرام۔ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۳۷۶ میں ہے۔

وحاصله ان محل الرخصة ثابتة للرجال و النساء لان السیدة فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها کانت تزور قبر حمزة کل جمعة و کانت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها تزور قبر اخیها عبدالرحمٰن بمکة کذاذکره البدر العینی فی شرح البخاری. خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کیلئے زیارت قبور کے سلسلہ میں رخصت کا دارومدار اس پر ہے کہ ان کی زیارت اس طور پر ہو کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور زیادہ صحیح یہ ہیکہ اجازت مرد و عورت دونوں کیلئے ثابت ہے۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ ہر جمعہ کو حضرت حمزہ کے قبر کی زیارت کرتی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے قبر کو جاتی تھیں۔ ایسا ہی بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں ذکر کیا۔ و الله تعالیٰ اعلم.

(۵): یہ کہ پیشاب، پاخانہ اور ہر گندی چیزوں سے پاک رکھیں۔ بغیر ضرورت قبور کی پائمالی نہ کریں، نہ ان پر بیٹھیں، نہ لیٹیں، فحش اور بیہودہ گفتگو نہ کریں اور دنیا کی لغو و لایعنی باتیں کرنے سے احتراز کریں۔ کھیل تماشے نہ کریں، ان کو جائے عبرت سمجھیں کہ ہمیں بھی ایک دن یہاں آنا ہے، ان پر مکان نہ بنائیں، نہ دوسرے مصارف (مثلاً باغ لگانا، کاشت کرنا) میں لائیں۔ ان کے ترگھاس و درخت کو نہ کاٹیں اور اس قسم کے دیگر امور جو احترام کے خلاف ہوں عمل میں نہ لائیں۔ قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها و اجعلوازیا رتکم لها صلاة علیهم و استغفارا لهم. میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب تمہیں اجازت ہے، خوب زیارت کرو اور اپنی زیارت کو صاحب قبور کیلئے طلب رحمت و غفران کا سبب بنادو۔ و الله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۲۸: ایک حاجی صاحب نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ قبرستان میں میت دفن کرنے کے چھ ماہ بعد ہل چلوا کر کھیتی بو سکتے ہیں، کیا یہ حدیث ہے یا حاجی صاحب نے غلط بیان کیا ہے؟

مسئولہ سلامت اللہ صاحب، محلہ اصالت پورہ، مراد آباد، ۳؍رجب ۱۳۸۷ھ یکشنبہ

الجواب: میری یاد و نظر میں ایسی کوئی حدیث نہیں، بلکہ اس کے خلاف حدیث و فقہ میں آیا ہے۔ حاجی صاحب نے محض غلط کہا ہے۔ ان کو جھوٹی حدیث بیان کرنے کی عظیم ترین سزا ملے گی۔ و الله تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد مراد آباد کے صحن میں جو محدود قبرستان ہے جس میں ائمہ سابق جامع مسجد مراد آباد دفن ہوتے چلے آئے ہیں، اور اس میں ایک قبر کی گنجائش ہے، جب کہ مسجد مذکور کا کوئی جز کسی طرف سے شامل نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں موجودہ امام مولوی صائم علی صاحب امام شہر مراد آباد (عرف ولی جی) کی وصیت اور اعزہ وعوام الناس کی خواہش ہو تو اس محدودہ قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئولہ غفران علی، محلّہ مفتی ٹولہ مراد آباد، ۱۳؍جنوری ۱۹۷۲ء پنجشنبہ

الجواب: اگر فی الواقع اس محدودہ مقبرہ میں ایک قبر کی گنجائش ہے تو دستور سابق کی طرح موجودہ امام مولوی حافظ صائم علی صاحب کا اس میں دفن کرنا جائز ہے اور یہی مستحق دفن ہیں، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک قبرستان کا بلاشرکت غیر مالک ہے۔ قبرستان اس کا خاندانی اور پشتینی ہے۔ اس کے سارے بزرگ اور سارے عزیز اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ اب سے کچھ زمانہ پہلے فقیروں کا ایک خاندان اس قبرستان میں رہا کرتا تھا اور اس کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ لیکن عرصہ ہوا کہ اس خاندان کے کچھ لوگ مر گئے، اور کچھ لوگ دوسری جگہ جا کر آباد ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد قبرستان کی حالت خراب ہو گئی۔ آنے جانے والوں نے اس کو عام گذرگاہ اور بچوں نے اس کو کھیل کود کا میدان بنالیا، جس کی وجہ سے قبروں کا وجود باقی نہیں رہا اور اہل قبور کی بے حرمتی ہونے لگی۔ یہ حالت دیکھ کر زید نے ضروری سمجھا کہ جس جگہ فقیر رہا کرتے تھے، اس کو پھر آباد کیا جائے اور قبر کے جو حصے کھلے ہوئے ہیں، ان کو دیوار سے بند کر دیا جائے۔ لیکن جب آس پاس کے لوگوں کو زید کے ارادہ کا علم ہوا تو وہ زید کے مخالف ہو گئے اور طرح طرح کی دھمکیوں اور تشدد سے ایسی کوشش کرنے لگے کہ زید اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو، ان لوگوں کو قبرستان سے کوئی تعلق نہیں، انھوں نے یہ مخالفت اپنی کسی ذاتی غرض کی بنا پر کی ہے، آس پاس اور محلّہ کے حق پسند لوگ اس مخالفت میں شریک نہیں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع ان لوگوں کی مخالفت کہاں تک جائز ہے، آیا زید کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟ کہ وہ اپنے قبرستان کے تحفظ کے لئے قبرستان کی وہ زمین کہ جس میں فقیر رہا کرتے تھے، کسی موزوں شخص کو قیمتہً یا بلا قیمت دیدے او وہ شخص مکان بنا کر اس میں مستقل طور پر آباد ہو جائے اور قبرستان کی نگرانی کا فرض انجام دے یہ زمین زیادہ سے زیادہ سوگز ہوگی، اس میں کوئی قبر نہیں ہے؟

مسئولہ مسعود حسن، اہل محلّہ نیل والان، مراد آباد، ۷؍رمضان شریف ۱۳۹۲ھ جمعہ

الجواب: اگر زید فی الواقع قبرستان کا مالک ہے تو اپنی ذاتی جائداد کو ہر شخص کو موافق شرع، ہر جائز طریقہ پر منتقل کر سکتا ہے، لہٰذا زید بھی قبرستان کی خالی جگہ کو جس طرح چاہے منتقل کر سکتا ہے۔ شرعاً اس کو حق پہنچتا ہے اور بقیہ قبرستان کی حفاظت دیوار بنا کر یا تار سے گھیر کر جیسے وہ کرے اس بارے میں زید کے مخالفین کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد بنانا بیچ گورستان برائے نماز و مکان برائے نشستن و ماندن وراحت یا دفن مردماں جائز یا گناہ؟

مسئولہ شیخ نصیر، موضع نانکار، ضلع مرادآباد

الجواب: جو قبرستان قبروں سے بھرا ہوا اس میں مسجد یا مکان بنانا جائز نہیں، جو ایسے قبرستان میں مسجد یا مکان بنائے گا، گنہگار ہوگا، اور جس قبرستان میں قبروں سے خالی جگہ ہو تو اس خالی جگہ میں مسجد یا مکان بنانا مالک زمین کے لئے جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح اگر مالک زمین کسی دوسرے کو خالی زمین میں مسجد یا مکان بنانے کی اجازت دیدے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ جو قبرستان صرف قبروں کے لئے وقف ہو، اس میں کوئی شخص مسجد یا مکان نہیں بنا سکتا۔ حدیث پاک میں سرکار ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت نازل فرمائے جنھوں نے قبور انبیاء پر مسجدیں بنادیں"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۳۲: بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ قبر کہیں ہوتی ہے اور اس کے علاوہ دوسری جگہ قبر بنا دیتے ہیں یا کسی بزرگ کے مزار کو اصل جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور دوسری جگہ بنا دیتے ہیں، یہ کام درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

مسئولہ حکیم اللہ پیش امام، موضع رینگانگلہ ضلع رام پور، ۳؍مارچ ۱۹۷۱ء

الجواب: بغیر میت کے قبر کا بنا دینا ناجائز و ممنوع ہے۔ اسی طرح اصلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کا بنانا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ قبرستان کے اندر گھاس بہت بڑی اگی ہوئی ہے، جس کے اندر سانپ بچھو اور دیگر ایذا دینے والے جانور پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے زیارت کے واسطے یا مدفن بنانے میں بہت تکلیف اور خوف کا باعث ہے، دریں حال گھاس کو کاٹ کر کسی مصرف میں لانا چاہے تو کس مصرف میں لا سکتے ہیں؟ کیا لوگ گھاس کو کاٹ کر اپنے گھر لے جا سکتے ہیں؟

مسئولہ عبدالصمد، ہریل سا، ضلع بیر بھوم، مغربی بنگال، ۲۹؍ربیع الاول ۱۳۹۳ھ پنجشنبہ

الجواب: قبرستان میں سبز گھاس تسبیح خوانی کرتی ہے، جس سے میت کو انس و قرار و سکون ملتا ہے، اسی لئے گھاس کاٹنے کی ممانعت آئی ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ قبرستان کو گھاس وغیرہ کا ایسا جنگل بنا دیا جائے کہ اس کے موذی جانور انسان کے لئے باعثِ تکلیف بن جائیں اور دفن و زیارت میں پریشانی لاحق ہونے لگے اور اصل مقصد میں رکاوٹ پیدا ہو۔ ایسی صورت میں قبرستان کے جنگلی اور خطرناک گھاس کو کاٹ کر قبرستان کو محفوظ کیا جائے، تاکہ آنے جانے والے محفوظ رہیں، جس طرح حرم شریف کے گھاس کو کاٹنا اور شکار کے جانور سے چھیڑ چھاڑ کرنا مکروہ و ممنوع ہے، لیکن موذی جانور کو قتل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اس مقصد کے پیش نظر گھاس کاٹ کر بیچ دی جائے اور اس کا پیسہ قبرستان ہی کے کام میں لایا جائے، اور اسکی صفائی و حفاظت کے کام میں خرچ کیا جائے، بلکہ قبرستان کو چمن و گلزار بنانے پر صرف کریں۔ بہتر یہ ہوگا کہ موسم خزان میں جب گھاس بالعموم خشک ہو جاتی ہے، کاٹ کر بیچ ڈالیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۷۸ میں ہے۔

فیونس المیت و نزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمۃ ۔ میت کوانس ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رحمت نازل ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٦٣٤: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی جو کہ ایک طویل زمانے سے ایک مسجد سے متصل وملحق ومتصرف ومقبوضہ مسجد ہذا چلی آ رہی ہے، نیز اس اراضی میں ہمیشہ سے نماز جنازہ، نماز جمعہ، نماز عیدین بدستور ہو رہی ہیں، تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل اس اراضی پر قبریں تھیں، جو کہ ایک زمانہ سے زمین کے اندر کافی گہرائی میں دب چکی ہیں کہ کافی زمانے سے قبروں کا کوئی نام ونشان تک باقی نہیں رہا ہے کہ اب ہموار چوک نظر آتا ہے، اب حال ہی میں ایک پڑوسی اس اراضی پر دعویٰ کر کے ناجائز قبضہ کر کے دکانیں تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جب کہ زمانہ قدیم سے ان پڑوسی کا نہ تو اس اراضی پر کبھی کوئی قبضہ ودخل وتصرف ہی رہا اور نہ ہی کوئی مالکانہ حقوق ہی رہے۔

اب پڑوسی یہ کہتے ہیں، کیونکہ زمانہ قدیم میں یہ اراضی قبرستان تھی، اس لئے اس پر نمازیں پڑھنا جائز نہیں اور جو نمازیں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں وہ غلط ہیں۔ اراضی کے بجائے نماز جنازہ مسجد کے اندر ہونی چاہئے، جب کہ نمازیں ہمیشہ سے بدستور اراضی ہذا پر ہو رہی ہیں، جن کو وہ پڑوسی اپنے ذاتی ناجائز مفاد کی تکمیل کے لئے اس اراضی پر نمازوں کو روکنا چاہتے ہیں، مسجد کے اندر نماز پنجگانہ کے علاوہ جنازہ کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے؟

(۱): براہ کرم ان مسائل کا شرعی نقطۂ نگاہ سے مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں کہ نمازیں، اس اراضی پر بدستور سابق ہوتی رہیں یا نہیں؟ (۲): نیز وہ پڑوسی صاحبان جو بلا وجہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے اس اراضی پر ناجائز قبضہ کر کے تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کہاں تک جائز ہے؟ (۳): کیا مسجد کے اندر جہاں نماز پنجگانہ ہوتی ہے، نماز جنازہ رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ عاشق حسین، محلہ باڑہ صفا، مراد آباد، ۲۵ / ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ شنبہ

الجواب: اگر سوال میں جو کچھ لکھا گیا ہے صحیح ودرست ہے تو یہ اراضی قبرستان کی قرار دی جائے گی۔ مسجد کی اراضی نہیں قرار دی جاسکتی، نہ یہ اراضی پڑوسی کی قرار دیجاسکتی ہے، تا وقتیکہ مسجد کی ملکیت یا پڑوسی کی ملکیت کا کوئی مستند کاغذ نہ ہو۔

(۱): اس اراضی پر نماز جنازہ اور نماز جمعہ وعیدین کا پڑھنا مکروہ وممنوع ہے۔ چونکہ قبروں پر کوئی نماز، رکوع وسجود والی یا بغیر رکوع وسجود والی بغیر کراہت جائز نہیں ہوتی۔ اب اس پر کوئی نماز ہرگز نہ پڑھی جائے، نہ اس پر مسجد کے منتظمین کو کسی تعمیر کا حق ہے، نہ پڑوسیوں کو کسی بھی مسجد کے ایسے حصے میں جو ادائے نماز پنجگانہ کے لئے مقرر کی گئی ہو، نماز جنازہ ہرگز نہیں پڑھائی جائے۔ مساجد میں نماز جنازہ مکروہ ہوتی ہے۔ ان مسائل کے حوالے کتب فقہیہ میں موجود ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کی تحقیق

مسئلہ ۶۳۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی یا نہیں؟ اگر پڑھی گئی تو جماعت کے ساتھ یا فراویٰ فراویٰ اور نمازِ جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب توجروا عنداللہ۔**

مسئولہ محمد مسعود احمد اشرفی، موضع وڈاکخانہ فتح پور، ضلع بھاگل پور، ۴ اگست ۱۹۶۱ء، مطابق ۲۰ صفر ۱۳۸۱ھ جمعہ

الجواب: یہ سوال جس کا جواب ذیل میں درج کیا جارہا ہے، میرے پاس درمیان شوال ۱۳۸۰ھ میں بزمانہ قیام وطن مالوف فتح پور ضلع بھاگلپور آیا تھا، اور میں نے اس کا مختصر جواب تیار کرلیا تھا کہ اچانک برادرِ عزیز فاضل نوجوان مولانا محمد شاہجہاں صاحب سلمہ المولی المنان میرے پاس آکر کہنے لگے کہ ابھی یہ جواب نہ دیا جائے۔ آپ مرادآباد پہنچکر اور دیگر کتب حدیث وسیر وفقہ کا مطالعہ کرکے مفصل جواب لکھ کر بھیجیں تو زیادہ مناسب ہوگا، اسی موقعہ پر مولانا موصوف میرے پاس مفتی ابوالکمال صاحب شمسی کا رسالہ ''تحقیق نو'' بھی دکھانے لے آئے تھے۔ میں نے ایک سرسری نظر ڈال کر مولانا کو بتادیا تھا کہ اس کے حوالہ جات مجھے مستند نہیں معلوم ہوئے۔ تحقیق نو کا مسئلہ در باب نفی نمازِ جنازہ بر سید انام علیہ الصلاۃ والسلام میری نظر میں صحیح نہیں۔

اب مرادآباد پہنچ کر اپنے مشاغل ضروریہ کو انجام دیتے ہوئے وقت نکال کر اس مسئلہ کی تحقیق میں مصروف اور جواب لکھنا شروع کیا جو حاضر خدمت ہے۔

جمہور اہل اسلام ومحققین کرام ومفتیان عظام کا قول راجح وصحیح یہی ہے کہ حضور شافع یوم النشور سرکار کونین سردار دارین سید المرسلین وخیر النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نمازِ جنازہ تنہا تنہا پڑھی گئی اور جماعتِ صحابہ نے بھی پڑھی ہے، لیکن اس جماعت کا کوئی امام نہ تھا اور سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ میں مشہور ومعروف دعائے ماثورہ (جس کی ابتداء اللھم اغفر لحینا ومیتنا سے ہوتی ہے) بھی نہیں پڑھی گئی اور سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بار بار دویا تین دن تک ہوتی رہی۔ یہ امور خصائصِ نبویہ میں شمار کیے گئے ہیں۔ چار تکبیریں بھی پڑھی گئیں اور دوسری دعا بھی پڑھی گئی، صلوٰۃ وسلام بھی عرض کیا گیا۔ خصوصاً ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت علیہما الرحمہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بطریقہ مندرجہ بالا ہوئی، حتیٰ کہ علامہ ابوالجود مفتی سید ابوالسعود مصری اور علامہ سید احمد طحطاوی علیہما الرحمہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بہ ہیئت مذکورہ بالا ہونے پر سب کا اجماع ہے، کسی کا اختلاف نہیں اور بعض کے نزدیک اختلاف کو معتبر ہی نہ مانا گیا اور نہ اس اختلاف کو اجماع میں مخل جانا گیا۔

سرکار رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ بغیر امام کے کیوں ہوئی؟ اس کا ایک سبب یہ بتایا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام اس وقت امامت وخلافت میں مبتلا ہوں یا حضور ﷺ کی وصیت ہی یہ تھی کہ میری نمازِ جنازہ بغیر امام کے ہو، یا جگہ تنگ تھی، حجرۂ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تمام صحابہ کی گنجائش ممکن نہ تھی، یا ہر شخص کو حضور ﷺ

کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل ہو، کوئی اس شرف سے محروم نہ رہے، وغیرھا من الوجوہ.
لیکن اس میں شک نہیں کہ بعض اہل سیر کا مذکورہ بالا طریقہ پر سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ ہونے میں اختلاف ہے۔ ان بعض کا مسلک ہے کہ نمازِ جنازہ ہوئی ہی نہیں، بلکہ جہاں کہیں صلوۃ یا یصلی کا لفظ اس بارے میں آیا ہے، وہاں نمازِ جنازہ مراد نہیں بلکہ فقط صلوۃ وسلام عرض کرنا مراد ہے یا دعا مراد ہے، جس کو اکابر فضلائے محققین نے غلط و باطل قرار دے کر رد فرما دیا اور یہ کہہ دیا کہ بغیر قرینۂ صارفہ کے حقیقت سے اعراض کرنا اصولی طور پر غلط ہے درست نہیں اور یہ کہہ دیا کہ بعض مخالفین نے جو صلوۃ سے صرف دعا مراد لی ہے، یہ بات بغیر دلیل کے کہی گئی ہے ماننے کے قابل نہیں۔ نیز اگر صلاۃ سے نمازِ جنازہ نہ مراد لے کر صلوۃ وسلام یا دعا مراد ہو تو پھر روایات وعبارات میں لفظ "بغیر امام" اور "لم یو مھم" اور "لیس لھم امام" کالا نالغو ولایعنی قرار پاتا۔
مجھے سخت تعجب اس پر ہے کہ مفتی ابوالکمال صاحب شمسی نے رسالہ "تحقیق نو" لکھتے وقت علمائے احناف کی کتابوں کا کیوں نہیں مطالعہ کر لیا تھا۔ اگر وہ مذکورہ کتب کا مطالعہ کر لیتے تو ہرگز ہرگز "تحقیق نو" میں نہ لکھنے والی باتیں نہ لکھتے۔ حالانکہ کتب دینیہ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار، کبیری، اشعۃ اللمعات، مدارج النبوت، ماثبت بالسنۃ، زرقانی شرح مواہب لدنیہ، نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض شرح شفا ملا علی قاری، شرح سفر السعادت وغیرہا میں سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ ہونے کی صراحت سے کافی ووافی شرح وتفصیل ملتی ہے، اور اگر مفتی صاحب نے ان کتابوں کا بھی مطالعہ کر لیا تھا تو نہ معلوم پھر ان کتابوں کی تصریحات کے خلاف حکم وفتویٰ کیوں دیا؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بہرکیف جن بعض اہل سیر کا ایسا قول ہے کہ سرکار ﷺ کی نماز جنازہ ہی نہیں ہوئی، بلکہ صلوۃ وسلام عرض کیا گیا، اور دعا کی گئی یہ قول مرجوح وضعیف بلکہ خلاف اجماع ہے۔ ایسے مرجوح وضعیف قول پر فتویٰ دینا اور حکم کرنا بتصریح فقہائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان جہل وخرق اجماع ہے۔ درمختار مصری جلد اول ص ۵۵ میں ہے۔

ان الحکم والفتیا بالقول المر جوح جھل وخرق للا جماع. قولِ مرجوح پر حکم وفتویٰ دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔

اسی سے مفتی صاحب خود اپنا حکم جان لیں اور ناظرین بھی یاد رکھیں کہ جہالت کے کام اور حرام وباطل کے کام کا مرتکب وہ ہے جو قول مرجوح پر فتویٰ دیا کرتا ہے۔ خصائصِ کبریٰ جلد ثانی ص ۲۷۶ میں ہے۔

اخرج ابن اسحاق والبیھقی عن ابن عباس قال لمامات رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ادخل الر جال فصلوا علیہ بغیر امام ارسالاحتی فر غوا ثم ادخل النساء فصلین علیہ ثم اد خل الصبیان فصلو ا علیہ ثم ادخل العبید فصلوا علیہ ارسالا لم یؤمھم علی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم احد. یعنی ابن اسحاق وبیہقی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ جب حضور محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو

مرد داخل ہوئے پس سرکار ﷺ کی نماز جنازہ مردوں نے بغیر امام کے باری باری پڑھی، مردوں کے فارغ ہونے کے بعد عورتیں داخل ہوئیں تو عورتوں نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر بچے داخل ہوئے تو سرکار ﷺ کی نماز جنازہ بچوں نے پڑھی پھر غلام داخل ہوئے تو سرکار ﷺ کی نماز جنازہ تنہا تنہا پڑھی۔ سرکار ﷺ کی نماز جنازہ میں کوئی فرد کسی کا امام نہ ہوا۔ (منہ)

اسی کے ص ۲۷۷ میں ہے۔

واخرج ابن سعد عن علی ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم لما وضع علی سریره قال علی لا یقوم علیه احد هوامامکم حیا ومیتا فکان یدخل الناس رسلا رسلا فیصلون علیه صفا صفا لیس لهم امام یکبرون ویقولون السلام علیک ایها النّبی ورحمة الله وبرکاته اللهم انانشهد ان قد بلغ ما انزل الیه ونصح لا مته وجاهد فی سبیل الله حتی اعز الله دینه ونصح لامته وجاهد فی سبیل الله وتمت کلمته اللهم فاجعلنا ممن یتبع ما انزل علیه وثبتنا بعده واجمع بیننا و بینه فیقول الناس امین امین حتی صلی علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان واخرج ابن سعد والبیهقی عن محمد بن ابراهیم التمیمی مثله . یعنی ابن سعد نے حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو غسل دے کر کفن پہنا کر جب تخت پر رکھا گیا تو مولا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ حیات ظاہری اور بعد وصال ہر حال میں تمہارے امام ہیں، پس لوگ تھوڑے تھوڑے متفرق طور پر داخل ہو کر سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ صف بصف بغیر امام کے پڑھتے رہے۔ نماز پڑھنے والے تکبیر کہتے تھے اور یہ کلمات صلوۃ وسلام وشہادت و دعا عرض کرتے اور پڑھتے، **السلام علیک ایها النبی ورحمة الله و برکاته اللهم انا نشهد ان قد بلغ ما انزل علیه و نصح لا مته وجا هدفی سبیل الله حتی اعزالله دینه ونصح لامته و جاهد فی سبیل الله وتمت کلمته اللهم فا جعلنا ممن یتبع ما انزل علیه وثبتنا بعده واجمع بیننا وبینه**۔ پس لوگ آمین آمین کہتے تھے، یہاں تک کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے پڑھی اور ابن سعد و بیہقی نے بھی محمد بن ابراہیم تیمی سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ (منہ)

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی مولفہ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی جلد خامس ص ۳۲۹ میں ہے۔

(ومنها انه صلی علیه الناس افواجا افواجا) ای فوجا بعد فوج روی التر مذی ان الناس قالوا لابی بکرا نصلی علیٰ رسول الله قال نعم قالوا و کیف نصلی؟ قال ید خل قوم فکبرون و یصلون ویدعون ثم ید خل قوم فیصلون فیکبرون و ید عون فرادیٰ (بغیر امام) قال علی هوا مامکم حیا ومیتا فلایقوم علیه احدفکان الناس تدخل رسلا فرسلا

فیصلون صفا صفالیس لهم امام رواه ابن سعد قیل وصلوا کذالک لعدم اتفاقهم علیٰ خلیفة وقیل بوصیته منه. یعنی محبوب رب العٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے کہ حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ لوگوں نے جماعت بعد جماعت پڑھی، ترمذی نے روایت کی ہے کہ لوگوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا ہم حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں لوگوں نے کہا کہ یہ نمازِ جنازہ کس طرح ہم پڑھیں، تو فرمایا کہ ایک قوم داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھے اور دعا کرے، پھر دوسری قوم داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھے، تکبیریں کہے، دعا کرے علٰحدہ علٰحدہ بغیر امام کے، حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم نے فرمایا کہ حضور ﷺ بحالتِ حیات وممات ہر حال میں تمھارے امام ہیں، تو کوئی سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ میں امامت کے لئے کھڑا نہ ہو، پس لوگ تھوڑے تھوڑے متفرق طور پر داخل ہو ہو کر سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بغیر امام کے۔ صف صف پڑھتے۔ اس حدیث کو ابن سعد نے روایت کی ہے، کہا گیا ہے کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس طرح بایں وجہ پڑھی کہ اس وقت صحابہ کسی خلیفہ کے انتخاب وتقرر پر متفق نہ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس طرح پر نمازِ جنازہ ادا کرنے کی وصیت سرکار ﷺ ہی نے کی تھی۔

(اس کے بعد یہاں پر ایک حدیث بسند مجہول مروی ہے جس کا میں نے ذکر نہیں کیا)۔ پھر اسی میں ہے۔

(وبغیر دعاء الجنازة المعروف ذکره) ای رواه (البیهقی و ابن سعد وغیرهما) عن علی انهم کانوا یکبرون ویقولون السلام علیک ایها النبی ورحمة الله اللهم انا نشهد ان محمداً قد بلغ ما انزل علیه و نصح لا مته وجا هد فی سبیلک حتی اعزالله کلمته فاجعلنا نتبع ما انزل الیه و ثبتنا بعده و اجمع بیننا و بینه فیقول الناس اٰمین ای الناس الذین لم یکونوا مشغولین بالصلوٰة اومن سبق بالسلام ولم ینصرف اوالمصلون انفسهم. وروی الحاکم والبیهقی اول من صلی الملائکة فرادیٰ ثم الرجال فرادیٰ ثم النساء ثم الصبیان لوصیة منه بذالک.

وروی البیهقی عن ابن عباس لمامات صلی الله علیه وسلم ادخل علیه الرجال فصلوا بغیر امام ارسالاحتی فرغواثم ادخل النساء فصلین علیه کذالک ثم العبید کذالک ولم یومهم علیهاحدوتکرارالصلوٰة علیه من خصائصه عند مالک وابی حنیفة وفی اقتصارالمصنف علیٰ انه بغیر دعاء الجنازة افادة انهم صلوا علیه الصلوٰة المعروفة ولم یقتصروا علی مجردالدعاء، وهوکذالک.قال عیاض و تبعه النووی الصحیح الذی علیه الجمهور ان الصلوٰة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کانت صلوٰة حقیقیةلا مجرد الدعاء فقط.

یعنی سرکارﷺ کی نمازِ جنازہ بغیر مشہور دعائے جنازہ کے پڑھی گئی تھی، اس کو بیہقی و ابن سعد وغیرھما نے حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم سے روایت کی ہے کہ حضرات صحابہ سرکارﷺ کی نمازِ جنازہ میں تکبیر یں کہتے تھے، اور یہ کلمات سلام وشہادت عرض کرتے تھے، **السلام علیک و رحمة الله و بر کاته اللهم انا نشهد ان محمدا قد بلغ ما انزل عليه و نصح لا مته وجاهد فی سبیلک حتی اعز الله کلمته فاجعلنا نتبع ما انزل اليه و ثبتنا بعده و اجمع بيننا وبينه.** تو، لوگ آمین کہتے ،یعنی وہ لوگ ان کلمات مذکورہ کوسن کر جونماز جناہ میں مشغول نہ ہوتے یاوہ جونمازِ جنازہ کا سلام پہلے پھیر چکے ہوتے اور وہیں موجود ہوتے یا ہر نمازی خود ہی آمین کہتا اور حاکم وبیہقی نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے سرکارﷺ کی نمازِ جنازہ فرشتوں نے علٰحدہ علٰحدہ پڑھی، پھر مردوں نے علٰحدہ علٰحدہ پڑھی، پھر عورتوں نے پھر بچوں نے پڑھی۔ چونکہ سرکارﷺ کی وصیت اس بارے میں تھی، اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب سرکارﷺ کا وصال ہوا تو مردوں نے داخل ہوکر نمازِ جنازہ بغیر امام کے متفرق طور پر پڑھی، مردوں کے فارغ ہونے کے بعد عورتوں نے داخل ہوکر اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھی، پھر غلاموں نے اسی طرح نمازِ جنازہ ادا کی، اور سرکارﷺ کی نمازِ جنازہ میں کوئی امام نہ تھا، سیدنا امام مالک وسیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک اس طرح پر متعدد بار بتکرار نمازِ جنازہ کا ہونا سرکارﷺ کے خصائص مبارکہ میں سے ہے، اور مصنف کے اس اقتصار میں کہ نمازِ جنازہ کی دعائے معروف کے بغیر نماز ہوئی، اس امر کا افادہ کرنا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سرکارﷺ کی نمازِ جنازہ معروفہ پڑھی، اور صرف دعاء پر اقتصار نہیں کیا۔ امر واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ قاضی عیاض وعلامہ نووی نے فرمایا کہ قول صحیح جس پر جمہور ہیں وہ یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام پر جونماز ہوئی، وہ حقیقی نماز تھی صرف دعائے محض نہ تھی۔

اس کے آگے زرقانی میں بعض ان لوگوں کا قول مذکور ہے جونمازِ جنازہ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں، پھر ان کے قول کا رد بھی مذکور ہے۔ وھو ھذا۔

وعدطائفةمن خصائصه انه لم يصل عليه اصلا و انماكان الناس يدخلون ارسالافيد عون ويصدقون علىٰ ظاهرحديث عليٍ وعلل بانه لفضله وشرفه غير محتاج للصلوٰة عليه وردبان المقصود من الصلوٰة عليه عود التشريف علىٰ المسلمين مع ان الكامل يقبل زيادة التكميل. کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھی ہی نہیں گئی، یہ ان کے خصائص میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ متفرق طور پر آتے تھے، دعاء کرتے اور آپﷺ کی تصدیق کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہر یہی ہے۔ اس کی علت یہ بتائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فضل وشرف کی وجہ سے نماز کے محتاج نہیں تھے۔ اس کا رد یوں کیا گیا کہ نماز سے مقصود مسلمانوں کو شرف و

فضیلت سے مشرف کرنا تھا۔ نیز یہ کہ کامل تکمیل میں مزید اضافہ کو قبول کرتا ہے۔

شفائے قاضی عیاض مع نسیم الریاض للعلامہ احمد شہاب الدین الخفاجی مصری جلد ثالث ص ۲۸۳ و ۲۸۴ میں ہے۔

(وصلاة الملائكة علىٰ جسده)(علىٰ ماروينا فى بعضها) اى فى بعض طرق حديث الوفاة وهو ماروى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه انه لما جهز صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الثلاثاء وضع على سريره فى بيته فصلت عليه الملائكة فوجا فوجائم الناس فوجا فوجا ثم نساء ہ ثم النساء ثم الصبيان ولم يومهم احدوكان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اوصىٰ بذالک و ذالک لعظم امرٖہ ولئلايتنا فسون فى الامامة والخلافة لان الخليفة يستحقها ومن زعم ان المراد بالصلوٰة مجرد الدعاء دون صلوٰة الجنازة لم يات بشئى وكونه لم يومهم احد ذكره الامام الشافعى رضى الله تعالىٰ عنه فى الام وغيره و صححوه وحكمة ماذكرو لم يدع له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بدعاء الجنازة المشهور كماذكره السهيلى بل قالوا انا نشهد انک بلغت الامانة ونصحت الامة الىٰ اٰخر ماذكره و الحديث بطوله مذكور فى كثير من كتب الحديث تركناه لطوله. یعنی حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ فرشتوں نے سرکار دوعالم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے جسدِ اقدس جسمِ اطہر پر نمازِ جنازہ پڑھی، اس کا تذکرہ ہم نے وفات کی حدیث میں کیا ہے، اور وہ حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب منگل کے روز سرکار دوعالم علیہ الصلاۃ والسلام کو غسل کے بعد کفن پہنا کر تخت پر حجرۂ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں رکھا گیا تو حضور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازِ جنازہ فرشتوں کی جماعت نے پڑھی، پھر مردوں کی جماعت نے، پھر آپ کی ازواجِ مطہرات نے، پھر دیگر عورتوں نے، پھر بچوں نے پڑھی اور نمازِ جنازہ میں کسی نے امامت نہیں کی اور حضور ﷺ نے بغیر امام کے نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی، اور یہ وصیت بمقتضائے عظمت امرِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھی، نیز اس لئے تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم امامت وخلافت کے بارے میں نہ پڑیں، چونکہ خلیفہ ہی مستحقِ امامت ہوتا ہے اور جس نے یہ گمان کیا ہے کہ اس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد صرف دعا ہے، نمازِ جنازہ مراد نہیں تو وہ اس بارے میں کوئی معتبر دلیل ذکر نہ کرسکا، سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ کا بغیر کسی امام کے ہونا اور اس کی حکمت کو حضرت سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الام'' میں اور ان کے سوا دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے، اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ میں جنازہ کی مشہور دعا نہیں پڑھی گئی، اس کو محدث سہیلی نے ذکر کیا ہے، بلکہ دعائے مشہور و ماثور کی بجائے دعا میں یہ پڑھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے امامت کی تبلیغ فرمائی اور امت کو نصیحت کی (الیٰ اٰخر الحدیث) یہ طویل حدیث بہت سی احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے، ہم نے طول کی وجہ سے حدیث کو بیان نہیں کیا۔

شرح شفائے قاضی عیاض للملا علی القاری الحنفی المکی مصری جلد ثالث ص ۳۸۳ میں ہے۔

فی بعض الروایات والاسانید من انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال و ان الملائکۃ ید خلون قبلکم من حیث یرونکم ولا ترونھم فیصلون علی صلاۃ الجنازۃ بتحریم و تکبیر و تسلیم ثم صلی علیہ اصحابہ کذالک کمار واہ یحییٰ بن یحییٰ فی المؤطا بلاغاً قال اخبر نا مالک انہ بلغہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین و دفن یوم الثلاثاء وصلی علیہ الناس افذا ذالایومھم احدور واہ الشافعی فی الام بلفظ فقد صلی الناس علیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرادی لایو مھم احدوذالک لعظم امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتنا فسھم فی ان لاینوی الامامۃ فی الصلوۃ علیہ واحد من الائمۃ صلواعلیہ مرۃ بعد مرۃ اقول الاظھر انھم صلوا علیہ فی محلہ ولا کان یسع ذالک المحل اما ما لقومہ کلہ فصلوا فرادیٰ لادراک فضلہ و تکرار الصلوۃ علیہ من خصوصیات حکمۃ ھذا، ومن زعم ان المرادبالصلوٰۃ ھنا الدعاء فقد عدل عن الحقیقہ من غیر قرینۃ صارفۃ. یعنی ان بعض روایات واسانید میں یہ ہے کہ حضور سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ فرشتے تم سے پہلے داخل ہوں گے، وہ تم کو دیکھتے ہیں اور تم ان کو نہیں دیکھتے ہو پس وہ فرشتے تحریم وتکبیر وتسلیم کے ساتھ میری نمازِ جنازہ پڑھیں گے، اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم جمعین نے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی جیسا کہ اس پوری حدیث کو یحییٰ بن یحییٰ نے مؤطا میں روایت کی ہے، یحییٰ بن یحییٰ نے کہا کہ ہم سے امام مالک علیہ الرحمہ نے حدیث بیان کی کہ ان کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی اور منگل کے دن دفن ہوئے اور حضور ﷺ کی لوگوں نے علٰحدہ علٰحدہ نمازِ جنازہ پڑھی، اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الام'' میں باین لفظ یہ حدیث روایت کی ہے کہ لوگوں نے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ تنہا تنہا بغیر امام کے پڑھی، اس طرح نمازِ جنازہ امر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور لوگوں کے امرامامت میں پڑنے کی وجہ سے ہوئی۔ لوگوں نے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ متعدد بار پڑھی۔ میں کہتا ہوں ظاہر ترین بات یہ ہے کہ سرکار ﷺ کا جنازہ حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تھا، وہاں اتنی گنجائش ہی نہ تھی کہ ساری قوم ایک امام کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھتی، اس لئے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ علٰحدہ علٰحدہ پڑھی گئی کہ ہر فرد کو سرورِ کائنات ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی فضیلت میسر ہو اور سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ کا متعدد بار بتکرار ہونا ان کے احکامِ مخصوصہ وخصائص میں سے ہے۔ اس کو محفوظ کرلو، اور جس نے یہ گمان کیا ہے کہ لفظ ''صلوٰۃ'' سے مراد یہاں دعاء ہے، تو اس نے بغیر قرینہ صارفہ کے حقیقی معنی سے اعراض وعدول کیا ہے۔

طحطاوی علی الدر المختار مصری جلد اول ص ۳۷۲ میں ہے۔

وفی الخصائص لما غسل و کفن و وضع علی السریر صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم دخل ابوبکر وعمرفی الصف الاول وقالا حیال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و معهما نفر من المها جرین و الانصار بقدرمایسع البیت فقالا السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ و برکاته وسلم المهاجرون والانصار مثلهما ثم صفوا صفوفالایؤمهم احد و ابوبکر و عمر اللهم انا نشهد انه بلغ ماانزل اللہ و نصح لامته وجاهد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینه وتمت کلمته و اٰمن بـه وحده لاشریک له فاجعلنا الٰهنا ممن یتبع القول الذی انزل معه و اجمع بیننا و بینه حتی تعرفه بنا وتعرفنا به فانه کان بالمومنین رؤفا رحیما لایبتغی بالایمان بدلاولا یشتری به ثمنا ابدا ویؤمن الناس علیٰ دعائهم و یخرجون ویدخل اٰخرون حتی صلی الرجال ثم النساء ثم الصبیان و قد قیل انهم صلوا علیه من بعد الزوال یوم الاثنین الیٰ مثله من یوم الثلاثاء وقیل انهم مکثواثلثة ایام یصلون علیه وهذا الصنیع وهو صلاتهم علیه فرادیٰ لم یومهم احد امرمجمع علیه اه ابوالسعود.

طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۳ میں ہے۔

روی انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لماغسل و کفن ووضع علی السریر دخل ابوبکر وعمر وهما فی الصف حیال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم و معهما نفرمن المهاجرین والانصار بقدر مایسع البیت فقالا السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاته وسلم المهاجرون والانصارکما سلم ابوبکر و عمر ثم قالا اللهم انا نشهد انه بلغ ماانزل الیه و نصح لامته وجاهد فی سبیل اللہ حتی اعزاللہ دینه وتمّت کلمته واومن به وحده لاشریک له فاجعلنا الٰهنا ممن یتبع القول الذی معه و اجمع بیننا و بینه حتی تعرفـه بنا و تعرفنا به فانه کان بالمومنین رؤفـا رحـیما لایبتغی بالایمان بد لاولایشتری به ثمنا ابدا و الناس یقولون اٰمین ویخرجون ویدخل اٰخرون حتی صلی الرجال و النساء ثم الصبیان وقد قیل انهم صلوا من بعد الزوال یوم الاثنین الیٰ مثله من یوم الثلاثاء وقیل انهم مکثواثلاثـة ایام یصلون علیه وهذا الصنیع وهوصلواتهم علیه فرادیٰ لم یؤمهم احد امر مجمع علیه لاخلاف فیه اه ابو سعود من السید عن الخصائص. یعنی کتاب الخصائص میں روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر تخت پر رکھا گیا تو سیدنا ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں داخل ہوئے یہ دونوں صف میں سرکار ﷺ کے سامنے تھے، اوران دونوں کے ساتھ مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اتنی مقدار میں تھے جتنے حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں سما سکیں، توان دونوں نے السلام علیک ایھا النبی

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا، اور حضرات مہاجرین والانصار نے بھی بار گاہ رسالت میں سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح سلام عرض کیا، پھر ان دونوں نے یہ دعا کی۔ **اللهم انا نشهد "الى "لا يشترى به ثمنا ابدا.**

اس دعا پر جو صحابہ حاضر تھے وہ آمین کہتے اور پھر باہر نکلتے اور دوسرے صحابہ داخل ہوتے یہاں تک کہ مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پیر کے دن بعد زوال سے منگل کے دن بعد زوال تک صحابہ کرام سرکار ﷺ کی نماز جنازہ پڑھتے رہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین دن تک حضرات صحابہ کرام سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے اور یہ کام کہ صحابہ کرام بغیر امام کے سرکار ﷺ پر علحدہ علحدہ نماز پڑھتے رہے، ایسا کام ہے، جس پر اجماع ہے کسی کا اختلاف نہیں۔ (منہ)

یہ ترجمہ طحطاوی کی دونوں عبارتوں کا ہے، جو علامہ ابوجو حضرت مفتی ابوالسعو د مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار مصری ص ٣٧٧ ہے۔

قد مناه قريبا من تكرار الصحابة الصلاة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ثم رأيت فى ابو السعود ان ذالك من خصوصياته صلى الله تعالى عليه وسلم اه و لعله لعدم اهتدائهم على نصب امام. یعنی ہم نے کچھ پہلے قریب میں اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد بار بتکرار نمازِ جنازہ پڑھی، پھر میں نے ابو السعود میں دیکھا کہ نماز جنازہ کی تکرار اگرچہ شرعاً غیر مشروع ہے، لیکن یہ سرکار ﷺ کے خصوصیات میں سے ہے، اور شاید نمازِ جنازہ کا بتکرار ہونا اس لئے تھا کہ اس وقت تک سرکار ﷺ کے کسی نائب وخلیفہ کا انتخاب نہ ہو سکا تھا۔ (منہ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص ٢٥٧ میں ہے۔

صلوة الصحابة عليه صلى الله عليه وسلم افواجا خصوصية كما ان تاخر دفنه من يوم الا ثنين الى ليلة الاربعاء كان كذالك لانه مكروه فى حق غيره بالا جماع اولا نها كانت فرض عين على الصحابة لعظيم حقه صلى الله تعالى وسلم عليه و عليهم. یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ متعدد بار مختلف جماعتوں کا بغیر امام کے پڑھنا خصوصیت ہے، جیسا کہ دفن میں پیر کے دن سے بدھ کی رات تک تاخیر کرنا بھی خصوصیت کی بات ہے، اس لئے کہ سرکار ﷺ کے سوا کسی کی نماز جنازہ اس طرح پڑھنا اور دفن میں اتنی تاخیر کرنا بالاجماع مکروہ ہے، یا سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ متعدد بار صحابہ کرام نے اسلئے پڑھی کہ سرکار ﷺ کے عظیم ترین حقوق کی وجہ سے جملہ صحابہ پر حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ فرض تھی۔

غنیۃ المستملی ص ٥٣٨ میں ہے۔

ولان الصحابة صلوا على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم افرادالا يومهم احد وروى انه عليه السلام اوصى بذالک ذکره البزار والطبرانى. یعنی بزاراور طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہماری نماز فرداً فرداً بغیر امام کے پڑھی جائے، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بحسبِ وصیت علٰحدہ علٰحدہ پڑھی اور ان کا کوئی امام نہ تھا۔

اسی میں ہے۔

وان ابابکر الصديق رضى الله تعالى عنه صلى على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فکبر اربعا. یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار ﷺ کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھی۔ (منہ)

ماثبت بالسنۃ ص ۱۴۰ میں ہے۔

روى عن محمد انه صلى على النبى بغير امام وفى رواية افرادالايومهم احد يدخل المسلمون زمرا فيصلون عليه ويخرجون فلما صلى عليه نادىٰ عمر بن الخطاب خلوا الجنازة واهلها وفى رواية صلى عليه على والعباس وبنو هاشم ثم دخل المهاجرون ثم الانصار ثم الناس، يصلون عليه افرادالايومهم احد ثم النساء ثم الغلمان قيل انه اوصى بذالک. یعنی حضرت محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنازہ کی نماز بغیر امام کے ہوئی، اور ایک روایت میں ہے جدا جدا ان کا کوئی امام نہیں تھا، مسلمان جوق درجوق آتے تھے پس نماز پڑھتے تھے اور چلے جاتے تھے، جب نماز پڑھ چکے تو عمر بن الخطاب نے آواز دی جنازہ اور اہل جنازہ کو چھوڑ دو اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حضرت علی اور حضرت عباس اور حضرات بنی ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز پڑھی پھر مہاجر آئے، پھر انصار آئے پھر اور لوگ جدا جدا نماز پڑھتے تھے، ان کا کوئی امام نہیں تھا، پھر عورتوں نے نماز پڑھی، پھر لڑکوں نے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی وصیت فرمائی تھی۔ (منہ)

اسی کے ص ۱۴۱ میں ہے۔

قال ابن الماجشون لماسئل كم صلى عليه صلوة قال اثنان وسبعون صلاة فقيل من اين لک هذا من الصندوق الذى تركه مالک بخطه عن نافع عن ابن عمر كذافى سيرة مغلطائى وفى حديث ابن ماجة لمافرغوا من جهازه يوم الثلاثاء وضع على سريره فى بيته ثم دخل الناس عليه ارسالا يصلون عليه حتى اذا فرغوا دخل النساء حتى اذافرغن دخل الصبيان ولم يوم الناس على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم. یعنی ابن

ماحوذن کہتے ہیں کہ جب یہ پوچھا کتنی بار حضرت ﷺ پر نمازیں ہوئیں؟ کہا بہتر نمازیں ہوئیں، پھر کسی نے کہا تم کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہا صندوق میں سے جس کو مالک نے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا چھوڑا تھا، بروایت ابن عمر۔ یہ سیرت مغلطائی میں ہے، اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ﷺ کی تجہیز سے منگل کے روز فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے گھر میں تخت پر رکھا، پھر وہاں لوگ گروہ درگروہ آ کر نماز پڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب مرد فارغ ہو چکے تو عورتیں آئیں، جب عورتیں بھی پڑھ چکیں تو لڑکے آئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں کسی نے امامت نہیں کی۔ (منہ)

ابن ماجہ اصح المطابع لکھنو کے ص ۱۱۸ میں ایک طویل حدیث کے اندر بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ مرقوم ہے۔

فلما فرغوا من جهازه يوم الثلاثاء وضع على سريره في بيته ثم دخل الناس على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ارسالا يصلون عليه حتى اذافرغوا ا دخلوالنساء حتى اذافرغوا ادخلوالصبيان ولم يؤم الناس على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم احد. یعنی جب سرکار ﷺ کی تجہیز و تکفین سے حضرات صحابہ کرام منگل کے دن فارغ ہوئے تو سرکار ﷺ کو تخت پر ان کے حجرۂ مبارکہ میں رکھا گیا، پھر لوگ جنازۂ پاک پر باری باری متفرق طور پر داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے تھے، یہاں تک کہ مردوں کے فارغ ہونے کے بعد عورتیں داخل ہوئیں، جب عورتیں نماز جنازہ سے فارغ ہوئیں تو بچے داخل ہو کر سرکار ﷺ کی نماز جنازہ میں مصروف ہوئے، اور سرکار ﷺ کی نماز جنازہ میں نماز پڑھنے والوں کا کوئی امام نہ ہوا۔

شرح مسلم شریف جلد اول ص ۳۱۲ میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ سے نقل فرماتے ہیں۔

قال القاضي عياض رضي الله تعالى عنه ذكر مسلم تكفين النبي صلى الله تعالى عليه وسلم واقباره ولم يذكر غسله والصلوة عليه ولا خلاف انه غسل واختلف هل صلى عليه فقيل لم يصل عليه احد اصلا وانما كان الناس يد خلون ار سالايد عون وينصر فون واختلف هؤلاء في علة ذالك فقيل بفضيلته فهو غني عن الصلوةعليه وهذا ينكسر بغسله وقيل بل لانه لم يكن هناك امام وهذا غلط فان امامة الفرائض لم تتعطل ولان بيعة ابي بكر كانت قبل دفنه وكان امام الناس قبل الدفن والصحيح الذى عليه الجمهور انهم صلوا عليه فرادىٰ فكان يدخل فوج يصلون فرادىٰ ثم يخرجون ثم يد خل فوج اخر فيصلون كذالك ثم دخلت النساء بعد الرجال ثم الصبيان. یعنی امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امام مسلم علیہ الرحمہ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تکفین اور حضور ﷺ کے قبر میں اتارنے کا ذکر کیا اور سرکار ﷺ کے غسل دینے کا اور نماز جنازہ کا ذکر نہیں کیا، اس میں

تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ سرکار ﷺ کو غسل دیا گیا ہے، بلکہ اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی، پس کہا گیا ہے، کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ مطلقاً کسی نے پڑھی ہی نہیں، صرف لوگ حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں متفرق طور پر داخل ہوتے اور دعا کر کے واپس ہو جاتے۔ ان منکرین نمازِ جنازہ نے اس کی علت میں اختلاف کیا ہے، بعض نے یہ علت بیان کی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی فضیلت کے باعث نمازِ جنازہ سے بے نیاز ہیں اور یہ قول سرکار ﷺ کے غسل دینے کے مناقض و مخالف ہے، (اگر فضیلت کے باعث سرکار ﷺ نمازِ جنازہ کے محتاج نہ تھے تو سرکار ﷺ کو غسل بھی نہ دیا جاتا) اور دوسری علت منکرین کی جانب سے یہ بیان کی گئی ہے کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ اس لئے نہ ہوئی کہ وہاں کوئی امام ہی نہ تھا۔ یہ علت غلط ہے اس لئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت اور خلافت و امامت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دفن سے پہلے وقوع پذیر ہو چکی تھی، اور دفن سے پہلے ہی وہ لوگوں کے امام ہو چکے تھے، اور وہ صحیح بات جس پر جمہور ہیں، یہ ہے کہ صحابہ نے سرکار ﷺ کی نماز جنازہ علحدہ علحدہ پڑھی، یعنی ایک جماعت داخل ہو کر بغیر امام کے نمازِ جنازہ پڑھتی، اور باہر ہو جاتی پھر دوسری جماعت داخل ہو کر اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھتی۔ مردوں کے عورتوں داخل ہوئیں پھر عورتوں کے بعد بچے داخل ہوئے اور سب نمازِ جنازہ اسی طرح بغیر امام کے پڑھتے گئے۔ (منہ)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شامی جلد اول ص ۶۵۰ کے حاشیہ ''منھیہ'' میں نہایہ شرح ہدایہ اور مبسوط سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ان تاویل صلوة الصحابة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ان ابا بكر رضى الله تعالى عنه كان مشغولا بتسوية الامور وتسكين الفتنة وكانوا يصلون عليه قبل حضوره وكان الحق له فلما فرغ صلى عليه ثم لم يصل عليه احد بعده. یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بار بار پڑھی، اس کی تاویل یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امور کے اصلاح میں اور فتنے کی تسکین میں مصروف تھے، اس لئے صحابہ ان سے پہلے حضور ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے، حالانکہ نماز پڑھنے کا اصل حق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھا، جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہوئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر ان کے بعد کسی نے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی،

پھر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسی حاشیہ منھیہ میں دوسرا قول آگے تحریر فرماتے ہیں۔

ان الولاية كانت للعباس عم النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يكن صلى قبل ابى بكر. یعنی سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ کی ولایت کا حق حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھا، انھوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ (منہ)

اگرچہ ان دونوں عبارتوں کا مضمون روایات صحیحہ سابقہ کے معارض ومخالف ہے، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ ہونے پر صراحۃً دال ہے۔ وھو المدعیٰ.

اسی قسم کا مضمون علامہ شامی نے منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق مصری جلد ثانی ص ۱۸۲ میں بھی تحریر فرماتے ہیں۔

وھو ھذا، وھکذاتا ویل فعل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مشغولا بتسویۃ الامور وتسکین الفتنۃ فکانوا یصلون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لانہ ھوالخلیفۃ فلمافرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد بعدہ علیہ. اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل کی تاویل کی جائے گی، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امورِ خلافت کی درستگی اور فتنہ کو ٹھنڈا کرنے میں مشغول تھے۔ لوگ آپ کے آنے سے پہلے نماز پڑھ رہے تھے۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے آپ کا حق تھا تو جب آپ فارغ ہوئے، نماز جنازہ پڑھی۔ پھر آپ کے بعد کسی نے حضور کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

مدارج النبوت جلد اول مطبوعہ نولکشور کان پور ص ۱۶۸ میں ہے۔

از آں جملہ آنست کے نمازِ جنازہ گزاردند برآنحضرت فوج درفوج مسلمانان بے امام ودفن کردہ شد بعداز سہ روز از وفاتِ شریف"

اسی کی جلد ثانی مطبوعہ نولکشور لکھنو کے ص ۴۴۰ میں ہے۔

"نماز گزاردن برآنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ جماعت نبودہ جماعت می درآمدند بروے ونماز گزاردند بے جماعت وبیروں می آمدند۔ پس جماعت دیگری درآمدندومی گذاردندو جثہ شریف ہم درخانہ بود کہ غسل دادہ بودند درآں نخست مرداں درآمدند۔ وچوں مرداں فارغ شدند نساء درآمدند وبعداز نساء صبیان گزاردند ہمچنانکہ ترتیب صفوف ست در جماعت امامت نہ کرد، بر جنازہ شریف رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیچ یکے از امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ست کہ فرمود در جنازہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیچ کس امامت نکرد زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحیات وممات امام شماست وایں از خواص آنحضرت است علیہ السلام کہ نماز ہا متعدد کردند وتنہا تنہا گزاردند ودر روایتے آمد اول کسے کہ نماز گزارد بروے اہل بیت وے بود علی وعباس وبنو ہاشم پس ازاں درآمدند مہاجراں بعدازاں انصار، پستری درآمدند مردم فوج فوج ونماز می گذاردند۔

اشعۃ اللمعات جلد رابع کشوری ص ۶۰۳ میں ہے۔

"ونماز گذاردند برآنحضرت تنہا تنہا وامامت نہ کرد ہیچ کس جماعہ جماعہ می آمدند ونماز می گذارند، ......لوگ تنہا تنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ ادا کرتے تھے، کوئی امام نہیں ہوتا تھا، ایک گروہ آتا نماز پڑھتا، پھر دوسرا آتا نماز ادا کرتا۔

شرح سفر السعادہ کشوری ص ۳۶۰ میں ہے۔

> وما می گوئیم کہ نماز گذاردن بر میت از برائے اظہار کرامت اوست وشہید سزاوار تر ست بآں وطاہر از ذنوب مستغنی نیست از دعائے رفع درجات وطلب مزید رحمت ولہذا صلوٰۃ بر حضرت رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کردند و بر صبیان می کنند باوجود طہارت ایشاں از ذنوب، ہم کہتے ہیں کہ میت پر نمازِ جنازہ پڑھنا اس کی فضیلت وکرامت کے اظہار کیلئے ہے۔ اور شہید اس کا زیادہ مستحق ہے۔ گناہ سے پاک ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بلندی درجات کی دعاء سے بھی بے نیاز ہو جائے۔ لہٰذا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ بچوں کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے باوجودیکہ یہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

جمہور اہل سنت کے خلاف جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کا انکار کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی فضیلت اور علو درجت کے باعث نمازِ جنازہ سے بے نیاز وغنی تھے، اس علت ودلیل کے ردو انکار میں حضرات فقہاء وعلماء نے متعدد دلیلیں ذکر کی ہیں، جن میں بعض کا تذکرہ عبارات مندرجہ بالا میں ہوا۔

اسی دلیل کے ماتحت حضرات شہدائے کرام کی نماز جنازہ کا بھی بعض فقہائے عظام نے انکار کیا تو اس کے رد میں دوسرے فقہاء نے یوں نقض وارد کیا اور منکرین پر الزام قائم کیا کہ اگر نمازِ جنازہ کا منشا فقط دعائے مغفرت قرار دیا جائے تو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً سید انبیاء علیہ التحیۃ والثناء، اور بچے کی نماز نہیں پڑھی جاتی، حالانکہ نبی وصبی کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کا مقصد محض دعاے مغفرت نہیں ہے، بلکہ ازدیاد منزلت اور رفع منصبت اور علو درجت اور ظہار کرامت بھی ہے۔ اس ردو انکار سے بھی التزاماً یہ ثابت ہوتا ہے کہ سید انبیاء حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی نمازِ جنازہ ہوئی اور دلیل مخالفین منقوض ومجروح اور نا قابل اعتبار ہے۔

اس قسم کی عبارتیں بھی کتب دینیہ میں بکثرت وارد ہیں، لیکن میں بطورِ اختصار چند عبارتیں درج کرتا ہوں۔ ھدایہ مع فتح القدیر وعنایہ مصری جلد اول ص ۴۷۴ و ۴۷۵ میں ہے۔

> والشافعی یخالفنا فی الصلوۃ ویقول السیوف محاء للذنوب فاغنی عن الشفاعۃ ونحن نقول الصلوۃ علی المیت لاظہار کرامتہ والشہید اولی بہا والطاہر عن الذنوب لا یستغنی عن الدعاء کالنبی والصبی. شہید پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں حضرت شافعی کا ہم سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں ”تلواریں گناہوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہیں لہٰذا شفاعت سے بے نیازی ہوگئی۔“ ہم کہتے ہیں کہ میت پر نماز پڑھنا اس کی فضیلت کو ظاہر کرنے کیلئے بھی ہے اور شہید تو اس کا زیادہ مستحق ہے۔ گناہوں سے پاک ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ دعاء سے بھی مستغنی ہو جائے۔ جیسے حضرات انبیاء اور بچوں پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

عنایہ میں ہے۔

واما الصلوٰة عليه فقد خالفنا الشافعي و قال السيف محاء للذنوب فاغنى عن الشفاعة وقلنا الصلوٰة على الميت لاظهار كرامته والشهيد اولى بالكرامة وقوله (والطاهر عن الذنوب) جواب عن قوله السيف محاء للذنوب وهو ظاهر قال المصنف (والطاهر عن الذنوب لايستغني عن الدعاء كالنبي والصبي) اقول قال ابن الهمام لو اقتصر على النبي صلى الله عليه وسلم كان اولى فان الدعاء في الصلوٰة على الصبي لابويه انتهى وفيه بحث. ان کاقول (گناہوں سے پاک شخص) یہ اس قول "تلوار گناہوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے" کا جواب ہے۔ یہی ظاہر ہے۔ مصنف نے کہا (گناہوں سے.................) میں کہتا ہوں ابن ہمام نے کہا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اقتصار کرتے تو زیادہ اچھا تھا۔ کیونکہ بچے کی نماز جنازہ میں دعاء اس کے ماں باپ کیلئے ہوتی ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔

(قوله كالنبي والصبي) لواقتصر على النبي كان اولى فان الدعاء في الصلوٰة على الصبي لابويه. ان کاقول مثلاً نبی اور بچہ۔ اگر نبی ہی پر اقتصار کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ کیونکہ نماز میں بچے پر دعاء اس کے باپ کے لئے ہوتی ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۸۰ میں ہے۔

والصلوٰة على الميت لاظهار كرامته حتى اختص بهاالمسلم وحرم المنافق و الشهيد اولى بهذه الكرامة. ان کاقول (جیسے نبی اور صبی [بچہ]) نماز جنازہ میت کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے مسلمان ہی کی نماز پڑھی جائیگی۔ منافق کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے۔ شہید تو اس شرف کا زیادہ مستحق ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

وما قيل انها الا ستغفار وهم مغفور لهم فمنقتض بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصبي بحرعن الهداية. اور یہ قول کہ یہ استغفار ہے اور یہ حضرات بخشے بخشائے ہیں تو اس میں کوئی مضبوطی نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور نابالغ کی بھی پڑھی جاتی ہے۔

طحطاوی علی الدر المختار مصری جلد اول ص ۳۸۵ میں ہے۔

وما قيل انها للاستغفار وهم مغفور لهم فمنتقض بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم والصبي بحرعن الهداية. اور یہ جو کہا گیا کہ نماز جنازہ استغفار ہے اور یہ لوگ تو بخشے ہوئے ہیں تو ان کا یہ قول نبی ﷺ پر نماز جنازہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۹۵ میں ہے۔

قال الشافعی لا یصلی علیه لان السیف محاء الذنوب فاغنی عن الشفاعة قلنا الصلوة علیه لاظهار کرامته والشهید اولی. امام شافعی نے کہا: شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ تلوار گناہوں کو ملیامیٹ کردیتی ہے۔ لہٰذا شفاعت سے بے نیاز ہوگیا۔ ہمارا کہنا ہے کہ نماز بطورِ اظہارِ کرامت ہے۔ اور شہید اس کا زیادہ مستحق ہے۔

بحرالرائق شرح کنز الدقائق مصری جلد ثانی ص ۱۹۷ میں ہے۔

وماقیل من انها للاستغفاروهم مغفور لهم فمنتقض بالنبی و الصبی کما فی الهدایة.

رسائل ارکان ص ۱۵۷ میں ہے۔

وماقال الشافعی "السیف محاء الذنوب" لا یوجب عدم الصلواة بجواز کو نهالار تفاع الدر جات وتکریم المیت الاتری انه یصلی علی الانبیاء. یہ جوامام شافعی نے کہا کہ تلوار گناہوں کو ملیا میٹ کردیتی ہے۔ اس سے شہید پر نمازِ جنازہ کی عدمِ ضرورت کا اظہار نہیں ہوتا، کیونکہ نماز جنازہ بلندی درجات اور عزت افزائی میت کیلئے بھی ہوتی ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ انبیاء کی بھی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی ہے۔

جملہ عبارات مندرجہ بالا سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ومبرہن ہوا کہ حضور سید انبیاء حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی نمازِ جنازہ ہوئی اور یہی قول راجح وصحیح اور قوی ووجیہ ہے۔ اسی لئے عالم اسلام کے ہر بر بحر میں جوان وکبیر وصغیر کا یہی مسلک وخیال وعقیدہ ہے کہ رسولِ مقبول علیہ الصلاۃ والتسلیم کی نمازِ جنازہ ہوئی اور جب کسی فرد مسلم کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ نہیں ہوئی تو وہ حیرت واستعجاب میں پڑجاتا ہے۔ اسی لئے میں نے اس مسئلہ کی تحقیق انیق میں کثیر کتابوں کا مطالعہ کر کے عبارات راجحہ کو درج کردیا، تاکہ جمہور اہل سنت وجماعت کا مسلک صحیح سامنے آجائے اور قلوبِ مومنین کو اطمینان وسکون حاصل ہو۔ هذا ما عندی والله سبحانه وتعالی اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم.

نوٹ: سیدنا حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے متعلق حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے جس شرح وبسط کے ساتھ بحث فرمائی ہے، میری نظر میں اردو کی کسی کتاب میں اب تک ایسی انیق اور مدلل بحث نہیں کی گئی ہے۔ حضرت مصنف علی الرحمہ نے اپنی اس مبارک تحقیق میں بلا واسطہ حدیث وفقہ کی تقریباً پچیس کتابوں سے حوالہ جات نقل فرمائے ہیں اور تحقیق واثبات وجرح وتعدیل کے ایسے جواہر پارے بکھیرے ہیں کہ ہر قاری اس اعتراف حقیقت پر مجبور ہوگا کہ بلاشبہ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نہایت ممتاز فقیہ اور محققانہ نظر وفکر کے مالک تھے اور قوت استنباط، کثرت مطالعہ اور اصابت رائے کی دولت بھی آپ کے اندر خوب سے خوب تر تھی۔ کلیمی ۱۲،

کتاب الصوم (روزہ کا بیان)

مسئلہ ۶۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:
(۱): لوگ روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ (۲): روزہ کے لیے خاص مہینہ کیوں مقرر ہوا؟ (۳): روزہ رکھنے میں سحری کیوں کھانا ہوتا ہے؟

مسئولہ ثناء اللہ، حسین پور، بھاگل پور

الجواب: سوالات نہایت جاہلانہ قسم کے ہیں، بندہ کو چاہئے کہ شان بندگی میں رہے اور احکام الٰہیہ پر اعتراض نہ کرے اور یہ خیال کرے کہ جب میرا خالق ومالک حکیم مطلق ہے تو اس کا ہر حکم حکمتوں پر مبنی ہے۔ ہم اپنے دنیاوی امور میں اگر طبیب وحکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، جب وہ مرض کی تشخیص کرتا ہے اور دوائیں تجویز کرتا ہے اور پرہیز بتاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ یہ دوائیں اس طرح اس وقت استعمال کرو اور فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو تو ہم اس کا حکم مان لیتے ہیں اور اس کی تجویز کردہ دوائیں استعمال کرتے ہیں اور اشیائے ممنوعہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ ہمیں طبیب وغیرہ پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں کہ حکیم صاحب آپ نے فلاں دوا کیوں تجویز کی اور فلاں چیز سے پرہیز کا حکم کیوں دیا تو اپنے خالق ومالک حکیم مطلق کے کسی حکم پر کوئی اعتراض کریں ہمارے لیے کسی طرح زیبا نہیں۔ ہم اپنے کسی مقدمہ میں بڑے سے بڑے بیرسٹر کو پیروکار بنائیں تو اسکی ہر پیروی ہر بات قابل تسلیم ہوتی ہے۔ ہمیں اس کی کسی پیروی پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں تو پھر اپنے رحیم وکریم احکم الحاکمین جل وعلا کے کسی حکم پر اعتراض کریں کس طرح شایاں ہوسکتا ہے، پھر ہماری عقل قاصر اور سائل کی قابلیت ومبلغ علم ہی کیا کہ احکام الٰہیہ کی حکمتوں کو کماحقہ سمجھ سکیں، اور ان کا ادراک کرلیں۔ آج دنیاوی حکومت کوئی حکم نافذ کرے، ہم اس کی حکمتوں کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، پھر احکم الحاکمین کے کسی حکم کی حکمتوں کو سمجھ لیں غیر ممکن ہے۔ جناب سائل سے سوال ہے کہ آپ نے پہلے خلقت الٰہیہ کی حکمتوں کو سمجھ لیا ہوتا جب احکام الٰہیہ کی حکمتوں کو دریافت کرتے۔ کیا آپ نے خلقت الٰہیہ کی تمام حکمتوں کا ادراک کرلیا ہے، جو احکام الٰہیہ کی حکمتوں کو دریافت کرتے ہیں۔

تو کارِ زمیں رانکو ساختی　　　　که با آسماں نیز پرداختی

اگر آپ سے میں خلقت الٰہیہ کی حکمتوں کے بارے میں سوالات کروں تو ہزار سوالات کرلوں اور آپ اس کی حکمتوں کے بتانے سے قاصر رہیں گے۔ مثلاً اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے دو آنکھیں کیوں بنائیں

،کیا ایک آنکھ سے بینائی کا کام انجام نہیں پاسکتا تھا، یا تین چار یا پانچ آنکھیں کیوں نہیں بنائیں، پھر دو آنکھوں کو بنانا تھا تو چہرہ پر کیوں، سر پہ بناتا یا ایک چہرہ پر، ایک سر پر یا ایک پیچھے بناتا، ایک سامنے بناتا، یا ایک سر پر بناتا ایک پیٹھ پر یا ایک چہرہ پر بناتا ایک پاؤں پر علی ھذ القیاس۔ یا اگر یہ سوال کیا جائے کہ ناک سے غلیظ چیز نکلتی ہے، اس کو اسی مقام پر رکھتا جہاں سے غلیظ چیزیں نکلتی ہیں، یعنی مخرج بول و براز کے قریب رکھتا۔ چہرہ پر ناک بنانے کی کیا ضرورت تھی تو سائل متحیر و متعجب ہوں گے۔ وغیر ذالک من الامثال. اب سوالات کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔ یہ وہ جواب ہیں جو میری عقل قاصر میں آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ان جوابوں میں منحصر نہیں، بلکہ اس کے ہر حکم میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ جن کے ادراک سے عقول انسانیہ قاصر و عاجز ہیں۔

(۱): روزہ اس۔ لیے رکھتے ہیں کہ حکم الٰہی پر عمل کر کے آخرت کی زندگی کو کامیاب بنائیں اور نفس کے حکم کو حکم الٰہی کے مقابلہ میں توڑ ڈالیں۔ شہوات وخواہشات کی مخالفت کریں اور ان کو کمزور کریں۔ جن لوگوں کو بآسانی کھانا میسر آتا ہے، انھیں روزہ رکھنے سے بھوک اور پیاس کی کیفیت اور تکلیف معلوم ہو تو وہ بھوکوں اور پیاسوں کی حالتوں پر ترس کھا کر ان کی امداد و اعانت کریں اور جن لوگوں کو کھانا میسر نہیں آتا انہیں بھوک اور پیاس پر صبر کرنے کی عادت ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جس کام کے لیے وقت مقرر ہوتا ہے وہ کام بآسانی انجام پا جاتا ہے ورنہ ٹالتے ٹالتے وہ کام ٹل جاتا ہے۔ اگر روزہ کے لیے بھی وقت و ماہ مقرر نہ کیا جاتا تو محرم سے لے کر ذی الحجہ تک ٹالتے ٹالتے روزہ قضا ہو جاتا، نیز ماہ مقرر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ سب لوگ ایک ہی مہینہ میں روزہ رکھتے ہیں ہر شخص دوسرے شخص کو روزہ دار دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور غیر کو اپنا جیسا روزہ دار دیکھ کر اسے صبر و سکون ہوتا ہے کہ تنہا میں ہی نہیں بھوکا پیاسا ہوں بلکہ سب کا ایک ہی حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۳): سحری کھانے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ کمزور ہیں اور بھوک پیاس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے وہ سحری کھا کر بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے پر قادر ہو جائیں اور جو لوگ طاقتور ہیں وہ سحری کے لیے اٹھیں تو سحری بھی کھائیں اور کچھ عبادت وطاعت بھی کریں نیز سحری اخیر شب میں کھائی جاتی ہے جو بڑے آرام و راحت کا وقت ہے۔ ایسے وقت میں اٹھنا اور کھانا اس میں کسر نفس بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مُفْسِدات روزہ

مسئلہ ۶۳۷: انجکشن مفسد صوم ہے یا صرف مکروہ۔ گوشت اور رگ کے انجکشن کے احکام ایک ہیں یا مختلف؟

مسئولہ.....خیر آباد، ضلع سیتاپور، یوپی، ۲۰ صفر ۱۳۸۴ھ، چہارشنبہ

الجواب: ہر وہ انجکشن جو رگوں میں دیئے جاتے ہیں، وہ مفسد صوم ہیں۔ اگر فی الواقع کوئی انجکشن ایسا ہو کہ اس کی دوا

کا اثر محض گوشت تک محدود ہو اور خون ورگ سے کوئی تعلق نہ ہو جس سے دماغ ومعدہ تک دوا کے اثر کے پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسا انجکشن مفسد صوم نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٣٨ : روزہ میں انجکشن لگوانا یا جسم میں اور ذریعہ سے دوا پہنچانا روزہ کو ساقط کرے گا یا نہیں، جب کہ مریض کی حالت خطرناک بھی ہو؟

مسئولہ راشع علی جمائتی، ۲۸ رشوال ۱۳۹۳ھ شنبہ

الجواب: روزہ کی حالت میں کوئی انجکشن نہ لگوائے، بالعموم انجکشن کی دوا رقیق ورطب ہوتی ہے اور رگوں کے ذریعہ دماغ وآنت میں پہنچتی ہے۔ ایسی ہر دوا بقول سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفسد صوم ہے، اس کے علاوہ ہر ایسی دوا جس کا اثر دماغ وآنت میں پہنچتا ہو، روزہ کی حالت میں اس کا استعمال ہرگز نہ کرے۔ اگر مرض خطرناک ہو تو ہر ممکن وجائز علاج کیا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں مندرجہ بالا طریقہ پر انجکشن لگوانے سے روزہ باقی نہ رہیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٣٩ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین امور ذیل میں کہ بعض علمائے دیوبند نے روزہ میں انجکشن کو جائز لکھا ہے، اور بعضوں نے گوشت والے انجکشن کو جائز لکھا ہے۔ اس کا اثر معدہ تک نہیں پہنچتا، اور اس کے لئے طبیب حاذق کی بھی قید لگائی ہے، جہاں تک احقر کی معلومات کا تعلق ہے، دل سے بڑی نسیں شروع ہوتی ہے۔ اور اس سے جسم کے ہر حصہ میں باریک نسوں یعنی شریانوں کا جال پھیلتا چلا جاتا ہے، جو آخر میں بال کی طرح باریک ہوجاتی ہیں۔ اگر یہ نسیں نہ ہوں تو ہر جگہ دوران خون نہ ہوسکے۔ اگر آپ کی کھال بھی چھلتی ہے تو وہی نسیں خون دیتی ہیں، اور اگر کسی وجہ سے یہ نسیں بند ہوجائیں تو جسم کا متاثرہ حصہ سوجھ جاتا ہے، ہاں جو انجکشن بڑی نس میں لگتا ہے، اس کا اثر فوراً ہوتا ہے، اور جو گوشت میں لگتا ہے، اس کی دوا پہلے باریک نسوں میں پھر رفتہ رفتہ بڑی نسوں میں ہوکر کچھ تاخیر سے پورے جسم میں پہنچتی ہے، لیکن وہ تاخیر گھنٹوں کی ہوسکتی ہے، دنوں کی نہیں اسلئے نس اور گوشت کا سوال ہی غلط محسوس ہوتا ہے، اسی لئے فقہائے کرام نے روزہ میں غرارہ اور ناک میں پانی چڑھانے کو منع لکھا ہے، جب کہ حلق اور نرم بانسے کی تیزی معدہ تک نہیں پہنچتی اور کمل کر بیٹھ کر استنجے کی بھی ممانعت فرمائی ہے، جب کہ مقعد کی تیزی کسی طرح بھی معدہ تک نہیں پہنچتی، کیونکہ درمیان میں آنتوں کا جال اور فضا حائل ہے، اب دریافت طلب یہ امور ہیں۔

(۱): آیا روزہ کی حالت میں انجکشن جائز ہے یا نہیں؟ (۲): اور اگر یہ استثنائے معدہ جائز ہے تو دوا معدہ تک نہ پہنچنے کی کون سی شکل ہے، اور فقہائے کرام کے جزئیات کا کیا جواب ہے؟ (۳): کیا انڈیا کے ڈاکٹروں میں طبیب حاذق کے شرائط پائے جاتے ہیں؟ (۴): وہ شرائط کیا ہیں۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ اختیار حسین، محلہ دیپا سرائے، سنبھل، ضلع مرادآباد، ۲۲ رستمبر ۱۹۷۴ء

الجواب: (۱): روزہ کی حالت میں کسی طرح کا انجکشن خود لگانا یا لگوانا جائز نہیں، چونکہ انجکشن کی دوا رقیق ورطب ہوتی ہے، جو جلد تر نسوں اور رگوں اور شرائین کے ذریعہ دماغ نیز معدہ تک ضرور پہنچتی ہے، اور ہر ایسی دوا اور ہر ایسا علاج جس کا اثر وحصہ دماغ اور معدہ تک پہنچتا ہو بر قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفسد صوم ہے۔ میرے علم وتحقیق میں ایسا کوئی انجکشن نہیں ہے،

جس کا اثر وحصہ دل و دماغ تک نہیں پہنچتا ہو اور جس سے معدہ متاثر نہیں ہوتا ہو۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۹۱ میں ہے۔

وفی دواء الجائفة والآ مه اکثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ لا لکونه رطبا اویا بسا حتی اذا علم ان الیابس وصل یفسد صومه ولو علم ان الرطب لم یصل لم یفسد هکذا فی العنایة واذالم یعلم احد هما وکان الدواء رطبا فعند ابی حنیفة رحمه الله تعالی یفطر للوصول عادة. معدہ دماغ پر پہونچنے والی دواؤں کے سلسلہ میں عامۂ مشائخ کا موقف یہ ہے کہ اعتبار اس بات کا ہے کہ دوا معدہ یا دماغ تک پہنچی یا نہیں۔ اس کا تر وخشک ہونا معیار نہیں۔ چنانچہ اگر پتہ چل گیا کہ خشک چیز معدہ تک پہونچ گئی، روزہ ٹوٹ جائیگا۔ اگر یہ معلوم ہوا کہ تر چیز معدہ تک نہیں پہونچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ایسا ہی العنایہ میں ہے، اور اگر کچھ معلوم نہ ہو اور دوا تر ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ٹوٹ جائیگا، کیونکہ عام طور پر تر دوائیں دماغ ومعدہ تک ہونچتی ہیں۔

یہ جزئیہ نہایت صاف طریقہ پر بتا رہا ہے کہ خشک یا تر جو دوا دماغ ومعدہ تک پہنچتی ہو اور اس کا پہنچنا معلوم ہو مفسدِ صوم ہے، اور جو دوا خواہ خشک ہو یا تر دماغ ومعدہ تک اس کا پہنچنا معلوم نہ ہو وہ مفسد صوم نہیں۔ اور جس دوا کا دماغ ومعدہ تک پہنچنا اور نہ پہنچنا کچھ معلوم نہ ہو لیکن وہ دوا تر ہو تو سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی تر دوا کا دماغ و معدہ تک پہونچنا عادۃً غالب ومظنون ہے۔ اور مفسد صوم ہے۔ انجکشن کی تر دوا دماغ اور معدہ تک پہونچنا ہی معلوم ہوا ہے۔ ڈاکٹروں کا بھی یہی کہنا ہے، لہذا انجکشن کا روزہ کی حالت میں خود لگانا اور لگوانا مفسدِ صوم ہے، اور اگر انجکشن کی دوا کا دماغ و معدہ تک پہنچنا یا نہ پہونچنا کچھ نہ معلوم ہو تو بھی بر قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تر دوا کا اثر وحصہ کا دماغ ومعدہ تک پہنچنا ہی عادۃً غالب ومظنون ہے اور مفسدِ صوم ہے، اور یہی ظاهر الروایة ہے۔ جس کی تصریح علامہ شامی نے فرمائی ہے۔ درمختار مطبوعہ دیوبند جلد ثانی ص ۱۰۲ میں ہے۔

(اوداوی جائفة او آمّة) فوصل الدواء حقیقة الیٰ جوفه و دماغه. یا علاج کیا ایسی چیز سے جو معدہ اور دماغ تک پہونچنے والی ہے اور دوا حقیقت میں معدہ اور دماغ تک پہنچ بھی گئی یہ روزہ توڑ دیگا۔

شامی میں ہے۔

قوله (فوصل الدواء حقیقة) اشار الیٰ ان ماوقع فی ظاهر الروایة من تقیید الافسادبالدواء الرطب مبنی علی العادة من انه یصل. (ان کا قول دواء حقیقت میں پہونچ گئی) یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں آیا ہے کہ دوا روزہ توڑنے کا سبب اس وقت بنے گی جب وہ تر ہو۔ اس کا دارومدار عادت پر ہے کہ عام طور پر تر دوائیں معدہ ودماغ تک پہنچتی ہیں۔

اسی میں ہے۔

وانما الخلاف اذالم یعلم یقینا فافسد بالطری حکما بالوصول نظر الیٰ العادة و نفیاه

كذا افاده في الفتح. اختلاف اس وقت ہے جب یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ دوا خشک ہے یا تر ہے لہٰذا اگر دوا تر ہے تو روزہ ٹوٹنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ عادتاً تر دوائیں معدہ اور دماغ تک پہنچتی ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ فقہائے کرام کی تحقیق یہ ہے کہ دماغ و معدہ دونوں کا اصلی منفذ و راستہ ایک ہے، لہٰذا جو چیز دماغ تک پہنچتی ہے، وہ معدہ تک ضرور پہنچتی ہے، اور جو چیز معدہ تک پہنچتی ہے وہ دماغ تک ضرور پہنچتی ہے۔ شامی میں ہے۔

قال في البحر والتحقيق ان بين جوف الراس و جوف المعدة منفذا اصليا فما وصل الىٰ جوف الراس يصل الىٰ جوف البطن. تحقیق یہ ہے کہ جوف سر اور جوف معدہ کے درمیان بنیادی راستہ ہے لہٰذا جو دوا جوف سر تک پہونچتی ہے وہ جوف معدہ تک بھی پہونچتی ہے۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۲): صرف معدہ کا استثنا، درست نہیں، بلکہ دماغ و معدہ دونوں کا استثناء ضروری ہے، کہ جس دوا کا اثر و حصہ دماغ و معدہ تک نہیں پہنچتا ہو مفسدِ صوم نہیں، ورنہ مفسد صوم ہے۔ میری تحقیق میں ہے کہ انجکشن کی ہر تر دوا معدہ و دماغ تک ضرور پہنچتی ہے، جس طرح ''احتقان'' یعنی حقنہ لگوانے ''استعاط'' یعنی ناک میں دوا اوپر چڑھانے اور اِقطار في الاذن یعنی کان میں دوا یا تیل کا قطرہ ڈالنے کی صورتوں میں دماغ و معدہ تک دوا کا پہنچنا ہی ظاہر و ضروری ہے۔ والله تعالىٰ اعلم.

(۳): طبیبِ حاذق کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر علاج و معالجہ میں بالخصوص اور تمام احکام شرعیہ میں بالعموم پابند مذہب اور حکم دین کرتا ہو، اور صحیح العقیدہ سنی اور صالح ہو، بالعموم ایسے ڈاکٹر نہیں ملتے ہیں، لیکن شاذ و نادر طور پر اب بھی ایسے ڈاکٹر ہیں جو طبیبِ حاذق کے صحیح مصداق ہیں۔ میں نے جہاں تک دنیا دیکھی ہے اور ڈاکٹروں سے ملاقات کی ہے، بعض ڈاکٹروں کو طبیبِ حاذق کا مصداق پایا ہے، اس لئے میں تمام ڈاکٹروں کے لئے ایک حکم نہیں صادر کر سکتا۔ والله تعالىٰ اعلم.

مكروهات الصيام (روزہ کے مکروہات)

مسئلہ ٦٤٠: امام کا روزہ ہے اور نماز پڑھا رہا ہے اس کے منہ میں کھنکار آ گئی یا ناک آ گئی نہ تو عمامہ پہنا ہے نہ رومال جو اس میں لے لے۔ ایسی حالت میں وہ اس کو نگل جائے تو اس کا روزہ رہا یا نہیں؟

مسؤلہ عبداللطیف خان صاحب، محلّہ کاظم خان قصبہ قائم گنج ضلع فرخ آباد، ۱۲؍رجب ۱۳۹۱ھ

الجواب: ایسی صورت میں اپنی کھکھار اور ناک کی رطوبت کو اپنے دامن یا آستین میں لے کر مل دے یا ہاتھ میں لے کر اپنے کپڑے کے کسی حصہ میں مل دے۔ نگلے نہیں، لیکن اگر نگل جائے گا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، بلکہ مکروہ ہوگا۔ ردالمحتار مصری جلد ثانی ص ۱۰۱ میں ہے۔

وكذا المخاط والبزاق يخرج من فيه وانفه فاستشمه و استنشقه لايفسد صومه. اسی طرح تھوک اور ناک کا نیٹ اگر نگل گیا یا اندر کھینچ لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اسی میں ہے۔

سئل ابراهیم عمن ابتلع بلغما قال ان کان اقل من ملأفیه لاینقض اجماعا. ابراہیم نخعی اس شخص کے بارے میں پوچھے گئے جس نے اپنا بلغم نگل لیا۔ جواب دیا کہ اگر منہ بھر کر نہیں ہے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۴۱ : کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک صاحب نے روزہ کی حالت میں برش سے منجن لگا کر دانت صاف کر لئے یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

مسئولہ............ ۷؍رمضان شریف ۱۹۸۷ء یکشنبہ

الجواب: برش سے دانتوں کو صاف کرنا، منجن لگا کر یا کوئی دوسری دانت صاف کرنے والی چیز لگا کر یا مسواک کرنا، کسی چیز کی بھی ہو یہ تمام چیزیں جائز و مباح ہیں۔ سنت اصل میں مسواک سے دانت اور منہ کا صاف کرنا ہے، لیکن دوسری چیزوں سے دانت اور منہ صاف کرنا بھی جائز و صحیح ہے۔ اس میں ناجائز اور حرام و ممنوع ہونے کا قول غلط و باطل ہے، آخر کلی تو ضرور کی جاتی ہے، پانی کا ذائقہ بھی تو محسوس ہو سکتا ہے، بلکہ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۴۲ : عرض خدمت ہے کہ بحالت روزہ مسواک کے علاوہ کوئی منجن یا کولگیٹ برش کے ہمراہ استعمال کر سکتے ہیں، ضرورتاً یا بغیر ضرورت شرعی حکم کیا ہے؟

مسئولہ عبدالحکیم، کہنہ مغل پورہ، مرادآباد، ۷؍رمضان شریف ۱۳۹۲ھ

الجواب: اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ مسواک کرنا سنت ہے۔ کسی منجن یا کولگیٹ یا ٹوتھ پیسٹ کے استعمال سے سنت ادا نہ ہوگی، بلکہ سنت کا ترک اور خلاف لازم آئے گا، لیکن منہ اور دانت کی صفائی کا جہاں تک تعلق ہے، یہ بات منجن اور کولگیٹ اور ٹوتھ پیسٹ اور مسواک سب ہی سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا ان چیزوں کا استعمال روزہ کی حالت میں صحیح اور جائز ہے، رہا یہ شبہ کہ ان چیزوں کا ذائقہ اور مزا محسوس ہوتا ہے تو کلی میں پانی کا استعمال ہوتا ہے، اور پانی کا ذائقہ اور مزا محسوس ہوتا ہے اور مسواک کسی چیز کی بھی ہو اس کا ذائقہ اور مزا محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح کلی جائز ہے اور مسواک جائز ہے، اسی طرح منجن اور کولگیٹ اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال بھی جائز ہے، ان کے استعمال کے جائز ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۴۳ : جس گاؤں میں مسجد ایک ہو اور مسلمان آبادی ایک طرف ہو رمضان شریف کے مہینے میں بڑی پریشانی رہتی ہو تو اس حالت میں اذان بیچ گاؤں میں جگہ مقرر کر کے پڑھ سکتے ہیں یا ڈھول وغیرہ بجا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ دولھا جان رضوی، باز پور، ضلع نینی تال، ۲۹؍ستمبر ۱۹۹۲ء

الجوب: افطاری و سحری کے لیے گاؤں والوں کی سہولت کے پیش نظر مسجد کے مئذنہ یعنی اذان گاہ کو چھوڑ کر گاؤں کی کسی بھی ایسی جگہ میں اذان دی جا سکتی ہے۔ جس کی آواز سارے گاؤں والے کو پہنچے کہ وہ اذان مغرب کی آواز سن کر افطار کریں اور اذان فجر سن کر سحری چھوڑ دیں، آج کل آسان طریقہ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا انتظام کر لیں تو یہ پریشانی

آسانی سے دور ہو سکتی ہے، ڈھول نہ بجائیں، ڈھول بجانا گناہ و منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

روزہ کا کفارہ

مسئلہ ٦٤٤: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے تو کیا کفارہ دینا پڑے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا.

مسئولہ محمد شفیق احمد، محلہ لال باغ مرادآباد، ۱۹؍جنوری ۱۹۶۵ء

الجواب: بیماری کے باعث جو شخص روزہ نہ رکھ سکے، اس پر لازم ہے کہ وہ صحت و تندرستی کے بعد ان روزوں کی قضاء کرے۔ اس صورت میں کفارہ نہیں دینا پڑے گا۔ کفارہ تو روزہ کی حالت میں قصداً کھانے پینے، جماع کرنے سے اور بعض دیگر ممنوعات کے ارتکاب سے دینا پڑتا ہے، قال اللہ تعالیٰ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرہ :۱۸۴] (اگر تم میں کوئی بیمار ہو، یا حالت سفر میں ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھیں)۔ واللہ تعالیٰ العلم.

روزۂ نفل

مسئلہ ٦٤٥ : محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

مسئولہ عبدالجلیل، مہتا ڈاکخانہ بھگتا، ضلع دربھنگہ

الجواب: اولیٰ و افضل یہ ہے کہ دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کو یا گیارہویں محرم کو بھی روزہ رکھے۔ بعض فقہاء صرف دسویں محرم کے روزہ کو جائز مع مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں۔ مراقی الفلاح مصری ص ۳۶۸ میں ہے۔

> واما القسم الثالث وهو المسنون فهو صوم عاشوراء فانه يكفر السنة الماضية مع صوم التاسع. تیسری قسم جو مسنون ہے، وہ عاشوراء کا روزہ ہے، کیونکہ سال گزشتہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، جبکہ نویں محرم کو بھی روزہ رکھے۔

اسی میں ہے۔

> الاول الذى كره تنزيها كصوم عاشوراء منفردا عن التاسع اوعن الحادى عشر. نویں یا گیارھویں محرم کے بغیر صرف عاشوراء کا روزہ مکروہ تنزیہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

رویت ہلال

مسئلہ ٦٤٦: اگر حکومت تمام ہندوستان کے لئے کسی عالم دین کو مقرر کردے اور ریڈیو پر چاند کا اعلان کرے تو یہ اعلان معتبر ہوگا یا نہیں؟ جب کہ حکومت کے تقرر کی وجہ سے اسے کل ہند کی ولایت حاصل ہوجائے؟

مسئولہ مولانا نجم الحسن صاحب رضوی، مقام خیر آباد، ضلع سیتاپور، یوپی، ۲۰ رصفر ۱۳۸۴ھ چہارشنبہ

الجواب: تمام دیگر امور سے قطع نظر کرنے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ کیسے یقینی طور پر معلوم ہوگا کہ ریڈیو پر رویت ہلال کا اعلان کرنے والا وہی عالم دین ہے۔ جس کو حکومت نے کل ہند کی ولایت بخش دی ہے، **فان النغمة تشبه النغمة والصوت یشبه الصوت کذافی عامة الکتب الفقهیة**۔ کیونکہ ایک نغمہ دوسرے نغمہ سے اور ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہذا اعلان مذکور معتبر نہ ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٦٤٧: کیا فرماتے علماء دین کہ ہماری مسجد میں ایک عالم دین عرصہ آٹھ سال سے پیش امام ہیں، اس سال عید الفطر کو انہوں نے روزہ رکھا، اس پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی۔ ہم ان امام صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ بتائیے کہ آپ نے روزہ کس بنا پر رکھا تھا، وہ اس کا جواب اسی کاغذ پر لکھ رہے ہیں۔ آپ ان کے جواب کو دیکھ کر حکم شرع سے آگاہ کیجئے کہ آیا ان کا فعل درست اور صحیح تھا یا غلط اور ان کے پیچھے نماز ناجائز ہوگی یا نہیں؟

جواب امام صاحب: جواب سمجھنے کے لیے تین باتوں کا دھیان کرنا چاہیے۔

(۱): پہلی بات یہ ہے کہ ایک تو ایک چیز کی خبر ہوتی ہے اور ایک اس بات کی گواہی ہوتی ہے۔ گواہی اور خبر دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

(۲): دوسری بات یہ کہ فقہ اور فتویٰ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ بستی میں چاند عام طور سے نظر نہ آئے تو چاند کا ثبوت چاند دیکھنے کی باقاعدہ گواہی سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہاں تک قید ہے کہ بیان دینے والا یہ الفاظ بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس رمضان یا عید کا چاند آج رات یا فلاں رات اپنی آنکھ سے دیکھا۔ فقہ اور فتوے کی کتابوں میں صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ خبر سے چاند کا ثبوت نہیں ہوسکتا، خبر (یعنی غیر متواتر) چاند کے لیے بیکار ہے۔

(۳): تیسری یہ کہ جو بات ریڈیو سے سنی جاتی ہے وہ خبر ہی ہوسکتی ہے۔ اس کو گواہی نہیں کہہ سکتے۔ نہ شرعاً نہ قانوناً۔ کیا کوئی حاکم کسی کی گواہی ٹیلیفون یا ریڈیو پر سن کر اس کو قبول کرسکتا اور اس پر حکم دے سکتا ہے، ہرگز نہیں۔

شہر ہاپوڑ میں ۲۹ رمضان کو تمام بستی میں کسی نے چاند نہیں دیکھا اور نہ اس رات کو اور نہ اگلے دن۔ باہر سے کسی آنے والے نے آکر اپنا دیکھنا بیان کیا۔ ہاپوڑ میں عید دہلی ریڈیو کی خبر پر ہوئی، جس میں کہا گیا

تھا کہ دہلی میں چاند نہیں ہوا۔ آگرہ وغیرہ سے اطلاعات آئی ہیں کہ وہاں چاند ہوا ہے، ۱۰:۳۰ بجے رات کو دوبارہ دہلی سے اعلان ہوا کہ چاند دیکھنے کا یہاں کوئی بیان تو نہیں گذرا لیکن آگرہ وغیرہ کے ٹیلیفون وغیرہ کی خبروں کو رویت ہلال کمیٹی نے قبول کر کے کل عید کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ہاپوڑ میں عید صرف دہلی ریڈیو اور دہلی سے ٹیلیفون کی خبر کی بنا پر ہوئی، جو ایک خبر سے زائد نہ تھی، گواہی نہ تھی، جب اس مسئلہ کا حکم صاف صاف فقہ اور فتاویٰ کی قدیم کتابوں میں موجود ہے اور زمانہ حال کے بھی بے شمار علمائے دین اہل سنت و جماعت نے بھی چاند کے بارے میں ریڈیو کے بیکار ہونے کا فتویٰ دیا ہے، تو عوام اور بے پڑھے لکھے لوگوں کا مسئلہ شرع کے برخلاف عمل کرنا کوئی سند نہیں ہو سکتا، نہ اس دن کو عید کہا جا سکتا ہے۔ میں نے اس روز اسی بنا پر روزہ افطار نہیں کیا تھا، لیکن دن کے ۱۱ بجے تک میں نے روزے کی نیت بھی نہیں کی تھی، کیونکہ ممکن تھا کہ کہیں سے آ کر کوئی گواہی دیتا، ۱۱ بجے دن تک کوئی گواہی نہیں پہنچی تب میں نے روزہ کی نیت کر لی تھی۔

الجواب: امام صاحب کے جواب سے ظاہر ہے کہ وہ ایک متدین اور ذی علم عالم وفاضل ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کے علم و فضل میں ترقی عطا فرمائے۔ امام صاحب کا جواب بالکل صحیح اور عین صواب ہے، اور ان کا اس روز روزہ رکھنا قطعاً صحیح و جائز تھا۔ ان کا یہ فعل ہرگز قابل مواخذہ نہیں۔ جس سے ان کی امامت پر کوئی زد پڑے۔ ان کے پیچھے ہر نماز بغیر کراہت جائز ہے، بلکہ عالم دیندار ہونے کے باعث ان کے پیچھے نماز پڑھنی اعلیٰ واولیٰ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۴۸: ہم نے انتیس رمضان کو عید کا چاند بہت کوشش سے دیکھا، ہمارے شامل محلہ کے بہت سارے لوگوں نے کوشش سے دیکھا، لیکن کسی کو بھی چاند نظر نہیں آیا اور نہ ہمارے پاس کوئی شرعی شہادت گزری۔ مورخہ ۳۰ رمضان کو محلہ کی مسجد میں دیکھا کہ لوگ جمع ہو رہے ہیں نماز عید پڑھنے کو ہم نے روزہ افطار نہ کیا اور نماز عید پڑھ لیا۔ نماز عید کے بعد ہم نے خطبہ بھی پڑھا، اور وقت پر روزہ افطار کیا، ایسی حالت میں ہم پر حکم شریعت کیا جاری ہوتا ہے؟

مسئولہ محمد عبدالجید، فتح پور، بھاگل پور، ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ پنجشنبہ

الجواب: صورت مسئولہ میں آپ کا روزہ رکھنا صحیح و درست تھا اور نماز عید پڑھ لینا محض غلط و باطل تھا۔ آپ نے تیس رمضان کو نماز عید پڑھی یہ فعل آپ کا خلاف شرع ہوا۔ اس غلط اقدام کی وجہ سے آپ مرتکب گناہ کبیرہ ہوئے آپ اپنے اس گناہ سے توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹ رمضان کو ابر کی وجہ سے عید الفطر کا چاند نظر نہ آیا تو ریڈیو، تار، وائرلیس کی خبر سے عید منائی جا سکتی ہے یا نہیں۔ جب کہ ہلال کمیٹی نے دہلی میں بذریعہ ریڈیو کلکتہ وغیرہ کی خبر سن کر اعلان کرا دیا کہ عید سنیچر کو منائی جائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ شہر بیکانیر میں اس خبر کو سن کر کافی حضرات نے روزہ نہ رکھا اور کئی حضرات نے محلہ جا کر روزے کھلوا دیے اور یہ کہہ کر کہ ہم ذمہ دار ہیں، اور ایک مسجد میں بغیر امام کی اجازت ریڈیو پر ایک شخص نے اعلان کر دیا کہ روزے کھولو جب کہ امام اسی کے فیصلے کے لئے گئے ہوئے تھے، ایسے شخص

کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲): راجستھان میں چاند نظر نہ آیا۔ یوپی، الہ آباد، پٹنہ، لکھنو۔ جموں کشمیر میں صرف ہندستان کے چند شہروں کی رویت پر مرکزی جمعیت نے ریڈیو پر اعلان کرا دیا۔ سنا ہے کہ پاکستان میں بھی چند مقامات کی رویت پر تمام پاکستان میں اعلان عید ہو گیا۔ کیا ایک یا دو جگہ کی رویت پر تمام ہندوستان میں عید منائی جائے یا نہیں؟

(۳): اختلاف مطالع کا مسئلہ کیا ہے اور اس کی حد کہاں تک ہے بیان فرمائیں؟

(۴): علمائے دیوبند مثلاً سید نذیر حسین نے اپنے فتوی کی پہلی جلد کے ص ۵۱۰ میں ۱۳۰۵ھ کے سوال کے جواب میں جو تار کی خبر کے متعلق کیا گیا تھا، جواب لکھتے ہیں۔

الجواب: واضح ہو کہ تار کی خبر عند الشرع کافر کی شمار کی جاتی ہے، اس کے کارکنان عموماً کافر ہی ہوتے ہیں اور شہادتِ کافر دیانات میں معتبر نہیں ہے، لہذا خبر رویت ہلال کی بذریعہ تار معتبر نہیں ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

ابو بشیر محمد عبد الغفور، سید محمد نذیر حسین، محمد عبد السلام، محمد ابو الحسن

(۵): مولوی کفایت اللہ صاحب نے تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص ۸۴ مطبوعہ تاج میں لکھتے ہیں، برما میں چاند نظر نہیں آیا اور ایک بمبئی والے نے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو ایک روزہ قضا رکھنا لازم ہے تار کی گواہی معتبر نہیں؟

(۶): جب ہمارے شہر کے ذی علم حضرات اور چند باہر کے عالم حضرات نے ایک مسجد محلہ قصابان میں جمع ہو کر کافی مجمع کے سامنے اپنی متعلقہ رائے کے بموجب آیت **وشاورھم فی الامر**، یہ فیصلہ دیا کہ تار ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید نہ منائی جائے، اس کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے لئے کیا حکم ہے، جواب جلد سے جلد عنایت فرمائیں۔

مسئولہ سید امین قادری، بیکانیر، مارچ ۱۹۶۴ء

الجواب: (۱): رویت ہلال کے متعلق ریڈیو، تار، ٹیلیفون، وائرلیس کی خبریں غیر معتبر ہیں، شرعاً ان خبروں پر عید نہیں منائی جا سکتی ہے۔ کسی ہلال کمیٹی کا امور مذکورہ کی خبروں پر عید منانے کا اعلان کرنا صحیح و جائز نہیں، بلکہ رویت ہلال کے بارے میں شرعاً وہ طریقے معتبر ہیں جن کا ذکر جزئیاتِ فقہ میں آیا ہے یعنی" **خبر مستفیض**" "**کتاب القاضی الی القاضی**"، "**شہادت علی الشہادت**" اور اس قسم کے بعض دوسرے امور بھی معتبر ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ اعلی حضرت امام اہلِ سنت قدس سرہ العزیز نے اپنے رسالہ "طرق اثبات الھلال" میں فرمایا ہے، اور مدلل طریقے پر حوالہ جات بھی مذکور ہیں۔

شہر بیکانیر میں جمعیت کے اعلان کو سن کر جن لوگوں نے روزہ نہ رکھا اور بلکہ ستم یہ بھی کیا کہ دوسروں کے روزے تڑوائے اور یہ بھی کہا کہ روزہ توڑ دو ہم ذمہ دار ہیں، اور جس شخص نے ریڈیو پر اعلان کیا یا کرایا کہ روزہ کھولو یہ سب کے سب خاطی اور گنہگار ہیں، ان کا یہ اقدام خلافِ شرع ہے ان تمام مسائل کی مکمل تفصیل اہل سنت کے رسائل مبارکہ، " **ازکی الھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال**" اور "**البدور الاجلہ فی امور الاھلۃ**. اور عید کا چاند" اور

"جامع الاقوال" اور "اجمل المقال اور "طرق اثبات الھلال" وغیرھا میں درج ہیں، جو عرصہ دراز سے بریلی شریف، پٹنہ، دہلی، سنبھل ضلع مراد آباد سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): ایک یا دو جگہ کی رویت پر ساری دنیائے اسلام میں عید منائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ یہ مسئلہ طریق موجب شرعی سے ساری دنیا میں ثابت ہوسکے ورنہ ایک دو نہیں بلکہ ہزار دو ہزار مقام پر رویت ہو اور یہ رویت بطریق موجب شرعی ثابت نہ ہوسکے، تو دوسری جگہ میں عید کا منانا روزے کا توڑنا ہرگز ہرگز جائز و روا نہ ہوگا۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ۹۹ میں ہے۔

(فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب) اذا ثبت عندهم رویة اولئک بطریق موجب کما مر. اہل مغرب کی رویت سے اہل شرق کا روزہ رکھنا و توڑنا جائز ہے، اگر ان کی رویت شرعی طریقہ پر ثابت ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔

(بطریق موجب) کَاَن یتحمل اثنان الشهادة اویشهد اعلٰی حکم القاضی اویستفیض الخبر، بخلاف ما اذا اخبرا ان اهل بلدة کذارأوه لانه حکایة. طریق موجب یہ ہے کہ دو آدمی شہادت لے جائیں، یا قاضی کے سامنے شہادت دیں، یا خبر مستفیض ہو، اگر ان دونوں نے یہ کہا کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے تو یہ معتبر نہیں، کیونکہ یہ حکایت ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳): حنفی مسلک میں فقہ کی ظاہر الروایہ کی بنا پر اختلاف مطالع معتبر نہیں، پھر اس کی حد کا ذکر کرنا ہم احناف کے لئے مطلقاً مفید نہیں۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ۹۹ میں ہے۔

واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحر عن الخلاصه. ظاہر مذہب کی روشنی میں اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ اسی پر اکثر مشائخ ہیں، اس پر فتویٰ بھی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۴) و (۵): پرانے غیر مقلدین اور جمعیت کے سرغنہ لوگ اس مسئلہ میں ہم اہل سنت و جماعت کے ساتھ متفق تھے، ان کے کثیر فتاوے "جامع الاقوال" میں چھپ چکے ہیں۔ اب جمعیت کے نئے اسٹاف نے ایک نئی بدعت نکالی کہ رویت ہلال کے متعلق تار، ریڈیو، ٹیلیفون، وائرلیس کی خبریں معتبر ہیں اور اس بارے میں شریعت طاہرہ کے احکام و جزئیات کو نظر انداز کر کے اور اپنے پرانوں کے طریقوں کو چھوڑ کر دور حاضر کی نت نئی روشنی میں بڑی بڑی غلطیوں کے مرتکب ہوئے مولا تعالیٰ ان نئے اسٹاف جمعیت کو راہ ہدایت نصیب فرمائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۶): شہر بیکانیر کے علماء اور دیگر علمائے کرام جو بیکانیر میں موجود تھے، ان سب کا یہ فیصلہ اور حکم کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس کی خبر پر عید نہ منائی جائے، درست ہے۔ جن لوگوں نے اس حکم کو مانا وہ حق بجانب ہیں اور کسی جرم کے مرتکب نہیں اور جن لوگوں نے اس حکم کو نہ مانا وہ غلطی پر ہیں، خلاف حکم شریعت طاہرہ عید منانے اور روزے توڑنے کے مجرم و گنہگار ہیں۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۶۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): ہلال رمضان وعید کی رویت کے متعلق ریڈیو سے نشر کی ہوئی اطلاع کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ آیا اس اطلاع کی بنا پر رویت ہلال کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ (۲): رویت ہلال کی شہادت ٹیلیفون پر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ (۳): وائرلیس، ٹیلیگرام اور خطوط کی رویت ہلال کے بارے میں شرعا کیا حیثیت ہے؟ (۴): ایک یا ایک سے زائد حسب ضرورت اہل شہادت پشاور یا جدہ وغیرہ دور دراز مقامات سے چاند دیکھ کر رات ہی رات میں آ جائیں اور رویت ہلال کی شہادت دیں تو بھارت کے رہنے والوں پر روزہ یا افطار ہو جائے گا یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ شرعاً اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کے حدود کیا ہیں؟

مسئولہ عاشق حسین، محلہ کٹار شہید تکیہ شاہ علاء الدین، مراد آباد، ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ

الجواب: (۱) تا (۳): ہلال رمضان ہو یا شوال یا ذی الحجہ یا اور کوئی ہلال ہو کسی مہینہ کے چاند کی رویت کی خبر و اطلاع خواہ بذریعہ ریڈیو یا وائرلیس یا تار، ٹیلیفون وخطوط شرعاً ان چیزوں کی خبریں ثبوت رویت ہلال کے متعلق نا قابل اعتبار ہیں، لہذا ایسی کسی اطلاع کی بنا پر کسی بھی مہینہ کی رویت ہلال کا فیصلہ کیا جانا جائز و درست نہیں۔ رویت ہلال کی شہادت ٹیلیفون پر اگر کوئی شوقین صاحب دے بھی دے، لیکن شرعاً یہ شہادت معتبر نہیں۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

(۴): بھارت کا مطلع اگر مکمل طور پر بے ابر، غبار ہو یعنی بالکل صاف ہو تو ایسی صورت میں کسی دوسرے ملک سے دو چار آدمی آ کر بھی رویت ہلال کے متعلق شہادت دیں تو یہ شہادت کسی بھی مہینہ کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ۹۵ میں ہے۔

> **(و) قبل (بلاعلة جمع عظیم یقع العلم الشرعی) وهو غلبة الظن بخبر هم وهو مفوض الی رای الامام (من غیر تقدیر بعدد) علی المذهب.** اگر مطلع صاف ہے تو بہت سے لوگوں کی گواہی قبول کی جائیگی، جس سے علم شرعی یعنی اس خبر کے سلسلہ میں غلبۂ ظن حاصل ہو جائے، یہ معاملہ امام کی رائے پر منحصر ہے، اس میں تعداد کی کوئی تعیین نہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

> **قوله (وقبل بلاعلة) ای ان شرط القبول عند عدم علة فی السماء لهلال الصوم او الفطر اوغیرهما کمافی الامداد، وسیأتی تمام الکلام علیه اخبار جمع عظیم فلا یقبل خبر الواحد لان التفرد من بین الجم الغفیر بالرؤیة مع توجهم طالبین لما توجه هو الیه مع فرض عدم المانع و سلامة الا بصار و ان تفاوتت فی الحدة ظاهر فی غلطه [بحر].** یعنی اگر آسمان میں غبار نہیں ہے تو رمضان وعید ہی نہیں کسی بھی مہینہ کی رویت ہلال کیلئے ایک بڑی جماعت کی خبر کو قبول کیا جائیگا۔ ایسا ہی ''الامداد'' میں ہے، اس پر مکمل گفتگو آگے آ رہی ہے، لہذا ایک کی خبر نہیں قبول کی جائیگی، کیونکہ چاند دیکھنے میں اگر وہ ایک متوجہ تھا تو سبھی متوجہ تھے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی اور بڑی جماعت کی

آنکھیں بھی صحیح وسالم تھیں۔ تاہم نظر کی تیزی میں کچھ فرق ہوسکتا ہے۔اس صورت میں اس ایک کا غلطی پر ہونا ظاہر ہے۔

اور اگر بھارت کا مطلع صاف نہ ہو تو رمضان میں ایک شخص عادل ومستند کی خبر وشہادت معتبر ہے،اس صورت میں صرف ایک شخص عادل ومستند کی شہادت سے رمضان کا حکم دیا جائے گا اور رمضان کے سوا باقی مہینوں میں کم از کم دو شاہد عدل ومستند کی گواہی معتبر ہوگی، دو گواہوں کے بغیر شہادت معتبر نہ ہوگی،فقہ حنفی میں قول مفتیٰ بہ پر اختلاف مطالع کا اعتبار ہی نہیں ہے۔درمختار جلد ثانی ص ۹۹ میں ہے۔

(واختلاف المطالع غير معتبر على) ظاهر (المذهب) وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوىٰ بحرعن الخلاصة . ظاہر مذہب کے مطابق مطالع کا اختلاف معتبر نہیں۔اسی پر اکثر فقہاء ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔.......... والله تعالى اعلم.

مسئله ٦٥١ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

(۱): پاکستان یا ہندوستان کے کسی مقام سے بذریعہ اخبار، ریڈیو،خط،ٹیلیفون،تار اعلان ہوتا ہے کہ ۲۹ رکو چاند ہوگیا،تو کیا ان خبروں پر اعتماد کر کے روزہ رکھنا،یا روزہ توڑنا،یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ منانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲): ایک کمیٹی منتخب کر کے بریلی یا مرادآباد یا الہ آباد میں کسی عمدہ عالم کو پیشوا بنالیں اور وہ پیشوا بذریعہ اخبار یا ریڈیو، یا ٹیلیفون، یا خط، یا تار سے اعلان کردیں کہ ۲۹ کو چاند ہوگیا تو کیا اس پیشوا کی خبر پہ روزہ رکھنا یا توڑنا،عید الفطر یا عید الاضحیٰ منانا جائز ہوگا یا نہیں؟امید کہ مدلل جواب عنایت کریں گے مذہب حنفی کے مطابق۔اللہ اجر دے گا؟

مسئولہ عابد حسین،کھوکھا باسی، پورنیہ، بہار، ۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ پنجشنبہ

الجواب: ثبوت رویت ہلال کے لئے خط،ٹیلیفون،ریڈیو اور صفحات اخبار وتار بیکار،اس لئے کہ دوسرے مقامات پر ثبوت رویت کے واسطے شہادت یا خبر عدل یا طریق موجب یا خبر مستفیض ضروری ہے،یعنی یہ کہ مقام رویت ہلال سے اعتبار وحکم رویت ہلال کے بعد جماعات متعددہ آکر یہ کہیں کہ فلاں شہر میں چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا ہے یا عید منائی ہے، اور اشیائے مذکورہ پر اعتماد کرنا مندرجہ بالا ذریعہ ثبوت کے منافی،لہٰذا ان چیزوں پر اعتماد کر کے روزہ توڑنا یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ منانا جائز نہیں۔اس قسم کا اعلان ہندوستان میں ہو یا ہو پاکستان میں شرعًا قابل اعتبار نہیں۔درمختار مصری جلد ثانی ص ۹۶ و ۹۷ میں ہے۔

(شهدوا انه شهد عند قاضى مصر كذ اشاهدان برؤية الهلال) فى ليلة كذا (وقضى) القاضى (به ووجد استجماع شرائط الدعوىٰ قضىٰ) اى جاز لهذا (القاضى) ان يحكم (بشهادتهما) لان قضاء القاضى حجة وقد شهد وابه، لا لو شهدوا برؤية غيرهم لا نه حكاية، نعم لو استفاض الخبر فى البلدة الاخرىٰ لزمهم على الصحيح من المذ هب مجبى وغيره. کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو آدمیوں نے رویت

ہلال کی شہادت اس رات میں دی، اور قاضی نے رویت ہلال کا فیصلہ کر دیا اور شرائط دعوے کی تکمیل پائی گئی۔ اس قاضی کیلئے صحیح ہے جس کے روبرو لوگ شہادت دے رہے ہیں کہ دونوں کی شہادت کے مطابق حکم کرے، کیونکہ قاضی کا فیصلہ حجت ہے۔ اور اس فیصلہ کی شہادت اس قاضی کے پاس لوگوں نے دی۔ اگر یہ لوگ دوسروں کی رویت کی شہادت دیتے تو کافی نہیں ہوتا کیونکہ یہ محض حکایت ہے۔ ہاں اگر دوسرے شہر میں خبر عام ہو جائے تو صحیح مذہب کے مطابق لوگوں پر روزہ یا عید لازم ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله(نعم الخ) فی الذخیرة قال شمس الائمة الحلوانی: الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اهل البلدة الاخریٰ یلزمهم حکم هذه البلدة اه، و مثله فی الشرنبلالیة عن المغنی. ذخیرہ میں ہے شمس الائمۃ الحلوانی نے کہا ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے کہ خبر جب بہت عام یعنی مستفیض ہو جائے اور دوسرے شہر والوں میں تحقیق کے درجے میں پہونچ جائے تو لوگوں پر اس شہر کا حکم لازم ہو جائیگا۔

قلت ووجه الاستدراک ان هذه الاستفاضة لیس فیها شهادة علی قضاء قاض ولا علی شهادة لکن لما کانت بمنزلة الخبر المتواتر، وقد ثبت بها ان اهل تلک البلدة صاموا یوم کذا لزم العمل بها، لان البلدة لا تخلو عن حاکم شرعی عادة فلابد من ان یکون صومهم مبنیا علی حکم حاکمهم الشرعی، فکانت تلک الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکور، وهی اقوی من الشهادة بان اهل تلک البلدة رأوا الهلال وصاموا لانها لا تفید الیقین، فلذا لم تقبل الا اذا کانت علی الحکم اوعلی شهادة غیرهم لتکون شهادة معتبرة، والا فهی مجرد اخبار، بخلاف الاستفاضة فانها تفید الیقین فلا ینافی ما قبله، هذا ما ظهر لی تامل.

میں کہتا ہوں'' اس استدراک کی وجہ یہ ہیکہ اس استفاضہ کے اندر نہ تو کسی قاضی کے فیصلے کی شہادت کا بیان ہے اور نہ شہادت علی شہادۃ والا معاملہ ہے، بلکہ یہ خبر متواتر کی پوزیشن میں آ گیا چونکہ خبر کی اس درجہ شہرت سے یہ ثابت ہوا کہ فلاں دن اس شہر والوں نے روزہ رکھا، اب اس استفاضہ کے مطابق عمل کرنا لازم ہو گیا۔ کیونکہ عام طور پر کوئی شہر شرعی حاکم سے خالی نہیں ہوتا، لہذا یقین سے کہا جائیگا کہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرع کے حکم کے مطابق ہی ہوگا تو گویا یہ استفاضہ حاکم شرع کے حکم مذکور کو منقل کرنے کے مترادف ہو گیا اور یہ اس شہادت سے بھی طاقتور ترین ہے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا اور روزہ رکھا کیونکہ یہ شہادت بہر حال یقین کا فائدہ نہیں دے سکتی، لہذا اسے قبول نہیں کیا جائیگا۔ ہاں اگر اس شہادت کی بنیاد حاکم شرع کا فیصلہ ہو، یا اسکی بنیاد دوسروں کی شہادت معتبرہ ہو تو اس صورت میں قبول کیا جائیگا، ورنہ یہ محض اِخبار (خبر دینا)

ہوگا۔ بخلاف استفاضہ کے کیونکہ یہ یقین کا فائدہ دیتا ہے، لہذا یہ ماقبل کے منافی نہیں، یہ وہ باتیں ہیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں خوب غور کرو۔

(تنبیہ) قال الرحمتی: معنی الا ستفاضہ ان تاتی من تلک البلد ۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رویۃ لا مجر د الشیو ع من غیر علم بمن اشاعہ. رحمتی نے کہا۔ استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شہر کے لوگوں کے مختلف گروہ آئیں اور ہر ایک یہ خبر دے کہ اس شہر کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا۔ محض مشہور ہوجانا کافی نہیں، جب تک کہ یہ علم نہ ہو کہ مشہور کرنے والا کون ہے۔

درمختار ص ۹۹ میں ہے۔

(فیلزم اھل المشرق برویۃ اھل المغرب) اذاثبت عند ھم رؤیۃ اولٰئک بطریق موجب. مشرق والوں پر مغرب کی رویت سے روزہ وعید لازم ہوگا اگران کی رویت بطریق موجب ثابت ہوجائے۔

ردالمحتار ص میں ہے۔

قولہ (بطریق موجب) کَاَن یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر. طریق موجب کا مفہوم .... دوآدمی نے شہادت کو اٹھایا یا قاضی کے حکم کی بنیاد پر شہادت دی یا خبر مستفیض ہوگئی۔ واللہ تعالی اعلم.

(۲): اعلان رویت ہلال کے طرق مندرجہ فی السوال موجب میں داخل نہیں ہوتے، چونکہ طریق موجب میں مختلف قسم کی معتبر شہادتیں یا خبر مفید یقین کا لحاظ رکھا گیا اور سوال کے اندر درج شدہ طریقے مفید یقین نہیں، نہ شہادت معتبرہ پر دال ہیں، بلکہ یہ طریقے موجب شکوک وشبہات وباعث اشتباہ واحتمال ہیں، کون نہیں جانتا کہ خط، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار، تار سب بے اعتبار ہیں، ان سب میں زیادہ بے اعتبار اخبار وتار ہے، ان آلات ووسائل کی خبریں روزمرہ غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں۔ ان غلط خبروں کی تردید ان ہی آلات ووسائل سے ہوتی رہتی ہے، اس تجویز کردہ اعلان کی حیثیت خبر سے آگے نہیں بڑھتی اور خبروں میں صرف خبر مستفیض معتبر ہے جو موجب یقین ہوتی ہے۔ لہذا طرق مذکورہ سے اعلان کرنا، خبر دینا، روزہ رکھنے، افطار کرنے، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ منانے کے لئے ہرگز ہرگز معتبر وکافی نہیں ہوسکتا۔ فان الخط یشبہ الخط والصوت یشبہ الصوت . اسی لئے کتاب القاضی الی القاضی جس پر قاضی کے دستخط اور مہریں ہوں وہ شاہدین عدلین کے بغیر شرعاً قابل اعتبار نہیں۔ اعلان رویت ہلال کے بعض دوسرے طریقے صرف ہر اس اسلامی شہر کے لئے اور اس سے ملحق دوسرے قصبات وقریات ہی کے لئے شرعاً معتبر ہوسکتے ہیں، جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ جملہ احکام ہلال واعلان صرف اسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں۔ اور وہ خود عالم دین اور ان احکام میں علم پر عامل وقائم، یا کسی عالم دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم وملازم ہے، یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام مرجع عوام متبع الاحکام ہو کہ صرف اسی کے فتوی

سے احکام روزہ وعیدین نفاذ پاتے ہیں اور اسی کی جانب سے احکام ہلال کے اعلان ہوتے۔ کسی دوسرے کو احکام ہلال کے اعلان میں اصلاً کوئی دخل نہ ہو اور کوئی دوسرا احتمال بھی اعلان میں نہ ہو تو توپوں کے فائر اور ڈھنڈورا اور مخصوص قسم کی روشنی جو بلند مقام پر کی جائے اور منادی سلطان اسلام یا منادی قاضی اسلام کے طریقے سے اعلان بشرائط مندرجہ بالا شرعاً معتبر ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے۔

قلت و الظاهرانه يلزم اهل القرىٰ ان يصوم بسماع المدافع اور ؤية القناديل من المصرلانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن موجبة للعمل كما صرحوابه، واحتمال كون ذالك لغير رمضان بعيد، اذ لايفعل مثل ذالك عادة فى ليلة الشك الالثبوت رمضان. میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ دیہات کے رہنے والوں پر شہر سے آنے والی توپوں کی آواز اور قندیلوں کے دیکھنے سے روزہ لازم ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ روزہ کے اعلان کی کھلی ہوئی علامت ہے جو غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ اور غلبہ ظن حجت ہے، عمل کو واجب کر دینے والا ہے۔ فقہاء نے ایسی ہی تصریح کی ہے، اس آواز یا روشنی کا غیر رمضان کیلئے ہونا عقل سے بہت دور کی بات ہے، کیونکہ اس طرح کا کام عادۃً ثبوتِ رمضان کی صورت میں ہی کیا جاتا ہے، شک کی رات میں نہیں کیا جاتا۔

منحة الخالق میں ہے۔

لم يذكروا عند نا العمل بالامارات الظاهرة الدالة علىٰ ثبوت الشهرة كضرب المدافع فى زماننا والظاهروجوب العمل بها علىٰ من سمعها ممن كان غائبامن المصر كاهل القرىٰ و نحوها كما يجب العمل بها علىٰ اهل المصرالذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهودو قدذكر هذا الفرع الشافعية ' فصرح ابن حجر فى التحفة ان يثبت بالامارة الظاهرة الدالة لايتخلف عادة كروية القناديل المعلقة بالمنابرو مخالفة جمع فى ذالك غير صحيحة. فقہاء نے ہمارے لئے ان ظاہری نشانیوں پر عمل کا ذکر تو نہیں کیا ہے جو شہرت کے ثبوت کی کھلی دلیل ہیں، جیسے ہمارے زمانے میں توپ کا داغا جانا، تاہم ظاہر یہ ہے کہ شہر والوں کے ساتھ ساتھ ان کے لئے بھی اس پر عمل واجب ہے، جو شہر سے غائب دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں۔ شہر والوں نے بھی آواز ہی پر عمل کیا ہے، انہوں نے بھی حاکم کو شاہدوں کی شہادت کو قبول کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا، اس جزئیہ کو فقہاء شافعیہ نے ذکر کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر نے التحفۃ میں ذکر کیا'' ظاہری نشانی جو روزہ یا عید کے اعلان کو بتاتی ہے، اس سے ثبوت ہو جائیگا، کیونکہ عادۃً ان چیزوں سے کوئی اور اعلان نہیں سمجھا جاتا۔ وہ یہ ہیں۔ منبروں پر قندیلوں کا لٹکا ہوا نظر آنا، اس معاملہ میں ایک جماعت کی مخالفت صحیح نہیں۔

یہیں سے واضح ہوا کہ وہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضی شرع، نہ مفتی اسلام ہے مگر نا اہل جسے خود احکام شرع کی تمیز نہیں، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے، مگر عوام خود سر اس کے منتظر نہیں، وہاں احکام شرع کی کوئی قدر نہیں، احکامِ شرع جہال بے

خبروں کے حوالہ چھپا، جنھیں نہ قواعد شرعیہ معلوم، نہ ان کے اتباع کی پرواہ، اپنی رائے ناقص میں جو آیا، اس پر حکم لگادیا، اعلان کردیا، کرادیا، توپیں چل گئیں، فائر کردیئے گئے، مخصوص روشنی جلادی گئی، ڈھنڈورا پٹوادیا گیا، خود سے اپنے قیاسات فاسدہ پر جو چاہا کرلیا، عید منالی۔ ایسی جگہوں پر اعلان کے جملہ طرق مذکورنا قابل اعتبار ہوں گے۔ هذا ماعندی و الله سبحانه وتعالیٰ اعلم و علمه عزاسمه اتم و احکم.

مسئله ٦٥٢ : کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہل سنت ومفتیان شریعت دربارۂ رویت ہلال کہ اگر ایک سنی صحیح العقیدہ قاضی القضاۃ یا ایک اسلامی ملک کا صدر نہایت تحقیق واحتیاط سے رویت ہلال کا ثبوت شرعی لے کر ریڈیو کے ذریعہ اعلان کردے تو کیا اس اعلان پر اعتماد کر کے روزہ رکھنا اور عید منانا شرعاً جائز ہے، کیا یہ اعلان پورے ملک کے لئے کافی ہوگا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ علامہ شامی نے حاشیہ بحرودرمختار میں تحریر کیا ہے، امارات دالة علی الرویة ، مثل تعلیق القنادیل علی المنابر اوسماع صوت مد افع فی المصر کی بنا پر ملحقہ بستیوں کے لوگوں کے عمل کرنے کو جائز رکھا ہے، ابن ماجشون مالکی کا مذہب فتح الباری جلد چہارم ص ١٠٥ پر یہ لکھا ہے کہ اگر چاند بادشاہ کے یہاں ثابت ہو جائے اور حکم دیدے تو کل مملکت کے لوگوں پر اس کی تعمیل لازم ہوجائے گی، کیونکہ پوری مملکت بادشاہِ وقت کے حق میں مثل ایک شہر کے ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہ یا قاضی القضاۃ یا صدر مملکت کے حکم سے اگر ریڈیو پر اعلان کردیا جائے تو روزہ رکھنا اور عید منانا لازم وضروری ہے اور یہ اعلان پوری مملکت کے لئے کافی اور واجب العمل ہوگا۔ لہٰذا جناب والا اس سلسلہ میں اپنی مدلل ومفصل تحقیقات عالیہ سے مستفید فرمادیں اور مسئلہ مذکورہ کا بحوالہ کتب جواب عطا فرمادیں۔

مسئولہ مولانا محمد حسن علی، مدرسہ حنفیہ غوثیہ انوار رضا اہلسنت، میلسی، ضلع ملتان، ١٧ / شعبان ١٣٨٦ھ

الجواب: اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں بھی اس امر میں اختلاف ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ کون سا اعلان رویت ہلال کا معتبر ہے اور کون سا غیر معتبر۔ میری ذاتی تحقیق یہ ہے کہ اگر فی الواقع کوئی سنی صحیح العقیدہ اعلم علمائے بلد یا کسی اسلامی حکومت کا متدین صدر مکمل تحقیق اور غایت احتیاط سے بموجودگی دیگر علمائے اہل سنت واہلِ حل وعقد رویت ہلال کا ثبوت شرعی لے کر ریڈیو کے ذریعہ اعلان کردے یا کرادے تو اس اعلان پر اعتماد کر کے روزہ رکھنا اور عید منانا صرف اس شہر کے قرب وجوار والے ان علاقوں میں جائز ہوگا جو بآسانی اصل مقام پر پہنچ کر اس اعلان کی بابت تحقیق کرسکیں، بشرطیکہ اعلان میں بھی اس امر کی پوری پابندی عائد کردی گئی ہو کہ سنی صحیح العقیدہ اعلم علمائے بلد یا متدین صدر مملکت اسلامیہ کے سوا اور کوئی دوسرا فرد رویت ہلال کے اعلان کا مجاز وماذون نہ ہوگا۔ هکذا یوخذ من حاشیة العلامة الشامی علی البحر والدر المختار المذ کورة فی السوال . پورے ملک کے لئے یہ اعلان ہرگز کافی نہ ہوگا۔ ١٣٨٥ھ کے اخیر رمضان میں پاکستان کا اعلان غیر محتاط طریقہ پر ہوا تھا کہ بارہ بجے رات تک تو اعلان ہوتا رہا کہ پاکستان کے کسی حصہ میں چاند نہیں دیکھا گیا، پھر فجر کاذب میں رویتِ ہلال کے ثبوت کا اعلان کردیا گیا۔ اسی طرح اس سے قبل بھی بعض اسلامی ممالک میں غیر محتاط طریقہ پر اعلان ہوا اور بعد میں غلطی کا علم ہوا، اسی لئے اعلان وتحقیق رویت ہلال میں مذکورہ بالا شرطیں لگادی گئیں جن کے ہوتے ہوئے اعلان معتبر ہوگا۔ اور اگر مذکورہ بالا شرائط وقیود کی پابندی کے بغیر اعلان کیا جائے تو ایسا اعلان ہرگز ہر

گز قابل اعتبار و اعتماد نہیں ہوسکتا۔ فتح الباری کی روایت مالکی مذہب سے متعلق ہے، اس سے ہمارا استدلال تام نہیں ہوتا۔
ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالی اعلم.

مسئلہ ۶۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرادآباد شہر امام کا دستخطی مہر شدہ دستی فتویٰ تین چار مسلمان تجارتی جو کہ کاشی پور کے ہی رہنے والے ہیں، صبح ۵ بجے ۲۹ رمضان کی صبح کو مرادآباد سے لائے جس میں تحریر تھا کہ میرے پاس رویت ہلال کی تصدیق آچکی ہے، لہذا صبح عید کی نماز ۱۰ بجے عیدگاہ میں ہوگی۔ یہ فتویٰ شہر امام کاشی پور کو اور کچھ مولوی صاحبان کو دکھایا، جس کو انھوں نے نہیں مانا اور یہ کہہ دیا کہ یہ مرادآباد کے لئے ہے۔ نہ روزے قضاء کئے، نہ کرنے دیئے، نہ عید کی نماز پڑھی، نہ پڑھنے دی۔ کاشی پور کے کچھ مولوی نے یہ فتویٰ مانا اور روزے قضا کر کے افطار کی اور کافی آدمیوں نے عید کی نماز بھی پڑھی۔ جبکہ عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ شہر امام کے فتویٰ کو جھٹلاتے ہوئے نہ روزے قضاء کئے نہ عید کی نماز ادا کی، جبکہ شہر میں روزے بھی افطار کیے اور عید کی نماز بھی ادا کی گئی تو یہ فعل امام شہر کاشی پور اور کچھ مولوی صاحبان کا صحیح درست رہا یا جن مولویوں نے فتویٰ مانا اور روزے افطار کیے، نماز ادا کی جائز رہا۔ ازروئے شریعت فیصلہ سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ حاجی جمشید حسین چونہ فروش، محلہ گنج، کاشی پور، ضلع نینی تال، ۱۱ ستمبر ۱۹۷۰ء

الجواب: مفتی شہر یا امام شہر کی تحریر مذکور ضلع کے ان تمام مقاموں میں معتبر ہوگی، جو اس شہر سے ملحق اور تابع ہوں اور جو مقام شہر سے ملحق یا تابع نہیں ہے، وہاں یہ تحریر معتبر نہیں ہوگی، بلکہ وہ تحریر معتبر ہوگی، جو کتاب القاضی الی القاضی کے طور پر بھیجی گئی ہو، کاشی پور مرادآباد کے تابع نہیں ہے، نہ مرادآباد سے ملحق ہے، امام شہر مرادآبا کی یہ تحریر جو کاشی پور چند تاجر حضرات لے کر گئے کتاب القاضی کے طور پر یہ تحریر نہ رہی تھی، اس لئے شرعاً قابل قبول نہیں۔ لہذا جن صاحبان نے اسے قبول نہ کیا، ان کا روزہ رکھنا صحیح اور نماز عید نہ پڑھنا درست ہے، اور جن لوگوں نے اس تحریر کو قبول کر کے اس پر عمل کیا وہ غلطی اور خطا پر ہیں ان کو شرعاً افطار نہ کرنا تھا اور نماز عید بھی نہ پڑھنی تھی۔ چونکہ وہ تحریر شرعاً قابل قبول نہ تھی چونکہ شرعاً تحریر کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر شہادت شرعیہ قائم ہو۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹ رمضان المبارک کو رویت ہلال کے لئے کثیر تعداد میں مسلمانان آگرہ جامع مسجد کی چھت پر چڑھے اور بعد غروب آفتاب مسلمانوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی، مگر چاند باوجود مطلع صاف ہونے کے کسی کو نظر نہیں آیا۔ غروب آفتاب کے بعد جو مغرب میں تارے نکلتے ہیں، وہ سب کو نظر آئے، مگر چاند کو باوجود خوب غور سے دیکھنے کے بعد بھی کہیں پتہ نہ تھا اور بعد نماز مغرب بھی سیکڑوں مسلمانوں نے چاند دیکھا، کسی کو نظر نہیں آیا۔ شہر بھر کے مسلمانوں میں سے نہ شہر کے قرب کے کسی گاؤں کے مسلمان کو نظر آیا جو وہ مفتی شہر یا جامع مسجد کے امام صاحب کو آکر چاند دیکھنے کی شہادت دیتا، اس کے باوجود مفتی شہر آگرہ عبدالقدوس رومی نے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات کو یکایک اعلان کرادیا کہ چاند ہونے کی شہادت مل گئی ہے اور کل سنیچر کو عید ہوگی۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ایرفورس کے دو نوجوان جس کی داڑھی مونڈی ہوئی تھی، ان خلاف شرع لوگوں کی شہادت لے کر ۲۹ رمضان المبارک کو چاند ہونا تسلیم کر کے عید کرادی، ایسے داڑھی منڈے، خلاف شرع فاسق مسلمانوں کی شہادت جائز

ہے یا ناجائز؟

گزارش ہے کہ صورت مسئولہ یہ عید صحیح ہوئی یا نہیں، اور روزہ کی قضا کی ضرورت لازم آئی یا نہیں؟ پہلی فرصت میں جہاں تک ہو سکے جلد از جلد جواب مدلل فرما کر ارسال فرمایا جائے، تاکہ یہاں جو سنیچر کو عید کرا دینے پر خلجان پھیلا ہوا ہے وہ دور ہو؟

مسئولہ حاجی سید عبدالقادر صاحب، لوہا منڈی، آگرہ، ۲۱ رشوال ۱۳۹۱ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ مطلع وہاں صاف تھا تو ایسی صورت میں جماعت کثیرہ کی شہادت درباب رویت ہلال عید الفطر شرعاً مقبول ہوتی ہے، اس کے برخلاف صرف دو شخص جو داڑھی منڈانے والے فاسق معلن تھے، ان کی شہادت کو قبول کر لینا اور اسی پر عید الفطر منانے اور روزہ توڑ دینے کا اعلان کرنا شرعاً غلط وباطل ہے۔ مفتی عبدالقدوس صاحب روحی کا ایسا حکم فرمانا فقہ حنفی کے بالکل خلاف ہے، جن لوگوں نے سنیچر کے روز عید منائی ان کی نماز عید شرعاً صحیح و درست نہیں ہوئی۔ ان پر ایک دن کے روزے کی قضاء فرض ولازم ہے۔ میں نے اپنی داہنی آنکھ کا آپریشن کرایا ہے، اس کی وجہ سے کتب بینی اور لکھنے پڑھنے سے معذور ومجبور ہوں، لہذا دوسرے سے لکھوا کر بھیج رہا ہوں، یہ مسئلہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں مرقوم ہے۔ حوالہ کے ساتھ مدلل جواب لکھنا میرے لئے دشوار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٦٥٥ : کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ رمضان المبارک شریف ۱۳۹۱ھ کی ۲۹ رتاریخ روز جمعہ کو غروب شمس ہونے پر مسلمانانِ بدایوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی لیکن مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے مطلع اتنا سرخ آلود تھا کہ چاند نظر نہیں آیا۔ جملہ مسلمانان چاند کے ظہور سے مایوس ہو گئے، تراویح پڑھی اور تعین کر لیا کہ ۳۰ ر رمضان روز شنبہ کو روزہ رکھنا ہوگا۔ رات کو ۲ ربجے قصبہ ککرالہ ضلع بدایوں سے جو چودہ میل جانب مشرق ہے سات آدمی جن میں چیرمین صاحب ککرالہ، مولینا ارشاد علی خان صاحب اور امام جامع مسجد ککرالہ بھی شامل تھے، مولینا مفتی محمد ابراہیم صاحب فریدی شمسی پوری، مفتی بدایوں کے گھر واقع محلہ کمان گراں بدایوں آئے۔ اور مفتی صاحب کو خبر کی کہ ککرالہ میں متعدد اشخاص نے بچشم خود چاند دیکھا ہے، جو ککرالہ میں ہیں ہمارے ساتھ نہیں آئے ہیں۔ ان میں عورتیں نمازی، روزہ دار بھی ہیں، ان کے بدایوں آنے کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا، پھر جناب مولانا مفتی اقبال حسین صاحب کے دولت کدہ پر گئے، اور ان سے بھی یہ تمام کیفیت بیان کی۔

ان دونوں صاحبان نے ککرالہ چلنے کی آمادگی ظاہر کی۔ چیرمین صاحب ککرالہ پہنچے اور جامع مسجد ککرالہ میں گئے۔ دیکھا کہ جامع مسجد میں اہلیان ککرالہ کثیر تعداد میں موجود ہیں، رسمی گفتگو کے بعد فجر کا وقت ہو گیا، اذان کہی گئی، مفتی صاحب نے نماز پڑھائی، بعدہ کذب بیانی اور جھوٹی شہادت دینے کی برائی اور حق بات چھپانے کے موضوع پر علمائے کرام نے مختصر تقریریں کیں۔ جامع مسجد میں شاہدین جنھوں نے بچشم خود چاند دیکھا تھا، سب موجود تھے، ان سے اس مجمع عام میں جدا جدا، الگ الگ ہر ایک سے شہادت لی اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم سب اہل سنت وجماعت ہیں، پھر چاند دیکھنے والی عورتوں کے مکان پر علمائے کرام تشریف لے گئے اور ہر ایک سے جدا جدا بیان لیا، پھر یہ تینوں علمائے کرام جامع مسجد میں آ کر بیٹھے

اور مفتی صاحب نے ان سب سے الگ الگ شہادت کی درستگی اور خبر کے یقین پر رائے لی، بعدہ مفتی صاحب نے فتویٰ دیا۔
تینوں علمائے کرام نے مائک پر رویت ہلال کی شرعی شہادت گزرنے کو بیان کیا اور اعلان کیا کہ روزہ افطار کیا جائے اور عید کی جاوے۔ وہاں سے آکر بدایوں میں اعلان عام مختلف مقامات پر کئے جن سے پورے شہر میں خبر پہونچی، قصبات اور مواضعات میں مہری دستخطی اعلانیہ بھیجے۔

چند اشخاص نے جنھوں نے علمائے کرام سے نہ پوچھا اور نہ ملے اور اعلان سنتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ روزہ مت توڑو، عید مت مناؤ اور نماز عید مت پڑھو۔ کسی نے پوچھا۔ اعلان کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟ تو کہا کہ علماء باہر شہادت لینے کیوں گئے اور یہ جو اعلان کر رہے ہیں غلط ہے، جھوٹ ہے، اور علمائے کرام کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور ان کو جھوٹا بتایا۔
لہذا علمائے کرام اور مفتیان عظام سے دریافت طلب یہ ہے کہ جن صاحبوں نے تفریق بین المسلمین اور توہین علمائے کرام کی ہے اور روزہ توڑنے اور عید کی نماز پڑھنے سے بلا دلیل شرعی روکا ہے ان کے متعلق کیا حکم شرع ہے، اور ان اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئولہ مولوی غلام ربانی قادری، بازار کار میکل گنج، بدایوں

الجواب: اگر فی الواقع سوال میں لکھے ہوئے واقعات صحیح ہیں تو مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے والے اور تفریق بین المسلمین کرنے والے اور اعلان مذکور کو غلط اور جھوٹ بغیر تحقیق بتانے والے سارے افراد عظیم ترین گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے اور جن لوگوں نے مفتیان کرام اور علمائے کرام پر شہادت کے لئے باہر جانے کی وجہ سے غلط اعتراض کیا اور ان کو جھوٹا بتایا، بلکہ احکام دین کی اشاعت واعلان پر علمائے کرام کی توہین کی تو یہ لوگ توہین حکم دین وعلمائے کرام و مفتیان شرع متین کے باعث کافر و مرتد ہوئے، اور خارج از اسلام ہو گئے۔ سب پر اپنے اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار لازم ہے اور جن لوگوں نے توہین کی، ان پر توبہ واستغفار وتجدید ایمان واسلام اور تجدید نکاح وبیعت بھی فرض ولازم ہے۔
مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۳۲۹ میں ہے۔

والا ستخفاف بالا شراف والعلماء كفر ومن قال العالم عويلم او لعلوى عليوى قاصدا به الا ستخفاف كفر من اهان الشريعة اوالمسائل اللتى لا بد منها كفر. علماء کی توہین اور استخفاف کفر ہے۔ جس نے عالم کو ''عویلم'' کہا یا علوی کو ''علیوی'' کہا، اس سے اس کی نیت توہین ہے تو کافر ہوگیا۔ جس نے شریعت یا اس کے اہم اور ضروری مسائل کی توہین کی کافر ہوگیا۔

اسی کے ص ۳۲۵ و ۳۲۶ میں ہے۔

فمايكون به كفر ابالا تفاق يجب احباط العمل كمافى المرتد وتلزم اعادة الحج ان كان قد حج ويكون وط ء ه حينئذ مع امرأته زنا والولد الحاصل منه فى هذه الحالة ولدالزنا وما كان فى كونه كفرا اختلاف يومر قائله بتجديد النكاح والتوبة والرجوع عن ذالك احتياطا وما كان خطاء من الالفاظ لا يو جب الكفر فقائله مومن على حاله ولا يو مر

بتجدید النکاح ولکن یومر بالا ستغفار والرجوع عن ذالک. (ملخصا). جن باتوں کے کفر ہونے میں علماء کا اتفاق ہے،اس سے تمام اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مرتد کا حکم ہے۔اگر اس نے حج کیا ہے تو دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔اپنی بیوی سے اس کا وطی کرنا،اس وقت زنا ہوگا۔اس حالت میں جو اولاد ہوئی وہ حرامی ہوئی۔اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہے۔اس کے قائل کو نئے نکاح،توبہ اور رجوع کا حکم دیا جائیگا،احتیاطًا۔اور اگر الفاظ غلطی سے نکل گئے تو یہ کفر کو لازم نہیں کریگا۔لہذا اس کا قائل حالت ایمان ہی میں ہے۔اسے تجدید نکاح کا تو حکم نہیں دیا جائیگا تاہم توبہ واستغفار کے بارے میں ضرور کہا جائیگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٦٥٦: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱): زید ایک عالم ہے،وہ عالمانہ حیثیت سے عیدالفطر میں شرعی شہادت،یعنی ایک دس سال کا لڑکا،ایک مرد اور ایک عورت سے پانے کے باوجود روزہ رکھوادیا اور مطلع بالکل صاف تھا اور بحالتِ روزہ نماز پڑھائی اور پڑھنے کا حکم دیا؟

(۲): وہی عالم عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر شہادت کے باوجود یعنی بھاگل پور سے مولانا ابراہیم صاحب کا خط آیا،جس میں دو تین علماء اور گدی نشین کے سامنے کی شہادت کو اس خط میں لکھا گیا تھا، اس خط کو دیکھنے کے باوجود قربانی سے روکا گیا اور نماز عیدالاضحیٰ پڑھائی اور یہ کہا کہ ہمارے لئے شہادت نہیں بن سکتا،لیکن نماز عیدالاضحیٰ ہوگی،اب سوال یہ ہے کہ کسی معتبر مفتی اور عالم دین کے خط کو مانا جاسکتا ہے،یا نہیں؟(خط کا جملہ) کہ یہاں عید فلاں دن ہورہی ہے اور خط کہ ہمارے سامنے فلاں فلاں حضرات نے کہا کہ ہم نے گواہی لی اور وہ شہادت شرعی تھی۔

فلاں سے مطلب عالم دین وسادات وغیرہ ہیں،ان حضرات کے خط کے بارے میں کیا حکم صادر ہوتا ہے اور اس خط کے جھٹلانے والوں پر کیا حکم عائد ہوتا ہے۔بینوا توجروا.

محمد ضیاءالدین اشرفی وریاض الدین،موضع چوتیا،مرزاپور،ضلع بھاگلپور ۱۲ رصفر ۱۳۹۲ھ

الجواب: مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان کے سوا ہر مہینہ کے چاند دیکھنے کے متعلق جماعت کثیرہ کی شہادت شرعا ضروری ہے۔سائل ایک مرد اور ایک عورت اور ایک نابالغ لڑکے کی شہادت کو ایسی صورت میں شرعی شہادت قرار دینے میں غلطی پر ہے، بلکہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں بھی یہ شہادت شرعی شہادت نہ ہوگی، چونکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ایسی صورت میں شرعی شہادت ہوگی۔اور صورت مذکورہ میں نہ دو مرد ہیں اور نہ ایک مرد اور دو عورتیں ہیں، بلکہ ایک مرد، ایک عورت اور ایک نابالغ لڑکا ہے۔لہذا ایسی شہادت کو شرعی شہادت قرار دینے میں سائل سراسر غلطی میں مبتلا ہے۔زید کا روزہ رکھنا،ایسی صورت میں بالکل حق بجا ہے۔اس بارے میں زید نے اپنے عالم دین ہونے کا حق ادا کیا ہے قابل قدر ہے۔زید نے نماز عیدالفطر پڑھائی اس کے کیا وجوہ واسباب تھے،سائل کو یہ واضح طور پر بیان کرنا تھا۔

نیز سائل کا یہ بیان کہ زید نے نماز عیدالفطر پڑھنے کا حکم دیا،میری سمجھ میں نہ آسکا کہ جو عالم دین اتنا محتاط ہو کہ وہ حکم

شرعی پر عمل کرتے ہوئے روزہ رکھے، اور پبلک کو روزہ رکھنے کا حکم عملی یا زبانی دے وہ خلاف شرع نماز عید الفطر پڑھنے یا پڑھانے کا حکم کیسے صادر کرے گا۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں کہ زید نے اہل قریہ کی اکثریت کے جبر و دباؤ سے متاثر ہوکر نماز پڑھادی ہوگی، مگر نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا ہوگا یا بایں خیال کہ میری امامت چھین لی جائے گی، نماز پڑھادوں تو عوام کا یہ فتنہ ختم ہوجائے گا۔ چونکہ آج کل عام طور پر عوام ریڈیو کی خبر پر عید منانے کے لئے بے چین و مضطرب ہوکر امام پر نماز پڑھانے کے لئے بے جا جبر و دباؤ ڈالتے ہیں جیسا کہ متعدد بار کا میرا مشاہدہ و تجربہ ہے۔ زید عالم دین ہے۔ میں واقف ہوں۔ شاید زید نے اس خیال سے نماز عید الفطر یا نماز عید الاضحیٰ پڑھادی ہو کہ حنفی مسلک میں غیر مصر و فنائے مصر میں نماز جمعہ کی طرح نماز عیدین ہوتی ہی نہیں ہے، مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول الباب الثانی فی رویۃ الھلال ص ۱۸۵ میں ہے۔

ولا تقبل شهادة المراهق، مراہق کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔

اسی میں ہے۔

وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شهادة جمع کثیر یقع العلم بخبرهم وهو مفوض الی رای الا مام من غیر تقدیر هوا لصحیح کذا فی الا ختیار شرح المختار. اگر مطلع صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کی ہی شہادت قبول کی جائیگی، جس سے یقینی علم حاصل ہوجائے، یہ معاملہ امام کی رائے کے سپرد ہے، اس میں مخصوص تعداد کی قید نہیں۔ یہی صحیح ہے۔

اسی میں ہے۔

وان کان بالسماء علة لا تقبل الاشهادة رجلین او رجل وامراتین ویشترط فیه الحریة ولفظ الشهادة کذافی خزانة المفتیین. اگر مطلع صاف نہ ہو، اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی گواہی قبول کی جائیگی، گواہ کا آزاد ہونا اور شہادت دیتا ہوں کہنا شرط ہے، ایسا ہی خزانة المفتیین میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

(۲): خط کا پورا مضمون جب تک میرے سامنے نہ لایا جائے میں کوئی قطعی حکم دینے سے قاصر ہوں، رہا کسی مفتی یا عالم دین کا صرف یہ لکھ دینا کہ یہاں فلاں دن عید ہو رہی ہے، شرعاً ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں، جب کہ یہ خط دور دراز مقام سے آیا ہے۔ اس قسم کا خط یا اعلان قرب و جوار کے لئے تو سند بن سکتا ہے، چونکہ شک وشبہ بھی ہو تو وقتی طور پر وہاں پہونچ کر شک وشبہ کا ازالہ کیا جاسکتا ہے، سوال میں عید الضحیٰ لکھا گیا ہے یہ غلط ہے، بلکہ صحیح لفظ عید الاضحیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۵۷ : جو لوگ بغیر چاند دیکھے ریڈیو کی خبر سن کر روزہ چھوڑ دیتے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئولہ سرفراز حسین، موضع مینم پور، ضلع مرادآباد، محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

الجواب: ریڈیو کی خبر سے چاند ہونے کا ثبوت شرعی نہیں ہوتا، چاند ہونے کے لئے کسی ثبوت شرعی کے بغیر روزہ چھوڑنا افطار کرلینا اور عید منانا گناہ و حرام ہے، لہذا جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ غلط کر کے حرام کار و گنہگار ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ

اعلم۔

مسئلہ ۶۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ عید کے چاند کی شرعی شہادت امام مسجد کو تاخیر سے ملی جس کی بنا پر امام مسجد نے شہر میں افطار صوم کا اعلان کرادیا اور عید اگلے دن ہوگی۔ شہر کے لوگوں نے افطار بھی کر لیا، بکر چند اشخاص جو ضروری مسئلہ شرع سے قدرے واقف ہیں، مندرجہ بالا اعلان پر افطار کرنے سے انکار کردیا، یہ کہہ کر کہ ہم تو شوال کی پہلی تاریخ نہیں، بلکہ رمضان کی ۳۰ر تاریخ مانتے ہیں، جب کہ شرعی شہادت سے معلوم ہوگیا کہ آج شوال المکرم کی پہلی تاریخ ہے، اس زید، عمر، بکر کا روزہ رکھنا کیسا ہے اور زید پر امام کی اتباع اس موقع پر لازم تھا یا نہیں؟ اگر لازم تھا تو زید پر کیا حکم نافذ ہوگا؟ بحوالہ جواب سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ مولانا سراج الدین اشرفی امام جامع مسجد، بانس پھوڑاں، ضلع نینی تال، ۵ر نومبر ۱۹۷۳ء

الجواب: شرعی شہادت رویت ہلال عید الفطر گزر جانے کے بعد امام مسجد کا اعلان کرنا اپنی جگہ پر بالکل صحیح ودرست ہے کہ آج پہلی شوال عید الفطر کا دن ہے کوئی روزہ نہ رکھے، وقت کی تنگی کے باعث نماز عید الفطر کل ہوگی اس کو جو نہ مانے وہ اپنی جگہ پر غلط کار ہے، امام مسجد بالخصوص عالم دین ہو تو وہ اپنی جگہ پر ذمہ دار ہے، اس کے اعلان کو نہ ماننا اور ساری قوم مسلم اور عوام مومنین کے صحیح طریقہ کو تسلیم نہ کرنا، بلکہ تکذیب کرنا اور یکم شوال کو ۳۰ر رمضان بتانا اور روزہ رکھنا حرام وگناہ ہے۔
سرکار نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ صوموا یوم تصومون و افطروا یوم تفطرون (جس دن عام مسلمان حکم شرع کے مطابق روزہ رکھیں تم روزے رکھو، اور جس دن عام مسلمان حکم شرع کے مطابق افطار کریں تم افطار کرو) (منہ) زید کو بھی امام کی اتباع کرنی تھی۔ زید گنہگار ہوا خارج از اسلام نہ ہوا۔ اپنے اس گناہ سے توبہ کرے۔ واللہ تعالی اعلم۔

کتاب الزکوٰۃ (زکوٰۃ کا بیان)

مسئلہ ۶۳۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پراویڈنٹ فنڈ جب تک وصول نہ ہوجائے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ وہ رقم ہے جو ملازمین سرکاری کی تنخواہ سے برابر وضع ہوتی رہتی ہے اور ملازمت سے علیحدہ ہونے پر کچھ اضافہ کے ساتھ واپس ملتی ہے۔ یعنی اس رقم پر حق ملکیت تو ملازم کو حاصل ہوتا ہے لیکن حق تصرف حاصل نہیں ہوتا، جب تک ملازمت ختم نہ ہوجائے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ دورانِ ملازمت اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ جواب باصواب بحوالہ کتب عنایت فرمادیں؟

مسئولہ سید ممتاز حسین صاحب، کچھوچھہ مقدسہ، ضلع فیض آباد

الجواب: وجوب زکوٰۃ کے لئے نصاب پر ملک تام ہونا شرط ہے۔ ملک تام کے معنی یہ ہیں کہ اس نصاب پر ملک اور قبضہ وتصرف سب کچھ حاصل ہو۔ سوال سے ظاہر ہے کہ مسئولہ فنڈ پر قبضہ وتصرف اس کے مالک کو حاصل نہیں۔ لہٰذا اس فنڈ پر زمانہ ملازمت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ عالمگیری جلد اول ص ۱۷۳ میں ہے۔

ومنها (ای من شرط وجوب الزکوٰۃ) الملک التام وهو ما اجتمع فیه الملک والید واما اذا وجد الملک دون الید کا لصد اق قبل القبض اوو جد الید دون الماک کملک المکاتب والمدیون لا تجب فیه الزکوٰۃ کذافی السراج الوهاج. (زکوٰۃ کے واجب ہونے کے شرائط میں سے کامل ملکیت ہونا شرط ہے) مکمل ملکیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ملکیت اور قبضہ دونوں بیک وقت حاصل ہوں۔ لہٰذا اگر ملکیت پائی گئی اور قبضہ نہیں پایا گیا۔ جیسے قبضہ سے پہلے مہر، یا قبضہ پایا گیا ملکیت نہیں پائی گئی جیسے مکاتب غلام اور مقروض کا مالک ہونا۔ اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۳۷: سو روپے کے برابر زیور ہے۔ اس کی زکوٰۃ ایک مرتبہ ادا کردی ہے۔ اب دوسرے سال بھی فرض ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد اختر حسین، بھوجپور مرادآباد

الجواب: ہر سال زیور مذکور کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ ایک بار زیورات کی زکوٰۃ ادا کردینے سے عمر بھر کے لئے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ۴ میں ہے۔

و(سببه) ای سبب افتراضها (ملک نصاب حولی). زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب سالانہ مالک

نصاب ہوتا ہے۔
مراقی الفلاح مصری ص ۴۲۹ میں ہے۔

هي تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص فرضت علىٰ حر مسلم مكلف مالك لنصاب من نقد ولو تبرا او حليا او آنية او مايساوى قيمته من عروض تجارة . وہ شخص مخصوص کے لئے مال مخصوص کا مالک بنا دینا ہے۔ زکوٰۃ ہر آزاد، بالغ مالک نصاب پر فرض ہے۔ نقد رقم ہو یا سونا ہو، یا زیور ہو، یا اس کی قیمت کے برابر سامان تجارت ہو۔ والله تعالىٰ اعلم.

مسئله ٦٦١ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس مبلغ دوسو روپیہ اپنا ذاتی ہے، اور وہ اپنی بیوی کے مہر وں مبلغ دو ہزار کا قرض دار ہے۔ ایسی صورت میں زید پر قربانی وصدقہ فطر وزکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟
مسئولہ شمیم احمد رضوی، بہیڑی، ضلع بریلی، ۱۵/محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

الجواب: بالعموم بیوی کی جانب سے دین مہر مؤجل کا مطالبہ عادۃً نہیں ہوتا۔ لہذا جب شوہر مالک نصاب ہے تو ایسا دین مہر وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ زید پر دوسو روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے اور دین مہر معجّل وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے۔ لہذا دین مہر معجّل جب شوہر پر واجب ہے اور زید کے پاس جو روپیہ موجود ہے وہ دین مہر معجّل کی مقدار سے کم بھی ہے تو اس صورت میں زید پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۶۲ میں ہے۔

وكذالك المهر يمنع مؤجلا كان او معجلا لانه مطالب به كذافي محيط السرخسي و هو الصحيح على ظاهر المذهب و ذكر البزدوي وفي شرح الجامع الكبير قال مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته، وهو لايريد اداءه لايجعل مانعامن الزكوة لعدم المطالبة في العادة و انه حسن ايضا كذا في جواهر الفتاوىٰ. اسی طرح مہر زکوٰۃ کے واجب ہونے میں رکاوٹ ہے، خواہ معجّل ہو یا مؤجل، کیونکہ مرد اس حالت میں تقاضا ومطالبہ کے بوجھ تلے ہوتا ہے۔......... ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس مرد کے بارے میں فرمایا جس پر اسکی بیوی کا دین مہر ہے، مگر وہ اسے ادا کر دینا نہیں چاہتا ——— فرمایا "یہ بات زکوٰۃ کی فرضیت کی راہ میں حائل نہیں ہوگی، کیونکہ دین مہر کے مطالبہ کا معاشرہ میں رواج نہیں ہے۔" یہ بات اچھی بھی ہے۔ ایسا ہی "جواہر الفتاویٰ" میں ہے۔

مالک نصاب پر بیوی کا دین مہر ہو تو وہ وجوب قربانی اور صدقہ فطر کا مانع نہیں، لہٰذا زید پر دین مہر واجب ہونے کے باوجود قربانی کرنی اور صدقہ فطر ادا کرنا لازم وواجب ہے۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ٦ میں ہے۔

ولايمنع الدين وجوب عشر، و خراج، و كفارة. دین مہر عشر، حکومتی ٹیکس اور کفارہ کے وجوب کی راہ میں حائل نہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

وکذالایمنع دین صدقة الفطر و هدی المتعة والا ضحیة (بحر) اسی طرح دین مہر صدقہ فطر، تمتع کے جانور اور قربانی کے وجوب کو نہیں روکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اپنی ذاتی مالیت بالکل نہیں ہے۔ لیکن بکر کے ذمہ اس کے کئی سو روپے باقی ہیں اور بکر بھی بہت مقروض ہے، اور صاحبِ نصاب بھی نہیں۔ بظاہر زید کے قرضہ کے وصول ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی لیکن بکر نے روپے دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں زید پر زکوٰۃ فرض اور صدقہ فطر و قربانی واجب ہے یا نہیں؟

مسئولہ............اار جولائی ۱۹۵۹ء

الجواب: صورت مسئولہ میں زید پر فی الحال نہ تو ادائے زکوٰۃ فرض ہے اور نہ صدقہ فطر و قربانی واجب۔ جب تک وہ اپنے مال پر قابض نہ ہو جائے۔ بعد قبضہ بشرط نصاب اس پر سالہائے گذشتہ اور اس سال کی زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔ درمختار جلد ثانی ص ۳۶ میں ہے۔

> واعلم ان الدیون عندالامام ثلثة قوی و متوسط و ضعیف ف(تجب) زکاتها اذاتم نصاب وحال الحول لکن لافورا بل (عند قبض اربعین درهما من الدین) القوی کقرض (و بدل مال تجارة) فکلما قبض اربعین درهما یلزمه درهم. جاننا چاہئے کہ امام صاحب کے نزدیک دیون تین طرح کے ہیں۔(۱) قوی (جیسے قرض اور مال تجارت کا بدل)۔(۲) متوسط (غیر تجارتی مال کا بدل جیسے چرنے والے جانور اور خدمت کے غلام کی قیمت)۔(۳) ضعیف (غیر مال کا بدل جیسے مہر اور دیت وغیرہ)۔ ان کی زکوٰۃ ادا کی جائیگی جب نصاب پورا ہو جائے اور سال گزر جائے۔ لیکن فی الفور نہیں، بلکہ دین قوی کے چالیس درہم پر قابض ہونے کے بعد۔ جیسے قرض اور مال تجارت کا بدل۔ لہذا جب جب چالیس درہم پر قابض ہوگا، ایک درہم لازم ہو جائیگا۔

اسی کے ص ۳۷ میں ہے۔

> مقتضی مامرمن ان الدین القوی و المتوسط لایجب اداء زکاته الابعد القبض. دین قوی اور متوسط جس کا ذکر اوپر گزرا کا مقتضا یہ ہے کہ جب تک قبضہ مکمل نہ ہو جائے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔
>
> واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۶۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زید کے پاس امانت رکھی۔ زید نے یوں کہا کہ یہ روپیہ میں اپنے مصرف میں خرچ کرتا ہوں جب تم کو ضرورت ہوگی، دے دوں گا۔ مالک نے اجازت دیدی۔ زید نے یہ بھی کہا کہ یہ روپیہ چونکہ تمہارے خرچہ میں نہیں آرہا ہے، میں استعمال کر رہاں ہوں، لہذا اس کی زکوٰۃ میں ادا کردیا کرونگا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

مسئولہ چھٹن خان، محلہ سرائے کشن لال، مراد آباد، ۱۸ ردسمبر ۱۹۵۹ء

الجواب: جس امانت دار نے امانت کی رقم کو مالک کی اجازت سے اپنے کام میں خرچ کیا ہے۔ وہ اپنی جانب سے زکوٰۃ اس رقم کی ادا نہیں کرسکتا، بلکہ جو اصل مالک ہے، وہی اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرے۔ چونکہ اس میں سود کا شبہ ہوتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٦٦٤: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کتاب مسمی "مرأۃ الواعظین" ترجمہ اردو "درۃ الناصحین" کا مطالعہ کررہا تھا۔ کہ کتاب موصوف کی جلد ۲ ص ۱۲۵ میں تحت ترجمہ اس قول "**قیل من ملک عشرین مثقالا من الذھب او مائتی درھم من الفضۃ بعد الحوائج الاصلیۃ فھو غنی فان ملک غیر الدراھم والدنانیر فانہ ینظر مساوی مائتی درھم فھو غنی فعلیہ الاضحیۃ**"۔ کے مترجم نقل کرتے ہیں کہ "اور کہا گیا ہے کہ جو شخص ایسی زمین کا مالک ہو یا ایسے انگور کے درخت کا مالک ہو جس کی قیمت دوسو درہم ہے۔ پس وہ بالاتفاق غنی ہے" تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ جس کے پاس دوسو درہم کی برابر یا اس سے زیادہ مقدار میں زمین (جیسا کہ ہمارے اکثر لوگ ہیں) موجود ہے، لیکن اس کے نقدیات یا کوئی دوسرا سامان اس کے پاس کچھ بھی نہیں یا ہے بھی تو دوسو درہم سے کم کا ہے۔ ایسے شخص پر زمین کو مدنظر رکھتے ہوئے قربانی واجب ہے یا نہیں؟ ہاں اگر قربانی کرے گا تو جانور خرید نے کے لئے روپیہ قرض لینا پڑے گا، یا زمین کا کچھ حصہ فروخت کرنا پڑے گا؟

مسئولہ محمد مجیب الرحمٰن نعیمی حبیب اللہ، چپورا، گوا گاؤں، اسلام پور، مغربی دینا جپور، بنگال

الجواب: مرآۃ الواعظین کے مترجم نے درۃ الناصحین کی عربی عبارت کا ترجمہ کرنے اور مراد متعین کرنے میں خطا کی ہے۔ جس شخص کے پاس دوسو درہم کی زمین ہو یا دوسو درہم کے درخت ہوں۔ جو اس کے لئے ذریعہ معاش ہوں' تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں' نہ وہ شرعاً غنی ہے۔ چونکہ یہ زمین اور باغ کے درخت تو حوائج اصلیہ میں داخل اور شامل ہیں۔ ہاں زمین یا درخت کی آمدنی اگر حوائج اصلیہ سے فاضل بچتی ہو جس کی مقدار دوسو درہم ہو تو ایسے شخص پر ضرور قربانی واجب ہے اور وہ شرعاً غنی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ٦٦٥: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید تجارت کرتا ہے۔ لوہے کے سامان وغیرہ کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ کیواڑ وغیرہ کے قبضہ وکنڈے، زنجیر، مشین کے پرزے اور لوہاروں کے اوزار اور بڑھئی کے اوزار وغیرہ اور پٹہ مشین چلانے کا، غرض کہ اس قسم کی چیزیں ہیں۔ ان میں زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے آیا مال کی قیمت پر لگے گی، یا اشیاء مذکورہ پر جو طریقہ ہو اس سے مطلع فرمائیں؟ اس سامان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئولہ حاجی محمد الحق، ۱۲ رمحرم الحرام ۱۳۸۴ھ

الجواب: مندرجہ بالا سامان تجارت پر زکوٰۃ فرض ہے، جس کا ادا کرنا لازم وضروری ہے۔ اس سامان کی زکوٰۃ نکالنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جب سالانہ حساب کرکے زکوٰۃ نکالنا چاہیں تو ہر سامان کی فہرست صحیح ومکمل طریقہ پر بنوا کر یا بنا کر ہر سامان کی اصل قیمت کا حساب لگائیں، یعنی جو سامان جس قیمت کا خریدنے کے بعد خرچ شامل کرکے پڑا ہو۔ حساب کے بعد جو رقم سارے سامان تجارت کی قیمت سے بنتی ہو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالیں، یعنی ہر سو پر ڈھائی روپے اور

ہزار پر پچیس روپے۔ وعلیٰ ھذاالقیاس. واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ٦٦٦ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری کچھ رقم چند شخصوں پر قرض ہے۔ اس کو ہم نے کچھ مال دیا تھا۔ اس کو تین سال ہو گئے ہیں، اور اس کا کام خراب ہو گیا ہے۔ فی الحال اس رقم کے ملنے کی امید نہیں ہے۔ لیکن اگر مل جائے تو اس پر کس طرح زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ اب تک برابر نکالتے آرہے ہیں۔ کیا اب آئندہ بھی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

مسئولہ محمد حنیف صاحب، بذریعہ مولوی یامین صاحب، بلاری، ضلع مرادآباد، ۱۲ / مارچ ۱۹۶۶ء

الجواب: جو رقم مدیون مفلس و نادار پر باقی ہو۔ اس رقم پر مالک مال کو ملک تام حاصل نہیں۔ نہ ایسی رقم حقیقۃً یا حکماً نصاب نامی ہے، اس لئے ایسی رقم پر فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں۔ وصول ہو جانے پر گذشتہ جتنے سال کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو اتنے سال کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ یعنی تین سال کی زکوٰۃ جواب تک دی جا چکی ہے۔ اس تین سال کے بعد کی زکوٰۃ رقم مذکور کے وصول ہونے پر دینا ہوگی۔ لہٰذا اگر اب ایک سال یا دو سال کے بعد رقم وصول ہوگی تو ایک سال یا دو سال ہی کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ وعلیٰ ھذا القیاس. فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۳ میں ہے۔

> **ومنها كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد و التناسل، و التجارة، اوتقديرا بان يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده اوفي يد نائبه.** زکوٰۃ فرض ہونے کے شرائط میں سے یہ بھی کہ نصاب نامی ہو، یعنی بڑھنے والا ہو۔ حقیقۃً توالد و تناسل (جانوروں کی پیدائش) اور تجارت کی شکل میں یا تقدیراً وہ اس طرح کہ مال کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو اور یہ اس وقت ہوگا جب مال اس کے قبضے میں ہے یا اس کے نائب کے قبضے میں ہے۔

اسی میں ہے۔

> **فان لم يتمكن من الاستنماء فلاز كوة عليه.** اگر مال بڑھانے پر قدرت نہیں رکھا تو اس پر زکوٰۃ بھی نہیں۔

اسی کے ص ۱۶۴ میں ہے۔

> **و ان كان القاضي عالما بالدين فعليه زكوٰة مامضىٰ و في مقربه تجب مطلقا سواء كان مليا او معسرا او مُفلَسًا كذا في الكافي.** اگر قاضی دین سے واقف ہے تو صاحب مال پر گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب ہے۔ اور اقرار شدہ مال پر مطلقاً واجب ہے، چاہے وہ اقرار کرنے والا غنی ہو یا تنگ دست یا جس کا دیوالیہ ہو گیا ہو۔

درمختار مصری جلد دوم ص ۱۰ میں ہے۔

> **(ولو كان الدينُ على مقرملي او) علىٰ (معسر اومفلس.......... فوصل الىٰ ملكه لزم زكوٰة مامضىٰ) (ملخصا)** اگر قرض اقرار کرنے والے مالدار پر ہے یا تنگدست یا مفلس

پر ہے، پھر بعد میں واپس ہوکر اس کے ملک میں آ گیا تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو صاحب نصاب ہے، یعنی اس کے پاس اس قیمت کا "زر" موجود ہے، لیکن نقد روپے اس کے پاس نہیں ہیں، اور نہ روزانہ کے خرچ سے زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ ادا کرسکتا ہے۔ اور شخص مذکور پانچ ہزار روپے کا مقروض بھی ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ وفطرہ واجب ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

مسئولہ جناب جمیل احمد صاحب قادری، ۲/ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ پنجشنبہ

الجواب: "زر" بمعنی سونا یا چاندی اگر اتنی قیمت کا ہے کہ اس کی قیمت سے پانچ ہزار روپے قرض ادا کرنے کے بعد اس موجودہ وقت میں ساڑھے سو روپے حاجت اصلیہ سے فاضل بچتے ہوں تو شخص مذکور صاحب نصاب شرعاً قرار پائے گا۔ اس پر فطرہ ادا کرنا واجب ہے، اور زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ اگر کسی طرح فطرہ زکوٰۃ یہ شخص اپنی دوسری آمدنی سے ادا نہیں کرسکتا تو پھر سونا یا چاندی بیچ کر فطرہ اور زکوٰۃ ادا کرنا اس پر لازم وضروری ہے۔ اور اگر سونا اتنی مذکورہ بالا قیمت کا نہیں ہے تو شخص مذکور صاحب نصاب شرعاً نہیں ہے۔ نہ اس پر فطرہ وزکوٰۃ کا ادا کرنا لازم وضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے اپنی کل جائداد چار لڑکوں اور ایک لڑکی پر تقسیم کردیا۔ اس میں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی نابالغ ہے۔ ان دونوں کے حصہ کی رقم زید کے بڑے لڑکے بکر نے یہ کہہ کر باپ سے مانگ لیا کہ میں اس کو اپنے کاروبار میں لگاتا ہوں، اور آپ ماں باپ اور دونوں نابالغ بھائی بہن کے کل اخراجات میرے ذمہ رہیں گے اور الگ خرچ کے لئے بھی جو آپ مانگیں گے، میں دوں گا، چنانچہ زید نے اپنے دونوں نابالغوں کے حصہ کی رقم جو دونوں نابالغوں کے لئے ہے، بکر کی شرط کے مطابق بکر کے حوالہ کردیا اور یہ بھی شرط رہی کہ جب آپ روپیہ طلب کریں گے، ان دونوں کے لئے تو دیدوں گا۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اب دو سوال ہیں؟

(۱): یہ کہ ان نابالغ اولاد کی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو اس کی زکوٰۃ کون نکالے گا؟ زید یا اس کا بڑا لڑکا بکر جس کے ذمہ رقم ہے۔ (۲): ماں باپ اور بھائی بہن کا بکر کے یہاں کھانا پینا اور ساری ضرورتیں رقم کی حوالگی کی شرط کے ساتھ پوری کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تو سود ہوگیا۔ بہر حال حق مسئلہ کیا ہے۔ جواب بالتفصیل اور مدلل عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد جمال صاحب، بونسی، ضلع بھاگل پور

الجواب: (۱): دونوں نابالغوں کی مذکورہ رقم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے صاحب نصاب کا مکلف ہونا ضروری ہے۔ غیر مکلف کی کسی رقم پر خود اس پر یا اس کے ولی پر یا اس کے مصارف کے کفیل پر واجب وفرض نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۶۱ میں ہے۔

ومنها العقل فليس الزكاة على صبي. فرضیت زکوٰۃ کے شرائط میں ایک عقل والا ہونا ہے لہٰذا نابالغ پر

زکوٰۃ فرض نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲): والدین اور بھائی بہن کے جملہ مصارف کی ادائیگی اگر بقصد ادائے نفقہ مفروضہ یا نافلہ ہے تو بلاشبہ صحیح و درست ہے۔اس کے سود ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگر ان سب کے جملہ مصارف کی کفالت بطورِ براحسان ہے، یا دونوں نابالغوں کی رقموں کے نفع معین کے بدلہ میں بطور مضاربت ہے، جنھیں بکر نے اپنے کاروبار میں لگایا ہے تو بھی صحیح و درست ہے، سود اور ربوا نہیں۔ اور اگر نفع کا تعین نہ ہوا تھا تو یہ مضاربت فاسدہ ہوگا، جس کا گناہ مضارب وولی رب المال پر ہوگا۔اس کو صحیح و جائز کرنے کے لئے اب دونوں نفع کا کاروبار میں تعین کرلیں اور نفع کا حساب باضابطہ رکھیں۔نفع معین سے زائد دینے میں مضارب براحسان کی نیت کرے اور کم دینے میں زائد نفع کا حساب میں اندراج کرلے تا کہ بوقت واپسی وہ رقم ولی رب المال یا بھائی بہن کو دے سکے۔ورنہ بقاعدہ شرعیہ کل قرض جرمنفعة فهو ربوا سود قرار پائے گا۔

تفسیر احمدی میں زیرآیت ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَاماً...... الخ﴾ [النساء:۵] (اور نہ دے ڈالو بے وقوفوں کو اپنے زیرنگرانی مال کو جس کو بنادیا اللہ نے تمہارے لئے معاش اور دیتے رہو ان کو اس میں سے اور پہناتے رہو ان کو اور بولا کرو ان سے خوش گوار بولی) (معارف) مسطور ہے۔

> خلص ماسبق له ها تان الأتيان ان الصغيراوالسفيه اذا كان لهما اموال يجب علیٰ اوليا ئهما ان يحفظوها تحت ايديهم ولا يتر كوها تحت تصرفهما خوفامن التضييع والهلاک و عليهم ان يعطو هما قدر الرزق و الكسوة ولايجوز للولى ان يتصرف فى ذالک المال لحق نفسه. الااذاكان فقيرافانه يجوزبه الاكل قدرالضروة. ان دونوں آیتوں کے سیاق کا خلاصہ یہ ہے کہ بچہ یا انتہائی سیدھا کے پاس اگر مال ہے تو وہ ودیعت ہے۔ان کے شرعی سرپرست کیلئے ضروری ہے کہ وہ اسے اپنے قبضے میں لے کر اس کی حفاظت کریں۔ان دونوں کے تصرف میں نہ چھوڑیں۔کیونکہ ضائع و برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔ہاں انہیں ان کے کھانے کپڑے کی ضروریات کے مطابق ضرور دیں۔سرپرست کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس مال کو اپنی ذات پر خرچ کرے۔ہاں اگر ولی محتاج ہے تو بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔

تفسیر مدارک میں آیت مذکورہ کے تحت ہے۔

> واجعلوها مكانا لرزقهم بان تتجروا فيها و تربحوا حتى تكون نفقتهم من الارباح لامن صلب المال فيا كلها الانفاق. اس مال کو ان کی روزی روٹی کیلئے ایک ذریعہ بنادو اس طرح کہ تجارت کے ذریعہ اسے بڑھاؤ تا کہ ان کے اخراجات اصل مال سے نہ ہوں، بلکہ منافع سے ہوں۔ورنہ یہ اخراجات اصل مال کو بھی ختم کردینگے۔

درمختار مرتضوی جلد ثانی ص ۴۸۵ میں ہے۔

> وفى الجلالية كل شرط يوجب جها لة فى الربح اويقطع الشركة فيه يفسد ها. ہروہ

شرط، جو منافع میں جہالت کی موجب ہے یا اس کے اندر شرکت کو قطع کر رہی ہے۔ وہ شرط اس معاملہ شرکت کو ہی باطل کر دے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٦٩: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱): زید کی ملکیت پانچ سو روپیہ عمر نے بطور قرض زید سے لے لئے تھے۔ عرصہ تقریباً پانچ سال کا ہو گیا۔ اتنے عرصہ میں کئی مرتبہ زید نے عمر سے اپنی رقم کا تقاضا کیا۔ عمر نے رقم دینے سے صاف انکار کر دیا۔ زید کو یہ یقین ہو گیا کہ اب یہ رقم نہیں ملے گی۔ بعدہ گزرنے مدت پانچ سال کے عمر وہ رقم زید کو واپس کرتا ہے۔ اب زید پر اس رقم کی زکوٰۃ کب سے واجب ہوئی یعنی زید گزشتہ پانچ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا جب سے وہ رقم زید کے قبضہ میں آئی تب ہی سے زید پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہوئی؟ (۲): زید نے کچھ زیور سونے چاندی کا تقریباً ایک سیر وزن زمین میں گاڑ دیا تھا۔ اس وقت تک کی زکوٰۃ ادا کر دی تھی۔ بعدہ گزرنے ایک سال زید اس زیور کو تلاش کرتا ہے تو اس جگہ وہ زیور نہیں پاتا ہے، اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ زیور غصب ہو گیا۔ اور اب ہاتھ نہیں آئے گا۔ تقریباً مدت دس سال گزرنے وہ گڑا ہوا زیور ہاتھ آیا۔ یعنی وہ مل جاتا ہے۔ اب زید دس سال کی زکوٰۃ حساب لگا کر ادا کرے، یا سال گزرنے پر صرف اسی سال کی زکوٰۃ ادا کرے، شرع شریف کی روشنی میں بحوالہ کتب جواب سے مطلع فرمائیں؟

مسئولہ عابد حسین، لال باغ، ۸ر صفر ۱۳۸۷ھ

الجواب: (۱): جو مال ورقم کسی کو قرض کے بطور دی گئی ہو جس پر کوئی برہان ودلیل نہ ہو، نہ وہ اقرار کرتا ہو، بلکہ رقم قرض ہی سے مدیون منکر ہو تو ایسے مال ورقم کی زکوٰۃ سالہائے گزشتہ کی واجب نہیں ہوتی۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۶۳ و ۱۶۴ میں ہے۔

> **والدين المجحود اذالم يكن عليه بينة ثم صارت له بينة' بعد سنين بان اقر عند الناس لا تجب عليه الزكوة هكذا فى التبيين.** جس قرض کے لینے کا انکار کیا گیا ہو۔ اگر اس پر کوئی شہادت نہ ہو۔ پھر برسوں بعد ثبوت ہوا، بایں طور کہ مدیون (قرض لینے والا) لوگوں کے پاس قرض لینے کا اقرار کیا، اس پر ان گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ ایسا ہی التبیین میں ہے۔

اور جس مال ورقم پر کوئی برہان ودلیل ہو اور مدیون قرض لینے سے انکار کرتا ہو یا اپنی تنگ حالی کے باعث فی الحال ادائے قرض سے انکار کرتا ہو تو ایسے مال ورقم کی زکوٰۃ سالہائے گزشتہ کی واجب ہوگی۔ فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۱۶۳ میں ہے۔

> **ومن مال الضمار الدين المجحود والمغصوب اذالم يكن عليه بينة فان كانت عليهما بينة وجبت الزكاة .** وہ قرض جس کا انکار کر دیا گیا اور غصب کیا ہوا مال بھی مال ضمار ہے۔ بشرطیکہ اس پر شہادت نہ ہو اور اگر اس پر شہادت ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔

اسی میں ہے۔

> **وان كان الدين على جاحد' وعليه بينة غيرعادلة قيل لاتجب والصحيح انها تجب**

كذافي الكافي. اگر قرض لینے والا قرض لینے سے انکار کرتا ہے، مگر اس دعویٰ پر شہادت موجود ہے، غیر عادلہ ہی سہی۔ اگر چہ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ اس پر واجب نہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

(۲): اگر یہ زیورات صحرا میں دفن کئے گئے تھے اور اس کی جگہ دفن کرنے والے کو یاد نہ رہی تھی، تو یہ "مال ضمار" میں داخل ہو گا، اسکی زکوٰۃ گزشتہ دس سالوں کی واجب نہ ہوگی۔ اور اگر زیورات کسی اپنی یا پرائی خاص زمین یا مکان میں دفن کئے گئے تھے، اور وہ جگہ یاد سے جاتی رہی یا وہ دفینہ ہی اپنی جگہ سے منتقل ہو گیا تو یہ مال ضمار میں داخل نہ ہوگا۔ اس کی دس سالہ زکوٰۃ دفینہ ملنے پر دینی ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۶۳ میں ہے۔

ومنه(اى من مال الضمار) المد فون فى الصحر اء المنسى مكانه واما المد فون فى حرز ولو فى دار غير ه اذا نسيه فليس منه كذافي البحر الرائق. اور اسی میں سے، یعنی مال ضمار میں سے صحراء میں دفن کیا ہوا مال ہے، جس کی یقینی جگہ یاد نہیں، لیکن اگر خاص زمین میں دفن کیا، اگر چہ کہ دوسرے کے گھر میں۔ اگر اسے بھول گیا تو یہ مال ضمار میں سے نہیں ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تین بھائی ہیں۔ اور ہماری پانچ بہنیں ہیں۔ ہم مزدوری کرتے ہیں اور اس میں سے کچھ بچا کر جمع کر دیتے ہیں، تا کہ ان کی شادی کر سکیں۔ وہ روپیہ صرف ہم نے اس نام کا رکھا ہے کہ اس سے ہم اپنی بہنوں کی شادی کر سکیں۔ تین بہنیں تو شادی کے لائق ہیں۔ دو بہنیں ان سے چھوٹی ہیں تو اس روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہے کہ نہیں؟

مسئولہ مطلوب حسین، گیاباغ، مرادآباد، ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء

الجواب: اگر ہر بھائی کی جمع کردہ رقم انفرادی طور پر نصاب کو پہنچتی ہے تو ہر بھائی پر اپنی اپنی رقم کی زکوٰۃ دینی واجب ہے اور اگر بعض کی رقم نصاب کو پہنچتی ہے تو اسی بعض پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر کسی کی رقم نصاب کو نہیں پہنچتی ہے تو کسی بھی بھائی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ **وھذا ظاھر . واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم تین بھائی ہیں اور اپنا اپنا الگ الگ کھانا کھاتے ہیں اور ہم تینوں بھائیوں کے پاس زیور بھی ہے، لیکن تینوں کا اکٹھا کر کے وہ زیور اتنا ہو جاتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لیکن اکیلے کسی بھائی کا زیور اتنا نہ ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہے؟

مسئولہ.........۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ یکشبنہ

الجواب: اس صورت میں زیور کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ چونکہ انفرادی طور پر کسی کا زیور نصاب کو نہیں پہنچتا ہے۔ جب سب "الگ الگ کھاتے" کماتے ہیں تو مجموعی طور پر نصاب کا اعتبار نہ ہوگا۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۷۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام زید ہے اور وہ کہتا ہے کہ میرے پاس مبلغ چھ سو روپئے ہیں مگر سونے کی قیمت کے اعتبار سے صاحب نصاب نہیں ہوتا ہوں، اور چاندی کی قیمت کے

اعتبار سے صاحب نصاب ہو جاتا ہوں، چونکہ ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت تقریباً اکتیس سو پچاس روپے ہوتے ہیں اور چاندی ساڑھے باون تولہ کی قیمت تقریباً پانچ سو روپے ہوتے ہیں۔ لہذا اس سونے و چاندی کی قیمت کے تفاوت سے چھ سو روپے کا مالک بنام زید صاحب نصاب ہوا کہ نہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں؟

مسئولہ محمد مطلوب حسین صاحب، کوئیاں باغ، مرادآباد، ۲۴ راکتوبر ۱۹۷۳ء

الجواب: چھ سو روپے کا جو مالک ہے وہ بالیقین چاندی کے نصاب کے لحاظ سے نصاب والا ہو جاتا ہے۔ مالک نصاب ہونے میں شرعاً روپے والا جس چیز سے مالک نصاب بن رہا ہو اسی چیز سے صاحب نصاب بنا دیا جاتا ہے، اور اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انفع للفقراء کا شرعاً لحاظ کر کے صاحب نصاب قرار دینا ہی راجح اور قوی ہے، لہذا زید صاحب نصاب ہے، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی چھ سو روپے کی ضروری ہوگی۔ ورنہ زکوٰۃ کے مطالبے میں بروز قیامت ماخوذ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کو میں نے بطور امانت کچھ رقم دی ہے، اور اس کو میری طرف سے اجازت بھی ہے کہ وہ اس امانت (رقم) کو اپنے کاروبار میں لائے اور اس کا فائدہ حاصل کرے۔ مگر اتنی رقم کی زکوٰۃ مجھکو ادا کرنی پڑتی ہے۔ کیا میں اس سے اس رقم کی زکوٰۃ لیکر غریبوں کو تقسیم کر سکتا ہوں کہ نہیں؟

مرسلہ حاجی محمد یوسف قاسم، کوٹیاڑ، ضلع کوراپٹ، اڑیسہ، ۳۰ رصفر ۱۳۹۵ھ جمعہ

الجواب: جس کے پاس آپ نے امانت کے طور پر اپنی رقم رکھ کر ساتھ ہی اس کو کاروبار میں لگانے کی بھی اجازت دی ہے۔ اس کاروبار کے فائدہ اور نفع کی رقم کو صرف یہی شخص اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم اس سے لے کر رقم مذکورہ کی زکوٰۃ ادا کریں گے، تو یہ رقم آپ کی اصل رقم میں مجرا اور محسوب ہوگی۔ اس طرح آپ کی رقم کم ہی ہوتی رہے گی، لیکن آپ کو ثواب و اجر حق تعالیٰ کافی دے گا۔ اگر آپ اس ظاہری خسارہ اور نقصان سے بچنا چاہیں تو امانت والی رقم اس سے لے کر پھر یہی رقم اس کو برائے تجارت دے کر نفع میں مقدار معین کی شرکت کا معاملہ طے کر لیں اور اپنے حصہ نفع کی رقم اس سے لے کر اپنی اصل رقم کی زکوٰۃ ادا کریں۔ اس صورت میں اگر تجارت میں نقصان ہوگا تو آپ نفع کی رسدی کے مطابق نقصان میں بھی شریک ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب العشر (عشر کا بیان)

مسئلہ ۶۷۴: ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری؟ بینوا توجروا!

مسئولہ خواجہ شمس العالم، رحمانپور تکیہ شریف، ضلع پورنیہ، ۱۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ

الجواب: ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی زمین خراجی نہ سمجھی جائے گی، تا وقتیکہ اس زمین خاص کا خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے۔ لہذا ہر وہ زمین جس کا عشری و خراجی ہونا کچھ نہ معلوم ہو، وہ عشری ہی قرار دی جائے گی اور جس

زمین کا خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہوجائے وہ خراجی ہوگی، اس مسئلہ کی تفصیل اعلیٰحضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے رسالہ مبارکہ ''افصح البیان فی مزرعۃ ھندوستان'' ملاحظہ کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): فی زمانہ اراضی ہند عشری ہیں یا نہیں؟ (۲): جو اراضی حکومتِ اسلامیہ ہند کے وقت سے ملک مسلم میں ہیں اور کسی غیر مسلم کی ملک سے منتقل ہوکر اس کا ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں یا معلوم ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں عشری ہوں گی یا نہیں؟ (۳): بصورتِ دیگر جو اراضی حکومت اسلامیہ کے بعد غیر مسلم کے ملک سے منتقل ہوکر ملک مسلم میں آئی ہیں، وہ عشری ہیں یا نہیں؟ جواب مدلل بالتفصیل مع حوالہ کتب مرحمت فرمائیں؟

مسئولہ عبدالعزیز خان، سنگھنا، پوسٹ کریمن ضلع پلاموں، ۱۱رمئی ۱۹۶۳ء

الجواب: ہندوستانی زمین کے متعلق علی سبیل الاطلاق عشری یا خراجی ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح جو اراضی اسلامی دورِ حکومت سے اب تک ملک مسلم میں منتقل ہوتی ہوئی آرہی ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہوکر ملک مسلم میں آنا معلوم نہ ہو ایسی اراضی پر بھی مطلقاً عشری یا خراجی ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا، نیز جو اراضی اسلامی عہدِ حکومت کے بعد غیر مسلم سے منتقل ہوکر ملک مسلم میں آئی ہوں، ان پر بھی علی الاطلاق عشری یا خراجی ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا، بلکہ ان تمام صورتوں میں ضابطہ اور شرعی قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ زمین جس کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہوجائے، مثلاً تحقیق ہو کہ زمانہ سلطنت اسلام سقی اللہ تعالیٰ عہدہا میں ابتداءً زمین کسی کافر ذمی کی تھی کہ اس نے باذن سلطان اِحیاء کی یا سلطان نے اسے عطا کی، اس سے مسلمان نے خریدی یا مسلمان نے خراجی کے قریب میں اِحیاء کی، وہ زمین خراجی ہے، اس کا وظیفہ ضرور خراج ہے، اور ہر وہ زمین جس کی نسبت عشری ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہوجائے وہ عشری ہے، اس کی پیداوار میں عشر کا ادا کرنا فرض ولازم ہے، اور ہر وہ زمین جس کا عشری ہونا یا خراجی ہونا کچھ دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو وہ نہ عشری ہے نہ خراجی، لیکن اس میں بھی عشری ہی کا وظیفہ دینا ہوگا ہندوستان کی زمینوں میں یہی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

درمختار مصری جلد ثالث میں ہے۔

(ارض العرب وما اسلم اھلہ) طوعا اوفتح عنوۃ وقسم بین جیشنا (والبصرۃ) ایضابا جماع الصحابۃ (عشریۃ) لانہ الیق بالمسلم، وکذا بستان مسلم اوکرمہ کان دارہ (درر) (و سوادالعراق ومافتح عنوۃ) ولم یقسم بین جیشنا الامکۃ سواء (اقراھلہ علیہ اونقل الیہ کفار اخر(اوفتح صلحا خراجیۃ) لا نہ الیق بالکافر .... (ویحب الخراج فی ارض الوقف) الا المشتراۃ من بیت المال اذا وقفھا مشتریھا فلاعشرولاخراج. شرنبلا لیہ معزیا للبحر کماذ کرتہ فی شرح الملتقیٰ (ملخصا)۔ عرب کی زمین اور جس زمین کے باشندے رضا ورغبت سے اسلام لائے، یا وہ زمین طاقت کے استعمال کے ذریعہ فتح ہوئی اور مجاہدین

میں تقسیم کردی گئی، عشری ہے۔ بصرہ بھی اجماع صحابہ کی روشنی میں عشری ہے۔ کیونکہ عشری ہی ہونا مسلمانوں کیلئے مناسب تر ہے۔ ایسا ہی مسلمان کا باغ یا اس کے انگور کا باغ جو کبھی گھر تھا عشری ہے۔ عراق کے دیہات اور وہ زمین جو طاقت کے استعمال سے فتح ہوئی مگر مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی، سوائے مکہ کے، خواہ اس کے باشندے وہاں برقرار رکھے گئے یا دوسرے کافر وہاں منتقل کئے گئے یا جو زمین بطور صلح فتح ہوئی، یہ سب زمینیں خراجی ہیں۔ کیونکہ ان کا خراجی ہی ہونا کفار کے لئے مناسب تر ہے۔.......... وقف کی زمین میں خراج واجب ہے۔ لیکن اگر وہ بیت المال سے خریدی گئی، بشرطیکہ اسکو اسکے خریدنے والے نے وقف کیا ہو، تو اس میں نہ عشر ہے، نہ خراج......

ردالمحتار میں ہے۔

ان فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والاجماع والمعقول، وبانه زكوٰة الاثمار والزروع وبانه يجب فى الارض الغيرالخراجية وبانه يجب فيما ليس بعشرى و لا خراجى كالمفاوزوالجبال. عشر کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔ نیز وہ پھلوں اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ عشر غیر خراجی زمین میں واجب ہے اور اس زمین میں بھی جو نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ جیسے جنگل اور پہاڑ۔

اسی میں ہے۔

قال فى الفتح بعد كلام والحاصل ان التى فتحت عنوة ان اُقرالكفار عليها لايوظف عليهم الاالخراج ولو سقيت بماء المطروان قسمت بين المسلمين لايو ظف الا العشر وان سقيت بماء الانهار وكل ارض لم تفتح عنوة بل احيا ها مسلم ان كان يصل اليها ماء الانهار فخراجية اوماء عين ونحوه فعشرية و هذا قول محمد وهوقول ابى حنيفة والحاصل انه ما كان عليه يدالكفرة ثم حويناه قهرا وماسواه عشرى (ملخصا) فتح القدیر میں کہا ...... حاصل یہ ہے کہ جو زمین طاقت کے استعمال سے فتح ہوئی اگر اس زمین پر کافر ہی کو برقرار رکھا گیا تو اس میں خراج ہی کا وظیفہ جاری ہوگا۔ اگرچیکہ بارش کے پانی سے زمین سیراب کی گئی۔ اور اگر وہ زمین مسلمانوں میں تقسیم کردی گئی تو اس میں عشر ہی کا وظیفہ جاری ہوگا۔ اگرچیکہ نہروں کے پانی سے زمین سیراب کی گئی۔ ہر وہ زمین جو طاقت کے استعمال سے فتح نہ ہوئی بلکہ اسے کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا، اگر وہاں تک نہروں کا پانی پہنچتا تھا تو وہ خراجی ہے۔ اور اگر چشمہ وغیرہ کا پانی پہنچ رہا تھا تو وہ عشری ہے۔ یہ امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس پر کافروں کا قبضہ تھا پھر ہم نے اس کو طاقت سے لے لیا اور جو اس کے ماسوا ہے وہ عشری ہے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۳۱۸ میں ہے۔

افتیٰ بعض المتاخرین بانّ ماوراء ھُما ارضالیست بعشریة ولا خراجیة بل یقال لها الارض المملکیة واشتھرت بالارض الامیریة وھی الارض اللتی فتحت عنوة اوصلحا لکن لم تملک لاھلھا بل احرزت لبیت المال ثم اوجرت باجارة فاسدة بشرط ان یزرعوھا ویؤدوا من حا صلھا خراج مقا سمة واشتھرت عند الناس بالعشریة کماھوحکم اراضی بلدنا. بعض متاخرین نے فتویٰ دیا کہ ان دونوں کے ماورا جوزمین ہے وہ نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ بلکہ اسے سلطانی زمین کہاجاتا ہے۔ وہ ارض امیریہ سے مشہور ہے۔ یہ وہ زمین ہے جوطاقت سے یا صلح کے طور پر فتح ہوئی۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں کواس کا مالک نہیں بنایا گیا، بلکہ بیت المال کے لئے مخصوص ہوگئی۔ پھراجارۂ فاسدہ کے طور پر کرایہ پر دی گئی۔ اس شرط کے ساتھ کہ اس میں فصل اُگائیں اوراس کی پیداوار سے خراج مقاسمہ ادا کریں۔ یہ زمین لوگوں میں عشری سے مشہور ہوگئی۔ یہی حکم ہمارے شہر کی زمینوں کا ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ٦٧٦ : (۱): کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عشر کا ذکر کلام پاک میں کسی موقع پر ہے۔ ہندوستان میں موجودہ زمین سیر داری کی ہیں یا بھومی دھری کی ہیں، ان پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ باغات اور ترکاریوں پر عشر کس صورت میں نکالا جائے یا ہرا چارہ جو جانوروں کو کھلایا جاتا ہے، اس پر عشر کس طرح نکالا جائے؟ (۲): عشر کی حقیقت کیا ہے، مع حوالہ کلام پاک واحادیث بیان فرمائیں؟ (۳): ہنود زمین داروں سے نذرانہ دے کر جو زمین لی گئی ہیں یا جوزمین ہنود سے مول لی گئی ہیں، ان پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ (۴): عشر واجب ہے یا فرض ؟بینوا توجروا.

مسئولہ احمد حسین، موضع ہلدی خورد، ڈاکخانہ مہر گنج، ضلع بریلی، ۱۷ ررجب ۱۳۸۳ھ

الجواب: (۱): عشر کا ذکر قرآن کریم میں دوجگہ آیا ہے، جیسا کہ تفاسیر سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالی ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ﴾[البقرہ :۲٦۷](اے ایمان والودو پاکیزہ مال جو کہ تم نے کمایا اور جو کہ ہم نے نکالا تمہارے لئے زمین سے)(معارف)۔ وقال عزاسمہ ﴿وَاٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ﴾[الانعام: ۱۴۱] (اوراس کی زکوٰۃ کو دو کٹائی کے دن)(معارف)۔ ہندوستان کی زمین سیرداری کی ہو یا بھومی دھری کی ہر وہ زمین جس کا عشری اور خراجی ہونا دلیل شرعی سے معلوم نہ ہو، اس زمین کی پیداوار پر بشرائط مذکورہ فی باب العشر، عشر واجب ہے، اور جس زمین کا عشری ہونا دلیل شرعی سے معلوم ہو اس زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، اور جس زمین کا خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو اس زمین میں عشر واجب نہیں۔ باغات کے پھل اور ترکاریوں کے توڑنے یا کاٹنے کے بعد دس حصے کئے جائیں۔ ایک حصہ عشر میں دے دیا جائے، یہی حکم ہرے چارے کا بھی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم.

ما اخرجت الارض ففیہ العشر. زمین نے جو کچھ نکالا، اس میں عشر واجب ہے۔

ردالمحتار مصری جلد ثالث میں ہے۔

یجب(ای العشر) فی الارض الغیر الخراجیة و با نه یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کا لمفاوز والجبال. غیر خراجی زمین میں عشر واجب ہے اور اس زمین میں بھی جو عشری ہے، نہ خراجی، جیسے جنگل اور پہاڑ۔

فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۷۴ میں ہے۔

یجب العشر عند ابی حنیفة رحمه الله تعالی فی کل ما تخر جه الا رض من الحنطة والشعیر والدخن والا رز واصناف الحبوب والبقول والریا حین والاوراد والرطاب وقصب السکروالذریرة والبطیخ والقثاء والخیار والباذ نجان والعصفر واشباه ذالک مماله ثمرة با قیة اوغیر با قیة قل او کثر کذا فی فتاویٰ قاضی خان. امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر اس چیز میں عشر واجب ہے، جسے زمین نے نکالا.......... گیہوں، جو، باجرا، چاول، مختلف قسم کے اناج، سبزیاں، تمام قسم کے خوشبودار پودے، گلاب، کھجور، گنا، کھی، خربوزہ، ککڑی، کھیرا، بیگن، گل خیرو وغیرہ اشیاء جن کے پھل باقی رہنے والے ہوں یا نہ ہوں، کم ہوں یا زیادہ۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ردالمحتار جلد ثانی ص ۵۲۰ میں ہے۔

فلو استمیٰ ارضه بقوائم الخلاف وماشبهه اوبالقصب اوالحشیش وکان یقطع ذالک ویبیعه کان فیه العشر. غایة البیان ومثله فی البدائع وغیرها. اگر زمین میں بید وغیرہ کی کاشت کی یا نرکٹ یا گھاس لگائی اور اسے کاٹ کاٹ کر بیچتا تھا تو اس میں عشر ہے۔ **والله تعالی اعلم.**

(۲): عشر کی حقیقت زمین کی منفعت و پیداوار کی زکوٰۃ دینا ہے، جس میں پیداوار کی طہارت اور پاکیزگی اور ترقی اور زیادتی اور خیر و برکت کا راز مضمر ہے۔ **قال الله تعالی** ﴿خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُ هُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ [التوبه:۱۰۳] (ان کے مال میں سے کچھ حصہ بطورِ صدقہ لیجئے، انہیں پاک اور ستھرا کیجئے) **وقال عز اسمه** ﴿وَمَاۤاَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ [سبا: ۳۹] (جو تم خرچ کرو گے وہ بعد میں ملیگا)۔ ﴿وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ﴾ [البقرہ: ۲۷۶] (صدقہ کو اللہ بڑھاتا ہے)۔ **والله تعالیٰ اعلم.**

(۳): اس کا جواب پہلے جواب میں گزر چکا، چونکہ جو زمین ہندو زمینداروں سے نذرانہ دے کر لی گئی، اس میں بھی جو اب اول کی تفصیلات جاری ہوں گی۔

(۴): عشر فرض ہے۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ۵ میں ہے۔

یجب العشر. عشر فرض ہے۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔

قوله (یجب العشر) ثبت ذالک بالکتاب والسنة والاجماع والمعقول ای یفترض لقوله

تعالی ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾. [الانعام: ۱۴۲] (اور اس کی زکوٰۃ کو دو کٹائی کے دن) (معارف)۔ عشر کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع امت اور قیاس سے ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاٰتُوْا الخ﴾ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۷۷: بھاگلپور کی زمین میں دسواں، بیسواں، یا چالیسواں نکالنا ہوگا؟

مسئولہ مولوی محمد فرحت حسین صاحب نعیمی قادری، بھاگلپور، بہار، ۱۲؍صفر ۱۳۸۵ھ دوشنبہ

الجواب: بھاگلپور کی زمین ہو یا کہیں اور کی، اگر اس کا خراجی ہونا کسی طرح معلوم نہ ہو سکے تو اس میں عشر ہی دینا ہوگا۔ کذا حققه الا مام احمد رضا البریلوی فی رسالته المسماة بافصح البیان فی مزرعة هندوستان. واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۷۸: ایک انسان زمین کی پیداوار کی ہر چیز کی زراعت کا عشر نکالتا ہے، مگر کالے کپاس روئی کا عشر نہیں نکالتا ہے۔ اس کا خلاصہ جواب دیا جائے؟

مسئولہ حاجی آدم ابراھیم، جیناپار علاقہ یاتری براہ اریم گاؤں، ضلع سریندر نگر، ۹؍مئی ۱۹۷۲ء

الجواب: کسی قسم کی روئی ہو خواہ کالی ہو یا سفید ہر قسم کی روئی میں عشر نکالنا واجب ہے، اگر پہلے کسی نے روئی کا عشر نہیں نکالا ہے تو اب اس کا حساب لگا کر عشر نکالے تاکہ واجب مطالبہ شرعیہ سے وہ بری ہو سکے۔ ردالمحتار جلد ثانی ص ۵۰ میں ہے۔

اما القطن نفسه ففیه العشر کمامر۔ خود روئی کے اندر عشر ہے، جیسا کہ گزرا۔ واللہ تعالی اعلم.

مصارفِ زکوٰۃ وعشر

مسئلہ ۶۷۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اب مدرسہ دارالعلوم لطیفی کٹیہار اہل سنت وجماعت کا مدرسہ نہیں ہے۔ اب وہاں مال زکوٰۃ وصدقات وخیرات وچرم قربانی وفطرۂ عید دینا از روئے شرع مطہر جائز ہے یا نہیں اور اگر کوئی جان بوجھ کر دے تو کس قسم کا گناہگار ہوگا۔ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے مستفیض فرمائیں۔

پوٹھی، ڈاکخانہ ڈال کولہ، ضلع پورنیہ، ۱۴؍جنوری

"الجواب: اہل سنت وجماعت کے علاوہ کسی اور فرقہ اسلام کے مدارس کی امداد واعانت کسی مصرف خیر سے ناجائز وحرام ہے۔ اور علم ہوتے ہوئے ایسے مدارس کی اعانت تو اشد ترین حرام اور جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔

قال اللہ تعالی ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: ۲] (باہم مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر اور نہ مدد کرو گناہ وزیادتی پر) (معارف)۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۶۸۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہر سال موضع چاند پور جاتا ہوں۔ میں ایک فقیر شخص ہوں وہاں مجھ کو فطرہ کا مال کچھ مل جاتا ہے، جس سے میری گزر چل جاتی ہے۔ لیکن گزشتہ سال میں نہ جاسکا تو اس پر مولوی صدیق صاحب امام مسجد نے اپنے وعظ میں لوگوں سے کہا کہ فطرہ کا مال اس کو مت دو' بلکہ اگر بچے تو مسجد میں لگادو اور خود جناب امام صاحب نے تراویح پڑھائی تو اس کے اور قرآن کے معاوضہ میں ایک سو پچھتر روپے لئے۔ مجھے بتایا جائے کہ جب میں فقیر ہوں تو میرے لئے فطرہ لینا جائز ہے یا نہیں اور امام صاحب کو اس کا معاوضہ درست ہے یا نہیں؟

مسئولہ تلن شاہ ولد الفت شاہ، موضع چاند پور ضلع بلند شہر، جون ۱۹۵۹ء

الجواب: مولوی صدیق صاحب امام مسجد کا وعظ میں یہ بیان کرنا کہ فطرہ کا پیسہ فقیر کو مت دو، بلکہ اگر بچے تو مسجد میں دو،، محض غلط و باطل ہے۔ فطرہ کی رقم مسجد میں ہرگز ہرگز نہ دی جائے۔ چونکہ مسجد میں دینے سے فطرہ ادا نہ ہوگا۔ بلکہ فقراء ومساکین اور دیگر مستحقین ہی کو دیں۔ شرعاً فطرہ کی رقم آپ جیسے مفلس وبیکس لینے کے مستحق ہیں۔ تراویح پڑھانے کے بعد جو رقم مولوی صدیق صاحب کو دی گئی وہ ان کے لیے جائز وحلال ہے۔ اس کو نماز پڑھانے کا معاوضہ قرار دینا' یا قرآن سنانے کا معاوضہ ٹھہرانا غلط ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ میرے محلہ میں دو لڑکیاں لاوارث ہیں جو کہ شادی کے قابل ہیں اور بالغ ہیں۔ وہ بہت غریب آدمی ہے۔ ان کے باپ کا انتقال ہوگیا ہے۔ لہٰذا زکوۃ کا پیسہ یا صدقہ فطر کا پیسہ ان کی شادی کی مد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد عمر، پیپل سانہ، مراد آباد، ۲۴ ر رمضان ۱۳۹۱ھ یکشنبہ

الجواب: اگر یہ لڑکیاں سیدانی نہ ہوں اور نہ صاحبِ نصاب ہوں تو ان کو شادی کی ضروریات اور مزید دوسری ضروریات کے لیے زکوۃ اور فطرہ کی رقم شرعاً دی جاسکتی ہے، اور زکوۃ اور فطرہ کی رقم میں سے ضروریات شادی کا سامان خرید کر دیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موذن میت کی قبر کا اناج چادر وغیرہ لیتا ہے۔ نیز زکوۃ خیرات بھی لیتا ہے۔ کیا موذن کو ایسا مال لینا کھانا جائز ہے۔

مسئولہ منشی طاہر علی شاہ، محلہ نئی آبادی، اسلام نگر، متصل تکیہ والی مسجد، جسپور، نینی تال، ۱۰ ر جمادی الاخری

الجواب: دفن میت سے پہلے یا بعد میں جو غلہ' یا کھانے پینے کی اور دوسری چیز تقسیم کی جاتی ہے، یا بعد دفن اوپر والی چادر جو بطورِ صدقہ کسی کو دی جاتی ہے وہ میت یا قبر کی ملک نہیں ہے۔ بلکہ جس نے روپئے سے ان چیزوں کو خریدا، یا گھر سے غلہ دیا، اس کی ملک ہے۔ اس میں دینے والے کو اختیار ہے، جسے مستحق جانے اسے دے، جسے چاہے نہ دے۔ تکیہ والی مسجد کے موذن کی میراث نہیں ہے کہ وہی لے سکتا ہے دوسرا نہیں لے سکتا ہے اگر وہ غریب محتاج ہے تو صدقہ کا مال لے سکتا ہے اور اس کو اپنے مصرف میں خرچ کرسکتا ہے اور دوسری قسم کی خیرات وزکوۃ وفطرہ کا مال بھی لے کر کھا سکتا ہے۔ دوسرا نہیں لے سکتا۔ یہ حکم وفیصلہ یقیناً غلط اور باطل ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۸۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ مالدار کا لڑکا مدرسہ میں تعلیم پاتا ہے، وہ بصورت مورث مالک نصاب ہے۔ آیا وہ فطرہ وزکوٰۃ کا مال کھا سکتا ہے یا نہیں؟

مسئولہ محمد جمال الدین رضوی، متعلم جامعہ نعیمہ، مرادآباد

الجواب: ہر طالب علم جو محض طلب دین متین میں مشغول ہو اور دوسرا کوئی کسب معاش نہ کرتا ہو۔ خواہ وہ امیر وکبیر کا لڑکا ہو یا غریب وفقیر کا، بشرطیکہ وہ فی الحال مالکِ نصاب نہ ہو اور اس کے ولی یا والد اس کو بقدر ضرورت خرچ کے لیئے روپے نہ دیتے ہوں، وہ زکوٰۃ وصدقہ، فطرہ ودیگر صدقات واجبہ کا مال کھا سکتا ہے اور یا امیر کا جو لڑکا بالغ ہو اور وہ بذاتِ خود فی الحال مالک نصاب نہ ہو، بلکہ بعد مورث مالک نصاب ہو سکتا ہو وہ فی الحال ان دونوں قسموں کی رقموں کو کھا سکتا ہے اور زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔

(ولا) یصرف الی (غنی) یملک قدرنصاب فارغ عن حاجته الاصلية من ای مال كان (و) لا الی (مملوكه)......... (غیرالمكاتب) والماذون والمديون (و) لا الی (طفله) بخلاف ولده الكبير (ملخصا). زکوٰۃ کا مال اس مالدار شخص کو نہیں دیا جائیگا جو اپنی حاجتِ اصلیہ کے علاوہ مقدار نصاب کا مالک ہو، خواہ وہ کوئی سا مال ہو اور نہ اس کے غلام کو دیا جائیگا۔ البتہ مکاتب، ماذون اور مقروض کو دیا جا سکتا ہے، نہ مالدار کے چھوٹے بچے کو۔ بڑی اولاد کو دیا جا سکتا ہے۔

اسی میں ہے۔

(وفی سبیل الله وهو منقطع الغزاة) وقيل الحاج، وقيل طلبة العلم، وفسره فی البدائع بجميع القرب. اللہ کی راہ میں زکواۃ دی جائیگی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد کیلئے اپنے کو وقف کر دیا ہے۔ ایک قول میں حاجی کو دے سکتے ہیں۔ اسی طرح طالبِ علم کو بھی۔ البدائع میں فی سبیل اللہ کی تفسیر تقرب الی اللہ کا سبب بننے والے ہر طرح کے عمل خیر سے کی گئی ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قال فی البدائع فی سبیل الله جميع القرب فيد خل فيه كل من سعىٰ فی طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا اه. فی سبیل اللہ میں قربت خداوندی کی تمام صورتیں داخل ہیں لہذا جو اللہ کی بندگی میں اور بھلائی کے کاموں میں کوشش کرتے ہیں، وہ سب اس میں داخل ہیں وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ محتاج ہوں۔ و اللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ ۶۸۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک انجمنِ اسلام میں فطرے اور قربانیوں کے جو روپے پیسے اکٹھے کیے جاتے ہیں اور تمام روپے پیسے غرباء ومساکین وواجب حقداروں میں کل تقسیم نہ کر کے بلکہ قدرے تقسیم کردہ باقی ماندہ بعد میں وقتاً فوقتاً ضرورتاً نادار طلبا محتاجوں، یتیموں، بیواؤں، اندھوں، لنگڑوں وغیرہ میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ کسی کو پہننے کے کپڑے، کسی کو کفن دفن کے انتظام، کسی کو دوا دارو، کسی کو علاج معالجہ کے صرفہ جات

دیئے جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا صورتوں میں دینی خدمات وامدادات کرنے پر شرع مقدس کا کیا حکم ہے۔ اور انجمن مذکورہ کو بیت المال کہا جانا درست ہے یا نہیں؟ انجمن مذکورہ میں فطرہ اور قربانیوں کے روپے پیسے جمع کئے جائیں یا نہیں؟ از روئے شرع شریف مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

مسئولہ محمد راشد علی، موضع وڈاکخانہ ملیگرام، ضلع مالدہ، مغربی بنگال، ۲ر فروری ۱۹۶۴ء یکشنبہ

الجواب: اس انجمن اسلامیہ میں فطرہ اور قربانی وغیرہ کی رقمیں جمع کی جائیں۔ چونکہ انجمن کے جمع کردہ روپے کے مصارف صحیح ودرست ہیں۔ جہاں تک چرم قربانی کی رقم کا تعلق ہے، وہ تو مطلقاً ہر مصرف خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے۔ لیکن فطرہ کی رقم کے لئے اس انجمن کے سکریٹری پر لازم ہے کہ وہ وکیل ہونے کی حیثیت سے کسی بالغ مرد مکلف کو اس رقم فطرہ کا مالک بنادے پھر وہ مرد بالغ اس رقم پر قبضہ کر کے اگر یہ کہہ کر واپس کردے کہ میں اس رقم کو اپنی طرف سے ہر مصرف خیر میں خرچ کرنے کے لئے انجمن کو دیتا ہوں، تو اس حیلہ شرعیہ کے بعد فطرہ کی رقم مذکورہ کا بھی ہر مصرف خیر میں دینا اور خرچ کرنا صحیح وجائز ہے اور اگر یہ حیلہ شرعیہ نہ کیا گیا تو فطرہ کی رقم کا ہر ایسے مصرف میں خرچ کرنا جائز ودرست نہ ہوگا، جس میں تملیک نہ پائی جاتی ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۸۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صدقہ فطر یا زکوٰۃ کی مد کا پیسہ تعلیم کے علاوہ صرف تبلیغی کام پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تبلیغی کام یہ کہ چھوٹی دینی تبلیغی کتب شائع کرا کر مفت تقسیم کی جائے یا علمائے دین کی تبلیغی کتب تقریریں اور دینی جلسہ کرنا وغیرہ۔

مسئولہ محمد حسین آزاد، نوگاواں، مرادآباد، ۲۷ر رمضان ۱۳۹۰ھ شنبہ

الجواب: زکوٰۃ کی مد کا روپیہ پیسہ تبلیغی کام پر خرچ نہیں کیا جاسکتا نہ یہ رقم کتاب یا کتابچہ کی اشاعت پر خرچ کی جاسکتی ہے اور نہ یہ رقم جلسہ اور وعظ وتقریر پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ چونکہ تملیک جو رکن ادائے زکوٰۃ ہے، وہ نہیں پائی جاتی۔ **وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۸۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے عمر سے بیس روپے قرض لئے اور چار مہینہ کا وعدہ کیا۔ چار مہینہ کے بعد بھی ادا نہیں کیا۔ اور یوں امروز وفردا کرتے دو ڈھائی سال ہوگئے۔ اب عمر نے دیکھا کہ زید کی حالت غریبی کی ہے۔ لہذا رقم مذکور قرض حسن یا زکوٰۃ کی شکل میں چھوڑ دینا چاہے، تو کس صورت میں زید بری ہوسکتا ہے؟

مسئولہ حافظ عبدالحکیم صاحب افسر مدرس، سگرام پور، ضلع بدایوں، ۷ر نومبر ۱۹۷۲ء

الجواب: زکوٰۃ چھوڑنے سے اتنی رقم زکوٰۃ میں مجرانہ ہوگی، یعنی اس بیس (۲۰) روپے کی زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہ ہوگی۔ چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے اور وہ اس صورت میں نہیں پائی گئی۔ ہاں اگر عمر یہ رقم بطور فی سبیل اللہ امداد واعانت زید کے خیال سے چھوڑ دے تو یہ درست ہے۔ بہر حال زید دونوں صورتوں میں بری الذمہ ہوگیا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۸۷: عشری روپیہ سے نہر کی مرمت کرانا تاکہ کسان لوگ اپنی کھیتی کو بآسانی پانی دے سکیں۔ اس کام کے کرنے سے عشر ادا ہوگا۔

مسئولہ سید محمد شاہد علی نقوی نعیمی، بہیڑی محلہ شیخوپورہ ضلع بریلی، ۱۳؍ اپریل ۱۹۷۳ء سہ شنبہ

الجواب: عشری روپۓ کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ وفطرے کا مصرف ہے۔ زکوٰۃ وفطرہ کی رقم نہر کی مرمت میں صرف نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا عشر کی رقم بھی نہر کی مرمت میں خرچ نہیں کی جاسکتی۔ اس میں عشر کے روپۓ خرچ کرنے سے عشر ادا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۸۸: شرع اسلامی کے تحت وہ کون سے آثار وعلامات ہیں، جن کے ذریعہ کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ وہ زکوٰۃ، فطرہ یا چرم قربانی کا واقعی مستحق ہے اور جس کو اپنی رقم زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنے کے بعد اطمینان حاصل ہو جائے کہ صحیح مستحق کو زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی ہے۔ نیز ایک مستحق شخص کو کتنی مقدار میں کم از کم یا زیادہ سے زیادہ رقم دی جاسکتی ہے؟

مسئولہ اہل دفتر، دفتر بیت المال امدادی سوسائٹی، مراد آباد، ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

الجواب: دورِ حاضر میں اس کا پتہ صحیح طریقہ سے لگانا کہ کون شخص مستحقِ زکوٰۃ وفطرہ فی الواقع ہے بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ غیر مستحق بشکل مستحق بن کر طالب زکوٰۃ وفطرہ بخیال زراندوزی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص زکوٰۃ وفطرہ کا طالب ہو اس پر یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ اپنے محلہ کے دو مقتدر دیندار پابند شرع سے تحریری یا تقریری تصدیق کرائیں کہ وہ مستحقِ زکوٰۃ وفطرہ ہے۔ اس قسم کی تصدیق ملنے پر زکوٰۃ وفطرہ کی رقم دیدی جائے۔ اور قربانی کی رقم تو صدقۂ نافلہ ہے، اس میں وہ پابندی لازم نہیں ہے، جو زکوٰۃ وفطرہ کی رقم میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص صاحبِ نصاب نہ ہو جہاں تک ممکن ہو اس کی تحقیق کریں۔ تحقیق ہونے پر اسے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم دیدیں۔ صاحبِ نصاب وہ ہے، جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی چاندی کی قیمت کا مالک ہو، یا ساڑھے سات تولہ سونے، یا اس کی قیمت کا مالک ہو۔ زکوٰۃ وفطرہ کی رقم یکمشت جتنی چاہیں دے سکتے ہیں۔ لیکن ایک بار دینے کے بعد جب وہ صاحبِ نصاب ہو جائے، تو دوبارہ اس وقت اسے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم نہ دیں، جب تک وہ پھر دوبارہ مستحق زکوٰۃ وفطرہ نہ ہو جائے۔ یعنی صاحبِ نصاب سے کم حیثیت کا ہو جائے، اور صاحبِ نصاب سے کم دینا ہو تو چند بار میں جتنا چاہیں دیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

صدقۂ فطر

مسئلہ ۶۸۹: فطرہ کی تعداد میں کمی یا زیادتی ہوسکتی ہے؟

مسئولہ نثار احمد صاحب، محلہ چوکی حسن خان، مراد آباد، ۹؍ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ جمعہ

الجواب: فطرہ کی تعداد کی مقدار میں جو اناج اور پھل شرعاً مقرر کئے گئے ہیں، اس کی مقدار میں کوئی کمی اور زیادتی

نہیں ہوسکتی، چونکہ اس کی مقدار ایک صاع (دوسو اٹھاسی روپے بھر) اور احتیاطاً تین سو اکیاون روپے بھر یا نصف صاع (ایک سو چالیس روپے بھر یا ایک سو پچھتر روپے آٹھ آنے بھر) بطور احتیاط معین ہے۔ لہٰذا گیہوں، جو یا کشمش یا کھجور سے فطرہ ادا کرے تو نصف صاع بعض اناج مذکور کا ادا کرے، یا ایک صاع بعض اناج اور پھل کا ادا کرے۔ اس کی مقدار میں کم کرنے سے فطرہ ادا نہ ہوگا، اور اگر اشیائے مذکورہ کی قیمت سے فطرہ ادا کرے گا، تو ان اشیاء کی قیمتیں نرخ بازار میں کم اور زائد ہوتی ہیں۔ اسی حساب سے قیمتوں میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

صاع کی تحقیق

مسئلہ ۶۹۰:

استفتاء نقل از بوادر النوادر، جلد دوم، باہتمام محمد ذکی ناظم مکتبہ اشرف العلوم شعبہ دار الاشاعت دیو بند

چھپنواں نادرہ در حساب صاع و درہم

فی الدر المختار ص ۱۲۴ (وهو) ای الصاع المعتبر ما يسع الفا واربعين درهما من ماش اوعدس في شرح الوقاية وعندنا نصف صاع من العراقي وهو منوان والمن ما ئة وثمانون مثقالا ومنه ايضا كل عشرة منها سبعة مثاقيل وقال صاحب الغياث مثقال بقول اقوى ۴/ ماشہ ہست پس بحساب درمختار دوسو تہتر کا ہوتا ہے، کیونکہ سات مثقال کے ساڑھے اکتیس ماشہ ہوتے ہیں، اس کا دسواں حصہ یعنی ۳ ماشہ اعد صحیح ۱/۵ (ایک عدد صحیح ایک بٹے پانچ) رتی درہم کا وزن ہوا، اور ایک ہزار چالیس درہم کے ماشے تین ہزار دوسو چھہتر ہوئے اور بحساب شرح وقایہ دوسو ستر تولہ کا صاع ہوتا ہے، فقط تین تولہ کا فرق ہے۔ اب اس کے سیر اپنے اپنے مروجہ تول کے حساب سے ہر شخص بنالے۔ چونکہ انگریزی تول سے عام طور پر سب جگہ واقفیت ہے، اس لئے اس کا حساب درجہ ذیل ہے، چونکہ مذکورہ بالا حساب میں تولہ بارہ ماشہ کا رکھا گیا ہے اور انگریزی تولہ یعنی روپیہ ۱۱/ ماشہ کا ہوتا ہے، اور سیر اسی روپیہ بھر ہوتا ہے، اس واسطے (سیر انگریزی ۷۶ تولہ ۸ ماشہ کا ہوا) اور صاع انگریزی تولہ کی رو سے ۲۸۴/ تولہ ۴/ ماشہ ۴/ رتی کا ہوا، جس کے تین سیر ۸ چھٹانک ۴ تولہ آٹھ ماشہ ہوتے ہیں۔ (اور بلا لحاظ کسر خفیف ۳/ سیر ۹/ چھٹانک ہوا) اور صدقہ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک دینا چاہئے اور ۸۸/ روپیہ بھر کے سیر سے بھی۔ اس علاقہ (ضلع مظفر نگر وغیرہ) کے واسطے حساب لکھا جاتا ہے۔ اس سیر میں بھی تولہ ۱۱/ ماشہ کا ہوتا ہے، اس واسطے ایک صاع اس سیر سے تین سیر اور ساڑھے تین چھٹانک ہوتا ہے۔ پس صدقہ فطر ایک سیر پونے نو چھٹانک دینا چاہئے۔

نوٹ: (۱): یہ وزن حساب کی رو سے لکھا گیا ہے۔ احتیاطاً دیسی سیر سے پونے دو سیر اور انگریزی

سیر سے پورے دوسیر صدقہ فطرادا کرنا بہتر ہے۔

(۲): ایک مُدْ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا جس کی مسلسل سند حضرت زید بن ثابت کے مد تک (جوانھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مد سے ناپ کر بنایا تھا) پہونچتی ہے، اس کو حضرت مولینا تھانوی مدظلہم العالی نے دومرتبہ بھر کر وزن کیا تھا' کیونکہ نصف صاع دو مد کا ہوتا ہے، تو ۸۸ کے سیر سے ڈیڑھ سیر ڈیڑھ چھٹانک ہوا تھا جو حساب مذکورہ بالا کے تقریبا مطابق ہے، صرف پون چھٹانک کا فرق ہے جو بہت زیادہ نہیں۔

(۳): تحریر مذکورہ بالا میں درہم کا وزن ۳ ماشہ (۱ء۱/۵) (ایک اعشاریہ ایک بٹے پانچ)، رتی اور مثقال کا بحوالہ غیاث (۴ء۱/۲) ماشہ لکھا گیا ہے۔ یہی اوزان مظاہر حق میں نواب قطب الدین صاحب نے بھی لکھے ہیں، نیز حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب کی بیاض میں بھی ۲۷۳ تولہ صاع کا وزن مع حوالہ مظاہر حق و درمختار درج ہے اور مستند مد کے موافق بھی یہی وزن ہے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے، جبکہ درہم ۳ ماشہ (۱ء۱/۵) رتی اور مثقال (۴ء۱/۲) ماشہ کا قرار دیا جائے، لیکن مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے حاشیہ شرح وقایہ میں جو حساب درج فرمایا ہے اس میں درہم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کا اور مثقال ۳ ماشہ ایک رتی کا قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے سونے چاندی کے نصاب زکوۃ میں بھی بہت فرق پڑ گیا کہ سونے کا نصاب ۵ تولہ ۲ ر ماشہ ۴ ر رتی اور چاندی کا چھتیس تولہ پانچ ماشہ چار رتی ہوا اور صاع کے وزن میں بھی بہت فرق آ گیا۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ بنا اس تفاوت کی یہ ہے کہ مولینا موصوف نے ۴ جو کی ایک رتی قرار دی ہے اور غیاث و مظاہر حق کے قول پر تقریبا ۳ جو کی ایک رتی ہوتی ہے۔ اس بناء تفاوت کے معلوم ہونے پر ہم نے خود جو اور رتی کا وزن احتیاط کے ساتھ کیا تو ثابت ہوا کہ ایک رتی کے وزن میں ۴ جو نہیں چڑھتے، پھر مجموعہ ستر جو کو جو حسب تصریح شامی وغیرہ درھم کا وزن ہے یکجا کر کے تولا گیا تو تقریبا ۲۵ رتی وزن ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حساب صحیح وہی ہے جو بحوالہ مظاہر حق وغیرہ ذکر کیا گیا ہے کہ درہم کا وزن ۳ ر ماشہ (۱ء۱/۵) رتی ہے، اور مولینا لکھنوی کے حساب کے متعلق یہ ممکن ہے کہ اتفاقا چھوٹے جو ہاتھ آئے ہوں جن سے وزن کیا گیا یا وزن کرنے کے وقت اتفاقا چھوٹے جو سے دیکھا گیا ہو، نیز رتی یعنی گھونگھچی بھی چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ "ممکن ہے کہ بھی بڑی گھونگھچی سے تولا گیا" ہم نے اس احتیاط کے مدنظر بہت سے جو میں سے متوسط جو اور بہت سی گونگچیوں میں سے متوسط گھونگچی تلاش کر کے وزن کیا ہے اور اس کے علاوہ فقہاء نے درہم ستر جو کا اور مثقال سو جو کا لکھا ہے، اور چاندی کا نصاب دوسو درہم اور سونے کا نصاب بیس مثقال اور صاع ایک ہزار چالیس درہم اور نصف صاع پانچ سو بیس درہم کا لکھا ہے۔ اگر ہمارے تولنے کا اعتبار نہ ہو تو جس کا جی چاہے ستر جو کو تول کر درہم کا وزن معلوم کرے اور اس کو ۲۰۰ سے ضرب دیکر چاندی کا نصاب او

۵۲۰ سے ضرب دے کر نصف صاع نکال لے اور سو جو کو تول کر مثقال کا وزن معلوم کرے اور اس کو ۲۰ سے ضرب دیکر سونے کا نصاب نکال لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴): زکوٰۃ میں بھی ہمارے حضرات اکابر نے اس وزن کو معتبر رکھا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی جو روپیوں کے حساب سے للعہ بارہ بھر ہوتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ ساڑھے باون تولہ کے ۳ ماشہ (۱ء۵/۱) رتی کا درہم مان کر پورے دوسو درہم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیس مثقال (جو سونے کا نصاب زکوٰۃ ہے) اس کے بحساب (۴ء۲/۱) ماشہ فی مثقال (۷ء۲/۱) تولہ قرار دیتے ہیں۔ فقط وللہ الحمد کتبہ الاحقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ۔

نوٹ: متعلق عبارت بالا مولانا عبدالکریم صاحب کی تحریر میں جو (۳) کی عبارت تھی اس میں کچھ خدشہ ظاہر ہوا اسلئے حسب ایماء سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ ہم نے اس کو اپنی عبارت میں بدل دیا ہے، محمد شفیع دیوبندی، جمیل احمد تھانوی

مرسلہ.........................

الجواب: صاع کے وزن میں جو اختلاف ہے، اس میں قول مفتی بہ اور اصل مذہب یہ ہے کہ صاع دوسو ستر تولے کا ہوتا ہے، جبکہ صاع کا وزن مد و رطل و استار و مثقال وغیرہ سے نکالا جائے۔ صاع کا وزن دراہم سے نکالنے میں دوسو چھتر تولہ کا ہوتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے، لیکن اکثر کتب و متون معتبرہ میں صاع کا وزن دراہم سے نہیں بتایا گیا، اس لئے یہ قول مرجوح ہے۔ جہاں تک میں نے تصانیف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا مطالعہ کیا تو زیادہ اختلاف نظر نہیں آیا تاہم جو اختلاف وزن صاع میں علمائے بریلی و دیوبند کا ہے، اس کے چند اسباب درج ذیل ہیں۔ ان اسباب پر نظر ڈالنے سے بڑے اختلافات دور ہو جاتے ہیں۔

اختلاف کا پہلا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے صاع کا وزن چار مد سے (مد کو عربی زبان میں من بھی کہا جاتا ہے) اور ہر مد دو رطل کا ہر رطل بیس استار کا، ہر استار ساڑھے چار مثقال کا ہر مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اعتبار فرمایا۔ جس کی رو سے صاع دوسو ستر تولہ کا ہوتا ہے، اور علمائے دیوبند نے قول درمختار کو جس میں وزن صاع دراہم سے بتایا گیا ہے، اس کو ترجیح دی، جس کے حساب سے صاع دوسو چھتر تولہ کا ہوتا ہے۔

اختلاف کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی تحقیق میں انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشہ کا ہے اور علمائے دیوبند کی تحقیق میں انگریزی روپیہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے۔ اس اختلاف کا اثر انگریزی سیر پر بھی پڑتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے حساب سے انگریزی سیر پورے چھتر تولہ کا ہوتا ہے، اور علمائے دیوبند کے نزدیک چھتر تولہ ۸ ماشہ کا انگریزی سیر ہوتا ہے۔ پھر سیر کے اختلاف سے صاع کے وزن میں اختلاف پڑتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے حساب سے صاع انگریزی سیر سے ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور

دسواں حصہ چھٹانک کے برابر ہوتا ہے، اور علمائے دیوبند کے نزدیک صاع کا وزن انگریزی سیر سے تین سیر ۸ چھٹانک چارتولہ آٹھ ماشہ کے برابر ہوتا ہے۔ (لیکن میرے اور یہاں کے دیگر اہلِ حساب کے حساب لگانے سے علمائے دیوبند کے نزدیک وزن صاع انگریزی سیر سے تین سیر آٹھ چھٹانک چارتولہ دس ماشہ ساڑھے تین رتی کے قریب ہوتا ہے) بہرکیف زیادہ سے زیادہ پون چھٹانک کا فرق واختلاف تقریباباقی رہتا ہے، جو کچھ زیادہ متصور نہیں کیا جاتا۔

اختلاف کا تیسرا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے صاع کے وزن میں اصل مذہب پر اپنے تجربہ کو احوط وانفع للفقراء کا لحاظ کر کے مقدم فرمایا، اور ساتھ ہی اصل مذہب اور قول مفتی بہ کا بھی ذکر فرمادیا اور علمائے دیوبند نے قول درمختار اور اپنے تجربوں کو ترجیح دی۔ اسباب اختلاف وقدر اختلاف کا ذکر ماقبل میں کیا۔

سب سے بڑی دشواری جس سے عوام کو تشویش ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے پھر نصف صاع کا وزن ایک سو پچھتر [۱۷۵] روپیہ اٹھنی بھر کیوں قرار دیا، چونکہ اتنا زیادہ وزن کسی حساب سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ خود اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی کہ صاع کا وزن دوسواٹھاسی روپیہ بھر اور نصف صاع کا وزن ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہوتا ہے۔ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک بار نیم صاع شعیری میں گیہوں بھر کر تولا تو وہ گیہوں ایک سو پچھتر روپیہ اٹھنی بھر ہوئے، اس لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے احتیاطاً انفع للفقراء ہونے کی وجہ سے نیم صاع کا وزن ایک سو پچھتر روپیہ اٹھنی بھر قرار دیا اور اعلیٰ حضرت کا اتباع فرماتے ہوئے حضرت سیدی وسندی واستاذی واستاذ العلماء صدر الافاضل مولینا مولوی مفتی حافظ حکیم الحاج محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی روح اللہ روحہ نے "تفسیر خزائن العرفان" میں اور حضرت صدر الشریعہ مولینا مولوی مفتی حکیم الحاج محمد امجد علی صاحب اعظمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہار شریعت حصہ پنجم میں اسی وزن مذکور کو برقرار رکھا۔

اب وہ نقول درج کئے جاتے ہیں، جن سے اصل مذہب مفتیٰ بہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا احتیاطی مسلک درباب صاع واضح اور اشکال دفع ہو۔ **تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوٰۃ و الصیام.** مصنفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ص ۴ میں ہے۔

صاع دوسوستر تولہ ہے۔ نیم صاع ایک سو پینتیس تولہ بارہ ماشہ، ماشہ آٹھ رتی، رتی آٹھ چاول، انگریزی روپیہ سکہ رائجہ سوا گیارہ ماشہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔

> اعلم ان الصاع اربعۃ امداد و المدبالاستار اربعون والاستار بکسر الھمزۃ بالمثاقیل اربعۃ و نصف کذافی شرح در رالبحار ۱۵. (ملخصا). جب صاع چارمن ہے اور ہرمن چالیس استار اور ہر استار ساڑھے چار مثقال تو ہرمن ایک سو اسی مثقال ہوا، اور مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے۔

ولہذا درہم شرعی کہ مثقال کا ۱۰/۷ سات عشر ہے، فی الدر المختار کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل، پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا یعنی تین ماشے ا ع ۱/۵ رخ، جواہر الاخلاطی میں ہے۔

الدرہم الشرعی خمس و عشرون حبۃ و خمس حبۃ.

کشف الغطا میں ہے۔

بدانکہ معتبر نزدما صاع عراقی ست و آن ہشت رطل ست و رطل بیست استار و استار چہار و نیم مثقال و مثقال بست قیراط و قیراط یک حبہ و چہار خمس حبہ و حبہ کہ آن را بفارسی سرخ گویند، ہشتم حصہ ماشہ ست، پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد۔

اسی حساب سے دوسو درہم نصاب فضہ کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال نصاب ذہب کے ساڑھے سات تولہ ہوتے ہیں، پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سو دس ماشے یعنی ساڑھے سرسٹھ تولہ ہوئے اور نیم صاع ایک سو پچیس تولہ اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر۔ جہاں سیر سو روپیہ بھر یعنی ترانوے تولہ نو ماشہ کا ہو، جیسے بریلی وہاں نیم صاع کے کچھ کم ڈیڑھ سیر یعنی ایک سیر سات چھٹانک دو ماشہ ساڑھے چھ رتی ہوئے اور ایک صاع کے آدھ پاؤ کم تین سیر اور پانچ ماشہ پانچ رتی اور انگریزی سیر سے کہ اسی روپیہ بھر یعنی پورے پچھتر تولہ کا ہے، اور دہلی و لکھنؤ میں وہی رائج ہے۔ ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا۔ ریاست رامپور کا سیر چھیانوے روپیہ یعنی پورے نوے تولہ کا ہے، وہاں تین سیر کامل کا ایک صاع، وعلیٰ ھذا القیاس فی سائر البقاع۔ فتاوی رضویہ جلد اول کتاب الطہارت ص ۱۳۹ میں ہے۔

"صاع ایک پیمانہ ہے چار مد کا اور مد کہ اسی کو من بھی کہتے ہیں، ہمارے نزدیک دو رطل ہے، اور ایک رطل شرعی یہاں کے روپے سے چھتیس روپیہ بھر کہ رطل بیس استار ہے اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشہ اور یہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشہ یعنی ڈھائی مثقال تو رطل شرعی کہ نوے مثقال ہوا، ڈھائی پر تقسیم کئے سے چھتیس آئے تو صاع کہ ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے، دو سو اٹھاسی روپیہ بھر ہوا یعنی رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے روپیہ بھر کا ہے، پورے تین سیر اور مد تین پاؤ۔

اسی فتاوی رضویہ جلد اول کتاب الطہارۃ ص ۱۴۵ میں ہے۔

فقیر نے ستائیس ماہ مبارک رمضان ۱۳۲۷ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جو کا پیمانہ تھا۔ اس میں گیہوں برابر ہموار مسطح بھر کر تولے تو تین رطل کم پانچ رطل آئے یعنی ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو کی جگہ ایک ۱۷۵ ایک سو پچھتر روپے آٹھ آنہ بھر گیہوں کہ بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اور پونے دو سیر ہوئے' یہ محفوظ رکھنا چاہئے کہ صدقہ فطر و کفارات و فدیہ صوم وصلوۃ اسی انداز سے گیہوں ادا کرنا احوط وانفع للفقراء ہے، اگر چہ اصل مذہب پر بریلی کی تول سے چھ روپے بھر کم ڈیڑھ سیر گیہوں ہے۔

اسی فتاوی رضویہ جلد اول کتاب الطہارۃ ص ۵۶۰ میں ہے۔

اور صاع ہمارے امام کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ ہر رطل بیس استار، ہر استار ساڑھے چار مثقال، ہر مثقال ساڑھے چار ماشے تو ہر رطل تینتیس ۳۳ تولہ نو ماشہ اور صاع دو سو بہتر تولہ کا ہوا۔

فی ردالمختار عن شرح درر البحاراعلم ان الصاع اربعة امدادو المدرطلان والرطل نصف من والمن بالدر اهم مائتان وستون درهما وبالا ستارا ربعون والا ستار بكسر الهمزة بالدراهم ستة ونصف و بالمثا قيل اربعة ونصف اه.

اسی صفحہ میں ہے۔

واترک الدراهم وحا سب بما لا يختلف وهو المثقال فانه اربع ونصف ما سة فالا ستار طولجة وثمان ماسات وربع ای حبتان فالرطل ثلث وثلثون طو لجة وتسع ماسات كما ذكرناوبا لله التو فيق)

رسائلِ ارکان ص ۱۹۵ مصنفہ حضرت ملک العلماء ابوالعیاش محمد عبدالعلی لکھنوی معروف بہ بحر العلوم میں ہے۔

ثم الصاع المعتبر فی صد قةالفطرالصاع العراقی عندا لامام ابی حنيفة والامام محمد وهو ثمانية ارطال وعليه الفتوی وهو بوزن ديارنا مائة وثمانون فلوساو الفلوس بو زن ثمانية عشر ماشج. امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صدقہ فطر میں جو صاع معتبر ہے، وہ صاع عراقی ہے۔ جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ ہمارے علاقے کے وزن سے ایک سو اسی فلوس ہے اور فلوس بوزن تیرہ ماشخ۔

برجندی شرح مختصر الوقایہ جلد اول ص ۲۰۸ میں ہے۔

ثم المعتبر هو الصاع العراقی و هو ثمانية ارطال ‘كل رطل عشرين استارا والا ستار اربعة مثاقيل ونصف. معتبر صاع عراقی ہی ہے۔ وہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ ہر رطل بیس استار اور ایک استار ساڑھے چار مثقال کا ہی میں ہے۔

اعلم ان الصاع اربعة امناء كل من اربعون استارا و كل استارفی عرف الشرع اربعة مثاقيل ونصف فنصف الصاع ثلث مائة وستون مثقالا. معلوم ہو کہ ایک صاع چار من ہے' ہر من چالیس استار اور عرف شرع میں استار ساڑھے چار مثقال کا ہے۔ هذا ما عندی والله سبحانه وتعالی اعلم وعلمه عزاسمه اتقن واحكم.

نوٹ: (۱): تفاسیر الاحکام، ص ۴ کی عبارت جو ستر ہویں '۱۷' سطر میں اس طرح چھپی ہے کہ ''اور نیم صاع '۱۳۵' (ایک سو پینتیس) تولہ اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چالیس روپے بھر'' غلط ہے، صحیح ایک سو چوالیس ہے۔ کمالا یخفی علی المحاسب۔

(۲): فتاوی رضویہ ص ۱۳۹ کی عبارت جو اس طرح کتاب میں طبع ہوئی ہے۔ ''تو صاع کہ ہمارے امام کے نزدیک آٹھ رطل ہے، ایک سو اٹھاسی '۱۸۸' روپے بھر ہوا، صحیح نہیں، بلکہ صحیح دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے، كما هو ليس بمخفی عند اهل الحساب بہرکیف یہ دونوں غلطیاں کتابت وطباعت کی ہیں مصنف کی نہیں۔ منه.

مسئلہ ۶۹۱: صاع کی تشریح اپنے ملک کے سیر چھٹانک سے فرمائی جائے؟

مرسلہ محمد زین الدین غفرلہ، موضع بھیم چک کٹہری، ضلع دمکا، ۲۸ فروری ۱۹۶۶ء

الجواب: صاع کا وزن دوسوستر تولہ ہے، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ایک صاع چار مد (جس کو من بھی کہتے ہیں) اور ہر مد دو رطل کا اور ہر رطل بیس استار کا ہر استار ساڑھے چار مثقال کا اور ہر مثقال ساڑھے چار ماشے کا اور چونکہ بارہ ماشہ کا تولہ ہوتا ہے، تو صاع دوسوستر تولہ کا ہوا یہی راجح اور مفتی بہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

نوٹ: سیر چھٹانک خود بنائیں۔ منہ

حیلۂ شرعیہ

مسئلہ ۶۹۲: علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کچھ زمین بہ نیت مدرسہ و مسجد ذاتی پیسہ سے خریدی گئی ہے، زکوٰۃ کا پیسہ کام میں نہیں لایا گیا ہے، ارادہ ہے کہ مدرسہ کے اوپر مسجد تعمیر کرائی جائے تو مدرسہ میں زکوٰۃ کا پیسہ لگایا جائے گا، اور اوپر مدرسہ کی چھت پر مسجد بنانے کا ارادہ ہے، کیا مدرسہ کی چھت پر جس میں زکوٰۃ کا پیسہ بھی لگا ہوا ہے، مسجد بنائی جاسکتی ہے، مفصل تحریر فرما کر بندہ کو سرفراز فرمائیں؟ اور درگاہ شریف میں بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ سیٹھ محمد اسماعیل صاحب رنگ والے

الجواب: جب یہ زمین مدرسہ و مسجد بنانے کی نیت سے خریدی گئی ہے تو نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، زکوٰۃ کی رقم کے لئے ضروری ہے کہ کسی مستحق کو اس کی تملیک کی جائے، اسی لئے مدرسہ اور درگاہ وغیرہما میں زکوٰۃ کی رقم حیلۂ شرعیہ کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں، چونکہ تملیک نہیں پائی جاتی ہے۔ حیلۂ شرعیہ کے بعد جو زکوٰۃ کی رقم مدرسہ و درگاہ وغیرہما کی تعمیر میں خرچ کی جاتی ہے، اس پر دوسری ہر تعمیر جائز ہے، چونکہ جب زکوٰۃ لینے والا رقم زکوٰۃ کا مالک و قابض ہو کر اپنی طرف سے مدرسہ و درگاہ کو خرچ کے لئے دیتا ہے اب اس کی نوعیت عطیہ کی ہوجاتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کی رقم مدرسہ یا درگاہ کی تعمیر پر اس طرح خرچ کی جائے کہ زکوٰۃ دینے والا کسی بالغ مکلف مرد یا عورت کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنادے، پھر زکوٰۃ لینے والا اس رقم پر قبضہ کر کے اپنی جانب سے مدرسہ یا درگاہ کی تعمیر کے لئے دیدے۔ اس طرح اس مدرسہ کی چھت پر مسجد کی تعمیر جائز ہوگی، ورنہ ناجائز۔

اس تحریر مندرجہ بالا سے حیلۂ شرعیہ کی تشریح بھی ہوگئی اور اس کے بعد تعمیر مدرسہ و درگاہ پر رقم زکوٰۃ کے خرچ کرنے کا صحیح طریقہ بھی معلوم ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۶۹۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱): مدرسہ جس میں صرف عربی تعلیم ہوتی ہے، جو آمدنی ہوتی ہے، ناظم مدرسہ مشاہرہ مدرسین و باورچی و تعمیرات وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (۲): وہ مدارس جن میں عربی، فارسی، حفظ، ناظرہ، اردو، دینیات، و تعلیم الاسلام وغیرہ کی تعلیم

ہوتی ہو، نیز وہ مدارس جن میں عربی وفارسی وغیرہ کے علاوہ ہندی، انگریزی، حساب، تواریخ، جغرافیہ، سائنس وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہو جس کو درس عالیہ کہتے ہیں، حکومت کی طرف سے بھی مدد ملتی ہے۔

لہٰذا ایسے مدارس میں زکوۃ، فطرہ ورقم چرم قربانی وعقیقہ وعشر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئولہ محمد طاہر جائسی

الجواب: مدارس دینیہ جن میں محض اہل سنت وجماعت کے اعتقاد ومسلک کے مطابق دینی اور مذہبی تعلیم ہوتی ہو جس کے ناظم یا نائب ناظم زکوۃ، فطرہ، عشر کے مصارف مستحقین کو صحیح معنی میں رقوم مذکورہ کا مالک بنادیتے ہوں، اور پھر وہ مستحقین بالغین رقوم مذکورہ پر قبضہ کر کے مدرسہ دینیہ کی ضروریات کے لئے تملیک کرنے والے ناظم یا نائب ناظم کو رقوم مذکورہ دیتے ہوں، تو ایسے مدارس دینیہ میں رقوم مذکورہ دی جاسکتی ہیں، چونکہ رقوم مذکورہ میں طریقہ مندرجہ بالا کی پابندی کیے بغیر زکوۃ، فطرہ اور عشر کا فرض ادا نہ ہوگا۔ چرم عقیقہ اور چرم قربانی کی قیمتوں کا مدارس مذکورہ بالا میں دینا صحیح ودرست ہے۔ ان رقوم میں طریقہ مندرجہ بالا کی پابندی ضروری نہیں۔

جس مدرسہ میں تعلیم الاسلام کے مختلف حصوں کی تعلیم بچوں کو دی جاتی ہو، اس میں کسی قسم کی کوئی امدادی رقم ہرگز ہرگز نہ دی جائے، چونکہ یہ کتاب نام کے مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تصنیف کردہ ہے، جس میں دہابیت، نجدیت، دیوبندیت کے مسائل درج ہیں۔ ایسے مدرسہ کی مدد کرنا باطل وگناہ کی امداد کے مترادف ہے۔ جو بحکم رب العزت جل وعلاوتبارک وتعالی حرام وممنوع ہے۔

اور جس مدرسہ میں ہندی، انگریزی اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہو، اس میں اگرچہ ہر قسم کی امدادی رقم بشرائط مذکورہ بالا دینا صحیح وجائز ہوگا، لیکن کار خیر نہ ہونے کے باعث ایسے مدارس کی امداد نہ کی جائے تاکہ دینی تعلیم کو تقویت حاصل ہو اور دنیوی تعلیم کے لئے تو سرکاری امداد بھی ملتی ہے، اور دوسری قسم کی امداد معاونین کیا ہی کرتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۷۶ میں ہے۔

> ولا یجوزان یبنی بالزکاہ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطر قات و کری الانہار والحجیج والجہا دوکل مالا تملیک فیہ. زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنانا جائز نہیں۔ اسی طرح پُل، شاہراہوں کی مرمت، پانی کی ٹنکی، نہروں کی صفائی بھی جائز نہیں۔ حج وجہاد کیلئے، نیز ہر اس مصرف میں خرچ نہیں کیا جاسکتا جس میں تملیک نہیں ہوتی ہے۔

اسی کے ص ۱۸۱ میں ہے۔

> ومصرف ہذہ الصدقۃ (ای صدقۃ الفطر) ما ہو مصرف الزکاۃ کذافی الخلاصۃ. صدقۂ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

اسی کی جلد سادس کے ص ۵۶۲ میں ہے۔

> وکذالک فی جمیع ابواب البرالتی لا یقع بہا التملیک کعمارۃ المساجد وبناء

القناطر والرباطات لا یجوز صرف الزکوۃ الی ہذہ الوجوہ.
والحیلة له ان یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یا مرہ بعد ذالک بالصرف الی ہذہ الوجوہ. فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذالک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة و فی فتاوی ابی اللیث رحمه الله تعالی مواضع موات علی شط جیحون عمر ها اقوام کان للسلطان ان یا خذ العشر من غلاتها (الی ان قال) ولواباح السلطان شیئا من ذالک لرباط. ثم لا یجوز ولا یحل للمتولی ان یصرفه الی الرباط (والحیلة فی ذالک) ان یتصدق السلطان بذالک علی الفقراء ثم الفقرا ید فعون ذالک الی المتولی ثم المتولی یصرف ذلک الی الرباط کذافی الذ خیرة (ملخصا) والله تعالی اعلم. اسی طرح تمام بھلائی کے کاموں میں، جن میں تملیک نہیں پائی جاتی، مال زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں، جیسے مساجد کی تعمیر، پلوں اور مسافر خانوں کا بنانا............اس کے لئے حیلہ کیا جائے۔ اس طرح کہ زکوٰۃ کی رقم فقیر کو دے دیا جائے، پھر اس سے کہے کہ تم ان مصارف خیر میں خرچ کردو۔ ایسا کرنے پر زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ دینے کا ثواب اور اس فقیر کو مسجد اور پُل بنانے کا ثواب ملے گا۔ فتاویٰ ابو اللیث میں ہے۔ دریائے جیحون کے ساحلی علاقے کی غیر آباد زمین کو کچھ طبقے کے لوگوں نے آباد کیا۔ سلطان کو یہ اختیار ہے کہ اس کی پیداوار سے عشر لے۔...........اگر سلطان وقت عشر کے کچھ حصے کو وہاں موجود کسی مسافر خانے کے لئے دیدے تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ نہ اس کے منتظم کو حلال ہے کہ اس مال کو مسافر خانہ کے مصارف میں خرچ کرے۔ اس کے لئے حیلۂ شرعیہ کرنا ہوگا۔ اس طرح کہ سلطان اس مال کو فقراء کو دیدے، پھر فقراء اسے منتظم کو دیدیں، پھر منتظم اسے مسافر خانہ کے امور میں خرچ کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۶۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مدرسہ جس میں قرآن شریف، علوم عربیہ اور امور دینیات کی تعلیم ہوتی ہے، اور حساب اور معمولی ہندی وغیرہ بھی داخل درس ہے، تاکہ بچے غیر مذہبی ماحول میں داخل ہوکر اپنے دین ومذہب سے بیگانہ نہ ہوجائیں۔ مدرسہ کے مصارف چندے سے ہوتے ہیں جن میں بیشتر رقم زکوۃ، چرمِ قربانی اور صدقہ فطر کی ہوتی ہے۔ ان رقوم کو تنخواہ میں صرف نہیں کیا جاسکتا اور امدادی رقمیں تنخواہ کے لئے کافی نہیں ہوتی ہیں۔ مجبوزا دینی تعلیم کے تحفظ وبقا کے لئے جو اس زمانہ میں تو بہت زیادہ ضروری ہوگئی ہے۔ زکوۃ وغیرہ کی رقموں کو تنخواہ میں صرف کرنے کے لئے حیلہ شرعی اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں، جس کی ایک صورت عالمگیری میں یہ درج ہے کہ ان رقموں کو کسی غیر نصاب والے کی ملک بنادیا جائے، وہ مالک ہوکر اپنی طرف سے مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنے کے لئے دیدے۔

والحیلة ان یتصدق بمقدار زکواۃ علی فقیر ثم یامرہ بعد ذالک بالصرف الی ہذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذالک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة.

حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار مال کو کسی فقیر کو صدقہ کر دے، پھر اس سے کہے کہ اس مال کو ان مصارف میں خرچ کر دو۔ اب اس صورت میں صدقہ کرنے والے کو صدقہ کا ثواب ملے گا اور اس فقیر کو مسجد اور پل بنانے کا ثواب ملے گا۔

اس صورت میں مزید یہ دریافت کرنا ہے، کہ اس قسم کی رقمیں طلبہ کے لئے منتظم مدرسہ لیتا ہے تو حیلہ کرنے میں کسی طالب علم کی ملکیت بنانا ضروری ہے، اگر کوئی اطمینانی طالب علم نہ ملے تو غیر طالب عالم، معتبر کے ہاتھ حیلہ کر سکتا ہے یا نہیں، نیز مندرجہ ذیل صورتیں جائز ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

(۲): کوئی شخص جو صاحب نصاب نہ ہو پڑھانے کا کام اس وعدہ پر کرتا ہے کہ میں کوئی معاوضہ نہ لوں گا، یوں بطور امداد جب بھی ہو سکے جتنا چاہئے دید یجئے۔ کیا ایسے شخص کو ان رقوم کی زکوٰۃ صدقۂ فطر، چرم قربانی سے دیا جا سکتا ہے، جب کہ صراحتہ وہ معاوضہ نہ لینے کا وعدہ کر چکا ہے؟

(۳): کوئی شخص جو صاحب نصاب نہ ہو وہ اسکول کی سفارت (چندہ) اس وعدہ پر کرتا ہو کہ میں کوئی معاوضہ نہیں لوں گا، یوں بطور امداد جب بھی ہو سکے جتنا چاہیں دیجئے۔ کیا ایسے شخص کو ان رقوم زکوٰۃ، صدقۂ فطور چرم قربانی سے بطور امداد دیا جا سکتا ہے، جب کہ وہ صراحتہ معاوضہ نہ لینے کا وعدہ کر چکا ہے۔

(۴): طلبہ کو وظیفہ کی صورت میں اس قسم کی رقم دے کر ان کو مالک بنا دیا جائے، پھر مدرسے کی فیس میں ان سے ایک بڑا حصہ لے لیا جائے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ مقصود علی سکریٹری، مدرسہ اشاعت العلوم ضلع سیتاپور، ۴ر محرم الحرام ۱۳۸۲ھ جمعہ

الجواب: بلا شبہ زکوٰۃ وفطرہ کی رقوں کا مدارس دینیہ اسلامیہ کے مدرسین کی تنخواہوں میں بعد تملیک و حیلہ شرعیہ مندرجہ در فتاویٰ عالمگیری صرف کرنا جائز و روا ہے۔ رقوم مذکورہ بالا در سوال کی تملیک میں طلبہ ہی کو مالک بنانا ہرگز شرط نہیں کما ھو یفھم من النصوص الظاھرہ بلکہ ہر اس شخص کو رقوم مذکورہ کا مالک بنایا جا سکتا ہے، جو مصارف زکوٰۃ اور مستحقین میں سے ہو۔

فتاویٰ ہندیہ کے علاوہ اور دیگر کتب فقہیہ سے اس حیلہ شرعیہ کا ثبوت ملتا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔ مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۲۱۲ میں ہے۔

(ولا تدفع) الزكاة (لبناء المسجد) لان التمليك شرط فيها ولم يوجد وكذا بناء القناطير واصلاح الطرقات وكرى الانهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه وان اريد الصرف الى هذه الوجوه صرف الى الفقير ثم يامر بالصرف اليها فيثاب المزكى والفقير. اور نہیں دی جائیگی زکواۃ (مسجد کی تعمیر کیلئے) کیونکہ زکواۃ میں تملیک (مالک بنا دینا) شرط ہے، اور یہاں یہ نہیں پائی جارہی ہے، اسی طرح پلوں کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت، نہروں کے محصول اور حج اور جہاد وغیرہ میں مال زکوٰۃ نہیں خرچ کیا جائیگا، نیز ان تمام مصارف میں جہاں تملیک نہیں ہوتی۔ اگر ان کاموں میں خرچ

کرنا ہی ہے تو اس کی صورت یہ ہیکہ فقیر کو دیدیا جائے پھر اس سے کہا جائے کہ مذکورہ کاموں میں تم خرچ کردو۔ اس صورت میں زکواۃ دینے والا اور فقیر دونوں کو ثواب ملیگا۔

درمختار مصری جلد ثانی ص ۱۳ میں ہے۔

وحلية التكفين بها التصد ق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما و كذافي تعمير المسجد. زکواۃ کے پیسے سے کفن دینے کی صورت یہ ہے کہ فقیر کو صدقہ کرے، اور وہ اپنی طرف سے کفن دے دے اس صورت میں دونوں کو ثواب ملے گا۔ تعمیر مسجد کیلئے بھی یہی حیلہ کیا جائیگا۔

اسی کے ص ۶۵ میں ہے۔

وقدمنا ان الحيلة ان يتصد ق على الفقير ثم يا مره بفعل هذه الاشياء. حیلہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو زکوۃ کا پیسہ دے۔ پھر اسے فلاں (اجتماعی) کام میں خرچ کرنے کیلئے کہیں۔

چرم قربانی کی رقموں کا مدارس مذکورہ کے مصارف میں لگانا بلا تملیک درست ہے کہ یہ صدقات نافلہ میں سے ہے، اس میں بھی صدقہ فطر و زکوۃ کی طرح تملیک کی شرط لگانی سراسر غلطی ہے، جب کہ چرم قربانی کو بعینہ اپنے مصرف میں لاسکتا ہے، تو بطریق اولی مدرسہ کی ضروریات میں اس کی آمدنی لگائی جاسکتی ہے۔ درمختار جلد خامس ص ۳۲۱ میں ہے۔

ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة الخ . اور اس کے چمڑے کو صدقہ کردے یا اس سے چھلنی، مشکیزہ، میان اور دستر خوان وغیرہ بنالے۔

عالمگیری جلد خامس ص ۴۵۷ میں ہے۔

ويتصدق بجلدها اويعمل منه نحوغربال وجراب. والله تعالى اعلم.

(۲) و (۳): شخص مذکور کو جو صاحب نصاب نہیں، زکوۃ وصدقہ فطر اور چرم قربانی کا مال بلا ریب دیا جاسکتا ہے کہ جو مالک نصاب نہیں وہ فقیر ہے، اور فقیر مصرف زکوۃ وصدقۂ فطر ہے، بشرطیکہ اور کوئی دوسری چیز مانع نہ ہو۔ فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۱۷۵ میں ہے۔

مصرف الزكوة هو فقير وهومن له ادنى شئى اى دون نصاب. زکوٰۃ کا مصرف فقیر ہے اور فقیر اسے کہتے ہیں جس کے پاس نصاب زکوۃ سے کم مال ہو۔

درمختار مصری جلد ثانی ص ۶۰ میں ہے۔

منها الفقير وهومن له ادنىٰ شيء اى مادون النصاب. فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔

مجمع الانہر جلد اول ص ۱۱۱ میں ہے۔

وهذا التعليل يقوى مانسب الى بعض الفتاوى من ان طالب العلم يجوزله ان يا خذ مال الز كاة وان كان غنيا اذا فرغ نفسه لا فادة العلم واستفادته لكونه عاجزا عن الكسب

والحاجة داعية الى مالا بدمنه، كالقاضي والمفتي ومن يعمل للفقراء من وجه لان يدهٗ كايديهم بعدالوجوب فاستوجب اجراعليهم فصارمااستحقه صدقة من وجه اجرة من وجه. یہ علت اس قول کو مضبوطی عطا کر رہی ہے جو بعض فتاویٰ کی طرف منسوب ہے کہ طالب علم دین کیلئے زکوٰۃ کا مال لینا جائز ہے اگرچیکہ وہ مالدار ہو بشرطیکہ اس نے اپنے آپ کو علم کے افادہ اور استفادہ کیلئے وقف کر دیا ہے۔ کیونکہ اب وہ کسب یعنی کمانے سے عاجز ہے اور ضرورت داعی ہے ایسی چیز کی طرف جس کے بغیر چارہ نہیں، جیسے قاضی اور مفتی اور جو کسی جہت سے فقراء کے مفاد کیلئے کام کرتا ہے۔ کیونکہ حولان حول کے بعد اس کا قبضہ گویا ان فقیروں کا قبضہ ہے۔ وہ اس کام کی اجرت کا سزاوار ہو گیا۔ اب جس رقم کا وہ مستحق ہوا وہ ایک حیثیت سے صدقہ ہے اور ایک حیثیت سے اجرت ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

(۴): اختلاف ملک سے شی کا حکم مختلف ہو جاتا ہے مثلاً فقیر کہ مصرف زکوٰۃ ہے مال زکوٰۃ لے کر بطور ہدیہ امیر کو پیش کر سکتا ہے۔ **قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لک صدقة ولنا هدية** ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے صدقہ، میرے لئے ہدیہ۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں طلبہ کو رقوم مذکورہ کا مالک بنا کر ان سے بطورِ فیس پھر ان رقموں کو لے لینا جائز ہے۔ **واللہ تعالی سبحانہ وھو تعالی اعلم.**

مسئلہ ۶۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱): زکوٰۃ کے مال سے دینی تعلیم کا مدرسہ تعمیر کرانا کیسا ہے؟ (۲): کتابیں، قرآن شریف، تپائی وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳): شبینہ تعلیم کے لئے تیل یا بجلی اور بچھانے کے لئے فرش وغیرہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ (۴): مدرسہ کی تعمیر کی اجرت معماروں کو زکوٰۃ کے مال سے دینا کیسا ہے؟ (۵): مدرسین کو تنخواہ زکوٰۃ کے مال سے دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۶): صدقہ فطر اور زکوٰۃ مدرسہ کے کن کن امور میں صرف کرنا جائز ہے؟ (۷): قربانی اور عقیقہ کی کھالیں کن امور میں صرف کرنا جائز ہے؟

مسئولہ شیخ احمد امام مسجد مجاوراں پیراں، کلیر شریف، تحصیل روڑکی، ضلع سہارنپور،

الجواب: (۱) تا (۵): زکوٰۃ کا مال کسی جگہ کسی دینی تعلیم کی تعمیر اور تپائی بنانے میں اور مدرسہ کے تیل یا بجلی یا فرش خریدنے میں اور معماروں و مزدوروں کی اجرت دینے میں اور مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز نہیں، چونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک ضروری اور ان امور میں تملیک نہیں پائی جاتی، لہٰذا امور مذکورہ بالا میں زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جا سکتا جن مدارس دینیہ میں زکوٰۃ کا مال دیا جاتا ہے، تو اس کے مہتمم یا متولی اس مال زکوٰۃ کو مستحق طالب علموں کو بطور تملیک دیتے ہیں اس طرح زکوٰۃ کا مال مدارس دینیہ میں خرچ ہوتا ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

(۶): صدقہ فطر اور زکوٰۃ صرف مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیا جا سکتا ہے۔ اور مدرسہ کے کسی دوسرے کام میں نہیں دے سکتے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۷): قربانی اور عقیقہ کی کھالیں یا کھالوں کی قیمت ہر امر خیر میں خرچ کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے تملیک شرط نہیں۔ بلکہ قربانی

اور عقیقہ کی کھال سے اپنے لئے مصلیٰ اور ڈول وغیرہ بھی بنا کر کام میں لا سکتے ہیں۔ اور بہتر یہ کہ کسی کار خیر میں خرچ کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٩٦: زید قبرستان کے تحفظ کے لئے زکوٰۃ کے فنڈ سے اس میں دیوار بنانا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

مسئولہ حافظ خدا بخش صاحب، مقام ڈھالیہ ڈاکخانہ فتحپور، گنگانگر، راجستھان، ۲۱رذی الحجہ ۱۳۸۶ھ یکشنبہ

الجواب: زکوٰۃ فطرہ عشر کی رقموں میں تملیک (کسی مستحق کو مالک بنانا) شرط ہے، لہذا ہر وہ صورت جس میں تملیک نہ پائی جاتی ہو اس میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ قبرستان کی حفاظت کے لئے دیوار بنانے میں شرط تملیک نہیں پائی جاتی، لہذا اس کام میں بھی زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری مصری جلد اول ص ۱۷۶ میں ہے۔

> ولا یجوزان یبنی بالزکاہ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطر قات و الحجیج والجہا دو کل مالا تملیک فیہ۔ زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنانا جائز نہیں۔ اسی طرح پل، پانی کی ٹنکی، شاہراہوں کی مرمت وحج کرانے میں اور جہاد میں اور ہر اس مصرف میں جہاں تملیک نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ٦٩٧: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل میں کہ درس نظامیہ اور درس عالیہ کس میں ہر قسم کا چندہ دینا بہتر ہوگا؟ درس عالیہ میں ہر قسم کا چندہ دینا کیسا ہوگا اور درس نظامیہ میں دینا کیسا ہوگا۔ جواب بحوالہ کتب حنفیہ دیا جائے۔ اللہ آپ کو اجر دیگا۔

مسئولہ ممتاز احمد، مدرسہ فیاض المسلمین، بائیسی ہاٹ، ضلع پورنیہ بہار، ۱۳رجب ۱۳۸۴ھ پنجشنبہ

الجواب: درس نظامیہ کے مدارس دینیہ میں ہر قسم کا چندہ دینا بہتر ہوگا چونکہ ان مدارس کے علماء و حفاظ وطلبہ سب پابند شرع ہوتے ہیں، ان میں غلط روی بہت کم ہوتی ہے، اور درس عالیہ کے مدارس میں اساتذہ وطلبہ اکثر غلط روی میں مبتلا ہوتے ہیں اور مقصد بھی بالعموم صحیح نہیں ہوتا۔ ہاں ایسے مدارس دینیہ جن میں درس نظامیہ کے ساتھ درس عالیہ کی تعلیم بھی ہوتی ہو، ان میں اکثر اساتذہ وطلبہ وحفاظ وعلماء پابند شرع ہوتے ہیں۔ ان مدارس میں بھی چندہ دیا جائے اور دینے والے شرط لگا دیں کہ اس رقم کو درس نظامیہ کی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: ۲] (باہم مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر اور نہ مدد کرو گناہ وزیادتی پر) (معارف)۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۷۵ میں ہے۔

> التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصد ق علی الجاھل. جاہل پر خرچ کرنے سے افضل عالم فقیر پر خرچ کرنا ہے۔

مراقی الفلاح مصری ص ۳۹۸ میں ہے۔

> وکر ہ نقلھا بعد تمام الحول لبلد آخر لغیر قریب واحوج واورع، وانفع للمسلمین بتعلیم۔ سال گزرنے کے بعد مال زکوٰۃ کو دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے۔ یہ کراہت اس وقت ہے جب

دوسرے شہر میں قریبی عزیز زیادہ ضرورت مند اور زیادہ متقی نہ رہتا ہو۔ نیز مسلمانوں کے لئے علمی لحاظ سے زیادہ نفع بخش نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صدقات نافلہ

مسئلہ ۶۹۸ : (۱): کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقاتِ نافلہ حضرات سادات کرام کی خدمت میں پیش کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور حضرات ساداتِ کرام اس کو مصرف میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ (۲): صدقات کتنے قسم کے ہیں ان میں سے کونسا صدقہ سادات کرام پر حرام ہے؟ (۳): اکثر لوگ رجب کے مہینہ میں تبارک پڑھواتے ہیں اور بعض لوگ کپڑوں کا جوڑا بھی تبارک کی روٹیوں یا کھجوروں کے ساتھ رکھتے ہیں، یہ جوڑا اور روٹی سادات کرام کو دینے میں شرعاً کوئی جرم ہے یا نہیں؟ (۴): یہ جو مشہور ہے کہ ہر مسلمان اپنی کمائی میں سے پانچواں حصہ سادات کرام کی نذر کریں، اس کی اصلیت کیا ہے، حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں کہیں اس کا ذکر فرمایا ہے؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ اقبال احمد جنرل مرچنٹ، صدر بازار قصبہ بہیڑی، ضلع بریلی، ۲۷؍رجب ۱۳۸۲ھ سہ شنبہ

الجواب: (۱) و (۲): صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ، نذر شرعی اور عشر اور کفارۂ صوم ویمین وظہار اور فدیہ صوم وصلوٰۃ وفدیۂ جنایتِ حج اور صدقہ فطر سادات کرام کو دینا جائز نہیں۔ ان کے علاوہ صدقات نافلہ حضرات سادات کرام کو دینا جائز و درست ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

> ولا یدفع الی بنی هاشم هم ال علی وال عباس وال جعفر وال عقیل وال الحارث بن عبد المطلب كذا فی الهدايه هذا فی الواجبات كالزكاة و النذر و العشرو الكفاره فاما التطوع فيجوز الصرف اليهم كذافی الكافی ويجوز خمس الركازوالمعدن الی فقراء بنی هاشم كذافی الجوهرة النيرة. بنی ہاشم کو مال زکوٰۃ نہ دیا جائے وہ آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر آلِ عقیل اور آلِ حارث بن عبدالمطلب ہیں، جیسا کہ ھدایہ میں ہے یہ حکم صدقات واجبہ میں ہے جیسے زکوٰۃ، نذر شرعی، عشر اور کفارہ۔ ہاں صدقاتِ نافلہ انہیں دیا جاسکتا ہے ایسا ہی الکافی میں ہے، معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ بنی ہاشم کے فقراء لے سکتے ہیں۔

درمختار ص ۶۷ میں ہے۔

> (وجازت التطوعات من الصدقات) وغلة (الاوقاف لهم) ای لبنی هاشم. صدقاتِ نافلہ اور اوقاف کا غلہ بنی ہاشم لے سکتے ہیں۔

عالمگیری باب صدقۃ الفطر میں ہے۔

ومصرف هذه الصدقة ماهو مصرف الزكاة. صدقہ فطر لینے کا مستحق وہی ہے جو زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳): تبارک پڑھوانا اور تبارک پڑھوا کر روٹی یا شیرینی یا کپڑا کا جوڑا وغیرہ دینا صدقات نافلہ ہیں۔یہ چیزیں سادات کرام کو دی جاسکتی ہیں،اور وہ لے سکتے ہیں،شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴): میرے علم میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ ہر مسلمان اپنی کمائی کا پانچواں حصہ حضرات سادات کرام کو نذر کرے۔ حضرت صدر الافاضل استاذی واستاذ العلماء کی تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا مجھے شرف حاصل نہیں ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۹۹: عام طور سے لوگ صدقہ گندم،ماش،تیل سرسوں وغیرہ کی شکل میں دیتے ہیں۔کیا نقد داموں کے ذریعہ بھی دیا جاسکتا ہے؟اولیٰ واحسن طریقہ صدقہ دینے کا کیا ہے؟

مسئولہ غلام احمد خاں،مغل پورہ،یکم جنوری

الجواب: صدقات نافلہ میں مطلقاً اجازت ہے کہ گندم،ماش،روغن تلخ یا کوئی اور اناج یا لباس وطعام اور جو چیز چاہے صدقہ کرے،خواہ نقد دام خیرات کرے اور جتنی مقدار میں چاہے خیرات وصدقہ کرے،کسی چیز کی تعیین شرعاً ضروری نہیں۔ نہ وزن ومقدار کی پابندی لازم ہے۔لیکن اولیٰ یہ ہے کہ جو چیز زیادہ محبوب ومرغوب ہو وہ صدقہ کرے اور صدقات واجبہ جیسے صدقہ فطر اور فدیہ صوم وصلوٰۃ میں گندم نصف صاع اور جو ایک صاع دینا ضروری ہے،یا نصف صاع گندم کی قیمت یا ایک صاع جو کی قیمت دینا لازم ہے۔صدقاتِ واجبہ وصدقہ فطر اپنی اصل وفرع اور میاں،بیوی اور بنی ہاشم اور سادات کے علاوہ جو زیادہ ضرورت مند ہو اسی کو دیا جائے اور صدقاتِ نافلہ بغیر استثناء ہر شخص کو دیا جاسکتا ہے،مگر اولیٰ یہ ہے کہ صدقات نافلہ بھی غریب مسکین،حاجت مند ہی کو دے۔البتہ معمولات مشائخ میں جو صدقات بطور عمل بتائے گئے ہیں ان میں جو چیز جتنی مقدار میں بتائی گئی ہو وہی دے دوسری چیز نہ دے اور مقدار کی پابندی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصرف چرم قربانی

مسئلہ ۷۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پوسٹر ''مسائل قربانی اور اس کے احکام'' منجانب اراکین مدرسہ اہل سنت غریب العلوم موضع چاندپور،ضلع مراد آباد میں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہم سوال

سوال: کیا فرماتے ہیں،علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل بہت سی جگہوں پر یہ رواج ہے کہ صدقہ فطر،مردوں کا مال یعنی صدقہ وخیرات یا قربانیوں کی کھالیں وغیرہ امام مسجد کو، جب کہ امام مسجد صاحب زکوٰۃ وصاحب مال ہو دیئے جاتے ہیں لہٰذا اس بارے میں از روئے شرع

کیا حکم ہے۔ امام مسجد کو یہ اموال لینے جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب: صاحبِ نصاب کو اگرچہ امام مسجد ہو یا کوئی اور ہو صدقہ واجبہ مثل زکوۃ یا صدقات عید الفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہیں۔ اسی طرح قربانی کی کھال کا حکم ہے۔ **کمافی العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة.** اس لئے جملہ مسلمانان عالم سے گزارش ہے کہ اپنی قربانیوں اور صدقات وزکوۃ کے معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لیں، تاکہ اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل ہو۔ انتھی.

معترضین کا اعتراض ہے کہ صدقہ واجبہ مثل زکوۃ یا صدقات عید الفطر یا کفارات کے حکم میں قربانی کے جانور کی کھال کا حکم کس طرح شامل ہو گیا، جب کہ صاحب نصاب کو قربانی کا گوشت لینا جائز ہے اور قربانی کرنے والے کو اپنی قربانی کے جانور کی کھال بھی اپنے خرچ مثل جائے نماز وغیرہ میں لانا جائز ہے، لہذا آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ فی سبیل اللہ فتوی مذکورہ بالا کے بارے میں از روئے حدیث وفقہ بحوالہ کتب معتبرہ آگاہ کیجئے؟ **فقط جز اک اللہ فی الدارین خیرا.**

مسئولہ حکیم قاضی شریف احمد بیگ، محلہ بازار قصبہ بھوجپور، ضلع مرادآباد، ۱۸ر جنوری ۱۹۷۱ء

الجواب: جواب میں یہ لکھنا کہ اسی طرح قربانی کی کھال کا حکم ہے۔ **کما فی العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة** میری تحقیق میں غلط وباطل ہے۔ قربانی کی کھال کو مطلقاً صدقات واجبہ میں داخل کر کے یہ حکم لگانا اور فتاوی رضویہ کا حوالہ دینا، صحیح نہیں ہے۔ ہماری کتب فقہیہ میں کہیں بھی قربانی کی کھال کو علی الاطلاق صدقات واجبہ میں داخل کرنا مرقوم نہیں ہے، جو بھی ایسا دعوی کرتا ہے غلطی پر ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ [الحج:۲۸] (قربانی کے گوشت سے تم خود کھاؤ، اور اہل حاجت فقیر کو کھلاؤ)۔

یہاں "اِطعام" کے لفظ سے ظاہر ہوا کہ صدقہ کرنا ہی واجب نہیں، بلکہ اباحت بھی کافی ہے، جو محض قربت وکار خیر ہے۔ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے، حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ **فکلوا وادخروا واتجروا** (خود کھاؤ اور کھانے کے لیے روک رکھو اور ثواب کا کام کرو)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت کو ثواب کے کام میں صرف کرنا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا حکم ہے، لہذا مساجد ومدارس دینیہ اور ہر حاجت مند کو کھال کا دینا ثواب کا کام ہے، اور اسی **واتجروا** کے حکم میں داخل ہے، نیز گوشت اور کھال کا حکم ایک ہی ہے۔ درمختار مصری جلد ۵ ص ۲۳۰ میں ہے۔

> **ویا کل من لحم الاضحیة ویو کل غنیا وید خروندب ان لاینقص التصد ق عن الثلث.**
>
> قربانی کا گوشت خود کھائے مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے ذخیرہ بھی کر سکتا ہے، اور مستحب یہ ھیکہ ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے، بلکہ کم از کم ایک تہائی ہونا چاہئے۔

اسی کے ص ۲۳۱ میں ہے۔

> **(ویتصدق بجلدها اویعمل منه نحو غربال وجراب) وقربة وسفرة ودلو(اویبدله بما ینتفع به با قیا) کمامر.** اور اس کے چمڑے کو صدقہ کر دے یا اس سے چھلنی، مشکیزہ، میان اور دستر خوان

وغیرہ بنالے، یا اسے ایسی چیز سے بدل لے، جس کا فائدہ اسے باقی رکھتے ہوئے ملتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

الصحیح کما فی الهدایة وشروحها انهما سواء فی جواز بیعهما بما ینتفع بعینه دون ما یستهلک. ہدایہ اور اس کی شروح کے مطابق قربانی کا گوشت پیسے کے بجائے ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کر سکتے ہیں جس کے عین سے فائدہ ملتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے عرفانِ شریعت میں یہ مسئلہ واضح طور پر تحریر فرمایا ہے، پھر کسی مجیب کا بحوالہ فتاوی رضویہ ایسا لکھنا میری سمجھ میں نہیں آتا، کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۷۰۱: چرم قربانی جب صدقہ واجبہ کی حیثیت نہیں رکھتی تو تملیک مثل زکوۃ کے کیوں ضروری ہے۔ واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا ڈول یا چلنی وغیرہ جو غیر مستہلک ہیں، بنا کر خود استعمال کرلے تو جائز ہے؟

مسئولہ مولانا سید نجم الحسن صاحب رضوی، مقام خیرآباد، ضلع سیتاپور، ۲۰ رصفر ۱۳۸۴ھ شنبہ

الجواب: بلاشبہ چرم قربانی اور اس کی قیمت صدقات نافلہ میں سے ہے۔ چرم قربانی کی قیمت میں زکوٰۃ کی طرح تملیک ہرگز ضروری نہیں۔ مجھے تملیک کی کوئی سند آج تک نہ مل سکی۔ علمائے دیوبند عام طور پر اس میں تملیک کو ضروری قرار دیتے ہیں، لیکن حوالہ اور سند پیش نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کا قول قابلِ تسلیم نہیں۔ اس بارے میں نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ میں نے طویل فتویٰ کانپور سے آئے ہوئے سوالات پر لکھا تھا، جو رسالہ کی شکل میں چھپنا تھا، لیکن نہ چھپ سکا۔ **واللہ تعالی اعلم.**

نوٹ:- مذکورہ بالا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ سیف

مسئلہ ۷۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی یا چرم قربانی کی رقمیں جن پر تملیک شرط ہے یتیم خانوں کے ذریعہ یتیم خانوں کے بچوں کو دینا اور تعمیر یتیم خانہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں' نیز یتیم خانوں کے اداری نظام کے تحت مذکورۂ بالا رقمیں اکٹھا کر کے ادارہ کے بنائے ہوئے میزانیہ کے تحت خوراک' پوشاک' تعلیم وتربیت میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز معلمین کی تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

مسئولہ سعید احمد، یتیم خانہ اسلامیہ' کانپور

الجواب: جواب سے قبل چند امور بطور مقدمہ مسطور ہیں' تا کہ فہم جواب سہل وآسان ہو اور چرم قربانی اور چرم قربانی کی قیمتوں کے متعلق مستفتی نے ان الفاظ سے کہ 'چرم قربانی یا چرم قربانی کی رقمیں جن پر تملیک شرط ہے'۔ تملیک کی شرط لگا کر اختلاف کا ایک محاذ قائم کر دیا ہے' اس کا فیصلہ کیا جا سکے۔

مقدمۂ اولیٰ: صدقات واجبہ کے متعلق جہاں جہاں نصوص میں لفظ 'ایتاء' و 'اداء' آیا ہے وہاں بطور تملیک دینا ضروری ہے' بطور اباحت دینا کافی نہیں۔ اور جس جس مقام پر نصوص میں لفظ 'طعام' و 'اطعام' آیا ہے وہاں بطور

اباحت وتملیک دونوں طرح دینا صحیح وجائز ہے۔ ردالمحتار جلد ثانی فصل فی العوارض میں ہے۔

ما ورد بلفظ الاطعام جازفیه الاباحة والتملیک بخلاف ما بلفظ الا داء و الایتاء فانه للتملیک کما فی المضمرات وغیره قهستانی. جہاں جہاں لفظ اطعام آیا ہے وہاں اباحت اور تملیک دونوں جائز ہے۔ بخلاف لفظ اداء کے کہ یہ تملیک کیلئے ہی مخصوص ہے۔

درمختار جلد ثانی باب کفارۃ الظهار میں ہے۔

الضابط ان ما شرع بلفظ اطعام و طعام جازفیه الا با حة و ما شرع بلفظ ایتاء و اداء شرط فیه التملیک. ضابطہ شرعیہ یہ ہے کہ جہاں جہاں لفظ اطعام وطعام آیا ہے وہاں اباحت جائز ہے اور جہاں جہاں لفظ ایتاء و اداء آیا ہے وہاں تملیک شرط ہے۔

طحطاوی علی الدرالمختار جلد ۲ باب کفارۃ الظہار میں ہے۔

قوله (ان ما شرع بلفظ اطعام و طعام) ککفارة الظهار وکفارة الیمین و مثل کفارة الظهار کفارة الافطار و کفارة قتل الصید فان الله تعالیٰ قال: ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ﴾ و انما جازفیه الا با حة لان ما ذکر حقیقةفی التمکین من الطعام و هو یحصل بالا با حة. ان کا قول (جہاں جہاں لفظ اطعام و طعام کے ساتھ نص وارد ہوا) جیسے ظہار کا کفارۃ اور قسم کا کفارہ۔ کفارہ ظہار ہی کے مثل روزہ کا کفارہ اور حرم میں شکار کے قتل کا کفارہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''یا ایک مسکین کو کھانا کھلانا کفارہ ہے''۔ اطعام وطعام کے اندر بطور اباحت دینا جائز ہے' کیونکہ نص مذکورہ کی حقیقت یہی ہے کہ کھانے پر قدرت دے دی جائے اور یہ بات اباحت سے حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی میں ہے۔

قوله (واداء) کزکوة و صدقة الفطر کما فی البحر. ان کا قول (اداء) جیسے زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔ ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔

اسی میں ہے۔

قوله (شرط فیه التملیک) لان الایتاء و الا داء للتملیک حقیقة بحر. ان کا قول ایتاء اور اداء میں تملیک (مالک بنادینا) شرط ہے' کیونکہ یہ دونوں الفاظ تملیک کیلئے ہی حقیقت ہیں۔

ردالمحتار جلد ۲ باب کفارۃ الظهار میں ہے۔

قوله (والضابط الخ) بیانه ان الوارد فی الکفارات و الفدیة الا طعام و هو حقیقة فی التمکین من الطعم و انما جاز التملیک باعتبارانه تمکین و فی الز کا ة الا یتاء و فی صدقة الفطر الا داء و هو ما للتملیک حقیقة افاده فی البحر. ان کا قول (اور ضابطہ) اس کا بیان یہ ہیکہ کفارات اور فدیہ میں اطعام وارد ہوا ہے۔ اس کی حقیقت کھانے پر قادر بنادینا ہے۔ بلاشبہ یہاں

تملیک بھی جائز ہے اس لحاظ سے کہ تملیک خود تمکین (قادر بنانا) ہے۔زکوٰۃ کے اندر ایتاء (دینا) وارد ہوا ہے۔اور صدقہ فطر میں اداء (ادا کرنا) وارد ہوا ہے اور یہ دونوں الفاظ حقیقۃً تملیک کیلئے ہی ہیں۔بحر الرائق میں اس کا افادہ کیا۔

مراقی الفلاح مصری ص ۴۱۵ میں ہے۔

اعلم ان ما شرع بلفظ الاطعام او الطعام یجوز فیہ التملیک و الا باحۃ و ما شرع بلفظ الایتاء او الاداء یشترط فیہ التملیک جاننا چاہیئے کہ جو نص لفظ **اطعام و طعام** سے وارد ہوا اس میں تملیک اور اباحت دونوں جائز ہے۔اور جو لفظ **ایتاء و اداء** سے مشروع ہوا اس میں تملیک شرط ہے۔

طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قولہ (بلفظ الاطعام) ککفارۃ المظاھر و المفطر فی رمضان . ان کا قول لفظ **اطعام** سے جو نص وارد ہوئی جیسے ظہار کا مرتکب اور رمضان میں روزہ رکھنے پر قدرت نہ رکھنے والا۔

اسی میں ہے۔

قولہ (او الطعام) و ھو جزاء الصید المقتول فی الحرم او الاحرام فان اللہ تعالیٰ قال ﴿ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَٰكِينَ ﴾ ان کا قول (یا کھانا دینا) یہ حرم میں یا حالت احرام میں قتل کئے گئے شکار کی جزاء ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے"

اسی میں ہے۔

قولہ (بلفظ الایتاء) کا لزکوٰۃ فان اللہ تعالیٰ قال : (و ا تو الزکوٰۃ) ان کا قول جہاں لفظ ایتاء وارد ہوا ہے۔جیسے زکوٰۃ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و ا تو ....

اسی میں ہے۔

قولہ (اوالاداء) کما فی زکوٰۃ الفطر فقدورد ادوا عن کل حر و عبد صغیر او کبیر نصف صاع من بر او صا عا من شعیر. ان کا قول (جہاں لفظ ایتاء وارد ہوا ہے) جیسا کہ صدقہ فطر میں ہے۔کیونکہ یہ لفظ وارد ہوا ' ادوا ' یعنی ہر آزاد اور چھوٹے بڑے غلام کے بدلے میں آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو ادا کرو۔

کفارات میں تمکین شرط ہے اور تمکین تملیک سے بھی حاصل ہوتی ہے اور اباحۃ سے بھی۔درمختار جلد ثانی ابتدائے کتاب الزکاۃ میں ہے۔

ھی لغۃ الطھارۃ والنماء و شرعا تملیک خرج الا باحۃ. زکوٰۃ کا لغوی معنی پاکی اور بڑھنا ہے اور شریعت میں مالک بنا دینا ہے۔تملیک نے اباحت کے طور پر دینے کو نکال دیا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ (خرج الاباحة) فلا تکفی فیها واماالکفارة فلم تخرج بقید التملیک لان الشرط فیها التمکین و هو صادق بالتملیک و ان صدق با لا با حة ایضًا. نعم تخرج بقوله جزء مال . ان کا قول اباحت نکل گیا۔لہٰذا زکوٰۃ کے اندر اباحت کافی نہیں ہوگا۔البتہ کفارہ نہیں نکلا' کیونکہ اس میں تملیک کی قید ہے۔کیونکہ کفارہ میں تمکین شرط ہےاور تمکین تملیک سے صادق آرہی ہے۔اگرچیکہ اباحت سے بھی تمکین کا صدق ہوتا ہے۔ہاں شارح کے قول جزء مال الخ سے ضرور کفارہ نکل جائیگا۔

طحطاوی علی الدرالمختار جلداول ص ۲۸۸ میں ہے۔

قوله (خرج الاباحة) و خرجت الکفارة فان الشرط فیها التمکین الصادق بالتملیک و الاباحة اه بحر.

مقدمۂ ثانیہ: صدقہ واجبہ میں سے زکوٰۃ' صدقۂ فطر' عشر میں تملیک ضروری ہے۔بطور اباحت دینا کافی نہیں۔ اور طعام' کفارۂ صوم' کفارۂ یمین' کفارۂ ظہار اور فدیہ صوم' فدیہ صلاۃ' فدیۂ جنایت حج میں بطور اباحت دینا بھی صحیح ہے،اور بطور تملیک دینا بھی جائز ودرست ہے۔ درمختار جلد ثانی باب کفارة الظهار میں ہے۔

(صحت الاباحة) بشرط الشبع (فی طعام الکفارات) سوی القتل (و) فی (الفدیة) لصوم و جنایة حج و جاز الجمع بین اباحة و تملیک (دون الصدقات و العشر). کفارات کے کھانے میں اگر شکم سیر کر کے کھلا رہا ہےتو بطور اباحت کھلانا صحیح ہے۔اس سے قتل کا کفارہ مستثنیٰ ہے۔اسی طرح صحیح ہے روزہ کے فدیہ اور حج کے جرمانہ میں۔ان مقامات پر اباحت وتملیک دونوں کو جمع کرنا جائز ہے۔لیکن صدقات اور عشر میں جائز نہیں۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (و فی الفدیة) هذا ظاهر الروایة و روی الحسن انه لابد فیه من التملیک بحر. یہ ظاہر الروایہ ہےاور حسن نے روایت کی کہ اس کے اندر تملیک ضروری ہے۔

اسی میں ہے۔

قوله (دون الصدقات) ای الزکاة و صدقة الفطر. ان کے قول صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے۔

طحطاوی علی الدرالمختار جلد ثانی باب کفارة الظهار میں ہے۔

قوله (و فی الفدیة) روی الحسن عن الامام انه لابد فیه من التملیک و المعتمد ما فی المصنف. امام حسن شیبانی نے امام صاحب سے روایت کی کہ فدیہ کے اندر تملیک ضروری ہے۔معتمد وہی ہے جو مصنف میں ہے۔

اسی میں ہے۔

قولہ (دون الصدقات) ای الزکاۃ و صدقۃ الفطر.

کنز الدقائق میں ہے۔

و تصح الاباحۃ فی الکفارات و الفدیۃ دون الصدقات والعشر. کفارات اور فدیہ میں اباحت صحیح ہے۔ صدقات اور عشر میں نہیں۔

بحر الرائق جلد ثالث فصل فی کفارۃ الظھار میں ہے۔

قولہ (و تصح الاباحۃ فی الکفارات) ای فی اطعام الکفارات. مصنف کے قول کفارات میں اباحت صحیح ہے سے مراد کفارات کا اطعام یعنی کھانا کھلانا ہے۔

اسی میں ہے۔

قولہ (والفدیۃ دون الصدقات والعشر) لورود الاطعام فی الکفارات والفدیۃ ھو حقیقۃ فی التمکین من الطعم و انما جاز التملیک باعتبارانہ تمکین اما الوا جب فی الزکاۃ الایتاء و فی صدقۃ الفطر الاداء و ھما للتملیک حقیقۃ. مصنف کا قول فدیہ میں اباحت کے طور پر دینا صحیح ہے۔ صدقات وعشر میں نہیں۔ کیونکہ کفارات اور فدیہ میں اطعام وارد ہوا ہے۔ اس کی حقیقت کھانے پر قدرت فراہم کر دینا ہے۔ بلاشبہ اس میں تملیک بھی جائز ہے اس لحاظ سے کہ تملیک بھی تمکین ہے۔ زکوٰۃ کا معاملہ الگ ہے۔ اس کے اندر 'ایتاء' واجب ہے۔ اور صدقہ فطر میں 'اداء' واجب ہے۔ اور یہ دونوں الفاظ حقیقت میں تملیک کیلئے ہی ہیں۔

ردالمحتار، طحطاوی علی الدر المختار، بحر الرائق ...... ان تینوں کتابوں کی عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ لفظ الصدقات جو در مختار اور کنز الدقائق میں واقع ہے اس سے مراد صرف زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے۔ مطلقاً صدقات واجبہ ونافلہ ہرگز مراد نہیں۔ ورنہ پھر لفظ العشر کا الصدقات کے بعد لانا مفید نہ ہوگا۔ اس لئے کہ عشر بھی صدقات واجبہ میں سے ہے۔

شاید بعض علماء کو اسی عبارت درمختار و کنز الدقائق سے وہم ہو گیا کہ مطلق صدقات کیلئے خواہ واجبہ ہوں یا نافلہ تملیک شرط ہے۔ لہٰذا چرم قربانی یا قیمت چرم قربانی بھی صدقات میں سے ہے۔ اس کیلئے بھی تملیک شرط ہونی چاہئے۔

یا بعض علماء کو یہ وہم ہو گیا کہ قربانی کی کھال یا اس کی قیمت مطلقاً صدقات واجبہ میں سے ہے۔ اور جملہ صدقات واجبہ کیلئے تملیک شرط ہے۔ یہ دونوں وہم صحیح نہیں۔ کما ثبت و ظھر من العبارات المنقولۃ و سیاتی فی الجواب. مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹ باب فضل الصدقۃ کی فصل ثانی میں ہے۔

و عن سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ما تت فای الصدقۃ افضل؟ قال: الماء ' فحفر بئرا و قال ھذہ لام سعد. یعنی سعد بن عبادہ انصاری سے مروی ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سعد کی ماں مر گئی۔ پس کون صدقہ افضل ہے کہ اس کے ذریعہ میں اپنی والدہ کو ایصال ثواب کروں؟ تو حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ پانی صدقات میں بہترین

صدقہ ہے۔ پس سعد بن عبادہ نے ایک کنواں کھودا اور اس کنویں کو اپنی ماں کی طرف منسوب کر کے یہ فرمایا کہ یہ کنواں ام سعد کے لئے صدقہ ہے۔ تاکہ لوگ اس کنویں سے فائدہ حاصل کریں اور اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقات نافلہ کیلئے تملیک ضروری نہیں۔ چونکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کسی کو اس کنویں کا مالک نہیں بنایا بلکہ اس کے پانی کو مباح کردیا۔

مقدمۂ ثالثہ: صدقات واجبہ جیسے زکوٰۃ 'صدقۂ فطر' کفارات' فدیہ ونذور وغیرہ اپنی اصل وفرع جیسے باپ دادا وغیرھما و بیٹا و پوتا وغیرھما کو دینا جائز نہیں۔ اور جب صدقات واجبہ اپنی اصل اور فرع کو نہیں دے سکتا تو بطریق اولی اپنے مصرف میں بھی نہیں لاسکتا۔ اسی طرح صدقات واجبہ کا غنی اور بنی ہاشم کو بھی دینا جائز نہیں۔ درمختار جلدا باب المصرف میں ہے۔

> ولا یصرف الیٰ بناء نحو مسجد و لا الی کفن میت ولا الی من بینھماولاد ولا الی غنی و لا الیٰ بنی ھاشم (ملخصا). صدقات واجبہ مسجد کی تعمیر' کفن میت میں خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ مالدار اور نہ اصول وفروع، نہ بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں۔

طحطاوی علی الدرالمختار جلدا ول ص ۴۲۶ میں ہے۔

> قولہ(ولا الی من بینھما ولاد) بالکسر مصدر یلد ای لا یجوز الصرف الی الوالد و ان علا من جھة الآ باء و الامھات والولدوان سفل بفتح الفاء من باب طلب والضم خطاء لانہ من السفالة و ھی المناسبة کما فی المغرب و ذلک لان الواجب علیہ الاخراج عن ملکہ رقبة و منفعة ولم یوجد فی الاصول والفروع الاخراج عن ملکہ منفعة وان وجد رقبة و ھذاالحکم لا یخص الزکوة بل کل صدقة واجبة کالکفارات و صدقة الفطروالنذور لایجوز دفعھاالیھم. ولاد میں واو کو زیر دیکر پڑھا جائے۔ یہ ولد یلد کا مصدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ والد کو دینا جائز نہیں۔ الد میں باپ اور ماں کی طرف سے اوپر کے سارے پشت آگئے۔ اسی طرح بیٹے، بیٹی کو دینا جائز نہیں۔ اس میں نیچے کے سارے پشت آگئے۔ لفظ **سفل** کے فا کو زبر پڑھا جائے۔ باب طلب یطلب سے۔ پیش نہ پڑھا جائے۔ کیونکہ یہ سفالت سے ہوجائیگا۔ اصول و فروع کو دینا اس لئے جائز نہیں کہ صدقات واجبہ کو اپنی ملک سے رقبہ اور منفعت دونوں لحاظ سے نکال دینا ضروری ہے۔ ان لوگوں کو دینے میں رقبہ کے لحاظ سے نکال دینا تو پایا جارہا ہے، مگر منفعت کے لحاظ سے نہیں پایا جارہا ہے۔ یہ حکم صرف زکوٰۃ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ ہر قسم کے صدقات واجبہ جیسے کفارات' صدقہ فطر اور نذور وغیرہ' انہیں اوپر مذکورہ لوگوں کو دینا جائز نہیں۔

مراقی الفلاح ص ۴۳۴ باب المصرف میں ہے۔

ولایصح دفعها لکافر و غنی و بنی هاشم و اصل المزکی و فرعه (ملخصا) زکوٰۃ کافر، مالدار، بنی ھاشم اور اصل وفرع کو دینا صحیح نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قوله (و اصل المزکی و فرعه) لان الواجب علیه الاخراج عن ملکه رقبة و منفعة ولم یوجد فی الاصول والفروع الاخراج عن ملکه منفعة و ان وجد رقبة و هذا الحکم لا یخص الزکوٰة بل کل صدقة واجبة کا لکفارات و صدقة الفطر والنذور لا یجوز دفعها الیهم.. زکوٰۃ دینے والا اپنی اصل اور فرع کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس پر ضروری ہے کہ رقبہ اور منفعت دونوں لحاظ سے اپنی ملک سے نکال دے۔ جہاں تک اصول وفروع کا تعلق ہے تو انہیں دینے میں رقبہ کے لحاظ سے زکوٰۃ دینے والے کے ملک سے اخراج پایا جارہا ہے' لیکن منفعت کے لحاظ سے اخراج نہیں پایا جارہا ہے۔ یہ حکم صرف زکوٰۃ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ ہر قسم کے صدقات واجبہ جیسے کفارات' صدقہ فطر اور نذور وغیرہ انہیں اوپر مذکورہ لوگوں کو دینا جائز نہیں۔

مقدمہ رابعہ: صدقہ نافلہ کا اپنی اصل وفرع ودیگر اھل قرابت اور غنی اور بنی ہاشم کو دینا جائز ہے۔ اور اپنے مصرف میں بھی لانا جائز ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار باب المصرف میں ہے۔

و اما خمس المعادن و صدقة التطوع فیجوز دفعها الی الاصول والفروع بل هم اولیٰ من غیر هم بحر. جہاں تک معادن کے پانچوں حصے اور صدقات نافلہ کا تعلق ہے تو اصول فروع کو ان کا دینا جائز ہے، بلکہ یہ لوگ دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں۔

طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ ص ۴۲۷ باب المصرف میں ہے۔

و قید بالزکوٰة لان النفل یجوز للغنی کما للهاشمی بحر. حرمت کو زکوٰۃ سے مقید کردیا کیونکہ صدقہ نافلہ غنی کے لئے حلال ہے، جیسا کہ ہاشمی کے لئے حلال ہے۔

بحرالرائق جلد ثانی ص ۲۴۴ باب المصرف میں ہے۔

وقید بالصدقة الواجبة لان صدقة التطوع الاولیٰ دفعها الی الاصول والفروع کذا فی البدائع۔ حرمت کو صدقہ واجبہ سے مقید کردیا اس لئے کہ صدقہ نافلہ کا اصول وفروع کو دینا اولیٰ ہے۔ ایسا ہی بدائع الصنائع میں ہے۔

اسی باب کے ص ۴۲۵ میں ہے۔

و قید بالزکوٰة لان النفل یجوز للغنی کما للهاشمی. زکوٰۃ کی قید اس لئے لائی گئی کہ صدقہ نافلہ مالدار کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ ہاشمی کیلئے جائز ہے۔

درمختار جلد ۲ ص ۴۲۹ میں ہے۔

و جازت التطوعات من الصدقات و غلة الاوقاف لهم ای لبنی هاشم. اورصدقات نافلہ اور اوقاف کی آمدنی بنی ہاشم کے لئے جائز ہے۔

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے۔

قوله (و جازت التطوعات) ای الصدقة النافلة و فی النهاية عن العتابی الاجماع علی جواز ذلک لهم و تبعه صاحب المعراج و اختاره فی المحیط مقتصرا علیه و عزاه الی النوادر و مشیٰ علیه الاقطع فی شرح القدوری و اختاره فی غایة البیان ولم ینقل غیره شارح المجمع فكان هو المذهب. ان کا قول تطوعات جائز ہیں، اس کا مطلب صدقات نافلہ ہے۔ نہایہ میں عتابی سے منقول ہے کہ بنی ہاشم کے لئے صدقات نافلہ کے جواز پر اجماع ہے۔ صاحب معراج الدرایہ نے اسی رائے کو اختیار کیا۔ المحیط میں یہی مختار ہے اوراسے نوادر کی طرف منسوب کیا۔ قدوری کی شرح میں اقطع مزنی اسی راہ پر چلے۔ غایۃ البیان میں اسی کو پسندیدہ کہا۔ مجمع الفتاوی کے شارح نے اس کے علاوہ کچھ نقل نہیں کیا۔ لہذا یہی مذہب اصح ہے۔

مراقی الفلاح ص ۴۳۵ میں ہے۔

و الافضل صرفها للا قرب فا لا قرب من کل ذی رحم محرم منه . افضل یہ ہے کہ صدقہ نافلہ کو قریب ترین پر خرچ کرے، پھر محارم مین جواقرب ہیں

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قال فی النهر الاولیٰ صرفها الی اخوته الفقراء ثم اولاد هم ثم اعمامه الفقراء ثم اخواله. النہر میں کہا" بہتر یہ ہے کہ پہلے اپنے محتاج بھائیوں پر خرچ کرے، پھران کے اولاد پر، پھراپنے محتاج چچاؤں پرخرچ کرے، پھر ماموؤں پر۔

جب یہ مقدمات اربعہ مذکور ہو چکے تو اب اصل جواب استفتاء درج ذیل ہے۔

قربانی کی دو قسمیں ہیں ۔(۱) واجب (۲) نفل ... پھرواجب قربانی کی تین قسمیں ہیں لہٰذا قربانی کی کل چار قسمیں ہوئیں۔

(۱): واجب قربانی کی قسم اول جو صاحب نصاب وغنی اور غیر صاحب نصاب وفقیر دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ یہ وہ قربانی ہے کہ جس کی نذر اس طرح مانی جاتی ہے کہ اللہ تعالی کیلئے میرے اوپر یہ واجب ہے کہ میں ایک بکری یا اونٹ کی قربانی کرونگا۔

(۲): واجب قربانی کی قسم ثانی جو صرف فقیرو غیر صاحب نصاب پر واجب ہوتی ہے یہ وہ قربانی ہے جس کیلئے فقیر یا غیر صاحب نصاب قربانی کے جانور کو قربانی کی نیت سے خریدے۔

(۳): واجب قربانی کی قسم ثالث جو صرف غنی اور صاحب نصاب پر واجب ہوتی ہے یہ وہ قربانی ہے جس کی نہ تو نذر مانی

گئی ہو نہ فقیر نے قربانی کیلئے قربانی کے جانور کو بہ نیت قربانی خریدا ہو بلکہ جس نصاب سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے ایسا صاحب نصاب نعمت حیات کی شکر گذاری اور حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی میراث سنت کے زندہ کرنے کیلئے قربانی کرے۔

(۴): نفل وہ قربانی ہے جو فقیر وغیر صاحب نصاب یا مسافر بغیر نذر مانے قربانی کرے۔ یا فقیر وغیر صاحب نصاب بغیر نیت قربانی قربانی کیلئے جانور خرید کر اس کی قربانی کرے۔ اس نفل قربانی پر بعض فقہاء نے لفظ ''تطوع'' و ''سنۃ'' کا بھی اطلاق فرمایا ہے۔

عالمگیری جلد خامس ص ۴۴۴ مطبوعہ کلکتہ میں ہے۔

اما صفة التضحية فالتضحية نوعان واجب و تطوع. والواجب منها انواع. منها ما يجب على الغني والفقير و منها ما يجب على الفقير دون الغني و منها ما يجب على الغني دون الفقير. اماالذی يجب على الغني والفقير فالمنذور به بان قال: لله علیَّ ان اضحی شاة او بدنة او هذه الشاة او هذه البدنة و اما التطوع فاضحية المسافر والفقير الذی لم يو جد منه النذربالتضحية و لا شراء الا ضحية لانعدام سبب الوجوب و شر طه و اماالذی يجب على الفقيردون الغني فالمشترى للا ضحية اذا كان المشرى فقيرابان اشترىٰ فقير شاة ينوى ان يضحي بها و اماالذی يجب على الغني دون الفقير فما يجب من غير نذرولا شراء للاضحية بل شكر النعمة الحياة و احياء لميرات الخليل حين امره الله بذبح الكبش فی هذه الايام كذا في البدائع ملخصا. (ترجمہ اوپر کی تشریح میں موجود ہے)

اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے۔

اما شرائط الوجوب' منها اليسا ر و هو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة. شرائط وجوب قربانی میں سے ایک خوشحالی ہے۔ وہ خوشحالی جس سے صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہو جاتا ہے' نہ کہ وہ خوشحالی جس سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

عبارت محررہ سے معلوم ہوا کہ قربانی کی چار قسمیں ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کی قربانی کے گوشت اور کھال کا حکم حسب ترتیب مذکورہ بالا درج ذیل کیا جاتا ہے' تا کہ مسئلہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے۔

(۱): واجب قربانی کی قسم اول کا گوشت اور کھال یہ دونوں چیزیں بالاتفاق صدقات واجبہ میں داخل ہیں۔ ان کا مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرف زکوٰۃ ہیں۔ خود قربانی کرنے والا اس قربانی کی کسی چیز کو اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا' نہ اپنی اصل و فرع کو دے سکتا ہے' نہ کسی غنی اور بنی ہاشم کو دے سکتا ہے۔ كما ظهر من المقدمة الثا لثة.

لہٰذا اس قسم کے گوشت اور کھال کو فقراء و مساکین و دیگر مصرف زکوٰۃ کو صدقہ کر دے۔ خواہ یہ صدقہ کرنا بطور تملیک ہو یا بطور اباحت۔

عالمگیری جلد خامس ص ۴۵۶ میں ہے۔

ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یا کل منها شیئا و لا ان یطعم غیره من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیا او فقیرا لان سبیلها التصدق و لیس للمتصدق ان یا کل صدقته و لا ان یطعم الاغنیاء کذا فی التبیین. نذر سے جو قربانی واجب ہوئی ہے اس کا گوشت نہ تو قربانی کرنے والا کھا سکتا ہے نہ مالداروں کو کھلا سکتا ہے۔ نذر ماننے والا مالدار ہو یا فقیر کیونکہ اس قربانی کا راستہ تو صدقہ ہی کر دینا ہے۔ صدقہ کرنے والے کیلئے جائز نہیں کہ اپنا صدقہ خود کھائے اور مالداروں کو کھلائے۔ ایسا ہی التبیین میں ہے۔

اسی کی جلد ۵ ص ۳۰۱ میں ہے۔

امافی الاضحیة المنذورة سواء کانت من الغنی او الفقیر فلیس لصاحبها ان یا کل ولا ان یو کل الغنی هکذا فی النهایة. نذر کی قربانی کا گوشت نہ خود کھا سکتا ہے نہ مالدار کو کھلا سکتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قربانی کرنے والا مالدار ہے یا فقیر۔ ایسا ہی النہایۃ ہے۔

بحر الرائق جلد دوم ص ۲۹۸ میں ہے۔

مصرف النذر الفقراء ولا یجوز ان یصرف ذلک لغنی غیر محتاج و لا لشریف منصب لانه لا یحل له الاخذ ما لم یکن محتاجا فقیرا. نذر واجب لینے کے مستحق فقراء ہیں۔ اسے نہ تو مالدار بے احتیاج پر خرچ کر سکتے ہیں اور نہ شریف المنصب پر۔ کیونکہ اگر وہ محتاج فقیر نہیں ہے تو اسے اسکا لینا بھی حلال نہیں۔

(۲): واجب قربانی کی قسم ثانی کے گوشت اور کھال کے حکم کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض اس کا حکم وہی تحریر فرماتے ہیں جو قربانی کی قسم اول کے گوشت اور کھال کا حکم ہے۔ جیسا کہ اس کا حکم ابھی اوپر گذرا اور بعض اس کے گوشت اور کھال پر واجب کی قسم ثالث اور نفل کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ جیسا کہ اس کا حکم عنقریب بیان کیا جائیگا۔ اور اختلاف سے بچنے کیلئے بہتر یہ ہے کہ واجب کی قسم اول پر اس کے گوشت اور کھال کو صدقہ کیا جائے۔ شامی جلد ۵ ص ۲۳۱ میں ہے۔

و فی التتارخانیة سئل القاضی بدیع الدین عن الفقیر اذااشتری شاة لها هل یحل له الا کل قال نعم: و قال القاضی برهان الدین لا یحل اه. تتارخانیہ میں ہے کہ قاضی بدیع الدین سے اس فقیر کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ اس بکری کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں جسے بہ نیت قربانی اس نے خریدا؟ انہوں نے کہا۔ ''ہاں'' قاضی برہان الدین نے کہا ''اس کے گوشت کا کھانا اس کیلئے حلال نہیں۔

اسی میں ہے۔

ثم ظاهر کلا مه ان الواجبة علی الفقیر بالشراء له الا کل منها و ذکر ابو السعود ان

شرائه لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها اه.

(۳) و (۴): واجب قربانی کی قسم ثالث اور قربانی کی قسم رابع' یعنی نفل قربانی کے گوشت اور کھال' یہ دونون چیزیں صدقات نافلہ میں بالاتفاق داخل ہیں۔ جسے قربت اور کار خیر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ قربانی میں قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اس کا خون بہانا ہی واجب ہے اور گوشت پوست کا صدقہ کرنا نفل و مستحب ہے۔ لہٰذا ان دونوں قسموں کے گوشت اور کھال کو قربانی کرنے والا خود اپنے مصرف میں بھی لا سکتا ہے' غنی کو بھی دے سکتا ہے حتی کہ ذمی کافر کو بھی دے سکتا ہے۔ کما توضح من المقدمة الرابعة.

نیز قربانی کرنے والے کیلئے قربانی کی کھال کا ہر ایسی چیز کے بدلہ میں فروخت کرنا بھی جائز ہے جس کو بعینہ باقی رکھ کر اپنی ضروریات میں لا سکے۔ جیسے مصلی اور دسترخوان' جراب وغربال اور مشک اور ڈول وغیرھا۔ اسی طرح قربانی کرنے والا قربانی کے گوشت کو بھی گوشت کے بدلہ میں چاول اور گیہوں اور دوسرے غلے کے بدلے میں یا جو چیز کھائی جاتی ہے اس کے بدلہ میں بیچ کر ان چیزوں کو اپنے مصرف میں لائے تو یہ بھی جائز ہے۔ حتی کہ بعض کتب فقیہہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ قربانی کرنے والا قربانی کے گوشت کو کپڑے کے بدلے میں بیچ کر اس کپڑے کو استعمال کرے تو یہ بھی جائز ہے اور یہی صحیح ہے کہ قربانی کرنے والا قربانی کے گوشت کو بھی ہر اس چیز کے بدلے میں بیچ سکتا ہے جس کو بعینہ باقی رکھ کر استعمال کرے۔ چونکہ قول صحیح وراجح کی بناء پر قربانی کے گوشت کا حکم استعمال کرنے اور قیمۃً فرخت کرنے اور کسی چیز کے بدلہ میں فروخت کرنے یا صدقہ کرنے میں وہی ہے جو قربانی کی کھال کا ہے۔ اگر ان دونوں قسموں کے گوشت اور کھال یہ دونوں چیزیں صدقات واجبہ میں داخل ہوتیں تو قربانی کرنے والے اور غنی کیلئے اس گوشت اور کھال کو اپنے مصرف میں لانا ہرگز درست نہیں ہوتا' نہ ذمی کافر کو دینا صحیح ہوتا۔ کماثبت في المقدمة الثالثة نہ گوشت اور کھال کو کسی ایسی چیز کے بدلہ میں بیچنا جائز ہوتا جس کو بعینہ باقی رکھ کر استعمال کر سکے۔ اگر چہ کہ افضل یہی ہے کہ گوشت کے تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کیلئے رکھے اور ایک حصہ اپنے اعزاء واقرباء اور احباب واصحاب میں تقسیم کرے اور ایک حصہ فقراء ومساکین ودیگر اہل حاجت پر تقسیم کرے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خود قربانی کرنے والا سارا گوشت اپنے اور اپنے اہل وعیال کیلئے رکھ لے یا سب صدقہ ہی کر ڈالے۔

نیز اگر قربانی کرنے والا گوشت یا کھال کو کار خیر اور ثواب میں خرچ کرنے کیلئے خود بیچے یا مدارس دینیہ ومساجد کے مہتمم ومتولی کے پاس گوشت اور کھال بھیجے تا کہ وہ بیچ کر مدارس دینیہ ومساجد میں خرچ کریں یا کسی اور شخص کے پاس گوشت اور کھال بھیجے تا کہ وہ بیچ کر کسی کار خیر میں صرف کرے۔ تو یہ بیع کی تمام صورتیں جائز ہیں۔ اور یہ قیمت مسجد اور مدرسہ میں صرف ہو سکتی۔ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کی طرح اس میں حیلہ شرعیہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس صدقۂ نافلہ میں تملیک شرط نہیں' بلکہ اس صدقہ کا بطور تملیک دینا بھی صحیح ہے۔ اور بطور اباحت بھی دینا جائز و درست ہے۔ لیکن اگر کوئی قربانی کرنے والا گوشت اور کھال روپے پیسے کے بدلہ میں اپنے یا اپنے اہل وعیال کے صرف میں لانے کیلئے بیچے تو یہ بیع ممنوع ہے۔ اگر باوجود منع کے بھی کوئی شخص روپے پیسے کے بدلہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کو اپنے اور اپنے اہل وعیال

کے صرف میں لانے کیلئے بیچے تو بیع ممنوع ہے۔ اگر باوجود منع کے بھی کوئی شخص روپے پیسے کے بدلہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے صرف میں لانے کیلئے بیچ لے تو یقیناً یہ قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی۔ نہ اس قیمت کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے نہ غنی کو دے سکتا ہے' نہ وہ قیمت مسجد و مدرسہ میں دے بلکہ فقراء ومساکین پر ہی خرچ کرے۔قرآن کریم میں فرمان باری یہ ہے (فکلو ا منھا و اطعموا البائس الفقیر) قربانی کے گوشت سے تم خود کھاؤ اہل حاجت فقراء کو کھلاؤ۔ یہاں اطعام کے لفظ سے ظاہر ہوا ہے کہ صدقہ کرنا ہی واجب نہیں' اباحت بھی کافی ہے۔جو محض قربت اور کار خیر ہے۔ کما حقق فی المقدمة الاولیٰ.

ابوداؤد کی حدیث میں کہ حضور ﷺ نے فرمایا فکلوا وادخروا واتجروا خود کھاؤ' کھانے کیلئے روک رکھو اور ثواب کا کام کرو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت کو ثواب کے کام میں صرف کرنا حضور ﷺ کا حکم ہے۔لہٰذا مساجد و مدارس دینیہ میں کھال کا دینا بھی ثواب کا کام ہے اور اسی واتجروا کے حکم میں داخل ہے۔چونکہ گوشت اور کھال کا حکم ایک ہے کما مر و سیاتی. درمختار جلد ۵ ص ۲۲۰ کتاب الاضحیة میں ہے۔

فتجب التضحیة ای اراقة الدم من النعم. قربانی یعنی جانور کا خون بہانا واجب ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (ای اراقة الدم) الدلیل علی و جوب اراقة الدم انها لو تصدق بها حیة لا یخرج عن الواجب. اماالتصدق بلحمها بعد الذبح فمستحب حتی لو لم یتصدق به جاز اه . (ان کا قول قربانی سے مراد خون بہانا ہے) یہ خون بہانے کے وجوب پر دلیل ہے۔اگر زندہ صدقہ کردیا تو واجب سے نہیں نکل سکے گا۔ جہاں تک ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت کے صدقہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ مستحب ہے۔اور اگر صدقہ نہیں کیا تو یہ بھی جائز ہے۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے۔

قال فی التبیین القرب المالیة نوعان نوع بالتملیک کا لصدقة و نوع بالا تلاف کالاعتاق و فی الا ضحیة اجتمع المعنیان فانها تقرب باراقة الدم و هو اتلاف ثم بالتصرف با للحم یکون تملیکاو اباحة اه قال فی الواقعات شراء اضحیته بعشرة دراهم اولی من التصدق با لف درهم لان القربة التی تحصل باراقة الدم لا تحصل بالصدقة.

التبیین میں کہا ـــــ مالی عمل خیر کی دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم بصورت تملیک ہے۔جیسے صدقہ۔دوسری قسم بصورت اتلاف ہے' جیسے غلام آزاد کرانا۔قربانی کے اندر دونوں طرح کے مقاصد کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خون بہانے کی وجہ سے عمل خیر ہے۔لہٰذا یہ اتلاف ہوا۔ پھر گوشت میں تصرف کی وجہ سے یہ تملیک اور اباحت بھی ہوگیا۔واقعات ناطقی میں کہا۔'دس درہم میں قربانی کیلئے جانور خریدنا ایک ہزار درہم صدقہ کر دینے سے افضل ہے'۔کیونکہ جو ثواب خون بہانے سے حاصل ہوتا ہے' وہ صدقہ سے نہیں حاصل ہوتا۔

درمختار جلد ۵ ص ۲۲ میں ہے۔

و یا کل من لحم الا ضحیة و یو کل غنیا و ید خر و ندب ان لا ینقص التصدق من الثلث. قربانی کے گوشت میں سے خود کھائے مالدار کو کھلائے اور کھانے کے لئے رکھ چھوڑے۔ مستحب یہ ہے کہ صدقہ ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (و یا کل من لحم الاضحیة) هذا فی الا ضحیة الواجبة والسنة سواء اذالم تکن واجبة بالنذر وان وجبت به فلا یا کل منها شیئا ولا یطعم غنیا سواء کان الناذر غنیا او فقیرا لان سبیلها التصدق و لیس للمتصدق ذلک ولو اکل فعلیه قیمة ما اکل زیلعی . واراد بالاضحیة السنة اضحیة الفقیر فانه صرح بانها تقع منه سنة قبیل قول الکنز و یضحی بالجماء لکنه خلاف ما فی النهایة من انها لاتقع منه واجبة ولا سنة بل تطوعا محضا وکذا صرح فی البدائع انها تکون تطوعا و هی اضحیة المسافر و الفقیر الذی لم یوجد منه النذر بها ولا الشراء للاضحیة لانعدام سبب الوجوب و شرطه. فالظا هرانه اراد بالسنة التطوع. ان کا قول (قربانی کے گوشت میں سے کھائے) یہ کھانے کی اجازت نذر سے واجب ہوئی قربانی کو چھوڑ کر ہر طرح کی واجب اور سنت قربانی میں برابر ہے۔ نذری قربانی کو نہ خود کھائے نہ مالدار کو کھلائے۔ ناذر خواہ مالدار ہے یا فقیر ــــ کیونکہ اس کا راستہ صدقہ کر دینا ہے اور صدقہ کرنے والے کیلئے جائز نہیں کہ اپنا صدقہ خود کھائے۔ اور اگر کھالیا تو قیمت دینا ہوگی......... سنت قربانی سے ان کی مراد فقیر کی قربانی ہے، کیونکہ اس بات کی تصریح کی کہ فقیر کی طرف سے سنت قربانی واقع ہوگی۔ یہ تصریح کنزالدقائق کے قول سے کچھ پہلے ہے۔ قدرتی طور پر بے سینگ جانور کی قربانی ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ تصریح اس تصریح کے خلاف ہے جو نہایہ میں ہے کہ فقیر کی طرف سے نہ تو واجب قربانی واقع ہوگی نہ سنت بلکہ وہ "نفل محض" ہے۔ یہی تصریح بدائع الصنائع میں کی کہ وہ نفل ہی ہوگا۔ اور یہ مسافر اور فقیر کی قربانی ہے جسکی نہ تو نذر مانی گئی اور نہ قربانی کی نیت سے خریدی گئی۔ نفل قربانی اس لئے ہوگی کہ سبب وجوب اور شرط وجوب یہاں نہیں پایا جارہا ہے۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ سنت سے تطوع یعنی نفل مرادلیا۔

اسی میں ہے۔

قوله (و یوکل غنیا و ید خر) لقوله علیه الصلوٰة والسلام بعد النهی عن الادخار کلوا واطعموا وادخروا الحدیث رواه الشیخان و احمد. ان کا قول (مالدار کو کھلائے اور ذخیرہ کرے) کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذخیرہ کرنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا "کھاؤ" کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔

اسی میں ہے۔

قولہ (و ندب الخ) قال فی البدائع و الافضل ان یتصدق بالثلث و یتخذ الثلث ضیافة لا قربائہ و اصدقا ئہ و ید خر الثلث و یستحب ان یا کل منھا ولو حبس الکل لنفسہ جاز لان القربة فی الاراقة والتصدق باللحم تطوع. انؒ کا قول (اور مستحب ہے کہ ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے) بدائع الصنائع میں کہا۔ 'افضل یہ ہے کہ ایک تہائی صدقہ کردے اور ایک تہائی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی ضیافت کیلئے رکھ لے اور ایک تہائی محفوظ کرلے اور اگر سب کا سب اپنے ہی لئے روک لیا تو جائز ہے' کیونکہ خون بہانے میں قربت ہے۔ اور گوشت کا صدقہ کرنا نفل کی حیثیت میں ہے۔

درمختار جلد ۵ ص ۳۲۱ میں ہے۔

(ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال و جراب) و قربة و سفرة (و دلو او یبدلہ بما ینتفع بہ باقیا) ...... لا بمستھلک کخل و لحم و نحوہ) کدراھم (فان بیع اللحم او الجلد بہ) ای بمستھلک (او بدراھم تصدق بثمنہ) و مفادہ صحة البیع مع الکراھة و عن الثانی باطل لانہ کالوقف مجتبیٰ. اور اس کے چمڑے کو صدقہ کردے یا اس سے چھلنی، مشکیزہ، میان اور دستر خوان وغیرہ بنالے، یا اسے ایسی چیز سے بدل لے، جس کا فائدہ اسے باقی رکھتے ہوئے ملتا رہے۔ چرم قربانی کے بدلے میں ایسی چیز نہ لے جو ختم ہو جانے والی ہے۔ جیسے سرکہ اور گوشت نیز روپے پیسے۔ اگر گوشت یا چمڑے کو ختم ہو جانے والی چیز کے بدلہ میں بیچ دیا یا روپے پیسے کے بدلے میں بیچ دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کردے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ بیع کراہت کے ساتھ صحیح ہے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ یہ بیع باطل ہے۔ کیونکہ یہ مثل وقف ہے۔..........

ردالمحتار میں ہے۔

قولہ (فان بیع اللحم او الجلد بہ الخ) افادانہ لیس لہ بیعھما بمستھلک و ان لہ بیع الجلد بما تبقیٰ عینہ و سکت عن بیع اللحم بہ للخلاف فیہ ففی الخلاصہ و غیرھا لواراد بیع اللحم لیتصدق بثمنہ لیس لہ ذلک و لیس لہ فیہ الا ان یطعم او یا کل اھ والصحیح کما فی الھدایة و شروحھا انھما سواء فی جواز بیعھما بما ینتفع بعینہ دون ما یستھلک و ایدہ فی الکفایة بما رویٰ ابن سماعة عن محمد لو اشتریٰ باللحم ثوبا فلا باس بلسبہ اھ. ان کا قول (اگر گوشت یا چمڑے کو جلد ختم ہو جانے والی چیز کے بدلہ میں بیچ دیا ----- اس عبارت نے یہ فائدہ دیا کہ ان دونوں کا باقی نہ رہنے والی شئے کے بدلہ میں بیچنا جائز نہیں۔ چمڑے کو اسی چیز کے بدلے میں بیچ سکتا ہے جس کی اصل باقی رہنے والی ہے۔ البتہ گوشت کے بیچنے کے سلسلہ میں خاموش ہو گئے۔ کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ فتاویٰ خلاصہ وغیرھا میں ہے کہ اگر گوشت کو اس

نیت سے بیچنے کا ارادہ کیا کہ اس کی قیمت کو صدقہ کردیگا تو ایسا کرنا اس کیلئے جائز نہیں۔ اس کیلئے دو ہی صورت ہے کہ گوشت کھلا دے یا خود کھالے۔ لیکن صحیح وہی ہے جو ھدایہ اور اس کی شروح میں ہے کہ ایسی چیز کے بدلے میں چمڑے اور گوشت کو بیچنے کے جواز میں کوئی فرق نہیں' جس کے عین کو باقی رکھتے ہوئے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یعنی دونوں کا بیچنا جائز ہے۔ البتہ نہ باقی رہنے والی چیز کے بدلے میں نہیں بیچ سکتے۔ اس کی تائید کفایہ میں ابن سماعہ کے واسطے سے امام محمد کی روایت سے کی کہ اگر قربانی کے گوشت سے کپڑا خرید لیا تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی میں ہے۔

فی القنیة اشتریٰ بلحمه ما کو لا فا کله لم یجب علیه التصدق لقیمته استحسانا. قنیه میں ہے قربانی کے گوشت سے کھانے کی چیز خرید کر کھالیا تو اس پر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا استحساناً واجب نہیں۔

عالمگیری جلد ۵ ص ۴۵۶ مطبوعہ کلکتہ میں ہے۔

ویستحب ان یا کل من اضحیته و یطعم منها غیره والا فضل ان یتصدق بالثلث و یتخذ الثلث ضیافة لا قاربه و اصد قائه و یدخر الثلث و یطعم غنیا والفقیرجمیعا کذا فی البدائع و یهب منها ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی کذافی الغیاثیة. ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جازوله ان یدخر الکل لنفسه فوق ثلثة ایام الا ان اطعامها والتصدق بها افضل. مستحب یہ ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے خود کھائے' دوسرے کو کھلائے۔ افضل تو یہ ہے گوشت کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ صدقہ کرے۔ ایک حصہ عزیزوں اور دوستوں کی ضیافت کیلئے رکھے اور ایک حصہ اپنے لئے رکھ لے۔ غنی اور فقیر سب کو کھلا سکتا ہے۔ ایسا ہی بدائع الصنائع میں ہے۔ اس میں سے جتنا چاہے مالدار و فقیر' مسلم' ذمی کو دیدے۔ ایسا ہی غیاثیہ میں ہے۔ سب کا سب صدقہ کردیا تو بھی جائز ہے سب کا سب اپنے ہی لئے رکھ لیا تو بھی جائز ہے۔ اسکے لئے یہ بھی جائز ہے کہ تین دن سے زیادہ گوشت کو بچا کے رکھ لے۔ تاہم قربانی کے گوشت کا کھلانا اور صدقہ کردینا افضل ہے۔

اسی کے ص ۴۰۷ میں ہے۔

ر یتصدق بجلد ها او یعمل منه نحو غربال و جراب ولا باس بان یشتری به مالا ینتفع به الا بعد الاستهلاک نحو اللحم ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه و عیاله واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتی لا یبیع بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاک و لو باع بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین و هکذا فی الهدایه و

الکافی........ اور کوئی حرج نہیں ہے کہ چمڑے کے بدلے ایسی چیزیں خرید لے جس سے فائدہ حاصل کرنا اس کے فنا کرنے کے بعد ہی ممکن ہو جیسے گوشت۔ اسے روپے پیسے کے بدلے بیچنا جائز نہیں۔ اگر یہ نیت ہے کہ رقم اپنے اور اپنے اھل وعیال پر خرچ کریگا۔ صحیح مذھب یہی ہے کہ چمڑا اور گوشت ایک حیثیت میں ھیں۔ یہاں تک کہ ایسی چیز کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں جس سے انتفاع اسے فنا کئے بغیر ممکن نہ ہو۔ اگر اسے اس نیت سے روپے پیسے کے بدلے میں بیچ دیا کہ رقم کو صدقہ کر دیگا تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ عمل تصدق کی طرح کار ثواب ہے۔ ایسا ہی التبیین میں ہے۔ ہدایہ اور کافی میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔

ہدایہ اخیرین ص ۴۴۵ میں ہے۔

ولا یشتری به مالا ینتفع به الا بعد استهلا که کا لخل و الا بازیر اعتبارا بالبیع بالدراهم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح و لو باع الجلد اواللحم بالدراهم او بما لا ینتفع به الا بعد استهلاکه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الیٰ بدله. روپے پیسے کے بدلے میں بیچنے کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے ایسی چیز نہ خریدے جس سے اسے فنا کئے بغیر انتفاع ممکن نہ ہو جیسے سرکہ اور مسالحہ۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہ بقصد تمول ایک طرح کا تصرف ہے۔ صحیح مذھب یہی ہے کہ گوشت چمڑے ہی کی حیثیت میں ہے۔ اگر چمڑے یا گوشت کو روپے پیسے کے بدلے میں بیچا یا ایسی چیز کے بدلے میں بیچا جس سے انتفاع استھلاک کے بعد ہی ممکن ہے تو اس کی قیمت کو صدقہ کر دے، کیونکہ اب ثواب منتقل ہو گیا اس کے بدل کی طرف۔

نہایہ شرح ھدایہ برحاشیہ ھدایہ ص ۴۴۸ میں ہے۔

المعنیٰ فی عدم اشتراء ما لا ینتفع به الا بعدالاستهلاک انه تصرف علی قصد التمول و هو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمو لته بالبیع و جب التصدق لان هذا الثمن حصل بفعل مکروه فیکون خبیثا فیجب التصدق. چمڑے کو ایسی چیز کے بدلے میں نہ بیچا جائے جس سے انتفاع اسے فنا کئے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے اندر نکتہ یہ ہے کہ ایسا کرنا مال حاصل کرنے کے ارادے سے تصرف ہوگا حالانکہ وہ تو جہت تمول سے نکل چکا ہے لہٰذا جب تم نے اس کی بیع کر کے مال بنالیا تو صدقہ کرنا واجب ہو جائے گا کیونکہ یہ ثمن فعلِ مکروہ سے حاصل ہوا اسلئے خبیث ہوگا اور صدقہ کر دینا واجب ہو جائیگا۔

خلاصہ یہ کہ قربانی کی کسی قسم کی کھال کے صدقہ کرنے میں تملیک شرط نہیں۔ اباحت بھی کافی ہے۔ اور واجب قربانی کی قسم اول کی کھال کا مصرف مطلقاً بالاتفاق وہی لوگ ہیں جو مصرف زکوٰۃ ہیں۔ اور واجب قربانی کی قسم ثانی کی کھال کا مصرف علی سبیل الاختلاف مصرف زکوٰۃ اور اغنیاء بھی ہیں۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس کو مصارف زکوٰۃ ہی پر خرچ کریں۔ اور واجب قربانی کی قسم ثالث اور قربانی کی قسم رابع نفل کی کھالوں کا مصرف اغنیاء وفقراء اصول وفروع اور دیگر اہل قرابت سبھی لوگ ہیں۔ خود اپنے مصرف میں بھی لانا جائز ہے۔ اور ہر کار خیر اور نیک کام میں خرچ کرنا جائز ہے۔ لہٰذا یتیم خانہ کے بچوں کو کھالیں دینی یا کھالوں کی رقمیں دینی یا رقموں کو تعمیر یتیم خانہ پر صرف کرنا یا رقموں سے یتیموں کی خوراک و پوشاک اور تعلیم و

تربیت کا انتظام کرنا اور رقموں کا معلمین کی تنخواہ میں دینا جائز ہے۔ وعلیٰ ھذا القیاس دیگر مدارس دینیہ کے جملہ شعبوں میں قربانی کی کھالوں کی رقموں کا صرف کرنا جائز ہے۔ **ھذا ما عندی و اللہ سبحانہ و تعالی اعلم و علمہ عزاسمہ اتم و احکم۔**

مسئلہ ۷۰۳ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی کا روپیہ دینی مدارس میں ہی دینا درست ہے یا دنیوی مدارس اسکول وکالج وغیرہ کہ جسمیں غیرمذہبی اور ہندی وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

مسئولہ از حاجی عبدالمجید صاحب محلہ باڑہ شاہ صفا مرادآباد ۲۷ ستمبر ۱۹۵۵ء

الجواب: چرم قربانی کا روپیہ انگریزی و ہندی وغیرہ کے اسکول وکالج میں ہرگز نہ دیا جائے چونکہ بعض علوم دنیویہ تو حرام مکروہ ہیں۔ ان کی کسی قسم کی اعانت وامداد جائز نہیں اور بعض علوم دنیویہ مباح ہیں جو خود امر خیر وقربت نہیں اور نہ ان علوم دنیویہ کی تحصیل پر کوئی اجر وثواب مرتب ہوتا ہے اور چرم قربانی کا روپیہ ثواب وقربت کے ہی کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ **کلو او ادخروا و اتجروا** یعنی خود کھاؤ اور کھانے کیلئے روک رکھو **رواہ ابوداؤد** کتب فقہ میں تصریح ہے کہ گوشت و پوست کا حکم یکساں ہے۔ لہذا چرم قربانی کی قیمت کے روپیہ کو بھی کار خیر اور قربت و طاعت ہی کے دوسرے کاموں میں دیا جائے تاکہ حکم نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام پر عمل ہو اور مخالفت سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لازم نہ آئے۔ **قال اللہ تعالی** ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ.﴾ [المائدہ: ۹۲] (اور کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا) (معارف) **و قال عز اسمہ** ﴿تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدہ: ۲] (باہم مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر اور نہ مدد کرو گناہ وزیادتی پر) (معارف)۔ ردالمحتار جلد خامس ص ۳۲۱ میں ہے۔

> **والصحیح کما فی الھدایۃ و شروحھا انھما (ای اللحم و الجلد) سواء.** اور صحیح یہی ہے جیسا کہ ہدایہ اور اس کی شروح میں ہے کہ گوشت اور چمڑا دونوں کا حکم یکساں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد خامس ص ۴۵۶ میں ہے۔

> **واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح.** صحیح مذہب میں گوشت چمڑے ہی کی حیثیت میں ہے۔

اسی میں ہے۔

> **ولو باع بالدراھم لیتصدق بھا جاز لا نہ قربۃ کالتصدق کذا فی التبیین و ھکذافی الھدایۃ و الکافی.** اگر روپے پیسے کے بدلے میں بیچا اور مقصد صدقہ کردینا ہے تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا عمل خیر ہے جیسے کہ صدقہ کرنا۔ ایسا ہی تبیین مین ہے نیز ھدایہ اور کافی میں بھی ایسا ہی ہے۔

درمختار ہاشمی ص ۵ میں ہے۔

> **اعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین و ھو بقدر ما یحتاج لدینہ و فرض کفایۃ و ھو مازاد**

عليه لنفع غيره و مندو با وهو التبحر فى الفقه و علم القلب و حرا ما وهو علم الفلسفه والشعبذة والتنجيم والر مل وعلوم الطباعين و السحر و الكهانة و دخل فى الفلسفة المنطق و فى هذا القسم علم الحرف والموسيقى. و مكروها و هو اشعارالمو لدين من الغزل والبطالة و مباحا كاشعار هم التى لا سخف فيها كذا فى فوائد شتى من الاشباه والنظائر. جاننا چاہئے کہ علم کا حاصل کرنا فرض عین بھی ہے۔ یہ دینی شعائر کے ادا کرنے میں جتنی ضرورت ہوتی ہے اس حد تک۔ دوسری قسم فرض کفایہ ہے۔ یہ مقدار ضرورت سے زیادہ کا حاصل کرنا اور تیسری قسم مستحب ہے۔ یہ فقہ اور علم اخلاق کے اندر مہارت حاصل کرنا۔ چوتھی قسم حرام ہے یہ علم فلسفہ، علم نجوم، علم رمل، علم شعبدہ، علم کہانہ (مستقبل کی خبر دینے کا دعویٰ کرنے والا علم)، علم طبیعات، فلسفہ کے اندر علم منطق بھی داخل ہوگیا۔ اسی قسم میں علم اسرار حروف اور موسیقی بھی ہے۔ اسی میں ایک قسم مکروہ ہے، یعنی بعد کے عربی شعراء کے خرافات پر مشتمل غزلیہ اشعار۔ پانچویں قسم مباح ہے۔ جیسے ایسے اشعار جن کے اندر پھوہڑ پن نہیں ہے۔ ایسا ہی کتاب اشباہ ونظائر کے باب فوائد شتی میں ہے۔

نیز عامۂ کتب فقہیہ میں چرم قربانی کے متعلق لفظ یتصدق واقع ہے اور علوم دنیویہ کے اسکول وکالج میں چرم قربانی یا اسکی قیمت کا دینا تصدق نہیں۔ هذا ما عندى والله تعالى اعلم.

کتاب الحج (حج کا بیان)

مسئلہ ۷۰۴: کسی آدمی کے پاس کچھ روپے موجود ہیں اور آئندہ اسے ربیع کی فصل میں دس ہزار روپے کی آمدنی ہونے والی ہے تو اس وقت کیا وہ قرض لے کر حج کرنے جا سکتا ہے، کیا اس پر حج فرض ہے؟

مسئولہ عبد الرب، راجستھان، ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۸ء

الجواب: آئندہ کی آمدنی کی امید پر شخص مذکور کو مستطیع نہ کہا جائے گا، اور اس پر حج فرض نہ ہوگا، تاوقتیکہ وہ اپنی موجودہ آمدنی سے مستطیع نہ ہو لے۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰۵: ایک شخص جو کافی مالدار ہے، اس پر زکوۃ فرض ہے، وہ صرف ان روپوں کی زکوۃ نکالنا چاہتا ہے جو حج میں خرچ ہوں گے، کیا اس کا یہ عمل صحیح ہے اور کیا حج کرنا صحیح ہوگا؟

مسئولہ جناب محمد علی صاحب، ڈھالیہ، گنگا نگر، راجستھان، ۶ر رجب ۱۳۸۷ھ

الجواب: اس شخص پر فرض ولازم یہی ہے کہ وہ سارے مال کی زکوۃ نکالے، لیکن وہ اگر صرف اتنے مال کی زکوۃ نکالنا چاہتا ہے جو حج میں لے جائے گا تو صرف اتنے مال کی زکوۃ نکال کر حج کو جا سکتا ہے، باقی مال کی زکوۃ نہ نکالنے کا گناہ اس شخص پر الگ سے ہوگا۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید اپنے ماں باپ سے علیحدہ رہتا ہے، اور کاروبار وغیرہ سب علیحدہ ہے۔ اب اس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کر سکے اور بہت خواہشمند ہے کہ میں حج کر آؤں، لیکن بکر کہتا ہے کہ پہلے اپنے ماں باپ کو حج کرانا ضروری ہے۔ اس کے بعد آپ حج کر سکتے ہیں، بدوں ماں باپ کے حج کرائے آپ کا حج نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر ماں باپ کا وصال بھی ہو جائے تو پہلے ان کی طرف سے حج کرائے، بعد میں اپنی طرف سے حج کر سکتا ہے۔ زید کے ماں باپ حیات ہیں، لیکن زید کے پاس اتنا مال نہیں کہ وہ ماں باپ کو بھی حج کرائے اور خود بھی حج کرے۔ تو اس صورت میں زید پر حج فرض ہے یا نہیں اور وہ بدون ماں باپ کے حج کرائے خود حج کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اگر زید مالدار ہو تو کیا حج کے لیے یہ شرط ہے کہ پہلے ماں باپ کو حج کرائے، اس پر بعد میں فرض ہوگا؟ جواب مستحکم عنایت فرمائیں؟

مسئولہ محمد شفاعت علی مراد آبادی، مقام گڑھیا گنگ، راجستھان، ۱۹ر اپریل ۱۹۷۴ء

الجواب: جس مستطیع شخص پر حج فرض ہو وہ پہلے اپنا فرض ادا کرے۔ ایسے شخص پر یہ لازم وفرض نہیں ہے کہ وہ اپنے

والدین کو حج کرائے، پھر اپنا حج کرے بکر یا جو شخص ایسی بات کہتا ہے، وہ غلطی پر ہے۔ اس کا قول حکم شرع کے خلاف ونا قابل اعتبار ہے۔ بکر کا یہ قول بھی غلط و باطل ہے کہ والدین اگر انتقال کر چکے ہوں تو پہلے ان کی طرف سے حج کرائے پھر اپنا حج کرے۔ خلاصہ یہ کہ زید پر حج فرض ہے، وہ جتنی جلد ممکن ہو اپنا حج فرض ادا کرے۔ اگر زید اتنا مالدار ہو کہ اپنا حج بھی کرسکتا ہے اور اپنے والدین کو بھی حج کراسکتا ہے، پھر بھی زید پر اس حال میں بھی یہ فرض و لازم نہیں ہے کہ وہ پہلے اپنے والدین کو حج کرائے پھر اپنا حج کرے۔ شرعاً یقینی طریقے پر بغیر والدین کے پہلے حج کرائے زید کا حج فرض صحیح و درست ہوگا۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو بھائی ایک ساتھ رہتے تھے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی اپنی اولاد کی طرح پرورش کی اور جب دونوں بھائی بال بچے دار ہو گئے تو دونوں الگ ہو گئے اور دونوں کا کھانا پینا، کاروبار بھی الگ ہوگیا۔ اُس وقت چھوٹا بھائی غریب تھا اور اس وقت چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے مقابلے میں مالدار ہے۔ لہٰذا چھوٹا بھائی اپنی مرضی سے بڑے بھائی کو حج کرانا چاہتا ہے، مگر اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ دونوں جاسکیں۔ پہلے بڑے بھائی کو حج کرانے کے واسطے بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اس کے لیے فتویٰ دیں؟

مسئولہ اسد اللہ ٹیلر ماسٹر، کٹگھر، مرادآباد، ۹ رذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

الجواب: سوال سے ظاہر ہے کہ چھوٹا بھائی بڑے بھائی کو تبرعاً اور حصول ثواب کی نیت سے حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے اپنے فریضہ حج سے سبکدوش ہولے پھر اس کے بعد بڑے بھائی کو بھیجے اس لیے کہ جب اس پر حج فرض ہوگیا تو اس میں تاخیر قول راجح پر گناہ ہے۔ درمختار مصری جلد ثانی ص ۱۴۴ میں ہے۔

> **فیفسق وترد شھادتہ بتاخیرہ ای سنینا لان تاخیرہ صغیرۃ و بارتکابہ مرۃ لا یفسق الا بالاصرار.** فریضہ حج کی ادائیگی میں قدرت و وسعت کے باوجود کئی سال ٹال مٹول کرنے والے فاسق ہو جائیں گے ان کی گواہی مردود ہو جائیگی.......... کیونکہ حج میں تاخیر کرنا گناہ صغیرہ ہے اور ایک مرتبہ اس صغیرہ کے ارتکاب پر فاسق بھی نہیں ہوگا مگر بار بار کے ارتکاب پر ضرور فاسق ہو جائے گا۔ **واللہ تعالی اعلم.**

مسئلہ ۷۰۸: ایک صاحب نے مبلغ سات ہزار روپے ایک صاحب کو تجارت کے لیے دیئے اور مبلغ پچھتر روپے ماہوار منافع قرار پائے اور نقصان سے کوئی تعلق نہیں رکھا، چنانچہ مبلغ چھ ہزار روپے منافع میں وصول ہو چکے ہیں۔ اصل سے کوئی پیسہ وصول نہیں ہوا۔ امسال حج بیت اللہ کا خیال ہے، کیا اس رقم سے حج کر سکتے ہیں، شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں؟

مسئولہ جنرل سکریٹری، مرادآباد، ۵ رفروری ۱۹۵۸ء

الجواب: اس شرط کے ساتھ تجارت کا معاملہ کرنا کہ میں پچھتر (۷۵) روپے ماہوار لوں گا اور نقصان کا ذمہ دار نہیں، نا جائز ہے۔ لہذا اس ناجائز تجارت کے نفع سے ہرگز ہرگز حج نہ کرے۔ حج ایک مقدس عبادت ہے، اس میں نہایت طاہر اور حلال روپیہ خرچ کرنا لازم ہے۔ شخص مذکور اپنا اصل روپیہ لے کر حج کرے۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ضعیفہ جن کی عمر قریب ستر سال کی ہے اور تقریباً تیرہ سال سے بیوہ ہے، جسمانی حالت بھی اچھی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے ان کا ارادہ حج بیت اللہ شریف کا ہے، ان کے ساتھ جانے کے لیے کوئی عزیز دار نہیں ہے، ہاں کئی حضرات محلے سے جا رہے ہیں، جن میں ایک عورت بھی ہے۔ جانے والے اشخاص میں ایک صاحب ان ضعیفہ کو اپنی والدہ سمجھتے ہیں اور وہ ان کو اپنی اولاد تصور کرتی ہیں اور اپنا ولی بھی مانتی ہیں۔ اس حالت میں وہ حج کے لیے جاسکتی ہیں یا نہیں؟

مسئولہ خلیل احمد، رانجہ کا سمس پور، ڈاکخانہ خاص مراد آباد، ۳ر جمادی الاخری ۱۳۸۱ھ

الجواب: صورت مسئولہ میں یہ ضعیفہ بیوہ ہرگز ہرگز حج کو نہ جائیں، چونکہ اہل محلہ اور اہلِ محلہ کی عورت اور جوان کو اپنی والدہ سمجھے ہیں، ان میں سے کوئی فرد ان کا محرم نہیں ہے، اور بغیر محرم کے سفر حج کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

مسئلہ ۷۱۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱): مسماۃ ہندہ ایک بیوہ عورت ہے، عمر تقریباً ساٹھ برس سے اوپر ہے، حج بیت اللہ کرنے کی استطاعت رکھتی ہے، مگر کوئی محرم پاس نہیں ہے، بھائی سرکاری نوکری میں پردیس رہتا ہے، اور دو آدمی کا خرچہ بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ رشتہ دار عورتوں کی جماعت حج کے لیے جارہی ہے، ان کے شامل مرد بھی ہیں، جو کہ مسماۃ ہندہ کے بھی رشتہ دار ہیں۔ ایسی صورت میں مسماۃ ہندہ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ مندرجہ بالا صورت میں اگر ہندہ کو اجازت نہیں ہو تو پھر کوئی صورت فرمایئے جس میں جانے کی اجازت ہو؟ (۲): اگر ایسی صورت میں ہندہ چلی جائیں گی تو شرعی احکام فرمایئے؟ (۳): اگر بالفرض کوئی صورت نہیں ہو تو مسماۃ اس روپے کو کس مد میں خرچ کرسکتی ہے، کیا اس روپے سے اپنے بدلہ میں دوسرے آدمی کو بھیج سکتی ہے، کیا حج بدل کے لیے حاجی کا جانا شرط ہے یا غیر حاجی بھی حج بدل کرسکتا ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب.

مسئولہ مولانا محمد معز الدین صاحب، محلہ برہ پورہ، ضلع بھاگلپور، ۳ر جنوری ۱۹۶۴ء جمعہ

الجواب: (۱): عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی ہر عورت پر وجوب حج کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے۔ اگر محرم نہ ہو تو عورت پر حج واجب ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح عورت پر محرم کے سفر حج کا نفقہ بھی واجب ولازم ہے، لہٰذا ہندہ جب اس کا محرم پاس نہیں ہے اور نہ وہ محرم کا سارا خرچ برداشت کرسکتی ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ پر حج فرض ہی نہیں ہے، پس ہندہ اپنے رشتہ دار عورتوں کے ساتھ یا اپنے غیر محرم مردوں کے ساتھ شرعاً حج کو نہیں جاسکتی۔ محرم شوہر اور وہ ہر مرد ہے، جس سے ہندہ کا نکاح دوامی اور ابدی طریقے پر بسبب قرابت، رضاعت، یا مصاہرت حرام ہو، بشرطیکہ محرم غیر زوج عاقل بالغ ہو اور فاسق نہ ہو بلکہ مرد صالح اور امین ہو۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۲۰۴ میں ہے۔

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت اوعجوزاً اذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلثة ايام،وان كان اقل من ذلك حجت بغير محرم كذافى البدائع،هكذافى المحيط والمحرم الزوج ومن لا يجوز منا كحتها على التابيد بقرابة اور ضاع او مصاهرة

كذافی الخلاصة ويشترط ان يكون مامونا عاقلا بالغاحرا كان اوعبدا كافرا كان اومسلما كذافی فتاویٰ قاضی خان وتجب عليها النفقة والراحلة فی مالها للمحرم ليحج بها(ملخصا). اسی میں ہے محرم کا ہونا ہے عورت چاہے جوان ہو یا بوڑھی اگر مکہ تک سفر تین دن کا ہے ایسا ہی المحیط میں ہے اور محرم شوہر ہے یا جس سے نکاح ہمیشہ کیلئے حرام ہے۔ یہ حرمت نکاح کے رشتہ کی وجہ سے ہو یا رضاعت کی وجہ سے یا مصاہرت کی وجہ سے۔ ایسا ہی الخلاصہ میں ہے۔ یہ بھی ضروری ہیکہ محرم محفوظ کردار کا ہو۔ عاقل، بالغ ہو خواہ غلام ہو یا آزاد، مسلمان ہو یا کافر۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ محرم کے تمام اخراجات عورت کے ذمہ ہوں گے۔

مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۱۳۳ میں ہے۔

(و)مع وجود (زوج اومحرم للمرأة) الشابة والعجوز بعد ماكانت خالية عن العدة اية عدة كانت وظاهره ان المحرم شرط الوجوب وفی الاصلاح و هوالصحيح.......... ان كان بينها وبين مكة مسافة سفر(ولاتحج المرأ ة) بلا احد هما ای الزوج والمحرم (ملخصا). شوہر یا محرم کا وجود ضروری ہے۔ عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی، کسی بھی طرح کی عدت سے بھی خالی ہونا ضروری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ محرم کا ہونا حج کے واجب ہونے کیلئے شرط ہے، اگر اسکے اور مکہ کے درمیان تین دن تین رات کے سفر کی مسافت ہے۔ عورت شوہر یا محرم میں سے کسی ایک کے بغیر حج نہ کرے۔

اسی میں ہے۔

ولا يجب عليها التز وج هذا علی قول من قال هوشرائط الوجوب .كما فی اكثرا الكتب. عورت پر حج کیلئے شادی کرنا ضروری نہیں۔ یہ اُس قول کی بنیاد پر ہے جس نے کہا کہ محرم کا ہونا شرائط وجوب میں سے ہے۔ جیسا کہ اکثر کتابوں میں ہے۔

اگر حج کے اردے سے جانے والا کوئی مرد ہندہ سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے اور ہندہ بھی نکاح پر راضی ہو تو بعد نکاح ہندہ اس شوہر کے ساتھ سفر حج کو شرعا جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ شوہر اپنے نفقے سے حج کرنا منظور کر لے، اور ہندہ پر سفر حج کا خرچ اور بار نہ ڈالے۔ والله تعالی اعلم.

(۲): بغیر محرم ہندہ کا سفر حج حرام و گناہ ہے۔ لیکن اگر حرام و معصیت کا ارتکاب کر کے ہندہ بغیر محرم کے حج کر لے گی تو اس کا یہ حج جائز بکراہت تحریمی ہوگا۔ درمختار مصری جلد دوم ص ۱۵۰ میں ہے۔

ولوحجت بلامحرم جاز مع الكراهة اگر بغیر محرم حج کر لیا تو کراہت کے ساتھ حج ہو گیا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (مع الكراهة) ای التحريمية للنهی فی حديث الصحيحين لاتسا فرالمرأة ثلثا الا ومعها محرم زاد مسلم فی رواية اوزوج. کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ صحیحین کی

حدیث میں ممانعت آئی ہے، تین دن کی مسافت کی صورت میں عورت بغیر محرم سفر نہ کرے، مسلم کی روایت میں او زوج یا شوہر کی زیادتی ہے سو اللہ تعالی اعلم.

(۳): ہندہ پر چونکہ حج واجب ہی نہیں ہے، لہذا اپنا حج بدل کرانا اس پر لازم نہیں، حج بدل کیلئے جس شخص کو بھیجا جائے، اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو اور پہلے سے حاجی بن چکا ہو۔ لیکن افضل یہی ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے ہی شخص کو بھیجا جائے جو پہلے حج کر چکا ہو۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ۲۴۱ میں ہے۔

والا فضل للانسان اذا ارادان یحج رجلاعن نفسه ان یحج رجلاقد حج عن نفسه ومع هذا لواحج رجلالم یحج عن نفسه حجة الا سلام یجوز عند نا وسقط الحج عن الآمر کذا فی المحیط وفی الکرمانی الافضل ان یکون عالما بطریق الحج وافعاله ویکون حراعا قلا بالغا کذافی غایة السروجی شرح الهدایة ولواحج عنه امرأة او عبدا اوامة باذن السید جاز ویکره هکذافی محیط السر خسی. افضل یہ ہے کہ آدمی اسی سے حج بدل کرائے جو خود اپنا حج کر چکا ہو، تاہم اگر اسنے ایسے شخص کو اپنی طرف سے حج کرادیا جو خود اپنا حج نہیں کیا ہے تو حکم دینے والے سے حج ساقط ہو گیا، ایسا ہی المحیط میں ہے۔ الکرمانی میں ہے افضل یہ ہے کہ حج بدل کیلئے ایسے شخص کو بھیجے جو حج کے طریقے اور افعال سے واقف ہو اور آزاد، عاقل، بالغ ہو.........اگر عورت یا غلام یا باندی کو مالک کی اجازت سے حج کرادیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

ہندہ اپنے اس روپے کو جس مصرف خیر میں چاہے خرچ کر سکتی ہے، اور اگر ہندہ چاہے تو اس روپے کے متعلق اپنی موت سے پہلے حج کی وصیت کر سکتی ہے، بشرطیکہ حج کے قابل وصیت کا روپیہ ہو۔ واللہ تعالی اعلم.

مسئلہ ۷۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک بیوہ عورت سن رسیدہ ہے اور یہ اپنے خاص داماد کے حقیقی ماموں زاد بھائی کے ساتھ سفر حج بیت اللہ شریف کو جانا چاہتی ہے تو یہ رانڈ عورت مذکورہ اس اپنے داماد کے ماموں زاد بھائی کے ہمراہ سفر حج بیت اللہ کو جا سکتی ہے یا نہیں، اور اس کا اس صورت میں فریضہ حج درست ہے یا نہیں۔ براہ کرم جواب سے مستفیض فرمائیے گا؟

مسئولہ شیخ محمد جابر، جمادی الاخری ۱۹۶۸ء

الجواب: یہ بیوہ عورت اپنے داماد کے ماموں زاد بھائی کے ہمراہ کوئی سفر نہیں کر سکتی۔ نہ سفر حج کر سکتی ہے۔ اس کے ہمراہ اس کا سفر حج ناجائز و گناہ ہوگا، فریضہ حج کے ادا ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ حج مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہوگا۔ کذافی الدر المختار وهوسبحانه وتعالی اعلم.

حج بدل

مسئلہ ۷۱۲: کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کہ حج بدل کرنے کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو، جائز ہے یا ناجائز ہے، جواب بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے؟

مسئولہ لڈن خاں صاحب، محلہ نواب پورہ، مرادآباد

الجواب: بلاشبہ ایسے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز و درست ہے جس نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو، لیکن افضل و اولی یہ ہے کہ جو حج فرض ادا کر چکا ہو اس کو بھیجا جائے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۲۴۱ میں ہے۔

والا فضل للانسان ... (پوری عبارت... مسئلہ ۷۱۰... میں دیکھیں)۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

مسئلہ ۷۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مستطیع کہ جس کے اوپر حج فرض نہیں ہے اور اس نے حج نہ کیا ہو وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور عورت کی طرف سے مرد حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا عورت کا حج عورت ہی کر سکتی ہے مرد نہیں کر سکتا ہے؟ مسئولہ شہر امام مولوی، ۲۹ ربیع الثانی ۱۹ ستمبر ۱۹۶۳ء

الجواب: شخص مذکور حج بدل کر سکتا ہے، لیکن حج بدل میں افضل یہی ہے کہ ایسے شخص سے حج بدل کرائے جو اپنا فریضہ حج ادا کر چکا ہو، عورت کی طرف سے مرد حج بدل کر سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، اور مرد کی جانب سے بھی عورت حج بدل کر سکتی ہے، لیکن اولی یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت حج نہ کرے۔ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ۲۴۱ میں ہے۔

والا فضل للانسان ... (پوری عبارت... مسئلہ ۷۱۰... میں دیکھیں)۔

علامہ شامی اپنے حاشیہ ردالمحتار میں مرد کی جانب سے عورت کے حج کرنے کو مکروہ تنزیہی بحوالہ فتح القدیر بتاتے ہیں۔ درمختار جلد ثانی ص ۲۴۷ میں ہے۔

> (فجازحج الصرورة) بمهملة: من لم يحج (والمرأة والعبد وغيره) كا لمرا هق وغير هم اولى لعدم الخلاف. صرورة (یعنی جس نے اپنا حج نہ کیا ہو) عورت اور غلام اور قریب البلوغ کا حج بدل کے لئے جانا جائز ہے۔ ان لوگوں کے علاوہ اگر جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ مذکورین کے بارے میں اختلافِ (امام شافعی) ہے۔

شامی میں ہے۔

> وعلل فی الفتح الكراهة فی المرأ ة بمافی المبسوط من ان حجها انقص، اذ لارمل عليها، ولا سعی فی بطن الوادی ولا رفع صوت با لتلبية ولا حلق. فتح القدیر میں عورت کو حج بدل کے لئے بھیجنے کی کراہت کی علت جو المبسوط سے بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا حج نسبتاً ناقص ہے۔ کیونکہ اس پر نہ تو رمل ہے، نہ بطن وادی کی سعی ہے، نہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا ہے۔ اور نہ سر منڈانا ہے۔

اسی میں ہے۔

ولا یخفی ان التعلیل یفید ان الکراھۃ تنزیھیۃ لان مراعاۃ الخلاف مستحبۃ فافھم۔ ان لوگوں کے علاوہ کو حج بدل کے لئے بھیجنے کی افضلیت کی جو علت بیان کی گئی ہے، اس سے واضح طور پر یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔ کیونکہ اختلاف ائمہ کی رعایت مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مکہ مکرمہ میں ہے اور اس کے قرابت دار ہندوستان میں ہیں۔ اب زید مکہ مکرمہ اپنے کسی قرابت دار کے لیے کسی شخص کو ۱۰۰ و ۲۰۰ روپے دے کر حج بدل کرواتا ہے، تو کیا حج ادا ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

مسئولہ رئیس الدین، ۱۶ر محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

الجواب: حج بدل کے لیے شرط ہے کہ حج بدل کرنے والا شخص جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے، اس کے وطن و منزل سے سفر شروع کرے، ورنہ حج بدل فرض ادا نہ ہوگا، حج بدل نفل میں تو ایسا حج صحیح ہو سکتا ہے، لیکن حج بدل فرض میں ایسا حج شرعاً صحیح و درست نہ ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں حج بدل فرض کا ادا نہ ہوگا، اور نفل کا ہے تو ادا ہو جائے گا۔ ردالمحتار جلد ثانی ص ۲۴۰ میں ہے۔

الحادی عشران یحج عنہ من وطنہ۔ گیارہواں یہ کہ حج بدل اس کے وطن سے کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حج نفل

مسئلہ ۷۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا ارادہ حج بیت اللہ الحرام کا ہے، اور میں نے حج کے واسطے روپے بھی جمع کر دیئے ہیں۔ میرے پاس اس وقت نو سو روپے موجود ہیں۔ اور جو کچھ کمی ہوگی وہ میرے بھائی مجھ کو دینے کو تیار ہیں۔ میری لڑکی کی عمر ۱۳ سال ہے اور لڑکے کی پندرہ سال ہے، ایسی حالت میں حج کر سکتا ہوں یا نہیں؟

مسئولہ محمد رفیق، ۳۰ر جمادی الاول ۱۳۸۳ھ

الجواب: سائل نے زبانی بتایا کہ اس کا بھائی سائل کے اہل و عیال کے جملہ ضروریات کا متکفل ہو رہا ہے اور سائل کی اپنی تنخواہ بھی ملے گی، جس کو وہ اپنے لڑکے کے حق میں منتقل کر دے گا، لہٰذا ایسی صورت میں سائل حج کے لیے جا سکتا ہے، سائل کا یہ سفر حج جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید بیت اللہ کو جانا چاہتا ہے، لیکن زید کی گیارہ اولاد ہیں جن میں چار ۴ لڑکے اور ۷ لڑکیاں۔ ۳ لڑکیوں کی شادی کر دی ہے، ۴ر باقی ہیں، جن میں ۳ لڑکیاں شادی کے قابل ہیں اور ایک نابالغہ لڑکی ہے، اور ۴ر لڑکوں میں ایک کی شادی کر دی ہے، تین لڑکے باقی ہیں، زید کچھ کرتا نہیں، گھر کے جو کچھ اخراجات ہیں وہ سب لڑکے برداشت کرتے ہیں، لڑکے کہتے ہیں کہ تم بیت اللہ شریف چلے جاؤ

اس حالت میں زید بیت اللہ شریف جا سکتا ہے یا نہیں؟ سارے اخرجات ہم برداشت کریں گے؟

مسئولہ الطاف حسین خان، محلہ طویلا، مراد آباد، ۵/ مئی ۱۹۷۰ء چہار شنبہ

الجواب: سوال سے ظاہر ہے کہ زید اب گھر کی ضروریات کا متحمل بھی نہیں ہے، بلکہ گھر کے جملہ مصارف اس کے لڑکے برداشت کریں گے، خود زید کے لڑکے بھی حج بیت اللہ کے لئے زید کو جانے کو کہتے ہیں اور لڑکے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم سارے اخراجات برداشت کریں گے۔ تو صورت مسئولہ میں زید کا حج کے لئے جانا صحیح و جائز ہے۔ زید کے باقی تین لڑکوں اور تین لڑکیوں کی شادی کے جملہ مصارف بھی زید کے لڑکے ہی برداشت کریں گے۔ زید یہاں رہ کر باقی لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کے لیے فراہمی سرمایہ کا کام انجام نہیں دے سکتا، بہر حال صورت مسئولہ میں زید سفر حج کر سکتا ہے، شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم.

وُجُوبِ دَمْ

مسئلہ ۷۱۷: عرض ہے کہ میں نے حالت حج میں دس عمرہ کیے۔ اس میں سے دو مرتبہ حجامت صاف کرایا، باقی بغیر حجامت کے احرام کھولدیا، بعد میں وہیں پر علمائے کرام نے کہا کہ آپ پر آٹھ دم واجب ہو گئے۔ اس لیے کہ آپ نے آٹھ عمرہ بغیر حجامت کے کئے، لہٰذا آپ آٹھ دم ادا کیجئے۔ میں نے کہا، اس وقت میرے پاس اخراجات کی کمی ہے، اگر گھر پر ادا ہو سکتا ہے تو میں جا کر ادا کر دوں گا۔ بعض علمائے کرام نے کہا کہ ہاں وہاں بھی ہو سکتا ہے، آپ جا کر کے ادا کر دیجئے گا۔ بعض نے کہا کہ یہیں پہ کرنا ضروری ہے، دوسری جگہ نہیں ہو سکتا، حالانکہ یہ سب غلطیاں مجھ سے سہواً ہوئیں قصداً نہیں۔ دہلی کے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ سہواً غلطی ہو جانے سے اللہ تعالی معاف کر دیتا ہے۔ لہٰذا کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں آیا سہواً ہو جانے سے معاف ہو سکتا ہے، اگر ہو جاتا ہے تو بہتر یہی ہے، اگر نہیں ہوتا ہے تو کیا وہیں پر ادا کرنا واجب ہے، یا گھر پر بھی ہو سکتا ہے، کیا آٹھوں بکری ہونا چاہئے یا ایک بقر اور ایک بکری، ایک بقر اور ایک بکری میں مجھے آسانی ہے۔ ایک بقر کر دیں گے، جس میں سات حصے ہوتے ہیں اور ایک بکری اس سے آٹھوں دم پورے ہو جائیں گے۔ بینوا توجروا۔

مسئولہ حاجی محمد قاسم خان، موضع اگیا ڈاکخانہ، سوامی نرائن چھپیا، ضلع گونڈہ

الجواب: حرم شریف کے اندر حلق یا تقصیر عمرہ کے افعال پورا کرنے کے بعد احرام سے نکلنے کے لیے واجب ہے اور اس واجب کے ترک کرنے سے خواہ قصداً ہو یا خطاً، یاد سے ہو یا بھول کر، دانستہ ہو یا نادانستہ ایک دم یعنی ایک بکری یا بھیڑ یا دنبہ یا اونٹ گائے، بھینس میں سے (سات حصوں میں سے) ایک حصہ کا حرم شریف میں خود ذبح کرنا، یا کسی سے وہاں ذبح کرانا واجب ہے۔ یہ جانور از قسم نر ہوں یا مادہ، دونوں جائز ہیں حتی کہ اگر کوئی عمرہ کا احرام باندھ کر اور اس کے تمام افعال پورے کرنے کے بعد حرم شریف سے باہر حلق یا تقصیر کرائے تو بھی ایک دم حسب تفصیل سابق واجب ہوگا۔ لہٰذا سائل پر

آٹھ بکریوں، یا آٹھ بھیڑ یا آٹھ دنبہ کا انفراداً یا بعض بھیڑ، بعض بکری، بعض دنبہ کا اجتماعا یا ایک گائے یا بھینس یا اونٹ کے ساتھ ایک بکری یا بھیڑ یا دنبہ کو ملا کر حرم شریف میں خود ذبح کر لے، یا کسی سے وہاں ذبح کرانا واجب ہے، تاکہ ترک واجب کے کفارہ سے زید سبکدوش ہو جائے اور اس ترک واجب کے ارتکاب سے زید توبہ بھی کرے، یہی بہتر ہے۔ درمختار میں ہے۔

(والعمرة) فی العمر مرة (سنة مؤكدة) علی المذهب.........(وهی احرام وطواف وسعی) وحلق اوتقصیر فالا حرام شرط ومعظم الطواف رکن، وغیر هما وا جب هو المختار، ویفعل فیها کفعل الحاج، (ملخصا). زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ سنت موکدہ ہے، یہ احرام، طواف اور صفا و مروہ کی سعی بال منڈانا، یا کم کرانا ہے، احرام شرط ہے اور طواف کا اکثر حصہ رکن ہے اور باقی چیزیں واجب ہیں، یہی مختار ہے۔ جیسے حاجی حج کے اندر کرتا ہے عمرہ والا بھی ویسا ہی کرے گا۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله(وغیرهما واجب) ارادبالغیر من المذکورات هنا، وذالک اقل اشواط الطواف والسعی والحلق اوالتقصیر. ان کا قول (ان دو کے علاوہ واجب ہے۔) غیر سے یہاں ذکر کردہ باتوں میں سے مراد لیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ طواف کا باقی حصہ۔ اس کے علاوہ سعی اور بال منڈانا یا کٹانا ہے۔

اسی میں ہے۔

قوله (ویفعل فیها کفعل الحاج) قال فی اللباب: واحکام احرامها کاحرام الحج من جمیع الوجوه وکذا حکم فرائضها و واجباتها وسننها ومحرماتها ومفسداتها ومکروهاتها اللباب میں کہا، عمرہ کا احرام ہر لحاظ سے حج کے احرام کی طرح ہے، اسی طرح احکام میں حج کی طرح ہے، جیسے فرائض و واجبات، سنن و محرمات، مفسدات و مکروہات۔

درمختار میں ہے۔

و من الواجبات کون الطواف وراء الحطیم وکون السعی بعد طواف معتد به وتو قیت الحلق بالمکان والزمان وترک المحظور. واجبات میں سے ہے.........طواف کا حطیم کے پیچھے سے ہونا، سعی کا اصل طواف کے بعد ہونا، حلق کا مخصوص وقت اور جگہ میں ہونا اور ممنوعات کو ترک کرنا ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (بالمکان) ای الحرم ولو غیر منیٰ. جگہ سے مراد حرم ہے اگرچہ منیٰ نہ ہو۔

درمختار میں ہے۔

الجنایة هنا ما تکون حرمته بسبب الا حرام او الحرم، وقدیجب بها دماء اودم. جنایۃ سے یہاں مراد وہ ہے جس کی حرمت احرام کے سبب سے ہو یا حرم ہونے کے سبب سے جس کے ارتکاب سے کئی

دم یا ایک دم واجب ہوتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (بسبب الاحرام اوالحرم) حاصل الاول سبعة زادفی البحرثامنا وهو ترک واجب من واجبات الحج. ان کا قول بسبب احرام یا حرم۔ پہلے کا حاصل سات ہے۔ البحر میں آٹھویں کا اضافہ کیا وہ حج کے واجبات میں سے کسی واجب کا ترک کرنا ہے۔

درمختا میں ہے۔

(الواجب دم علی محرم بالغ ولونا سیا) اوجاهلا او مکرها (ان طیب عضوا) کاملا (اوحلق فی حل بحج) فی ایام النحر فلوبعد ها فدمان (اوعمرة) لاختصاص الحلق ای لهما بالحرم (ملخصا). احرام والے بالغ پر ایک دم واجب ہے۔ اگر چیکہ بھول کر ہو، یا انجانے میں، یا مجبوراً۔ اگر پورے عضو پر خوشبو لگائے، یا حج یا عمرہ کیلئے قربانی کے ایام میں، یا اس کے بعد حرم کے باہر حلق کرائے۔ کیونکہ حج وعمرہ دونوں کے لئے حلق (بال منڈانا) حرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (ولوناسیاالخ) قال فی اللباب: ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بین ماافذا جنیٰ عامدا اوخاطئا، مبتدئا اوعائدا، ذاکرا اوناسیا، عالما اوجاهلا، طائعا اومکرها، نائما او منتبها، سکران او صاحیا، مغمیٰ علیه او مفیقا، مو سرا او معسرا، بمبا شرته او مباشرة غیره بامره. (ان کا قول خواہ بھول کر ہو) اللباب میں کہا۔ جرمانہ کے واجب ہونے کے سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جرم قصداً ہوا ہے یا غلطی سے، شروع میں ہوا ہے یا بعد میں، جان بوجھ کر ہوا ہے یا بھول کر، معلومات رہتے ہوا ہے یا جہالت میں، مسرور ہو کر یا مجبور ہو کر، سونے کی حالت میں یا بیداری کی حالت میں، نشے کی حالت میں یا صحیح حالت میں، بیہوشی میں یا افاقہ کی حالت میں، خوش حالی میں یا تنگدستی میں، خود کرے یا دوسرے سے کرائے۔

اسی میں ہے۔

قوله (اوحلق فی حل بحج او عمرة) ای یجب دم لو حلق للحج اوالعمرة فی الحل لتوقته بالمکان. ان کا قول (یا حج یا عمرہ کیلئے حرم سے باہر حلق کرایا) اگر حج یا عمرہ کیلئے حرم سے باہر حلق کرایا تو دم واجب ہو جائے گا، کیونکہ حلق کیلئے مخصوص جگہ ہے حرم۔

قوله (لا ختصاص الحلق) ای لهما بالحرم. یعنی حج وعمرہ دونوں کیلئے حلق حرم میں ہونا چاہیئے۔

ردالمحتار میں ہے۔

وفی اضحیة القهستانی لو ذبح سبعة عن اضحیة ومتعة وقران واحصار وجزاء الصید

او الحلق والعقیقة والتطوع فانه یصح فی ظاهر الا صول وعند ابی یوسف الا فضل ان تکو ن من جنس واحد فلو کا نوا متفر قین و کل واحد متقرب جاز. قہستانی میں ہے اگر ایک جانور ذبح کر کے سات مختلف حصے کئے۔ (۱) قربانی (۲) تمتع (۳) قران (۴) احصار (۵) شکار کے عوض یا حلق کی جزاء (۶) عقیقہ (۷) برائے ثواب تو ایسا کرنا ظاہر اصول میں صحیح ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک افضل یہ ہے کہ حصہ ایک جنس کا ہو، ہاں حصہ دار مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر ہر ایک حصہ دار ثواب کی نیت رکھتا ہو تو بھی جائز ہے۔

الدرالمختار میں ہے۔

ویتعین الحرم للکل۔ ہر طرح کے ذبح کے لئے حرم ہی متعین ہے۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (للکل) بیان لکون الهدی موقتا بالمکان سواء کان دم شکر او جنایة لماتقدم انه اسم لما یهدیٰ من النعم الی الحرم. ان کا قول (للکل) کیونکہ قربانی مکان کے ساتھ مخصوص ہے۔ خواہ قربانی شکر کے طور پر ہو یا جرمانہ کے طور پر۔.......... کیونکہ یہ بات پیچھے گذری کہ ''ھدی'' وہ قربانی ہے جس میں جانور کو حرم کے اندر ذبح کیا جاتا ہے۔

درمختار میں ہے۔

ولا یجوز فی الهدایا الا ماجاز فی الضحا یا کما سیجئی فصح اشتراک ستة فی بدنة شریت لقربة وان اختلفت اجنا سها. حج کی قربانی میں وہی جائز ہے جو عید قرباں میں جائز ہے.......... لہٰذا ایک ''بدنہ'' (قربانی کا بڑا جانور) جو بنیت تقرب خریدا گیا اس میں چھ کا اشتراک صحیح ہے۔ اگرچہ وہ مختلف جنس کے ہوں۔

ردالمحتار میں ہے۔

قوله (وان اختلفت اجناسها) فی الفتح عن الاصل والمبسوط کل من وجب علیه من المناسک جازان یشارک ستة نفر قدوجبت الدماء علیهم وان اختلفت اجنا سها من دم متعة واحصار وجزاء صید وغیر ذالک ولو کان الکل من جنس واحد کان احب الی اه وذکر نحوه فی البحر هنا. ان کا قول (اگرچہ اس کے اجناس مختلف ہوں) فتح القدیر میں الاصل اور المبسوط سے منقول ہے۔ جس پر مناسک حج کی قربانی واجب ہے وہ اس میں ان چھ افراد کو شامل کر سکتا ہے۔ جن پر خون بہانا واجب ہے۔ اگرچہ اس کے اجناس مختلف ہوں۔ یعنی وہ تمتع کا ہو۔ یا احصار یا شکار کی جزا کے طور پر ہو۔ یا اس کے علاوہ۔ اگر ساتوں حصہ ایک ہی جنس کا ہو تو سب سے بہتر ہے۔..........

المسلک المتقسط کی فصل "فی احکام الدماء وشرائط جوازھا" میں ہے۔

والثالث ذبحه فی الحرم بالاتفاق سواء وجب شکراً اوجبرا،.......... تیسرا: ذبح کا حرم میں ہونا بالاتفاق۔ خواہ شکرانہ کے طور پر ہو یا جرمانہ کے طور پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں ۱ یا ۲/ یا ۳/ یا ۴/ یا ۵/ یا ۶/ اشخاص میں مساوی ہے۔ حصوں پر شرکت کر کے قربانی کر سکتے ہیں۔ ان کو سات حصے تو نہیں بنائے جائیں۔

مسئولہ دولہ خاں بقلم خود ۲۷/ اپریل ۱۹۶۳ء

الجواب: قربانی کے بڑے جانور گائے، بھینس، اونٹ میں سات آدمی بحصہ مساوی شریک ہو سکتے ہیں۔ اور سات سے کم ایک ایک یا دو یا تین یا چار یا پانچ یا چھ اشخاص بھی ایک جانور کو خرید کر بحصہ مساوی قربانی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربت وعبادت کی ہو اور کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو۔ ورنہ کسی کی قربانی جائز نہ ہوگی۔ مساوی کی شرط سات حصوں سے کم میں لازم وضروری نہیں بلکہ اتنی بات ضروری ہے کہ کسی حصہ دار کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔

ولو لا حد اقل من سُبُع لم یجزعن احد و تجزی عما دون سبعة بالاولی. اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوا تو کسی کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔ اور سات سے کم اشخاص کی طرف سے ایک جانور میں ہو جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

والبقرة والبعیریجزی عن سبعة اذا کانوا یریدون به وجه الله تعالیٰ والتقدیر بالسبع یمنع الزیادة ولا یمنع النقصان. کذا فی الخلاصه. ایک گائے اور اونٹ سات آدمی کی طرف سے قربانی کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ سب کے سب قربت وعبادت کی نیت کریں۔ سات کی قید سات سے زیادہ حصہ دار کے لئے مانع ہے۔ سات سے کم کے لئے مانع نہیں۔

شامی میں ہے۔

المراد انها تجزی عن سبعة بنیة القربة من کل منهم ولو اختلف جهات القربة. مطلب یہ ہے کہ قربت وعبادت کی نیت سے سات آدمی کی طرف سے ایک بڑا جانور کافی ہوگا۔ عبادت کی شکل مختلف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حیلہ شرعیہ برائے حج فرض

مسئلہ ۷۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض بیوہ عورتیں حج کے ارادہ سے بغیر اپنے کسی محرم رشتہ دار کے بمبئی پہنچ جاتی ہیں اور جب وہاں علم ہو جاتا ہے کہ یوں تنہا حج کے لئے روانہ ہونا درست نہیں تو وہاں بادل ناخواستہ روادار ای میں کسی ہمراہی کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ اس نکاح کی حیثیت متعہ کی سی ہوتی ہے، واضح فرمایئے کہ ایسی صورت میں کیا طریق اختیار کرنا چاہئے؟ مسئولہ ناظم کمیٹی، مرادآباد

الجواب: سوال سے ظاہر کہ یہ بیوہ عورتیں لاعلمی کی حالت میں بمبئی پہنچ جاتی ہیں اور علم ہونے کے بعد ان عورتوں کو اپنے حج فرض یا نفل وغیرہا کے جائز و صحیح طور پر انجام دینے کا دینی رجحان نکاح کرنے کی دعوت دیتا ہے، چونکہ عورت کا ہرا یسا سفر جو تین دن کی مسافت میں واقع ہو بغیر محرم یا زوج حرام ہے، نیز اگر کوئی عورت بغیر محرم یا زوج حج کرے، تو یہ حج مکروہ ہوگا۔ درمختار ہاشمی ص ۱۳۷ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۳۸ میں ہے۔

ولو حجت بلامحرم جاز مع الكراهة . بغیر محرم حج کرلیا تو کراہت کے ساتھ حج ہو جائیگا۔

تو یہ نکاح اس ارتکاب سفر حرام اور حج مکروہ سے بچنے کی غرض سے بطور حیلہ شرعیہ صحیحہ ہوا جو درست و جائز ہے۔ فتاوی عالمگیری مطبوعہ کلکتہ جلد سادس ص ۵۵۹ میں ہے۔

ان كل حيلة يحتال بها الرجل لا بطال حق الغير او لادخال شبهة فيه اولتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل يتخلص بها عن حرام اوليتوصل بها إلى حلال فهي حسنه. یعنی ہر وہ حیلہ جو کسی غیر کے حق کو باطل کرنے کے لئے یا حق غیر میں شبہ پیدا کرنے کیلئے یا باطل کی ملمع کاری کے لیے کیا جائے، مکروہ تحریمی قریب حرام ہے، اور ہر وہ حیلہ جو کسی حرام کے ارتکاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے یا کسی امر کو حلال و جائز طریقہ پر انجام دینے کے لیے کیا جائے وہ جائز و صحیح اور بغیر کراہت درست ہے۔

کسی مرد مومن اور مومنہ عورت کے اس صحیح فعل اور درست اقدام کو بادل ناخواستہ سے تعبیر کرنا اس کی نیت پر حملہ کرنا اور اس پر بدگمانی کرنا ہے، جو حرام و ممنوع بنص صریح قرآن کریم ہے۔ قال الله تعالى ﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ [الحجرات: ۱۲] (اے ایمان والو بچو بہتیرے گمان سے بلاشبہ کوئی کوئی گمان گناہ ہوتا ہے) (معارف)۔ اور اس نکاح صحیحہ کو متعہ یا نکاح موقت جیسا قرار دینا یا سمجھنا کسی حجت شرعیہ کے بغیر جہل و نادانی اور بلاشبہ فاسد و باطل ہے، اور مومن و مومنہ کے ساتھ حسن ظن کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے منافی ہے، چونکہ متعہ اس عقد حرام و باطل کو کہتے ہیں، جس میں صرف لفظ تمتع یا اس کا کوئی مشتق ضرور پایا جائے، خواہ مدت قلیلہ کا ذکر و تعیین ہو یا مدت طویلہ کا یا مدت کا تذکرہ مجہول طریقہ پر ہو یا مدت کا تذکرہ ہی نہ ہو اور شہادت بھی نہ ہو اور لفظ نکاح یا تزوج یا ان کے ہم معنی الفاظ یا ان کے مشتقات کا ذکر نہ ہو اور نکاح موقت وہ عقد حرام و باطل ہے، جو لفظ نکاح یا تزوج کے ساتھ ہو اور صراحۃً کسی لفظ مدت و توقیت کا بھی تذکرہ ہو، اور دو گواہ بھی ہوں۔ مجمع الانہر استنبولی جلد اول ص ۱۶۶ میں ہے۔

(و)لا يصح (نكاح المتعة والموقت) الفرق بينهما ان يذ كرفى الموقت لفظ فى النكاح اوالتزو يج مع التو قيت وفى المتعة لفظ اتمتع بكِ مدة بكذا من المال او استمتع كمافى اكثر الكتب. نکاح متعہ اور نکاح موقت صحیح نہیں، دونوں کے درمیان فرق یہ ھیکہ نکاح موقت میں لفظ نکاح یا تزویج کا ذکر ہوتا ہے، ساتھ ساتھ توقیت (یعنی اتنے وقت کے لئے نکاح کررہا ہوں) بھی ہوتی ہے، اور متعہ میں یہ لفظ ہوتا ہے "میں تم سے اتنے پیسے کے بدلے میں اتنی مدت تک کیلئے متعہ کرتا ہوں" جیسا کہ اکثر کتابوں میں ہے۔

ہدایہ جلد ثانی ص ۲۹۲ میں ہے۔

ونكاح المتعه باطل وهوان يقول لا مرأة اتمتع بكِ كذامدة بكذ امن المال. نکاح متعہ باطل ہے، وہ یہ ھیکہ عورت سے کہے کہ میں تم سے اتنے مال کے بدلے میں اتنے دنوں کیلئے متعہ کرتا ہوں۔

اسی کے ص ۲۹۳ میں ہے۔

(والنكاح الموقت باطل) مثل ان يتزوج امرأة بشهادة شاهدين الى عشرة ايام. موقت نکاح باطل ہے، جیسے کسی سے دو گواہ کی موجودگی میں دس دن تک کیلئے نکاح کرنا۔

نہایہ شرح ہدایہ جلد ثانی ص ۷۰ میں ہے۔

والفرق بذكر لفظ التزوج في الموقت دون المتعة وكذا بالشهادة فيه دون المتعة. موقتی اور متعہ کا فرق۔ موقت میں لفظ تزوج کا ذکر ہوتا ہے، متعہ میں نہیں ہوتا۔ موقت میں گواہ ہوتے ہیں، متعہ میں نہیں۔

بحر الرائق مصری جلد ثالث ص ۱۰۸ میں ہے۔

وفرق بينهما فى النها ية والمعراج بان يذ كر فى الموقت لفظ النكاح او التز ويج مع التوقيت وفى المتعة لفظ "اتمتع بک" او "استمتع" وفى العناية بفرق آخران الموقت يكون بحضرة الشهود ويذ كرفيه مدة معينة بخلاف المتعة. النہایہ اور المعراج میں دونوں کے درمیان یہ فرق بتایا گیا ہے کہ موقت میں تعین وقت کے ساتھ لفظ نکاح یا تزویج کا ذکر ہوتا ہے اور متعہ میں یہ لفظ ہوتا ہے۔ "میں تم سے متعہ کرتا ہوں یا استمتاع کرتا ہوں" العنایہ میں ایک دوسرا فرق بتایا گیا ہے۔ نکاح موقت گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور اس میں مدت متعینہ کا ذکر ہوتا ہے، بخلاف متعہ کے۔

منحۃ الخالق میں ہے۔

ان التمتع ما اشتمل على مادة متعة مع عدم اشتراط الشهود وتعيين المدة وفى الموقت الشهود وتعيين المدة. نکاح متعہ میں کوئی ایسا لفظ ضروری ہوتا ہے جس میں "م ت ع" کا مادہ ہوتا ہے اس میں گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی، نہ مدت کی تعیین شرط ہوتی ہے۔ اور موقت میں گواہ اور مدت

کی تعیین ہوتی ہے۔

اوراس نکاح میں جو حج کے موقعہ پر بیوہ عورتیں کرتی ہیں، اس میں نہ لفظ متعہ یا اس کا کوئی مشتق ہوتا ہے، نہ وقت نکاح صراحت سے لفظ توقیت وتعیین مدت کا تذکرہ ہوتا ہے، لہٰذا یہ نکاح نہ متعہ ہے نہ نکاح موقت بلکہ نکاح صحیح وجائز۔

اگر کسی عقد نکاح میں لفظ تزوج یا نکاح وغیرہما کے ساتھ لفظ متعہ بھی مذکور ہوتو وہ نکاح بھی ہمارے فقہائے احناف کی تصریح کی بنا پر صحیح وجائز ہوگا، اور لفظ متعہ لغو و باطل قرار دیا جائے گا۔ مجمع الانہر استنبولی ص ۱۶۶ میں ہے۔

لو قال اتزوجک متعة انعقد النكاح ولغا قوله متعة كما في الخانية. اگر کہا میں تم سے نکاح کرتا ہوں، متعہ کے طور پر، نکاح منعقد ہو جائے گا اور اس کا قول "متعہ" لغو ہو جائے گا۔

اس جزئیہ سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ متعہ میں لفظ تزوج یا نکاح نہیں ہوتا، صرف لفظ متعہ یا اس کا کوئی مشتق ہوتا ہے، نیز اگر نکاح لفظ تزوج وغیرہ سے شہادت کے ساتھ ہو اور نکاح کی نیت یہ ہو کہ کسی مدت معینہ تک ہی اس عورت کے ساتھ رہوں گا لیکن عقد نکاح میں لفظ توقیت وتعیین مدت کا تذکرہ صراحت سے نہ ہو تو یہ نکاح بھی مسلک احناف میں صحیح ہوگا، او نکاح موقت نہ ہوگا، چونکہ نکاح موقت میں توقیت وتعیین مدت کا لفظ صراحت کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ بحرالرائق جلد ۔۔ث ص ۱۰۸ اور مجمع الانہر استنبولی ص ۱۶۶ میں ہے۔

ولوتزوجها بنية ان يقعد معهامدة نواهافالنكاح صحيح لان التوقيت انمايكون بلفظ. اگر کسی عورت سے اس نیت سے نکاح کیا کہ اس کے ساتھ مدت متعینہ فی النیت تک زندگی گزارے گا تو نکاح صحیح ہے۔ کیونکہ نکاح موقت کے لئے لفظ توقیت ہونا ضروری ہے۔

تعلیل جزئیہ مذکورہ سے مصرح طور پر معلوم ہوا کہ صرف نیت میں توقیت وتعیین مدت، نکاح کو ناجائز نہیں کرتی، جب تک کہ عقد نکاح میں صراحت کے ساتھ لفظ توقیت وتعیین مدت مذکور نہ ہو۔ یہ جزئیہ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۲۶۴ میں بھی بحوالہ تبیین الحقائق منقول ہے۔

ولوتزوجها مطلقاوفي نيته ان يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح كذافي التبيين. کسی عورت سے اگر نکاح کیا اور دل میں یہ ہے کہ ایک مخصوص مدت کے لئے کر رہا ہوں اس نیت پر نکاح صحیح ہے۔ ایسا ہی تبیین الحقائق میں ہے۔

اصل تحقیق یہ ہے کہ نکاح صحیح کی ابتداء اور بنیاد ہی معنی دوام وتابید پر شرعاً ہوتی ہے، اسی لیے تفریق وفسخ قاضی سے یا طلاق وخلع یا موت احد الزوجین سے علاقہ نکاح منقطع ہو جاتا ہے، اور میراث وایلاء وظہار وغیرہ کے احکام اس پر مرتب ہوتے ہیں، اور نکاح موقت ومتعہ کی ابتداء اور بنیاد معنی دوام وتابید پر نہیں ہوتی، اسی لیے بغیر طلاق وخلع یا موت احد الزوجین وغیرہا کے ہی انقطاع مدت معینہ کے بعد یا عورت سے علیحدگی کے بعد عقد متعہ وموقت منقطع ہو جاتا ہے، اور اس پر احکام نکاح صحیح میراث وایلا، وظہار وغیرہ مرتب نہیں ہوتے اور نکاح موقت ومتعہ سے عورت پر طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ عنایہ شرح ہدایہ میں زیر قول ماتن "والنكاح باطل" جلد ثانی ص ۷ پر مسطور ہے۔

وھوقول عامة الفقھاء و فی المحیط کل نکاح موقت متعة. وفی ملتقی الابحرالنکاح الموقت فی معنی المتعة عندنا. یہی عام فقہ کا قول ہے اور محیط میں ہے۔ ہر ''وقتی نکاح'' متعہ ہے۔..... نکاح موقت ہمارے نزدیک متعہ کے معنی میں ہے۔

اسی کے ص ۱۷ میں ہے۔

مقتضی قولہ تزوجتک التابید لانہ لم یو ضع شرعا الا لذالک. اس کے قول ''میں نے تم سے نکاح کیا'' کا مقتضیٰ تابید یعنی نکاح ہمیشہ کے لئے ہونا ہے کیونکہ یہ لفظ شرعاً اسی کیلئے وضع کیا گیا ہے۔

بحرالرائق جلد ثالث ص ۱۸۰ اور مجمع الانہر استنبولی ص ۱۶۶ میں فتح القدیر شرح ہدایہ سے منقول ہے۔

والتحقیق مافی فتح القدیران معنی المتعة عقد علی امرأة لا یراد بہ مقاصد عقد النکاح من القرار للولد وتربیتہ بل اِمّا الی مدة معینة ینتھی العقدبانتھائھا اوغیر معینة بمعنی بقاء العقدما دام معھا الی ان ینصرف عنھا فیدخل فیہ ما بمادة المتعة والنکاح الموقت ایضا فیکون من افرادالمتعہ. فتح القدیر میں تحقیق یہ ہے کہ متعہ کا معنی عورت سے اس نیت سے نکاح کرنا جس میں اولاد کا حصول، اس کی پرورش وغیرہ مقاصد عقد نکاح کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ یا تو ایک متعینہ مدت کیلئے عقد کا ارادہ ہوتا ہے، یہ عقد مدت کے ختم ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے، یا غیر معین مدت کیلئے ہوتا ہے۔ اس وقت تک نکاح باقی رہتا ہے، جبتک عورت کے ساتھ ہے، اس سے دور ہوتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے اندر وہ تمام الفاظ جو متعہ کے مادّہ (م ت ع) سے ہیں داخل ہو جائیں گے۔ نیز نکاح موقت بھی داخل ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ بھی متعہ کے افراد میں سے ہوگیا۔

فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص ۲۶۴ میں ہے۔

نکاح المتعة باطل لا یفید الحل ولا یقع علیھا طلاق ولا ایلاء ولا ظھارولایرث احدھما ھکذا فی فتاویٰ قاضی خان فی الفاظ النکاح وھوان یقول لامرأ ة خالیة من الموانع اتمتع بکِ کذا مدة عشر ایام مثلا اویقول ایاما اومتعینی نفسکِ ایاما اوعشرة ایام ولم یذکر ایاما بکذا من المال کذا فی فتح القدیر. نکاح متعہ باطل ہے، اس سے عورت حلال نہیں ہوگی، اس پر طلاق، ایلاء، ظہار وغیرہ مرتب نہیں ہوگا، نہ ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔ ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ متعہ یہ ہیکہ کسی عورت سے جو موانع نکاح سے خالی ہو کہے۔ ''میں تم سے دس دن کیلئے متعہ کررہا ہوں'' یا صرف ایام کہے۔ یا کہے۔ ''مجھے اپنے نفس سے عیش کرنے دے''۔ چند دن، یا دس دن، یا مدت کا ذکر نہ کرے، اتنے مال کے بدلے میں۔

ان دلائل شرعیہ و براہین دینیہ کی روشنی میں آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوا کہ مذکورہ بالا بیوہ عورتوں کا نکاح صحیح وجائز اور بلا شبہ حلال ومباح ہے، چونکہ اس عقد نکاح میں نکاح کے جملہ مقاصد ومعانی اور تمام مبادی ومبانی موجود ہیں، اور

اس نکاح صحیح پر اس کے تمام احکام بھی مرتب ہوں گے، لہذا اس نکاح کو متعہ یا نکاح موقت قرار دینا باطل محض اور غلط ہے، اور جب یہ نکاح صحیح و درست ہے تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، نیز بعضے صورتوں میں اجلہ فقہاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عورت پر نکاح کر کے شوہر کے ساتھ حج ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے، اور اکابر علمائے مرجحین نے اس کو ترجیح دے کر اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ فقہائے احناف کا اس امر میں اختلاف رہا ہے کہ وجود محرم یا زوج عورت کے حق میں ادائے حج کے لیے شرط ہے یا نفس وجوب حج کے لیے شرط ہے۔ دونوں قول فقہائے کرام کے ملتے ہیں۔ محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین ابن ہمام رضی اللہ عنہ نے قول اول کو راجح بتایا ہے کہ عورت کے لیے محرم یا زوج کا ہونا ادائے حج کے لیے شرط ہے۔ اس قول کی بنا پر جب کسی غیر شادی شدہ یا بیوہ عورت پر حج فرض ہو اور وہ اتنی مالدار ہو کہ نکاح کرنے کے بعد اپنے شوہر کو بھی اپنے ساتھ حج کرا سکے تو ایسی عورت پر واجب ہے کہ وہ نکاح کر کے شوہر کے ساتھ حج فرض ادا کرے۔ بحر الرائق مصری جلد ثانی ص ۳۱۵ و ۳۱۶ میں ہے۔

واشار المصنف الی ان امن الطریق والمحرم من شرائط الوجوب لان عطفه علی ماقبله وهواحد القولین، وقیل شرط وجوب الاداء وثمرة الاختلاف تظهر فی وجوب الوصیة وفی وجوب نفقة المحرم وراحلته اذا ابی ان یحج معها الا بهما وفی وجوب التزوج علیها لیحج معها ان لم تجد محرما فمن قال هو شرط الوجوب قال لا یجب علیها شئی من ذالک لان شرط الوجوب لا یجب تحصیله ولهذالو ملک المال کان له الا متناع من القبول حتی لا یجب علیه الحج وکذا لوا بیح له ومن قال انه شرط وجوب الا داء وجب جمیع ذالک ورجح المحقق فی فتح القدیر انهما مع الصحة شروط وجوب اداء.

مصنف نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ راستے کا مامون ہونا اور محرم فرضیت حج کیلئے شرط ہیں، کیونکہ اس کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ دو قول میں سے ایک ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں فرضیت حج کیلئے شرط نہیں بلکہ فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے شرط ہیں، اور اختلاف کا نتیجہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کیلئے حج کی وصیت کر دینا، محرم کے جملہ اخراجات و سواری کا خرچ دینا، (اگر وہ انکار کرے کہ اس کے بغیر ہم ساتھ نہیں جائینگے) اور اگر کوئی محرم نہ ہو تو شادی کرنا تاکہ وہ حج میں جا سکے یہ تمام باتیں واجب ہیں۔

لہذا جس نے یہ کہا کہ محرم فرضیت حج کے لئے شرط ہے تو گویا اس نے یہ کہا کہ مذکورہ بالا باتوں میں سے کوئی بات اس کیلئے واجب نہیں، کیونکہ فرضیت حج کے شرط کی تحصیل واجب نہیں، اسی لئے اگر اس کو مال دیا جائے تو اس کیلئے قبول کرنے سے باز رہنا جائز ہے، تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا............اسی طرح اگر اسے اجازت دی دجائے ———— اور جس نے یہ کہا کہ راستے کا محفوظ ہونا اور محرم فرضیت حج کی ادائیگی کیلئے شرط ہے، اس کے نزدیک اوپر مذکور تمام باتیں واجب ہوجائینگی) محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں اسی رائے

کو ترجیح دی کہ یہ دونوں صحت کے ساتھ ساتھ وجوب اداء کے شروط ہیں۔
علامہ ابن عابدین شامی منحۃ الخالق مصری جلد ثانی ص ۳۱۵ میں شرح لباب سے نقل فرماتے ہیں۔

ثم اختلفوا فی ان المحرم او الزوج شرط الوجوب اوشرط وجوب الاداء کما اختلفوافی امن الطریق فصحح قاضی خان وغیرہ انہ من شرائط الاداء وصحح صاحب البدائع والسروجی انہ من شرائط الوجوب، وصنیع المصنف ای صاحب اللباب یشعربانہ من شرائط الاداء علی الارجح. پھر اس امر میں فقہاء کا اختلاف ھیکہ محرم یا شوہر ہونا فرضیت حج کی شرط ہے یا ادائیگی کی شرط ہے، یہی اختلاف راستے کے مامون ہونے میں ہے، قاضی خان وغیرہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ھیکہ یہ ادائیگی کی شرط ہے، نہ فرضیت حج کی شرط۔ اور صاحب البدائع اور السروجی نے اس بات کی تصحیح کی کہ یہ فرضیت حج کیلئے شرط ہے مصنف کتاب صاحب اللباب کے رجحان سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرائط اداء میں سے ہے۔

اسی کے ص ۳۱۶ میں ہے۔

وعن ابن شجاع عن ابی حنیفة ان لا محرم لھا یجب علیھا ان تتزوج زوجا یحج بھا اذا کانت موسرة . ابن شجاع سے، وہ ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس عورت کے محرم نہیں ہے، تو اس پر فرض ہے کہ کسی سے شادی کرے جو اسے حج میں لے جائے، بشرطیکہ عورت مالدار ہو۔

طحطاوی علی الدر المختار مصری جلد اول ص ۴۸۴ میں ہے۔

قال الزیلعی فی ان الزوج اوالمحرم شرط الوجوب ام شرط وجوب الاداء وتظھر الثمرة فی وجوب الوصیة وفی وجوب نفقة المحرم وراحلتہ اذا ابی ان یحج معھا الا بالزاد منھا والراحلة وفی وجوب التزوج علیھا لیحج معھا ان لم تجد محرمافمن قال ھو شرط الو جوب وصححہ فی البدائع قال لا یجب علیھا شئی من ذٰلک لان شرط الوجوب لا یجب تحصیلہ ومن قال انہ شرط وجوب الاداء وصححہ فی النھایة تبعا للقاضی خان واختار ہ فی الفتح کمافی النھر وجب علیھا جمیع ذالک ذکرہ ابو سعود. الزیلعی نے کہا شوہر یا محرم فرضیت حج کیلئے شرط ہے یا اس فرض کی ادائیگی کیلئے شرط ہے، یہ اختلاف وجوب وصیت، وجوب نفقۂ محرم نیز اس کے سواری خرچ میں ظاہر ہوتا ہے، نیز یہ اختلاف عورت پر شادی کے وجوب میں بھی کھل کر سامنے آتا ہے، اگر ساتھ جانے کیلئے محرم موجود نہ ہوں تو جس نے یہ کہا کہ یہ حج فرض ہونے کیلئے شرط ہے (النھایۃ میں اسی کی تصحیح کی) تو گویا اس نے یہ کہا کہ اس پر ان باتوں میں سے کچھ بھی ضروری نہیں، اس لئے کہ شرط وجوب کی تحصیل واجب نہیں، ابوسعود نہایہ شرح ہدایہ اور جوہرہ نیرہ میں ان قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس قول کی [illegible] میں قول فقہائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسی عورت پر جس کا کوئی محرم نہ ہو تو ادائے حج فرض کیلئے نکاح کر کے شوہر کے ساتھ جانا واجب ہے، لہٰذا مطلقاً اس نکاح کو متعہ قرار دینا یا نکاح موقت ٹھہرانا یقیناً جہل مرکب اور نادانی ہے۔ یہ جتنے احکام مذکور ہوئے، سب اس صورت میں ہیں کہ نکاح صحیح کے جملہ ارکان وشرائط پائے جائیں، ورنہ کسی رکن یا شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں یہ نکاح ناجائز بھی ہوسکتا ہے۔

وقد بینت الاحکام المذکورة بناء علی الظاهر ، هذا ما عندی والله سبحانه وتعالی اعلم وعلمه عزاسمه اتم واحکم.

بفیضِ روحانی: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ

کتاب العقائد سے کتاب الرضاع تک

۶۸۰ فتاویٰ کا مستند ذخیرہ

فتاویٰ فقیہ ملت

معروف بہ

فتاویٰ مرکز تربیت افتاء

(اوّل)

تصنیف:
فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی قدس سرہ العلیم القوی

زیرِ نگرانی
جانشین فقیہ ملت حضرت علامہ انوار احمد صاحب قبلہ قادری امجدی مدظلہ

ترتیب
- نائب فقیہ ملت مفتی محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
- مفتی اشتیاق احمد مصباحی امجدی
- مفتی محمد اویس القادری الامجدی

شبیر برادرز
شبیر برادرز
اُردو بازار لاہور

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ الحدیث

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ہزاروں فتاویٰ پر مشتمل مسائل شرعیہ کا بیش بہا خزانہ

اجمل الفتاوی

المعروف بہ

فتاویٰ اجملیہ

جلد اول

عمدۃ المحققین سلطان المناظرین اجمل العلماء بدر الفضلاء

حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اجمل صاحب قادری رضوی اشرفی نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان

شبیر برادرز

۴۰۔ اردو بازار۔ زبیدہ سنٹر ۞ لاہور

بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

المکرمۃ النبویۃ
فی
الفتاوی المصطفویۃ

تصنیف

شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام الفقہاء مفتی اعظم ہند
حضرت علامہ شاہ ابو البرکات محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(متوفی ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء)

بفیضِ حضور مفتی اعظم اعلیٰ حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شبیر برادرز ۴۰۔ اردو بازار لاہور